رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۰۲

مسیحی

امرتسر

جلد (۹) نمبر (۱)

جنوری ۱۹۰۴ء

جملہ خط و کتابت بنام مسٹر ایم۔ ایل رلیارام وکیل امرتسر

فہرست مضامین

قیمت سالیانہ دو روپیہ پیشگی

مطبوعہ رہبر ہند پریس امرتسر

گلدستۂ اخبار

جنوری ۱۹۰۷ء میں جب موجودہ مینجر نے مسیحی کا اہتمام اپنے ذمہ لیا تو قریباً اڑھائی سو روپیہ سابق مشن پریس کا ادا کرنا تھا اور کچھ اشتہاری خریداروں سے بقایا واجب الادا تھا۔ شکر کا مقام ہے کہ سن رواں کے شروع میں مسیحی کے ذمہ کوڑی بھر کا قرضہ نہیں۔ سب بل ادا ہو چکے ہیں۔ صرف قریباً ایک سو روپیہ خریداروں سے واجب الوصول ہے۔ اگر ایسے اصحاب بقایا چندہ ادا فرمائیں تو ہم مسیحی کی چھپائی اور کاغذ کا بہتر انتظام کر سکتے ہیں۔ جن خریداروں نے ۱۹۰۷ء کا چندہ ادا کر دیا ہے وہ مہربانی سے سن رواں کا چندہ پیشگی ۳۱ مارچ تک ادا کریں یا مسیحی بذریعہ قیمت طلب پارسل بھیجنے کی ہمیں اجازت دیں ورنہ مجبوراً اُن کے نام رسالہ بند کر دیا جائیگا۔ امریکن پریسبٹیرین مشن کے متعلق مدرسہ علم الٰہی سہارنپور سے بمقام ڈیرہ دون انتقال ہوا اور لاہور مشن کالج کے پروفیسر پادری ایچ سی ویلٹی مدرسۂ مذکور کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ پنجاب سی۔ ایم۔ ایس کے سکرٹری پادری آیرلینڈ جونس کی صحت بہت بہتر ہے لیکن ان کے ہندوستان واپس آنیکا قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ سی ایم ایس کے پادری رولینڈز صاحب کانگڑہ واپس آ گئے ہیں۔ مس این سی رایٹ (مس ایچ رایٹ سابق پرنسپل الگزنڈرا اسکول امرتسر کی چھوٹی بہن) آگرہ تشریف آور ہیں نئے سکول کی عمارت ماہ اپریل میں کھلیگی۔ امرتسر کی مس جیکسن بھی سفر ولایت سے واپس ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر پینل کو ایک گورے نے ڈیوڑھے درجہ کے خانۂ یوروپین میں بیٹھنے نہ دیا اور اُنکے اپنے آپکو یوروپین ظاہر کرنے پر دروغگو کا خطاب دیا۔ ڈاکٹر پینل کی والدہ شریف بمقام ٹینیرو مابین بنوں و ڈیرہ اسمٰعیل خاں ایک تنبو میں مقیم ہیں۔ صرف ایک ہندوستانی مسیحی عورت ان کے ساتھ تھی۔ اِس ضلع میں وہ عورتوں کے درمیان انجیل سُناتی اور انکو طبی مدد دیتی ہیں۔ کلکتہ کا ایونجیلیکل ریویو ۲۹ سال کے بعد بند ہونیوالا ہے۔ ڈاکٹر کے ایس میکڈانلڈ مرحوم اسکے ایڈیٹر تھے۔ اب کوئی اَور مشنری اس کام کو سنبھالنے والا نہیں ملتا۔ میتھوڈسٹ مشن کے پادری جے فیلڈ بریو نے ہندوستانی منادوں کے لئے "مختصر وعظ" نامی ایک رسالہ شایع کیا ہے جس میں ۲۵ وعظ ہیں۔ ایک مسیحی گاؤں میں جہاں پچھلے دنوں مسیحیوں کے درمیان جھگڑے فساد اور مقدمہ با[illegible] ہوئی ایک مشنری نے جو تھوڑے عرصہ سے واں مقرر ہوا تھا ایک بڑے جلسہ میں کہا "ہم رسم تدفین کی ترتیب میں سے کچھ حصہ پڑھیں۔ اور یوں اُن پرانے جھگڑوں کو زمین تلے دفنا دیا۔ سب نے تسلیم کیا کہ اب انکو زمین میں سے اکھاڑنا سخت بے عزتی اور بے شرمی کی بات ہوگی۔" سنٹ جالنس

دُعاء

اورخدا صبر اور تسلی کا چشمہ تم کو یہ توفیق دے کہ مسیح یسوع کی پیروی کر کے آپس میں ایک
دل رہو۔ رومیوں ۱۵: ۵
پس خدا جو اُمید کا چشمہ ہے تمہیں ایمان رکھنے کے باعث ساری خوشی اور اطمینان سے
معمور کرے تاکہ روح القدس کی قدرت سے تمہاری اُمید زیادہ ہوتی جائے۔ رومیوں ۱۵: ۱۳
اب خدا جو اطمینان کا چشمہ ہے تم سب کے ساتھ رہے۔ رومیوں ۱۵: ۳۳

نہایت مہربان **باپ** ۔ صبر کے **خُدا**۔ ہم اپنے فرزندوں کو جو باہم مل کر رہتے اور کام کرتے ہیں اپنے صبر کا انعام عنایت کر۔ تاکہ ہم ایک دُوسرے پر مہربان ہو کر تیری جو ہمارے **خداوند یسُوع مسیح کا باپ** ہے تمجید کریں۔ اسی کے نام سے ہم اس نعمت کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ آمین!

اے قادر مطلق **منجّی** ۔ اُمید کے خدا۔ اپنے پر ایمان رکھنے کی ایسی خوشی سے ہمیں معمور کر کہ ہم روُح القدس کی قدرت سے زیادہ اُمید حاصل کر کے ہندوستان کے لوگوں کے آگے خدا کی انجیل ایسے پیش کریں کہ وہ تیری کامل اور ہمیشہ کام آنیوالی قربانی کے طفیل تیرے حضوُر ایک پسندیدہ اور مقدّس نذر ٹھہریں۔ آمین!

اے **رُوح القدس** ۔ اطمینان کے خدا۔ جو آہیں مار مار کر ہمارے اطمینان کیلئے شفاعت کرتا ہے ہمیں توفیق دے کہ تمام مشنریوں کیلئے جی جان سے دُعا کریں۔ تاکہ ہم ان سب باتوں سے رہا ہو کر جو تیری کلیسیا کے اطمینان اور یگانگت کو روکتی ہیں دلی اطمینان سے تیری خدمت کریں۔ ہمارے **خداوند یسوع مسیح** کے وسیلہ سے۔ آمین!

نوٹ اور آرائیں

ابن عزر - مسیحی کی نویں جلد شروع کرنے سے پیشتر ہم خدا کا شکر کرتے اور اپنی مسافرت کی ایک نئی منزل پر ابن عزر نصب کرتے ہیں۔ گزرے سال اسی مہینے میں ہم اپنے دو بڑے بھاری معاون بزرگوں کے انتقال پر نوحہ کر رہے تھے۔ ایک نئے سال کی خدمت کی ذمہ واری کا پہاڑ سامنے نظر آ رہا تھا۔ اگر اس خدمت کے انجام دینے میں کسی قدر کامیابی ہوئی ہے تو یہ فقط خدا ہی کی مدد سے ہے۔ ہم اپنے معاونین کا شکریہ ادا کرنا اس موقعہ پر اپنا فرض سمجھتے ہیں جنہوں نے اپنی قیمتی صلاح یا زر سے ہماری مدد کی۔ اگرچہ جس قدر قلمی امداد کی توقع ہمکو تھی وہ بر نہیں آئی تو بھی جن اصحاب نے اپنی تحریروں سے مسیحی کے اوراق کو زینت بخشی ہماری دلی شکرگذاری کے مستحق ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ اس نئے سال میں ہمارے خیرخواہ اور معاون ہر طرح سے مسیحی کی اشاعت میں ساعی اور کوشاں رہیں گے۔ غیر مسیحی اخبارات اور رسالے مسیح کی مخالفت پر کس قدر کمربستہ ہو رہے ہیں۔ کیا زمانہ کی ضرورت ہمکو پکار پکار نہیں کہہ رہی کہ اٹھو حتی المقدور اپنے قلم کے ذریعے سے تم بھی اپنے بھائیوں اور کلیسیا کی خدمت کرو۔ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو بذریعہ دعا اور زر خدمت کرنے والوں کے ہاتھوں کو مضبوط کرو۔ شاید سال کے اس اول نمبر میں اپنے مسیحی ناظرین کو یہ جتانا بے محل نہ ہوگا کہ سال رواں سے مسیحی بلا وصول قیمت پیشگی کسی نئے خریدار کے نام جاری نہ کیا جائیگا۔ اور موجودہ خریداروں کو جو سال گذشتہ کا چندہ ادا کر چکے ہیں اخیر ماہ مارچ تک ادائیگی کی مہلت دی گئی ہے۔

ہندوستانی مشنوں کی سیر و سیاحت - یورپ اور امریکہ کے باشندوں میں طبعی طور پر ملکوں کی سیر کا شوق ہے اور بمصداق یک تیر و دو نشانہ ہر ایک سیاح اپنے مذاق کے مطابق کسی خاص امر کی تحقیق و تفتیش مدنظر رکھ لیتا ہے اور اپنے مشاہدات سے کوئی نہ کوئی نتیجہ خیز سبق حاصل کرتا ہے۔ اِن دنوں ہمارے بزرگ ڈاکٹر پینل صاحب میڈیکل مشنری بنوں کے دل میں بھی شمالی ہند کے مشنوں کی سیر و سیاحت کا شوق گدگدایا۔ آپ اپنے ایک مسلمان

چیلے کو ہمراہ لیکر اور فقیرانہ گیروا لباس زیب بدن کرکے بائیسکل پر سوار جا بجا گشت کر رہے ہیں۔ صاحب موصوف کے روحانی مزاج اور وسیع خیالات سے ناظرین کم وبیش واقف ہیں۔ یہ آپ ہی کا کام ہے کہ وحشی وزیریوں میں انجیل کو بیدھڑک سناتے ہیں۔ اور اب جو آپ ہر قسم کی صعوبتوں کی برداشت کرکے جا بجا پھر رہے ہیں یہ محض کوئی شوقیہ سیر نہیں ہے بلکہ آپ مختلف مقامات پر مسیح کی بشارت سناتے اور کلیسیاؤں کے حالات سے واقفیت پیدا کر رہے ہیں۔ آپ خصوصاً اِس امر کو بچشم خود دیکھنا چاہتے ہیں کہ مختلف کلیسیاؤں میں سیلف سپورٹ کے سوال کے حل کرنے میں کیا کوشش ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس سفر میں آپنے ٹھان لی ہے کہ ایک پیسہ پلے نہیں رکھیں گے اور ہر جگہ ہندوستانیوں کے ہاں فروکش ہوں گے۔ جہاں کوئی ہندوستانی مسیحی نہیں وہاں آپ ہندو مسلمانوں کی دعوت اور مدارات کو قبول کرتے ہیں۔ اس طور پر چار ماہ بسر کرینگے۔ فی الحال آپ ٹھہرتے ہوئے کلکتے کی طرف جا رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اگر کافی وقت ہو تو بمبئی کی طرف بھی فقیرانہ چکر لگائیں۔ خواہ آپکے تبدیل لباس وغیرہ کے خلاف کوئی کچھ کہا کرے مگر آپکا یہ اصول نہایت قابل تعریف و تقلید ہے کہ ہندوستانیوں میں ہندوستانی بنکر رہنا چاہیئے۔ ایسے خوش نثار بزرگوں کا شوق اور طرز خدمت ہمکو جو اِس ملک کے باشندے ہیں کیا شرمندہ کرنے والا ہے۔ ہم اپنے ملک کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر پنیل صاحب گاہ بگاہ مسیحی کے کارپردازوں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ جو مشاہدات اور تجربے آپ شمالی ہند کی سیر و سیاحت سے حاصل کرینگے اُس سے مسیحی کے ناظرین کو ضرور فیضیاب فرمائینگے۔

تین مسیحی لیڈیوں کا انتقال ۔ یُوں تو دنیا سرائے فانی ہے۔ اور ہر وقت آمدورفت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہزاروں مرد عورت گذرتے چلے جاتے ہیں مگر جن مسیحی خاتونوں کا ذکر ہم کرنے کو ہیں وہ مسیحی ممالک میں خاص طور پر عزت کے لائق سمجھی جاتی ہیں۔ یعنی مسز موڈی اور مسز سپرجن اور مسز بوتھ ٹکر۔ اوّل الذکر دو خاتونیں بیوہ تھیں اور اچھی عمر رسیدہ ہو کر رحلت کر گئیں۔ مسز بوتھ ٹکر صاحبہ یعنی مکتی فوج کے مبارک بندے ٹکر کی اہلیہ عین شباب میں گذری۔ تینوں کو پیغام اجل ایک ہی ماہ میں آیا اور نیا سال شروع ہونے سے پیشتر تینوں آرام میں

داخل ہوئیں۔ تینوں میں ایک خاص صفت مشترک تھی۔ یعنی یہ کہ ہر ایک اپنے خاوند کی مسیحی خدمات میں شریک اور مددگار تھی۔ موڈی صاحب اپنی اہلیہ کی نسبت کہا کرتے تھے کہ وہ میری مسافرت کا نور ہے اور اپنے بچوں کو کہا کرتے کہ میں اس سے بڑھ کر تمہارے لئے کوئی درخواست نہیں کر سکتا کہ تمہیں ایسی اچھی بیوی نصیب ہو جیسی مجھے ہوئی ہے۔ اور یہ کوئی معمولی مبالغہ آمیز تعریف نہ تھی جو عموماً میاں اپنی بیوی کی نسبت کہا کرتے ہیں۔ واقعی مسز موڈی ہر طرح سے اپنے خاوند کو صلاح مشورہ اور دینی خدمات کی انجام دہی میں بڑی بھاری مدد دیا کرتی تھیں۔ مسز سپرجن صاحبہ تیس سال سے زیادہ عرصہ سے علیل الطبع رہی تھیں۔ اور اگرچہ اپنے خاوند کے ساتھ اِدھر اُدھر نہیں پھر سکتی تھیں تو بھی بذریعہ دعا اس کی محنتوں میں شریک رہتی تھیں۔ غرض موڈی اور سپرجن جو کچھ تھے وہ خدا کی مدد سے اپنی اپنی بیوی کی طفیل تھے۔ ہمارے خادمانِ دین اور مبشروں میں سے کتنے ہیں جو اپنی اہلیہ کی نسبت اس قسم کی شہادت دے سکیں گے۔ مسز بوتھ ٹکر صاحبہ کی موت ایک ریل کے حادثہ سے ہوئی۔ ٹکر صاحب انکے استقبال کیلئے شکاگو کے سٹیشن پر منتظر کھڑے تھے جب انہوں نے دفعتہً اس جانکاہ حادثہ کی خبر سنی تو تاب نہ لا سکے اور غش کھا کر گر پڑے۔ جنرل بوتھ صاحب اپنی اس دختر نیک اختر کو بڑا پیار کرتے تھے۔ اُن کو بھی اس مرگ سے نہایت سخت صدمہ پہنچا مگر مسیحی اُمید نے اُنکو سنبھالے رکھا۔ اس متبرک خاندان نے اپنی اس عزیزہ کے ماتم میں سفید رومال اپنے کپڑوں کے اوپر باندھا اور اس طرح ۸ نومبر کے روز تمام دُنیا میں مکتی فوج کے شرکائے اپنے بائیں بازو پر سفید فیتہ باندھ کر اپنے پُر اُمید غم کا اظہار کیا۔ یہ رسم مسیحیوں کے لئے کیسی زیبا معلوم ہوتی ہے۔

سب سے ضروری بات۔ جان جیکسن نام ایک مشہور سنگ تراش نے اپنے لوحِ تربت پر جو ویسٹ منسٹر ایبی میں ہے یہ کتبہ کندہ ہونیکے لئے تجویز کیا۔ "زندگی میں تو مجھے سب سے ضروری بات یہ معلوم ہوتی تھی کہ میں سنگ تراش ہوں لیکن اب سب سے ضروری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں یسوع مسیح پر ایمان رکھتا تھا۔"

"یسوع مسیح کی پہچان میں بڑھتے جاؤ"

سال گذشتہ میں مسیحی کی طرف سے ناظرین کو یہ آیت غور کیلئے دی گئی تھی کہ "ہم یسوع کو دیکھنا چاہتے ہیں"۔ دنیا میں یسوع کو دیکھنے والے شروع سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ بعض نے آدم و حوا کی طرح ایک نہایت دور دراز فاصلہ سے دیکھا۔ بعض نے خدا کے وعدوں میں اسکا نشان پایا۔ بنی اسرائیل نے اپنی مذہبی رسوم اور عبادت کے طریقوں میں اسکا عکس دیکھا۔ انبیا نے اپنی بلند پروازی میں گویا عقاب کی آنکھوں سے اسکا مشاہدہ کیا۔ زمانہ کی تکمیل پر ان سادہ گڈریوں نے چرنی میں اسکا دیدار کیا۔ مجوسیوں نے ایک ستارے کی رہنمائی سے اُسکا درشن کیا۔ دیکھنے کو ہیرودیس نے بھی اُسی نوزاد بچے کو دیکھنے کی تمنا کی۔ مگر جبکہ مجوسی آسمان کی طرف نظر اٹھاکر اسکی تلاش میں تھے۔ اس ظالم بادشاہ کی نگاہ زمین کی طرف تھی۔ مگر اسکو مسیح یہودی کچّوں میں نظر نہ آیا بلکہ ایک دہریہ سے لیکر اس شخص تک جو مسیح کو محض ایک انسان سمجھتا ہے کبھی کسی کو حقیقی مسیح کا دیدار نصیب ہی نہیں ہُوا۔ گناہ نے انسان کی بصارت میں ایسا فتور پیدا کر دیا ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتا۔

جب ہم اپنی تمنا ظاہر کرتے ہیں کہ "ہم یسوع کو دیکھنا چاہتے ہیں" تو اِس سے کیا مُراد ہے۔ ہمیں اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ لوگ کیوں کسی کو دیکھنے کی خواہش کیا کرتے ہیں۔ اِس لئے کہ جسکو وہ دیکھنا چاہتے اُس کی نسبت زیادہ پہچان حاصل کریں۔ کہتے ہیں کہ کسی نے دھندلا اور کہاسے میں دُور سے ایک درخت نما مُورت کو کھڑے دیکھا۔ جب پاس گیا تو وہ اسکو ایک آدمی نظر آیا۔ اور زیادہ نزدیک جاکر معلوم ہُوا کہ وہ اسکا اپنا بھائی ہے۔ ویسے ہی ہم جُوں جُوں مسیح کے نزدیک ہوتے ہم اسکے عرفان میں زیادہ ترقی کرتے ہیں۔

ہمارے خداوند نے اپنے باپ کے ساتھ ہمکلام ہوتے ہُوئے فرمایا کہ "ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد و برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں۔" اور پولس رسول بار بار اِسی علم یا پہچان کی فضیلت کا ذکر کرتا ہے۔ بلکہ کلسیوں کی طرف لکھتے ہُوئے وہ حکم دیتا ہے کہ "خدا کی پہچان میں ترقی کرو"۔ جبکہ اس علم کو حیاتِ ابدی کہا گیا اور اسپر کلامِ مقدس میں اس قدر زور دیا گیا ہے تو ہم پر واجب اور لازم ہے کہ اُس پہچان کو حاصل کریں اور اسمیں بڑھتے جائیں۔ اب قاعدہ ہے کہ جب ہم کسی شخص کو زیادہ جاننا اور پہچاننا چاہتے ہیں تو ہم اسکے حرکات اور سکنات کو غور سے دیکھتے رہتے ہیں۔ ہم اوروں سے اسکے حالات سُنتے ہیں۔ ہمارا خداوند بھی اپنے ہر ایک متلاشی کو فرماتا ہے "آ اور دیکھ"۔ وہ خود اپنے حالات دُنیا پر ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ جب وہ

ہمیں حکم دیتا ہے کہ میری پہچان میں بڑھتے جاؤ تو گویا وہ اپنے آپکو ہم سے چھپانے کی کوشش کریگا۔ عموماً مسیحی لوگ مسیح کو ایک بڑا عالی شان حاکم سمجھتے ہیں جسکو دُور سے سلام کرنا ہی کافی ہے۔

دُنیاوی عشق میں علم اوّل منزل ہے۔ مگر مسیح کے سکول کا قاعدہ اسکے بالکل خلاف ہے۔ اسکی محبّت ہمارے دل میں اوّل قایم ہونی چاہئیے پھر ہمکو معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ گویا اسکا عشق ہمکو ایسا محو کرتا جائیگا کہ ہم اسکے حُسن کو زیادہ زیادہ دیکھنے لگیں گے۔ اب اگر عشق مقدّم ہے تو اسکا آغاز کیونکر ہو۔ اسکا جواب وہی شخص بخوبی دے سکتا ہے جسکے گُناہ معاف ہُوئے ہیں۔ اس قرضدار کی تمثیل سے خداوند نے سکھایا کہ جسکے زیادہ گُناہ معاف ہوئے وہ زیادہ محبّت کریگا۔ غرض اوّل انسان خدا کی محبّت کی روشنی میں اپنی نجاست کو دیکھکر توبہ کرتا اور خدا کی محبّت کی آگ اسکے دل میں مشتعل ہوتی ہے اور اسکا شعلہ آخر کو اسکے دل کو گلاکر خدا کے ساتھ ایک رُوح کر دیتا ہے (دیکھو افسیوں ۶: ۱۷ انیا ترجمہ) جب یہ زندگی انسان کے اندر شروع ہو گئی تو اسکا قیام ترقّی پر موقوف ہے۔ کوئی زندگی بغیر ترقّی کے قایم نہیں رہ سکتی۔ مسیحی لوگ کوئی ایسا معیار تلاش کرتے ہیں جس سے اُنکو سال بسال یہ معلوم ہو سکے کہ ہم نے روحانیت میں کس قدر ترقّی کی ہے۔ ہم ایسوں کو مسیح کی پہچان کے معیار کی طرف توجّہ دلاتے ہیں۔ اور رسُول پطرس کے ہم آواز ہو کر کہتے ہیں کہ

"یسُوع مسیح کی پہچان میں بڑھتے جاؤ۔" (۲ پطرس ۳: ۱۸)

کلامِ مقدّس اور اُسکے مفسّر۔ کلامِ مقدّس کو ہر قسم کے لوگ پڑھتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص اپنی خاص طبیعت کے مطابق کوئی نہ کوئی سبق اپنے لئے حاصل کر لیتا ہے۔ جو کتاب خدا کی طرف سے انسان کیواسطے لکھی گئی ضرور ہے کہ اُسمیں الٰہی صداقت ایسے طور پر بند کی جائے کہ رُوحانی موتیوں کے متلاشی اپنی طاقت کے اندازہ اسکو کھود کر نکال سکیں۔ بلاریب خدا کے کلام میں اسرار ہونگے مگر وہ بھی ایسے کہ انسانی عقل سے بالا نہ کہ اسکے خلاف۔ اگر کسی کتاب کو انسان کی حقۂ تمام و کمال سمجھ سکے تو اسکے الہامی ہونے میں شبہ ہوگا۔ ویسے ہی خدا کا کلام انسان کے ساتھ اسکی نجات اور دیگر ضروری امُور کی نسبت کرتا ہے وہ سراسر اسرار کا مجموعہ نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے خیالات بعض آیات کی تفسیر کے سُننے یا پڑھنے سے پیدا ہُوئے ہیں۔ مثلاً ملاکی کے تیسرے باب کی دوسری آیت میں لکھا ہے کہ "وہ (یعنی خداوند) سُنار کی آگ کی مانند ہے"۔ عام پڑھنے والے اس سے قیاس کرینگے کہ خداوند ملمع کو اُڑا دینے والا اور کھوٹے کو بھسم کرکے کھرے کو صاف کرنیوالا ہے۔ بیشک

ہے ۔ مگر سُنار چاندی کو کب صاف سمجھتا ہے جب وہ پگھل کر آئینہ کی طرح صاف ہو جائے اور مُنہ اسمیں نظر آنے لگے ۔ اِسی طرح جب خدا انسان کے دل کو پگھلا کر اسمیں اپنی صُورت دیکھ سکتا ہے تب دل کی پُوری صفائی ہوتی ہے علیٰ ہٰذالقیاس رومیوں کے خط کے آخر میں "سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر" لگانا بھی سُنار کے پیشہ سے متعلق ہے جبتک چاندی یا سونے کے سر پر آگ کا ڈھیر نہ لگایا جائے وہ بخوبی پگھل نہیں سکتا ۔ غرض اِس سے مُراد ہے اچھّی طرح سے پگھلانا ۔ ایک مسیحی تفسیر کے ساتھ پولس کے اس چوغہ کا ذکر آیا جو اُسنے ترواس سے طلب کیا تھا ۔ اُس نے اپنے خیالات کے مطابق فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ پولس کے پاس فقط ایک ہی گرم کپڑا تھا اور اسکو سردی لگتی ہوگی مناسب نہ سمجھا کہ اوروں سے گرم کپڑا مانگ کر پہنے ۔ ہم نے سُنا ہے کہ بعض ہائی چرچ والے مسیحی اِس چوغہ سے پادریانہ گوَن اور سرپلس مُراد لیتے ہیں ۔ خوب زور کی سُوجھی ۔

ملکِ چین میں مشن کی ملازمت کا سوال ۔ ہم تو ہمیشہ یہ خیال کیا کرتے تھے کہ چونکہ ہمارے ملک میں انجیل ایسے مشنریوں کے ذریعہ آئے جنکو فاتح قوم کے شرکا ہونیکا فخر ہے اِس لئے ہندوستان میں مشنری اور اسکے متعلق کارندوں کا باہمی تعلق حاکم و محکوم کی صُورت رکھتا ہے ۔ ہم ابتک یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ دیگر ممالک میں جو انگلستان یا امریکہ کے زیر حکومت نہیں معاملات صاف ہونگے اور ملک کے دیسی مسیحی خوشی اور شوق سے مشن میں کام کرنیکے لئے تیار رہیں گے ۔ مگر ایک اقتباس سے جو ہمارے مدراسی ہمعصر نے چین کے ایک اخبار سے کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ابتک غلطی پر رہے ہیں ۔ چنانچہ ہمعصر مذکور ناقل ہے کہ "ایک مشنری صاحب نے چین کے ایک جوان تعلیم یافتہ مسیحی سے دریافت کیا کہ تمہارے پایہ کے لوگ مشنری خدمت میں کیوں شریک نہیں ہوتے ۔ اور جو جواب اُسنے دیا اسمیں اگر چین کی بجائے لفظ ہندوستان رکھا جائے تو بعینہٖ ہندوستانی مسیحیوں کے خیالات کا فوٹو اُتر آئیگا ۔ اس جوان نے جواب دیا کہ میں آپکو بتاؤں کہ تعلیم یافتہ مسیحی کیوں مشن میں خدمت کرنے سے ہٹے رہتے ہیں ؟ اس وجہ سے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ مشن کے دیسی منادوں کو مزدور سمجھا جاتا ہے ۔ مشن کے منتظم اُن پر بھروسہ نہیں رکھتے ۔ وہ حکم کے تابع ہوتے ہیں خواہ وہ کچھ سمجھیں یا نہ سمجھیں ۔ انکو صلاح مشورہ میں شریک نہیں کیا جاتا ۔ وغیرہ ۔ غرض وہ دیکھتے ہیں کہ دیسی بیرونی حلقے میں رکھے جاتے ہیں اور غیر ممالک کے لوگ اندرونی دائرہ میں ۔ وہ دیکھتے ہیں کہ پردیسی مشنری خواہ وہ کیسا ہی نوعمر اور چینی معاملات میں ناتجربہ کار کیوں نہ ہو ضرور افسر مقرر کیا جاتا ہے اور چین کا رہنے والا خواہ وہ کیسا ہی دیرینہ نوکر اور لائق کیوں نہ ہو ہمیشہ اسسٹنٹ یا مددگار ہی رہے گا ۔ وہ دیکھتے ہیں کہ مشنریوں کی ایک ایسی قومی برادری ہے کہ جس میں

کوئی چین کا باشندہ شامل نہیں ہو سکتا فقط اسی وجہ سے کہ وہ چین کا رہنے والا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ معمولی چینی بنا و بلحاظ تعلیم کی کمی اور نظم ونسق میں ناقابلیت بلکہ طبیعت کی ناپختگی کے اِسی سلوک کے لایق ہیں۔ مگر تعلیم یافتہ نوجوان اس قسم کے برتاؤ کو دیکھ کر پرے ہٹے رہتے ہیں۔ الخ"۔

کلیسیاؤں کے اختلاف میں اتفاق ۔ہم نے جو ماہ گذشتہ میں کلیسیاؤں کے اتفاق کی نسبت مختلف خیالات کے مضامین درج کئے اُن سے ایک ہی سوال کے مختلف پہلوؤں کا دکھانا منظور تھا ۔ ورنہ ناظرین بخوبی جانتے ہیں کہ مسیحی کس رائے کا پابند ہے ہم کلیسیاؤں کے اختلاف میں خدا کا ہاتھ دیکھتے ہیں۔ جیسا قدرتی نظاروں میں گوناگوں رنگ اپنی اپنی جگہ پر ملکر ایک خوشنما منظر بنجاتا ہے اسی طرح دُنیا میں مختلف کلیسیاؤں کی رنگ آمیزی کلیسیائے جامع کی خوبصورتی کا باعث ہے۔ تھیالوجی کے عالم کہا کرتے ہیں کہ خُدا کی محبت کے ظہور کے لئے دُنیا میں گُناہ کی ہستی ضرور تھی۔ کیا ہم اِسی خیال پر کلیسیاؤں کے اختلاف کو ایک "ضروری بُرائی" نہیں کہہ سکتے؟ اگر ہم اِس اختلاف کا کوئی اور تدارک نہیں کرسکتے تو کیا مناسب نہ ہوگا کہ ہم فروعات کے اختلاف کو نظرانداز کرکے مسیحی اصُولوں کی بنا پر اتفاق کو قایم کرنے کی کوشش کریں۔ کسی نے مختلف کلیسیاؤں کے باہمی تعلق کو ایک پہیئے سے مثال دی ہے جسکی دُھری تو خود مسیح ہے اور آرے کلیسیائیں ہیں۔ آرے جس قدر دُھری میں قایم ہوتے اُسی قدر ایک دوسرے کے قریب بھی ہوتے جاتے ہیں۔ اور جُوں جُوں مرکز سے بھاگتے اُسی قدر ایک دُوسرے سے بھی دُور ہوتے جاتے ہیں۔ اگر اَور کلیسیاؤں کو سخت الفاظ سے یاد کرنے کے بجائے ہم اُنکے روشن پہلو پر غور کریں تو ہر ایک کلیسیا سے کچھ نہ کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ہم اپنے مشاہدہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے مُلک میں وُہی مشنری یا واعظ برکت کا باعث ثابت ہُوا ہے جس نے اپنی نگاہ فقط مسیح پر لگائے رکھی اور مختلف کلیسیاؤں کے ہم خدمتوں کو ایک ہی کھیت کے کارندے سمجھا۔ ایک ایسے مُلک میں جہاں مسیح کے بندے مخالفوں سے محصُور ہیں کلیسیاؤں کی خانہ جنگی برکت کا باعث نہیں ہوسکتی۔

حیاتِ داؤد

انیسواں باب

سہ بارہ تاجپوشی

(از تصنیف پادری الف۔ بی مائیر بی۔ اے)

۲ سموئیل الباب ۱ تا ۴

غم و رنج و آرام و راحت کے سامان ہوتے ہیں عطا سارہ جو زندگی کے۔ ہماری محبت کی پہچان پانیکا ہیں یہ صلہ اور انعام سارے
زمانہ کرے رشک گو لاکھ ہم سے پہ آخر تلک اسکو حاصل رکھیں گے

عمالیق کو قتل کر کے تباہ شدہ شہر صقلاج کو واپس آنے کے بعد پورے دو دن گذر گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آیندہ چال چلنے کیلئے داؤد کسی نشان کا منتظر ہے۔ اب اُسے کیا کرنا چاہئے؟ کیا مناسب ہے کہ اس تباہ شدہ شہر کو پھر از سرِ نو تعمیر کرے؟ یا کیا اُسکی زندگی کے الٰہی پروگرام میں کوئی اور بات تھی؟ وہ اسکی دریافت میں دلگیر اور منتظر تھا۔ وہ اِس واقعہ کو فراموش کر نہ سکا کہ جب تھوڑے دن ہوئے وہ اکیش کے لشکر گاہ سے رخصت ہُوا۔ تو فلستیوں اور بنی اسرائیل کے درمیان جنگ ہونیوالا تھا۔ اگر وہ جنگ واقع ہُوا تو اسکا نتیجہ کیا ہُوا؟ شاہ ساؤل اسکے عزیز یونتن اور اسکے رفیقوں کی کیا خبر تھی؟ اسکے دل میں جس بات کی فکر تھی اسکے متعلق افواہیں فوراً پھیل جائینگی۔

تیسرے دن ایک جوان پیراہن چاک کئے اور سر پر خاک ڈالے ہانپتا ہُوا لشکر گاہ میں آیا۔ وہ سیدھا داؤد کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اسکے حضور زمین پر گر کر اسکو سجدہ کیا۔ ایک دم بھر میں اُس نے جنگ گاہ کی خبر داؤد کو سُنائی اور اسکے ایک ایک لفظ نے داؤد کے دل کو نشتر سی ضرب لگائی۔ بنی اسرائیل دشمن کے سامنے سے بھاگ گئے بہت سے گر گئے اور مر گئے۔ اور ساؤل اور اسکا بیٹا یونتن بھی جان بحق ہُوئے۔ اس وقت داؤد نے جانا کہ جو بادل اسکے سر پہ مدتوں سے گرج رہا تھا وہ اب پھٹ گیا ہے اور برسوں کی اُمیدیں اب پوری ہونے والی ہیں۔ لیکن اس وقت اسکو اپنی فکر نہ تھی اور نہ ہی اُسنے محسوس کیا کہ میری

حالت میں اب کیسی تبدیلی واقع ہوگئی ہے اسکے سخی اور پُر محبت دل نے خود فراموشی میں ساؤل۔ یونتن اور خداوند کے بندوں اور اسرائیل کے گھرانے کیلئے جو تلوار سے مارے پڑے تھے مرثیہ کرکے نوحہ کیا۔

اوّل بےساؤل کی یادگیری۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ ساؤل اب راہی ملک عدم ہوگیا ہے اسکا تاج جو اقتدار شاہی کا نشان تھا اور کنگن جو اسکے بازو پر تھا داؤد کے قبضہ میں تھے۔ عمالیقی نے داؤد کو اپنی کارگذاری دکھانے کی غرض سے یہ ظاہر کیا کہ مَیں نے خود بادشاہ کی درخواست پر اسکی جان لی۔ اس نے یوں بیان کیا کہ ساؤل نے مجھے یوں کہا کہ میرے پاس کھڑا ہو کے مجھے قتل کر کیونکہ میں بڑے عذاب میں ہوں اور اب تک میرا دم مجھ میں ہے۔ تب میں اُس پاس کھڑا ہُوا اور اُسے قتل کیا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اب جو وہ گرا ہے تو بچیگا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شام تک داؤد بے حس و حرکت سا رہا۔ اور پھر ساؤل کو عزت دکھانیکے لئے گویا بیدار سا ہوگیا۔

اس نے عمالیقی کو توبہ کیلئے بھی وقت نہ دیا۔ قاصد اسی وقت سے زیر حراست رکھا گیا تھا۔ کیونکہ اُس نے خود اقبال کیا تھا کہ مَیں نے خداوند کے مسیح کو جان سے مارا ہے۔ اور شام کیوقت یہ کمبخت شخص پھر داؤد کے حضور میں لایا گیا۔ داؤد کو اس کے بیان پر کچھ شک تھا اور بعد میں یہ بیان بالکل غلط ثابت ہُوا۔ تاہم یہ ضرور معلوم ہُوا کہ جس جُرم کا اس بدبخت نے خود اقبال کیا تھا اُسکی پُوری سزا اُٹھائے۔

خداوند کے مسیح کی اُسکو ابھی تک ویسی ہی غیرت تھی جیسی کہ جب اُس نے ساؤل کے پیراہن کا دامن کاٹا تو اسکے دل کو سخت چوٹ لگی تھی اور اس نے خوف اور نفرت کے لہجہ میں کہا "کیا تُو خداوند کے مسیح پر ہاتھ بڑھانے سے کہ اُسکو ہلاک کرے نہ ڈرا" پھر داؤد نے ایک جوان کو بُلایا اور کہا "نزدیک جا اور اس پر حملہ کر" سو اُس نے اُسے ایسا مارا کہ وہ مرگیا۔

اس نے پھر کمان کے سوز سے اپنے دل کے غم کا اظہار کیا جو بنی یہوداہ نے سیکھ کر گایا اور تب سے دنیا کے علم ادب میں اسکو بہ اعتبار جنازہ کے گیت ہونیکے ایک خاص جگہ حاصل رہی ہے۔ اس نظم میں کمان کی طرف اشارہ ہونیکے باعث اسکا اصلی نام کمان کا سوز رکھا گیا۔ (آیت ۱۸)

بنی اسرائیل کے نقصان کی عظمت اِس اشارہ سے ظاہر ہے کہ کہیں فلسطیوں کی بیٹیاں خوش نہ ہوں اور نامختونوں کی بیٹیاں شادیانہ نہ بجائیں۔ اور اس دائمی لعنت سے بھی جو ان پہاڑوں کو دی گئی جہاں بہادروں کی سپر مٹی اور خون سے آلودہ ہوئی۔ اور ان کارہائے جوانمردی سے جو بہادروں نے گرنے سے پیشتر اپنی تلوار اور کمان سے سرانجام دیئے۔ اور پھر مزمور نویس بڑے موثر لہجے میں اس محبت اور دوستی کا ذکر کرتا ہے جس سے وہ باہم پیوستہ تھے جو جو ایذائیں اس نے ساؤل کے ہاتھوں اُٹھائی تھیں وہ سب بھول جاتا ہے۔ وہ صرف اسکی جوانی کی خوبیوں کا خیال کرتا ہے۔ اسکی بے غرض اور شجاع محبت اسکی سیرت میں صرف شجاعت، شرافت اور انصاف پسندی کی صفات ہی دیکھتی تھی پیشتر ازیں کہ خود رائی نے اسکی روح کو کیچڑ کی اتھاہ میں گرایا تھا جہاں وہ گذشتہ چند برس سے زندہ درگور تھا۔ اسکی قبر کی لوح پر وہ یہ کتبہ کندہ کرتا ہے۔ عزیز اور دل پسند۔

لیکن یونتن کیلئے ایک خاص بند چاہیئے۔ وہ ساؤل سا شاہزور نہ تھا کیا اُس نے تن تنہا ایک لشکر پر حملہ نہ کیا اور فتح نہ پائی تھی لیکن باوجود اپنی شجاعت اور طاقت کے وہ شیریں مزاج تھا۔ یہ دونوں بالکل ہمخیال اور ہم مزاج تھے۔ اسکی ہر ایک یاد بڑی دل پسند تھی۔ ہاں ! راگ کے شیریں سُر یا موسم بہار کے پھولوں کی خوشبو سی۔ وہ عورت سا لطیف، حلیم اور پُر محبت۔ ایک قوی تن بہادر جس سے دشمن خوف کھاتے اور جسکو دوست عزیز رکھتے تھے۔ جنگ میں باد سا تیز لیکن عورت کی محبت کا سا جادو ڈال سکتا تھا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر " تیری محبت عجیب تھی بلکہ عورتوں کی محبت سے بھی زیادہ "

علاوہ ازیں اس نے یبیش جلعاد کے لوگوں کو شکر گذاری اور مُبارکبادی کا پیغام بھیجا۔ جو بے حرمتی فلسطیوں نے شاہی نعشوں کو دکھائی اسکی تلافی یبیش جلعاد کے لوگوں نے اپنی دلدادگی اور عزت کے اظہار سے کردی۔ انہوں نے یہ امر فراموش نہیں کیا تھا کہ ساؤل نے بادشاہ ہو کر پہلا کام جو کیا وہ ان کو ایک سخت آفت سے چھڑانا تھا۔ اور ایک مہم چڑھا کر ساؤل اور اُس کے تینوں بیٹوں کی نعشیں بیت شان کی دیواروں سے جہاں وہ سر تن سے جدا کئے جانے کے بعد رکھی گئی تھیں اٹھالائے اور راتوں رات اُنکو اپنے شہر میں لے آئے اور اُنکو اور بے عزتی سے بچانے

کیلئے جلا دیا اور اُنکی راکھ کو جلعاد میں بڑی عزت سے دفنا دیا۔
داؤد نے اس امر کی خبر پاتے ہی جبیش جلعاد کے لوگوں پاس اپنے آدمی بھیجے۔ او جو عزت انہوں نے مقتول بادشاہ کو دکھلائی تھی اسکے لئے انکا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ اس مہربانی کا صلہ انکو ایسے دیا جائیگا کہ جیسے یہ مہربانی ساری قوم ہاں خود اس سے کی گئی ہو۔
اِن سب باتوں میں داؤد نے بڑی عالی حوصلگی ظاہر کی۔ اپنا یا اپنے فوائد کا اسکو مطلق خیال نہ تھا۔ دوسرے کی دلدادگی اور فکر میں خود فراموشی کا بھید اس نے سیکھ لیا تھا۔ سب خود نسیانی کا بھید یہی ہے۔ دوسروں خصوصاً اپنے مالک یسوع کی بہبودی میں اپنی زندگی بسر کرو تو تم خودی کے ظلم اور خلل اندازی سے بالکل رہائی پاؤ گے۔
دوئم۔ بادشاہت کے متعلق داؤد کا رویہ۔ اس موقعہ پر اسکا رویہ نہایت خوبصورت ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیونکر اسکی رُوح کو خدا میں پُورا اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔ اُس نے خدا کا انتظار کرنے کا پرانا طریق پھر اختیار کر لیا تھا اور ہر بات میں اسکی مرضی دریافت کرتا تھا۔ بادشاہت انسان و خدا نے دینی تھی اور اس لئے صاف صاف آلہی تحریک کے سوا اس نے تخت کی طرف قدم تک اُٹھانے سے انکار کیا۔
یہ بات نہایت ہی عجیب تھی جس حال میں کہ فوراً قدم اُٹھانے کی وجوہات بہت پیش کی گئی تھیں۔ بادشاہت پر فلسطی حملہ آور ہو رہے تھے بلکہ اغلب ہے کہ پانچ برس تک شمالی فرقوں کے درمیان کوئی باامن و امان گورنمنٹ نہ تھی اسکے محبِ وطن دل کو روکنا بڑا مشکل تھا کہ اسرائیل کی تتر بتر طاقتوں کو جمع کر کے دشمن پر حملہ آور نہ ہو۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں خدا کی طرف سے نامزد بادشاہ ہوں۔ اور یہ قدرتی بات تھی کہ عصا کو اپنا حق سمجھ کر خالی تخت پر جا بیٹھے۔ اور شاید کوئی شخص بھی اس قسم کی پالیسی پر اعتراض نہ کرتا۔ شاید اس سے ابنیر پر کچھ دباؤ پڑتا اور وہ مہنائیم کے اشبوشت میں اپنی جُدا سلطنت قایم نہ کر بیٹھتا۔ انسانی عقل تو یہی تقاضا کرتی۔ لیکن داؤد نے بڑی دانشمندی کی۔ اپنی آنکھوں کے فیصلہ کو نہ مان کر اس نے خدا سے دریافت کیا کہ کیا میں یہوداہ کے کسی شہر میں چڑھ جاؤں؟ اور جب آلہی فرمان نے اسکو حبرون جانے کا حکم دیا تو وہ واں بادشاہ یا پیشوا بن کر نہ گیا۔ بلکہ اسکے گرد و نواح کے دیہاتوں اور قصبوں میں اپنے رفیقوں کے ہمراہ چُپ چاپ جا

مقیم ہوا اور منتظر رہا کہ یہوداہ کے لوگ آکر بالاتفاق اسکو اپنا بادشاہ تسلیم کریں۔ پھر وہ بار ثانی مسح کیا گیا۔

پہلی بار تو اپنے باپ کے ہاں تخلیہ میں اس نے سموئیل کے ہاتھوں مسح پایا۔ اب وہ اپنے لوگوں پر بادشاہ مسح کیا گیا۔ ٹھیک جیسے خداوند یسوع جسکا کہ وہ نمونہ تھا پہلے یردن کے کنارے پر مسح کیا گیا اور جیسے اپنے لوگوں کا وکیل ہو کر ان کے لئے اپنے باپ کے حضور میں چڑھ اور زیتون کے کوہِ مقدس پر بادشاہ مقرر ہوا۔

اس دوسرے مسح سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنی زندگی کے ہر ایک خاص موقعہ پر خصوصاً جب ہم خدمت کے کسی نئے اور وسیع احاطہ کی دہلیز پر کھڑے ہوں تو ہر ایک نئے مطالبہ اور کام کے لائق بننے کے لئے ہمکو نیا مسح درکار ہے۔ جوں جوں ہمارے موقعے وسیع ہوتے جائیں ہماری زندگی کی تواریخ میں متواتر مسح ہونے چاہئیں۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ ہم ہمیشہ پیچھے کو نگاہ کرکے ایک ہی مسح کی طرف دیکھتے رہیں جو ہم نے ایک دفعہ پایا۔ ہمکو تازہ تیل سے مسح پانا ضرور ہے۔ کالج کے لئے سکول چھوڑنے اور بیمار روحوں کو شفا دینے کیلئے کالج سے جانے۔ آلٹر پر بیوی بننے کیلئے کھڑے ہونے اور پھر پہلے بچے کے پنگھوڑے پر جھکنے۔ چرچ یا ملک میں کسی نئے عہدہ کے پانے۔ ہاں ہر ایک نیا قدم اٹھانے پر ہمیں خاص طور پر خدا کا انتظار کرنا چاہئے تاکہ نئی طاقت اور نئی روح ہمیں عطا ہو۔

سوم۔ حبرون میں داؤد کے عہد سلطنت کی خاصیت۔ حبرون میں داؤد سات برس اور چھ مہینے یہوداہ کے خاندان پر حاکم و بادشاہ رہا۔ اسکی چڑھتی ہوئی جوانی تھی۔ عمر ۳۰ برس کی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کی خاموش خوشیوں سے اس نے از حد لطف اٹھایا۔ اس لمبی لڑائی کی طرف جو اس کے گھرانے اور ساؤل کے مابین ہوتی رہی دو اشاروں کے درمیان میں اسکی بیویوں اور بچوں کے نام پائے جاتے ہیں۔ (۲-۳:۲-۵)

اس عرصہ میں وہ اپنے خدا پر تکیہ و بھروسہ رکھنے کی عادت پر قایم رہا۔ یہ رویہ اس کی روح کی عادت ہو گئی تھی اور اس میں گاہے گاہے ہی خلل آتا تھا۔ اس سے ہمیں خداوند کی یاد آتی ہے جو اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھا ہے جب تک کہ اسکے دشمن اسکے پاؤں تلے کی چوکی نہ بن جائیں۔ ایسے ہی داؤد شہر حبرون میں (جسکے لفظی معنی رفاقت کے ہیں) یہوداہ کے تخت پر بیٹھا ہے جبتک کہ خدا

نے تمام مشکلات اور تمام رکاوٹیں دور نہ کر دیں اور اس اعلیٰ منزلت کیلئے جس کا اس نے وعدہ کیا تھا راستہ صاف نہ کر دیا۔ اسکی اس پالیسی میں صرف یہی ایک استثنا تھی کہ اس نے درخواست کی کہ میکائیل اس کو واپس کی جائے۔ شاید ان دونوں کے لئے یہ بہتر ہوتا اگر وہ اس خاوند کے پاس ہی رہتی جو اسکو واقعی عزیز رکھتا تھا لیکن شاید داؤد نے مناسب سمجھا کہ شاہ مرحوم کے ساتھ دامادی کے رشتہ کو ظاہر کرے اور یوں شاہی خاندان کے ساتھ اپنا تعلق جتائے۔

سوا اس بات کے وہ اپنی پالیسی پر قایم رہا اور جنگ کی جب کبھی ضرورت ہوئی تو اُسنے یوآب پر چھوڑ دیا اسرائیل کی بادشاہت کے انتقال کی تدابیر ابنیر نے خود کیں۔ برسوں سے ابنیر جانتا تھا کہ میں خدا کے خلاف جنگ کر رہا ہوں اور آخرکار اس نے اس بادشاہ کو جسکی اُسنے مدد کی تھی اور تخت پر بٹھایا تھا صاف صاف کہہ دیا کہ جس بات کی خدا نے داؤد سے قسم کھائی ہے وہ اسکو پورا کریگا یعنی بادشاہت کو دان سے بیرسبع میں اور ساؤل کے گھرانے سے داؤد کے گھرانے میں قایم کر دے۔ ابنیر نے داؤد کے بے معلوم اسرائیل اور بنیمین کے ساتھ عہد و پیمان کئے۔ اسی نے اسرائیل کے بزرگوں کے ساتھ بات چیت کی۔ اور بنیمین کے کانوں میں بات کہی اور پھر جو کچھ بنی اسرائیل اور بنیمین کے خاندان کو پسند آیا وہ داؤد کے کانوں میں سنایا۔ ابنیر نے ہی داؤد کو کہا کہ جا کر سارے اسرائیل کو اپنے جھنڈے تلے فراہم کرے اور اسکو بادشاہ اور خداوند کے نام سے پکارا اور کہا کہ جس جس پر حکومت کرنے کو تیری جان خواہاں ہے اُسکی تیاری کر (۳: ۱۷ و ۲۱)۔

یہ نظارہ بڑا دلسوز تھا جب داؤد ابنیر کے جنازہ کے پیچھے پیچھے روتا ہوا گیا۔ وہ بالکل بھول گیا کہ یہ شخص اسکا کیسا بڑا دشمن رہا تھا اور صرف اسی امر کا خیال رکھا کہ وہ ایک شہزادہ اور بڑا آدمی ہے اور اسکی قبر پر پھول چڑھائے جیسے اُسنے ساؤل کے لئے کیا تھا۔ یہ کوئی عجب نہیں کہ سب لوگوں نے اسکو ملاحظہ کیا اور یہ ان کو پسند آیا کیونکہ بادشاہ کی ہر ایک بات انکو پسند آتی تھی۔

اس کے بعد شاہ اشبوشت کے قتل کا کینہ واقع ہوا۔ اسکا عہد سلطنت بڑا کمزور رہا تھا۔ یردن کی مشرقی طرف مہنایم میں وہ رہتا تھا اور نام کو بادشاہ تھا۔ اسکی ساری طاقت ابنیر کے طفیل تھی اور ابنیر کے جدا ہونے پر یہ کاغذوں کا مکان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور بیچارہ بادشاہ باغیوں کی تلوار کا شکار بنا۔ جوں ہی کہ اس واقعہ کی خبر داؤد کو پہنچی اور شہادت اور اسکی صداقت میں اسکا سر پیش ہوا

تو داؤد خداوند کی طرف پھرا جس نے اسکو تمام ادبار اور مصیبتوں سے بچایا تھا اور اس نے قسم کھائی کہ اس مقتول کے خون کا بدلہ اُن سے لیگا۔ جس عمالیقی نے اقبال کیا تھا کہ میں نے ساؤل کو جان سے مارا ہے اسکو یہ بدلہ ملا کہ اسکو اپنی جان دینی پڑی اور یقیناً وہ بدکردار کہ جنہوں نے ایک راستباز شخص کو اسکے اپنے مکان میں اور اسکی چارپائی پر مار ڈالا اِس سے کم سزا کے سزاوار نہیں۔ پھر اسرائیل کے تمام فرقے بمقام حبرون داؤد پاس آئے اور ساری بادشاہت کا تاج اسکے پیش کیا۔ انہوں نے یاد دلایا کہ داؤد انہیں کے خاندان اور رشتہ سے ہے اور اسکی پہلی خدمات کو دوہرایا کہ جب وہ ساؤل کے دنوں میں انکی فوجوں کو باہر لے جاتا اور اندر لاتا تھا اور آلہی وعدہ بھی اسکو یاد دلایا کہ وہ اُن کا چوپان اور شہزادہ ہوگا۔ تب داؤد نے اُن کے ساتھ عہد کیا اور جائز طور پر اُنکا بادشاہ ہُوا اور تیسری دفعہ ممسوح کیا گیا۔ سارے لوگوں پر بادشاہ۔ جیسے ابنِ آدم ایک دن تمام انسانوں کا بادشاہ تسلیم کیا جائیگا اور بلا رقیب کے بادشاہی کرے گا۔

اِس عرصہ کی طرف اٹھارہواں زبور منسوب کرنا چاہئے اِس زبور سے کمال درجہ کی شکر گذاری اور حمد و ستائش پائی جاتی ہے۔ خدا کے لئے نہایت شیریں اور بیش بہا الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں۔ رعد میں ہو کر اپنے بندے کے بچانے کو نیچے اُترنا اپنی شان میں بے مثل ہے۔ اولوں کے گرنے کی آواز ہم سنتے ہیں۔ بجلی آنکھیں چُندھیاتی ہے اور آگ کے کوئلوں کے انگارے اُٹھ رہے ہیں لیکن ان سب باتوں میں خدا کی مہربانی اور محبت کا جو وہ اپنے فرزندوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں ظاہر کرتا ہے پُورا پُورا اعتراف ہے۔ جسکو خداوند کا وہ شاگرد جس کو یسُوع پیار کرتا تھا لکھتا تو اس کے مناسب حال ہوتا۔

تُو نے مجھے اپنی نجات کی سپر دی ہے۔
تیرے دہنے ہاتھ نے مجھے سنبھالا ہے۔
تیرے احسان نے مجھے بزرگ کیا۔



چند آیات پر چیدہ چیدہ خیالات اور اشارات

رُوح سے معمور ہوتے جاؤ۔ افسیوں ۵: ۱۸

بہت سے لوگ ہیں جو خدا کی رُوح سے معمور ہونے سے ڈرتے ہیں۔ انکو اندیشہ ہے کہ کہیں عوام انکو دیوانہ نہ پکارنے لگیں۔ جب تک دُنیا تمکو دیوانہ نہ سمجھے تم بالکل نکمے ہو۔ فوکس صاحب نے ایک دفعہ فرمایا کہ ہر ایک مسیحی کو چاہئے کہ اپنے اردگرد دس میل تک مُلک کو ہلا دے۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ ایک شخص ایک ہزار کو رگیدیگا اور دو شخص دس ہزار کو بھگا دینگے۔ اب یہ حال ہے کہ ایک ہزار آدمی ایک شخص کو بھگاتے ہیں۔ اور اسکی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ لوگ حد سے زیادہ دیندار کہلانے سے ڈرتے ہیں۔ دُنیا کو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو سراسر خدا کی خدمت کیلئے وقف ہوں۔ (موڈی)

مَیں خداوند تیری حفاظت کرُوں گا۔ یسعیاہ ۴۲: ۶

ایک چھوٹے سے جزیرے کے مچھوے جب اپنی کشتی کنارے سے گہرے سمندر میں لیجانے لگتے تو یہ سادہ دُعا کیا کرتے ہیں کہ " اے خدا میری حفاظت کر۔ میری کشتی بہت چھوٹی سی ہے اور تیرا سمندر نہایت وسیع ہے "۔ یہ کیسے دلگداز الفاظ ہیں۔ اور کیسی عمدہ اور موزوں دُعا ہے۔ کیا ہم اپنی زندگی میں ہر روز یہی درخواست اپنا وردِ زبان نہیں کر سکتے کہ " اے میرے خدا میری کشتی بالکل ذری سی ہے تو مجھے محفوظ رکھ۔ میں نہایت کمزور اور لاچار ہوں۔ طوفان اور موجیں مجھے بآسانی اڑا لے جاتی ہیں۔ تیرا سمندر نہایت وسیع ہے "۔ خطرے بیشمار ہیں۔ چٹانوں کی کوئی انتہا نہیں۔ آزمایش کی دھارا زوروں پر ہے۔ بدی کی گھٹائیں امڈ رہی ہیں۔ آفتوں کے برفانی پہاڑ چشم نمائی کر رہے ہیں۔ اگر تو ہی میری حفاظت نہ کرے تو میرا کوئی ٹھکانا نہیں ...... (بلوک)

میرے جسم میں کانٹا چبھویا گیا یعنی شیطان کا قاصد تاکہ میرے مکّے مارے اور مَیں پھُول نہ جاؤں۔ ۲ کرنتھیوں ۱۲: ۷

یہ دستور تھا کہ جب کوئی رومی شہنشاہ فتحمند ہو کر شہر کی طرف آتا تو اسکی رتھ میں ایک غلام کو سوار کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ شہنشاہ کو یاد دلایا کرے کہ آپ انسان ہی ہیں۔ اسی طرح رسول پولس

فرماتا ہے کہ "مکاشفوں کی زیادتی کے باعث میرے پھول جانیکے اندیشہ سے میرے جسم میں کانٹا چبھویا گیا" الخ۔ تاکہ رسول کو یاد دلاتا رہے کہ میں انسان ہی ہوں۔

جسم میں کانٹا۔ ۲ کرنتھیوں ۱۲: ۷

کہتے ہیں کہ ایک مشنری برہما میں کسی دریا میں سے پایاب عبور کر رہا تھا کہ اسکو بہت سی جونکیں چمٹ گئیں اور اسکا خون چوسنے لگیں۔ مشنری نے انکو کھینچ کر اتارنا شروع کیا۔ رہنما نے منع کیا کہ ایسا مت کرو زہر چڑھ جائیگی اور تم مرجاؤ گے میں دھونے کی ایک دوائی تمکو دونگا چنانچہ اس دوائی میں نہانے سے ساری جونکیں مر کر گر گئیں۔ کانٹے کو کھینچ کر نکالنے سے ایک بہتر طریق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے باغی دلوں کو خدا کی محبت میں بار بار غوطہ دیتے رہیں۔

وہ اس راہ کو جس پر میں چلتا ہوں جانتا ہے۔ ایوب ۲۳: ۱۰

جہاز کا انجن چلانیوالا کہیں جہاز کے اندر جہاں تاریکی کا عالم ہے اپنا کام کیا کرتا ہے۔ اس کو جہاز کی حرکت کی کچھ خبر نہیں۔ اور نہ وہ جانتا ہے کہ کس طرف کو جا رہا ہے۔ اور اس قسم کے امور کو جاننا اسکا فرض بھی نہیں۔ اس کا کام ہے افسر کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرنا۔ جہاز کو رواں کرنا اسکو تیز یا دھیما کرنا۔ الٹا چلانا۔ غرض جیسا حکم ملے اسکو بجالانا۔ اسکو جہاز کے رستہ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں اور نہ اسکو سمندر نظر آتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح دنیا کے پیچیدہ دھندوں میں اپنی زندگی کو راہِ راست پر چلانا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام فقط یہی ہے کہ جو کچھ خداوند فرمائے اسکی تعمیل کرنا۔ مسیح کا ہاتھ پتوار پر ہے اسکو آیندہ کا سب حال معلوم ہے اور وہی ہمارا رہنما ہے۔ ہمیں خدا کا شکر کرنا لازم ہے کہ ہمیں آیندہ کا علم نہیں اور نہ اس علم کی ضرورت ہے۔ مسیح کو سب کچھ معلوم ہے اور روشنی میں تن تنہا اپنی ہدایت پر تکیہ کرنے سے یہ بہتر ہے کہ تاریکی میں مسیح کی رہنمائی پر بھروسہ رکھیں۔ (ملر)

خدا انسان نہیں جو جھوٹ بولے۔ نہ آدمزاد ہے کہ پشیمان ہووے۔ کیا اُسنے جو کچھ کہ کہا ہے سو بجا نہ لائیگا؟ اور جو کچھ کہ فرمایا ہے کیا اُسے پورا نہ کریگا؟ گنتی ۲۳: ۱۹

فرض کرو کہ کوئی شخص ڈاکخانہ کا رستہ بتاتے ہوئے دس نشان مجھے بتاتا ہے۔ اور میں جانتے

جانتے دیکھتا ہوں کہ نوٹ پتے بالکل ٹھیک بیٹھے ہیں۔ اِس سے مجھے پُورا یقین ہو جائیگا کہ میَں ڈاکخانہ کی طرف جا رہا ہوں علیٰ ہذالقیاس اگر مجھے ایمان لانے سے نئی زندگی حاصل ہوگئی اور میری رُوح کو ایسی اُمید اور تسکین اور خوشی اور چین مِل گیا جو پیشتر موجود نہ تھا اگر مجھے خود ضبطی اور بدی کا مقابلہ اور نیکی کرنے کی طاقت مِل گئی تو یہ اس امر کا پختہ ثبوت ہے کہ میَں راہِ راست پر اُس پائیدار شہر کو جا رہا ہُوں جسکا مُوجد اور بانی خُدا ہے۔ اور اگر سب باتیں جو کلام اللہ میں مندرج ہیں بے کم و کاست ٹھیک اُتر رہی ہیں تو یہ ایک پختہ دلیل ہے کہ جو کچھ باقی ہے وہ بھی پُورا ہوگا۔ باوجود اس کے لوگ شک شُبہ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ ایمان یہ ہے کہ بغیر کسی شرط کے خدا کی بات کا یقین کرنا۔ (موڈی)

وہ جو بیج بدی کا بوتے ہیں وہ اُسی کو لوتے ہیں۔ ایوب ۴: ۸

ایک سحر اُنشیں عابد کا ذکر ہے کہ اسکو ایک قطعہ زمین کا کاشت کیلئے نہایت پسند تھا۔ زمین کے مالک نے اسکو فقط ایک فصل کیلئے ٹھیکہ پر دینا منظور کیا۔ اس نے بلوط کے بیج بو دیئے۔ جسکے پیڑ میں سو سال کے بعد پھل لگنے کی امید ہوتی ہے۔ یربعام نے ایک بیج بونے سے تمام نئی مملکت ہمیشہ کیلئے بدی کے حوالے کر دی۔ شیطان ایک فصل کا وعدہ کرتا اور پھر ایسے بیج کاشت کرتا ہے کہ جس کی فصل عمر بھر تک قایم رہتی ہے۔ جب ہم کسی بُرائی کو شروع کرتے تو ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ (ر بلر)

میَں اُن میں ہُوں اور تُو مجھ میں ہو۔ یُوحنّا ۱۷: ۲۳

یہی مسیحی مذہب کا مدّعا ہے۔ مگر ہم اس منزل تک کیونکر پہنچ سکتے ہیں۔ عالمِ بالا کی چیزوں کی تلاش میں رہنے سے۔ کہتے ہیں کہ ہوا کے بالائی طبقات میں ایک ایسا نقطہ ہے جہاں زمین کی تمام بے سُر تال آوازیں مِل کر کامل خوش آہنگ ترانہ بن جاتی ہیں۔ ویسے ہی رُوحانی عالم میں ایک ایسا مقام ہے جہاں ہر قسم کے خیالات اور صداؤں کے اِختلاف مِل کر کامل طور پر متفق ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمیگی ابدی خدا کا وسیع دل ہے اور جُوں جُوں ہم اس کے نزدیک جاتے ہیں اُسی قدر ہم اپنے ہدف کے نزدیک ہوتے ہیں۔ ...... اِس ہدف میں خیالات اور طبایع کی بوقلمونی معدوم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس نقطہ پر ہم اختلاف میں اتحاد کو بخوبی سمجھ سکتے اور مِل جُل کر شیطان کی بادشاہت کو مغلوب کرتے ہیں۔ رُوح نے فلپّس سے کہا کہ نزدیک جا کر اس رتھ کے ساتھ ہو لے پس فلپّس

اُس طرف دَوڑا۔ اعمال ۸: ۲۹ و ۳۰ ۔یہی وہ کام ہے جسکو بعض ہم بہت کرتے نہیں۔جب خدا ہم کو کسی کام کرنے کا حکم دیتا ہے تو ہم رینگنے لگتے ہیں۔کتنے ہی مسیحی ہیں جو سہج سہج اور لنگڑاتے چلتے ہیں۔خدا نے اپنے جلال کیلئے اُن کو کچھ کام دیا ہے اور وہ دوڑنے کے بجائے جُوں کی طرح چلنا شروع کرتے ہیں۔...... جب خدا اپنی مرضی ظاہر فرماتا ہے چاہئے کہ تم دَوڑو۔کیونکہ جو شخص مستعد ہو کر چلتا ہے اس کے لئے صلیب ہلکی ہو جاتی ہے۔مگر دھیمے چلنے والے کے لئے بھاری ہوتی ہے۔ (ایٹکن)

یسُوع بھلا کرتا پھرا۔اعمال ۱۰: ۳۸

نقل ہے کہ مُلک کنعان میں ایلیاب نامی ایک آدمی بُود و باش کرتا تھا خدا نے اسکو ہر قسم کی دُنیوی نعمتوں سے مالا مال کیا تھا۔علاوہ ازیں وہ ہر نوع کی حکمت میں ماہر تھا۔مگر کسی چیز سے اُس کے دل کو چین نہ ملتا تھا وہ بارہا مغموم اور دل شکستہ ہو کر موت کی آرزو کرتا تھا۔ایک روز کا ذکر ہے کہ کسی مردِ خدا نے اُسکو ایک ایسی بُوٹی دی جس میں بیماریوں کے اچھا کرنے کی عجیب و غریب خاصیتیں موجود تھیں۔مگر ایلیاب نے کہا کہ مجھے اِس سے کیا حاصل؟ میرا جسم تندرُست ہے۔عارضہ تو میری رُوح میں ہے بہتر یہی ہے کہ میں مر جاؤں۔مردِ خدا نے جواب دیا کہ اِس بوٹی سے تیری رُوح کو فائدہ پہنچے گا۔اِس کو لے کر سات مریضوں کا علاج کر اور اگر پھر بھی تو موت کی تمنا کرے تو تیری مرضی۔ایلیاب نے حسب الارشاد تعمیل کی اور مصیبت زدوں کو تلاش کر کے سات مریضوں کو چنگا کیا اور اپنے مال سے غریبوں کی مدد کی۔وُہی مردِ خدا پھر اُس کے پاس آیا اور ایک اَور بُوٹی اسکو دیکر بولا کہ یہ موت کی بُوٹی ہے۔اگر تو مرنا چاہے تو یہ تیرے کام آئیگی۔ایلیاب نے پُکار کر کہا کہ خدا نہ کرے۔اب میری رُوح کو موت کی آرزو نہیں ہے۔میں نے زندگانی کا مدعا اور فائدہ بخوبی سمجھ لیا ہے۔

کھڑے رہو اور خُداوند کی نجات دیکھو۔خروج ۱۴: ۱۳

بعض اَوقات ترقی کا بہترین طریق یہی ہے کہ ہم کھڑے رہیں۔جب جہاز سمندر کے بیچ کسی خطرناک موقعہ پر کُہاسے اور دُھند میں قابو آجاتے ہیں تو ہوشیاری سے اُسی جگہ لنگر ڈال کر کھڑے رہتے ہیں۔اِسی طرح زندگی میں بعض اَوقات کھڑے رہنے میں سلامتی ہے۔

رُوحانی زِندگی کے اِسرار

یا

افسیوں کے خط کا مُطالعہ

بارھواں باب

دوطرفی مِیراث

از تصنیف پادری ایف ۔بی مائر بی اے

پُرانے عہد نامہ میں جا بجا یہ دوہرا خیال پایا جاتا ہے کہ ہماری میراث خدا میں ہے اور خدا کی میراث ہم ہیں ۔ اور آج ہم دیکھیں گے کہ ایک گہرے مسئلہ کا دوطرفہ پہلو رسول کی تعلیم میں بھی پایا جاتا ہے ۔ (زبور ۶:۱۶ ۔ ۵ ؛ + استثنا ۳۲: ۹)

میراث اور وراثت ۔ اِس خط کے پہلے افتتاحی پیرگراف میں رسُول بیان کرتا ہے ۔ کہ (افسیوں ۱: ۱۴) رُوح القدس ہمیں بطور میراث کے بیعانہ کے دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جس حال خدا ہی بیعانہ ہے خدا سے کچھ کم میراث نہیں ہو سکتی ۔ اِسی آیت میں رسُول بتاتا ہے کہ مقدس خدا کی ملکیت ہیں جو ابھی تک اِسے تحصیل نہیں گو بالکل خریدے گئے ہیں لیکن جو اس جلال کے دن ہی اپنے کام پانے کے منتظر ہیں جبکہ کلوری کی خرید کا ذرہ بھی قبر کے اختیار میں چھوڑا نہ جائے گا لیکن بدن ۔جان اور رُوح جلال یافتہ نجات دہندہ کی صورت میں اُٹھیں گی ۔

اِس آیت کے پہلے حصہ میں وہ اس میراث کا ذکر کرتا ہے جو ہماری بہ اعتبار خدا کے وارث اور مسیح کے ساتھ میراث میں شریک ہونے کے ہے ۔ دوسرے میں وہ ہمیں وہ میراث ٹھہراتا ہے کہ جس پر ابن اللہ نے ایسا دل لگایا کہ اس نے رضامندی ظاہر کی کہ اپنے اس جلال کو چھوڑ دینے سے بھی جو بنائے عالم سے پیشتر باپ کے ساتھ اسے حاصل تھا اسکو حاصل کرے ۔ اِس لئے ہم وارث بھی ہیں اور میراث بھی ۔

مقدسوں کی میراث خدا میں ۔ جب دریائے جہلم یا چناب کے کنارے پر کسی شخص کو اراضی (افسیوں ۱: ۱۴+ ۵: ۵) عطا ہوتی ہے اور اسکو کلکٹر صاحب کی طرف سے پروانہ ملتا ہے تو اسکو

خیال تک نہیں ہوتا کہ اس کاغذ کے ذریعے مجھے کیا کچھ عطا ہُوا ہے۔ اسکو خیال تک نہیں کہ اراضی کی پیداوار سے وہ ایکدن راجہ بن جائیگا۔ کئی دن تو اسے واں پہنچنے تک لگ جاتے ہیں اور پھر برسوں میں وہ اسے قابلِ کاشت کرتا اور اپنی ضرورتوں کے موافق اس سے پیداوار حاصل کرتا ہے۔

اے خدا کے فرزند تیری جائداد خون اور آنسو کے خرچ سے حاصل ہُوئی ہے لیکن تو نے اُسکو نہ خریدا! عطیہ نامہ کے ذریعے اسکے ایکڑ تجھے دیئے گئے ہیں۔ جب باپ نے یسوع میں ہوکر ابدیت کے مشورت خانہ میں اپنے آپکو تجھے دے دیا تو وہ تیرے ہوگئے۔ اور جب تُو صلیب کے نیچے پیدا ہُوا تو وہ تیرے واقعی ہوگئے۔ اور جونہی تُو نے مصلُوب خداوند کے دیکھنے کو اپنی آنکھیں کھولیں تو تُو بے خبر خدا کی لمبائی اور چوڑائی اور اونچائی اور گہرائی کا وارث بن گیا!

اپنی اراضی پر پہنچتے ہی زمیندار کے دل میں منافع کے کئی خیال اُٹھتے ہیں۔ وہ اس کے چوگرد پھرتا ہے اسکے ٹیلوں پر چڑھتا۔ درختوں کی گنتی کرتا اور بار بار اِدھر کا اُدھر۔ اُدھر کا اِدھر پھرتا ہے تاکہ معلوم کرے کہ کیا کچھ میرے قبضہ میں آیا ہے اور اے مسیحی رُوح تیرے لئے خُدا کا یہ پیغام ہے۔ جہاں تو کھڑی ہے واں سے شمال اور جنوب۔ مشرق اور مغرب کی طرف نگاہ کر کیونکہ یہ ساری سرزمین تجھے عطا ہُوئی ہے۔ سورج اور چاند کی قیمتی اشیا کیونکہ خُدا نُور ہے۔ اسکی وفاداری کے قدیمی پہاڑ اور اسکی صداقت ابدی پہاڑیاں۔ اسکی محبت کے چشمے اور دریا جو زرخیزی دینے اور تسکین بخشنے کو آپ ہی آپ اُچھل رہے ہیں۔

پھر زمیندار کچھ حصہ میراث کے گرد احاطہ بندی کرتا اور اپنی محنت اور کاریگری یاں خرچ کرتا ہے۔ دیو ہیکل درخت کاٹے جاتے ہیں اور انکی جڑیں جلائی جاتی یا زمین سے نکال دی جاتی ہیں اور یہ ویران زمین ہل تلے لائی جاتی ہے۔ گھاس والی زمین مویشیوں کیلئے چراگاہ کا کام دیتی ہے اور اِنچ اِنچ زمین اپنے مالک کے کام آتی ہے لیکن اِس سے مطمئن نہ ہوکر وہ اگلے سال احاطہ کو بڑھاتا اور اور اراضی زیرِ کاشت لاتا ہے۔ سال بسال وہ احاطہ بڑھاتا جاتا اور شاید بیس سال کے عرصہ میں کسی احاطہ کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ جتنی اراضی اُس نے لی تھی وہ سب زیرِ کاشت آجاتی ہے۔ ہر ایک ناظر اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھے کہ اگر دو شخصوں کو ایک جتنی اراضی ملے اور دیگر باتیں برابر ہوں تو دونوں کی دولت اسی تناسبت میں ہوگی جتنا وہ اس اراضی سے کام لیں۔ اگر کسی شخص

نے اس زرخیزی کے پانے کا سہل اور جلدی کا طریقہ سیکھا ہو تو شاید وہ اپنے ہمسایہ کی نسبت زیادہ دولتمند ہوگا۔ یہ سب تمثیل ہے۔

مسیحیوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ فرق فضل کا نہیں بلکہ فضل کے استعمال کا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک کو جُدا جُدا انعام ملا ہے اور کہ خداوند کی بادشاہت کیلئے کام کرنیکے اعتبار سے ضرور اِن لوگوں کے درمیان فرق رہے گا جن کے پاس پانچ دینار ہیں اور وہ جنکے پاس صرف دو دینار ہیں۔ لیکن خُدا کے فضل کے بارے میں کسی کو فوق نہیں دیا جاتا۔ کسی کے ساتھ سوتیلا بیٹا سا سلوک کیا نہیں جاتا اور کسی قسم کے امتیاز برتے نہیں جاتے۔ واں یہ قانون نہیں کہ بڑے بیٹے کو تو ساری جائداد دی جائے اور چھوٹے بچوں کو معمولی گذارہ۔ ہر ایک رُوح کو خدا کُلیتہً مِل سکتا ہے۔ خُدا اپنا آپ ہر ایک کو دیتا ہے۔ وہ اِس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ وہ اپنے آپ سے کچھ کم نہیں دیگا۔

اگر آپ اِس امر کی وجہ دریافت کیا چاہیں کہ کیوں خدا کے بعض فرزند اَوروں کے مقابلہ میں بڑی بابرکت اور غنی زندگی بسر کرتے ہیں تو آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ اُن کے خدا کو اپنے تصرّف میں لانے میں بڑا فرق ہے۔ بعضوں نے تو یہ مُبارک ہُنر سیکھ لیا ہے کہ خدا کا جو علم اور پہچان اِنپر ظاہر ہوئی ہے اسکے ایک ایک انچ سے کام لیں۔ اُنہوں نے خدا کے مکاشفہ شدہ کیریکٹر (سیرت) سے بخوبی کام لیا ہے۔ اُسکے اَوتار (مجسّم) ہونے سے روٹی کی بڑی فصل درو کی ہے۔ گتسمنی اور کلوری کے نظاروں سے خون رنگ انگوروں کے تاکستان حاصل کئے ہیں۔ اور صعود کے اسرار اور رُوح القدس کے انعام سے سب قسم کے اثمار شیریں پائے ہیں۔ کمزوری کے وقتوں میں وہ خدا کی قوّت سے زور پاتے ہیں مصیبت کی حالت میں اس کے صبر و برداشت سے۔ غلط فہمی اور نفرت میں خدا کے عدل سے۔ ظاہرا شکست اور مایوسی میں اِن وعدوں سے جو جنگ کے دُھواں پر چمکتے تھے جیسے شہنشاہ قسطنطین کی نگاہ میں صلیب درخشاں تھی اور موت کی حالت میں بھی اس زندگی اور بقائے دوام سے جو یہوواہ کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔

جس تشبیہ سے ہمنے کام لیا ہے انتہا میں آ کر وہ بھی کام سے رہ جاتی ہے۔ زمیندار آخرکار ساری اراضی کو زیر کاشت لے آتا۔ اُسکی کانیں خالی ہو جاتیں۔ درخت کٹ جاتے۔ زمین پیداوار میں ویسی زرخیز نہیں رہتی۔ لیکن دس لاکھ سال کے بعد بھی خدا کی ذات بالکل نا دریافت رہتی ہے۔

جیسے روشنی کا پلوٹھا بیٹا روحانی بادشاہت میں کولمبس کی طرح لامحدود برّاعظم۔ ہاں خدا کے ممالک کی دریافت کو نکلا۔

بیس تیس سال کا عرصہ ہُوا افریقہ کا نقشہ بالکل سادہ تھا صرف ساحلی کنارے پر کچھ کچھ نام پائے جاتے تھے لیکن اندرون مُلک بالکل خالی تھا لیکن موجودہ نقشوں میں لونگ سٹون۔ سٹانلی۔ برٹن کی دریافت کے نتائج دریا۔ سطح مرتفع۔ میدان اور آباد ممالک پائے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ میں سارے ملک میں یورومین تہذیب اور سوداگری پہنچ جائیگی لیکن خدا کے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہونیکا۔ اسکی ذات کے نیل اور کانگو کے منبع ہمیں کبھی دریافت نہ ہوں گے۔ اس کی ذات کا اندرونی بھید ہم پر کبھی ظاہر نہ ہوگا۔

خدا کی میراث مقدسوں میں۔ کیسا عجیب اجتماع! یہ ایک بھید ہے کہ ہم ایسے مردوں اور عورتوں کی محبّت میں خدا اپنی میراث اور حصہ پائے۔ لیکن یہ کہ وہ اُن میں (افسیوں ۱: ۱۸) اپنے جلال کی دولت پائے ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ لیکن اس کی توضیح شاید ایک مسئلہ کاشتکاری سے ہوسکے جو میں نے پچھلے دنوں سیکھا۔ سکاٹلینڈ میں مَیں ایسے کاشتکاروں سے ملاقی ہُوا جنکی اراضی بہت کم حیثیت تھی لیکن پھر بھی وہ اس سے اچھی پیداوار حاصل کر لیتے تھے۔ مجھے یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی۔ اُنہوں نے مجھے بتایا کہ جو کچھ اناج اچھی فصلوں کے وقت میں حاصل ہُوا وہ اب زمین کو زرخیز بنانیکے لئے روڑی میں ڈال دیتے ہیں۔

مسیحی زندگیوں میں جو کچھ فضل یا دولت پائی جاتی ہے کیا اسکا بھی یہی بھید نہیں؟ ہمیں نہیں۔ ہمیں نہیں۔ بلکہ تجھے ہی اے خدا کے مسیح سارا جلال ہو۔ جو کچھ تُو اب ہم سے لے رہا ہے وہ تُو نے پہلے ہم میں ڈالا۔ اور اناج کی تمام اچھی فصلیں اور مسیحی فضل کے تمام پھل تیرے ہیں کیونکہ تُو نے اپنے خون اور آنسوؤں سے۔ اپنی محبّت کی روشنی سے اور اپنے فضل کی بارش سے ان ذاتوں کو زرخیز بنایا ہے جو ریگستان سی بنجر اور بے پھل تھیں۔ اگسٹین نے بیشک سچ کہا کہ "جس فضل کی تعمیل کا تُو حکم دیتا ہے وہ ہمیں بخش اور پھر جو تیری مرضی ہو حکم کر۔"

لیکن احتیاط رہے کہ ہم کچھ اپنے پاس رکھ نہ چھوڑیں۔ جان۔ روح۔ اور جسم سب کچھ اسکے سپرد کر دینا چاہئے۔ ہم جو خدا کی کاشت ہیں اسکے رُوح کی کاشتکاری سے ایک ایکڑ زمین بھی پرے

نہ رکھیں۔

مسیحی زندگی کی یہ لعنت ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کیوں خدا ہمارے نزدیک بہت وقعت نہیں رکھتا ہم ایسے کمینہ ہیں کہ یہی چاہتے ہیں کہ خدا سے جتنا کام لے سکتے ہیں لیں اور حتیّٰ الوسع جتنا کم دے سکتے ہیں دیں ۔ خدا کے لئے ہم اپنا کچھ حصہ الگ کر دیتے اور باقی سے اسکو الگ رکھتے ہیں ۔ ایک پوری اور کامل دوستی میں اگر کسی طرف سے اخفا یا راز رکھے جائیں تو وہ قایم نہیں رہتی اور کئی زندگیاں جو خدا کی میراث میں غنی ہو سکتی ہیں کمزور اور مفلس ہو جاتی ہیں صرف اسی وجہ سے کہ خدا کی جو میراث ان میں ہے وہ اس پر حد لگا دیتی ہیں۔

جو کچھ تیرا ہے خدا کو دیدے ۔ جیسے اس نے ہر ایک چیز خریدی ہے اسکے قبضہ میں بھی ہو نیدے ۔ وہ تجھے اپنے تصرف میں رکھیگا اور تجھے سنبھالیگا وہ تیری چٹانی سے چٹانی ذات سے بھی پیداوار حاصل کریگا جیسے اہل ناروے پہاڑی نشیبوں پر چپہ چپہ بھر زمین سے بھی پیداوار حاصل کر لیتے ہیں ۔ وہ تجھے یہ فضل دیگا کہ اسے اپنا پھل دے ۔ تیرے ریگستان کو باغ میں اور تیرے ویرانہ کو گلزار میں بدلنے سے وہ اپنے لئے نام پیدا کرے گا۔

ریت کا تھیلا

رسالہ موسومہ "ریت کا تھیلا" مقدس تھیرادیس نے پانچویں صدی میں تحریر کیا ۔ اس بزرگ نے جابجا دورہ کیا اور ان مسیحی فقیروں کے متعلق جو پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے تھے دلچسپ واقعات قلمبند کئے۔

مرقومہ مس اے ڈیوڈ ۔ امرتسر

یہ حکایت ایک مسیحی فقیروں کے فرقہ کی ہے ۔ جو قدیم زمانہ میں خدا سے دعا کرنے اور اس کی خدمت کرنیکے لئے جنگلوں میں رہا کرتے تھے ۔ یہ ایک ایسے دن کے وقوعہ کا بیان ہے جسکا آغاز رنج و غم سے لیکن جسکا انجام خوشی اور شادمانی سے ہوا ۔ ان میں سے ایک سخت گناہ کا مرتکب ٹھہرا تھا اور برادری اس کا فیصلہ کرنے کو فراہم ہوئی تھی ۔ ہمیں یہ بتایا نہیں گیا کہ یہ گناہ کیا تھا لیکن جو کچھ وہ تھا اگر خدا کا فضل ہمیں بچائے نہ رکھے تو میں اور آپ بھی اسکے مرتکب ٹھہریں ۔ چونکہ یہ معاملہ بڑا اہم تھا برادری نے دور اور نزدیک سے بزرگوں کو بلا بھیجا کہ فیصلہ میں انکی مدد دیں ۔ دیر تک بحث ہوتی رہی اور وہ بڑی غم آمیز اور افسوسناک تھی ۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دی ۔ ایک نے کہا ۔ کہ اسکو خارج کر دو اس نے ساری برادری

کو بدنام اور ناپاک کر دیا ہے ۔ لیکن ایبٹ (برادری کا پیشوا) متفق نہ ہُوا ۔ اس کی یہ تو رائے ضرور تھی کہ مرتکب جُرم کو سزا دینی چاہئے لیکن خارج کرنا اُس نے منظور نہ کیا ۔ جنگل میں درندوں کا غرّانا سُن کر اسکو خیال آیا کہ رُوحوں کا دشمن بھی اسی طرح غرّاتا پھرتا ہے کہ جس کو پائے پھاڑ کھائے ۔ ایک اور نے رائے دی کہ سب سے الگ اسکو کوئی بامشقت کام کرنے کو دیا جائے ۔ لیکن ایبٹ نے یہ بھی منظور نہ کیا ۔ ایک اور نے رائے دی کہ مُلزم کو حبس دوام کی سزا دی جائے ۔ اس سے تو کسی نے بھی اتفاق نہ کیا ۔ اس اثناء میں مُلزم اپنی کوٹھری میں بند فیصلہ کا منتظر تھا ۔ اسکو ذرا بھی فکر نہ تھی ۔ کیونکہ جو نقصان اس فعل سے اس نے اپنے آپکو پہنچایا تھا اس سے بڑھ کر وہ اسکو اور کیا سزا دے سکتے تھے ۔

صبح بھی گذر گئی اور دوپہر ہو گئی لیکن اس امر کا تصفیہ نہ ہُوا ۔ وہ ایک بُزرگ کے منتظر تھے جو واں سے دُور جنگل میں رہتا اور ہمیشہ سے انکا مشیر اور صلاح کار تھا ۔ اس انتظار میں وہ ہدایت اور روشنی کیلئے دُعا کرتے رہے اور ہدایت انکو ملی ۔ دُور سے اُنہوں نے اس بوڑھے بزرگ کو گرم ریت پر اُفتاں و خیزاں سر پر بوجھ اُٹھائے آتے دیکھا ۔ اُسے ملنے کو وہ دَوڑے گئے اور بہتوں نے چاہا کہ اسکے کاندھوں سے بوجھ اُتار کر خود اُٹھالیں اور وہ حیران تھے کہ اِس تھیلا میں کیا چیز ہے ۔ ایک نے جُرأت کر کے پوچھا کہ اس تھیلا میں کیا ہے کیونکہ آپکے لئے یہ بوجھ بھاری ہے ۔ بُزرگ نے جواب دیا کہ یہ میرے گناہ ہیں اور جب میں کسی کی عدالت کرنے بیٹھوں تو مجھے یہ بوجھ اُٹھائے رکھنا چاہئے ۔ ایبٹ نے تھیلا کو اُٹھایا تو کیا دیکھا کہ وہ ریت سے بھرا ہے یہ دیکھ کر سب کے سب خاموش سے رہ گئے کیونکہ ہر ایک کے گناہ شمار میں تھیلا کی ریت کے ذرّوں سے زیادہ تھے ۔ اس پر ایبٹ نے کہا کہ خدا ہی اکیلا ہماری عدالت کرے اس تصفیہ سے ہر ایک کے دل کا بوجھ ہلکا ہُوا ۔ اور سب نے جا کر اس جان کو جو زندان میں بند تھی رہا کیا ۔

اے بھائیو اگر کوئی آدمی کسی قصور میں پکڑا بھی جائے تو تُم جو رُوحانی ہو اُسکو حِلم مزاجی سے بحال کرو ۔ اور اپنا بھی خیال رکھو کہ کہیں تو بھی آزمائش میں نہ پڑ جائے ۔

قدیم کھنڈرات اور بائبل

از پروفیسر جیمس اور۔ ڈی ڈی

بہت تھوڑے لوگ ہوں گے جنہوں نے اُن عجیب معلومات کا کچھ نہ کچھ ذکر نہ سنا ہوگا جن سے قدیم بابل اور اسور کے حالات ہم پر منکشف ہو گئے ہیں اور بائبل کے بیانات کی بڑی بھاری تائید اور تصدیق ہو رہی ہے۔ اِس سلسلۂ مضامین کا یہ مدعا ہے کہ چیدہ چیدہ معلومات کا مختصر طور پر ذکر کیا جائے۔ اِن معلومات نے قدیم زمانہ کی شائستگی کی نسبت ہمارے خیالات میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔ ابھی فقط ساٹھ سال کا عرصہ گذر رہا ہے کہ دجلہ اور فرات کے علاقہ میں باقاعدہ طور پر کھنڈرات کی کھدائی شروع ہوئی اور اس قلیل عرصہ میں بائبل کے متعلق بلحاظ تعداد اور وقعت کے حیرت افزا نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ ملک مصر کے قدیم حالات کی تحقیقات سب سے اوّل شروع ہوئی مگر اس ملک کے بعض انقلاب پیدا کرنے والے معلومات حال ہی میں دریافت ہوئے ہیں۔
اِس میدان کے اوّل محققوں میں سے ایمل بوٹا ہے جو ایک فرانسیسی سفیر تھا۔ اس نے اپنے علاقہ میں ۱۸۴۳ء کے درمیان نینوہ کے اتر کی طرف فورس آباد کے ٹیلوں کو کھدوانا شروع کیا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ سامریہ کے فاتح سرجون کے محل میں اپنے آپکو کھڑے دیکھکر حیران و ششدر رہ گیا۔ یسعیاہ نبی کے بیسویں باب کی پہلی آیت میں مرقوم ہے کہ شاہ اسور سرجون نے اپنے ترتان یعنی سپہ سالار کو اشدود کا محاصرہ کرنے کیلئے بھیجا۔ مگر یہ سرجون تھا کون؟ کتاب مقدس کے کسی دوسرے مقام یا تواریخ میں اُسکا نام مذکور نہیں۔ یہ شخص ایک معما ہو رہا تھا بلکہ اسکی ہستی کی نسبت عام طور پر شبہ تھا۔ اب اِسی سرجون کا محل اِن قدیم معلومات کے زرّیں سلسلہ کی اوّل کڑی تھی۔ اِس عمارت میں نہ فقط اسکا نام (سرجینہ) بلکہ تصویر بھی دستیاب ہوئی۔ اور سرجون کی فتحیابی کے کارنامے جن میں اشدود کے محاصرہ کا ذکر بھی ہے برآمد ہوئے ہیں۔
۱۸۴۷ء میں سر اے۔ ایچ لایرڈ نے نمرود اور کوینجک کے ٹیلوں کو کھدوانا شروع کیا اسی موخرالذکر مقام پر شہر نینوہ آباد تھا۔ اِس محقق کی معلومات کے نتائج بہ نسبت سابقہ معلومات کے

بہت بڑھکر گراں قدر ہیں۔ نمرود کے مقام پر اُس نے چار بڑے بڑے محل کھود کر برآمد کئے اور نینوہ کے مقام وقوع پر سنحریب کا محل نکالا جسکو اسکے پوتے اسرہانی پل نے از سرِ نو تعمیر کروایا تھا۔ اسی محل میں ایک بڑا بھاری کتب خانہ پایا گیا۔ واضح ہو کہ اس زمانے کی کتابیں موجودہ کتب کیطرح کاغذ یا کپڑے کی بنی ہوئی نہیں ہوا کرتی تھیں مگر مٹی کی تختیاں یا معدنی نلکیاں تھیں جن پر مثلث نما حروف کندہ ہوتے تھے۔ اور ان حروف کو ملا جلا کر عبارت لکھی جاتی تھی۔ پیشتر اسکے کہ کتب خانہ دریافت ہوا اس نامعلوم زبان کے پڑھنے میں کسی قدر ترقی ہو چکی تھی مگر اس کتب خانہ میں لغت کی کتابیں۔ صرف و نحو کے رسالے اور درسی کتب وغیرہ کے مل جانے سے اس زبان کے سمجھنے میں بڑی مدد اور آسانی ہو گئی۔

اِن معلومات کی طفیل ایسے قدیم زمانوں میں فنون علم ادب اور شائستگی کا سراغ ملنے لگا ہے جو پیشتر کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ ابرہام کے ہزاروں سال پیشتر بابل میں ایسے شاہان عظیم گذرے ہیں جنہوں نے کتب خانوں کی بنیاد رکھی اور علم ادب کی سرپرستی کی۔ چنانچہ سرجون اوّل نے مسیح سے ۳۸۰۰ سال پیشتر اگید میں ایک کتب خانہ قایم کیا جنوبی بابل کے مقام تلّو میں ایک بڑے بھاری کتب خانہ کا بقایا دریافت کیا گیا ہے۔ یہ لائبریری قریب ۲۷۰۰ سال مسیح سے پیشتر گدیا کے عہد تک موجود تھی۔ حال ہی میں ڈاکٹر ہل پریخیٹ صاحب نے مقام نیور پر ایک مندر کے متعلق کتب خانہ کھود کر نکالا ہے۔ اِسی مندر کے نیچے کھودنے سے صاحب موصوف اور انکے مددگاروں نے ایسی شائستگی کے نشانات دریافت کئے ہیں جس کی قدامت مسیح سے سات ہزار سال پیشتر قرار دی گئی ہے۔ شاید اس میں کچھ مبالغہ ہو مگر اسکے نہایت قدیم ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اس سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ کسدیوں کا اُور جہاں کا رہنیوالا ابرہام تھا مدّت مدید تک فنون۔ علم ادب اور شائستگی کا مرکز تھا۔ اِس لئے ابرہام کسی خیالی زمانہ سے نہیں بلکہ تواریخی زمانہ سے متعلق تھا۔

اسور کی بعض قدیم تختیوں پر دُنیا کی پیدائش کا قصّہ مندرج ہے جو پیدائش کی کتاب کے پہلے باب کے بیان کے ساتھ بہت کچھ مطابقت رکھتا ہے۔ مگر بُت پرستی کے جُز نے اسکی صورت بگاڑ دی ہے۔ چنانچہ شروع ہی میں بڑے بڑے دیوتاؤں کا سمندر میں سے پیدا ہونا بیان کیا

گیا ہے مگر مخلوقات کی آفرینش کی ترتیب پیدائش کی کتاب سے کچھ مشابہ ہے۔ جو گلی ہارے دستیاب ہوئے ہیں اُن پر ستاروں کے مجموعہ کا تعین اور حیوانات کی خلقت کا بیان پایا جاتا ہے۔ دیگر کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ بابلی اور اسوری دونوں ایک قسم کے ہفتہ وار سبت کو مانتے تھے۔ اس روز خصوصاً سرکاری عہدہ داروں کو تعطیل ہُوا کرتی تھی۔ مگر ایک بات میں وہ یہودی سبت سے مختلف تھا۔ یعنی بجائے سلسلہ وار حساب کرنیکے اُن کی تقویم ہر ماہ نئے سرے سے شروع ہُوا کرتی تھی۔

انسان کی برگشتگی کے حالات کا کوئی صاف قصہ ابتک دستیاب نہیں ہُوا مگر ایک قدیم مُہر موجود ہے جس پر ایک درخت کا نقش ثبت ہے اسکے ایک طرف ایک مرد اور دوسرے پہلو میں ایک عورت بیٹھی ہے۔ اور دونوں اسکا پھل توڑنے کیلئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ عورت کے پیچھے ایک سانپ کھڑا ہے جو اس کے کان میں کچھ پھسپھساتا ہُوا معلوم ہوتا ہے۔ اکثر عالموں کا خیال ہے کہ یہ تصویر بائبل کے اُس بیان کے مطابق ہے جو پیدائش کی کتاب کے تیسرے باب میں پایا جاتا ہے۔

۱۸۷۲ء میں جارج سمتھ صاحب نے طوفان نوح کا بابلی قصہ دریافت کیا جس سے دُنیا میں ایک عجیب جوش پیدا ہو گیا۔ اس دن سے آجتک کئی حصے اور نسخے اس قصہ کے دستیاب ہو ہو چکے ہیں جن میں سے بعض نہایت قدیم ہیں۔ جو داستان ہمارے پاس موجود ہے وہ ایک بڑی نظم رزم کے اندر بطور قصہ در قصہ کے پائی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طوفان کا قصہ اس بڑی کتاب سے بیشتر مشتہر ہو گا۔ اگر ہم اسکی قدامت مسیح سے آگے تین ہزار سال یا اس سے بھی بیشتر قایم کریں تو کچھ مبالغہ نہ ہو گا۔ اِس بیان کو بھی بُت پرستی کی چاشنی نے بگاڑ دیا ہے۔ مگر عام طور پر اور اپنی تفصیل میں یہ قصہ کتاب پیدائش کے بیان کے ساتھ عجیب مطابقت رکھتا ہے۔ مثلاً اُس میں بیان کیا گیا ہے کہ کیونکر بابلی نوح کو حکم ملا کہ اپنے اور اپنے گھرانے کو بچانے کے لئے ایک جہاز بنا۔ اُس نے کیونکر جانوروں کو اندر سوار کیا۔ طوفان نے کیونکر تمام زندہ مخلوقات کو تباہ کیا۔ آخرالامر کشتی کیونکر ایک پہاڑ پر آٹھہری۔ پھر نوح نے کیونکر یکے بعد دیگرے ایک فاختہ اور ابابیل اور کوّے کو اُڑایا اور وہ کوّا پھر نہ آیا۔ پھر اُس نے کیونکر حیوانات کو نکالا۔ قربانی چڑھائی۔ اور آسمان میں قوس قزح کو دیکھا الخ۔ ضرور نہیں کہ ہم یہ فرض کریں کہ بائبل کے لکھنے والوں نے

یہ بیانات بابلی قصوں سے نقل کئے بلکہ یہ اغلب ہے کہ بائبل میں وہ صحیح روایات مندرج ہیں جنکو بابل والوں نے بگاڑ کر بیان کیا۔



زمانہ کا آخر

اگرچہ نبوتوں کے تفصیلی امور میں بہت کچھ اختلاف رائے ہے تاہم سب لوگ جنہوں نے نبوتوں کا غور سے مطالعہ کیا ہے اس امر میں متفق پائے جاتے ہیں کہ ہم زمانے کے انجام کے بہت ہی قریب پہنچتے جاتے ہیں۔ رات بہت گذر گئی ہے اور ایک نئے دن کی صبح طلوع ہونے والی ہے۔

اب اگرچہ ہم اس موقعہ پر ان تمام دلائل پر بحث نہیں کر سکتے جو محققین اپنے دعوں کو ثابت کرنیکے لئے علم ہیئت کے اصولوں یا تاریخی تحقیقات سے پیش کرتے ہیں تو بھی ہر صورت میں ہم اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ خدا کے کلام کے اُس حصے کا جس میں اس قسم کی نبوتیں مندرج ہیں خاص طور سے مطالعہ کریں اور زمانہ کی علامتوں پر اپنی آنکھیں جما کر جاگتے رہیں۔ اگر یہ فی الحقیقت آدھی رات کا وقت ہے تو ہمارے خداوند کے اس حکم کو نگاہ رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ جوں جوں رات زیادہ ہوتی جاتی ہے نیند کا زور بڑھتا جاتا ہے۔ اور صبح کا ستارہ تو عموماً موندی ہوئی آنکھوں پر اپنی شعاعیں ڈالا کرتا ہے۔ اس بات کا تو خیال کرنا ہی خوفناک ہے کہ اگر اس دن ہم سوتے پائے جائیں تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ اِس لئے ہمکو چاہئے کہ اس زمانہ کے آخری دنوں میں جاگتے رہیں۔

لیکن جب ہم اس طور پر جاگتے ہیں تو ہم اس مُبارک امید یعنی اپنے خداوند اور نجات دہندہ یسوع مسیح کے جلال کے ساتھ ظاہر ہونیکا انتظار کرتے ہیں۔ یقیناً یہی بات اس قابل ہے کہ ہم اسکے لئے ہمیشہ چشم براہ رہیں۔ ہم ابھی تصور نہیں باندھ سکتے کہ وہ خوشی کیسی اعلیٰ درجہ کی ہوگی جبکہ اس تاریک رات کے بعد ہماری آنکھیں اس منور صبح کے ستارہ

کو دیکھیں گی۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے خداوند کے منتظر رہیں۔ جو اس زمانہ کے آخر میں بہت جلد آنے کو ہے۔

اور اس بیداری اور انتظار کے زمانے میں ہمکو چاہئے کہ اپنے خداوند کے لئے کام بھی کرتے رہیں۔ یہ زمانہ آخر سستی کا زمانہ نہیں۔ اِس لئے ساری طاقت سے کام کرتے ہوئے "خداوند کے جلد آنے کا" سامان کریں۔ جب ہم محنت طلب کام میں مشغول ہوتے ہیں۔ تو بہت سے بیجا شغلوں سے بچے رہتے ہیں۔ جھگڑے اور فساد اور فروعی امور میں بحث واختلاف پر وقت ضایع نہیں کرتے۔ بھلا سخت مشغولی کی حالت میں ایسی باتوں کیلئے فرصت ہی کہاں ملتی ہے۔ کیا یہ سخت شرم کا مقام نہ ہوگا اگر خداوند آکر ہمیں نہ صرف سُست ہی پائے بلکہ اپنے ہم خدمت لوگوں کو دُکھ تکلیف دیتے ہوئے بھی۔ اِس لئے آؤ۔ ہم اس زمانہ کے آخر میں برابر اپنے اپنے کام میں مشغول رہیں۔

ایک بات اور بھی۔ پطرس رسُول اِس زمانے کے آخر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ "سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگرمی سے محبّت رکھو"۔ ہاں! دیکھئے اس سرگرم محبّت کی کتنی سخت ضرورت ہے۔ ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جو اس کا سخت حاجتمند نہیں۔ جب ہم سب ملکر جاگتے۔ انتظار کرتے اور کام کرتے ہیں تو کیسا آسان اور دل پسند معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر اکیلے ہوں تو کیسا بھاری اور دوروناک ہے۔ اس لئے ہم محبّت میں بخل نہ کریں۔ اب وقت ہی کونسا باقی رہ گیا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کیلئے اپنے دل کی اچھّی سے اچھّی محبّت کو اُنڈیلنا کسی اَور وقت پر ملتوی رکھ چھوڑیں۔ کیونکہ خواہ ہم ہوا میں خدا کو ملنے کے لئے" بُلائے جائیں۔ خواہ" پہلے موت کا مزہ چکھیں" ہر صورت میں ہم میں سے کسی کو عرصۂ دراز تک منتظر رہنا نہیں پڑیگا۔ اور فی الحقیقت اس عظیم کام کے لحاظ سے بھی جو ہمیں ابھی سرانجام کرنا ہے ہمارے پاس بہت ہی تھوڑا وقت ہے۔ اس لئے ہمکو مناسب ہے کہ اپنا سب ابھی دیدیں اور یہ تھوڑا سا وقت" جو ہم اس وقت اپنے مالک کیلئے جاگنے منتظر رہنے اور کام کرنے اور محبت سے ایکدوسرے کی خدمت کرنے" میں صرف کرینگے اسکا نتیجہ نہایت اعلیٰ درجہ کی خوشی وخرمی ہوگی کیونکہ اگر ہم ایسا کرینگے تو اُسکے فضل سے اسکے آنے پر مستعد پائے جائینگے۔

لوتھر اور اُسکی خادمہ

لوتھر کے ہاں الزبیتھ نامی ایک عورت ملازم تھی۔ جو ایک روز ایسے طیش میں آئی کر بلا اطلاع مکان سے چلدی۔ آخر وہ نہایت قبیح عادت میں پھنس کر سخت بیمار ہو گئی اور بستر مرگ پر التجا کی کہ لوتھر کو دم بھر کے لئے میرے پاس بٹھادو۔ لوتھر نے چارپائی کے پاس بیٹھکر دریافت کیا کہ "کہو الزبیتھ! کیسا حال ہے؟" اُس نے جواب دیا کہ "مینے اپنی رُوح شیطان کے حوالے کردی ہے"۔ لوتھر نے کہا کہ "واہ! یہ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کچھ اور بتاؤ۔" اُس عورت نے کہا کہ "اور کیا پوچھتے ہو۔ گناہ تو میں نے بہت کئے ہیں لیکن سب سے زیادہ بوجھ اسی بات کا میرے دل پر ہے کہ میں نے دیدہ و دانستہ اپنی بیچاری روح کو ابلیس کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ کیا یہ جرم قابل رحم ہے؟" اُس مرد خدا نے جواب دیا کہ "الزبیتھ! میری بات ذرا غور سے سُن۔ کہ جب تم میرے گھر میں تھیں اگر میرے بچوں کو کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کردیتیں تو کیا یہ خرید و فروخت جایز سمجھا جاتا؟" خادمہ نے جواب دیا کہ "ہرگز نہیں۔ مجھے ایسا کرنے کا کوئی حق نہ تھا"۔ لوتھر نے کہا کہ بہت خوب تو تمکو اپنی رُوح کو بھی ابلیس کے حوالے کردینے کا کوئی حق نہ تھا۔ جیسے میرے بچے ویسے ہی تمہاری رُوح بھی اپنی نہیں ہے۔ وہ خداوند یسوع مسیح کا مال ہے۔ اُس نے رُوح کو بنایا اور برگشتگی کی حالت میں اُسی نے فدیہ دے کر اُسے چھڑایا۔ اور اب وہ اپنی تمام طاقتوں اور قواء سمیت اسکی ہے۔ اور جو چیز تمہاری اپنی نہیں تم اسکو دے ڈالنے یا بیچنے کی مجاز نہیں ہو۔ اور اگر تم ایسا کرو تو سارا معاملہ ناجائز اور کالعدم سمجھا جائیگا۔ اب خداوند کے حضور جاکر شکستہ دل اور خاکسار رُوح کے ساتھ اپنے جرم کا اقرار کرو اور اس سے معافی مانگو اور کہو کہ اے خدا جو کچھ تیرا ہے تُو آپ اُسکو لے۔ باقی رہا وہ گناہ کہ تم نے خدا کی ملکیت شیطان کے حوالے کردی سو اُسکو شیطان ہی کے سر پر دے مارو کہ یہی اسکا حق ہے"۔ اس عورت نے ایسا ہی کیا۔ اور نجات یافتہ ہوکر اسید کے ساتھ اس دُنیا سے گذر گئی۔

کوہستان کا نظارہ

ہاں مبارک تجھے اے دید کی مشتاق نظر ایک باغِ گلِ نظارہ ہے شملہ کا سفر
قلۂ کوہ جو اُبھرا ہے تو اِک شان کیساتھ کھڈ جو گہرائی میں اُترا ہے تو اِک آن کیساتھ
چوٹیوں اور کھڈوں پر جو ذرا کیجے نظر اور روئیدگی کا دیکھئے منظر پہ اثر
سبزہ ہی سبزہ ہر اِک سمت نظر آتا ہے ق ایک دریائے زمرّد ہے کہ لہراتا ہے
صفحۂ دلکشِ کہسار عجب گلشن ہے سبزۂ وگُل سے جو قلّہ ہے سو اِک خرمن ہے
نخلِ بندِ چمن دہر ہے مالی اِس کا گُل سے رہتا نہیں دامن کبھی خالی اِسکا
یاں جو پَودا ہے سو ہے سروکیصورت آزاد خوشنوایانِ چمن کو نہیں خوفِ صیّاد
پھُول اک طرزِ دل آویز سے کھلتے ہیں یہاں شجر اِک جُنبشِ مستانہ سے ہلتے ہیں یہاں
پہنی ہیں پھُولوں نے خوشرنگ قبائیں کیا کیا دل لبھاتی ہیں پرندوں کی صدائیں کیا کیا
دیکھنا اُڑتی ہُوئی تیتریوں کے انداز گویا قدرت نے عطا کی ہے گلوں کو پرواز
کِس قدر حسن بکھیرا ہے یہاں قدرت نے کیا ویرانے کو فردوس نشاں قدرت نے

دیکھئے اسامنے اِک کھڈ سے وہ بادل اُٹھا اِک علم نوُر کا آکاس میں لہرانے لگا
ایلو! وہ اور بھی کچھ ابر کے پارے آئے سیکڑوں رنگ سے جوبن کو نکھارے آئے
نہیں بادل کے یہ ٹکڑے۔ یہ ہیں چنچل پریاں محوِ سیرِ کُرۂ باد ہیں رقصاں رقصاں
اِن میں یہ ناز یہ چھل بل یہ ادا یہ گھاتیں بادلوں کو کہیں آتی ہیں بھلا یہ باتیں؟
نیلی پوشاک کسی کی ہے۔ کسی کی ہے ہری کوئی مٹیالی پری ہے۔ تو کوئی سُرخ پری
کیسی اٹکھیلیاں کرتی ہیں ہوا سے دیکھو! ناچتی پھرتی ہیں کیا پیاری ادا سے دیکھو!
اے لو اب چھپ گئیں دامن میں گھٹا کے پریاں ہو گئے بارشِ باراں کے مہیّا ساماں
لو برسنے کو ہے پانی۔ وہ گھٹائیں آئیں مینہ کا پیغام لئے ٹھنڈی ہوائیں آئیں
ابر نے ڈھانپ لئے سب شجر و کوہ و زمیں گویا جز ابر کے دنیا میں کوئی چیز نہیں
رعد نے آکے جو احکام میں کچھ تیزی کی وہ لگی دینے گھٹا داد گہر ریزی کی

(دینرنگ)

کالج آگرہ کو قایم ہُوئے پچاس سال ہو چکے ہیں - ۲۹ و ۳۰ دسمبر کے دن پُرانے طالب علموں میں
ے قریب ۱۲۵ شریک دعوت ہُوئے جن میں سے ۲۰ مسیحی تھے - ۳۰ کی شام کو ۲۱۵ طالب علموں
ؤ کھانا دیا گیا ان میں سے ۸۰ مسیحی - ۱۱۰ ہندو اور ۲۵ محمدی تھے - دیسی مسیحی زنانہ طالب علموں کی
نفرنس بمقام لکھنؤ ۲۹ - ۳۰ دسمبر کو منعقد ہُوئی - ۷۵ لڑکیاں شریک کانفرنس ہُوئیں - بمقام اٹاوہ بھی
ڈاں لڑکے اور لڑکیوں کی ایک بڑی مفید کانفرنس منعقد ہُوئی - ۱۸۵۷ء کے بعد میجر رینیڈ نے بمقام
یرہ دون ان فیلڈ مشن قایم کیا - میرٹھ کے گرد نواح سے اکثر مسیحیوں نے یہاں آکر پناہ لی - پادری
پرڈمار شنڈل لیمب اس کلیسا کے پاسٹر تھے - اس کلیسیا کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی لیکن
ھوڑے عرصہ سے ۲۵۴ رہ گئی کیونکہ بعض ممبروں نے مشرقی دون میں مارکھم گرانٹ نامی ایک
ئی کالونی قایم کی ہے - کلیسیا کے اکثر ممبر زمیندار اور صاحب حیثیت ہیں - مشن کے متعلق ۸۴ ایکڑ
ین ہے لوئر پرائمری تک سکول بھی ہے کلیسیا کی طرف سے منادی کا کام برابر کیا جاتا ہے - دہلی ہیپٹسٹ
ن بوئیز بورڈنگ سکول میں کرسمس سے ایک روز پیشتر ایک حادثۂ جانکاہ واقع ہُوا - ایک لڑکا
اطلاع گولے بنانے کیلئے بازار سے بارود لایا - اور قوانین مدرسہ کے خلاف اپنے سونے کے کمرہ
یں آگ جلائی - اسکو ایک بڑے لڑکے نے سمجھایا بھی لیکن وہ نہ مانا - بارود کو آگ لگ گئی اور یہ بیچارہ
گھنٹے کے اندر اندر جاں بحق ہُوا - دو اور لڑکوں کو ضربات آئیں - والدین کا ایک ہی بیٹا تھا افسوس!
چسٹر اور چیسٹر کی ایک انجمن خاتون نے ملکہ معظمہ مرحومہ کی یادگار میں لاہور میڈیکل کالج کے متعلق یوریشین
دیسی مسیحی لڑکیوں کیلئے مبلغ تیس روپیہ ماہوار کا ایک وظیفہ میعادی ۵ سال قایم کیا ہے - بشپ
حب لاہور اور پرنسپل میڈیکل کالج لاہور اور ہیڈ ڈیکنس لاہور اس کمیٹی کے ممبر ہیں جو وظیفہ
لا کرے گی - ۱۵ جولائی ۱۹۰۴ء تک ہیڈ ڈیکنس سنٹ ہلڈا اس ہوس کے پاس امیدواران کی
خواستیں پہنچ جانی چاہئیں - کرنل ہالرایڈ سابق ڈایرکٹر سررشتہ تعلیم وسط فروری میں بطور سیر لاہور
شریف لائینگے - کلکتہ میں بصدارت حضور والیسرائے وکٹوریہ میموریل کمیٹی کا جلسہ کیا گیا - یادگار وکٹوریہ کا
انتظام سر ولیم ایمرسن کو سپرد ہُوا - تعمیر کا کام کلکتہ کی مارٹن کمپنی کو ملا - ۲ لاکھ مکعب فٹ سنگ مرمر درکار
ہے - جو کہ انجی برہما اور جودھپور کی کان مکرانہ سے منگوایا جائیگا - الہ آباد بار کے روح رواں سر
لسٹر کالوین کو سرکار کی طرف سے نائیٹ کا اعزاز ملا - زار روس نے سینٹ پیٹرسبرگ میں سال نو
ؤشی میں جلسہ کیا - حاضرین سے فرمایا کہ وہ دُور شرق میں امن چاہتے ہیں - لنڈن کے جلسہ
سائٹی آف آرٹس میں مسٹر برآڈرک صاحب نے لارڈ کرزن والیسرائے ہند کے عہد حکومت کی بہت

تعریف کی۔ متجر خبر بگ جو ڈچ ایسٹ انڈیز کی فوج میں ڈاکٹر ہیں انہوں نے اس بارہ میں اپنے تجربات شایع کئے ہیں کہ جو ممالک خط سرطان وجدی میں واقع ہیں ان میں سکونت رکھنے والے یوروپین پر منشی اشیاء کا کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب سے ڈچ سپاہ نے شراب کے استعمال میں کمی کردی ہے ان میں مرض اور تھکاوٹ کے مقابلہ کرنے کی طاقت بڑھ گئی ہے۔ اُن پر گرمی کا اثر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور تین ہی ماہ کے اندر مریضوں کی تعداد میں کمی ہو گئی ہے۔ وہاں کی فوج میں ہیضہ۔ خودکشیاں پیچش اور امراض جو فاسد بخارات سے پیدا ہوتے ہیں اُن کا شکار زیادہ تر شراب خوار ہوتے ہیں۔ تھوڑا ہی عرصہ گذرا کہ مقام لائنیز میں ایک فرانسیسی کیمیاساز نے ریشم کے کیڑوں کو شہتوت کے پتے رنگ کر کھلائے تھے۔ جو کیڑے اس آزمایش کے بعد زندہ رہے اُن سے رنگین ریشم پیدا ہُوا۔



رسید زر

ڈاکٹر برخوردار خاں	۱۹۰۴ء	۲-۰-۰	منشی نیاز اللہ	۱۹۰۴ء	۱-۰-۰
ڈاکٹر صوبے خاں	؍؍	۲-۰-۰	بابو مولاداد	؍؍	۱-۰-۰
منشی خیر الدین	؍؍	۲-۰-۰	پادری حاکم سنگھ	؍؍	۲-۰-۰
مس ڈیوز	؍؍	۲-۰-۰	پادری بی اے شرف	؍؍	۲-۰-۰
پادری برکت مسیح	؍؍	۲-۰-۰	پادری طالب مسیح	۱۹۰۳	۲-۰-۰
پادری ودھاوامل	؍؍	۲-۰-۰	ڈاکٹر ناصر	عطیہ	۲۵-۰-۰

مسیحی

امرتسر

جلد (۹) نمبر (۲)

فروری ۱۹۰۴ء

جملہ خط و کتابت بنام مسٹر ایم ایل رلیارام وکیل امرتسر

فہرست مضامین

قیمت سالانہ دو روپیہ پیشگی

مطبوعہ ... پریس امرتسر

ایڈیٹر کی نوٹ بک

ٹنگکٹر آئی یُو ناصر درجۂ اوّل کے اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے اور تنخواہ ڈیڑھ سو ماہوار سے دو سو ماہوار ہوئی۔ بطور شکرگذاری منجملہ دیگر عطیات کے مبلغ پچیس ۲۵ روپیہ مسیحی کو عنایت کئے۔

ڈاکٹر ایم بی عطار دسینئر گریڈ کے اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے۔ علاوہ الاؤنس وغیرہ کے تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار۔

مدراس کے سربرآوردہ دیسی مسیحی ڈاکٹر سموشیل سیتّا نادھن ایم اے ایل ایل ڈی محکمۂ تعلیم کے ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔

مسٹر آرسی سنگھا افسر محکمہ بندوبست ہوکر بشاہرہ چھ سو روپیہ ماہوار کشمیر جاتے ہیں۔

پادری فتح مسیح کلارک آباد سے بٹالہ تبدیل ہوئے اور پادری جسونت سنگھ بٹالہ سے کلارک آباد۔

بنگال کے مشہور مسیحی مسٹر کالی چرن بنرجی کی تصویر ینگ مینس کرسچن ایسوسی ایشن کے ہال میں آویزاں کی گئی۔ سر اینڈریو فریزر لفٹنٹ گورنر بنگال نے اس موقعہ پر اپنی تقریر میں بابو کالی چرن کی خدمات اور اُنکی ذات کی نہایت تعریف کی۔ کلکتہ میں بابو صاحب موصوف کی خدمات کا اعتراف کرنیکے لئے ایک اور مجمع منعقد ہوا۔ ڈاکٹر گورو داس بنرجی جج ہائیکورٹ کلکتہ میر مجلس تھے۔ تین ہزار روپیہ کا چیک مسیحی دوستوں کی طرف سے دیا گیا۔

بنگال کے ایک اور دیسی مسیحی مسٹر داس صاحب کو جو انڈین کرسچن ایسوسی ایشن کی سنٹرل کونسل کے وائس پریذیڈنٹ ہیں سی آئی ای کا خطاب ملا۔ وائسرائے صاحب نے بھی بذریعہ تار مبارک دی۔

کولمبو ینگ مینس کرسچن ایسوسی ایشن نے اپنی عمارت کیلئے پچھتر ہزار روپیہ جمع کیا ہے۔ ۲۵ ہزار سیلون اور پچاس ہزار انگلستان و امریکہ میں۔

بنگال کے لفٹنٹ گورنر سر اینڈریو فریزر کو کلکتہ ینگ مینس کرسچن ایسوسی ایشن کا عہدہ پریذیڈنٹ پیش کیا گیا ہے آنریبل مسٹر بوردائین ریذیڈنٹ میسور و سابق لفٹنٹ گورنر بنگال نے بنگلور میں ینگ مینس کرسچن ایسوسی ایشن کا پریذیڈنٹ ہونا منظور کیا۔

ہولی ٹرنٹی چرچ انارکلی لاہور کی عمارت کا نامکمل حصّہ زیر تعمیر ہے۔ ایسٹر تک تیار ہو جائے گا۔

حیدرآباد میں گرجا کی عمارت کیلئے چندہ جمع ہو رہا ہے بیتھمین آباد کے مسیحیوں نے گرجا کی عمارت کیلئے ڈیڑھ سو روپیہ چندہ دیا ہے اور غریب مسیحیوں نے کام کرنیکا وعدہ۔

الگزنڈرا سکول امرتسر کی رپورٹ ۰۳-۱۹۰۲ء سے ظاہر ہے کہ انٹرنس میں دونوں کی دونوں لڑکیاں کامیاب ہوئیں۔ مڈل میں ۷ اور پرائمری میں بھی کُل کی کُل۔

پادری ایچ یو وائٹ برجیٹ پنجاب سی ایم ایس کے عہدہ سکرٹری سے دست بردار ہوکر اپنا سارا



اے خداوند تو نے ہمیں سکھایا ہے کہ محبت بغیر ہمارے سب کام نکمے ہیں۔ اپنا رُوح القدس بھیجکر ہمارے دلوں میں وہ محبت جاری کر جو سب نعمتوں میں افضل اور میل ملاپ اور ساری خوبیوں کا حقیقی بند ہے اور اُس کے بغیر ہر زندہ تیرے نزدیک مُردہ ہے۔ اپنے اکلوتے بیٹے یسُوع مسیح کی خاطر یہ بخش۔ آمین!

اگر میں آدمیوں اور فرشتوں کی زبانیں بولوں اور محبت نہ رکھوں تو ٹھنٹھناتا پیتل یا جھنجناتی جھانجھ ہُوں۔

محبت صابر ہے۔ ملایم ہے۔ محبت ڈاہ نہیں کرتی۔ محبت شیخی باز نہیں۔ پھُولتی نہیں نازیبا کام نہیں کرتی۔ خود غرض نہیں۔ تُند مزاج نہیں۔ بدگمان نہیں۔ ناراستی سے خوش نہیں بلکہ راستی سے خوش ہے۔ سب کچھ سہتی ہے سب کچھ باور کرتی ہے سب چیزوں کی اُمید رکھتی ہے۔

اب تو ایمان اُمید محبت یہ تینوں موجود ہیں پر محبت اِن میں افضل ہے۔

نوٹ اور رہائیں

بائبل کا اتوار۔ ناظرین کو یاددلانا ضرور نہیں کہ ۷ ماہ مارچ برٹش اور فورن بائبل سوسائٹی کی صد سالہ سالگرہ کا دن ہے۔ جو فیض دُنیا نے بائبل سے حاصل کیا ہے وہ بھی بیان کا محتاج نہیں۔ اب رُوئے زمین کے تمام ممالک نے جہاں پروٹسٹنٹ مسیحی آباد ہیں بالاتفاق یہ تجویز کیا ہے کہ چھٹی مارچ اتوار کا دن بائبل سنڈے قرار دیا جائے۔ اس روز خاص طور پر اس مقدس کتاب کے لئے خدا کا شکر ادا کیا جائے۔ اور اس بزرگ سوسائٹی کیلئے جسکی کوشش سے قریب پونے چار سو زبانوں میں انجیل کی اشاعت کی گئی ہے۔ خدا سے خاص دُعائیں مانگی جائیں۔ شہر لنڈن میں جہاں اس سوسائٹی کا مرکز ہے شاہ ذی الاحتشم ایڈورڈ ہفتم ملکہ الگزنڈرا اور اُمرا کے ساتھ شاہی گرجے میں تشریف لے جائیں گے اور کنٹر بری کے اسقف اعظم وعظ کرینگے۔ ہر ایک مُلک میں اس اتوار پر سوسائٹی کے کام میں دلچسپی پیدا کرنے اور مسیحیوں کو دُعا اور شکر گذاری کے لئے جمع کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہمارے پنجاب میں بائبل کے ترجموں اور دیگر متعلقہ مضامین پر دلچسپ لکچر دیئے جا رہے ہیں غرض دُنیا کی مختلف کلیسیائیں اپنے اپنے اختلاف کو نظر انداز کر کے اس موقعہ پر ثابت کر رہی ہیں کہ خواہ اَور کسی امر پر ہم متفق ہوں یا نہ ہوں مگر بائبل کو کلام اللہ ماننے میں ہمکو کُلی اتفاق ہے۔ ہم اپنی شکر گذاری کو خالی لفظوں سے بڑھ کر ایک اَور صورت میں ظاہر کر سکتے ہیں۔ یعنی بائبل سوسائٹی کو کچھ نہ کچھ مالی امداد دے سکتے ہیں۔ سوسائٹی کے کام کا حلقہ نہایت وسیع ہے اور اسکی موجودہ ضروریات کے واسطے کم از کم ۵۶۲۵۰۰۰ روپیہ کی رقم فی الحال درکار ہے۔ جو لوگ خدا کے کلام کی قدر کرتے ہیں وہ دریا دلی سے چندہ دے رہے ہیں۔ سوسائٹی اس سالگرہ کے موقعہ پر مستدعی ہے کہ "اگر ہر ایک شخص جس کے پاس بائبل ہے اپنی شکرگذاری کے اظہار میں کچھ نہ کچھ بطور خیرات دے تو مذکورہ رقم سے بہت گُنا بڑھکر روپیہ جمع ہو جائیگا۔

بے زبان حیوانات کیلئے دُعا۔ ہم ہر حالت اور ہر درجے کے آدمیوں کیلئے خدا سے

دُعا مانگا کرتے ہیں۔ ہم اپنی اور اپنے خویش و اقربا کی ضروریات کو خدا کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں مگر کیا کبھی کسی کو خیال آیا ہے کہ ہم بے زبان حیوانات کو بھی خدا کے تخت کے سامنے یاد کر سکتے ہیں۔ جب خدا خود شریعت دیتے ہوئے بیل اور گدھے کو نہیں بھولتا تو یقیناً اُن کیلئے دُعا کرنا اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ مندرجہ ذیل دُعا ایک مسیحی لیڈی حیوانات کیلئے مانگا کرتی ہیں جس پر سب مسیحی آمین کہہ سکتے ہیں۔

"اے نہایت کریم خدا جس کے رحم کے بغیر ایک چڑیا بھی زمین پر نہیں گرتی ہم تیری منت کرتے ہیں کہ تمام بے زبان جانوروں کی جو انسان کی بے رحمی سے دُکھ میں ہیں مدد کر۔ اور کرم کر کے اُنکو اور زیادہ ظلم سے رہائی دینے کی غرض سے بنی آدم کے دل رحم سے بھر دے تاکہ وہ تیری تمام مخلوقات پر ترس کھایا کریں۔ یہ دُعا ہم اپنے نہایت ہمدرد سردار کاہن اور منجی یسوع مسیح کی خاطر مانگتے ہیں۔ آمین!"

مسیح اخبارات کو کیونکر پڑھتا تھا۔ اِس زمانہ میں جب ہزارہا اخبارات چھاپاخانوں کے ذریعے ایسی تیزی کے ساتھ شایع ہوتے ہیں مسیح کے زمانہ کے کسی اخبار کا ذکر کرنا نہایت عجیب معلوم ہوتا ہے اور اگر اُس زمانہ کے کسی روزانہ اخبار کا نام لیا جائے تو اسکا یقین کرنا قریب ناممکن ہوگا۔ مگر واقعی یہ بات ہے کہ رومی سلطنت میں ایک روزانہ اخبار بنام اکٹا ڈایرنا قریب اسی قسم کا ہُوا کرتا تھا جیسا انگریزی سلطنت میں اخبار ٹائمز ہے۔ اس اخبار میں ہر قسم کی خبریں شایع ہُوا کرتی تھیں۔ اور چونکہ حروف جما کر چھاپنے کا فن کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا بڑے ماہر زود نویس کاتبوں کے ذریعے ایک کاپی کی بہت سی نقلیں کرائی جاتی تھیں اور اکٹا ڈایرنا قریب ہر ایک خواندہ رومی شخص کی میز پر چاشت کے وقت موجود ہوتا تھا۔ رؔوما سے مملکت میں سڑکوں کا ایسا تانا بانا تھا کہ بجائے تار کی خبروں کے قاصد اور ہر کارے رومی سلطنت کے ہر کونے سے بڑی سُرعت کے ساتھ خبریں لے جایا کرتے تھے اور اس اخبار کی کاپیاں سلطنت کے دُور اُفتادہ مقامات میں بھی پہنچائی جاتی تھیں اور تعجب نہیں کہ اکٹا ڈایرنا گلیل کے دیہات بلکہ ناصرت کے بڑھیئوں کے کارخانوں میں بھی گاہ بگاہ پڑھا جاتا ہوگا۔ یروسلم اور ہیکل کی خبریں تو آور بھی جلد یوسف کے کارخانہ میں جہاں ہمارا خداوند فروکش ہوا

کرتا تھا زبانی یا اخبار کے ذریعے ملا کرتی ہوں گی ۔ مگر اس سے دلچسپ بات ہمارے لئے یہ ہے کہ خداوند دُنیا کی خبریں کیونکر سنتا یا پڑھتا تھا ۔ مثلاً جب بعض اشخاص نے " اُسے اُن گلیلیوں کی خبر دی جنکا خون پیلاطس نے اُن کے ذبیحوں کے ساتھ ملایا تھا " یا اُن اٹھارہ آدمیوں کی نسبت " جن پر شیلوخ میں بُرج گرا اور وہ دب کر مر گئے " تو ہمارے خداوند نے کیسے عملی سبق اُن خبروں سے اخذ کئے ۔ یہ تو بڑے بڑے معاملے تھے مگر جب اُس کو لعذر کی بیماری کی خبر ملتی ہے تو وہ اُس میں بھی خدا کا خاص ہاتھ دیکھتا ہے ۔ اپنے خداوند کی زندگی کے حالات غور سے پڑھنے سے ہم بھی وہی رُوح حاصل کر سکتے ہیں جس سے دُنیا کے موجودہ پیچیدہ اور کشیدہ معاملات محض اتفاقی یا معمولی واقعات سے بڑھ کر نظر آئیں گے ۔

طاعون اور اُس کا علاج ۔ طاعون کی وبا بہت عرصہ سے ہمارے درمیان پھیل رہی ہے اور ہم رفتہ رفتہ اس کی ہیبت ناک شکل دیکھنے کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ اب اس کا ڈر بہت کچھ جاتا رہا ہے اور ہم اس کو ایک معمولی بیماری سمجھ بیٹھے ہیں ۔ مگر ہزارہا جانوں کا چند روز میں منقطع ہو جانا کوئی ہلکا معاملہ نہیں ۔ اب تک حکیموں اور ڈاکٹروں نے اِس کا کوئی حُکمی علاج نہیں نکالا ۔ اور شاید اَور بہت عرصہ تک اُسکو لاعلاج ہی سمجھا جائیگا ۔ ہم جو اسرائیل کی تواریخ میں ایسی وباؤں کے سزائیہ ہونے کا حال بار بار پڑھتے ہیں اسکو لاعلاج نہیں کہہ سکتے ۔ توبہ و زاری خُدا کے قہر کو دھیما کر دیتی ہے ۔ اور وبا کا فرشتہ جو بنی آدم کو کاٹتا چلا جاتا ہے آخر اپنی تلوار میان میں کر لیتا ہے ۔ تواریخ کلیسیا میں اِسکی ایک نظیر گریگوری اعظم کے حال میں پائی جاتی ہے کہتے ہیں کہ ۵۹۰ء میں شہر روما میں طاعون کا سخت زور شور ہُوا ۔ انہیں ایام میں گریگوری اعظم پوپ کے عہدہ کیلئے منتخب کیا گیا ۔ اس عہدہ پر مقرر ہوتے ہی اُس نے اوّل یہ کام کیا کہ تمام مسیحیوں کی سات جماعتیں بنا کر گرجے کی طرف لےچلا ۔ اوّل جماعت میں خادمانِ دین ۔ دوسری میں راہب ۔ تیسری میں تارک الدُنیا مستورات ۔ چوتھی میں بچے ۔ پانچویں میں بیوہ عورتیں ۔ چھٹی میں مرد اور ساتویں میں بیاہی عورتیں ۔ یہ سب رحم کیلئے دُعا اور زاری کرتے چلے جاتے تھے ۔ وبا کی شدّت اِس قدر تھی کہ اس پروسیشن میں سے اسی آدمی رستہ میں مر کر گر گئے ۔ بعد ازاں گریگوری نے کیا دیکھا کہ ایک فرشتہ ایک بڑے بُرج پر کھڑا اپنی تلوار کو میان کر رہا ہے ۔ پھر وبا موقوف

انجیلِ مُقدّس کا نیا ترجمہ

عہدِ جدید کا تصحیح شدہ اُردو ترجمہ قریب چار سال سے اُردو خواں مسیحی دُنیا میں مروّج ہو رہا ہے۔ اِس ترجمہ کا موازنہ کرنے والوں نے اگرچہ کسی قدر نکتہ چینی کا حق ادا کر دیا ہے۔ تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ اب تک اَور تصحیح کی گنجایش باقی ہے۔ ہم اُن اصحاب سے اِس قسم کی امداد کی توقع نہیں رکھ سکتے جو پُرانے ترجمہ کو محض اس خیال سے پسند کرتے ہیں کہ اُنکے کان پُرانے الفاظ اور محاورات سے مانوس ہو گئے ہیں۔ اور نہ ہم اُلیسوں کی خاطر اِس وقت اُن وجوہات کو دوہرا سکتے ہیں جن سے اس نئے تصحیح شدہ ترجمے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ یہ نسخہ کافی عرصہ تک ہندوستانی مسیحی کلیسیا کے سامنے موجود رہا ہے۔ اور اب غالباً اس کی نظرِ ثانی کر کے ایک مستند ترجمہ ہمارے لئے تیّار کیا جائیگا۔ پس ہم اُن تمام دیسی اور پردیسی اصحاب سے ملتمس ہیں جو بڑے وثوق کے ساتھ عالمانہ لہجے میں ہمارے گرجوں اور مجالس میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے اصل میں یُوں یا وُوں چاہیئے تھا۔ کہ خدا کے واسطے جو کچھ اِس ترجمہ کے خلاف دل میں رکھتے ہیں "ابھی بول اُٹھیں ورنہ آیندہ کبھی کچھ نہ بولیں"۔

اِس ترجمہ پر دُرست رائے زنی کرنیکے لئے دو شرایط ضرور ہیں۔ اوّل اصلی زبان سے واقفیّت۔ یہ واقفیّت محض معمولی لیاقت سے بڑھ کر درکار ہے۔ ضرور ہے کہ یُونانی زبان کا علم اِس درجہ تک ہو کہ محاورات کے صحیح معانی اور الفاظ کے مطالب کے نشیب و فراز کی اچھی سمجھ ہو۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے علم الہیات کے مدارس میں یونانی زبان کی تعلیم کس درجہ تک ہُوا کرتی ہے مگر جہاں تک ہمارا مشاہدہ ہے عموماً اپنی فضیلت پر ایک مصنوعی فخر پیدا کرنے کے سوائے اِسکا اَور کچھ نمایاں ماحصل نہیں ہوتا۔ اور نہ فقط یونانی کی ابتدائی تعلیم کو ڈونٹی سکول کے احاطہ کے باہر ترقی دینے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ جو کچھ شُد بُود ہاتھ پلّے تھا باقی عمرِ عزیز اسکو لوحِ حافظہ پر سے مٹانے میں صرف ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے بلحاظ ترجمہ کی صحت کے ہم اپنے ہندوستانی بھائیوں کو رائے زنی کرنے کے مستحق نہیں سمجھتے۔ شاید کوئی مستثنیات ہوں جن کا

ہم کو علم نہیں۔

دوسری شرط جو موجودہ نئے ترجمہ پر نکتہ چینی کرنے کیلئے ضرور ہے سو اُردو زبان میں مہارت ہے۔ اگرچہ ہمارے نئے تعلیم یافتہ مسیحی نوجوانوں میں اُردو کو حاصل کرنے کا چنداں شوق نظر نہیں آتا تو بھی ہماری کلیسیا میں ایسے لایق اشخاص موجود ہیں جو ترجمہ کے اِس پہلو پر رائے زنی کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ ایسے اصحاب نے اِس ترجمہ کو غور سے پڑھ کر کماحقہٗ امداد دی ہوگی۔ باقی وہ لوگ جو راقم سطور کی طرح نہ تو یُونانی زبان سے واقف اور نہ اردو پر پُوری دسترس رکھتے ہیں اِس ترجمہ کی تصحیح اُن بزرگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ سکتے ہیں جو یُونانی عبارت کا مطلب حتی الامکان اُردو میں صحیح طور پر ادا کرنے کی غرض سے تمام انسانی وسائل کا استعمال کر رہے ہیں۔ ہمارے مترجموں کا دارومدار بہت کچھ انگریزی نئے ترجمے پر ہے جو نہایت عرقریزی کے ساتھ تمام قدیم وجدید یُونانی نسخوں کے مقابلہ کے بعد مکمّل اور شایع کیا گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ زندگی خدا کے کلام میں ہے خواہ اسکو کسی زبان کا لباس پہنایا جائے۔ اور جب انسان خدا کے کلام کا ترجمہ کسی زبان میں کرتا ہے تو کیا ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ خدا کی مدد ایسی کوشش کے شامل حال ہوتی ہے۔ جس رُوح نے اصلی کتاب کے لکھنے والوں کی ہدایت کی وُہی رُوح بعض کو ترجمہ کرنے کی طاقت بخش دیتی ہے اور ہم اُسی رُوح کی امداد پر پُورا توکل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے مترجموں کی مدد اَور کسی صُورت سے نہیں کر سکتے تو اُن کیلئے دُعا تو ضرور کر سکتے ہیں کہ خُدا اس کام میں اُن کی رہنمائی کرے تاکہ سب پڑھنے والے اس ترجمہ سے خدا کے کلام کا صحیح علم حاصل کریں۔

ایک اَور قسم کی نکتہ چینی ہے جو کتابت کے متعلق ہے۔ بعض اَوقات کاتبوں نے الفاظ کم وبیش کر کے یا تبدیل کر کے مضمون بگاڑ دیا۔ مگر سہوِ کاتب ایک ایسا نقص ہے جو توجہ کرنے سے کامل طور پر رفع ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ کتابِ مقدّس کے چھاپنے والوں نے ابتک ایسی توجّہ کا کافی ثبوت نہیں دیا۔ کم وبیش غلطیاں قریب سب نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔ شاید اِس لحاظ سے کتابِ مقدّس کا وہ نسخہ جو لنڈن میں ۱۸۸۷ء میں چھپوا کر شایع کیا گیا سب سے گرا ہُوا ہے۔ اسکی غلطیاں ایسی کثیر التعداد ہیں کہ اُنکو غلطنامہ کی صورت میں جمع کرنے سے ایک اچھا رسالہ بن سکتا ہے۔ ہمارا موجُودہ تصحیح شدہ ترجمہ بھی ایسی اغلاط سے مبرّا نہیں مگر یہ سہو

نہایت ہلکے درجہ کے ہیں جو امید ہے کہ نظرثانی کرنے سے بآسانی رفع ہو جائیں گے۔ ان کو قطعِ نظر کر کے ہم اس نئے ترجمے کو نہایت قابل تعریف سمجھتے ہیں۔ بعض آیات پر کیسی عجیب روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعض الفاظ کیسے باموقعہ استعمال کئے گئے ہیں۔ جن سے کلام کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ہم بطور مثال کے چند مقامات کا ذکر کرینگے۔

متی ۱۶: ۲۴ میں "اپنا انکار کرے" کی نسبت "اپنی خودی سے انکار کرے" کیسا پُر معنی ہے۔ اُسی باب میں "ابنِ آدم کو بادشاہ ہو کر آتے ہوئے" بہ نسبت "... بادشاہت میں آتے ہوئے" کے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ "چکی کے پاٹ" کی جگہ "بڑی چکی کا پاٹ" زیادہ وزندار ہے۔ پھر چوبیسویں باب میں "کیا تم سب یہ سب چیزیں دیکھتے ہو؟" کے بجائے "تم اِن سب چیزوں کو نہیں دیکھتے؟" شاید زیادہ زور رکھتا ہے۔ ہمارے خداوند کے آخری ایام میں جب یہوداہ اسکریوطی اپنے اُستاد کو پکڑوانے کی فکر میں تھا تو لکھا ہے کہ "انہوں نے اُسے تیس روپے تول کر دیئے"۔ پُرانے ترجمہ میں انہوں نے فقط اُس سے "تیس روپے کا اقرار کیا"۔ مرقس ۱: ۱۲ میں "رُوح اُسے فی الفور بیابان میں لے گئی" کے بجائے "فی الفور رُوح نے اُسے بیابان میں زور دیکر بھیجا" مندرج ہے۔ پھر ۵: ۳۶ میں "یسوع نے اس بات کو جو وے کہہ رہے تھے سُنتے ہی ... کہا" کی جگہ "یسوع نے اُس پر توجہ نہ کر کے ... کہا" زیادہ قدرتی معلوم ہوتا ہے۔ اِس مختصر مضمون میں اس قسم کی تمام لفظی تبدلات کا ذکر کرنا ناممکن ہے۔ ناظرین میں سے اکثروں نے خود ایسے مقامات کا مقابلہ کر کے دیکھا ہوگا کہ اِس نئے ترجمہ کے الفاظ میں کیا خوبی ہے۔

ہم دو ایک آیات کو جنکی صورت نئے ترجمہ میں دلچسپ ہو گئی ہے اقتباس کئے بغیر ختم نہیں کر سکتے۔ اکرنتھیوں ۶: ۱۷ میں پُرانے ترجمہ کے مطابق لکھا ہے "پر وہ جو خداوند سے ملا ہُوا ہے سو اُسکے ساتھ ایک رُوح ہُوا ہے"۔ اب اس کے ساتھ نئے ترجمہ کا مقابلہ کر کے دیکھو جس میں لکھا ہے "جو خداوند کی صحبت میں رہتا ہے وہ اس کے ساتھ ایک رُوح ہو جاتا ہے"۔ خداوند کی صحبت میں رہنا کیسا وسیع محاورہ ہے۔ علیٰ ہٰذالقیاس مکاشفہ ۲: ۱۰ کے الفاظ میں کیسی صفائی آگئی ہے۔ پُرانے ترجمہ کے پڑھنے والے بہت تھوڑے لوگ ہوں گے جنہوں نے اس آیت کا صحیح مطلب سمجھا ہوگا۔ اب مضمون کیسا صاف ہو گیا ہے۔

آخر میں ہم اس نئے ترجمے کی ایک اَور خوبی کی طرف اشارہ کرکے ختم کرتے ہیں۔ جُملوں کی تقسیم بلحاظ مضمون کے کرنا کلام کے سمجھنے میں ایک بڑی بھاری مدد ہے۔ نظم کو نظم کی صورت میں ادا کرنا اور جہاں پُرانے عہدنامے میں سے اقتباس ہے اسکو عبارت سے مختلف صورت میں دکھانا کیسا عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ اُن عنوانوں کی نسبت جو ہر ایک جُملے کے اوپر بطور خلاصہ کے درج کئے گئے ہیں ہمکو شُبہ ہے کہ کہاں تک درج کرنے کے قابل تھے۔ اُنکے مفید ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ مگر اگر موجودہ نسخہ کو محض ایک تصیح شدہ ترجمہ ہی سمجھا جائے تو اس میں اُن کا ہونا ضروری نہ تھا۔ ہاں جب ایک مستند اور مستقل نسخہ تیّار ہو جائے تو اُس میں اِس قسم کے خلاصوں سے بھی بڑھکر حواشی وغیرہ ایزاد ہو سکتے ہیں۔ موجودہ صورت میں بعض اَوقات گرجے کی اوراد وغیرہ پڑھنے کے موقعوں پر وقت عاید ہوتی ہے۔ بہر صُورت یہ کوئی ترجمہ کا نقص نہیں ہے۔ مترجموں نے جو بہتر اور مناسب سمجھا سو کیا۔ اب ہم اس مستقل جلد دیکھنے کے منتظر ہیں جو مُدّت تک ہماری ہندوستانی جماعت میں مستند ترجمہ قرار دی جائیگی۔

"**کلیسیا کے پاسبان کے کام**"۔ اس عنوان کا ایک رسالہ ہمارے مکرم پادری ٹامس ہاول صاحب پاسبان کلیسیا منٹگمری والہ نے حال ہی میں تالیف کیا ہے۔ جس میں پادری صاحب موصوف نے بطور ایک پاسبان کے اپنے دیگر بخدمت پاسبانوں کو اُن کے فرایض یاد دلائے ہیں۔ اس رسالہ میں مضامین کو باترتیب یا درستی سے پیش کرنیکی کوشش نہیں کی گئی۔ پادری صاحب کے خیالات جو زیادہ تر کلامِ مقدّس سے اخذ کئے گئے ہیں پاسبانوں کی نسبت ایسے اعلیٰ ہیں کہ اُن کو پڑھکر یہ سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ ایسے پاسٹر کہاں ملیں گے۔ پادری صاحب اپنی بلند پروازی میں بعض ایسی صفات پاسبانوں سے منسوب کرتے ہیں جنکے ساتھ اتفاق کرنا محال ہے۔ مثلاً اُنکا یہ کہنا کہ "رُوحانی دروازہ اُنہیں کے (یعنی پاسبانوں کے) سپُرد ہے اور پاک بپتسمہ میں نئی پیدایش اُنہیں کے ہاتھ سونپی گئی ہے" کلام کی حدوُد سے بڑھکر معلوم ہوتا ہے۔ بعض اَوقات پاسٹر اور بشپ اور خادم الدین سب پاسبان کے لفظ میں لپیٹے ہیں۔ اگر یہ رسالہ زیادہ صفائی کے ساتھ لکھا جاتا تو بہتر ہوتا۔

رُوحانی زندگی کے اِسرار

یا

افسیوں کے خط کا مُطالعہ

تیرھواں باب

اِنسان مسیح میں

مسیح نمونہ کا انسان ہے۔ایک دفعہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانی سرشت کے پودا میں بیداغ پاکیزہ اور نہ مٹنے والے خوبصورت پھول لگتے تھے۔ دُنیا کے گُناہ کی مسّ سے بھی وہ مرجھاتا نہ تھا۔ طوفانوں سے وہ دم بھر کے لئے زمین پر جُھک تو جاتا تھا لیکن اس میں کسی قسم کا خلل نہ آتا تھا۔ وہ اپنی بے مثل خوبصورتی میں نمو پاتا گیا۔اور آج خدا کے عالم میں مضبوط اور خوبصورت بڑھ رہا ہے۔

خدا کے خیال اور ارادہ میں مرد یسوع مسیح پہلے مرد آدم سے بھی پیشتر تھا۔جب کمہار اعظم نے انسان بنانیکے لئے اپنے ہاتھ میں مٹی لی تو اس نے اسے اپنی شبیہ اور اپنی صورت پر بنایا۔اور یہ شبیہ اور صورت کیا تھی؟ اس کی محبت کے مبارک بیٹے کی طبیعت اور صورت جو اس کا رفیق تھا ہاں خود اسکی اپنی صورت صرف انہی صورتوں میں اوتار اور صعود ممکن ہوسکتے تھے ابن اللہ کس طرح مجسّم ہوسکتا تھا جب تک کہ وہ صورت جو وہ اختیار کرنے والا تھا خود اس کی شبیہ پر بنائی نہ گئی ہو؟ اور ہماری انسانی سرشت تخت کے ابدی جلال میں کس طرح داخل کی جاتی اگر بنائے عالم سے پیشتر وہ وہیں سے متعلق نہ ہوتی۔

لیکن آدم اپنے اصلی نمونہ سے گرگیا۔پست ہونے کی وہ عادت اس نے پکڑلی جو نیچر میں پائی جاتی ہے۔ اس کے متعلقین بھی نافرماں برداری اور اس کے نتائج میں شریک ہوئے۔اگر دریافت کیا چاہو کہ آدم کی اُفتاد کیسی بڑی تھی تو اُن آوارہ بچوں۔کم بخت عورتوں اور گناہ اور شراب سے تباہ شدہ مردوں کو حساب میں لاؤ جو دنیا کے بڑے بڑے مہذب شہروں میں پائے جاتے ہیں اور انکا مقابلہ مردناصری ہاں اُس مردِ مقدّس سے کرو جو کنواری ماں سے پیدا ہُوا۔

لیکن یسوع نمونہ سے کچھ بڑھ کر ہے وہ مرد ثانی ہے وہ زندگی بخش رُوح ہے اور اس لئے لاکھوں روحوں میں اپنے آپ کو ظاہر کرسکتا ہے۔اپنے الٰہی جوہر میں نہیں بلکہ انسانی خوبصورتی میں۔تولید کی عجیب خاصیت حیوان اور پودا دونوں میں پائی جاتی ہے آدم کے ہاں ایک بیٹا اس کی شکل اور صورت پر پیدا ہُوا۔آدم ثانی کو بھی یہ جلالی قدرت حاصل ہے کہ ہمارے خاکی اور پستی کے بدن کو ایسے طور پر صورت دے کہ وہ اس کے جلالی بدن کے ہم شکل ہوجائے اس طریق کام کے

مطابق کہ جس سے وہ تمام چیزوں کو اپنے تابع کرسکتا تھا۔

"ایک نیا انسان" جب افسیوں کے نام خط لکھا گیا تو صدیوں کی دشمنی اور نفرت اپنی انتہا پر آ
افسیوں ۲: ۱۵ پہنچی تھی۔ یہودی جو ابرہام سے سیدھا اپنا رشتہ ملاتا تھا اور اپنی قوم کے دینی استحقاق پر نازاں تھا اور یہوواہ کے ساتھ اپنے عجیب تعلق کو بہت عظمت دیتا تھا غیر مختون غیر قوموں کو نگاہِ نفرت سے دیکھتا تھا۔ وہ محض کتے تھے۔ اگر وہ اس کی راہ سے گذر جاتے تو وہ زمین پر تھوک دیتا تھا جب تک کہ یہوواہ کے حضور میں پہنچنے کا طریق شریعتِ موسوی تھا اس نفرت اور دشمنی کے دُور کرنے کا کوئی علاج نہ تھا۔ یہودی اپنی چاردیواری میں ہی محبوس رہتا اور اپنی نفرت کو دینی طور پر جایز اور روا ٹھہراتا تھا۔ غیر قوم اس بات کو بہت بُرا مانتے تھے لیکن ہمارے نجات دہندہ نے اپنے جسم اور صلیب سے جُدائی کی درمیانی دیوار کو توڑ دیا اور اس دشمنی کو مٹادیا۔

اس نے شرع کو ایسے کامل طور سے پُورا کیا۔ اپنے لئے نہیں بلکہ سب کیلئے۔ کہ شرع کا کوئی مطالبہ باقی نہ رہا۔ اسکے تمام مطالبات ایسے طور سے پُورے ہوگئے کہ نہ تو یہودی اب ان پر زور لگا سکتے تھے اور نہ ہی غیر قوم اب ان کو ناگوار سمجھتے تھے۔

علاوہ ازیں ہمارے نجات دہندہ نے اپنی موت سے انسان کا کفّارہ اور بدلہ بمنزلہ انسان کے کیا ہے۔ نہ یہودیوں کے لئے ایک طریق سے یا غیر از یہودیوں کے لئے کسی اَور طریق سے لیکن سب کے لئے ایک ہی شرائط پر۔ صلیب پر ایک جسم میں ایک موت سے جو ساری انسانی دُنیا کیلئے عام ہے اور اپنی شفاعت سے جس کے باعث یہودی اور غیر از یہودی دونوں ایک باپ کے حضور پہنچ سکتے اس نے زمانہ بھر کے تفرقوں کو مٹادیا ہے۔

لیکن اس نے کچھ اس سے بھی بڑھکر کیا ہے۔ اپنے جی اُٹھنے سے وہ ایک نئی قوم کا موجد اور سردار ٹھہرا ہے۔ نوزاد انسان کی قوم! اس کی جی اُٹھی زندگی اور قوّت والی قوم! نئے آسمانوں اور نئی زمین کی قوم! جو کوئی اس پر ایمان رکھتا وہ اس نئی انسانیت میں پیدا ہُوا ہے یہ ایک نیا انسان تمام قوموں اور فرقوں اور لوگوں اور زبانوں سے بنا ہے۔

باطنی انسانیت۔ ہماری ظاہری زندگی اور ہمارے دماغی کاروبار کے نیچے ایک اَور چیز ہے جس
افسیوں ۳: ۱۶ کو رسُول "باطنی انسانیت" کا نام دیتا ہے۔ ہماری انسانیت دو قسموں پر تقسیم ہوسکتی ہے۔ ایک تو باہر کی دُنیا سے خیالات جمع کرتی اور کام اور تقریر سے اپنا اظہار کرتی ہے۔ دوسری ہماری نظروں سے چھپی ہُوئی اپنی فکروں میں لگی رہتی اور اپنے آپ۔ خدا اور نادیدنی عالم سے رفاقت رکھتی ہے۔ ہماری نیچر کا یہ حصہ صداقت کی پہچان پاتا ہے۔ دلایل و حجت سے نہیں بلکہ جبلّی ادراک سے اور جو الٰہی قوت کی ان تحریکوں کو قبول کرتا ہے جو ہمارے چوگرد داخل ہونے کی منتظر ہیں۔

یہ باطنی انسانیت ہم سب میں ہے لیکن ہم میں سے اکثر اپنی نیچر کے بیرونی احاطوں میں رہتے اور اپنی زندگی اور دنیا کی محض ظاہری باتوں میں مشغول رہتے ہیں۔ ہم ان اندرونی کمروں سے اکثر تغافل کرتے اور ان پر گرد و غبار پڑا رہنے دیتے ہیں۔ ان میں کبھی کبھی داخل ہوتے بلکہ سچ پوچھو تو ان کی ہستی

ہی کو بھول جاتے ہیں سوائے اس غیر معمولی سنجیدگی کے وقت میں کہ وہ اپنے آپکو زور سے ظاہر کرتے اور ہماری توجہ کھینچتے ہیں۔

اسی باطنی انسانیت میں روح اپنا مکان پاتی ہے۔ یہ اُسکا مقدس مسکن ہے۔ یہاں وہ اپنے ارادوں کی تکمیل کرتا۔ احکام جاری کرتا اور بڑے بڑے کام کرنے کی تحریک دلاتا ہے۔ اور جب ان اندرونی کمروں کے تمام دروازے اس کے لئے کھل جائیں تو وہ انکو اپنی قوت سے ایسے معمور کر دیتا اور آپکی قوت میں سکونت کرتا کہ باطنی انسانیت اس کے جلال کی دولت کے مطابق زور و قوت پاتی ہے۔

کامل اِنسان۔ صعود یافتہ نجات دہندہ کے ہاتھوں سے کلیسیا کو انعام تقسیم کئے جاتے ہیں بعض کو افسیوں ۴: ۱۱ اُس نے رسالت کی بخشش دی بعض کو نبوت۔ بعض کو بشارت۔ بعض کو چوپانی۔ لیکن کلیسیا کے ہر ایک شریک کو۔ کمزور سے کمزور اور گمنام سے گمنام کو بھی۔ کوئی خاص بخشش دی گئی مسیح کی بخشش کے اندازے کے موافق۔ بدن کے ہر ایک عضو کو سارے بدن کی بہتری اور بڑھاوٹ کے لئے کچھ نہ کچھ کام کرنا ہے۔

لیکن افسوس! اکثر مقدسین اپنی اس بخشش کے تصرف سے واقف نہیں یا وہ اُسے رومال میں باندھ کر زمین تلے دفنا چھوڑتے ہیں اور یا وہ بدن سے جُدا ہو گئے ہیں اور اپنا کار منصبی انجام دے نہیں سکتے۔ کلیسیا کے افسران۔ رسولوں نبیوں اور پاسٹروں کا خاص کام یہ ہے کہ مقدسوں کو اُبھارتے رہیں کہ اپنی بخششوں کو دریافت کریں اور اگر ضرورت پڑے تو خداوند کے ساتھ رفاقت میں اُن کو رکھ دیں تاکہ وہ بدن کے اور اعضا کی خدمت کرنے کا کام اُٹھائیں۔ یہ خیال اس آیت سے کیسے صاف ظاہر ہے کہ "تاکہ مقدس لوگ کامل (اپنی اپنی جگہ میں ٹھیک بٹھلائے جائیں) بنیں اور خدمت گذاری کا کام کیا جائے اور مسیح کا جسم ترقی پائے (یا جسم تعمیر کیا جائے)"۔ افسیوں ۴: ۱۲

ایک بڑے سرود خانہ میں ایک باجہ کم ہو تو اس کا فوراً پتہ لگ جاتا ہے۔ ہر ایک عضو بدن کی صحت اور قوت کیلئے لازم و لابد ہے۔ یونہی خداوند کے نادیدنی بدن کے تعمیر کرنے میں ہر ایک ایماندار کو کچھ نہ کچھ کام کرنا ہے۔ خیال سے ہو یا تقریر سے کام سے یا مصیبت اٹھانے سے۔ اس کی خوبصورتی کی ہمیں کوئی دید ملے تو اس کو اوروں تک پہنچا دیں۔ کوئی نہایت ہی شیریں لفظ اور کوئی شیریں خاصیت جو ہم نے اسکی صحبت سے پائی ہو اور بیماری کے بستر سے اسکا اظہار کریں۔ کوئی ایسا بے غرضی کا کام جس کی دُنیا کو خبر نہیں۔ ایسی باتوں سے ہم خداوند کے بدن کے تعمیر کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ اگر ہم صرف انہی اعضاء کی خدمت کریں جو ہمارے مخالف ہیں تو اسکا اثر کل بدن پر بڑا نیک پڑتا ہے اور تھوڑی دیر میں۔ شاید ہمارے خیال سے پیشتر بدن اپنے پورے اندازہ تک پہنچ جائیگا ہاں مسیح کے پورے قد کے اندازے تک اور اپنے سر کے نشانیاں ٹھہرے گا۔ تمام مقدسین مسیح کے ہمراہ ایک پورا کامل انسان ٹھہرینگے اور آپکی نمونہ کی تکمیل پائینگے۔

پُرانی انسانیت۔ پُرانی انسانیت زندگی کی اُن عادتوں اور طریقوں کا مجموعہ ہے جو تبدیل دل سے افسیوں ۴: ۲۲ پیشتر ہم میں نامدار تھیں۔ اس فقرہ سے وہ اثر مُراد ہے جو ہم باعتبار مرد اور زن بنی نوع پر ڈالتے تھے۔ جو کچھ ہماری حالت تھی اور جو کچھ ہم کہتے اور کرتے تھے ہماری سیرت اور زندگی کا دو

طریق جو مسیح پر ایمان لانے کی تبدیلی سے پیشتر ہمارا تھا۔

یہ پرانی انسانیت کہلاتا ہے گویا کہ وہ ایک ہے۔ کیونکہ انسان کی عادات اور مذاق۔ خیالات اور کام۔ دلی تبدیلی سے پیشتر عموماً ایک سے ہوتے ہیں۔ بد سرشت ایک سی ہے۔ اُفتادہ آدم سے ایک سی مشابہت۔ بدی کا ایک طریق گو اسکی صورت مختلف مزاجوں اور مختلف حالات میں مختلف ہوتی ہے۔

یہ پرانی انسانیت فریب دینے والی شہوتوں کے تابع ہے دوسرے لفظوں میں یہ اُن زبردست خواہشوں سے صورت پکڑتی ہے جو ہمارے وجود میں طبعی طور پر پائی جاتی ہیں۔ خدا نے ہمیں یہ اس لئے عنایت کی تھیں کہ ہماری سرشت کو تحریک دیں نہ کہ اس پر حکومت کریں۔ اگر اسکو یہ جگہ مل جائے تو ساری نیچر بگڑ جاتی ہے۔ جیسے کوڑھی کا بدن زندہ موت میں جو اسکے گوشت کو کھا جاتی ہے۔ آہ فریب دینے والی شہوتو اتم وعدہ تو آزادی اور خوشی اور شادمانی کا کرتی ہو لیکن ہو تم اُن سریانی بہنوں کے مشابہ جنکے بدن کا اُوپر کا حصہ تو بڑا خوبصورت تھا لیکن جنکا نچلا حصہ نہایت قبیح تھا اور جنکی میٹھی آواز سے جہاز بان تباہ ہو جاتے تھے۔

پرانی انسانیت کو اُتار پھینکنے میں ذرا بھی دیری نہ کرو۔ اس طرز عبارت سے مفہوم ہے کہ فوراً ارادہ باندھ کر اور رُوح القدس سے تحریک اور قوت پاکر ان خوفناک شہوتوں کے تابع ایک دم نہ رہنا اور ہمیشہ کے لئے ان کو اُتار پھینکو۔ جیسے فقیر اپنے چیتھڑوں کو اُتار پھینکتا اور لعزر نے اپنے کفنی جامہ کو اُتار پھینکا۔

نئی انسانیت۔ نئی انسانیت اُن مبارک عادات کا مجموعہ ہے جو نو مرید (تبدیل قلب یافتہ) کی زندگی کو نامدار بناتا ہے۔ پاکیزگی کا سفید جامہ۔ خود ضبطی کا پٹکا۔ فروتنی کی چاندی۔ مقدس سیرت کے موتی۔ سارے خط میں فہمائش ہے کہ ہم نئی انسانیت کو پہن لیں۔ "روشنی کے ہتھیار پہن لو"۔ "خدا کے برگزیدوں کی طرح شفقت کا دل پہنو"۔ "تم خداوند یسوع مسیح کو پہن لو"۔ افسیوں ۴: ۲۴

یہ نئی انسانیت ہے کیونکہ خدا کے فرزندوں کی عادات اور سیرت قریباً ایک سی ہیں۔ ہر ایک میں خاندانی مشابہت پائی جاتی ہے۔ خدا کے ہم شکل کیونکہ اس کی صورت پر پیدا کئے گئے۔ یہ انسانی نیچر میں خدا کا طریق ہے جو ایک دفعہ یسوع مسیح میں کامل طور سے ظاہر ہُوا اور اب رُوح القدس کے طفیل ہر ایک کو مل سکتا ہے۔ یہ انسان کے نزدیک راست ہے۔ خُدا کے نزدیک مقدس۔ سچا بالکل صاف اور حقیقی ہے۔ اس مقدس جامہ کو پہن لو۔ یہ مسیح میں پیدا ہُوا ہے اس لئے انسانی کوشش سے بنایا نہیں جاسکتا۔ اور نہ ہی رسومات کی پیروی کرنے سے بلکہ بنا بنایا ہمیں لے لینا چاہئے۔

اِسے ایمان سے پہن لو۔ اپنی کوششوں سے مسیح کی شبیہ تعمیر کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اسے ایمان سے قبول کر لو۔ مان لو کہ یہ تمہارا ہے۔ اسے اپنا ہی جانو۔ دنیا میں اس خیال سے نکلو کہ مسیح کی شبیہ تم پر ہے اور اس کی خوبصورتی خوبصورت جامہ کی طرح تمہیں ملبس کئے ہے اور لوگ اور بھی زیادہ پہچانیں گے کہ یہ تم نہیں۔ بلکہ مسیح ہے۔ خداوند کی خوبصورتی تم پر ہوگی اور مسیح کی زندگی تمہارے فانی جسم میں۔ موت اور زندگی دونوں میں۔ ظاہر ہوگی۔



حیاتِ داؤد

بیسواں باب

بیت الحم کے کنوئیں کا پانی

(۲ سموئیل ۵: ۱۷-۲۵ + ۲۱: ۱۵ + ۲۳: ۸)

ہمیں چاہئے صبر سے کام لینا اگر بیش قیمت زمینی خزانے۔
عزیز از دل وجان تھا جنکو سمجھا وہ اب لے لئے ہم سے واپس خدا نے۔
فقط اس سے یہ بات کرنی تھی ظاہر کہ سب خالی چیزوں سے دل کو ہٹالیں
ہوں دنیائے دوں کی حقیقت سے ماہر اور اپنے خداوند سے لَو لگالیں

جو جماعت داؤد کو سارے اسرائیل کا بادشاہ مقرر کرنے کیلئے فراہم ہوئی وہ بڑی چیدہ اور منتخب جماعت تھی۔ اس نامدار موقعہ پر جو فوجیں اور رسالے شامل ہوئے ان کی کیفیت کتاب تواریخ میں قلمبند ہے (اتواریخ ۱۲: ۲۳ وغیرہ) بنی یہوداہ۔ بنی شمعون بنی لاوی زیر کمان یہویدع اور جوانمرد صدوق بہادر۔ بنی افرائیم کے نامدار مرد اور بنی اشکار میں سے جو اوقات کا امتیاز کرتے تھے اور زبلون میں سے میدان پکڑنے والے اور جنگ آزمودہ اسباب جنگ کے مالک جو صف آرائی کرنا جانتے اور دودلے نہ تھے یہ اور ان کے علاوہ اور کئی جنگی مرد صاف دلی سے حبرون کو آئے کہ داؤد کو سارے بنی اسرائیل کا بادشاہ کریں اور وہ وہاں تین دن کھاتے پیتے رہے کیونکہ دور اور نزدیک کے سب فرقوں نے اسباب ضیافت بہم پہنچایا اس لئے کہ اسرائیل میں خوش وقتی ہوئی۔

فلسطی یہ سب کچھ دیکھ رہے اور بے چین سے ہو رہے تھے۔ اگر داؤد حبرون میں ہی بادشاہی کرنے سے مطمئن رہتا اور شمالی فرقوں پر ان کو پرورش کرنے دیتا تو وہ ہرگز ہرگز دست اندازی نہ کرتے لیکن جب فلسطیوں نے سُنا کہ انہوں نے داؤد کو مسح کر کے اسرائیل کا بادشاہ کیا تو سارے فلسطی داؤد کی تلاش میں چڑھ آئے۔

وہ اس رسم تاجپوشی کے ختم ہو لینے تک صبر سے منتظر رہے اور جب اسرائیل کا یہ جم غفیر اپنی اپنی جگہوں کو واپس ہُوا تو فلسطی یہوداہ پر چڑھ آئے اور رفائیوں کے نشیب میں پھیل پڑے اور شمالی فرقوں سے داؤد کا تعلق منقطع کر دیا۔ یہاں تک کہ داؤد کو مجبوراً اپنے بہادروں اور چیدہ چھ سَو مردوں کے ہمراہ قلعہ عدولام میں پناہ لینی پڑی (۲ سموئیل ۵: ۱۷ + ۲۳: ۱۳ و ۱۴)

اوّل۔ دفعتہً قسمت کا پلٹنا۔ ابھی یہ کل کی بات معلوم ہوتی تھی کہ داؤد جری مردوں کے جم غفیر کا مرکز اور پیشوا تھا اور لوگوں نے متحد ہو کر اسکو تخت پر بٹھایا تھا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ میں نے اپنے اہل وطن کے دل میں گھر کر لیا ہے۔ لیکن آج وہ حبرون سے جہاں وہ سات برس سے امن وچین میں رہتا تھا جلاوطن ہے اور پھر اس پہاڑی قلعہ میں جہاں ساؤل سے بچنے کو بھاگ جایا کرتا تھا پناہ گزین ہے۔ دن دوپہر کے

وقت چشم زدن میں یہ تاریکی کیسی چھاگئی۔ آسمان سے یہ کیسی بلا ٹوٹ پڑی۔ اسکی قسمت نے یہ کیسا ناگہاں پلٹا کھایا۔ غالباً اس نے خدا میں پناہ لی۔ اِن دنوں وہ اپنے قادرِ مطلق دوست کے ہمراہ چلتا تھا اور اس کے توکل اور بھروسہ میں ذرا بھی فرق نہ آیا خدا اپنے فرمودہ کو پورا کریگا اور اسکی بادشاہی کو مضبوط و قایم بنائیگا۔

ایسی دفعتہً تبدیلیاں ہم میں سے سب کی زندگی میں آتی ہیں کہ انسان اور دُنیا کی چیزوں سے دل ہٹالیں اور ان پر کسی قسم کا تکیہ نہ رکھیں۔ کسی زمینی درخت پر اپنا آشیاں نہ بنائیں اور صرف خدا ہی میں اپنی جڑ مضبوط کریں۔ اچھا ہُوا کہ اپنی زندگی کے اس وقت میں داؤد کو یاد دلایا گیا کہ وہ پہلے کی طرح خدا کا محتاج ہے کہ جس نے اسکو یہ بخششیں دی تھیں وہ ان کو واپس بھی لے سکتا ہے۔ اے فنا کے فرزند ایسے سبق تجھے بھی سیکھنے ہیں۔ بڑی سے بڑی فتح اور کامیابی کے وقت میں بھی اسے یاد رکھ جسنے تجھے اپنا خانساماں بننے کے لایق سمجھا ہے۔ یہ بھی بخوبی سمجھ لے کہ تیرا منصب اور اختیار محض اسکی بخشش اور اپنے جلال کیلئے اسکی امانت ہے۔ اگر وہ تیرے تخت کو گاہے بگاہے جنبش دے تو حیران نہ ہو اور یاد رکھ کہ یہ محض اسکی مرضی ہے کہ جب چاہے اپنی قدرت کا اظہار کرے۔ حبرون میں مسح پانیکے بعد عدولام میں جلاوطن کیا جانا ایک ایسا واقعہ ہے کہ جسکی مثال ہمارے خداوند کی زندگی میں بھی پائی جاتی ہے کہ جسکو یردن کے کناروں پر مسح پانیکے بعد رُوح بیابان میں لے گئی کہ وہاں شیطان سے چالیس روز آزمایا جائے۔ رُوحانی زندگی کا یہ قانون ہے۔ روحانی زندگی کی پرورش اور ترقی کے لئے ہر دلعزیزی کی روشنی مضر ہے۔ تنہائی۔ آزمائش اور جنگ۔ یہ وہ شعلے ہیں کہ جن سے الٰہی رنگ ہماری سیرتوں میں ظاہر ہوتا ہے اور ان طریق سے ہماری مسیح کی برکتوں سے غریب۔ دل شکستہ۔ قیدی اور اندھے فیض پاتے ہیں۔

دوئم۔ روشنی کی جھلک۔ اِن تاریک گھنٹوں کا اندھیرا بعض نامدار واقعات سے روشن ہُوا فلسطی پہلوان ایک ایک کرکے جنگ کرنیمیں یہ بہادر گوئے سبقت لیگئے۔ پھر ضرویاہ کے بیٹے ابی شی نے۔ اس فلسطی پر وار کرکے اسکو قتل کیا جو اپنے تیغ سے داؤد کو مارنے آپڑا تھا۔ اور الحنان نے جاتی جولیت کے بھائی کو مارا اور داؤد کے بھائی سمعی کے بیٹے یونتن نے ایک بڑے قد آور شخص کو جسکے ہر ہاتھ میں اور ہر پاؤں میں چھ چھ انگلیاں تھیں مارا اور الیعزر ان تین پہلوانوں میں سے ایک تھا جو داؤد کے ساتھ چڑھ گئے تھے جبکہ اس نے ان فلسطیوں کو جو جنگ پر چڑھ رہے تھے طعنہ دیا تھا اور سارے بنی اسرائیل چلے گئے تھے۔ سو اُسنے اُٹھکے فلسطیوں کو مارا۔ یہاں تک کہ اسکا ہاتھ تھک گیا اور قبضہ ہاتھ میں جم گیا اور خداوند نے اس دن بڑی فتح کی اور باقی لوگ اسکے پیچھے فقط لوٹنے کیلئے پھر آئے۔ ایسی تاریکی کے وقت میں داؤد کے سپاہیوں نے ایسی جوانمردی کے جوہر دکھائے اور اپنے شہزادہ کو "اسرائیل کا چراغ" کا نام دیا۔ (۲۱ : ۱۷)

ایک تن تنہا زندگی کی تحریک سے کیا کچھ عجائبات وقوع میں نہیں آسکتے۔ اِسی جگہ کے قریب ایک گمنام جوان دہشت زدہ اسرائیلی لشکر سے جاتی جولیت کے مقابلہ کو نکلا تھا۔ انسانی طور سے وہ بالکل تن تنہا تھا اور اس نے اس دیو ہیکل مردِ جری کو مغلوب کیا اور اب چودہ یا پندرہ برس کے بعد وہ اکیلا نہیں بلکہ سیکڑوں، مرد اسکی شجاعت ہمت اور اسکے ایمان سے تحریک پائے ہُوئے اسکے چوگرد کھڑے ہیں اور ادب سے عرض کر رہے ہیں کہ آپ پیچھے کو ہٹ جائیں اور اپنی جان کو معرض خطر میں نہ ڈالیں کیونکہ جناب اسرائیل کا چراغ

اور ان کے زور و قوت کا منبع ہیں۔
سوئم - ایک دل گداز واقعہ - عدولام بیت اللحم کے نزدیک ہی تھا۔ اوائل عمر میں داؤد اپنے باپ کی بھیڑیں اکثر ان چراگاہوں میں لایا کرتا تھا اور ان نظاروں سے بستی اور اپنی ماں اور اپنے بچپنے کی باتیں یاد آگئیں۔ ایک گرم دوپہر کیوقت یہ یاد معمول سے بڑھکر تازہ اور پرزور معلوم ہوئی۔ قلعہ میں وہ گویا قیدی تھا وہاں سے تھوڑی دور فلسطی لشکر بیت اللحم پر قبضہ کئے تھا۔ دفعتہً اسکے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ بیت اللحم کے کنوئیں کا پانی جو آستانے کے ساتھ ہے پیئے۔ بے اختیار اسنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اُسے خیال تک نہ تھا کہ اسکے رفیق نزدیک کھڑے اسکی باتیں سن سکتے ہیں۔ یا اُن میں سے کوئی ایسا دیوانہ ہوگا کہ اسکے اس جذبہ کے پورا کرنے کو اپنی جان خطرے میں ڈالے۔ اگر اسکا یہ خیال تھا تو وہ غلطی پر تھا۔ اسے خیال تک نہ تھا کہ اسکے پیرو اور رفیق اس سے کیسی بڑی محبت رکھتے تھے۔
داؤد کے تین بڑے بہادر سپاہیوں نے اسکی یہ بات سن لی اور چپکے سے نکل کر اور فلسطیوں کا لشکر چیر کر کنوئیں سے پانی نکال لائے اور جام لبریز داؤد کے ہاتھ میں دیا۔ یہ ایسی محبت کا اظہار تھا جو موت سے بھی بڑھکر زور آور ہے۔ داؤد میں تاب نہ رہی کہ اس پانی کو پئے۔ اُسے تو جام پانی کے بجائے خون سے لبریز معلوم ہوتا تھا کیونکہ اسکے لانے میں نہ معلوم کتنا خون بہایا جاتا روح کی اس شجاعت سے کہ جسکے باعث ہر حالت میں سپاہی خواہ مخواہ اسکی عزت کرتے اور اس پر اپنی جان تک نثار کر دینے کو تیار ہو جاتے تھے اُسنے اُٹھکر پانی خداوند کے حضور انڈیل دیا گویا کہ یہ پانی اسی قابل تھا کہ صرف اُسی کے حضور نذر کیا جائے اور انڈیلتے وقت کہا۔ مجھ سے دُور ہو اے خداوند کہ میں ایسا کروں کہ یہ اُن لوگوں کا لہو ہے جو اپنی جان پر کھیل کے گئے۔"
اس واقعہ سے ہمکو داؤد کی عجیب خود ضبطی کا ایک اور ثبوت ملتا ہے۔ اپنی زندگی کے اس حصہ تک وہ گویا اپنی کمر باندھے رہا کوئی ایسا جذبہ اور خواہش نہ تھی کہ جسکا وہ مقابلہ نہ کرتا تھا ہر بات میں وہ انسانیت اور شاہانہ طریق پر چلنے کی کوشش کرتا تھا۔ اعلیٰ اور شریف اصول مقدم رہتے تھے اور خود آرائی کا خیال سب سے پچھلی جگہ رکھتا تھا۔
اچھا ہو اگر تمام جوانمرد اور عورتیں ہاں دیگر ناظرین بھی ذرا فکر کریں کہ آیا بعض راحت و آرام جنکے ہم عادی ہیں بہت قیمت پر خریدے نہیں جاتے۔ کیا وہ تھیٹر اور سرد خانہ میں راحت کا پیالہ نوش کر سکتے ہیں اگر انکو معلوم ہو کہ پردہ کے پیچھے کتنی جانوں کی عفت اور عصمت کے خرچ سے وہ پیالہ انکو بہم پہنچایا گیا۔ کیا وہ شراب ناب کا پیالہ اپنے ہونٹوں کو لگا سکتے ہیں اگر وہ بخوبی محسوس کریں کہ سوسائٹی کی شراب خواری کی عادت لاکھوں بلکہ کروڑوں مرد اور عورتوں کی ابدی بہبودی۔ خوشی اور زندگی کو بگاڑ رہی ہے۔
بیت اللحم کے کنوئیں کے پانی کیلئے ہم کتنی دفعہ ترستے ہیں! ہم خیال میں اپنی گذشتہ زندگی پر نظر دوڑاتے اور شوق سے ایسی باتوں کی یاد کرتے ہیں جو کبھی بھولنے کی نہیں۔ اور اگر اس رفیق غم کا دیدار ہمیں پھر نصیب ہو۔ اوہ اگر ان پیارے پیارے ہاتھوں کے چھونے کو پھر محسوس کریں! وہ شیریں آواز ہمیں پھر سنائی دے! اوہ وہ مبارک وقت ہمیں پھر نصیب ہو جبکہ ہمنے ممنوعہ پھل چکھا نہ تھا۔ اور چمکتی ہوئی تلوار نیام سے نکلی نہ تھی! اوہ زندگی کی نئی رویا ہمیں پھر ملے۔ مسیح کی خدمت میں جاں نثاری اور محبت کا تازہ اظہار! اوہ اگر کوئی شخص بیت اللحم کے کنوئیں کے پانی کا گھونٹ ہی جو آستانے کے پاس ہے ہمیں پینے کو دے۔ ایسی خواہشیں اور ایسا تاسف

بالکل عبث اور رائیگاں ہے اور کوئی بھی ایسا نہ ور آور نہیں کہ برسوں کی ان صفوں کو چیر کر گذشتہ کو پھر واپس لائے۔ لیکن روح کی پیاس اب بھی اس میں پوری ہو سکتی ہے جسنے فرمایا کہ "جو کوئی یہ پانی پیتا ہے پھر پیاسا ہوگا لیکن جو کوئی وہ پانی پیئے گا جو میں اُسے پینے کو دُوں کبھی پیاسا نہ ہوگا بلکہ اس میں پانی کا سوتا ہو جائیگا جس سے حیاتِ ابدی ملے گی"۔ بیت الحم کے کنوئیں سے نہیں بلکہ اس سے جو وہاں پیدا ہُوا رُوح کی پیاس ہمیشہ کے لئے بجھ جائیگی۔

چہاردہم۔ فلسطیوں کی شکست اور تباہی۔ اقبال اور فتح سے داؤد کی طبیعت میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہُوئی اور اس کی جان پہلے سی خدا کی منتظر رہتی تھی۔ جیسے وہ پہلے حبرون میں آیا اب بھی وہ ویسا ہی تھا اور اس حیرانی اور پریشانی کے وقت میں اُس نے خداوند سے پوچھا کہ کیا میں فلسطیوں پر چڑھ جاؤں؟ کیا تو اُن کو میرے قابو میں کر دیگا؟ جواب میں اسکو یقینی فتح کا یقین دلایا گیا۔ اور جب جنگ شروع ہُوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا خود خداوند فلسطیوں کو اپنے آگے سے ہانک رہا ہے اور داؤد نے گیت گایا کہ "خداوند میرے دشمنوں پر آپڑا"۔ فلسطیوں کو اتنا موقعہ بھی نہ ملا کہ اپنے بتوں کو سنبھالتے اور وہ فاتح کے ہاتھ میں پڑے۔

پھر دوبارہ فلسطیوں نے اپنی عظمت و حشمت اور پرانی حکومت کا دعویٰ کیا۔ اور پھر داؤد نے خدا سے ہدایت چاہی۔ اچھا ہُوا کہ اُس نے ایسا کیا۔ کیونکہ طریق جنگ پہلے کا سا نہ تھا۔ جو لوگ خدا کی شراکت پر بھروسہ رکھتے ہیں اُن کو چاہئے کہ اُس سے برابر اپنا تعلق اور رشتہ قایم اور تازہ رکھیں۔ جو مدد کل ایک صورت میں دی گئی تھی وہ اگلے دن دوسری صورت میں ملے گی پہلے جنگ میں یورش سے فلسطیوں کو شکست ملی۔ دوسرے میں گھات میں بیٹھکر حملہ کرنے سے۔ دونوں حالتوں میں ایک ہی طریق جنگ سے الٰہی طریق بگڑ جاتا۔

بلوط کے درختوں میں جنبش سے جو اس امر کا نشان تھا کہ اسرائیلی لشکر گھات سے نکل کر دشمن پر حملہ آور ہو یہ ظاہر ہے کہ فرشتوں کی فوج جسے لوگ دیکھ نہیں سکتے تھے جنگ کو آگے بڑھ رہی تھی "خداوند تجھ سے آگے گیا ہے کہ فلسطیوں کو مارے"۔ پھر داؤد نے جبعون سے میدان تک اُنکا پیچھا کیا۔

بعض اوقات ہمیں آگے بڑھنا ہے اور کبھی ٹھہرنا۔ کبھی جنگ کرنا کبھی چپ چاپ بیٹھے رہنا۔ ایک جنگ میں تودہ ماکی طرح بڑھتے جانا اور دوسری میں رینگتے رینگتے گھات میں رہنا۔ ہمیشہ ایک ہی طریق پر عمل نہ کرو۔ دارکس کے مکان میں جو بات ٹھیک معلوم ہوتی تھی وہ کارنیلیس کے محل میں شایاں نہ ہوگی۔ خدا پر زندہ ایمان رکھو۔ مکان کی چھت پر چپ چاپ دعا میں منتظر رہنا۔ نئے طریق کا احساس جو روح اللہ چاہتا ہے کہ تم اختیار کرو اور الٰہی ہدایت کی پیروی کرنے کی رضامندی۔ گو تمہیں اپنے پرانے خیال چھوڑنے کیوں نہ پڑیں پھر ہمیں معلوم ہوگا کہ ہماری زندگی میں خدا ہمارے شامل حال ہو کر کیا کچھ نہیں کر سکتا کہ ہمارے دشمنوں کی صف میں رخنہ ڈالتا اور ہماری مدد کو تیز رَو فوج بھیجتا ہے۔

کامیابی اور اُس کے ذریعے

(منقول از مخزن)

ظاہر ہے کہ دُنیا میں ہر شخص کو کامیابی کی ہر وقت اور ہر کام میں ضرورت ہے۔ ہر ایک کام۔ ہر ایک کوشش۔ اور ہر ایک محنت کی غرض۔ مدّعا اور نتیجہ کامیابی ہے۔ درحقیقت وہ کام ہی نہیں کہ جس میں پُورے طور سے حصول مطلب نہ ہو۔ ایک چھوٹے درجہ کے طالب علم سے لیکر قوم اور ملک کے مدبّر تک۔ ایک غریب خوردہ فروش سے لیکر ملک التّجار تک۔ معمولی کسان سے راجہ مہاراجہ تک۔ ایک چپراسی سے اعلیٰ ترین حاکم تک۔ غرض جسکو دیکھئے اُسے اپنے کام اور پیشہ میں کامیابی مدّنظر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک کو ہر ایک کام میں کامیابی نہیں ہوتی۔ اُس کے حصُول کی ہر ایک کو فکر ہے اور اس لئے کوشش بھی کرتے ہیں پھر کیوں ہر فردِ بشر منزل مقصود تک نہیں پہنچتا؟ کیا اس میں معمول سے زیادہ عقل اور اعتدال سے زیادہ محنت درکار ہے؟ بہت آدمی بظاہر محنت کرتے ہیں مگر اپنی مُراد میں ناکام رہتے ہیں۔ اکثر دوسروں کی ناکامی کو اپنی کاہلی اور بیجا آرام طلبی کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ بعضے اپنے بے طریقہ محنت کا خاطر خواہ نتیجہ نہ پانے سے بیدل ہو کر سارے کام کاج چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یا تقدیر کے اندھا دُھند قایل ہو کر دُنیاوی تدبیر سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان میں جہاں ہاتھ پیر چلانا داخل گناہ ہے۔ ایسی اور بہت اور اسی قسم کی مثالیں روزمرّہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ ایک آدمی کی ناکامیابی صرف اُسی کو نہیں بلکہ بہت سے بندگان خدا کو بیدل اور پست ہمّت اور کاہل کر دیتی ہے پس ضروری ہے کہ جو کام شروع کیا جائے وہ بہت سوچ بچار کے بعد شروع ہو اور آغاز کے بعد اسکے انجام بخیر کی ہمیشہ فکر رہے۔

سب سے بڑا راز کامیابی کا یہ ہے کہ انسان کے دل میں اپنی دلی آرزو بخوبی ذہن نشین ہو۔ دوسرے اسکے حصول کا مضبوط ارادہ ہو۔ اور تیسرے اسکی مستقل مزاجی اور یکدلی سے تلاش اور لگاتار کوشش۔ ان ضروری باتوں پر دھیان دینے سے معمولی محنت اور اوسط درجے کی سمجھ کا آدمی خاطر خواہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے اکثر ہماری کوششیں محض اسی وجہ سے بیکار اور لاحاصل ہوتی ہیں کہ شروع سے آخر تک بے طریقہ محنت ہوتی ہے۔ ہندوستانیوں میں ایسے بہت کم لوگ ہیں جو اپنے منشائے دلی اور اصلی غرض یا مدّعا کو خود بھی بخوبی سمجھتے ہوں۔ یا جنہوں نے صحیح طور سے اپنی زندگی کی کوششوں اور محنتوں کے ماحصل پر غور کیا ہو۔ مثال کیلئے ہندو کے بچّوں کی تعلیم ہی لیجئے۔ ایسے والدین کی تعداد بہت ہی کم ہو گی کہ جنہوں نے اپنی اولاد کی تعلیم شروع کراتے وقت یا اسکے قبل کبھی یہ سوچا ہو کہ ہمارا بچّہ کیا کام کریگا۔ یا کس کام کے لایق ہے۔ یا کس غرض کیلئے ہم اسے تعلیم دے رہے ہیں۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ بغیر سوچے سمجھے پڑھانا شروع کر دیا۔ اور جب تک اپنے ذرایع اور اس کی ہمّت نے ساتھ دیا پڑھا کیا۔ اسوقت اسکو کسی خاص غرض کے واسطے مخصوص نہیں کرتے۔ فراغتِ علم کے بعد جب فکرِ معاش ہوئی تو صاحبزادہ ملازمتِ سرکاری کی جانب رجوع ہوئے۔ عرضی تان دی۔ اسمیں

ناکامیابی ہوئی۔ وکالت کی طرف جھکے۔ مگر ساتھ ہی تجارت کا بھی حوصلہ ہے۔ لیجئے نہ اسکے رہے نہ اس میں ہوئے۔ ایسے طریقوں سے تضیع اوقات اور نقصان کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے۔ چاہئے کہ ضروری اور معمولی تعلیم کے بعد لڑکے کی طبیعت کی موزونیت۔ لیاقت کا اندازہ اور مزاج کا رُخ دیکھ بھال کر جس کام کے لایق ہو اسکی آیندہ تعلیم اُسی لحاظ اور ڈھنگ پر کی جائے۔ پھر دیکھئے دُوراندیشی کے نتائج قابل اطمینان ہوتے ہیں یا نہیں۔ غرض ہر کام اور ہر ارادہ کے قبل اُسکے سب پہلوؤں پر غور کرلینا اور آخری نتیجہ و دلی مقصد معلوم کرلینا فرض ہے۔ ورنہ موہوم نتیجہ و نامعلوم اُمید کے خیال سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

ارادہ کی مضبوطی کامیابی کی دوسری شرط ہے۔ یہ نہیں گھڑی میں کچھ اور گھڑی میں کچھ۔ دم بھر تو خیال رہا اور پھر فراموش۔ یکدلی ہر کام کیلئے لازمی ہے۔ جو کام کرنا ہے اور جو غرض حاصل کرنا ہے اسکا ہر وقت دھیان رہنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ بادنما کی طرح جس کسی نے چاہا رُخ بدلوا دیا۔

اسکے بعد مستقل مزاجی کے ساتھ باقاعدہ کوشش اور لگاتار محنت کی ضرورت ہے۔ محنت وہ چیز ہے کہ خراب سے خراب اور اُجاڑ سے اُجاڑ زمین کو چمن و لالہ زار بنا دیتی ہے۔ حق یہ ہے کہ جو نوجوان محنت کا عادی ہو گیا ہے اُس نے کامیابی کے بہت بڑے ذریعہ کو اپنے بس میں کر دیا ہے۔ محنت کسی کام کی نصف کامیابی ہے۔ محنتی آدمی بھی بعض اوقات کسی نہ کسی وجہ سے ناکامیاب ہوتے ہیں۔ مگر ان کو کیا ڈر ہے۔ اگر مستقل مزاجی سے کوشش جاری ہے تو کسی نہ کسی روز ضرور کامیابی ہوگی۔ سمجھدار آدمی ناکامیابی کے سایہ میں نئے نئے تجربے حاصل کرتے ہیں۔ اور پختہ و تجربہ کار ہو جاتے ہیں۔ اور درحقیقت مستقل مزاجوں کی شکستیں منزل مقصود تک کامیابی سے پہنچنے کے راستے کی مختلف قیام گاہوں اور آرامگاہوں کی طرح ہیں۔ ہندوستانیوں میں بلند حوصلگی اور فراخ ہمتی بہت کم ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض پیشوں کی طرف سب کا خواہ اسکے قابل ہوں یا نہ ہوں اسقدر جمگھٹا نظر آتا ہے کہ ایک دوسرے کی روٹیاں چھیننے کی کوشش میں بہت سے بھوکے رہتے ہیں۔ اور ہزاروں پیشے جو عام پیشوں سے بدرجہا زیادہ فائدہ مند اور نفع بخش ہیں اُدھر کوئی راغب نہیں ہوتا۔ حالانکہ چاہئے کہ نئے ذریعے اور معاش کے وسیلے پیدا کریں اور سوچیں۔ اور جس طرف لوگ بہت کم راغب ہوں خود کوشش و محنت کرکے اپنے پست ہمت ہموطنوں کو سبق دیں۔ دلیر آدمی اس سے کبھی نہیں ڈرتے کہ وہ کسی کام کو تنہا یا اوّل دفعہ کر رہے ہیں۔ بلکہ اس خیال سے ان کی ہمت اَور زیادہ بڑھتی ہے۔

عام قاعدہ ہو رہا ہے کہ جہاں کسی کام میں ایک آدھ مرتبہ ناکامیابی ہوئی یا خاطرخواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔ چھوڑ بیٹھے۔ مستقل مزاجی سے مشکل سے مشکل کام آسان ہوتے ہیں۔ تھوڑی بہت یا خفیف زک سے ہمیں اپنی ہمت نہ ہار بیٹھنا چاہئے۔ کبھی کبھی بلکہ بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ قبل از وقت نتیجہ کی فکر ہوتی ہے۔ اور پوری کامیابی کی تلاش رہتی ہے۔ جہاں کہیں کوئی دیرطلب کام ہُوا تو بس اس قدر بےصبری ہُوئی کہ خدا کی پناہ۔ برسوں کے کاموں کو دنوں کی میعاد نہیں دی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بےموقعہ عجلت اور بےوقت جلدبازی سے سارا کام خراب ہو جاتا ہے۔ اور اس قابل افسوس بےصبری سے بہت سے کام انجام تک نہیں پہنچنے پاتے۔ مجھکو اس وقت ایک بڑے انگریزی شاعر کاؤپر کی تصانیف کے متعلق ایک سرگذشت یاد آئی جس کا ذکر اس موقعہ پر شاید بیجا نہ ہوگا۔ کاؤپر کی پہلی تصنیف اس کے ایک دوست نے اپنے صرفہ سے صرف اس شرط پر چھپوا دی تھی کہ بجز چند

جلدوں سے مصنف کو کچھ نہ ملے گا۔ جب کتاب چھپکر تیار ہوئی تو تمام اخباروں کی تنقید اور اہل سخن کی رائے اسکے حق میں نہایت مضر ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشکل سے دس بیس جلدیں فروخت ہوئیں۔ اور باقی سب کتب فروش کی دوکان پر پڑی رہیں۔ کئی مہینے کے بعد کاؤپر کی تازہ تصانیف کا دوسرا بنڈل اسی شرط پر چھپنے کے لئے آیا۔ اس بار اس مجموعہ میں کاؤپر کا مشہور "ٹاسک" تھا۔ اُسی دوست نے سب کو پڑھکر اور پسند کرکے اپنی عقل سلیم اور رائے پر دوبارہ عمل کرنے کی ہمت کی۔ جلد ثانی کے چھپ کر تیار ہونے پر سب لوگوں کی رائے یکبارگی پلٹ گئی۔ سب نے کاؤپر کو یگانۂ روزگار تسلیم کیا۔ پھر کیا تھا ہزاروں کاپیاں بکنے لگیں۔ اور جلد اوّل کی تلاش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس دوست نے اپنی ہمت اور مستقل مزاجی کی بدولت دو سال کے اندر ان کتابوں کے ذریعے ۴۷۶ پونڈ کمائے۔

اس سے میری یہ ہرگز مُراد نہیں کہ ہر نقصان دہ کام کو اندھے کی طرح کئے جائیں۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ بخوبی غور و فکر کے بعد اگر کوئی کام نفع بخش ثابت ہو تو اسکی ایک آدھ بار کی ناکامیابی سے ہمت نہ ہار بیٹھنا چاہئے۔ بلکہ اسکا ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے کئے جانا نہایت ضروری ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ اگر کوئی کام شروع کریں تو اسمیں ہر وقت کوشش کرتے رہیں۔ ممکن نہیں کہ ہمیں کامیابی نہ ہو۔ ہر کام کے لئے۔ نفیس ہو یا بھدا۔ محنت اور استقلال لازمی ہیں۔ اگر اپنے ہی دل کے اطمینان کے موافق کریں تو بھی ممکن نہیں کہ اسکا پھل نہ ملے۔

بعضوں کا یہ خیال ہے کہ ہر کام کیلئے معمول سے زیادہ عقل اور محنت کی ضرورت ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں کسی غبی یا سُست لڑکے کو دیکھا بس اس کی ناکامی کا فتوےٰ دیدیا۔

بعضے دماغ ایسے ہوتے ہیں کہ اُنکی ترقی کی رفتار نہایت ہی سُست مگر پختہ ہوتی ہے۔ مثلاً بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ جنکا نشو و نما بہت عرصہ میں ہوتا ہے مگر نہایت مضبوط اور شاندار ہوتے ہیں۔ دنیا کے بعض بہت بڑے بڑے آدمی لڑکپن میں نہایت غبی سمجھے جاتے تھے۔

معمولی سمجھ اور اوسط درجہ کی مگر مسلسل اور باقاعدہ محنت ہر ایک انسان کو ہر ایک کام کے لائق بنا سکتی ہے۔ اکثر لوگ جو محنت کے عادی نہیں یا جو محنت کے نام سے بھاگتے ہیں وہ رعایت اور موقعہ کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اور ساری عمر یونہی ضایع کردیتے ہیں۔

رعایت اور ترقی میں طبعی عناد ہے۔ یہ دو باتیں ضدین ہیں۔ انکا اجتماع کسی طور ممکن نہیں۔ ممکن ہے کہ رعایت اور دوسروں کے پاس اور مدد سے اسوقت یا موجودہ زمانہ میں ظاہری فائدہ ہو جائے مگر وہ فائدہ ہرگز دیرپا اور مستقل نہیں ہے۔ رعایت بغیر قابلیت کے دم بھر کا فائدہ اور چشم زدن کی چمک ہے۔ جہاں کہیں قابلیت ہے وہاں رعایت سے نفرت ہے۔ کیونکہ یہ اصلی ترقی کی ہارج ہے اور یوں بھی ؂

حقا کہ باعقوبت دوزخ برابر است رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

بعض صاحبوں کو کسی کام شروع کرنیکا کبھی معقول موقعہ ہی نہیں ملتا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہمیں دنیا میں کوئی کام کرنا ہے تو موقعہ ہمیں خود تلاش کرنا چاہئے۔ ہر ایک کام کے لئے درحقیقت ہر وقت موقعہ ہے اور ہر مشکل کام محنت اور استقلال سے آسان ہو جاتا ہے۔

سُمرنہ اُور پولیکارپ

(از پادری الیف بی مایو بی اے)

جو دُکھ تجھے سہنے ہوں گے اُن سے خوف نہ کر۔ دیکھو ابلیس تم میں سے بعض کو قید میں ڈالے گا تاکہ تمہاری آزمایش ہو۔ اور دس دن تک مصیبت اٹھاؤ گے۔ یہاں تک وفادار بن کہ موت بھی گوارا ہو۔ میں تجھے زندگی کا تاج دُوں گا۔ (مکاشفہ ۲: ۱۰۔ نیا ترجمہ)

تیسرے پہر کا وقت ہے۔ اور ہمارا بڑا جہاز سمندر کی نیلگوں سطح آب کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی نیلم کے فرش میں ہل چلا رہا ہے۔ مطلع صاف اور ہوا بند ہے۔ اُفق پر مجمع الجزایر کے چند ٹاپو دُھندلے طور پر نظر آ رہے ہیں۔ ایسے فاصلہ پر سے انگورستان اور ہرے ہرے درخت اور چھوٹے چھوٹے گاؤں کہر کے مہین نقاب میں رخ کو ڈھانپے ہوئے ہیں اور ان کے سفید ہموار سقف دار مکانات کہیں پر تو برلب آب کھڑے ہیں اور کہیں پہاڑیوں کے داراڑوں میں اپنے سر کو چھپائے ہوئے ہیں۔ ان جزایر کے نام فقط یونانی اور رومی علم ادب کے شایقین کے لئے دلچسپی رکھتے ہیں۔ مگر ذرا فاصلہ پر نظر دوڑانے سے اُفق کے مقابل ایک ایسا ٹاپو واقع ہے جسکا دل میں کھُب جانے والا نام دست بدست چلا آتا ہے۔ یہی وہ پتمس ٹاپو ہے جسکی نسبت یوحنا نے فرمایا کہ "میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہت اور صبر میں تمہارا شریک ہوں۔ خدا کے کلام اور یسوع کی نسبت گواہی دینے کے باعث اس ٹاپو میں تھا جو پتمس کہلاتا ہے۔ کہ خداوند کے دن روح میں آگیا"۔

یہ ٹاپو قریب بارہ میل لمبا اور چھ میل چوڑا ہے اور محیط اسکا تیئیس ۲۳ میل ہے۔ اسکی سطح درمیان سے کٹ کر دو چوٹیاں ہوگئی ہے جن میں سے ایک پر اس ٹاپو کا بڑا شہر آباد دکھائی دیتا ہے۔ اس شہر میں ایک رہبان خانہ ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُسی غار کے اوپر واقع ہے کہ جس میں یوحنا نے اپنے مکاشفات دیکھے اور قلمبند کئے۔ اسی پتمس پر سے جہاں یسوع نے اس کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کیں یوحنا سمندر کے اُس پار نظر دوڑا کر ساحل کا نقشہ مشاہدہ کیا کرتا اور اس اونچے پہاڑ کو دیکھتا تھا جسکی آڑ میں اس کا اپنا پیارا افسس اور دیگر چھ شہر واقع تھے یعنی وہ چراغدان جن کی نگرانی ان کے ذمہ تھی۔ اُن نظاروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا کہ جن پر وہ آرزو بھری نگاہیں بے وطن پھرا کرتی تھیں کیسا دلکش سماں ہے! خداوند کی دوسری آمد اُسکو افسس کی وہ چھوٹی جماعتیں یاد دلایا کرتی ہوگی جن سے اب وہ دُور اور جلا وطن پڑا ہے۔

جلاوطنی سے پیشتر یوحنا نے ایک شخص بنام پولیکارپ کو سمرنہ کی کلیسیا کا بشپ ہونے کے لئے منتخب کیا تھا آج کے دن اس شہر سے افسس تک جو بیس میل کا فاصلہ ہے ریل جاری ہے۔ پولیکارپ

دراصل ایک غلام لڑکا تھا جسکو ڈاکو سمرنا کے گرد و نواح کی پہاڑیوں سے پکڑ لائے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے قزاق اب بھی اس علاقہ میں پائے جاتے ہیں اور کسی اکیلے دکیلے کی مجال نہیں کہ بے ہتھیار اس شہر کی حدود سے باہر قدم رکھے۔ اس لڑکے کو ایک متموّل عورت نے بازار میں بکتے دیکھا اور خرید کر اپنے گھر کا کار مختار مقرر کیا اور اپنی جائداد اس کے نام چھوڑ مری۔ یہ شخص مسیح پر ایمان لایا اور ہوتے ہوتے اس شہر کی چھوٹی کلیسیا میں ڈیکن اور بعد ازاں ایلڈر مقرر کیا گیا۔ آخر الامر عالم شباب ہی میں یوحنا کے ہاتھ سے بشپ کے عہدے پر ممتاز ہوا۔ جب اس قابل یاد دن میں یوحنا نے مقام پتمس سے سمندر کے اس پار نگاہ کی تو اس کو کلیسیا کے فرشتہ یا بشپ جوان پولیکارپ کا خیال آیا اور زندہ مسیح سے جو اس کے ساتھ اور اس میں کلام کر رہا تھا الہام پاکر اُس نے یوں کہا کہ "جو دکھ تجھے سہنے ہوں گے اُن سے خوف نہ کر" اے جوان سپاہی تم "دس دن تک مصیبت اُٹھاؤ گے۔ یہاں تک وفادار بن کہ موت بھی گوارا ہو۔ میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا۔ میں اوّل اور آخر اور زندہ ہوں۔ میں مر گیا تھا۔ اور دیکھ ابدالآباد تک زندہ رہوں گا"

یوحنا رسول ستانویں یا اٹھانویں سال کا سن رسیدہ ہوکر ۱۰۰ء میں انتقال کر گیا۔ اس سانحہ سے اگلے سال پولیکارپ کی زندگی میں ایک دلچسپ معاملہ پیش آیا۔ کلیسیا کی ایذا رسانی شروع ہو چکی تھی انطاکیہ کی کلیسیا کا اعلیٰ پریسبٹر اگناتیوس گرفتار ہوکر دس رومی سپاہیوں کے زیر حفاظت شہنشاہ روما کی عدالت میں پیش ہونے اور غالباً شہید ہونے کے لئے جلدی جلدی لے جایا جا رہا تھا۔ اگناتیوس بیان کرتا ہے کہ یہ دس رومی سپاہی دس چیتوں سے مشابہ ہیں اور مجھے گویا درندوں کے ساتھ لڑنا پڑتا ہے۔ میں جس قدر مہربانی کرتا ہوں وہ اسی قدر دغا باز اور خونخوار ہوتے ہیں۔ جب یہ نیک اور مقدس بشپ سمرنہ میں پہنچا اسکو کسی دوسرے جہاز کی انتظاری میں کچھ عرصہ تک اُسی جگہ قیام پذیر ہونا پڑا۔ تروآس میں پہنچکر اُس نے سمرنہ کے مسیحیوں کی طرف ایک خط لکھا جس میں اُس نے اُن کی نیک سلوکی اور مدارات کے لئے شکریہ ادا کیا اور جوان بشپ (پولیکارپ) کیلئے یہ پیغام درج کیا "کہ جس قدر دانائی تجھ میں ہے اُس سے زیادہ مانگ۔ زیادہ سرگرم ہو۔ اہرن کی طرح مضبوط ہو جسکو کوٹتے ہیں بڑے پہلوان بننے کا یہی طریقہ ہے" اے جوانو! اِن الفاظ پر غور کرو کیونکہ یہ اُس اوّل شہید بشپ کا قول ہے جو روما کی طرف شیروں کا مقابلہ کرنے کو جا رہا تھا۔ اہرن کی طرح مضبوط ہو جسکو کوٹتے ہیں اور اس طرح مسیح میں بڑے پہلوان بن جاؤ۔

اگناتیوس کی شہادت کے بعد پینتالیس سال بعد یعنی ۱۵۵ء تک پولیکارپ کا بہت تھوڑا حال معلوم ہے۔ وہ ابھی روما سے ہوکر واپس آیا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ سمرنہ میں ہلڑ مچ رہا ہے۔ کیونکہ اسکی غیر حاضری میں ایک مسیحی نے جس میں دینی جوش تو تھا مگر عقل کی کمی تھی بت پرستوں کو کوئی ایسا اشتعال طبع دلایا تھا کہ تمام شہر بغاوت پر آمادہ ہوکر چلا رہا تھا کہ مسیحیوں کو شیروں کے آگے ڈال دو۔ دس مسیحی گرفتار کئے گئے جن میں سے ایک تو پھر گیا اور نو قائم رہے۔ اُن میں اس درجہ کا جوش موجزن ہو رہا تھا کہ ایک نے جب دیکھا کہ شیر حملہ نہیں کرتا تو اس کو چھیڑ کر اپنے اوپر حملہ کروایا۔

جس بہادری کے ساتھ ان ایمانداروں نے جام شہادت نوش کیا اسکو دیکھکر عوام اَور بھی برانگیختہ ہُوئے اور گلا پھاڑنے لگے کہ "پولیکارپ کو پکڑلو۔ یہی مسیحوں کا گرو گھنٹال ہے اسکو پکڑلو" اس وقت پولیکارپ کی عمر چھیاسی ۸۶ برس کی تھی۔ یہ ضرور نہ تھا کہ وہ اپنے آپکو خطرے میں ڈالدے بلکہ کلیسیا کی آیندہ ہدایت کے لیئے اسکی ہستی غنیمت تھی اس لیئے وہ سمرنہ سے نکل کر ایک گاؤں میں پناہ گزین ہُوا۔ مگر ایک غلام لڑکے نے جسکو اذیت کا خوف دلایا گیا اسکے چھپنے کی جگہ ظاہر کردی۔ سپاہیوں نے اسکو شام کا کھانا کھاتے وقت جاپکڑا۔ وہ نہایت استقلال کے ساتھ ان کے پیش آیا اور اُنکے لئے کھانا چُننے کا حکم دیا۔ اور اپنے لئے دُعا کی مُہلت کا خواستگار ہُوا۔ انہوں نے ایک گھنٹہ کی اجازت دی مگر اس مرد خدا نے کامل دو گھنٹہ تک اپنی رُوح خدا کے حضور انڈیل دی۔ بعد ازاں وہ اسکو گدھے پر سوار کر کے شہر کی طرف لے چلے۔ رستہ میں اُن کو پولیس کا افسر ملا جو پولیکارپ کو جلد گرفتار کرنے جارہا تھا۔ یہ افسر خود مسیحی نہ تھا مگر اس کی بہن مسیحی تھی اس لئے اس نے اپنی بہن کی خاطر پولیکارپ پر ترس کھایا۔ اور گدھے سے اُتار کر اپنی رتھ میں جگہ دی۔ یہاں اس نے ایک اَور افسر کے ساتھ مل کر پولیکارپ کو سمجھانا شروع کیا کہ مسیح کا انکار کر اور یہ کلمہ مُنہ سے نکال کہ "قیصر خداوند ہے"۔ اور دو۔۔۔ نے خوشبو کے قربان گاہ پر ڈالنے کا وعدہ کر۔ اس نے اُن کی ایک نہ مانی اس سے ان کو ایسا سخت طیش آیا کہ انہوں نے اسکو زبردستی رتھ پر سے دھکیل دیا۔ پولیکارپ زمین پر گر پڑا اور اس کے ٹخنے کے جوڑ میں سخت ضرب آئی مگر گرتا پڑتا اُس نے پاپیادہ اس رستہ کو طے کیا۔

اگلے روز جو سبت کا دن تھا عوام کا ایک انبوہِ کثیر تماشہ گاہ میں جس کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں جمع ہُوا اور اپنے آتشِ غضب کو مسیحیوں کے خون سے فرو کرنے کا دعویٰ پیش کیا۔ مگر رومی حاکم جو بڑا رحمدل آدمی تھا پولیکارپ کی جان بچانا چاہتا تھا اس لئے اسکو سمجھایا کہ اپنے سفید بالوں پر رحم کر اور اپنا ہاتھ کھڑا کر کے اپنی زبان سے فقط اس قدر کہدے کہ "مسیح کو دور کرو"۔ مگر اس بڈھے نے دلیرانہ وہ الفاظ جواب میں کہے جو زبانزد ہو گئے ہیں کہ "مَیں نے چھیاسی برس اسکی خدمت کی ہے اور اس نے مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں دی۔ تو میں اپنے بادشاہ اور نجات دہندہ کے حق میں کفر آمیز کلمہ کیونکر زبان سے نکالوں"۔ حاکم کو مجبوراً لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنا پڑا کہ پولیکارپ اپنی ہٹ سے باز نہیں آتا۔ یہ سُن کر خلقت چلا اُٹھی کہ "اسکو شیروں کے آگے ڈالدو۔ وہ ہمارے دیوتاؤں کو مسمار کرنے والا ہے۔ اُسکو لے جاؤ"۔ مگر وہ مسیحی لوگ جنہوں نے ایک خط میں یہ سارا حال بیان کیا ہے (یہ خط ابتک موجود ہے) یوں راوی ہیں کہ ہم نے ایک آواز اس موقعہ پر یہ کہتی ہُوئی سُنی کہ "پولیکارپ! مضبوط اور مرد بن!"۔ کاش ہم بھی بے تمیزی کے طوفان میں اس آواز کو سُن سکیں:

جب کھیل تماشے تمام ہو چکے تو عوام نے خواہش ظاہر کی کہ پولیکارپ آگ میں جلایا جائے۔ اور چونکہ اس روز تعطیل عام تھی لوگوں نے بڑے جوش وخروش اور محنت سے لکڑی کے گٹھے جمع کئے۔ اور ہر ایک ضروری سامان فوراً مہیا کیا گیا۔ اس شہید نے نہایت دقت کے ساتھ اپنے کپڑے اُتارے کیونکہ ضعیف العمری کی وجہ سے اس کے شاگرد اسکو ایسے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مدد دیا کرتے تھے

پھر اُس نے جلاّدوں سے درخواست کی کہ مجھے کھونٹے کے ساتھ مت باندھو میں اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہلونگا۔ لکھا ہے کہ اس وقت اس کا چہرہ فرشتے کے چہرے کی طرح چمک رہا تھا۔ جب جلاّدوں نے لکڑیوں کے انبار میں آگ لگائی تو تیز ہوا چل رہی تھی اور شعلے اس کے بدن کو جلا نہ سکے۔ آخر یہ حکم صادر ہُوا کہ تلوار اس کے جسم میں گھسیڑ دو۔ اور وہ فوراً جھلس کر آگ اور راکھ کے ڈھیر میں گر گیا۔ مسیحیوں نے استدعا کی کہ اس کی لاش ہمیں مل جائے اور وہ اُسے اُٹھا کر لے گئے۔ لکھا ہے کہ وہ اسکو سونے اور جواہرات سے زیادہ قیمتی سمجھتے تھے۔

شام کے وقت ہمارا جہاز ایشیا کوچک کے ساحل پر ایک کھاڑی میں کھڑا کیا گیا اور اسکے ماتھے پر سے سمرنہ کا جلیل القدر شہر دکھائی دے رہا تھا۔ جس کی آبادی ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کی ہوگی۔ اسکے نواح میں ایک تنہا صنوبر کا درخت نظر آتا تھا جو پولیکارپ کی قبر کے مقابل کھڑا اسی کی مٹی کا پرورش یافتہ ہے۔ یہ سماں دیکھ کر میں مثل بُت کے بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا اور وہ الفاظ پھر سطح آب پر سے گویا میرے کانوں میں سُنائی دے رہے تھے کہ "یہاں تک وفادار رہ کہ موت بھی گوارا ہو۔ میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا۔" اور کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ موت کے وقت ایک شخص بنی آدم سے بڑھ کر اُس کے پاس کھڑا اس کے کان میں کہہ رہا تھا کہ "میں اوّل اور آخر اور زندہ ہُوں مگر میں مر بھی گیا تھا۔ موت نے اُس پار تیرے لئے زندگی منتظر کھڑی ہے۔ کیونکہ میں ابد تک زندہ ہُوں میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا۔"

پولیکارپ بتاریخ ۲۳ ماہ فروری ۱۵۵ء شہید ہُوا۔ اب اس واقعہ سے بائیس سال پیچھے یعنی ۱۷۷ء کا کچھ حال سنو۔ اپنے وطن کی طرف لوٹتے ہُوئے ہم ملک فرانس کے شہر لائینس میں ٹھہرے۔ اس شہر میں سمرنہ کی کلیسیا کی طرف سے مشنریوں نے مسیحی مذہب پھیلایا جن میں سے ایک آئرینیوس اس جگہ کا بشپ یا پریسبٹر مقرر ہُوا۔ اس آئرینیوس نے اپنے ایک ہم مکتب فلورائینس کو جو پہلے مسیحی تھا۔ اور پھر دُنیا کی طرف پھر گیا ایک قابل یادگار خط لکھا جو اب تک موجود ہے۔ اس خط میں وہ فرماتا ہے کہ "میں اس مقام کا پتہ دے سکتا ہُوں جہاں پولیکارپ بیٹھ کر بات چیت کیا کرتا تھا۔ میں اس کے باہر جانے اور اندر آنے اسکی سیرت اور صورت اور عوام کے ساتھ گفتگو کا حال بیان کر سکتا ہُوں۔ میں یہ بھی بتا سکتا ہُوں کہ وہ یوحنا اور خداوند کے باقی رفیقوں کے ساتھ بے تکلفانہ ربط و ضبط کا حال کیونکر سنایا کرتا اور ان کے اقوال کیونکر دوہرایا کرتا تھا۔" یوحنا ۱۰۰ء میں انتقال کر گیا۔ پولیکارپ ۷۰ء میں پیدا ہُوا تھا۔ اس لئے وہ تیس سال تک یوحنا سے واقف رہا۔ پولیکارپ ۱۵۵ء میں مرا۔ مگر اس کے تلامیذ ارشد میں سے ایک جو اس کا دلی دوست تھا اور اس کا پُورا حال بیان کر سکتا تھا اسکی موت کے بائیس سال بعد تحریر کرتا ہے کہ وہ کیونکر خداوند اور اس کے جان پہچانوں کا قصہ سُنایا کرتا تھا۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ جو باتیں پولیکارپ کو خداوند کی نسبت معلوم تھیں وہ سکھایا کرتا تھا اور بعد ازاں رقمطراز ہے کہ "میں یہ باتیں بفضل خدا نہایت شوق سے سُنا کرتا اور ان کو سطح کاغذ پر نہیں بلکہ اپنے دل میں جمع رکھتا تھا۔"

آیرینیوس بڑے زور سے چار اناجیل کا ذکر کرتے ہوئے متی۔ مرقس۔ لوقا اور یوحنا کا نام لیتا ہے۔ وہ ان کو دنیا کی چار اطراف اور کروبیم کے چار چہروں سے مشابہ کرتا ہے۔ اس سے وہ استدلال کرتا ہے کہ ضرور تھا کہ مسیح کی چار تصویریں ہوں اب اگر کوئی دعویٰ کرے کہ چاروں انجیلیں اصلی نہیں ہیں یا کہ وہ رسولی زمانہ کے بہت عرصہ بعد لکھی گئی ہیں تو ہم جواب دے سکتے ہیں کہ "یہ صریحاً ناممکن ہے کہ انجیل ۱۵۰ء کے بعد لکھی گئی ہو یا یوحنا کی انجیل زبردستی یا خفیتاً کلیسیا میں مروج کی گئی ہو جبکہ آیرینیوس جیسے شخص پولیکارپ کے شاگرد (جو خود یوحنا کا ہمعصر تھا) موجود تھے"۔........

پنجاب انڈین کرسچن ایسوسی ایشن

اس ایسوسی ایشن کی نویں رپورٹ بابت سن ۱۹۰۲-۳ء ایک بڑے مفید کام کا اظہار کرتی ہے۔ سال گذشتہ میں دو نوجوانوں نے ایسوسی ایشن کی مدد سے اپنی اعلیٰ تعلیم پوری کی۔ (۱) جیمس ولیمس امتحان بی اے میں کامیاب ہوئے۔ (۲) مسٹر سندر داس بی اے کو دسمبر ۱۹۰۲ء سے دس روپیہ ماہوار کا وظیفہ دیا گیا اور اس نے ایم اے کی ڈگری زبان عربی میں حاصل کی۔ ۹ سال کے عرصہ میں ایسوسی ایشن کے وظائف خواروں میں سے ۸ جوانوں نے بی اے یا ایم اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کے علاوہ بعض اور نے کالج میں تعلیم پائی گو وہ ڈگری حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ ۱۹۰۲-۰۳ء میں ۵ جوانوں کو وظیفہ دیا گیا۔ (۱) چارلس مکھن لال بی اے۔ ساڑھے نو روپیہ ماہوار برائے تعلیم ایم اے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ارادہ چھوڑ کر ملازمت اختیار کر لی۔ اور وظیفہ بند کیا گیا (۲) کلایب سنگھ نے بھی وظیفہ لینا چھوڑ دیا۔ مئی ۱۹۰۳ء تک کمیٹی نے مفصلہ ذیل کو وظیفہ عطا کیا (۱) ہربرٹ مارک۔ سال دوم لاہور میڈیکل کالج۔ ۱۵ روپیہ ماہوار۔ (۲) ڈی این بنرجی۔ سال چہارم فورمن کرسچن کالج لاہور۔ ۱۵ روپیہ ماہوار۔ (۳) پرسی مکھن لال۔ سال دوم فورمن کرسچن کالج لاہور ۱۵ روپیہ ماہوار۔ (۴) الفرڈ عبداللہ۔ سال دوم فورمن کرسچن کالج لاہور۔ ۱۵ روپیہ ماہوار (۵) اے سالک سال دوم گارڈن مشن کالج راولپنڈی۔ دس روپیہ ماہوار۔ (۶) بدھا۔ سال اول گارڈن کالج ۸ روپیہ ماہوار (۷) والٹر پال۔ سال سوم لاہور میڈیکل کالج ۱۵ روپیہ ماہوار (۸) ایف چیٹرجی دس روپیہ۔ ایف چیٹرجی نے وظیفہ نہیں لیا۔ پرسی مکھن لال (۳) نے اپنے بھائی کے ملازمت اختیار کرنے پر وظیفہ لینا چھوڑ دیا۔ اور نذیر حسین کو جو نارووال سے ایک نومرید ہے دس روپیہ ماہوار کا وظیفہ دیا گیا ہے۔ اور وہ لاہور فورمن کالج کے سال سوم میں تعلیم پاتا ہے۔ یکم مئی ۱۹۰۳ء تک ایک سال کا چندہ ممبران سے ۶۰۴ روپے ۱۱ر وصول ہوا اور ۱۲۳ روپیہ ۴ر ۳ پائی پنجاب کے چند گرجاؤں کا چندہ ایسوسی ایشن کو دیا گیا۔ ۱۶ روپیہ عطیہ۔ ۳۶ روپیہ سود یعنی کل ۷۸۲ روپیہ ۱۵ر ۳ پائی آمدن۔ سال گذشتہ ہاتھ میں ۸۴۷ روپیہ ۷ر ۴ پائی تھا۔ کل ۱۶۳۰ روپیہ ۶ر ۷ پائی۔ خرچ۔ وظائف ۷۴۷ روپیہ ۴ر متفرق ۲۶ روپیہ ۳ر ۱ پائی۔ یکم جون ۱۹۰۳ء کو ہاتھ میں ۸۵۶ روپیہ ۴ر ۱۰ پائی تھا۔

قدیم کھنڈرات اور بائبل

۲

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

کدرلاعمر ان معلومات نے پیدائش کی کتاب کے اُن بیانات کی عجیب طور پر تصدیق کی ہے جو کدرلاعمر کی نسبت چودھویں باب میں مندرج ہیں۔ اس باب کے حالات مسیح سے کم از کم ۲۱۰۰ سال پیشتر واقع ہوئے تھے۔ اور ایسے زمانہ سے متعلق ہیں جن کا نشان مسیح سے پیشتر آٹھویں یا نویں صدیوں کے مصنفین کے حافظہ سے مفقود ہو چکا تھا اور ان میں ایسے تعلقات کا ذکر ہے جسکا صحیح علم کسی معصری کو ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے اس بیان کے تواریخی واقعات ہونے میں بہت کچھ شبہ ہو رہا تھا۔ اب اس عجیب قصہ کے حالات پر نئی معلومات نے ایک نہایت عجیب روشنی کی جھلک ڈالی ہے۔ بائبل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ بابل اس زمانہ میں عیلام کے زیر خلافت تھا۔ اب بخوبی روشن ہو گیا ہے کہ یہ بیان واقعی درست ہے۔ ہمیں اس عیلامی بادشاہ کا نام اور سن جلوس (۲۲۸۰ سال پیشتر از مسیح) بھی معلوم ہو گیا ہے جس نے بابل کو مطیع کیا۔ کتبات سے پایا جاتا ہے کہ اس خاندان کے شاہان کے نام کدر (بمعنی غلام) سے شروع ہوتے تھے مثلاً کدرننک ہندی۔ کدرمابوک۔ یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ لاگمر ایک عیلامی دیوی کا نام ہے۔ پس کدرلاگمر (یا کدرلاعمر) ایک سراسر قرین قیاس نام ہے۔ یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ شاہان مغربی صوبہ یا فلسطین پر قابض تھے۔ شاہ کدرمابوک کا ایک بیٹا اریاکو نامی لارسہ کا بادشاہ تھا۔ جو سوائے الاسر کے بادشاہ اریوک (پیدائش ۱:۱۴) کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بعض کتبات میں کدرلاعمر کا نام بھی مندرج ہے مگر بعض عالم اسکی نسبت کچھ شبہ ظاہر کرتے ہیں۔ بہر صورت یہ تو کافی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ پیدائش کی کتاب کے اس باب کا مصنف کوئی منگھڑت قصہ بیان نہیں کرتا بلکہ جس زمانے کے حالات قلمبند کر رہا ہے اسکے صحیح تواریخی واقعات کا پورا علم رکھتا ہے۔ اور یہ بیان نہ فقط ایک خاص باب کی تصدیق کرنے والا ہے بلکہ اس سے بحیثیت مجموعی قدیم بزرگوں کے حالات کی تواریخی وقعت بڑھ گئی ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت ایسا مصالحہ موجود تھا جس سے اس قدیم زمانہ کا صحیح علم اخذ ہو سکتا تھا۔

ابرہام اور یوسف ملک مصر میں ابرہام قحط سے بچنے کی غرض سے مصر میں اُتر گیا اور شاہ مصر فرعون نے اس کو شرف باریابی عطا کیا۔ مگر مصر کے حالات کا ذکر دراصل یوسف کے اس ملک میں داخل ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ وقایع نگار نے پیدائش کی کتاب کے اس حصہ میں مصری راہ و رسم کو کیسی خوش اسلوبی سے بیانات کے سلسلہ میں منقش کیا ہے۔ اس امر کی نسبت اب کسی عالم کو شبہ نہیں رہا بلکہ اگر کوئی دعوے کرے کہ کتاب مقدس کے یہ بیانات بہت عرصہ پیچھے بنا کر لکھے گئے ہیں تو اسکو فروغ نہیں

ہو سکتا۔ جن مصری رسوم اور آداب اور ملک کے مختلف صیغوں اور حالات کا اشارتاً ذکر پیدائش کی کتاب میں کیا گیا ہے اگر اُن کی صحت کا شرح بیان کیا جائے تو اسکے لئے ایک خاص مضمون کی ضرورت ہوگی۔ مختصراً اس قدر کہنا کافی ہے کہ یوسف کے قصہ میں جن امور کو قابل اعتراض سمجھا جاتا تھا نئی معلومات نے خاص انہی کی تصدیق کی ہے۔ مثلاً مشہور مورخ ہیرودوتس کی سند پر کہا جاتا تھا کہ ملک مصر میں انگور کی کاشت ہی نہیں ہوتی تھی۔ پھر یہ کہ مصریوں کے عابد و زُہّاد میں گوشت خوری کا رواج نہ تھا۔ جو تحائف فرعون نے ابرہام کو نذر کئے تھے ان کی نسبت یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ ان میں جو بھیڑ اور گدھیوں کا ذکر ہے مصری ان سے نفرت کیا کرتے تھے۔ اور گھوڑوں کا جو اس ملک میں عام جانور تھے نام تک نہیں ہے۔ اب قدیم عمارات پر انگوری شراب بنانے کی کامل ترکیب درجہ بدرجہ منقش پائی گئی ہے۔ اور ایک مستند مصنف کے بیان کے مطابق گوشت اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی خاص خوراک تھی۔ بھیڑوں اور بیلوں اور گدھیوں کی تصاویر زیادہ قدیم عمارات پر پائی جاتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ سلاطشاہان کے بارھویں خاندان تک گھوڑوں کا کوئی نام و نشان موجود نہ تھا۔ اور کہ یہ جانور اوّل خاندان ہکسوس (یعنی چوپان شاہان) کے زمانہ میں یعنی جن شاہان کے ایام میں یوسف نائب السلطان تھا ملک مصر میں مروج ہوئے۔ چنانچہ یوسف کے حال میں مذکور ہے کہ اس نے گھوڑوں اور بھیڑ بکری وغیرہ کے بدلے لوگوں کو روٹیاں دیں۔ پیدائش کی کتاب کے بیانات پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا تھا کہ ابرہام اور یعقوب جو چوپان تھے فرعون مصر کی نگاہ میں قابل عزت کیونکر ٹھہرے ہوں گے مگر مقام بنی حسن میں بارھویں شاہی خاندان کے مقبروں پر ایک تصویر پائی گئی ہے جس میں شاہ فرعون سام کی نسل کے لوگوں کو باریاب فرما رہا ہے۔ اوّل اوّل تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ یعقوب اور اس کے خاندان کا نقشہ ہے جب وہ ملک مصر میں اُتر گئے تھے۔ مگر سن تاریخ اس واقعہ سے مطابقت نہیں رکھتا۔

یوسف کی تکالیف اور حکومت ایک مصری قصہ ہے جو "دو بھائیوں کی کہانی" کے عنوان سے مشہور ہے اور جس میں ایک بھائی کی جورو دوسرے بھائی کو اپنے دامِ عشق میں گرفتار کرنا چاہتی ہے۔ یہ افسانہ یوسف اور فوطیفار کی جورو کے قصہ کے ساتھ ایسا لفظاً بلفظ مطابقت رکھتا ہے کہ انکو ہم دو مختلف قصے نہیں کہہ سکتے۔ مگر مصری قصہ کا سن وقوع مسیح سے تیرہ سو سال پیشتر ہے اور اس لئے یوسف سے کئی صدیاں بعد لکھا گیا ہوگا۔ بلکہ بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بھی پیچھے کا قصہ ہے۔ جس کے اصلی حالات بائبل میں مندرج ہیں۔ اس امر پر سب متفق ہیں کہ یوسف مصر میں چوپان شاہان کے ایام میں اُتر گیا تھا۔ اور شاہ اپوفیس کے عہد میں اسکی عہدہ افزائی ہوئی تھی۔ عموماً اسکو وہ شاہ اپی پائی سمجھا گیا ہے جو اس خاندان کا آخری (یا قریب آخری) بادشاہ تھا۔ لیکن اب معلوم ہو گیا ہے کہ ایک شاہ اپی پائی خاندان کے شروع میں گذرا ہے اور جیسا کہ آیندہ فصل میں بیان کیا جائیگا یہ اغلب ہے کہ یوسف اسی شاہ اپی پائی اوّل کے عہدِ سلطنت میں مصر میں گیا تھا۔ اور نہ کہ آخری شاہ اپی پائی ثانی کے عہد میں۔ اس قحط کے زمانہ کے نقش و نگار کہ جس میں یوسف کو عروج حاصل ہوا تھا کھنڈرات پر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

بائبل کے نام مندرجہ بالا نظایر بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ اور بہت سے اختصار پر اکتفا کرنا پڑا ہے۔ یہاں

پر فقط اس قدر ذکر کرنے کی گنجائش ہے کہ ان قدیم کھنڈرات نے بائبل کے ناموں کو بہت کچھ روشن کر دیا ہے۔ مثلاً ابرہام کا نام بعض قدیم نوشتوں میں پایا جاتا ہے۔ اور شاہ تھوتمس سوم کے زمانہ کے کتبات میں (مسیح سے قریب ۱۴۸۰ سال پیشتر) ملک فلسطین کے بعض مقامات کا نام یعقوب ایل اور یوسف ایل مذکور ہے۔

نامہ بر کبوتر

(از اے۔ ڈی)

ایک دن ایک بڑا اور چوڑا ٹوکرا جالی سے ڈھکا ہوا جو کہ بذریعہ مسافر گاڑی کے آیا تھا۔ انگلستان کے ایک سٹیشن کے پلیٹ فارم پر پڑا ہوا تھا۔ اس میں نامہ بر کبوتر تھے انکو ہر طرح کی آسایش و آرام تھا۔ کیونکہ مقررہ وقت پر دانہ اور پانی دیا جاتا تھا۔ اور جالی میں سے کافی ہوا انکے سانس لینے کو آتی تھی۔ ٹوکرے کے اوپر ایک پیغام اس مضمون کا سٹیشن ماسٹر کے نام لکھا تھا کہ مہربانی فرماکر ٹوکرے کو کھلی جگہ لیجاکر ٹھیک گیارہ بجکر دس منٹ پر جالی اٹھادیں۔ ہم بڑے شوق سے تماشہ دیکھنے کے منتظر رہے۔ جب مقررہ وقت آیا ریلوے کے ایک افسر نے ٹوکرا اٹھواکر سٹیشن کے باہر رکھوایا اور جالی اٹھوادی۔ (نانانا) کبوتر سفید بادل کی طرح آسمان کی طرف اٹھے اور تھوڑی دیر ادھر اُدھر چکر لگاکر گھر کا رخ کیا۔

قید اور آزادی۔ زندگی اور پوری زندگی۔ پرندوں کی یہ دونوں حالتیں مسیحی زندگی کی دو صورتوں کو واضح کرتی ہیں۔ پہلی حالت وہ تھی جبکہ کبوتروں کو سانس لینے کیلئے کافی ہوا تھی اور بس! دوسری حالت وہ تھی جب کھلی ہوا میں وہ پر پھیلا کر اڑنے لگے۔ اور تھوڑی دیر میں اپنی منزل مقصود کو طے کر لیا۔

یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ روح القدس ہمارے درمیان رہیگا۔ اور ہمکو زندگی سے بھرپور کرے گا۔ مگر فقط یہ ہی نہیں۔ بلکہ باپ کا وعدہ ہے کہ ہم روح القدس سے ملبس ہوجائیں گے تاکہ ہم اس کی طاقت والی قدرت میں اپنے پروں کو پھیلا سکیں۔ اور اپنی خدمت کو پورا کر سکیں۔ یعنی خدا کے پیغام کو دور اور نزدیک پہنچا سکیں۔

جبتک کہ ہم ملبس ہوں ہمیں انتظار کرنی چاہئے۔ اس سے پیشتر روانہ ہونا گویا وقت کا ضایع کرنا ہے اور جب مقررہ وقت پورا ہوگیا۔ اور روح القدس کی آندھی نے دروازے کھول دئیے تو پھر ہم یقیناً اٹھیں گے اور روانہ ہوں گے۔ اس سنہلے موقعہ کو کھو دینا گویا زندگی کو بے فایدہ بسر کرنا ہے۔

فرض کرو کہ جب ٹوکرے کی جالی اٹھائی گئی تھی اور سب کبوتر ہوا میں اڑنے لگے تھے ایک کبوتر بیچ میں ٹھہرا رہتا اور اڑنا پسند نہ کرتا تو ہم یقیناً اسکو بیمار یا مجروح خیال کرتے۔ افسوس کہ ہم میں

سے بہت اس قسم کی زندگی ہوگئے ہیں اور طاقت۔ خوشی اور آزادی کھو بیٹھتے ہیں۔ اور زندگی کے مقصد یعنی خدا کے جلال اور اسکی خدمت کو بھول جاتے ہیں۔ کیا ہم خدا کی عجیب قدرت پر بھروسہ کرنے سے ڈرتے ہیں۔ کیا ہم خود غرض نہیں جو اپنی زندگی کے لئے اس پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ مگر ایک قدم آگے بڑھکر اس میں آرام نہیں پاتے تاکہ اپنی خدمت کیلئے وہ جہاں چاہے ہمکو لے جائے۔

ہم اس بات کو اس بڑے دوست کی ہدایت کے مطابق جو کہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے مان لیتے ہیں کہ ہم خدا کے پیغام کو دوسروں کے پاس خواہ وہ نزدیک ہوں یا دور پہنچا سکتے ہیں۔ زندگی سے بھرپور ہوکر ہم خدمت کے لئے اٹھیں۔ اور یہ امید رکھیں کہ انجیل اس پشت میں دنیا کی حدوں تک پہنچ جائیگی۔ لیکن ایک اور بات بھی ہے۔ جب ہم اس وعدہ کی انتظاری میں ہیں تو چاہیئے کہ کوئی گناہ ہمارا سدِراہ نہ ہو۔ اگر ہم دنیاداری۔ مکر اور خدا کے بندھن میں پھنسے ہوں تو ہم کبھی برکت لینے کے واسطے اٹھ نہیں سکتے۔ اے خدا ان سب مہلک گناہوں سے ہمکو رہا کر۔ اور ہمارے پاؤں جال سے نکال۔ جیسے کہ چڑیا جو کہ شکاری کے جال سے خلاصی پاتی ہے اسی طرح ہماری روح بھی آزاد ہوگی تاکہ اس کی محبت کی کھلی فضا میں اسکی تعریف اور خدمت کریں۔

صلیب

(از اے ڈی)

جان مینصوز اپنے وقت میں ایک مشہور و معروف واعظ تھا۔ لیاقتِ خداداد اور اخلاق حمیدہ کے باعث ہر قسم اور ہر ملت کے لوگ پروانہ وار اس کے عاشق زار تھے۔ وہ محنتی بھی بہت تھا۔ کبھی بائبلوں کی جماعتیں پڑھاتا تھا۔ کہیں وعظ و نصیحت کرتا تھا۔ کہیں لکچر دیتا تھا۔ غرضیکہ ہر درجہ کے لوگوں کو ہر دلعزیز تھا۔ لیکن بڑے تعجب کی بات یہ تھی کہ اسکی اس قدر لیاقت اور جانفشانی سے شاذونادر ہی کوئی مسیح تک پہنچا ہوگا۔ لیکن اس سے بھی تعجب کی بات یہ تھی کہ یا تو جان مینصوز اس بات سے آگاہ نہ تھا اور یا اس بات کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اسکی زندگی اس طریق پر گذری تھی۔ کہ ایک صبح کو جبکہ وہ خط و کتابت میں مستغرق تھا اُسے ایک رقعہ ملا جس میں اس کے علاقہ کے ایک قریب المرگ شخص کی طرف سے ملاقات کی درخواست تھی۔ جہاں تک کہ زر اور ڈاکٹر کر سکتے تھے کیا گیا۔ اب وہ وقت آگیا جبکہ لارڈ لینکش کو اپنے ایک ادنیٰ ملازم کی طرح موت کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ اکیلا جاتا تھا اور آئندہ کی بابت بالکل بے خبر تھا۔ جہاں تک لارڈ موصوف کا حافظہ کام کرتا تھا اسکو کوئی ایسا موقعہ یاد نہ آتا تھا۔ جب اُس نے گرجا سے ناغہ کیا ہو مگر اس سے اسکو ذرا بھی خوشی نہ ہوتی تھی۔ اِسواسطے اُس نے اپنے پادری کو بلا بھیجا تھا۔ واعظ صاحب نے مریض کے گھر میں داخل ہوتے ہی اسکے چہرے سے وہ حسرت اور یاس ٹپکتی دیکھی کہ جسکو وہ کبھی نہ بھولے۔ خیر بیٹھ گئے اور مریض سے خبر پوچھی۔ جواب کون دیتا تھا یہاں تو دل پر کچھ اور ہی گذر رہی تھی۔ مریض نے

چھوٹتے ہی پوچھا کہ "میں کیا کروں کہ نجات پاؤں"۔ واعظ نے سرسری طور پر مسیح اور اسکی صلیب کا کچھ حال سنایا۔ مرتے ہوئے لارڈ نے ایک آہ بھر کر کہا "صلیب! افسوس۔ یہ بات آپنے آگے کبھی نہ بتلائی"۔ جیسے کہ ڈوبتے ہوئے اشخاص ایک لحہ میں اپنی تمام گذشتہ عمر پر نظر دوڑا لیتے ہیں۔ اسی طرح واعظ موصوف کو کل پادری پن کی زندگی آنکھوں سے گذر گئی۔ کبھی اپنے برجستہ الفاظ کا خیال کرتا تھا۔ کبھی سائینس اور مذہب۔ کبھی اعلیٰ نکتہ چینی کی لیاقت پر کبھی تاریخ کلیسا میں دسترس پر۔ کبھی علمِ نجوم کے مضامین پر کبھی بائبل کے خیالات پر نظر دوڑاتا تھا۔ ہاں وہ سوائے صلیب سب کچھ جانتا تھا لیکن افسوس کہ ان میں سے کوئی چیز اس مرنے والی روح کو جو نگاہِ حسرت سے اس نامعلوم ہمیشگی کو دیکھتی تھی باعثِ تسلّی نہ ہوئی۔

خاندان کی ایک نمک حلال خادمہ نزدیک آئی۔ اور بڑے انکسار کے ساتھ پادری صاحب سے کچھ بولنے کی اجازت چاہی۔ اجازت پاکر بوڑھی خادمہ جو کہ مریض کے بچپنے کی دایہ تھی معذالنو ہوگئی اور نہایت سادہ الفاظ میں نجات دہندہ کی بے بیان محبّت کا ذکر کیا۔ وقت تھوڑا تھا لیکن کافی تھا جبکہ مرنیوالے کی کشتیِ اُمید آسمانی رہنما کی زیرِ حفاظت موت اور غم کے سمندر سے پار ہوکر آسمانی سرزمین سے جا لگی۔

خلاصہ یہ کہ خدا کے فضل سے واعظ موصوف دُنیاوی دانائی کے نظاروں سے گذر کر صلیب تک پہنچ گیا۔ اور دُنیا کے اس اعلیٰ ترین معجزے کی عظمت کو دیکھتے ہی اپنی خودی اور تکبّر کو ہمیشہ کیواسطے سلام کیا۔

کیا یہ وہی صلیب نہ تھی جسکو وہ حقیر سمجھ کر رَد کر دیا کرتا تھا۔ یہ افضل ترین طاقت یعنی صلیب جسکی بلندی آسمانی بادلوں تک پہنچی تھی اور جس کے دونوں بازو مشرق و مغرب کی دوری میں غائب ہو جاتے ہیں۔ اور جسکی گہرائی گناہ اور غم کے سمندر کو چھید کر اسفل تک پہنچتی ہے۔ گناہ ہاں اُسکے گناہ جو کہ ابتک معلوم نہ کئے تھے یہاں پہنچکر اسکا نفع نقصان بن گیا۔ اتنا ہی کافی نہ ہوا کیونکہ توبہ کے فرشتہ نے اسکا ہاتھ پکڑا اور اسفل کی گہرائی کی طرف اسکی رہنمائی کی۔ یہاں تک کہ خدا کے سیلاب اسکے سر پر سے گذر گئے۔ اگرچہ وہ اتنی گہرائی تک پہنچ گیا تھا۔ تو بھی وہ صلیب کی جڑ تک نہ پہنچا۔ کیونکہ کوئی گناہ کی گہرائی ایسی نہیں جہاں یہ صلیب کی جڑ موجود نہ ہو۔ وہ اسی جستجو میں سرگرداں ہوکر مرتا۔ اگر وہ مردِ غمناک جس نے ہمیشہ اسکا ساتھ دیا تھا اس صلیب کو نہ دکھاتا۔ اب تو اس کا دل خوشی کے مارے دھڑکنے لگا۔ اور بے بہا مسرت سے پھولا نہ سماتا تھا۔ خداوند نے اُسے بتایا کہ کس طرح میں نے اپنے دونوں بازو دُنیا کے بغلگیر ہونے کے لئے پھیلائے ہوئے ہیں۔ اور میرے خادم جنہوں نے میرے کفّارہ کی بلندی اور پستی کی شمع دیکھی ہوئی ہے آفتاب کے طلوع سے غروب تک سب آدمیوں کو بلا رہے ہیں۔ آگے کو مستھیوز صلیب کا واعظ بن گیا۔ وہ اپنے خداوند کے ساتھ مصلوب ہوکر لوگوں کو بشارت دینے لگا۔ اور اب وہ پیشتر کی طرح اسکے پاس نہ آتے تھے۔ بلکہ گنہگاروں کے نجات دہندہ کے پاس۔ اگرچہ اسکی لیاقتیں اور بھی منجھ گئی تھیں تو بھی وہ ان پر نازاں نہ تھا۔ آگے کو اس کا وِرد یہ ہو گیا۔ "نہیں بلکہ مسیح"۔

پس دُنیا اس کی زندگی کے واسطے آگے سے بہتر ہوگئی اور زمین اسکی قبر کے واسطے زیادہ سرسبز رہی جب

تک کہ صلیب نے اسکو خدا کے تخت کے پاس نہ پہنچا دیا

اے صلیب جو کہ میرے سر کو اٹھاتی ہے۔

میں تجھ سے پرے نہیں ہٹنا چاہتا۔

میں زندگی کے جلال کو خاک میں مُردہ رکھ دیتا ہوں۔

اور زمین سے تیری سُرخ پنکھڑیوں کا منتظر ہوں۔

یعنی غیر فانی زندگی۔

عمر خیام

(از اے۔ڈی)

خیّام کہ خیمہ ہائے حکمت میدوخت — در کورۂ غم فتاد و ناگاہ بسوخت

مقراضِ اجل طناب عمرش ببرید — دلّال امل براہ گیاہش بفروخت

خیام جو کہ حکمت کے خیمے سیتا تھا۔ غم کی بھٹی میں گرا اور اچانک ہی جل گیا۔ موت کی قینچی نے اسکی عمر کی رسّی کاٹی اور امید کے دلّال نے اسکو گھاس کے بدلے بیچا۔

عمر خیام حکمت کے خیمے سیتا تھا اور اسکی روزی کی قیمتی خوبصورتی سلیمان کے پردوں کی زیبائش ہوئی ہوگی۔ لیکن فنا نے جو کہ آہستہ لیکن یقیناً ہر ایک دُنیاوی چیز پر واقع ہوتی ہے اس کے خوبصورت رنگوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس جہان کی دانائی اور اسکی خوشیاں پھول کی شان سی ہیں جو آج کھلتا ہے اور چند روزہ زندگی کے بعد مرجھا جائیگا۔ ایک پُرانے دانا نے خوب کہا ہے "بطلانوں کا بطلان سب بطلان ہے"۔

یہاں تک عمر خیام ہر عمر اور ہر مُلک کے دُنیادار کا نمونہ ہے جسکی نظر نہایت کوتاہ ہے۔ اور جس کی جستجو صرف حال کی خوشیوں میں ہے۔ اسکی زندگی ایک سفر نہیں کہی جا سکتی کیونکہ اسکو کہیں کا قصد نہیں ہے۔ وہ خیمہ ہمارا جسم ہے جو اس زندگی کے سفر کے لئے ہمکو عارضی طور پر بخشا گیا ہے۔ لیکن وہ اسکو اپنا گھر سمجھ کر پُر رونق اور مضبوط بنانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی سوزنِ عقل سے وہ اس پُر دنیاوی حکمت کو ایسے نازک رنگوں میں سیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں کوئی دھبہ یا شکن نہیں چھوڑتا تب وہ اپنے خیمہ کی خوبصورتی پر خود ہی نظر دوڑاتا ہے اور اپنی روح کو مخاطب کر کے کہتا ہے "اب تو اس میں آرام کر"۔ لیکن ایک رات اس کی روح اس سے طلب کی جاتی ہے اور وہ سفر جسکو اس نے کبھی نہ مانا تھا ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ انجام جو اسکو خواب و خیال میں بھی نہ تھا سر پر آ موجود ہوتا ہے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ مسیح کے بغیر زندگی کیا ہو سکتی ہے۔ اور موت کیا ہے جبکہ ننگی اور اکیلی روح سے سب

کچھ چھین لیا جائے۔ ایسے شخص کے لئے امید کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اسکی نظر اپنے ویران خیمہ میں سے تاریکی اور ناامیدی تک پہنچتی ہے۔

یہ الفاظ مقدس پولوس نامی ایک اَور خیمہ دوز کے ہیں۔ جو خداوند کی خاطر قید میں پڑا۔ یہ شخص اپنے ہمجنسوں سے دانائی میں سبقت لے گیا تو بھی وہ اس دانائی کو نقصان گنتا تھا اور خدا کی پوشیدہ حکمت کو پانے کی خاطر اس دانائی کو ترک کیا۔ وہ دکھ درد کو جلال کا باعث گنتا تھا اور زندگی کے اس خاکی خیمہ کی خستہ حالی پر یُوں نظر کرتا تھا کہ گویا آیندہ اس سے بہتر چیزیں پائیگا۔ جیسے کہ ایک شہزادے کو تھوڑی دیر کے لئے کیدار کے غلیظ اور دُھواں سے رنگے ہُوئے خیمہ میں رہنا پڑے۔ پھر جب وہ شاہی محل کی طرف مراجعت کریگا تو بغیر کسی رنج کے اس غلیظ خیمہ کو چھوڑ سکیگا۔ مقدس پولوس کے لئے اس گھر کے دروازے جو ہاتھوں سے نہیں بنایا گیا سراسر کُھلے تھے۔ پس وہ اپنے تباہ ہونے والے خیمہ کو دیکھ کر خوشی مناتا ہے۔ گویا تھوڑی دیر سرد چشموں کے کنارے خیمہ زن رہتا پھر تھوڑی دیر گرم ریت میں بعدہٗ وطن۔ مقدس پولوس خدا کے فرزند کا جلالی نمونہ ہے۔ زندگی اسکو باپ تک پہنچانے والا سفر ہے۔ اس جسمانی خیمہ کو وہ ایسے ہی استعمال کرتا ہے جیسے عارضی رہائش کی جگہ۔ وہ اسکو فنا ہوتے دیکھکر خوش ہوتا ہے۔ وہ اسکو چندروزہ رہائش کی جگہ خیال کرتا ہے۔ اور اس کی آنکھ اپنے وطن کی طرف جو اس کا منزلِ مقصود ہے لگی رہتی ہے۔ وہ اسکی زیبائش پر کچھ وقت خرچ نہیں کرتا کیونکہ پُر تکلف آراستہ کیا ہُوا خیمہ شاید کئی مسافروں کی توجہ کو یہاں تک اپنی طرف کھینچتا ہے کہ وہ اسکو اصلی مسکن خیال کرنے لگتے ہیں جب طوفان آتا ہے تو اسکو ذرا بھی غم نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سلامتی کا شروع ہے۔ اس لئے وہ اپنی روح کو کہتا ہے کہ "یہ تیری آرامگاہ نہیں ہے"۔ اور جبکہ نصف شب یا پو پھٹے آخری طوفان آتا ہے اور اس کے خیمہ کو گرا دیتا ہے۔ تب بھی اسکو کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسکا مالک آتا ہے۔ کہ ابدی مکانوں میں پہنچائے۔ یہی اسکا اصلی وطن ہے۔ یہاں سے پھر باہر جانے کی ضرورت نہیں۔



مِشن فیلڈ

وزلن ڈسٹرکٹ سنڈ ۔ یُوپی و پنجاب ڈسٹرکٹ تیسرا سالانہ سنڈ بمقام لکھنؤ بتاریخ یکم جنوری منعقد ہُوا۔ سالگذشتہ میں حد کے متعلق ۴ نئے گرجا تعمیر ہوئے۔ ۲ بمقام راولپنڈی۔ ایک فیروزپور۔ ایک بائیکلا بمبئی۔ نیز مقامات ذیل میں عمارات گرجا کی تعمیر زیر تجویز ہے۔ انبالہ۔ جھانسی۔ اور پونا۔ گوروں کیلئے مکان بمقام مو ہو اور فیروزپور اور انبالہ میں گوروں کے مکان کی مرمت و وسعت۔ چپلین ہفتے میں ٣٠٠٠-٣٠٠٠٠ میل کا دورہ کرتے ہیں۔

برہما ڈسٹرکٹ سنڈ بمقام منڈالے بتاریخ ۷ جنوری ۔ سال گذشتہ میں دیسی

کارندوں کا کام قابل تعریف ہے۔ پادری سی۔ اے۔ ڈیسلوا کا استعفا افسوس کے ساتھ منظور کیا گیا استعفا کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پادری ہونے کے باعث ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم نے انکو ہائی سکول میں کام کرنے کی اجازت نہ دی۔ ڈائرکٹر صاحب کو عرضداشت بھیجی گئی ہے۔

لکھنؤ ڈسٹرکٹ بتاریخ ۱۲ جنوری۔ کرسچن بوئز بورڈنگ سکول اور مشنری کے لئے نئے مکان تعمیر کئے گئے ہیں اور ہائی سکول کی نئی عمارت زیر تعمیر ہے۔ ۴۲ نابالغوں کا بپتسمہ ہوا۔ اور ۷۹ نئے ممبر شامل کئے گئے۔ ۴۲۸ پورے ممبر ہیں۔ اور ۱۰۷ زیر تجویز۔ کل مسیحیوں کی تعداد ۵۲۷ ہے۔

میسور میں عورتوں کا کام۔ وزلین مشن کے متعلق مسیحی خدمت کرنے والی عورتیں سال میں ایک بار صلاح مشورہ کیلئے فراہم ہوتی ہیں۔ آخری جلسہ میں (جنوری ۵ - ۷) مضامین ذیل پر غور کی گئی۔ (۱) ٹمپرنس۔ اس اصلاح کی دیسی مسیحیوں میں بہت ضرورت محسوس کی گئی۔ پنجاب میں کیا حال ہے؟ (۲) ریسکیو ہوم (جہاں افتادہ عورتوں کو پناہ دی جائے) اسکی عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ بنگلور میں مکان تعمیر کیا جائیگا۔ ۷۵۸ روپیہ چندہ جمع ہو چکا ہے۔ (۳) ستادوں کی بیویاں اور ہم کس طرح ان کی مدد کر سکتے ہیں تجویز ہوئی کہ جو ستاد دیہات وغیرہ میں اکیلے رہتے ہیں۔ ان کی بیویوں کے ساتھ بذریعہ خط و کتابت اور ملاقات تعارف قایم رکھا جائے۔ اور ہر صورت سے اُن کی مدد کی جائے۔ (۴) غریب۔ غریب لوگوں کو بخوبی سکھانا چاہئے کہ اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں۔ جو کام کر سکتے ہیں اُن کو کام کرنا لازم ہے۔ غریب عورتوں کو معمولی سلائی اور کشیدہ کاری کا کام سکھلانا چاہئے۔ بوڑھی اور کمزور عورتوں کے لئے ایک ہوم کی تعمیر زیر تجویز ہے۔ (۵) مسیحی علم ادب پر بھی بحث کی گئی۔ (۶) مسیحی بورڈنگ سکولوں میں بڑی لڑکیوں کے درمیان مسیحی کام کرنے کی مشکلات پر فکر کی گئی۔ یہ لڑکیاں عموماً اپنے آپ کو مسیحی خیال کرتی ہیں۔ لیکن مسیح کی وفادار خادم بننے کی نہ خواہش ہے نہ کوشش۔ لاہور اور امرتسر سکول والو اس امر پر تم بھی ذرا فکر کرو۔

تناولی مشن۔ تناولی ڈایوسیس کیلئے ایک علیحدہ بشپ کا تقرر ہونیوالا ہے۔ یہاں کے مسیحیوں نے ہر پہلو سے نمایاں ترقی کی ہے۔ بشپ کالڈول کے یہ الفاظ کسی جگہ کے دیسی مسیحیوں کی سیرت کا موازنہ کرنے میں قابل یاد ہیں۔ مسیحی ممالک یورپ میں اکثر اشخاص جو اپنے آپ کو مسیحی کہتے ہیں کبھی کسی عبادت کی جگہ میں نہیں جاتے دُعا میں بھولے سے بھی خدا کے حضور گھٹنے نہیں ٹیکتے۔ خدا کا کلام کھولتے تک نہیں۔ اور خدا کی ذات سے واقف نہیں سوائے اسکے کہ اسکا نام لیکر قسم کھائیں۔ ایسے لوگوں کا کوئی حق نہیں کہ مسیحی کہلائیں اور جب وہ اپنے آپکو مسیحی کہتے ہیں تو اس سے یہ مفہوم ہے کہ وہ محمدی یا بدھ نہیں ہیں۔ تناولی میں ایسے لوگوں کو کوئی مسیحی نہیں کہیگا۔ ایسوں کے نام فہرست شرکا سے کاٹ ڈالے جاتینگے اور مسیحی جماعت ایسے شخصوں کے باعث بدنام نہ ہوگی۔ جب ہم تناولی میں نام کے مسیحیوں کا ذکر کریں تو ہماری مراد ایسے شخصوں سے ہے جنکو مسیحی کہلانیکا کچھ حق حاصل ہے۔ ہمارے نام کے مسیحی گرجا میں آتے۔ اپنے بچوں کو مدرسے بھیجتے ہماری سوسائیٹیوں کو مالی مدد دیتے ہمارے احکام اور قوانین کو بڑے حلم سے مانتے۔ المختصر ہمارے اکثر نام کے مسیحی انگلستان میں اچھے مسیحی اور اچھے چرچ مین کہلاتے ہیں۔ ہم انکو نام کے مسیحی کہتے ہیں تو اس لئے کہ ہم ان میں دینداری کی قوت نمایاں طور پر اور مسیحیت کی اصلی روح کی نئی زندگی ظاہر نہیں دیکھتے۔ اور ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ دیسی مسیحی جماعت کے اس چھوٹے سے حصے سے انکو امتیاز کریں جو اپنی زندگی سے ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ مسیح کی روح سے تحریک پا رہے ہیں۔

وقت نئے عہدنامہ کے نئے ترجمہ کی تصحیح میں دے رہے ہیں پادری پی آئرلینڈ جونس کی واپسی تک۔ پادری ٹی آر ویڈ سکرٹری کا کام انجام دیں گے۔

منشی بھگوانداس (المعروف منشی بھان) اپنی وصیت کے رو سے قریب پانچہزار روپیہ کی جائیداد بیرنگ ہائی سکول بٹالہ کو دے گیا ہے۔ وصیت کی پروبیٹ پرنسپل مدرسہ مذکور کو مل گئی ہے۔

مسٹر آر میکانکی سابق ڈپٹی کمشنر پنجاب اِن دنوں چرچ مشنری سوسائیٹی کی طرف سے ہندوستان کا دورہ کر رہے اور سکولوں کا معائنہ کر رہے ہیں جنکی نسبت وہ سوسائیٹی کو رپورٹ کرینگے۔ اُنکے دورے کی تاریخیں یہ ہیں۔ امرتسر ۱۲-۱۳ مارچ۔ ترنتارن ۱۴ مارچ۔ بٹالہ ۱۵۔ نارووال ۱۶۔ اجنالہ ۱۷۔ امرتسر ۱۸۔ لاہور ۱۹ مارچ۔

عموماً۔ آدمی کا وزن ایک من تیس سیر ہوتا ہے۔ اور عورت کا ایک من بائیس سیر۔

صبح ۳ بجے سے ۸ بجے تک عموماً دن کے اَور گھنٹوں کی نسبت زیادہ بارش ہوتی ہے۔

امریکہ میں ایک انجمن قایم ہوئی ہے جسکے ممبر چوبیس گھنٹے میں ۴ گھنٹے سے زیادہ نہ سونیکا وعدہ کرتے اور اپنے دوستوں کو بھی یہی ترغیب دیتے ہیں۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ مجرد اشخاص کی نسبت شادی شدہ زیادہ جیتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو محنت و مشقت سے روزی کمانی پڑتی ہے وہ آرام طلبوں سے زیادہ عمر پاتے ہیں۔ قوی ہیکل پست قدوں کی نسبت۔ لیکن میانہ قد ان دونوں سے زیادہ عمر رکھتے ہیں۔

دُنیا میں ہر ۱۰۰ اخباروں میں سے ۶۸ زبان انگریزی میں شایع ہوتے ہیں۔

ایک تار برقی کی گھڑی ایجاد ہوئی ہے جس کو ہر پندرہ برس کے بعد چابی دیجائیگی۔

دُنیا کی ایک ہزار آبادی میں سے ۲۶۴ شاہ ایڈورڈ ہفتم کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں

چکاگو میں ایک ایسا آدمی فوت ہوا جس کا قد ۵ فٹ ۱۰ انچ تھا اور وزن ۸۰۴ پونڈ۔ چوڑا اتنا کہ وہاں کے ریلوے کے کمروں میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ جس گاڑی میں وہ سوار ہوتا اسکا دروازہ معمولی گاڑی کے دو دروازوں کے برابر ہوتا تھا۔

سیام میں عجیب رسم ہے کہ جب متبرک سفید ہاتھی مرجاتا ہے تو اسکا ماتم نہایت دھوم دھام سے کرتے ہیں۔ بدھ مذہب کا سب سے بڑا پادری۔ اور ہزاروں عورتیں اور مرد اسکے جنازے کے ساتھ جاتے ہیں اور ہزاروں روپیہ کی مالیت کے جواہرات بطور تحفہ اسکے ساتھ دفن کر دیتے ہیں

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ آنکھ کی بہت سی بیماریاں تنگ کالر پہننے والوں کو لاحق ہوتی ہیں۔ کیونکہ اسکے باعث سر کی طرف دَوران خون میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ افریقہ کے ریگستان میں ریت کی گہرائی ۳۰ فٹ سے ۸۰ فٹ تک ہوتی ہے

رسالہ مسیحی امرتسر

یہ رسالہ ہر ماہ کے آخری ہفتہ میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ اپنی طرز کا یہی ایک رسالہ ہندوستان بھر میں موجود ہے جو کسی مشن یا مشنری سے متعلق نہیں۔ اور غیر ممالک کے مسیحی رسالہ جات کے نمونہ پر اسکے حروف میں چھاپا جاتا ہے۔ اسمیں علاوہ گلدستۂ اخبار اور نوٹ اور رایوں کے دیسی کلیسیا کی روحانی اور سوشیل حالت کے متعلق مضامین درج کئے جاتے ہیں۔ اور انگریزی مستند مسیحی مصنفوں کی کتب اور مضامین کے ترجمے دیئے جاتے ہیں۔ جو مسیحی اصحاب اپنے قلم سے کلیسیا کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اُن کیلئے اسکے کالم کھلے ہیں۔ چونکہ اسمیں کلیسیا کے اندرونی حالات اور مشنری معاملات پر آزادانہ بحث کی جاتی ہے اسلئے اسکی اشاعت فقط مسیحیوں تک محدود ہے۔ کوئی مشن یا سوسائیٹی اسکو کسی قسم کی امداد نہیں دیتی۔ اس وجہ سے اسکا دارومدار بہت کچھ مسیحیوں کی خریداری پر منحصر ہے۔ اس کی ضخامت ۴۰ صفحہ ہے اور باوجود بڑی تقطیع کے اسکا چندہ فقط دو روپیہ سالانہ ہے۔ نمونہ کا پرچہ ... کے ٹکٹ روانہ کرنے سے مل سکتا ہے

درخواستیں بنام

ایم ایل رلیارام وکیل امرتسر

رسید زر

از ۲۰ جنوری لغایت یکم مارچ ۱۹۰۴ء

مسٹر کرم چند	تا دسمبر	۱۹۰۳ء	۵—۰—۰
مسٹر جوزف	″	″ ″	۲—۰—۰
پادری گرومن	″	۱۹۰۴ء	۲—۰—۰
پادری گارڈن	″	″	۲—۰—۰
مس سنگھ	″	۱۹۰۳ء	۲—۰—۰
پادری کیو کے نحمیاہ	″	۱۹۰۴ء	۲—۰—۰
بابو طوطو چند	″	۱۹۰۳ء	۱—۸—۰
بابو بلدیو	″	۱۹۰۴ء	۱—۸—۰
ڈاکٹر نذیر اللہ	″	″	۲—۰—۰
مس عبداللہ	″	″	۲—۰—۰
مسٹر ایڈمنڈ	″	۱۹۰۳ء	۲—۰—۰
مسٹر جوئیل حافظ طل	″	۱۹۰۴ء	۲—۰—۰
مسٹر جے کرنیلیس	″	۱۹۰۴ء	۲—۰—۰
مسٹر جی تامس	″	۱۹۰۳ء	۱—۰—۰
پادری عالیم الدین	″	۱۹۰۴ء	۲—۰—۰
پنڈت لبھداس	″	۱۹۰۴ء	۲—۰—۰
پادری صادق	″	″	۲—۰—۰
بسالی سینڈنگ رحم	″	۱۹۰۳ء	۲—۰—۰
پادری جے ڈبلیو سکاٹ	″	۱۹۰۴ء	۲—۰—۰
منشی حامد الدین	″	″	۲—۰—۰
پادری عبداللہ	″	۱۹۰۴ء	۱—۰—۰

ایل ۷۲ - (جملہ خط و کتابت مسٹر ایم ایل رلیا آئزام ایل ایل بی امرتسر کے نام ہونی چاہئے) - L72

مسیحی

جلد (۹) — امرتسر — نمبر (۳)

مارچ ۱۹۰۴ء

قیمت سالانہ پیشگی یا بذریعہ قیمت طلب پارسل
دو روپیہ معہ محصول ڈاک

فہرست مضامین

مطبوعہ دبیر ہند پریس امرتسر

نوٹ بک

میں ناظرین کو پھر یاد دلاتا ہوں کہ میسنجر کا چندہ پیشگی آنا چاہئے۔ ۳۱ مارچ تک جو مہلت دی گئی تھی اسکا اکثر خریداران نے لحاظ نہیں رکھا۔ اس پرچہ کی اشاعت کے بعد منیجر کو مجبوراً ایسے اصحاب کے نام کاٹنے پڑیں گے۔

صفحہ ۹۷-۱۰۰ پر ایک مضمون بعنوان "کیوں زیادہ تعلیم یافتہ نوجوان مسیحی خدمت اختیار نہیں کرتے" درج ہے۔ چند دوستوں نے آرزو ظاہر کی ہے کہ جملہ اصحاب کے جوابات بھی میں چھپ جائیں۔ "ینگ مین آف انڈیا کے جنوری کے پرچہ سے کوئی صاحب مہربانی سے ترجمہ کر کے بھیجیں۔

میں خوش ہوؤں گا اگر ہندوستانی پادری صاحبان اور لیمن آرچ بشپ آف یارک کی اپیل (صفحہ ۱۰۱) پر ہندوستانی کلیسیا کی موجودہ حالت اور ضروریات کے لحاظ سے اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔

مسٹر آر مکانکی صاحب بٹالہ۔ نارووال۔ اجنالہ۔ ترنتارن ایک ایک آدھ آدھ دن ٹھہرتے ہوئے امرتسر بھی تشریف لائے اور مشنری صاحبان کے ساتھ مشورت کی۔ کچھ دیر کیلئے مشن سکول بھی رونق افروز ہوئے ہندوستانیوں کو ان کے وسیع تجربے اور معلومات سے فیض اٹھانے کا موقعہ نہ ملا اور نہ آپکو ہندوستانی کلیسیا کی رائے سے آگاہی ہی ہوئی۔ راقم کو لنڈن میں سی ایم ایس کے ایڈیٹوریل سکرٹری سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ پنجاب کی کلیسیا کی حالت پر بہت کچھ گفتگو ہوئی۔ راقم نے استفسار کے جواب میں عام طور پر کلیسیائی معاملات کے تاریک پہلو پر انگلی رکھی اور ذاتی اور خاص باتوں کے جواب دینے سے انکار کیا اور اشارہ کیا کہ ایسی باتیں پادری گرے صاحب سے جو اسوقت لنڈن میں قیام پذیر تھے دریافت کی جائیں۔

مسٹر شاک نے کہا کہ ایسی باتیں اُڑتی اُڑتی ہمارے پاس پہنچتی رہتی ہیں لیکن جس حال کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی مسیحی ہماری مدد نہیں کرتے اور پوچھنے پر بھی ٹھیک پتہ نہیں دیتے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اسپر راقم نے بڑے ادب سے جواب دیا "صاحب کیا آپ ہمارا اعتبار کرتے ہیں" صاحب نے سکوت اختیار کیا اور کچھ جواب نہ دیا۔

مسٹر شاک نے پھر فرمایا کہ میں فاکس صاحب کو زور دے کہوں گا کہ وہ ہندوستان تشریف لیجا کر وہاں کے مشنوں کو بچشم خود دیکھیں اور ان باتوں کو دریافت کریں۔ میں نے پھر ادب سے جواب دیا کہ صاحب ایسا نہ کرنا۔ فاکس صاحب کا ہندوستان آنا رائیگان ٹھہریگا۔ آپ مشنریوں کے ہاں ٹھہرینگے۔ بڑے بڑے جلسے کئے جائینگے۔ عالیشان عمارات دکھائی جائینگی جلسوں میں مشنریوں کے پروردہ ان کی صفات کے گیت گائینگے۔

کلیسیا کے اصلی حالات سے فاکس صاحب بے بہرہ کے بے بہرہ رہیں گے۔ بلکہ شاید الٹا نقصان ہو اور آپ یہ خیال لیکر انگلستان واپس آئیں کہ ہند میں سی ایم ایس کی طرف سے بڑا کام ہو رہا ہے۔ اور راقم کی یہ رائے ابھی تک نہیں بدلی۔

پادری ایچ جی گرے صاحب بال بال بچ گئے۔ گاڑی الٹ گئی۔ کوچبان جان بحق ہوا۔ دوسرا نوکر سخت مجروح۔



پس جب تم مسیح کے ساتھ جلائے گئے تھے تو عالم بالا کی چیزوں کی تلاش میں رہو جہاں مسیح موجود ہے اور خدا کی دہنی طرف بیٹھا ہے۔ عالم بالا کی چیزوں کے خیال میں رہو نہ زمین پر کی چیزوں کے۔ کیونکہ تم مر گئے اور تمہاری زندگی مسیح کے ساتھ خدا میں چھپی ہوئی ہے۔ جب مسیح جو ہماری زندگی ہے ظاہر کیا جائیگا تو تم بھی اس کے ساتھ جلال میں ظاہر کئے جاؤ گے۔
کلسیوں ۳: ۱-۴۔

اے قادرِ مطلق خدا تُو نے اپنے اکلوتے بیٹے یسُوع مسیح کے وسیلے سے موت کو مغلوب کر کے ہمارے لئے ابدی زندگی کا دروازہ کھول دیا ہے ہم عاجزی سے تیری منّت کرتے ہیں کہ جس طرح تُو پہلے سے خاص فضل کر کے ہمارے دلوں میں نیک ارادے ڈالتا ہے اِسی طرح ہر وقت ہماری مدد کر کہ ہم انہیں نیک انجام کو پہنچا سکیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے جو تیرے اور رُوح القدس کے ساتھ ہمیشہ واحد خدُا ابدالآباد جیتا اور سلطنت کرتا رہیگا۔ آمین!

نوٹ اور ہدایئں

دعا اور اسکا جواب۔ کسی نے ڈاکٹر واسٹ صاحب سے سوال کیا۔ "ایمان کے ساتھ دعا کرنے سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ مراد ہے کہ ہم جو کچھ مانگتے ہیں اعتقاد رکھیں کہ ہمیں ملیگا؟" صاحب موصوف نے اسکے جواب میں فرمایا کہ "ہاں اگر ہم جو کچھ مانگیں وہ خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔ مثلاً حکمت کو لیجئے۔ یعقوب کے خط کے پہلے باب میں حکمت کی نسبت خاص وعدہ ہے۔ اور پھر اس میں اس حکمت کی تعریف کی گئی ہے۔ اس لئے میں اس حکمت کیلئے دعا مانگ سکتا ہوں جسکا ذکر اس آیت میں ہے۔ کیونکہ مجھے خدا کے کلام سے یقین ہے کہ اگر میں حکمت مانگوں تو وہ مجھے دیگا۔ جہاں خدا نے اپنی مرضی ظاہر نہیں کی ایمان کے ساتھ دعا یہ ہے کہ مانگنے والا یقین کرے کہ خدا موجود ہے اور اپنے طالبوں کو بدلا دیتا ہے کہ وہ اپنے وعدوں میں صادق القول ہے۔ اور فی الحقیقت اپنے فرزند کی آواز سنتا ہے۔ کوئی شخص ایمان کے ساتھ خدا کے حضور حاضر ہو کر کسی امر کی نسبت مشورہ کر سکتا ہے۔ شاید مجھے یقین نہیں کہ جو بات میں مانگتا ہوں وہ خدا کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس لئے میں اس بات کیلئے ایمان کے ساتھ دعا نہیں مانگ سکتا۔ مگر اس کی بابت ایمان کے ساتھ دعا مانگ سکتا ہوں۔ بچہ اپنے باپ کے پاس اکثر صلاح مشورہ کیلئے جاتا ہے۔ ویسے ہی ہم بھی اپنے باپ خدا کے پاس جا سکتے ہیں۔ یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ جو کچھ ہم اس ایمان سے مانگتے ہیں کہ ہمیں مل گیا ہے وہ ہمیں ضرور مل جائیگا۔ ضرور ہے کہ ہمارے ایمان کی کچھ بنا ہو۔ مسیحی کے ایمان کی بنا خدا کا کلام ہے۔"

جناب بشپ صاحب لاہور کا چوپانی خط۔ یہ خط ہر سال ایام لنٹ کے موقعہ پر بشپ صاحب کی طرف سے استفی علاقہ کے جملہ خادمان دین کے نام بھیجا جاتا ہے۔ اسمیں دینداری اور دھیان گیان کیلئے خاص ہدایات کے علاوہ کلیسیا کے بعض ضروری امور کی نسبت فیصلہ جات علاقہ کے سال بھر کی مسیحی خدمت کا خلاصہ اور دیگر ضروری فہرستیں بھی درج کی جاتی ہیں۔ سال [illegible] کلیسیا کی ترقی پر بالکل شائع ہو سکتا ہے سو یہ ہے کہ جناب بشپ

صاحب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر کسی نومرید کی بیوی اسکے مسیحی ہونے کی وجہ سے اسکو چھوڑ دے اور وہ شخص اسکے جیتے جی دوسری شادی کر لے خواہ وہ کسی مسیحی بیوی شادی کرے یا نہ کرے تو ایسا نومرید خادم الدین کے عہدہ پر مامور ہو سکتا ہے۔ یہ فیصلہ ہندوستان کے دیگر بشپ صاحبان کے صلاح مشورہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ البتہ اس صورت میں ہر ایک ایسے خادم الدین کے تقرر سے پیشتر یہ امر دریافت طلب ہوگا کہ اسکی پرانی بیوی کہاں تک اسکے ساتھ رہنے پر راضی تھی۔ اس خط کے آخر میں جو دلچسپ ضمیمہ جات ایزاد کیے گئے ہیں ان سے پنجاب کے اسقفی علاقہ کے مختلف حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ ضمیمہ (ب) میں فہرست دیکن مستورات اور لیسنسدار مردوں کی شائع ہوئی ہے۔ اسمیں ایک خاص بات قابل لحاظ ہے کہ یوروپین کے ایڈیٹروں کے ساتھ تو کوئی نہ کوئی لفظ لقب۔ القاب کا لگایا گیا ہے مگر بیچارے ہندوستانیوں میں ایک شخص بھی اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ اسکو کسی قسم کی عزت دی جائے۔ اوّل تو یہ خیال گذرا کہ یوروپین صاحبان کے ساتھ انگریزی نام کی وجہ سے یہ رعایت روا رکھی گئی۔ مگر ہندوستانی بھائیوں میں سے سی متعدد ایسے برتھولیمیو اور ایڈورڈ ناموں کے ساتھ لفظ اسکوائر تو درکنار مسٹر بھی ندارد ہے۔ خیر یہ کوئی بڑا بھاری معاملہ نہیں۔ اور باوجود اسکے اس چھپائی خط کی دلچسپی میں فرق نہیں آتا۔

مسٹر آرمکانکی کا دورہ۔ صاحب موصوف موسم سرما کا زیادہ حصہ جنوبی ہند کے مشنوں میں صرف کرکے کچھ عرصہ کیلئے پنجاب میں تشریف لائے۔ اور ایسی جلدی اٹھ گئے کہ بہت تھوڑے ہی دوستوں کو ان سے اچھی طرح ملاقات کرنا نصیب ہوا۔ بلکہ ہمارے بڑے بڑے مشن سٹیشنوں میں سے آپ یوں گذر گئے جیسے چھوٹے اسٹیشنوں پر سے میل ٹرین جایا کرتی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ اس قلیل عرصہ میں سوائے مشن کی عمارات کے آپنے کیا ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ شاید پنجاب سے آپ اسقدر واقف ہیں کہ یہاں زیادہ وقت صرف کرنیکی ضرورت ہی نہ تھی بعض لوگوں کا خیال تھا بلکہ یہ ایک عام افواہ ہے کہ صاحب موصوف پرکنس صاحب کی طرح پادری ہوکر ہندوستان کے کسی خاص مقام پر مقیم ہونگے اور ہندوستانی کلیسیا کو فیض پہنچانے کے علاوہ اپنے وسیع تجربہ سے مشنری سوسائٹی کے ایک چیدہ صلاحکار اس ملک میں ہونگے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپکے خیال میں خدا کی مرضی یہی ہے کہ آپ انگلستان کی ہوم سوسائٹی میں شریک ہوکر اس ملک کو فائدہ پہنچائیں۔ حال ہی میں آپنے بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب مرحوم کی ایک تصنیف کی جو خصوصاً پنجاب اور سندھ کے مشن کی گویا ابتدائی تواریخ ہے نظرثانی کرنے سے ثابت کر دکھایا ہے کہ آپکو اس ملک کے مشن کے ساتھ کسقدر دلچسپی اور ہمدردی ہے۔

اب آپ سرحدی مشنوں میں سے گشت کر کے کراچی کے راستے جلد انگلستان کو مراجعت فرمانے کو ہیں ہماری دعا ہے کہ خدا آپکو بخیریت اپنے ملک میں پہنچائے اور آپ جہاں رہیں اس ملک کی کلیسیا کے لئے برکت کا باعث ثابت ہوں۔

کیوں زیادہ تعلیمیافتہ نوجوان مسیحی خدمت اختیار نہیں کرتے؟

سال گذشتہ کے آخری حصہ میں ینگ مینس کرسچن ایسوسی ایشن کلکتہ کے ماہواری رسالہ "ینگ مین آف انڈیا" کے ایڈیٹر نے مندرجہ ذیل پانچ سوالات مختلف علاقوں کے ہندوستانی مسیحیوں کی طرف بغرض جواب بھیجے۔

(۱) کیا اسوقت مسیحی خدمت کیلئے زیادہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی اشد ضرورت ہے یا نہیں؟

(۲) وہ تین خاص بواعث کیا ہیں جنکی وجہ سے زیادہ ہندوستانی مسیحی طلبا، ڈایرکٹ ایلا تو سط یا براہِ راست مسیحی خدمات میں حصہ نہیں لیتے؟

(۳) کونسے پانچ دنیوی پیشے ہیں جنکی طرف علی الترتیب نوجوانوں کی کشش ہے۔ اور کن وجوہات سے مسیحی نوجوان اُن کو مسیحی خدمت پر ترجیح دیتے ہیں؟

(۴) ہندوستان کی ضرورت اور ہندوستان میں انجیل پھیلانیکے لئے ہندوستانی مسیحی نوجوانوں کی نسبت تمہارا یقینی خیال کیا ہے؟

(۵) زیادہ مسیحی طلبا کو براہِ راست مسیحی خدمت میں داخل کرنیکے لئے کونسی تجاویز عمل میں لانا اور وسایل اختیار کرنا چاہئے؟

سوائے بتیرہ اشخاص کے باقی سب اصحاب نے اِن سوالات کا جواب نہ دیا۔ ہمارے مدعا کیلئے اُن جوابات کا خلاصہ ہی کافی ہے۔ جن سے کم ازکم یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشن اور مشنریوں کی نسبت مسیحی کی تحاریر محض بے تکے الزام ہی نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ جو کچھ پنجاب میں ہمارا تجربہ ہے وہی ہندوستان کے دیگر علاقہ جات کے مسیحیوں کا بھی ہے۔

اوّل سوال کے جواب میں سب اصحاب متفق الرائے ہیں کہ فی الحقیقت ہندوستان میں انجیلی خدمت

کیلئے تعلیم یافتہ جوانوں کی سخت ضرورت ہے۔ مسٹر کالی چرن بنرجی نے اس ضرورت کے دو خاص دلائیل بھی پیش کئے ہیں یعنی ایک تو بہت تھوڑے تعلیم یافتہ مسیحی جوان ہیں جو دیگر مذاہب کے یالا مذہب طلبا کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے رفقا کو مسیحی تاثیر سے بآسانی متاثر کرسکتے ہیں اور دوسرا پُرانے تعلیم یافتہ مسیحی کارندے جلد گذرتے جارہے ہیں اور ہمارے تعلیم یافتہ جوانوں میں بزرگوں کی خالی جگہ پُر کرنے کی تیاری کے آثار بظاہر نظر نہیں آتے۔ جو کچھ مسٹر بنرجی اپنے وسیع تجربے سے فرمارہے ہیں ہم نہایت افسوس اور غم کے ساتھ اپنے علاقہ میں دیکھ رہے ہیں۔ دُور کیوں جائیں ہم اپنی چرچ کونسل ہی کو دیکھ لیں۔ جو بزرگ بیس سال پیشتر اس کونسل کی مجالس کی زینت ہوا کرتے تھے وہ ہمارے درمیان سے جاتے رہے ہیں اور ہمارے نوخیز جوانوں کا رُخ کسی اَور طرف کو ہے ہمیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دینی خدمت کا شوق اور دینی مجالس میں دلچسپی اگر کسی کو تھی تو وہ پُرانے نومریدوں کو تھی۔ اُن کی اَولاد میں اب شاذونادر ہی ایسا کوئی جوان ہوگا جس نے تعلیم پاکر کسی قسم کی مسیحی خدمت اپنے ذمہ لی ہو۔ احمد نگر کے پروفیسر تیلک صاحب نے بھی چند لاجواب دلائل اس ضرورت کی نسبت اپنے جواب میں قلمبند کی ہیں۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں کہ ہندو مذہب گوناگوں دینی خیالات اور اعتقادات کا مجموعہ ہے اور اب تک ملک کے اصلی اور زندہ باشندے مسیحی ہوئے ہیں۔ مگر جب تک کہ تمام فرقے اور ذاتیں مسیحی کلیسیا میں شامل نہ ہوجائیں ہم اسکو ہندوستانی کلیسیا نہیں کہہ سکتے۔ اسلئے ضرور ہے کہ صاحب فہم و فراست اور اعلیٰ درجہ کے تربیّت یافتہ مسیحی اُن قدیم عقاید اور عادات کے لق ودق جنگل میں سے راستہ نکالیں۔ غرض اسوقت ہندوستان کو پولُس جیسے مسیحی عالموں کی ضرورت ہے۔ پھر ہندوستان کی مسیحی کلیسیا کی روز افزوں ترقی میں ایسے ہادیوں کی ضرورت ہے جو اسی مُلک کے باشندے ہوں۔ ہمیں بیس صدیوں کے مسیحی تجربوں کا حصہ ورثہ میں نصیب ہُوا ہے۔ اور کئی قسم کے مغربی او مشرقی اقوام کے اعلیٰ خواص اور دیگر فوائد حاصل ہیں۔ ان تجربات اور فوائد کو کام میں لانیکے لئے ہمیں تعلیم یافتہ اشخاص کی ضرورت ہے۔ اور آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں مسیحی کلیسیا کی موجودگی ہی ہندوستانیوں کو اس کلیسیا کے زیر سایہ کھینچ لانے کیلئے کافی ہے مگر اب تک اس کی ہستی ظاہر نہیں ہوئی کیونکہ وہ اُبتک پردیسی مشنریوں کے سایہ عاطفت میں پرورش پارہی ہے۔ اور اگر ہمارے تعلیم یافتہ جوان دُنیوی پیشوں میں زندگی اور طاقت خرچ کرتے جائیں گے تو پُشت در پُشت بعینہٖ یہی حال رہیگا۔ خدا نے ہمکو چھاپے خانے

عطا کئے ہیں اور لاکھوں رسالے اور صحائف بائیبل چھاپے اور تقسیم کئے جاتے ہیں۔ مگر ہم اپنے ملک کی زبانوں کی کیسی ستیاناس کرتے ہیں۔ ہندوستانی زبانوں میں مسیحی علم ادب کی کتابیں قابل اعتراض محاورات اور غلط عبارت کیلئے بدنام ہو رہی ہیں۔ عوام ان کو پسند نہیں کرتے لیکن ہم زبردستی اُن کے حلق سے نیچے اتارتے ہیں۔ جس کتاب کو لوگ انگریزی میں بڑے شوق سے پڑھیں گے ہندوستانی زبان میں اُسی سے نفرت کرینگے۔ اور اسکی کیا وجہ ہے۔ یہی کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان نصاب کتاب لکھنے اور دفتروں میں رپورٹیں لکھنے میں قلم سرگرم کرتے ہیں اور عمدہ مسیحی علم ادب مہیا کرنے کی طرف نہ اُن کی رغبت ہے اور نہ اپنا وقت اس میں خرچ کر سکتے ہیں۔

دوسرے سوال کے جوابات بھی نہایت دلچسپ ہیں۔ جنکو اگر بغور پڑھا جائے تو خصوصاً تین امور ان میں سے اخذ کر سکتے ہیں۔ یعنی اوّل مسیحی کلیسیا میں روحانیت کی کمی۔ اس کمی کو مختلف الفاظ سے ادا کیا ہے۔ مثلاً "روحوں کے لئے محبت کی کمی" "ذمہ داری کو محسوس نہ کرنا" وغیرہ وغیرہ۔ اگر واقعی سارے ملک میں اس کمی پر زور دیا جا رہا ہے تو فقط یہی ایک وجہ زیادہ تر مسیحی تعلیمیافتہ نوجوانوں کو مسیحی خدمت میں حصہ لینے سے روکنے کیلئے کافی ہے۔ اور ضرور ہے کہ دعا اور محنت کے ذریعے اس کا انتظام کیا جائے۔ دوم مشنریوں کے سلوک کے نقص۔ سب نامہ نگاروں نے اِن کا مفصل ذکر کیا ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ مشنری افسر بن بیٹھتا ہے اور اپنے برتاؤ میں ظاہر کرتا ہے کہ میں اُستاد اور حاکم اور مربی ہوں۔ وہ اپنے ہندوستانی ہمخدمتوں پر کافی اعتماد نہیں رکھتا اور انکو بجائے ہمخدمت کے ماتحت سمجھتا ہے۔ اور اُن سے محبت نہیں رکھتا۔ رسالہ مذکور کا ایڈیٹر طوعاً و کرہاً اس کو تسلیم کرتا ہے اور اس میں مشنریوں کو کسی قدر معذور سمجھتا ہے مگر اُن کو نیک سلوک کے لئے دُعا کی طرف تحریک کرتا ہے۔ سوم۔ انتظام کے قصور۔ اس میں بھی سب جواب لکھنے والے متفق ہیں کہ ہندوستانی کارندوں کے لحاظ سے ہندوستان کے مشنوں کا انتظام اصلاح طلب ہے۔ خصوصاً چار باتوں کی شکایت کی گئی ہے (۱) معاملات پر غور و فکر کرنے کی مجالس میں یوروپین اور امریکن مشنری کے ساتھ ہندوستانی کارندے کو کوئی نہیں پرسد کہ بھیا کون ہو؟ (۲) بلحاظ خدمت کے ہندوستانی کارندہ کبھی آزادی کے درجہ پر پہنچنے کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ (۳) ہندوستانی کارندے جانتے ہیں کہ مشن میں ہماری نوکری کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ مشنری چاہے تو ہمکو فوراً موقوف کر سکتا ہے۔

(۴) تنخواہ غیر مکتفی ہے اور پنشن کا کوئی حق حاصل نہیں۔ تعجب ہے کہ ہندوستان کے تمام علاقوں سے مختلف مدارج اور خیالات کے لوگ اِن شکایات میں ہمزبان ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک صُوبہ کے مسیحیوں نے مشنریوں کے خلاف ایکا کر لیا ہو مگر یہاں تو سارے مُلک کی ہوا بگڑی ہُوئی معلوم ہوتی ہے۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کی شکایات محض کور باطنی اور ناشکر گذاری کا نتیجہ ہیں۔ ینگ مین اوف انڈیا کے ایڈیٹر نے بھی اوّل تین شکایات کو راست مان لیا ہے اور بڑے وسیع خیالات کے ساتھ اِن کے رفع کرنے کی تجاویز پیش کی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہدیا ہے کہ جو ہندوستانی مسیحی مشنری کے برابر درجہ طلب کرتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ روپیہ جمع کرنے وغیرہ خدمات کے ذمہ وار بھی ہوں۔ تنخواہ وغیرہ کی نسبت ایسی مشکلات سدّ راہ ہیں کہ اسکا درست کوئی پختہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر بہر صورت یہ نامعقول معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں کی تنخواہ بلحاظ اُن کی ضروریات اور طرزِ معاشرت کے غیر ممالک کے مشنریوں کے برابر ہو

تیسرے سوال کے جواب میں مختلف پانچ پیشوں کے نام پیش کئے گئے ہیں جنکو ہمارے مسیحی جوان اختیار کرتے ہیں اور اُن کے پسند کرنے کے وجوہات بھی بتائے گئے ہیں۔ اِن کے مفصّل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

چوتھے سوال کے جواب میں سب مجیب متفق ہیں کہ ہندوستانی مسیحیوں کا عین فرض ہے کہ اپنے مُلک میں انجیل کو پھیلائیں۔ اِس سوال کے جواب میں پروفیسر تیلک نے ایسے فلسفانہ طور پر بحث کی ہے کہ ہم اُنکے چند خیالات کو پیش کئے بغیر آخری سلسلۂ جوابات کو شروع نہیں کر سکتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب وقت پُورا ہُوا تو خدا نے پروٹسٹنٹ مشنریوں کو ہندوستان میں بھیجدیا۔ اُنہوں نے بڑی بھاری بنیاد قایم کی۔ باقی کام ہمیں کرنا ہے۔ ہندوستان عقاید اور خیالات کے پیچھے نہیں بلکہ آدمیوں کے نقش قدم پر چلنے والا ہے۔ ہاں ایسے آدمی جو پولوس کی طرح کہہ سکیں کہ "تم میرے پیرو ہو جیسا میں مسیح کا ہُوں" ہندوستان کو یہودی قوم کی طرح کسی نجات دہندہ کا انتظار ہے۔ اور اِسی ٹوہ میں اس نے کامل انسانوں کا پیچھا کر کے اپنا سب کچھ برباد کر لیا۔ اب اگر اس کو مسیح مِل جائے تو کیا اس کی پیروی نہ کریگا؟ مگر اپنے پیچ در پیچ مسائل اور توہمات کے باعث اسکی بصارت ۔۔ ایسی کمزور ہوگئی ہے کہ وہ

مسیح کو اُسکے کلام میں دیکھ نہیں سکتے ۔ اسلئے وہ ایسے اشخاص دیکھنے کا آرزومند ہے جو مسیح کی شخصیت کو اپنی زندگی میں ظاہر کریں ۔ پھر ہندوستان کو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو حکمت سے بھرے ہوں ۔ مسیحی مذہب کا زور دل پر ہے مگر ہندو دھرم کا دارومدار دماغ پر ہے اسلئے اِس دھرم والوں کے لئے تعلیم یافتہ لوگوں کی ضرورت ہے ۔ پھر یہ اکثر مسیحیوں کا خیال ہے کہ ہمارا فائدہ اِسی میں ہے کہ ہمارے جوان سرکاری محکمہ جات میں بکثرت داخل ہوں ۔ مگر ہندوستانی کلیسیا کی بہبودی دو باتوں پر منحصر ہے یعنی اپنے گذارہ اور خیالات اور افعال میں آزادی حاصل کرنا اور باقی ہندوستانی جماعتوں کو مسیح کے ذریعہ اور مسیح میں اپنا بنا لینا ۔ اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو ہندوستانی کلیسیا کا انجام بخیر نہیں ہوگا ۔

پانچویں سوال کا جواب بہت کچھ باقی جوابات میں آچکا ہے مگر بعض تجاویز ایسی پیش کی گئی ہیں جن سے مسیحی جوانوں کو روحانی خدمت کرنے کی تحریک ہوسکتی ہے ۔ مثلاً اُن کے لئے دُعا مانگنا ۔ اُن کو پیار کرنا ۔ اُن کو بذریعہ تحریرات کے اُبھارنا تاکہ وہ مسیحی خدمت کو اختیار کریں ۔ بعض نے کہا ہے کہ اُن کے لئے خاص سٹوڈنٹس کیمپ اور کانفرنسیں اور وعظ وغیرہ ہُوا کریں ۔ علیٰ ہذا القیاس مختلف وسایل اِسی قسم کے پیش کئے گئے ہیں ۔ مگر یہ سب کم و بیش استعمال کئے جاتے ہیں بلکہ اُن کو اَور زیادہ کام میں لانا دشوار ہے ۔ خدا سے دُعا کرنا چاہئیے کہ وہ اِس امر میں ہماری ہدایت کرے کہ کونسی تجاویز مناسب ہیں جنکو عمل میں لانا چاہئیے ۔ ایک راقم نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ایسے مسیحی کالج قایم ہونا ضرور ہیں جہاں لایق طلبا کو علم الہیات کی تعلیم دی جائے ۔ پھر آزاد کارندوں کو زیادہ شوق دلانے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے ۔ اور یہ ضرور ہے کہ لئے مَیں خود بخود مسیحی خدمت اپنے ذمہ لیں مگر آخری کام کا دارومدار خاص مقرر شدہ اشخاص پر ہوگا ۔ ضرور ہے کہ ہمارے مسیحی جوان اس مضمون کو دُعا کے ساتھ ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں تاکہ اِس مُلک میں مسیح کا راج جلد آئے ۔

حیاتِ داؤد

اکیسواں باب

یروشلیم شہرِ مقدس

۲ سموئیل ۵ باب

یروشلم ہے شہر پاک۔ عزیز ہے تو ۔ [illegible] تیرے دروازے [illegible] ہیں ۔

دیواریں ہیں بلند۔ سڑکیں خالص سونے کی اور شہر دل پسند ۔

اس نئے بادشاہ کا پہلا کام اپنی سلطنت کا ایک موزوں دار الخلافہ انتخاب کرنا تھا اور اسکا یروشلیم کو انتخاب کرنا مصلحت اور تدابیر ملکی سے خالی نہ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ یہ روح اللہ کی ہدایت کا صریح نتیجہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جسکی نسبت یہوواہ نے حزقی ایل کی معرفت فرمایا کہ :۔ "پھر میں تیری طرف گذرا کیا اور تجھ پر نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ تیرا وہ وقت تھا کہ جس میں عشق پیدا ہوتے۔ اور میں نے تجھ سے قسم کھا کے عہد باندھا اور تو میری ہوگئی" (حز ۱۶: ۸)

یہ لازم تھا کہ دار الخلافہ ایسی جگہ واقع ہو کہ ملک کی تمام اطراف سے لوگ وہاں بآسانی پہنچ سکیں اور قومی زندگی کا دل اور دماغ ٹھہرنے کے وہ لایق ہو۔ وہ پورے طور سے قابل حفاظت بھی ہو تاکہ سلطنت کے مقدس خزائن سلامت رہیں۔ اس کی مضبوطی اور محکمی کے ساتھ منظر کی خوبصورتی بھی ہو تاکہ ساری قوم اس پر نازاں اور فاخر ہو کر اس پر اپنی جان دینے کو تیار رہے۔ مقدس یادداشتوں سے وہ تقدیس بھی پائے ہو تاکہ لوگوں کی مقدس زندگی کا بھی مرکز ٹھہرے۔ یہ سب باتیں عجیب طور سے یروشلیم میں پائی جاتی تھیں اور داؤد کے الٰہی ہدایت یافتہ فیصلہ نے اسی کو پسند کیا۔ اس کی یہ پسند ساؤل کی پسند سے بالکل متضاد تھی جسنے اپنے شہر جبعہ کو جو ایک گمنام سی جگہ تھی اور ایک ایسے ہولناک جرم کی منظر ٹھہر چکی تھی کہ جسکی ناگوار یاد مٹانے سے بھی مٹتی نہ تھی اپنا دار الخلافہ بنایا۔ حبرون کو دار السلطنت بنانے سے باقی اسرائیل کے رشک کا شعلہ افروختہ ہوتا اور اسکا اپنا مولد بیت اللحم بھی عزیز عام نہ ہوتا۔ یروشلیم اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ کوئی اور شہر اسکے مقابلہ کی تاب لا نہ سکتا تھا۔ سرحد پر یہوداہ اور بنیمین کے درمیان۔ تین طرف اسکی وادیاں اور شمال کی طرف وہ بخوبی مستحکم اور محکم تھا۔

اوّل ۔ اس کی قدیمی تواریخ ۔ یہودیوں کے نزدیک یروشلیم سا ساری دنیا میں کوئی اور شہر نہ تھا۔ یہ ان کے خدا کا شہر کوہِ مقدس پر واقع تھا۔ "اپنی بلندی میں دلکش۔ ساری دنیا کی راحت ۔۔ بیٹن کی

بلند پہاڑیاں گویا یبوسیوں کی چھوٹی پہاڑی سے رشک کھاتی ہیں کیونکہ خدا نے اسکو اپنی سکونت کے لئے پسند فرمایا تھا۔ اسکے چوگرد کے پہاڑ گویا اس امر کا اظہار تھے کہ یہوواہ کی حضوری اسکو چاروں طرف سے احاطہ کئے ہے۔ جلا وطن بھی اپنی غربت میں دعا کیلئے اپنے گھٹنے ٹیکتے وقت یروشلیم کی طرف کی کھڑکی کھول دیتا تھا اور چاہتا تھا کہ اسکا دہنا ہاتھ اپنی ہنروری بھول جائے تو بھول جائے بہ نسبت اسکے کہ اس کا دل یروشلیم کو اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ خوشی پر ترجیح نہ دے۔ عیدوں کے موقعہ پر سالانہ تیرتھ میں مقدم خیال یہ ہوتا تھا کہ جاتری کے پاؤں اسکے دروازوں کے اندر ٹھہریں۔ اور اسکی دیواروں اور محلوں سے دور فاصلہ پر دیندار دل دعا کیا کرتے تھے کہ ان برادران اور رفیقوں کی خاطر جنکو اسکی چار دیواری کے اندر رہنا نصیب تھا ان کو شادمانی اور اقبال ملے۔ اس تباہی کے خیال ہی سے جو یروشلیم پر آنے والی تھی ہر ایک شریف انسانی دل آہ آہ آنسو روتا تھا۔ یسوع نے جب شہر پر نظر کی تو رو کر کہا: "اے یروشلیم۔ یروشلیم کتنی ہی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں کے نیچے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا" (لوقا ۱۳: ۳۴)

لیکن ہمیشہ یونہی نہ تھا۔ اس شہر کی پیدائش ملک کنعان کی تھی۔ اسکا باپ ایک اموری تھا اور اسکی ماں حتّی۔ جس روز وہ پیدا ہوئی باہر کھلے میدان میں لاوارث بچہ کی طرح اپنے خون میں آلودہ پھینکی گئی تھوڑی مدت تک کاہن بادشاہ ملک صدق اس پر مسلط رہا۔ اسکی زندگی میں یروشلیم کے آیندہ جلال کی پیش خبری ہو گئی ہوگی۔ اسکے ماتھوں سے جو باریک دھواں ستون کی طرح اٹھتا تھا وہ ہیکل میں عبادت کا اظہار کرتا تھا اور اسکی کہانت یہ بتلاتی تھی کہ کاہنوں کا ایک نیا سلسلہ اسکا جانشین ہوگا۔ اس کے پیچھے مدت تک اس پر تاریکی چھائی رہی اور باقی ملک کے اسرائیل کے قبضہ میں آنے کے برسوں بعد بھی یروشلیم یبوسیوں کے قبضہ میں رہا۔ یشوع نے اس سرزمین پر پہلی بار قبضہ کرتے وقت برائے نام اس شہر کو فتح کیا اور اسکے بادشاہ کو مار ڈالا لیکن اسکا عہد حکومت بہت تھوڑا تھا اور پھر پہلی سلطنت کے قبضہ میں آگیا۔

دوئم۔ تسخیر۔ سارے اسرائیل کو ساتھ لیکر داؤد یروشلیم پر چڑھ آیا۔ سات سال کے بعد پہلی دفعہ اسنے خدا کے لشکر کی پیشوائی کی۔ الٰہی بخشش کیلئے جب اسکو انتظار کرنا پڑتا تو وہ نہایت چپ چاپ رہتا۔ لیکن جب وہ الٰہی فرمان کی پہچان پا لیتا تو نہایت مستعد اور باہمت ہو جاتا تھا۔ یبوسی اپنے حملہ آوروں کو ہنسی میں اڑاتے تھے۔ اس قلعہ پر وہ مدتوں سے قابض تھے اور اسکی محکم دیواروں پر ایسے نازاں کہ اپنے اظہار حقارت میں دیوار کے ساتھ لنگڑوں کو کھڑا کر دیا کہ داؤد کے مقابلہ کو یہی کافی ہیں۔ مورخ یوسفس کے بیان سے معلوم ہے کہ داؤد کے اس اعلان سے کہ جو شہر کو فتح کرے وہ میرے لشکر کا سپہ سالار ہوگا یوآب ہمت پاکر ایک زمین دوز راہ سے جو چونیدار پتھر میں سے نکالی گئی تھی قلعہ کے عین بیچوں بیچ جا داخل ہوا اور

سارے لشکر کے داخل ہونیکے لئے دروازے کھول دیئے۔

یہ بیان صحیح ہو یا نہ ہو اس میں شک نہیں کہ یوآب کی جوانمردی سے یروشلیم داؤد کے ہاتھ میں پڑگیا اور داؤد گڑھی میں جو بعد میں صیحوں کی گڑھی یا "داؤد کا شہر" کے نام سے مشہور ہوئی رہا۔ یہ یروشلیم کا ایک حصہ تھا۔ موریاہ جہاں بعد میں ہیکل تعمیر ہوئی اسوقت کسی کے تصرف میں نہ تھا۔ اس مقام پر آورناہ نامی ایک یبوسی کا کھلیان تھا۔

داؤد نے اس کے برجوں اور سامان حفاظت کی توسیع کی۔ "اس نے ملو کے گرداگرد اور اسکے اندر گھر بنائے" اور معلوم ہوتا ہے کہ یوآب نے شہر کے مکانوں کی مرمت کی اور ان کو دلکش بنایا۔ اس پہلی فتح نے داؤد کی عظمت کی بنا ڈالی "اور داؤد ترقی پر ترقی کرتا گیا کیونکہ رب الافواج اسکے ساتھ تھا" (تواریخ ۱۱: ۹)۔ اردگرد کی سلطنتوں پر بھی اسکی بادشاہت کی بڑھتی مضبوطی کا اثر پڑا اور انہوں نے داؤد کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ (۲ سموئیل ۵: ۱۱)۔

سوم۔ ایک نئی زندگی کا آغاز۔ بعضوں کا خیال ہے کہ زبور ۱۰۱ داؤد کی زندگی کے اس حصہ میں لکھا گیا۔ دفعۃً اسکو ایک بڑی قوم کے اندرونی معاملات کا انتظام کرنا پڑا۔ اور وہ قوم بھی گویا ایک دن میں پیدا ہوئی تھی اور دیرپا سکوت کے بعد اسکی رگوں میں نیا خون جوش مارنے لگا تھا۔ نئی ضرورتیں کامل توجہ اور فکر کو طلب کر رہی تھیں۔ شیعہ ہائے قانون و انصاف۔ مال اور جنگ برپا ہو رہے اور دار السلطنت میں جگہ پا رہے تھے۔ ہر قسم کے افسر اور درجے قایم ہو رہے تھے۔ دربار اور محل میں ایسے لوگوں کا ہر روز جمگھٹا لگا رہتا تھا جو بڑی بڑی ذمہ داری کی جگہوں پر ترقی پانے کی کوشش کرتے تھے۔ نہایت ضرور تھا کہ ان پہلے انتخابوں میں کسی قسم کی غلطی سرزد نہ ہو۔ اور کہ لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ جن لوگوں کو شاہی و عام ذمہ داری کی جگہ دینے کو تیار ہے وہ کس سیرت، چلن اور لیاقت کے آدمی ہونے چاہئیں۔ ان مقاصد کے لئے شاید یہ زبور لکھا گیا ہو۔ بہرصورت ایسے موقع اور مقصد کیلئے یہ نہایت موزوں ہے۔

یہ بادشاہ مغنی بتاتا ہے کہ وہ کامل راہ میں دانشمندی کے ساتھ چلے گا اور اپنے گھر میں کامل دل سے ٹہلتا پھرے گا۔ وہ کسی بری اور کینہ چیز کو اپنی آنکھوں کے روبرو نہ رکھے گا اور کجرو دل کے کام سے دشمنی رکھتا ہے۔ پھر بتلاتا ہے کہ اسکے مشیر اور صلاحکار کون ہونگے۔ وہ کسی کی عیب جوئی پر کان نہ دیگا اور کوئی دوایک یا کوشش اسکے کان میں کچھ کہہ نہ سکیں گے۔ وہ بلند نظر اور مغرور حمان کو اپنی پریوی کونسل میں حکومت کرنے اور دروازے پر بیچارے مرد کی پر ظلم وستم کرنے نہ دیگا۔ اگر وہ اپنے کسی مصاحب میں دھوکا بازی یا جھوٹ۔ غلط بیانی یا فریب دہی کا نشان پائے تو وہ اسکو برطرف اور موقوف کردینے کا وعدہ کرتا ہے۔ اسکی سب سے اول اور بہتر کوشش یہ ہوگی کہ بدکرداروں کو خداو

کے گھر سے کاٹ ڈالے اور مُلک کے تمام شریروں کو نابود کر دے۔ حالانکہ اسکی آنکھیں ملک کے ایمان داروں پر ہوں گی۔ وہ اس کے ساتھ رہیں گے اور وہ اپنے خدمت گذار اُن میں سے چُنے گا جو کامل راہ پر چلتے ہیں۔

اس نے اپنے لئے اچھا دستور العمل اختیار کیا۔ اس نئی بادشاہت کے قدیمی دنوں پر جب اس نے ابدیت کی دہلیز پر کھڑے ہو کر نظر کی تو ان کا اس طرح بیان کیا کہ وہ ایسی صبح ہے کہ جسکے ساتھ بدلیاں نہیں ہوتیں۔ یا گھاس کی مانند جو بارش کے بعد کھری دھوپ کے باعث زمین سے نکلتی ہے۔ اسکی نظروں کے سامنے اس امر کا نقشہ صاف صاف کھنچا تھا کہ کیسے صادق حاکم خدا کے خوف میں انسانوں پر حکومت کرتا اور بدکرداروں کو کانٹوں اور اونٹ کٹاروں کی طرح ایک طرف کو پھینک دیتا ہے۔ اور اگر وہ اس دستور العمل پر برابر کاربند رہتا اور بلا دہنے یا بائیں کو مُڑے اس راہ پر سیدھا چلا جاتا تو کتنے خون کے آنسو اور کیسے دلی غم سے بچا رہتا! مرتے وقت پینتیس برس پہلے کا دستور العمل اسکی آنکھوں کے آگے آگیا اور اسکی اصلی حالت سے وہ کیسا مختلف تھا۔ اس امر کا مقابلہ نہایت ناگوار تھا کہ وہ کیا تھا اور کیا ہو سکتا تھا۔ وہ دلدل کہ جسمیں اسکی زندگی کا دریا قریباً گم ہو ہی گیا تھا اور اسکے پہلے ارادہ کا صاف و شفاف بلوری چٹان۔ (۲ سموئیل ۲۳: ۱-۵)

نئے عہد نامہ کا تصحیح شدہ ترجمہ۔ ہمارے ایک عنایت فرما جو اپنے آپکو شاگرد کے نام سے ظاہر کرنا پسند کرتے ہیں تحریر فرماتے ہیں:۔ "میں نے گذشتہ رسالہ میں آپکا مضمون بعنوان "انجیل مقدس کا نیا ترجمہ" نہایت دلچسپی سے پڑھا۔ آپ بجا فرماتے ہیں کہ "اگر ہم اپنے مترجموں کی مدد اور کسی صورت سے نہیں کر سکتے تو ان کے لئے دُعا تو ضرور کر سکتے ہیں الخ"۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک مسیحی بذریعہ دُعا کے ترجمہ کرنیوالوں کی مدد کر سکتا ہے۔ مگر ایک اور طریق سے سب مسیحی نہ فقط ترجمہ کرنے والوں کی بلکہ اُس بزرگ سوسائٹی کی محنتوں میں شریک ہو سکتے ہیں جو وہ کلام مقدس کی اشاعت کیلئے گذرے سو سال میں کرتی رہی ہے اور آیندہ کرنے پر کمر ہمت باندھے ہوئے ہے۔ یعنی ہم سب انجیل مقدس کو اپنی اپنی زندگی میں ترجمہ کر کے دُنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں جو کتابوں کی نسبت ہماری زندگی کو ہر وقت پڑھا کرتی ہے جہاں تک مسیح کی زندگی ہمارے اقوال اور افعال کے ذریعے نمایاں ہوگی وہیں تک اسکا اثر بھی اوروں پر پڑے گا۔ بغیر اس قسم کے ترجمہ کے نہ فقط مترجموں کی اور بائبل سوسائٹی کی تمام محنت فضول ہے بلکہ ہمارا مسیحی کہلانا بھی لاحاصل ہے۔ سو چاہئے کہ ہم دُعا بھی کریں اور انجیل کے مترجم بھی ہوں۔

(شاگرد)



رُوحانی زِندگی کے اِسرار

یا

افسیوں کے خط کا مُطالعہ

چودھواں باب

ہماری روش

از تصنیف پادری ایف بی مایر صاحب بی اے

ہماری روش ہماری زندگی کی مترادف ہے۔ ہماری زندگی پنگھوڑے سے لیکر قبر تک بیشک ایک روش یا چال ہے۔ ہم پیدائش کے مرصّع دروازوں سے قدم باہر نکال کر چٹانوں اور ریگستان۔ بیابان اور کوہستانی نشیب و فراز سے گذرتے ہوئے آخر کار موت کے دروازے پر آپہنچتے ہیں یہ موت کا دروازہ دُور سے تو بالکل تاریک نظر آتا ہے لیکن پاس پہنچکر اکثر اگلے جہان کی روشنی سے منوّر پایا جاتا ہے۔

ان معنوں میں یہ لفظ کتب مقدسہ کے تمام حصوں میں پایا جاتا ہے۔ کتاب پیدائش کے ابتدائی ابواب میں حنوک کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ پیدائش کی کتاب سے لیکر اس خط کی انتہا تک بائبل کے صفحے ایسے ہی اشاروں سے مملو ہیں۔ زندگی کو جو مسافرت سے اکثر تشبیہ دیجاتی ہے وہ اسی خیال پر مبنی ہے۔ نسل آدم ایک بڑے لشکر کی طرح پانوں پانوں کوچ کر رہی ہے۔

چلنے کے لئے لازم ہے کہ قدم قدم اُٹھایا جائے۔ کوئی شخص خواہ ساری دُنیا کے گرد چکر لگا آئے اُسے ضرور ہے کہ ایک وقت پر ایک قدم اُٹھائے اور قدم اُٹھانے سے چال اور روش کا پتہ لگتا ہے۔ زندگی بھی معمولی۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں اور کارہائے ہر روزہ سے بنی ہوئی ہے۔ ان معمولی باتوں کو ہم جس نہج سے سرانجام دیتے ہیں اس سے ہماری زندگی ابدیت کیلئے رنگت پاتی ہے۔ زندگی اس پُرخوشی مگر مختصر وقت سے نہیں بنی ہوئی جو ہم صورت بدلنے کے پہاڑ پر بسر کرتے ہیں بلکہ اُن قدموں سے جو روزانہ فرائض کے راستے پر اِدھر اُدھر آنے جانے میں ہم اُٹھاتے۔ اور بعض اوقات اس وقت سے بھی جو ہم لگاتار ایک ہی کام میں لگے رہتے ہیں۔

دُنیا (یا پرانی زندگی) کی روش۔ رسول اپنے مخاطبین کی گذشتہ زندگی کو بلا تامل ظاہر

| افسیوں ۲:۲ | کرتا ہے۔ وہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ "اُس چٹان پر جس میں سے تم کاٹے گئے ہو اور اس گڑھے

کے سوراخ پر جہاں سے تم کھودے گئے ہو نظر کرو ...... تم اپنے قصوروں اور گناہوں کے سبب مُردہ تھے" دل تبدیلی سے پیشتر گو ہم خدا کے دعاوی اور رُوحانی دُنیا کی زندگی کے نزدیک بالکل مُردہ تھے اس ابدی تثلیت کی تحریکیں جو انسان کی رُوح کو برباد کرنے کیلئے ہمیشہ آمادہ رہتی ہیں ہمارے دل پر اثر رکھتی تھیں "تم مُردہ تھے ..... تم چلتے تھے"

جیسے ثالوث مقدس کی تعلیم بائبل میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ پائی نہیں جاتی۔ گو ہم اسکو کئی بدیہی نتیجوں سے اخذ کر سکتے ہیں۔ ویسے ہم بآسانی دکھا سکتے ہیں کہ دُنیا۔ جسم اور شیطان روح کے تباہ کرنے میں متفق و متحد ہیں۔ اِسی ایک پیرگراف میں مثلاً رسُول یکے بعد دیگرے "دُنیا کی روش" "ہوا کے علاقے کے حاکم یعنی اس روح کی جو نافرمان لوگوں میں تاثیر کرتی ہے" "جسم اور عقل کے ارادے (خواہشوں)" کا ذکر کرتا ہے۔ انکو مفصلہ ذیل قابل غور ہیں۔

اوّل۔ جو لوگ دنیا داری کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ ایسے ہی شیطان کے زیر تاثیر اور غضب کے فرزند ہیں جیسے وہ لوگ جو جسم کی خواہشوں میں زندگی گذارتے ہیں یہ خیال بڑا سنجیدہ ہے۔ ہم ایسے ایسے امتیاز کرتے ہیں جنکو خدا خیال میں نہیں لاتا۔ ہم گنہگاروں کو ایسی قسموں میں تقسیم کرتے ہیں جو ابدیت کی معیار پر پوری نہیں اُترتیں۔ ہم اس مرید فیشن پر ترس کھایا کرتے ہیں جسکو ہر وقت لباس۔ منصب اور لہو لعب ہی کا خیال لگا رہتا ہے۔ جو تتری کی طرح ایک پھُول سے اڑکر دوسرے پھُول پر جا بیٹھتا اور اور اپنے عزیز وقت کو عشرت اور بیہودگی میں صرف کرتا ہے لیکن خدا کی نظروں میں ایسا شخص بدچلن اور بدکردار سے کسی صورت میں بہتر نہیں۔ شاید بیہودہ دُنیادار زندگی خدا کی نظروں میں اس زندگی کی نسبت زیادہ مکروہ ہے جو بُری خواہشوں کے طوفان سے مغلوب ہو جائے۔

دوّم۔ اِس دنیا کی شان و شوکت۔ دکھاوا اور رونق۔ دلفریبی و بلندنظری اور عیش و عشرت۔ کے نیچے نافرمان روح چھُپی ہوئی ہے جو اسی کوشش میں رہتی ہے کہ لوگوں کو خدا کی نافرمانی کرنا سکھائے اور اسکا مسکن ہوا میں ہے۔

ان الفاظ کے ٹھیک ٹھیک معنی دریافت کرنا ذرا مشکل ہے۔ کیا "ہوا" "آسمانی مقاموں" سے کوئی مختلف جگہ ہے؟ کیا شیطان کی بادشاہت کا مسکن زمین یا آسمانوں سے ہوا میں تبدیل کیا گیا ہے؟ کیا یہ فضا شیطانی تاثیر کے نادیدنی ذرات سے بھرپور ہے؟ ہم بتا نہیں سکتے۔ لیکن ہمارے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ جس حال کہ شیطان بعض کو انکی جسمانی خواہشوں کے ذریعے آزمائش میں ڈالتا ہے وہ اَوروں کو دولت اور بطالت۔ دکھاوا اور بیہودہ فخر۔ دُنیاداری کے فکر اور بے چینی سے جو بے دینی ہے اپنے دام تزویر میں گرفتار کرتا ہے اِسی لئے تو ہمارا رسُول نے فرمایا کہ خدا کی محبت دُنیا کی محبت سے

موافقت نہیں رکھتی۔

سوم ۔ جیسے خدا کا روح اُن لوگوں میں کام کرتا ہے جو اسکو رنجیدہ کرنے سے ڈرتے ہیں ویسے ہی ہوا کے علاقے کے سردار کی روح بے ایمانوں اور نئی زندگی نہ پائے ہوؤں کے دل میں کام کرتی ہے۔ ہماری روحوں میں ایسی چھپی ہوئی راہیں لگی ہیں کہ جنکے ذریعے اچھی یا بُری آسمانی یا دوزخی تاثیریں ہمارے دلوں میں آ داخل ہوتی ہیں۔ ایک قسم کی تاثیر سے تو ہم تحریک پاتے ہیں کہ جسم کو اسکی خواہشوں اور ارادوں سمیت صلیب دیں تاکہ خدا کیلئے جئیں۔ دوسری قسم کی تاثیر سے جسم کی خواہشوں اور دل کے ارادوں کو پورا کریں اور ان سے لطف اُٹھائیں اور یوں خدا کے حضور اپنے گناہوں اور قصوروں میں مُردہ رہیں۔

چہارم ۔ باطنی زندگی کے لئے دل کے ارادوں کو پورا کرنا ایسا ہی مضر اور خطرناک ہے جیسا جسم کی خواہشوں کو پورا کرنا ۔ قوتِ خیال سے ہم گندے اور ناپاک خیالات کو دل میں جگہ دے سکتے اور خواہش کے گھوڑے کی باگ ڈھیلی چھوڑ سکتے ہیں یہاں تک کہ صرف فعل تک نوبت نہ پہنچے۔ کوئی انسانی آنکھ روح کے ساتھ نہیں ہوتی جب وہ دیوتاؤں کے ساتھ ناچ رنگ کے لئے جاتی یا خواہش کی پیچیدہ راہوں میں سیر کو نکلتی ہے۔ وہ ایسی جگہوں میں جاکر واپس بھی آجاتی۔ تب اور بار رغار کو بھی اسکا پتہ نہیں لگتا ۔ اسکی پاکیزہ دامنی اور عصمت پر کسی کو شک پیدا نہیں ہوتا ۔ دولہا کی آمد کے لئے کنواریاں ابھی تک چشم براہ ہیں۔ لیکن اگر یہ عادت ظاہر نہ کی جائے اور نہ اسکا اقرار کیا جائے تو اسکا مرتکب نافرمانی کا بیٹا اور غضب کا فرزند ٹھہرتا ہے۔

پیشتر ہماری روش ایسی ہی تھی لیکن خدا نے ہم سے محبت کی اور ان تاریک اور خطرناک راہوں سے نکالکر صعود کی راہ پر بٹھلا دیا ۔ وہ ہمیں توفیق دے کہ پھر ہم پہلی راہ پر چلنا اختیار نہ کریں۔ پیارے خداوند ان راہوں پر کانٹوں سے باڑ لگا دے تاکہ ہم ان راہوں کو پھر نہ پائیں۔

نیک اعمال کی روش ۔ رسول کی آنکھوں کے سامنے ایک شاہراہ نظر آتی ہے جو بیابان کو چیر کر گذریگی۔ یہ راہ قدسیت کی تھی۔ ناپاک اسمیں سے گذر نہ سکیگا شیر یا کوئی اور شکاری درندہ واں پایا نجائیگا نجات یافتہ کے سوا (افسیوں ۲: ۱۰)
واں سے کوئی آمدو رفت نہ کر سکے گا ۔ اِن کے واں پہنچتے ہی خوشی اور شادمانی دو توام فرشتوں کی طرح انکو خوش آمدید کہیں گی اور غم و آہ و زاری جنہوں نے یہاں تک ان کا پیچھا کیا پاتال کے تاریک فرشتہ کی طرح مایوس ہو کر وہیں رہ جائینگے۔

بنائے عالم سے پیشتر یہ راہ نجات یافتہ کیلئے تیار کی گئی تھی لیکن مسیح کے کام اور روح القدس کے فضل سے یہ بخوبی ظاہر ہوئی اور کھولی گئی ۔ جونہی کہ ہم ان مبارک تاثیروں کو اپنے میں کام کرنے دیں ہم اس راہ پر چلنے لگ جاتے ہیں ۔ پھر ہم پاتے ہیں کہ ہر ایک قدم ہمارے لئے تیار کیا گیا ہے۔

اور ہمیں صرف زمین پر پاؤں ہی رکھنا ہے۔ جب تک ہم اس راہ پر رہیں ہم خطرہ اور ہلاکت سے محفوظ ہیں۔ ہمارے دل سے خوشی کے نعرے نکلتے۔ اور ہمارے پاؤں راگ کے ساتھ اُٹھتے ہیں اور غم و آہ و بکا کافور ہو جاتے ہیں۔

جس بلاوے سے بُلائے گئے ہو اسکے مناسب چلو۔ سادہ الفاظ نہایت پُرمعنی ہوتے ہیں۔

(افسیوں ۴: ۱) مثلاً لفظ بُلاوے پر غور فرمائیے۔ یہ اکثر ہمارے بر زبان رہتا ہے۔ گڈریہ اپنی بھیڑوں کو چرواہا پہاڑی پر سے اپنے گلّے کو۔ ماں اپنے بچّے کو بُلاتی ہے۔ خدا بھی انسان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اس لفظ سے کام لیتا ہے۔ وہ انکو بُلاتا ہے۔ اپنے جلال کے تخت پر سے وہ ہر ایک انسان کی رُوح سے ایک بار۔ دوبارہاں کئی بار۔ کلام کرتا ہے۔ جیسا اُسنے پکارا "سموئیل سموئیل" "سولس سولس"۔ کسی امر کا فیصلہ کرنیکے سنجیدہ یا اور کسی نازک موقعہ پر۔ انسانی آواز یا تحریری الفاظ سے یا تمیز (کانشنس) کے سمجھانے سے خدا کی آواز انسان کو اپنی طرف۔ آسمان کی طرف اور ایک مقدس زندگی بسر کرنے کی طرف بُلاتی ہوئی سُنائی دیتی ہے۔ اِس بُلاوے پر رسُول پاکیزگی کے لئے زور دیتا ہے۔ اُس محبت کے لایق جس نے تمہیں بُلایا اور اُس شان کے لایق جہاں تم بُلائے گئے ہو چال چلو۔ چُپ چاپ کھڑے رہو اور پیشتر ازیں کہ تم منہ سے بات نکالو یا کام اور فیصلہ کرو اپنے آپ سے یہ سوال کرو کہ کیا اس نمونہ کے لایق ہے جو خدا نے میرے لئے تیار کیا ہے جب کہ اُس نے لوگوں میں سے مجھکو اپنا کاہن۔ مقدس اور بیٹا بننے کو بُلایا؟ اگر نہیں تو اس سے اجتناب کرو۔

نُور میں چلو (یا نُور کے فرزندوں کی طرح چلو)۔ خدا نور ہے جب ہم شب و روز اس کے ساتھ

(افسیوں ۴: ۱۷ و ۵: ۱۸) شراکت رکھیں۔ اُس کی یاد ہر وقت ہمارے دل میں ہو۔ اور جب کبھی آزمایش ہم پر حملہ آور ہو تو فوراً اسکا نام ہمارے لبوں پر ہو تو ہماری نسبت کہا جا سکتا ہے کہ ہم نور میں چلتے ہیں اور جس قدر زیادہ ہمارے قدم نُور کی بلوری راہ پر چلیں گے ہمارا فہم روشن ہو جائیگا۔ خدا کے نور میں ہم روشنی دیکھتے ہیں۔ جب دل پاک ہو تو آنکھ بھی صاف ہوتی ہے۔

اسکا متضاد بھی راست ہے۔ جب ہم خدا کی زندگی سے پرے ہوں تو خدا کی صداقت سمجھنے کے لئے ہمارا فہم بھی تاریک ہو جاتا ہے۔ کفر اور بے دینی کی جگہ دل میں ہے۔ اگر دل کی سختی کے باعث رُوح ایک بار خدا سے دُور ہو جائے۔ ایک دفعہ وہ اپنا دامن تر کرلے تو خدا کے جلال کی پہچان کی روشنی بند دروازہ پر پڑتی اور اندر آنے کی عبث کوشش کرتی ہے۔

اگر تم خدا کی پہچان پانا چاہتے ہو تو خدا سے مشابہت رکھو۔ اگر تم خدا کے اسرار دریافت کیا چاہتے ہو تو فرض ہے کہ خدا کے ساتھ ساتھ چلو۔ اگر تم اسکی تعلیم پایا چاہتے ہو تو اس کی مرضی پوری کرنے کو رضامند رہو۔

لیکن نور میں چلنے سے بھی کچھ بڑھ کر ہے اور وہ ہے نور کے فرزند بننا۔ کیسا عمدہ خیال ہے! صبح صادق کی روشنی میں شبنم چمکتی ہے۔ ستارے رات کی محراب پر درخشاں ہیں۔ پرند دن دوپہر کی روشنی میں پرواز کرتے ہیں۔ بچے فرط انبساط میں رقصاں ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی فی الواقعی نور کا فرزند نہیں جیسے وہ جو نوروں کے باپ سے پیدا ہوتے ہیں۔ جنکے پاس وہ نور ہے جو دلوں کو منور کرتا ہے اور جو اپنی نیکی۔ راستی اور صداقت میں شریک ہوتے ہیں جو خداوند کی نظروں میں پسندیدہ ہے ہم ایسی زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں۔

محبت سے چلو ہمیں خدا کی محبت کے اس نمونہ پر چلنا چاہئے جو اس نے مسیح میں ظاہر کیا۔ محبت جو ہمیں اپنے آپ کو دے دیتی۔ ہماری خاطر کسی خرچ کو گراں نہیں سمجھتی اور اپنے آپ کو دوسروں کی خاطر نثار کرنے میں سب کچھ خدا کی نذر کر دیتی ہے اور سب کچھ خداوند کی خاطر کرتی ہے۔ مسیح کی محبت ایسی ہی تھی۔ خدا کے نزدیک ایسی شیریں اور پسندیدہ جیسے موسم بہار میں گلستاں۔ اور ہمارا نمونہ بھی یہی ہونا چاہئے۔ ہماری محبت ان سے نہیں جو ہمیں محبت کرتے ہیں بلکہ ان سے جو نفرت کرتے ہیں۔ پسندیدہ اور خوشگوار سے نہیں بلکہ ناگوار سے۔ نہ اس لئے کہ ہمارے طبعی جذبات کا میلان اس طرف ہے بلکہ اس لئے کہ ہم خدمت کرنا چاہتے ہیں ہاں صلیب تک۔ یوں ہماری محبت ظاہر ہونی چاہئے۔ اور ہر دفعہ جو ہم خدا کی محبت کی خاطر اپنے آپ کو اوروں کی خاطر نثار کریں۔ ہم کلوری کی قربانی کے کچھ کچھ معنی سمجھیں گے اور بوئے خوشگوار خدا کے حضور پہنچے گی۔ [افسیوں ۵:۲]

غور سے چلو۔ دنیا کے گڑھوں میں سے اپنی راہ چنو۔ اپنے دامن کو خبرداری سے سنبھالے رہو کہ کہیں وہ بازار کی کیچڑ سے آلودہ نہ ہو۔ پگڈنڈیوں سے خبردار رہو کہ کہیں اس راہ تنگ سے بھٹک نہ جاؤ۔ جاگتے رہو اور دعا مانگو۔ خصوصاً ہر دم الٰہی زندگی میں ترقی کرنے کی کوشش کرو۔ لمحوں کا خیال رکھو تو گھنٹے آپ اپنا خیال رکھیں گے۔ [افسیوں ۵:۱۵]

لیکن اگر ہم ان احتیاطوں کے ساتھ یہ خیال شامل نہ کریں کہ خدا ہمارے ساتھ ہاں ہم میں چلنے کو راضی ہے کیونکہ اس نے فرمایا ہے کہ میں ان کے درمیان رہونگا اور ان میں چلوں گا تو سب رایگان ٹھہرے گا۔ خدا میں قایم رہو اور خدا تم میں قایم رہے گا اور تم میں ہو کر چلے گا حتیٰ کہ تم لائق ٹھہر کر سفید جامہ پہنے ہوئے اسکے ساتھ چلو۔

قدیم کھنڈرات اور بائبل

۲

اس مضمون میں یہ بیان کیا جائیگا کہ تازہ معلومات نے بنی اسرائیل کی مصری غلامی اور موسیٰ کے زیر ہدایت خروج پر کیا روشنی ڈالی ہے۔ گذشتہ صدی کے آغاز میں روزیٹا کے مشہور پتھر کی دستیابی سے جو اب برٹش میوزیم میں موجود ہے مصر کے تصویری حروف پڑھنے کا سُراغ حاصل ہو گیا۔ اس دن سے محققوں کی عرقریزی نے نہایت حیرت افزا نئی معلومات کا سلسلہ قایم کر دیا ہے۔ یہ تو مدت سے معلوم تھا کہ موسیٰ سے بہت عرصہ پیشتر ملک مصر میں علم ادب کا چرچا تھا مگر اب ہماری حیرت یہ سُنکر دہ چند بڑھ گئی ہے کہ یوسف کی آمد اور موسیٰ کے بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے جانے سے ہزاروں سال پیشتر وادیٔ نیل میں تہذیب کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ ان تازہ معلومات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ مصری تواریخ کے عام سلسلہ کا کچھ ذکر کیا جائے۔

قدیم سلطنت ملک مصر کی تواریخ میں عموماً تین زمانوں کا بیان کیا جاتا ہے یعنی قدیم اور وسطی اور جدید زمانہ۔ قدیم سلطنت میں منیتھو کے اوّل گیارہ خاندان شامل ہیں۔ چوتھے اور پانچویں خاندانوں کا یادگار اہرامِ مصر کی صورت میں ابتک موجود ہے۔ اوّل دو خاندانوں کی نسبت جو کچھ معلوم ہے سو حال ہی میں دریافت ہوا ہے اور بادشاہوں کے نام اور چھٹے خاندان سے گیارھویں تک کے حالات بھی ابتک گمنام رہے ہیں۔ اوّل خاندان کا بانی مینیس تھا جو مسیح سے قریب چار ہزار سال پیشتر گذرا ہے مگر محقق اس بادشاہ کو اور اوّل دو خاندانوں کو عموماً خیالی تصور کرتے تھے۔ مصر کی ایک مشہور تواریخ میں مینیس کو ایک خیالی شخص لکھا ہے۔ بلکہ اس خیال کی ساخت کا بیان بھی کیا گیا ہے۔ اب اس ابتدائی تواریخ کے فیصلہ کو مسٹر پیٹری کی تازہ معلومات نے بالکل اُلٹ دیا ہے۔ صاحب موصوف نے مینیس اور اس کے جانشین شاہاں کی قبریں دریافت کی ہیں اور اوّل دو خاندانوں کو تواریخی واقعات ثابت کر دکھایا ہے۔ قابل لحاظ ہے کہ سب سے قدیم نوشتہ جو بارھویں خاندان کے وقت قلمبند کیا گیا اخلاقی قواعد کی ایک کتاب کی نقل ہے جسکو پانچویں خاندان کے شاہ اسّا کے فرزند ثاہ آہوتپ نے تصنیف کیا تھا۔ اس ثاہ آہوتپ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے ایک سو دس سال کی عمر میں اس کتاب کو تصنیف کیا۔ اسوقت اس کا والد تخت پر متمکن تھا۔ اس سے قدیم بزرگان کی درازیٔ عمر کا سُراغ ملتا ہے۔

وسطی اور جدید سلطنت وسطی سلطنت بارھویں خاندان سے سترھویں تک قایم رہی۔ مگر تیرھویں خاندان سے سترھویں تک کے زمانہ کا حال گڑبڑ اور مشتبہ ہے۔ اسی قدر میں ہکسوس یعنی چوپان شاہان مصر میں حکمران

تھے اور انہی میں سے ایک کے عہد میں (غالباً اپی پائی اوّل کی حکومت میں مسیح سے قریب ۱۸۰۰ سال پیشتر) یوسف کو مصر میں لائے تھے۔ چوپان شاہان کی مغلوبی کے بعد اٹھارھویں خاندان کا سلسلہ اہمس سے شروع ہوا۔ اٹھارھویں اور انیسویں خاندان کے زیر سلطنت مصر اپنے کامل عروج تک پہنچا۔ یہی زمانہ بائبل کے شائقین کے لئے سب سے دلچسپی کا وقت ہے۔ کیونکہ انہی بادشاہوں میں سے ایک نہ ایک کے عہد میں بنی اسرائیل پر سختی ہوئی اور وہ مصر سے نکلے۔ عام رائے کے مطابق ظالم فرعون انیسویں خاندان کا شاہِ عظیم رعمسیس ثانی تھا اور خروج کے ایام کا بادشاہ اسکا فرزند مینپتاہ تھا۔ اور اس قیاس کی تائید میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے خصوصاً اُن دو شہروں کے نام جنمیں غلّہ کا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا یعنی پاتیتم اور رعمسیس شاہ رعمسیس کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ شہر پاتیتم (یا پاتم) کو چند سال کا عرصہ گذرا ہے کہ نیول صاحب نے دریافت کیا۔ مگر چند گذشتہ سالوں میں تین بڑی بھاری معلومات نے اُس رائے پر شبہ ڈال دیا ہے۔

اوّل۔ شاہان فرعون کی نسبت معلومات۔ اس سلسلہ کی سب سے حیرت افزا کارروائی ۱۸۸۱ء میں شاہانِ فرعون کی خوشبو بھری ہوئی خشک لاشوں کی صورت میں دریافت ہوئی۔ شہر تھیبس سے چند میل کے فاصلے پر کوہستان کے درہ کے ایک غار میں جو ۳۰ فیٹ گہرا ہے ایک تنگ رستہ ایک پہلو کو نکل گیا ہے جس میں انتالیس مصالحہ سے بھری ہوئی لاشیں دریافت ہوئی ہیں۔ جنکے بغور ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ ان میں سب سے مشہور مصری بادشاہوں اور بیگمات کی لاشیں سترھویں خاندان سے اکیسویں تک شامل ہیں۔ ان شاہان کی فہرست میں اہمس جو اٹھارھویں خاندان کا بانی تھا۔ اور تھتمس سوم اور اسی سلسلہ کے دیگر شاہان اور انیسویں خاندان کے شاہانِ عظیم یعنی رعمسیس اوّل اور سیتی اوّل اور رعمسیس ثانی (مفروضہ ظالم فرعون) درج کئے گئے ہیں۔ اب کچھ شبہ باقی نہیں رہا کہ جس فرعون نے اسرائیل کو ستایا تھا اور جس کے آگے موسیٰ ڈر کر بھاگ گیا تھا اُس کی لاش فی الواقع ہمارے پاس موجود ہے۔ اسکا بیان ہم آگے چلکر کرینگے۔

دوم۔ طل الامرنا کی تختیاں۔ ۱۸۸۷ء میں ایک اور نئی دریافت کے نتائج ایسے وسیع ثابت ہوئے کہ جنکے مقابلہ میں اوّل الذکر واقعہ بھی ماند پڑ گیا۔ یعنی دریائے نیل کے مشرقی کنارہ پر قاہرہ سے قریب ۱۸۰ میل کے فاصلہ پر طل الامرنا کے چند ٹیلوں میں سے ایسی تختیاں کھود کر نکالی گئیں جو اٹھارھویں خاندان کے دو آخری بادشاہوں یعنی تونفس سوم اور چہارم کی سرکاری خط و کتابت ثابت ہوئیں مؤخر الذکر بادشاہ (مسیح سے قریب ۱۴۰۰ سال پیشتر) المعروف خوئناتن "ملحد بادشاہ" کہلاتا ہے۔ اس نے مصر میں ایک نیا مذہب جاری کرنے کی کوشش کی مگر اسکی ایسی مخالفت ہوئی کہ اسکو تھیبس سے بھاگنا پڑا۔ اور مقام طل الامرنا کو اپنا نیا دار السلطنت مقرر کر کے تمام سرکاری خط و کتابت کا دفتر اپنے ہمراہ لے آیا۔ یہ تمام خط و کتابت کھود کر نکالی گئی ہے۔ اور اس سے بخوبی معلوم ہو گیا ہے کہ اس زمانے میں مصر کے اندرونی

حالات اور بیرونی تعلقات کیا تھے۔ ان تختیوں کی نسبت ایک عجیب بات یہ ہے کہ وہ مصری تصویری حروف کے بجائے بابلی مثلث نما حروف میں لکھی ہوئی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں بابلی کی زبان نہ فقط مختلف ممالک میں مروّج تھی بلکہ تمام سرکاری خط وکتابت کا ذریعہ تھی جیسا کہ فرانسیسی زبان آج یورپ میں ہے۔ اِن تختیوں سے مزید برآں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے ملکی تعلقات کیسے وسیع (بابل تک) تھے۔ اور ملک فلسطین میں علم وہنر کا کیا حال تھا اور کہ اس ملک میں مسیح سے قریب ۱۴۰۰ سال پیشتر کونسے واقعات گذرے ہیں۔ اِنکا بیان ہم ابھی کرنے کو ہیں۔

سوم۔ منے پتاہ کی لاٹ۔ یہ دریافت تازہ ترین ہے اور اس کا تعلق اس سوال کے ساتھ ہے جو عموماً پوچھا جاتا ہے کہ کیا مصری قدیم کھنڈرات پر کہیں اسرائیل کا نام بھی مندرج ہے۔ اس کی مدّتوں سے تلاش ہورہی تھی۔ مگر اب مسٹر پٹری نے ۱۸۹۶ء میں منے پتاہ کی ایک لاٹ پر اسرائیل کا نام اوّل مرتبہ دریافت کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے اِس بادشاہ کو عموماً خروج کے زمانہ کا فرعون سمجھا جاتا تھا۔ اس کتبہ سے بعض مشکلات رفع تو ہوئیں مگر اُن سے زیادہ اَور دقتیں پڑ گئیں۔ اس میں فلسطین اور اسکے گردونواح کی اقوام پر منے پتاہ کی فتوحات کا بیان تھا۔ اور اس فہرست میں اسرائیل بھی شامل ہے۔ چنانچہ مندرج ہے کہ "اسرائیل برباد کیا گیا ہے۔ اُسکا تخم نہیں ہے"۔ اب اگر منے پتاہ کے زمانہ میں اسرائیل ملک فلسطین میں تھا (اور فرقہ آسر کی موجودگی کا پتہ تواریخ سے ملتا ہے) تو ظاہر ہے کہ منے پتاہ خروج کے زمانہ کا فرعون نہیں ہوسکتا۔ اس سے فوراً یہ سوال پیدا ہُوا کہ یہ جو عموماً باور کیا جاتا ہے کہ رعمسیس ثانی ظالم فرعون تھا اور خروج منے پتاہ یا اسکے کسی جانشین فرعون کے زمانہ میں واقع ہُوا۔ کیا یہ صحیح قیاس ہے؟

رائل اسکول پریمر

(منقول از مخزن)

یوں تو چھوٹی سی اک پریمر ہوں
نقش لوحِ طلسم تحیر ہوں
ہونٹ پر چھوٹے چھوٹے جملوں کے
طائرِ خوش کا میں شہپر ہوں
جب میں چھلکا کے پاک صاف شراب

خوب سوچو تو ایک دفتر ہوں
ہاتھ میں چھوٹے چھوٹے لفظوں کے
برکت کے لمبے لمبے لکچر ہوں
دور میں چھوٹے چھوٹے قطروں کے
خلدِ دانش میں حوضِ کوثر ہوں

حرف سمجھو نہ یہ بڑے چھوٹے
ولسٹر، چیمبر ہوں، واکر ہوں
بانعرہ پر چھوٹی چھوٹی چڑیوں کے
علم کا اک بڑا سمندر ہوں
ہوں لگاتی شرنگ بن کے چھپا

عقل کی سیپر اور دانشور ہوں
دیکھو مکھی کو مت تنفّر سے
پیٹ میں اس کے بیضۂ زر ہوں
پھول اگر ہے تو ہمدم عنبر
دودھ مکھن ملائی من بھر ہوں
کہہ رہی ہے زبان سے کوپل
کان یاقوت و لعلِ احمر ہوں
پیلے موتی بکھیر دیتی ہوں
آتی خرمن میں پھر سمٹ کر ہوں۔
ہیں یہ چودہ ورق طبق چودہ
خوب بنیاد کا میں پتھر ہوں
ابتدا میں ہوں انتہا کی خبر۔
بکھروں میں کہیں جو بندر ہوں
چشمِ ہرشل ہوں دور بینی میں
مہد میں ہوں مگر سکندر ہوں
ہیں ابجد مرے اب وجد ہیں
دیکھتے دیکھتے وہ اخگر ہوں

کھال میں بلّی اور کُتّے کی۔
کام میں اسکے شہد و شکر ہوں
گھاس گر ہے تو ہمسر سنبل
زینتِ جامۂ معطّر ہوں
بھیڑ اگر ہے تو بھیڑ کے تن پر
سرو و شمشاد ہوں صنوبر ہوں
جوہری ہو تو ہو گہر ورنہ
لاتی لڑیاں ہیں پھر پرو کر ہوں
سارے افلاک پر ہوں چھائی ہوئی
گاہ اغبر ہوں گاہ اخضر ہوں
نردباں کا ہوں اوّلیں پایہ
جنوری میں مہِ دسمبر ہوں
کچھ نہ پوچھو میری ہیوگرفی
ہمہ دانی میں عقل کُپلر ہوں
اے تو ابا ہیں اور بے آما
الفبٹ کی گرینڈ ڈاٹر ہوں۔
ہونیوالی ہوں آفتاب عروس

یوز ہوں، گرگ ہوں غضنفر ہوں
دیکھو مرغی کو مت حقارت سے
خجلتِ گیسوئے معنبر ہوں
گائے اگر ہے تو گائے کے تھن میں
شال رومال ہشالی چادر ہوں
زیرِ لب کہہ رہی ہے یوں چھنّی
پیشِ خنزیر سلکِ گوہر ہوں
کھیت میں جا کے ہوں بکھر جاتی
گرچہ گنتی میں چند اختر ہوں
قصرِ عالی کی ہوں خبر دیتی
غرفۂ سیرِ ہفت منظر ہوں۔
ڈارون ہے چھپا ہوا مجھ میں۔
ہین ہوں، ہکسلی ہوں، بٹلر ہوں
ہفت اقلیم علم کا فاتح
جنکی دختر میں نیک اختر ہوں۔
نیستاں جہل کا ہو خاک سیاہ
کیا ہوا اگر سہا سے کمتر ہوں

اِسکندریہ کے ایک مخیّر بزرگ کا قِصّہ

ساتویں صدی کے شروع میں شہرِ اسکندریہ میں ایک نہایت عجیب خیرات دینے والا بزرگ گذرا ہے۔ نام اسکا یوحنا تھا مگر اسکو مقدس یوحنا بھنڈاری کہا کرتے تھے۔ اسکو بہت سی جائیداد ورثہ میں ملی تھی مگر اپنے عیال و اطفال کے گذر جانے کے بعد اس نے اپنی دولت غریبوں کی مدد کرنے میں خرچ کر دی۔ اس کی نیکی کی شہرت یہاں تک پھیلی کہ اسکو اسکندریہ کا بزرگ مقرر کیا گیا۔ اس عہدہ پر ممتاز ہوتے ہی اس نے اپنے آقاؤں کی ایک فہرست" طلب کی۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ اس سے آپکا کیا مطلب ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں غریبوں کی فہرست چاہتا ہوں کیونکہ میں انہی لوگوں کا

خادم ہوکر آیا ہُوں۔ حساب کرنے سے معلوم ہُوا کہ اُنکی تعداد ساڑھے سات ہزار ہے۔ اور ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنکو دوکاندار اپنے جھوٹے باٹ تول سے ٹھگ لیا کرتے تھے۔ یوحنّا نے اِن دوکانداروں کو عدالت سے سزا دلوائی۔ اِس لئے وہ لوگ اسکو قابل نفرت سمجھتے تھے۔ وہ ہفتہ میں دو دفعہ گرجے کے باہر چوکی پر بیٹھ جاتا اور دو بنچیں تنگدستوں کے لئے سامنے بچھوا لیتا۔ جہاں وہ اس سے ہر قسم کی مدد کی درخواست کیا کرتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ چُپ چاپ بیٹھا رو رہا تھا اس وجہ سے کہ کوئی آدمی اسکے پاس نہ آیا تھا۔ وہ مستورات کو آدمیوں سے دُگنی خیرات دیتا تھا کیونکہ وہ مقابلتہً مردوں سے زیادہ لاچار ہوتی تھیں۔ مگر جو زرق برق پوشاک اور زیورات پہنکر آتی تھیں ان کو کچھ نہیں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی سوداگر کا جہاز طوفان میں تباہ ہو گیا اور اس بزرگ نے اسکو ایک اَور جہاز دیدیا۔ پھر دوسری مرتبہ ویسا ہی ہُوا۔ تیسری دفعہ کا ذکر ہے کہ اس سوداگر کا جہاز غلہ سے لدا ہُوا سمندر میں کہیں جا رہا تھا کہ ناگاہ ایک شدید آندھی نے اس کو دھکیل کر برطانیہ کے ساحل پر جا لگایا۔ اسوقت اس ملک میں قحط پڑا ہُوا تھا۔ اسلئے غلّہ اچھے داموں پر فروخت ہُوا اور سوداگر بڑا نفع اُٹھا کر واپس گھر کو لوٹا۔

اسکندریہ کے حاکم نائسٹس کو نقدی کی ضرورت پڑی۔ سو وہ سپاہیوں کا دستہ ہمراہ لیکر یوحنّا کے گھر میں داخل ہُوا۔ اور حکم دیا کہ اپنے خزانے میرے حوالے کر دو۔ اس بُزرگ نے جواب دیا کہ میرا مضبوط صندوق حاضر ہے مگر یہ سرکاری مال نہیں کلیسیا کی ملکیت ہے اگر آپ چاہیں تو اسے لے جا سکتے ہیں مگر نہ تو یہ میرا مال ہے اور نہ میں اُسے دے سکتا ہُوں۔ نائسٹس نے خادموں کو حکم دیا کہ اس صندوق کو اُٹھا لے چلو۔ دروازہ پر اُسے چند قلی مُلے جو کئی ایک مرتبان اُٹھا کر اندر لا رہے تھے۔ ان برتنوں پر "خالص شہد" لکھا ہُوا تھا۔ حاکم نے کہا کہ مَیں چاہتا ہُوں کہ آپ اس شہد میں سے مجھے بھی تھوڑا دیں۔ یوحنّا کو بخوبی معلوم تھا کہ ان مرتبانوں میں نقدی بھری ہے اور رہزنوں کے خوف سے اُن پر شہد کا لفظ لکھدیا گیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ضرور آپکو اس میں سے حصّہ دونگا۔ چنانچہ اُسنے ملازموں کو حکم دیا کہ ایک برتن حاکم کی خدمت میں لے جاؤ اور کہدو کہ تمام برتن اسی قسم کے شہد سے بھرے ہُوئے ہیں۔ اور فوراً رقعہ لکھ کر مرتبان کے ساتھ باندھ دیا کہ "خداوند فرماتا ہے مَیں تجھے کبھی نہ چھوڑونگا نہ ترک کروں گا۔ وہ صادق القول ہے اور جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ مت خیال کرو کہ فانی انسان ابدی خدا کا مزاحم ہو سکتا ہے۔ الوداع!" نائسٹس کے دل پر ان الفاظ کا ایسا اثر ہُوا کہ تمام خزانہ بزرگ کو لوٹا دیا اور اسکا دوست بنگیا۔ مگر ایک موقعہ کا ذکر ہے کہ نائسٹس یوحنّا پر نہایت ناراض ہُوا۔ اور اسکو بہت کچھ سخت سُست کہا کیونکہ ایک ٹیکس کے خلاف جسکا بوجھ زیادہ تر غربا کے سر پر پڑتا تھا اس نے اعتراض کیا تھا۔ یوحنّا اس موقعہ پر تو خاموش رہا مگر شام کے وقت اُسنے نائسٹس کی طرف چند لفظ لکھ کر بھیجے کہ "سُورج غروب ہو رہا ہے"۔ نائسٹس کو یہ نصیحت یاد آئی کہ

سورج کے ڈوبنے تک تمہاری خفگی بنی رہے۔" اور رات ہونے سے پہلے اس بزرگ کے پاس جاکر صلح کی۔
قحط کے ایام میں یوحنا جو کچھ جمع کرتا بھوکوں کے کھلانے میں خرچ کر دیتا۔ اسکی اپنی پوشش اور خوراک نہایت سادہ اور ہلکے درجہ کی ہوا کرتی تھی۔ اسکی جماعت میں سے ایک شخص کو معلوم ہوا کہ وہ ایک پھٹے پرانے کمل کو اوڑھ کر سویا کرتا ہے سو اس نے ایک نہایت خوبصورت کمل اسکی نذر کیا۔ یوحنا ایک رات اسکو اوڑھ کر سویا دوسرے دن اسکو خیال آیا کہ میں ایسے آرام میں شب بسر کرتا ہوں اور کتنے غریب لوگ ہیں جنکے پاس اوڑھنے کو کچھ بھی نہیں۔ سو اس نے اس قیمتی کمل کو فروخت کرکے غریبوں کے لئے اوڑھنیاں خریدلیں۔ اتفاق سے جس شخص نے وہ کمل دیا تھا اُسی نے اسے خرید لیا اور پھر اُس بزرگ کے پاس بھیج دیا۔ جسنے اسکو پھر غریبوں کی خاطر بیچ ڈالا اور کہا کہ "میں اسکو بیچتا جاؤنگا اور وہ خریدا کریگا دیکھیں پہلے کون ہارتا ہے؟"

عقیدہ

۶

ثالوث مقدس

(سلسلہ کیلئے دیکھو مسیحی بابت نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء)

مقدس ثالوث کا ثبوت کتاب مقدس سے مفصل دیا گیا تھا اور یہ بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ تینوں اقانیم نے بنی آدم کی نجات کے کام میں کیا حصہ لیا اور ان کا جو تعلق ہم سے پیدا ہوا وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ہم پر اُن اقانیم ثلاثہ کے فرایض اور حقوق قایم ہوگئے جنہیں ہمیں دل و جان سے ادا کرنا چاہئے۔ چنانچہ سوال و جواب کے چھوٹے رسالہ میں جو نماز کی کتاب میں شامل ہے اس تعلق کا یہ ذکر آیا ہے۔
"خدا باپ جو میرا اور سارے جہان کا خالق ہے۔ خدا بیٹا جو میرے اور کل نوع انسان کیلئے کفارہ ہوا۔ خدا روح القدس جو میرے اور سارے برگزیدوں کو پاک کرتا ہے۔"
لیکن اس منکشف تعلیم سے جب بعضوں نے ٹھوکر کھائی اور کہا کہ ہم اس تعلیم کو کیسے مانیں۔ یہ تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ بعضوں نے یہاں تک کہا کہ یہ تو عقل کے خلاف ہے عقل سلیم توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کو اجتماع ضدین سمجھتی ہے اس لئے اسکو ناممکن قرار دیکر رد کرتی ہے۔
میں اس دوسرے اعتراض کو پہلے لونگا۔ کیا ذات الٰہی میں تین اقانیم کا ہونا خلاف عقل اور اجتماع ضدین ہے یا نہیں؟
اوّل تو اس لئے کہ اب تک عالم اس پر متفق نہیں ہیں کہ ذات ہے کیا۔ اس لئے جب کسی شئے کی ماہیت سے ہم واقف ہی نہیں تو اسکی نسبت کسی طرح کے بیان کو ہم خلاف عقل یا اجتماع ضدین کہہ ہی

نہیں سکتے۔ کیونکہ کسی امر کو خلافِ عقل اور اجتماعِ ضدین صرف اسی صورت میں کہ سکتے ہیں جب اسکی حقیقت سے ہم بخوبی واقف ہوں اور پھر کوئی اس علم و تجربہ کے خلاف کہے۔ لیکن جب اسکی نسبت ہمکو ٹھیک علم و تجربہ حاصل ہی نہیں تو اسکی نسبت کسی دعوے کو خلافِ عقل کہنے کے ہم مجاز نہیں۔ بیشک محض اسی دلیل پر ہم اس دعوے کو ماننے پر مجبور نہیں ہیں جب تک کہ اسکی تائید اور ثبوت میں کچھ اور پیش نہ کر سکیں۔

دوم اس لئے کہ کسی ذات کو ہم حواس خمسہ سے محسوس نہیں کر سکتے جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ شئے کی صفات ہیں۔ مثلاً رنگ۔ بُو۔ ذائقہ۔ وزن۔ عرض۔ طول۔ موٹائی۔ وغیرہ صفات کے باعث ہم کسی شئے کی ہستی کو مانتے ہیں ان صفات کے سوا اور کسی امر کا تجربہ و علم ہمکو حاصل نہیں ہوتا۔ جب ہمارے تجربہ و علم میں سوائے صفات کے کچھ آتا ہی نہیں تو ذات کے لفظ کی بھی عقلاً گنجائش نہیں رہتی۔ اس لئے عالموں نے قیاس سے کام لیکر یہ دو رائیں نکالیں۔ (۱) ذات بذاتہٖ کچھ نہیں۔ مجموعہ صفات کا نام ذات ہے۔ کوئی شئے دُنیا میں ایسی موجود نہیں جس میں صرف واحد صفت پائی جائے ہمیشہ ایک سے زیادہ صفات پائی جاتی ہیں اسلئے ہر شئے میں کثرت پائی جاتی ہے۔ یعنی کثرت فی الوحدت۔ پس جب چاروں طرف کثرت فی الوحدت ہم مشاہدہ کرتے ہیں تو تثلیث فی الوحدت کسی شئے میں ماننا خلافِ عقل نہیں ہو سکتا۔ (۲) ذات میں دو طرح کی صفات ہوتی ہیں۔ اوّل عینی صفات جو کبھی ذات سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں۔ دوم غیر عینی صفات جو کبھی کسی صورت میں ذات سے علیحدہ ہو سکتی ہیں۔ اس تعریف کے مطابق بھی ذات جامع صفات ہوئی گو مجموعہ صفات اُسے نہ مانیں۔ پھر بھی ذات واحد میں کثرت پائی گئی کیونکہ ذات اس تعریف کے مطابق کبھی عینی صفات سے الگ نہیں ہو سکتی۔ اور نہ عینی صفات ذات سے الگ ہو سکتی ہیں۔ اس لئے یہ تعریف بھی کثرت فی الوحدت یا تثلیث فی الوحدت کو قایم کرتی ہے۔

مذکورہ بالا بیان پر دو اعتراض عاید ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اس میں بیان کے مطابق تثلیث فی الوحدت صفات کی تثلیث ہوئی اقانیم کی تثلیث نہ ہوئی۔ باپ۔ بیٹے۔ روح القدس کو ایسی تعریف کے مطابق الٰہی ذات کی تین صفات ماننا پڑیگا۔ نہیں۔ اقنوم ذی ارادہ کو کہتے ہیں یعنی جس شئے میں ارادہ۔ مرضی پائی جائے وُہی اقنوم ہے کیونکہ اقنوم شخص کو کہتے ہیں۔ خدا ذی ارادہ ہے اسلئے وہ شخص یا اقنوم ہے۔ فرشتے ذی ارادہ ہیں۔ اسلئے وہ بھی شخص یا اقنوم ہیں۔ انسان ذی ارادہ ہے اس لئے انسان بھی شخص یا اقنوم ہے۔ چونکہ خدا زندہ صاحب ارادہ ہے اس لئے اس کی ہر صفت زندہ و صاحب ارادہ ہے۔ چونکہ ہماری زندگی مستعار ہے ہم بذات خود زندہ نہیں اس لئے ہماری صفات زندہ و صاحب ارادہ نہیں ہیں۔ ہم کسی امر کی نسبت کہیں کہ ہو جا وہ ہمارے

کہنے سے نہیں ہوجاتا لیکن خدا کہے تو فوراً ہوجاتا ہے ۔کیونکہ جیسے خدا زندہ ہے ویسے اسکا کلام بھی زندہ اور صاحبِ ارادہ ہے ۔ چونکہ خدا میں تین اعلیٰ صفات محبّت ۔ حق اور قدّوسیت پائی جاتی ہیں اس لئے یہ تینوں صفات ذی حیات وذی ارادہ ہیں ۔پس محبّت ذی حیات وذی ارادہ ہونے کے لحاظ سے باپ کے نام سے ملقب ہوئی ۔حق ذی حیات وذی ارادہ بیٹے کے نام سے ۔قدّوسیت ذی حیات وذی ارادہ روح القدس کے نام سے ۔بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ احسان جو ہر کام کیلئے محرّک اور سارے اچھّے کاموں کا چشمہ ہے باپ ہے ۔حکمت جو خدا کے سارے کاموں کو ترتیب دیتی ہے بیٹا ہے ۔اور قدرت جو سب کاموں کو درجہ کمال تک پہنچاتی ہے روح القدس ہے ۔اس سے بھی میرا مطلب نکل آتا ہے ۔ یعنی احسان ذی حیات وذی ارادہ باپ ہے ۔حکمت ذی حیات وذی ارادہ بیٹا ہے اور قدرت ذی حیات وذی ارادہ روح القدس ہے ۔اس لئے الٰہی ذات میں محبّت ۔سچائی ۔قدّوسیت کو یا حکمت ۔ احسان ۔قدرت کو ہم صفات نہیں کہیں گے کیونکہ یہ تو ذی حیات وذی ارادہ ہیں اور جو ذی حیات و ذی ارادہ ہے وہ شخص ہے یا اقنوم ہے ۔اسلئے نہ تثلیث اقانیم یا اشخاص کی تثلیث ہے نہ صفات کی تثلیث ۔ یہ تین اقانیم یا یہ تین عینی صفات کل صفات کا چشمہ ہیں یا یہ کہو کہ باقی صفات ہی الٰہی کی مختلف صورتیں ہیں ۔اس لئے تثلیث کی تخصیص ہوئی ۔اگر زیادہ شرح مطلوب ہو تو کسی دوسرے موقعہ پر ہوسکتی ہے ۔

اب ہم دوسرے اعتراض کی طرف توجہ کرتے ہیں ۔اعتراض یہ ہے کہ جب کل مخلوقات میں کثرت فی الوحدت پائی جاتی ہے اور کوئی شئے اس سے خالی نہیں اور خالق میں بھی کثرت فی الوحدت پائی گئی تو اسکی ذات بے نظیر کیسے ٹھہری وہ تو باقی اشیا کی طرح ہوگیا اور سارے مذاہب کے لوگ خدا کو بےنظیر کہتے ہیں یعنی اسکی خلقت نہیں ۔کسی شے سے اسکو مشابہ نہیں ٹھہرا سکتے ۔جواب یہ ہے کہ بیشک خدا بےنظیر ہے ۔جب معترض نے یہ اعتراض کیا تھا کہ خدا کی ذات میں تثلیث کو ماننا خلاف عقل وتجربہ ہے تو شاید وہ اس بات کو بھول گیا تھا کہ خدا بے نظیر ہے کسی شئے سے اسکی مثال نہیں دے سکتے یعنی ہماری عقل ومشاہدہ میں اسکی ذات کی کوئی مثال پائی نہیں جاتی جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ خدا کی ذات کا بیان ہماری عقل ومشاہدہ سے متفرق ہے ۔

لیکن ہم اب بھی یہ ساری نظیریں دیکر خدا کی ذات کو بے نظیر ثابت کرینگے ۔

یہ سچ ہے کہ خدا اپنی ذات وصفات میں بے نظیر ہے مگر جب ہم یہ دعوے کرتے یا کتاب مقدس میں ایسا ذکر پڑھتے ہیں تو اسکا مطلب کیا ہوتا ہے ؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا رحیم ہے کریم ہے ۔ غصّہ کرنے والا معاف کرنے والا ۔مدد کرنے والا پیار کرنے والا ۔پاک وغیرہ ہے ۔کیا رحم ۔کرم ۔غصّہ ۔ معافی ۔مدد ۔پیار ۔پاکیزگی ایسی صفات ہیں جو انسان میں پائی نہیں جاتیں ۔جب انسان میں یہ صفات

پائی جاتی ہیں تو خدا کیسے بے نظیر رہ سکتا ہے جبکہ اسکی صفات کی بہ نظیریں انسان و حیوان و دیگر مخلوقات میں پائی جاتی ہیں۔ جب وہ ایسے معنوں میں بے نظیر ہے کہ اسکی نظیر خلقت میں پائی نہیں جاتی تو کیوں یہ کہا جاتا ہے کہ تم رحیم ہو تم پاک ہو۔ کیونکہ خدا رحیم و پاک ہے۔ جب ایسی صفات ہماری زندگی میں پائی نہ جائیں تو ہم خدا کے نیک بندے کیسے بنیں اور کیسے اسکی قربت حاصل کریں اور اسکی صحبت میں رہ سکیں؛ اس سے ظاہر ہے کہ جب ہم خدا کو اسکی ذات و صفات میں بے نظیر کہتے ہیں تو اسکا ایک تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ خدا کی ذات و صفات میں جو کمال ہے وہ کسی دیگر شے میں پایا نہیں جاتا جیسا اسکا رحم ہے ویسا رحم اس کمال تک کسی میں نہیں جیسی اسکی پاکیزگی ہے ویسی پاکیزگی درجہ کمال کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اس لئے خدا کا رحم خدا کی پاکیزگی بے نظیر ہے کیونکہ کوئی دوسری شے ان صفات میں اس کے برابر نہیں۔ پس محبت سچائی۔ پاکیزگی جو الٰہی ذات میں درجہ کمال تک پائی جاتی ہے۔ وہ حکمت۔ قدرت۔ احسان جو اسکی ذات کا خاصہ ہے اور کسی ذات کا نہیں اسلئے وہ اپنی ذات و صفات میں بے نظیر ہے۔ جو تثلیث فی التوحید اس میں ہے وہ بھی کامل اور بے نظیر ہے۔ دوم یہ کہ اسکی صفات و خوبیاں اسکی ذات کا خاصہ ہیں۔ ہماری صفات و خوبیاں سب عطیۂ الٰہی ہیں۔

یہ بیان میرے خیال میں ان کی مدد کیلئے کافی ہوگا جو مقدس نوشتوں میں تثلیث کے بیان کو سمجھنا چاہتے ہیں کہ کس طرح ثالوث کے ہر اقنوم نے ہماری نجات کے کام میں حصہ لیا۔ خدا کرے یہ الٰہی صفت ہماری زندگی میں ظاہر ہو تاکہ ہم محبت۔ سچائی۔ پاکیزگی میں ترقی کریں۔ احسان۔ حکمت۔ قدرت میں بڑھیں اور خدا کا جلال اپنے اقوال و افعال سے ظاہر کریں۔ (پادری علی بخش)

رُوحانی تاثیر۔ اے میرے خدا! کیا ہم کبھی اس امر کا احساس نہ پائینگے کہ ہم سب یسوع مسیح کی حالت سے مختلف معنی میں بہتوں کے گرنے اور اُٹھنے کیلئے مقرر ہوتے ہیں اور کہ خواہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں ہم اپنی سی رُوحیں پیدا کر رہے ہیں۔ اوہ اگر ہم اپنی آنکھوں سے۔ موجودہ اور آئندہ زمانہ میں۔ اس پُشت کو دیکھ سکیں جنکو ہمارے نمونے تولید دے رہے ہیں۔ اگر ہم اُن رُوحوں کا شمار کر سکیں جو ہماری زندگی میں اور جو ہماری موت کے بعد بھی۔ ہم سے تولید پانے کے دعوے کا حق رکھیں گی اور اپنی سیرت اور قسمت کو زیادہ تر ہم سے منسوب کریں گی۔ تو ہم پر کیسی دہشت طاری نہ ہو جائے اور خدا کی رحمت کے بازوؤں میں اپنے آپ کو ڈالنے کی ہم کیسی ضرورت محسوس نہ کریں۔ لیکن یہ سب کچھ کیسی پاک تحریک اور پُرخوشی امید کے ساتھ۔

"تم سب بھائی ہو"

آرچ بشپ آف یارک نے جو کلیسیا ئے انگلستان کے ایک رکن اعظم ہیں مسیحی کلیسیاؤں کے نام جو باہم اختلاف رائے رکھتی ہیں ایک اپیل شایع کی ہے۔ مسیحی برادری کے اہم مضمون پر یہ ایک بڑی بیش قیمت اور قابل وقعت تحریر ہے۔ ہز گریس نے اپنی سند کی آیت یہ الفاظ لئے ہیں کہ "تمہارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو" لنڈن کے مشہور ہفتہ وار دینی اخبار "ریکارڈ" مورخہ ۲۶ فروری کے صفحہ ۲۴۹ و ۲۵۰ پر اس اپیل میں سے چند اقتباس چھپے ہیں۔ ہم اسوقت اس نادر تحریر کا صرف ایک پیرگراف اور آخری حصہ ہدیۂ ناظرین کرتے اور انگریزی خوان برادران اور خصوصاً ہندوستانی پادری صاحبان سے ملتمس ہیں کہ وہ انگریزی اخبار میں سارے مضمون کو غور سے پڑھیں:۔

عشاءِ ربانی میں شراکت

اکثروں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کبھی کبھی ہم اپنے نن کانفارمسٹ برادران (یعنی غیراز چرچ آف انگلینڈ کلیسیاؤں) کو اپنے گرجاؤں میں وعظ کرنیکے لئے مدعو کریں اور ہم خود ان کی عبادت میں حصہ لیں۔ یہ خیال اسی نیت اور غرض سے پیش کیا جاتا ہے جو خود میرے مدنظر ہے لیکن میری دانست میں اس انتظام سے کچھ فایدہ نہیں ہونے کا۔ بلکہ الٹا اندیشہ ہے کہ کبھی کبھی مختلف تعلیم سے نقصان اور غلط فہمی اور بدانتظامی وقوع میں نہ آئے۔ لیکن کیا خداوند کی میز تمام مسیحی شراکت کا حقیقی مرکز نہیں اور کیا حقیقی شراکت ہمیں وہیں نہ ملیگی؟ اس مقدس ضیافت کی خاموشی میں دینی خیالات کے متعلق کسی قسم کے اختلاف رائے کے اظہار کی گنجایش نہ ہوگی۔ ہم اپنی تسلی کے لئے اس پاک ساکرمنٹ لینے کو بڑی خاموشی۔ دلجمعی اور ایمان کے ساتھ نزدیک آئینگے۔ ہر ایک مومن کو ہمیشہ حاضر خدا کے ساتھ تعلق رکھنے کا احساس حاصل ہوگا اور وہ اپنے دل میں ان پاک بھیدوں کے طور وطریق کی نسبت رائے قایم کریگا۔ وہ وقت شاید ابھی نہیں آیا لیکن یہ شراکت بیشک بڑی مبارک اور حقیقی ہوگی جب وہ مومن جو کلیسیا کے انتظامی معاملات کے لحاظ سے ایک ایک دوسرے سے جدا ہیں یا دینی مسئلوں پر اختلاف رائے رکھتے ہیں خداوند کی میز کے پاس اکٹھے ہو کر خداوند کے بدن اور لہو کی مقدس شراکت میں شریک ہوں۔ کیا اب بھی ایسی بات بالکل

خلاف توقع ہے؟ کیا ہمارا یہ خیال صحیح ہے کہ چرچ آف انگلینڈ کی تعلیم کے موافق نن کانفارمسٹ برادران میں سے مقدس سے مقدس اشخاص صرف اسی لئے خداوند کی میز کے پاس نہیں آسکتے کہ انہوں نے کبھی استحکام نہیں پایا۔ ہماری دعائے عمیم کی کتاب میں ایسی تعلیم کہاں ملتی ہے؟ تنبیہی پیراگراف میں جو پاک شراکت کے عمل میں لانے کی ترتیب کے شروع میں بخط نسخ لکھا ہے اس کی طرف اشارہ تک نہیں۔ اس میں تو صرف بدچلن ۔ نا تائب اور ضدی کو خداوند کی میز میں شریک نہ کرنے کا ذکر ہے۔ استحکام نہ پانے کا کوئی ذکر نہیں۔ چرچ آف انگلینڈ کی عبادت میں ہاتھ رکھنے کی رسم کی ترتیب سے بڑھکر کوئی اور ترتیب دلکش نہیں۔ یہ نماز کی کتاب کے اس حصہ کے خاتمہ پر رکھی گئی ہے جو کلیسیا کے بچوں کی ساری تعلیم کی تکمیل کرتا ہے۔ اُن کے بپتسمہ سے لیکر (خواہ وہ طفولیت میں ہُوا ہو یا بلوغت میں) کالی کرم کی عجیب تعلیم پاکر جب وہ سن رشد کو پہنچتے اور ہاتھ رکھنے کے ذریعے سے استحکام کی برکت پاتے ہیں۔ اس ترتیب کے خاتمہ پر یہ ہدایت درج ہے کہ کوئی شخص عشاءِ ربانی میں شریک ہونے نہ پائے مگر جبکہ وہ مستحکم کیا جائے یا مستحکم ہونیکے لئے تیار اور مشتاق ہو۔ یہ قانون بیشک کلیسیا کے فرزندوں کے لئے ہے اور ہم اچھا کرتے ہیں کہ استحکام کی برکت کا خیال انکے دلنشین کرتے ہیں۔ وہ ایک بڑی بیش قیمت برکت لینے کو بُلائے جاتے ہیں۔ کہ جس سے اپنے بپتسمہ کی برکت پر رُوح القدس کی بخشش بڑھائیں۔ اور جب تک وہ یہ بخشش پا نہ لیں وہ پاک شراکت کی اعلیٰ برکت میں شریک نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان لوگوں کی حالت میں جنکی مسیحی تعلیم دیگر حالتوں اور دوسری مسیحی جماعتوں میں ہُوئی ہو یا ہماری اپنی کلیسیا (کلیسیائے انگلستان) کے ان ممبران کی حالت میں جنہوں نے اوایل عمر میں کسی غفلت یا کوتاہی سے استحکام کی برکت نہیں پائی۔ جن میں شاید عرصہ کی سچی مسیحی زندگی سے مسیحی سیرت مضبوط ہو گئی ہے یہ قانون عاید نہیں ہوتا اور اُن کے لئے مستحکم ہونا لازمی نہیں۔ یہ برکت ہر ایک کی پہنچ میں ہے۔ اگرچہ "عام طور پر یہ نجات کیلئے ضروری نہیں"۔

✢ ✢ ✢ ✢ ✢

گہرائی اور حقیقی شراکت کی درخواست۔ اس اپیل کے خاتمہ پر مَیں محسوس کرتا ہُوں کہ آپ کو ایسا معلوم ہوگا کہ اس تحریر سے کسی عملی نتیجہ کے نکلنے کا بہت امکان نہیں۔ میرے دل میں بھی یہ خیال نہ تھا۔ میری آرزو یہی تھی کہ مسیحی برادری کے خیال کو مضبوط اور از سرِنو تازہ کرنے سے عملی شراکت کی راہ تیار کروں۔ یہی بڑا اصول میرے دل میں ہے اور یہ ایسا اصول ہے کہ جسکی بنا الٰہی ہے اور وہ اس امر سے کہ ہم سب خدا کا ایک خاندان ہیں یہ اصول ایک دم کے بلئے جُدا نہیں ہو سکتا۔ میرے دل میں یہ خواہش جوش زن اور تحریک دہ ہے کہ انگلستان کی موجودہ دینی حالت پر اس اصول کا اثر ڈالوں اور اس اصول کی روشنی میں ہم اس افسوسناک جُدائی کو دیکھیں جو

مسیحیوں کے باہمی تعلقات میں پائی جاتی ہے اور یہ امید بھی میرے دل میں جاگزین ہے کہ ان مومنین کو جو ایک آسمانی باپ کے فرزند اور ایک الٰہی استاد کے خادم ہیں۔ شراکت۔ یگانگت اور اتحاد کے رشتہ میں منسلک کرنے کیلئے کچھ کیا جائے۔ ضرور ہے کہ ایسی تحریک شروع میں بہت ہلکی اور کمزور ہو اور اسکی ترقی اور بھی آہستہ رَو۔ لیکن اس کے نتائج امید ہی میں جیسا کہ میں نے ان کا نقشہ کھینچا ہے ہزاروں دلوں کو جو شاہِ آسمانی کے فرزندوں میں لڑائی جھگڑا اور علیحدگی اور بے اتحادی دیکھکر مغموم اور بے چین ہیں تسلی اور خوشی حاصل ہوگی۔ شاید ایسی مبارک امید کے پھل اسکے عین آغاز میں ہی مجھے دیکھنے نصیب نہ ہوں لیکن انکو دُور ہی سے دیکھکر اور ان کے بر آنے کی اُمید پاکر میرا دل شکرگذاری سے معمور ہوگا۔ میرے دل اور دماغ میں مُدتوں سے اِن مبارک پھلوں کا نقشہ بندھا ہے اور میرے بڑھاپے کے دلوں میں مجھے کچھ راحت اور شکرگذاری حاصل ہوگی کہ میں نے خدا کے جُدا شدہ فرزندوں کا آیندہ اتحاد آئینہ میں دُھندلا سا دیکھا۔

مٹی کے برتن

از اے ڈی

اس لئے کہ خدا ہی ہے جس نے فرمایا کہ تاریکی میں سے نور چمکے اور وہی ہمارے دلوں میں چمکا تا کہ (اَوروں پر بھی) خدا کے جلال کی پہچان کا نور یسوعؔ مسیح کے چہرے سے جلوہ گر ہو۔ لیکن ہمارے پاس یہ خزانہ مٹی کے برتنوں میں رکھا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ حد سے زیادہ قدرت (جس نے اس کام کو سرانجام دیا) ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے (۲ کرنتھیوں ۴: ۶و۷)

مٹی کے برتن۔ آج میں نے ایک گدھے کی پیٹھ پر سیکڑوں برتن لدے ہوئے دیکھے میں نے ٹھہر کر ان کو غور سے دیکھا اور ان کو پسند کر کے قیمت دریافت کی۔ جواب ملا کہ پیسے کے گیارہ۔ لیکن اتفاق ایسا ہُوا کہ اسوقت میری جیب میں ایک پیسہ بھی نہ نکلا اور وہ چھوٹا سا مٹی کا برتن جو مجھے بہت پسند آیا تھا میری پہنچ سے ایسا ہی دُور رہا جیسے کوئی گراں قدر چیز۔ میں واں سے آگے چل دی۔ پیچھے سے مجھے ایک عورت نے پکار کر پوچھا کہ "مس صاحب آپکو کتنے درکار ہیں"؟ میں نے کہا کہ "صرف ایک"۔ "تو پھر ایک لے لیجئے۔ ایک برتن کی کچھ قیمت نہیں۔ یہ میری طرف سے نذر ہے"۔ چونکہ برتنوں والے نے مجھے خوشی سے برتن دے دیا میں نے اسکا عطیہ شکرگذاری کے ساتھ قبول

کیا اور گلی میں چلی گئی۔ ایک چھوٹا سا بچہ ایک اور برتن لے کر میرے پیچھے بھاگتا آیا اور کہا کہ "یہ بھی قبول فرمائیے۔ یہ میری طرف سے نذر ہے"۔ اِن خوبصورت چھوٹے برتنوں کو دیکھکر جن کی کچھ قیمت نہ تھی اور جو علیحدہ علیحدہ کوئی قیمت نہیں پاتے اور فرداً فرداً فروخت نہ ہوتے تھے مجھے خدا کے برتنوں کا خیال آیا۔ یہ برتن مٹی کے ہیں۔ ٹوٹ جانیوالے نازک برتن۔ لیکن وہ رحم کے برتن ہیں جو جلال کیلئے پہلے سے تیار کئے گئے ہیں (رومیوں ۹: ۲۳) تیار کئے ہوئے۔ سانچے میں ڈھالے ہوئے۔ اُن کو صورت دینے میں خدا بڑی محنت اُٹھاتا ہے۔ آگ میں جلاتے ہوئے۔ کوئی خدا کی آگ سے محروم نہ رہا۔ خدا ہر ایک کو کسی بڑے کام کے لئے تیار کرتا ہے۔ اپنے جلال کے لئے۔ تاکہ ان میں اس کے خزانے جو دُنیا کے نور ہیں رکھے رہیں۔ مَیں نے پھر اُس چھوٹے برتن کو جس کی کچھ قیمت نہ تھی غور سے دیکھا اور سوچا کہ وہ کیا کچھ ہو سکتا اور کیسا مفید ٹھہر سکتا ہے۔ اسمیں تیل لبالب بھرا جائے۔ تم تو آگ کے چھونے سے وہ ستارے سے روشن ہوتا اور تاریکی کو منور کرتا ہے۔ مجھے ان کم قیمت برتنوں پر خدا کی رحمت کا خیال آیا کہ وہ بے قیمت تاہم انمول ہیں کیونکہ خدا اپنے خزانے ان میں رکھتا ہے جب وہ بالکل اسکے تصرف اور اُسکی زیرِ حفاظت ہوں۔

خداوند یسوع! آفتاب صداقت۔ دُنیا کے نور ہم محض مٹی کے برتن ہیں لیکن ہیں ہم تیرے۔ ہمیں لے۔ ہمیں خالی کر۔ ہمیں صاف کر۔ ہمیں بھر دے۔ اپنے روح القدس کی آگ سے ہمیں سلگا دے تاکہ ہم اس مدعا کو پورا کریں جسکے لئے تو نے ہمیں بنایا اور صورت دی۔ تاریک جگہوں میں ہمیں اپنی روشنی بنا تاکہ ہمارے ذریعے کئی گمراہ ہمارے باپ کے مکان میں واپس آئیں۔

مِشن فیلڈ

دھلی۔ یکم فروری کے دن میٹلینڈ میموریل چرچ کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔ پتھر رکھنے کی رسم مسز میٹلینڈ صاحبہ نے ادا کی۔ اُن کے خاوند پادری اے سی میٹلینڈ مرحوم گرجا کی عمارت کیلئے دس ہزار روپیہ چھوڑ گئے تھے اور ان کے شرکاءِ خاندان نے ساڑھے سات ہزار روپیہ اور چندہ دیا۔ عمارت کا نقشہ دہلی مشن کے پادری اے کور صاحب نے تیار کیا اور سر سونٹن جیکب نے پسند فرمایا ہے۔ یہ عمارت موجودہ مشن چرچ سے قریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے اس موقعہ پر بشپ صاحب لاہور نے میٹلینڈ صاحب کی صفات حمیدہ اور ان کی فیاضی کا ذکر خیر کیا۔

جھنگ بار۔ ۲۲ فروری کو بشپ صاحب یہاں تشریف لائے۔ سکندر آباد کے مسیحیوں نے مبلغ

چار سو روپیہ کی لاگت سے اپنا گرجا تعمیر کیا ہے اور باہر سے مدد کی درخواست نہیں کی۔ منٹگمری والہ کے مسیحیوں نے جھنڈوں اور باجوں کے ساتھ صاحب ممدوح کا خیر مقدم کیا۔ ان کی گاڑی سے گھوڑے اُتار کر لوگ گاڑی کو گانوں کے وسط میں کھینچ کر لے گئے جہاں آپ نے وعظ و تلقین کی۔

میڈیکل مشن ۔ ڈاکٹر نیو لکھتے ہیں کہ پچھلے ۲۰ برس کے عرصہ میں میڈیکل مشن نے ترقی کی اور جزام خانہ اور اندھوں کے لئے کارخانہ وغیرہ قایم ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں چونتیس ۳۴ سوسائٹیوں نے میڈیکل کام جاری کیا ہے۔ ان کے متعلق ۱۹۳ ڈاکٹر ہیں۔ ۱۲۵ صدر مقام اور ۲۱۲ ڈسپنسریاں۔ پچھلے سال سولہ لاکھ اشخاص کا علاج کیا گیا۔

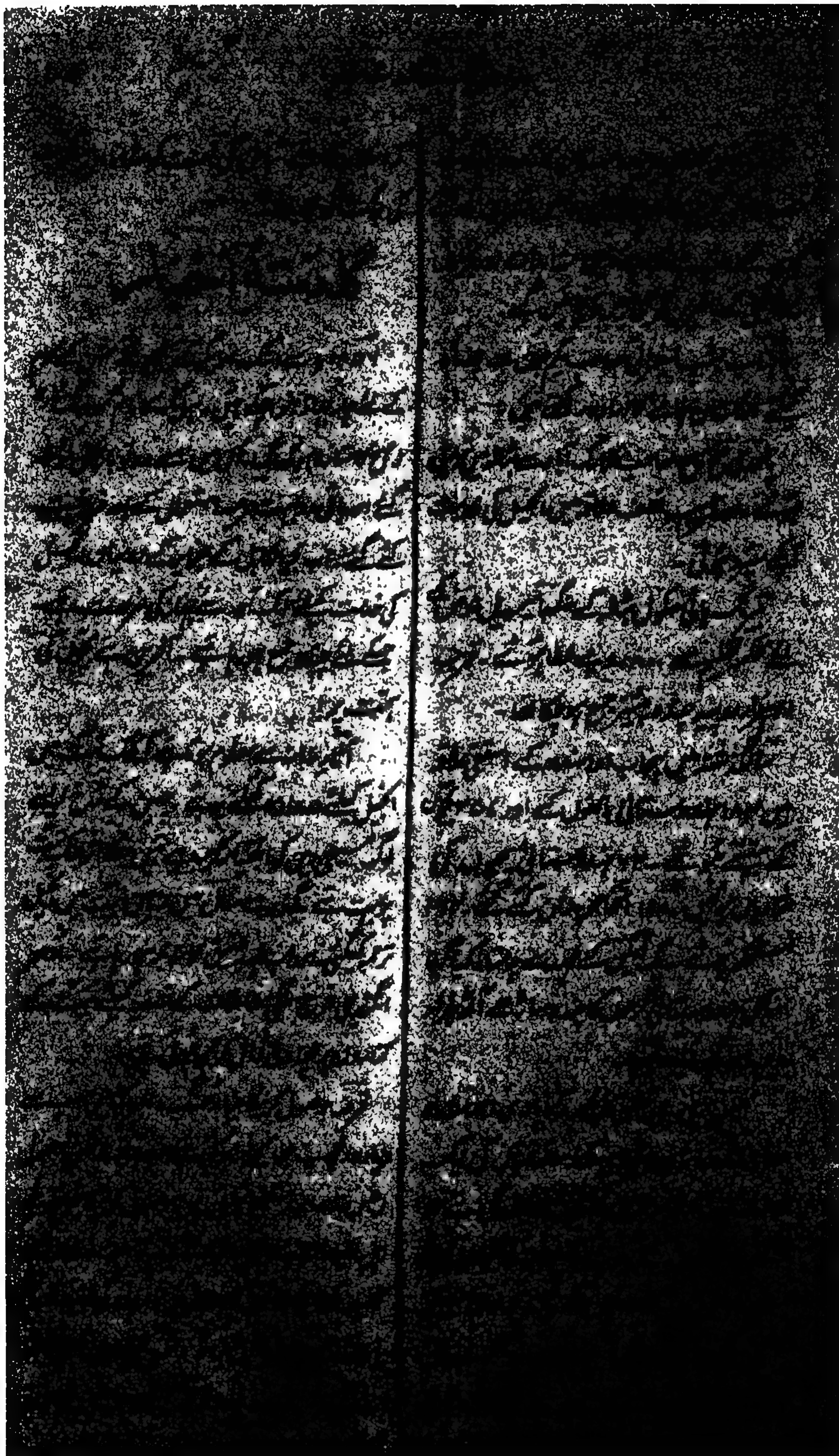
بائبل سوسائٹی کا کام ۔ ۱۸۰۴ء میں خدا کا کلام چالیس زبانوں میں مروج تھا جسکو ۱/۲ بنی آدم سمجھ سکتے تھے اور ۱۹۰۴ء میں تقریباً ۴۰۳ زبانوں اور بولیوں میں جسکو ۷/۸ باشندے سمجھ سکتے ہیں بائبل ہی صرف ایک کتاب ہے جو تمام زبانوں میں ترجمہ ہو سکتی ہے۔ اور اسکی شیرینی اور طاقت کم نہیں ہوتی۔ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت ہمارے آسمانی باپ کا کلام ہے۔ کیونکہ یہ سب سے ادنٰے آدمی سے اسکی اپنی ہی بولی میں کلام کر سکتی ہے۔ وہ کیا ہی مبارک موقعہ ہوگا جبکہ بائبل نہ صرف ہر ایک زبان میں بلکہ ہر ایک زندگی میں ترجمہ ہوگی۔

برٹش و فارن بائبل سوسائٹی نے پہلے سال ۱۰۵۰۰ روپیہ خرچ کیا اور اب وہ ۱۰۵۰۰ روپیہ ایکدن میں خرچ کرتی ہے۔ ۱۸۵۷ء تک اس سوسائٹی کی سب سے زیادہ سالانہ آمدنی ۱۷۵۵۰۰۰ روپیہ تھی۔ ۱۹۰۲-۳ء میں اس نے ۳۸۱۰۰۰۰ روپیہ خرچ کیا۔ ۱۸۵۳-۴ء میں اس کی سالانہ اشاعت ۱۴۵۰۰۰۰ جلدیں تھیں۔ ۱۹۰۲-۳ء میں تقریباً ۶۰۰۰۰۰۰ جلدیں۔ گذشتہ دس سال میں اسکی سالانہ اشاعت ۵۰ فیصدی بڑھی۔ ۱۸۵۴ء تک کل ۶۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ خرچ کیا۔ ۱۹۰۴ء تک ۲۱۰۰۰۰۰۰۰ سے زیادہ خرچ کیا۔ ۱۸۵۴ء تک ۲۸۰۰۰۰۰۰ جلدیں تقسیم کیں اور ۱۹۰۴ء ۱۸۵۰۰۰۰۰۰ جلدیں جن میں سے ۷۵۰۰۰۰۰۰ صرف انگریزی میں تھیں۔ ۱۸۵۴ء میں اسکی ۳۲۱۵ شاخیں صرف انگلستان میں تھیں۔ ۵۷۵ دیگر ممالک میں۔ ۱۹۰۳ء میں اسکی ۵۸۷۵ شاخیں انگلستان میں اور ۲۰۰۷ دیگر ممالک میں۔ گذشتہ سو سال کے عرصہ میں مندرجہ ذیل زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

بنگالی ۱۸۰۹۔ ہندی ۱۸۱۸۔ مرہٹی ۱۸۱۹۔ پنجابی ۱۸۲۶۔ یہ چاروں سیرامپور میں شایع ہوئیں۔ سنہالی ۱۸۲۳۔ چینی ۱۸۲۳۔ کناری ۱۸۳۱۔ گجراتی(?) ۱۸۳۵۔ تمیلی(?) ۱۸۳۸۔ اردو ۱۸۴۳۔ سیموئن ۱۸۵۵۔ چوٹینا ۱۸۵۷۔ موری ۱۸۵۸۔ زوسا (کافری) ۱۸۵۹۔ ٹیلیگو ۱۸۶۰۔ بلگرین ۱۸۶۴۔ فیجی ۱۸۶۴۔ اینگا ۱۸۶۶۔ سندسی ۱۸۶۸۔ سترولیا ۱۸۶۸۔ اشانٹی ۱۸۷۱۔ یوروبا ۱۸۸۴۔ جاپانی ۱۸۸۸۔ [illegible]

اس سوسائیٹی نے خدا کا کلام ہر ایک آدمی کو اُسکی مادری زبان میں پہنچانے کی کوشش کی ہے۔
اور یہ مسیحی کام کے ایک ضروری حصے کو انگلستان اور دوسرے ممالک میں کر رہی ہے۔ اسکے متعلق ۸۷۰
کلیسوٹر کتب فروش ہیں جو کہ دُنیا کے مختلف حصوں میں شہر بشہر اور گھر بہ گھر پھر کر کتابیں بیچتے ہیں۔ ۶۵۰
ہندوستانی بائبل ووِمن زنانوں میں خدا کا کلام سُناتی ہیں۔ ہندوستان میں ۰۰۰۰۰ ۲۹۵ آدمیوں
میں صرف ۱۰ لاکھ مستورات پڑھ سکتی ہیں۔ اِس سوسائیٹی نے اندھوں کے لئے اُبھرے ہُوئے الفاظ میں
بائبل کا تیس مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے میں امداد دی۔ ایڈورڈ ہفتم کی ہندوستانی رعایا میں سے ۵
لاکھ اندھے ہیں۔ یہ سوسائیٹی کتابوں کو بہت ہی سستی قیمت پر بیچتی ہے۔ تاکہ غربا بھی اس سے مستفید
ہوں۔ اس نے ۸۰ لاکھ انگریزی میں عہد نامے چھاپے ہیں۔ جنکی قیمت ا/ ہے۔ اور انگریزی بائبل
۶/ کی قیمت کی چھپتی ہے۔ ڈچ زبان میں بائبل کا بھی یہی دام ہے۔ چینی زبان میں عہد نامے
چھاپنے کا خرچ ۴½ رہوتا ہے مگر وہ ۲/ پر فروخت ہوتی ہے۔ جاپانی عہد نامے پر سات پیسے
خرچ آتا ہے مگر وہ ½ ا/ پر فروخت ہوتا ہے۔ ہندوستان کی قریباً تمام زبانوں میں انجیل ایک
پیسے کو بکتی ہے۔ چھپائی اور تقسیم کرنے میں سالانہ جو روپیہ صرف ہوتا ہے اسکا ۴۰ فیصدی سے بھی کم
بکری سے وصول ہوتا ہے۔

موریوین مشن۔ موریوین برادران کی مشنری خدمت اور ممالک کی خدمت میں انکی جاں نثاری کلیسیا کی
تاریخ میں سب سے روشن ستارہ ہے۔ موریوین چرچ کے ہر ساٹھ ممبروں میں سے ایک فارن مشنری ہے
حالانکہ کلیسیائے انگلستان کے متعلق انگلستان کے مسیحیوں میں مشنوں کے متعلق جو دلچسپی کم ہو رہی ہے اسکا فکر
ہر ایک کو دامنگیر ہو رہا ہے۔ موریوین مشن کے متعلق فہرست مندرجہ ذیل دلچسپ ثابت ہوگی:-
۲۵ سال کا عرصہ ہُوا کہ مشن میں صرف ۲۰۵۱۸ شریک عشائے ربانی تھے۔ ممبروں کی کُل تعداد ۸۲ ۶۸۲ تھی۔
۱۹۰۲ء میں ۳۲۶۸۷ شریک عشا تھے۔ اسکے علاوہ ۵۲۵ بپتسمہ یافتہ نوجوان تھے اور کل تعداد ۹۸۵۹۹ تھی۔
اُسوقت انگریزی مشنریوں کی تعداد ۳۱۹ تھی اور ۱۰۰۹ ہندوستانی مددگار تھے۔ اب تقریباً ۵۰۰ انگریز اور دیسی
مشنری ہیں اور تقریباً ۲۰۰۰ لے مین ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۲ء میں کل تعداد مشنریوں اور لے مین کی ۲۲۶۸ تھی
جبکہ ۱۸۰۸ء میں کل ۱۳۲۸ تھی۔ طالب علموں کی تعداد دگنی سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ اس مشن کی آمدنی ۱۸۶۸ء
میں ۳۲۱۰۱۵ روپیہ اور خرچ ۲۵۶۲۹۵ روپیہ تھا۔ اسمیں ۰۰۰ ۲۷۵ روپیہ کی رقم شامل نہیں جو ممالک غیر میں
چندہ ہُوا۔ چنانچہ کل آمدنی جو کہ ۱۸۶۸ء میں ہُوئی ۶۹۰۰۰ روپیہ تھی اور کل آمدنی ۱۹۰۲ء میں ۱۲۲۴۲۵۰ روپیہ تھی۔
گذشتہ ۳۵ سال میں کام دُگنا ہو گیا۔ الاسکا میں ۱۸۸۵ء میں باشندگان اسکیمو کے درمیان نیا کام شروع کیا گیا۔
۱۸۹۰ء میں ٹرینیڈاڈ میں۔ ڈیمرارا میں ۱۸۷۸ء میں۔ ایسٹ سنٹرل افریقہ میں ۱۸۹۱ء میں۔ شمالی کوئینزلینڈ میں ۱۸۹۱ء
میں۔ مدوتون مشن جو کہ جنوبی کیلیفورنیا میں ہے ۱۸۹۰ء میں نئے کام شروع کئے گئے۔ یہ بہت ہی حیرت انگیز ترقی



لوگوں کو بھی فائدہ ہو رہا ہے۔ اور اس کمیٹی کو بھی۔ اس انجمن نے وصول کرنے کا یہ طریقہ بنایا ہے کہ قرضہ کے حقوق خود خرید لیتی ہے اور ایک بہت بڑی گاڑی میں جس پر انجمن مذکورہ بالا کا نام بہت موٹے حروف میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ بہت سے اراکین انجمن بیٹھکر مقروض کے گھر پر جاتے ہیں۔ جب تک قرضہ وصول نہ کریں اراکین اسکے گھر میں رہتے ہیں اور گاڑی اسکے دروازے پر۔ وہ بیچارہ شرم کے مارے جس قدر جلدی ہوسکتا ہے قرضہ ادا کر دیتا ہے۔

فرانس میں خانہ داری۔ جب انگلش سوسائٹی کے آدمی تنگدست ہو جاتے ہیں اور انکو اخراجات میں لامحالہ کمی کرنی پڑتی ہے تو سنا جاتا ہے کہ وہ فرانس میں سکونت اختیار کرنے چلے جاتے ہیں اور اس نقل مکانی سے لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ فرانس میں انگلستان کی نسبت معمولی اخراجات تھوڑے روپیہ میں چل جاتے ہیں۔ مگر یہ انکی سراسر غلطی ہے بلکہ وہاں انکو ملازم رکھنے کی ضرورت بہت کم واقع ہوتی ہے کیونکہ فالتو سامان خریدنا نہیں پڑتا۔ اور اچھا کھانا میسر نہیں آتا۔

رسیدنامہ

۱ یکم مارچ تا ۳۱ مارچ ۱۹۰۴ء

ڈاکٹر نجم الدین	۱۹۰۴ء	۲—۰—۰
مسٹر [illegible]	"	۲—۰—۰
بابو [illegible] رام	"	۲—۰—۰
بابو گلاب سنگھ	"	۲—۰—۰
بابو نظام الدین	۱۹۰۳ و ۱۹۰۴ء	۲—۰—۰
[illegible]	۱۹۰۴ء	۱—۸—۰

ایل ۲۷ ۔ (جملہ خط و کتابت مسٹر ایم ایل رلیارام ایل ایل بی امرتسر کے نام ہونی چاہئے)

مسیحی

جلد (۹) نمبر (۴)

امرتسر

اپریل ۱۹۰۴ع

قیمت سالانہ پیشگی یا بذریعہ قیمت طلب پارسل

دو روپیہ معہ محصول ڈاک

فہرست مضامین

مطبوعہ دہلی ہند پریس امرتسر

نوٹ بک

۲؍اپریل۔ آج سنٹ جانس کالج لاہور کا سالانہ خط پادری وگرم صاحب کی طرف سے ملا۔ یہ خط امسال نہایت ہی مختصر مگر دلچسپ ہے۔ راقم پادری وگرم صاحب اوّل اپنی علالتِ طبع کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے سالِ گذشتہ میں آپ دو ماہ تک کالج میں کام نہ کر سکے۔ ہماری کلیسیا کی خوش قسمتی ہے کہ خدا نے آپکو تندرستی بخشی اور پھر خدمت کیلئے مستعد کیا۔ ڈوئنٹی کالج کے دو پُرانے طالب علموں نے ڈیکن کے عہدہ پر تقرر حاصل کیا۔ ایک خاص بات جو پادری صاحب موصوف کی ذات بابرکات کے ساتھ وابستہ ہے مگر جسکا مفصّل ذکر آپنے نہیں فرمایا وہ یہ ہے کہ احاطہ یہاں سنگ باغ میں ڈوئنٹی کالج کے متصّل آپنے اپنی گرہ سے ایک خاص عمارت اُن مسیحی نوجوانوں کے لئے تعمیر کرائی ہے جو دستکاری سیکھکر روٹی کمانا چاہتے ہیں اور ایک کارخانہ بڑھئی کے کام کا بھی کھول لیا ہے۔ درزی اور موچی کا کام سیکھنے کے لئے دوسری جگہ جانا پڑتا ہے۔ حسب المونہ دیگر پیشے بھی لڑکوں کو سکھائے جائیں گے — کارخانہ کا کل انتظام فنلے صاحب کے سپرد ہے — بالفعل لڑکوں کے کھانے کا خرچ چار روپیہ ماہوار ہے۔ لیکن ہونہار لڑکوں کو وظیفہ مِل سکیگا۔ داخل ہونے والوں کو کم از کم لوئر پرائمری کا پاس شدہ ہونا چاہئے — اُن لڑکوں کے لئے ایک نائٹ سکول بھی بنایا گیا ہے جسمیں وہ نوجوان خوشی سے مدد دیتے ہیں جو اسی احاطہ میں رہ کر سرکاری محکمہ جات میں کام کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مفید کام ہے کہ اگر پادری وگرم صاحب کو آج ہندوستان سے واپس جانا پڑے تو یہی کارخانہ آپکا نام ہماری کلیسیا کی آیندہ پشتوں میں زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ بلکہ پادری بیرنگ صاحب اور رابرٹ کلارک صاحب کے ساتھ آپکا نام بھی کلیسیا کے لوحِ دل پر محفوظ رہیگا۔ موجودہ خط میں صاحب موصوف انڈسٹریل سکول کی فضیلت بیان کرنے میں ایسے رطبُ اللسان ہوئے ہیں کہ بیچارے کمبختی کے مارے بابوؤں کو جولاہوں اور موچیوں سے پچھاڑ دلوا دی۔ آپ نہایت سادگی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ "سوچو کہ حقیقت میں عقل کس بات کے لئے زیادہ درکار ہے ڈسک بنانے کے لئے یا ڈسک پر بیٹھکر بابو کا کام کرنیکے لئے؟ کلرک تو روز دس بجے سے چار بجے تک بیٹھکر کسی کل کی طرح تھوڑا سا کام ہندسہ یا سٹینوگرافی کا کرتا ہے۔ سامان موجود۔ تنخواہ مقرر ہے۔ لیکن کاریگر کے کام میں شروع سے اخیر تک بڑی دانائی کی ضرورت ہے۔ کہ یہ ڈسک کس طرح سے بناؤں۔ کیسی لکڑی اسکے لئے اچھی ہوگی کتنی لمبی اور چوڑی چاہئے وغیرہ"۔ — غرض بڑھئی کا کام "دریائی علم" ہے "یہ بھارسی ناہیں جو گیر گیر پڑھ لین ہے"۔ کیا ہمارے صاحب فی الحقیقت بابو اور بابو میں فقط ایک نقطہ کا فرق سمجھتے ہیں؟ — ۲۰؍اپریل۔ آج (بزرگ پادری) رابرٹ کلارک (صاحب) میموریل ہال کا بنیادی پتھر پادری ٹی آر وِیڈ صاحب نے رکھا۔ امرتسر مشن کانفرنس لائبریری کے احاطہ میں یہ عمارت تعمیر ہوگی۔ ۲۵؍اپریل آج شام کو عابدے طاعون کے دور ہونیکے لئے خاص دعا کی گئی۔ یہ مجلس ... ہال واقع ہال دروازہ میں یہ مجلس منعقد قرار پائی۔ کمرہ خصوصاً عورتوں سے بھرا تھا۔ بباعث بازار کے شور کے دروازے بند تھے۔ گرمی سخت تھی۔ بعض دوست حیران تھے کہ گرجا چھوڑ کر اس جگہ میں یہ خاص عبادت کیوں کی گئی؟ اسکا ایک ہی جواب سوجھتا تھا کہ گرجا میں سوائے پادری صاحب کے کوئی اندر دعا نہیں کر سکتا۔ اسلئے ہر جماعت دعا کرنا چاہے تو اسکو گرجا سے باہر جگہ تلاش کرنی پڑتی ہے۔



دُعاء

وباءِ طاعون کے دفع ہونے کیلئے

اے خداوند ہمارے خدا۔ تُو نے اپنی حکمت سے جو اِنسان کی سمجھ سے باہر ہے، اِس مُلک کو ایک سخت وبا کے پنجے میں پڑنے دیا ہے جس کے باعث اس وقت لوگوں پر سخت مصیبت ہو رہی ہے۔ مہربانی کر کے اپنے رحم سے اس بیماری کی آفتوں کو دُور کر۔ اور وبا کو بڑھنے اور غالب ہونے نہ دے۔ لوگوں کے دلوں کو ایسا مائل کر کہ جو تدبیریں اس کی حفاظت کے لئے ضروری ہیں انہیں قبول کر کے عمل میں لانے کے لئے مدد کریں۔ جو لوگ وبا کے مریضوں کی خدمت کر رہے ہیں اُن کی حفاظت کر اور اپنے فضل سے اس سخت مصیبت کا یہ نتیجہ پیدا کر کہ محبتانہ خدمت اور باہمی ہمدردی کے اظہار سے سب لوگوں کے دلوں میں اُلفت اور برادرانہ محبت بڑھتی جائے یہ دُعا ہمارے خداوند یسوع مسیح کے طفیل قبول فرما۔ آمین!

نوٹ اور ایمیں

برٹش اور فورن بائبل سوسائٹی کی صد سالہ سالگرہ۔ اس بزرگ سوسائٹی کی سالگرہ کا دن جسکی مدتوں سے انتظاری ہو رہی تھی اور جسکے لئے جا بجا بڑی دھوم دھام سے تیاریاں ہو رہی تھیں ماہ گذشتہ کی ۷ تاریخ کو شاہی احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ انگلستان میں تو یہ ایک قومی جشن تھا جسمیں ہائی چرچ کی ایک خاص پارٹی کے سوا سب پروٹسٹنٹ فرقوں کے مسیحیوں نے خوشی سے حصہ لیا۔ چھٹی تاریخ کا اتوار عالمگیر بائبل کا اتوار تھا اور اس روز انگلستان کے شاہی گرجے میں شکرگذاری کی خاص عبادت کی گئی جس میں شاہ معظم بوجہ موسم کی خرابی کے تشریف نہ لاسکے مگر ملکہ الگزنڈرا معہ شاہزادہ ولیعہد و شاہزادی ویلس کے اس سلطان السلاطین کے سامنے سرنگون ہوئیں جس نے اپنا مقدس کلام اپنے بندوں کو عطا کیا۔ دوسرے روز جو دراصل سالگرہ کا دن تھا البرٹ ہال میں ایک بڑا بھاری مجمع فراہم ہوا جس میں حاضرین کی تعداد قریب نو ہزار کے بیان کی گئی ہے۔ فقط گانے والوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار مرد اور عورتوں کی تھی جنکی مختلف آوازوں کا مجموعی ترانہ جادو کا اثر رکھتا تھا۔ خاص تقریر کنندوں میں کنٹربری کے آرچ بشپ صاحب تھے جنہوں نے بڑی صاف آواز میں بائبل کی تاثیرات کا ذکر کیا۔ کتاب مقدس کو کلام اللہ ثابت کرنے کیلئے آپ نے یہ دلیل پیش کی کہ اس کتاب کا ہر ایک زبان میں ترجمہ ہو سکتا ہے۔ "جب قدیم یونانی تصنیفات مثلاً ہومر یا ٹےسی ٹس کی کتابوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا جاتا ہے تو مترجم کو دیباچہ میں کہنا پڑتا ہے کہ ایسی زبانوں کا صحیح مضمون انگریزی میں ادا کرنا قریب ناممکن ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مشرقی ممالک کی دینی کتب کا ترجمہ کرنا قریب ناممکن ہے اور جب وہ ترجمہ پڑھا جاتا ہے تو اسمیں کچھ تاثیر نہیں ہوتی۔ مگر بائبل ہر ایک شخص کے ساتھ اسکی مادری زبان میں کلام کرتی ہے"۔ دوسرے روز غیر ممالک کی مشنری سوسائیٹیوں کے وکلا نے تقریریں کیں۔ اسی روز ایک جلسہ میں صوبجات متحدہ امریکہ کے پریذیڈنٹ صاحب کی طرف سے اپنے سفیر کے نام یہ پیغام پڑھا گیا کہ "برٹش اور فورن بائبل سوسائٹی کو اس موقعہ پر میری طرف سے مبارکباد دو اور اسکی آیندہ کامیابی کے لئے میری دلی خواہش کا اظہار کرو"۔ اسی قسم

کے جلسے ۹ تاریخ تک برابر ہوتے رہے ہندوستان کے مختلف مقامات پر بھی جلسے کیئے گئے۔ کلکتہ میں زیر صدارت نواب لفٹنٹ گورنر سر اینڈریو فریزر ایک بڑا بھاری جلسہ منعقد ہُوا جس میں صاحب موصوف نے سوسائیٹی کی ابتدا اور خدمات کا ذکر کرتے ہُوئے فرمایا کہ اب تک بہت کام اس سوسائیٹی کے لئے باقی ہے چنانچہ اس ملک کی ڈیڑھ سو زبانوں میں سے ابتک فقط بیالیس زبانوں میں بائبل کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مابعد کے ایک تقریر کنندہ نے بیان کیا کہ باقی زبانوں کے بولنے والے سات کروڑ آدمی ہیں۔ ہمارے صوبہ پنجاب میں بھی لاہور اور دہلی اور راولپنڈی میں خاص جلسے کیئے گئے لاہور کے جلسہ میں تقریروں کے خاتمہ پر یہ ریزولیوشن بالاتفاق قرار پایا کہ "لاہور میں برٹش اور فورن بائبل سوسائیٹی کے دوستوں اور مددگاروں کی یہ میٹنگ سوسائیٹی مذکور کو اس صد سالہ سالگرہ کے موقعہ پر مُبارکباد دیتی ہے۔ اور قادر مطلق خدا کا دل سے شکر کرتی ہے کہ جس نے اس سوسائیٹی کو کتاب مقدس کے مختلف ترجمے اور نسخے مہیا کر کر شایع کرنے کی توفیق عطا کی اور اُمید کرتی ہے کہ اس دوسری صدی میں اسکی خدمات پر اور بھی کثرت سے برکت نازل ہو گی اور دُنیا کو اس سے اور زیادہ فیض حاصل ہو گا۔"

موجودہ جنگ میں مسیحی دُنیا کی ہمدردی کس طرف ہے؟ اس سوال کی نسبت مسیحیوں میں رائے کا اختلاف ہے بعض لوگ اسکو مسیحی اور غیر مسیحی طاقتوں کا مقابلہ سمجھتے ہیں۔ ایسوں کے خیال میں روس مسیحیوں کی ہمدردی کا مستحق ہے۔ مگر جو لوگ اصلی معاملات سے واقف ہیں اُنکی رائے اسکے خلاف ہے۔ چنانچہ پادری سپنسر صاحب جو امریکن مشن کی طرف سے جاپان میں کام کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ جاپان گو ملک کی وسعت اور آبادی کے لحاظ سے روس کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا تو بھی تعلیم اور تہذیب میں ایسی حیرت افزا ترقی کر رہا ہے کہ موجودہ صدی کی مسیحی تہذیب کو اسکے ساتھ ہمدردی کرنا انسب ہے۔ ڈاکٹر پینیکوسٹ صاحب اسی مضمون کی ایک تحریر میں فرماتے ہیں کہ میری ہمدردی سراسر جاپان کے ساتھ ہے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر روس فتحیاب ہوا اور چین اور کوریا پر قبضہ کر لے تو وہ ان ممالک میں مشنری خدمت کے لئے دروازہ بند کر دیگا۔ اور یہ ایک بڑی بھاری آفت ہو گی۔ کیونکہ ایشیا کے تمام ممالک میں کوریا مسیحی مذہب کو اختیار کرنے میں گوئے سبقت لے گیا ہے۔ اور چین کی کشش بھی مسیحی مشنوں کی طرف ہو رہی ہے۔ جاپان کے ایک اور مشنری صاحب بھی تحریر فرماتے ہیں کہ جاپان گویا مشرقی ممالک کی آزادی اور ترقی کی خاطر جنگ کر رہا ہے اور روس کی

اپنی مذہبی تعلیم نے طلبا کے دلوں پر اُلٹا اثر کیا اور اُنکا اعتقاد اپنے قدیم مذاہب پر اَور بھی جم گیا۔ سوائے معدودے چند کے باقی ہندو مسلمان ہی رہے۔ اِن نومریدوں میں سے بھی تھوڑے ایسے نکلیں گے جنہوں نے اپنے ہموطن لوگوں میں دلی شوق سے خدمت اختیار کی۔ مگر ہندوستانی کلیسیا کی ترقی کا بہت بڑا حصہ اِنہی تعلیم یافتہ نومریدوں کا ہے جو گویا تمام مسیحی جماعتوں کی مضبوطی کا باعث ہیں۔ شمالی ہند میں ہماری کلیسیاؤں میں دریافت کرو تو معلوم ہوگا کہ تمام سرکردہ اور قابل اعتبار شرکا نے اوّل مسیحی دین کی تعلیم کسی نہ کسی مشن سکول میں پائی تھی۔ بیس سال کا عرصہ گذرا کہ پنجاب میں جو ڈاکٹر ڈف صاحب کے علاقہ خدمت سے ہزارہا میل کے فاصلہ پر تھے تمام لائق اور جیّد الرائے مسیحی اُسی بزرگ کے کالج کے طلبا تھے۔

ہمارے خداوند کی خدمت کی دوسری منزل وہ تھی کہ جب اس نے یروشلیم کو چھوڑکر گلیل کا آباد علاقہ اپنا حلقہ مقرر کیا۔ اس نے اس علاقہ کے بڑے گروہوں کو دیکھکر اُن پر ترس کھایا کہ وہ گویا بے چوپان بھٹک رہے تھے۔ اوّل اوّل تو صورت اچھی تھی۔ جہاں وہ جاتا بڑی بھیڑ اسکے پاس جمع ہو جاتی یہانتک کہ اسکو اور اسکے ساتھیوں کو کھانا کھانے کی فرصت بھی نہ ملتی تھی۔ ہر جگہ خلقت اسکا پیچھا کرتی تھی۔ مگر اس وقت بھی نتائج تسلی بخش نہ تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب بڑی کثیر التعداد انبوہ اسکے گرد جمع تھی اس نے لوگوں کو کہا کہ تم روٹیوں اور مچھلیوں کے پیچھے بھاگے آتے ہو۔ اپنی خدمت کے اُس زمانہ میں بھی اُسنے یروشلیم کو بالکل فراموش نہ کیا بلکہ وہ عید کے ہر موقعہ پر وہاں جایا کرتا تھا بعینہ اسی طرح جب مشنریوں نے بذریعہ تعلیم کے مسیحی مذہب کو پھیلانے میں نتائج خاطر خواہ نہ دیکھے تو اُن کا دل بیشمار دیہاتی باشندوں کے لئے بھر آیا کیونکہ ان کی روحوں کی فکر کوئی کرنے والا نہ تھا۔ شاید قریب ساٹھ سال کا عرصہ گذرا کہ دیہات میں دورہ کرنے کا طریق اوّل علاقہ مدراس میں مروّج ہوا اور اب ملک میں ہر جگہ انجیل کی منادی کے دورے ہوا کرتے ہیں۔ اور ہر کہیں ادنیٰ اقوام انجیل کو خوشی سے سنتیں اور ان میں سے ہزارہا بپتسمہ لینے کو تیار ہیں۔ ہندوستان میں جہاں جاؤ ان دیہاتی مسیحیوں کو دیکھو گے۔ مگر باوجود اس کے نتائج دل توڑنے والے ہیں۔ اگرچہ یہ سب نومرید روٹی کے لئے عیسائی نہیں ہوئے جیساکہ بعض کا خیال ہے توبھی عموماً کوئی نہ کوئی دنیوی منفعت اُن کے پیش نظر ہوتی ہے۔ مقدمات میں یوروپین مشنری انکا مددگار اگر سرکار زمین تقسیم کرے تو مشنری اُن کے لئے سفارش کرنے والا اگر اُن کے بچے کسی مشن سکول میں جائیں توکوئی نہ کوئی وظیفہ اُن کو دیا جاتا ہے۔ مگر ان لوگوں کا روٹیوں اور مچھلیوں کے پیچھے لپکنے ایسا ہی چنداں

مایوسی کا باعث نہیں۔ بات در اصل یہ ہے کہ ہندوستان کے باہر کسی اور ملک میں مذہبی معاملات کی نسبت دینی خادم اور عوام کے درمیان اسقدر فاصلہ پایا نہیں جاتا۔ ہندو مسلمانوں میں پنڈت یا مُلّا دینی فرایض کو ادا کرتے اور لوگ خود دُنیاداری کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں۔ اور یہ عادت اُنکے سرشت میں ایسی سرایت کر گئی ہے کہ جب وہ مسیحی مذہب کو اختیار کرتے تو اُسی پُرانے روّیہ کو قایم رکھتے ہیں۔ کسی حد تک وہ اپنے پادری یا مشنری کی باتوں پر عمل تو کرتے ہیں مگر مسیحی واقعات اور اصولوں سے واقفیت پیدا کرنا فضول سمجھتے ہیں۔ یہ تو ہم نہیں کہتے کہ مسیحی مذہب نے ان پر کچھ اثر نہیں کیا لیکن ان کی جبلّی خاصیت نے اس تاثیر کے حلقہ کو تنگ کر رکھا ہے۔ اوّل منزل میں تو مشنریوں نے یہ سمجھا تھا کہ تعلیم یافتہ لوگوں کو قابو کرو تو جاہل عوام خود بخود ان کے پیچھے چلے آئیں گے۔ اور اس میں ان کی اُمیدیں بر نہ آئیں۔ اب دوسرے مرحلہ پر اس خیال میں بھی زک اُٹھانی پڑی کہ مسیحی مذہب ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے شروع کر کے اعلیٰ درجہ کی طرف ترقی کرتا چلا جائیگا۔ اس میں سراسر ناکامیابی تو نہیں ہُوئی کیونکہ اُن نو مریدوں میں چند فیصدی ایسے بھی نکلیں گے جو فقط برائے نام مسیحی نہیں ہیں۔

ہمارے خداوند کی خدمت کا تیسرا درجہ یہ تھا کہ وہ عموماً آبادی کو چھوڑ کر تنہائی میں اپنے ساتھیوں کو تعلیم دیا کرتا تھا اور اپنی قربت میں اُن کو تیار کرتا تھا تاکہ اپنی موت کے خوابید اُن کے ذہن نشین کرے اور ہر وقت اُن کے درمیان رہ کر اُن کو اپنے کام کے لایق بنائے۔ اب بقول راقم مشنری خدمت کی موجودہ حالت یہ ہے کہ مشنریوں نے دیہات میں کام شروع کر کے بڑے بڑے شہروں میں تعلیمی کام بھی جاری رکھا۔ اگرچہ عموماً اسکی مخالفت کی جاتی ہے تو بھی اس مُلک کے لئے مشن سکولوں کا قایم رہنا نہایت ضروری ہے کیونکہ وہ گویا اخلاقی شفاخانے ہیں۔ انکو آدھے دل سے چلانا کچھ فائدہ نہیں رکھتا بلکہ اچھی شاداب حالت میں رکھنا چاہئے۔ اِدھر دیہات میں کام برابر جاری ہے خصوصاً جہاں نومریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے۔ علاوہ بریں میڈیکل مشن بھی کھولے گئے ہیں۔ اور ان سے کوئی نہ کوئی فائدہ تو ضرور ہوگا۔ مگر اس تمام قسم کی خدمت میں کسی بات کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ عموماً تجربہ کار مشنریوں کا یہ خیال ہے کہ آیندہ خداوند کے نمونہ پر یوروپین مشنری کا خاص کام یہ ہوگا کہ وہ چیدہ چیدہ ہندوستانی مسیحیوں کو لیکر اُن کو بائبل کے علم و عمل کی تعلیم دے۔ اس سے بڑھکر کوئی خدمت نہیں کہ مشنری نومریدوں کو سکھائے اور تقویت دے تاکہ ان کے ذریعے خداوند کی تاثیر مُلک میں پھیل جائے۔

مضمون کی اس حد تک پہنچکر راقم ہندوستانی پاسٹروں پر نوحہ کرنیکے لئے کھڑا ہو جاتا ہے کہ انکو یورپین مشنریوں کے برابر کلام مقدس کا علم حاصل نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہوگا کہ ان پاسٹروں کو مقرر کس نے کیا خواہ انکو دیدہ و دانستہ خواہ غلطی سے مسیحی جماعتوں کی تعلیم و تلقین کیلئے چن لیا گیا بہر صورت قصور مقرر کرنیوالوں کا ہے۔ راقم کے ان الفاظ میں بہت کچھ راستی ہے کہ ایسے نالایق اشخاص کو کلیسیا کے معلم مقرر کرنیکا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ہماری جماعتیں بائبل کے اور روحانی علم میں عموماً کمزور ہوتی ہیں۔ اُن کو ہندو مسلمانوں کے مباحثہ کے متعلق تو مقامات یاد ہوتے ہیں مگر وہ ہر ایک بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے نہیں جیتے۔ اگر وہ بائبل کو ایک دفعہ پڑھ گئے تو اپنے زعم میں اس پر حاوی ہو گئے۔ ہم اسکو مانتے ہیں مگر یہ کہیں گے کہ ذرا صبر کرو تم لوگوں نے بائبل کا علم دو ایک پشتوں میں حاصل نہیں کر لیا تھا۔ دینی تعلیم اور روحانیت کا جو درجہ تمکو نصیب ہوا ہے وہ سیکڑوں سال کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ راقم اسقدر تو مانتا ہے کہ ہم نے نومرید پیدا کر کے انکو جماعت میں چھوڑ دیا اور آپ اور نئے مریدوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر چلے گئے۔ حالانکہ خداوند کی تنبیہ اور حکم کے مطابق ہمکو چاہئے تھا کہ ہم مسیحی نومریدوں کو بڑی توجہ سے تعلیم دیتے۔

اب موجودہ صورت میں کیا کرنا ضرور ہے۔ راقم یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ ہر ایک مشنری اپنے گرد و نواح سے چند لایق اشخاص چن لے اور دو تین سال تک ان کو اپنے پاس رکھے۔ اُنکے ساتھ کتاب مقدس کو پڑھے روحانی مضامین اُن کو سمجھائے اور اُنکو سکھائے کہ اسکی تعلیم کا اطلاق اپنی روزانہ زندگی پر کیونکر کیا جائے۔ گاہ بگاہ ان کو اپنے ساتھ منادی کرنے کیلئے علاقہ میں لے جائے خصوصاً غریب مسیحیوں کے درمیان جاکر ان کو بذریعہ تعلیم اور نمونہ خدمت کرنا سکھائے۔ اور کبھی کبھی اُن کو اکیلا جانے دے تاکہ وہ اپنی کمزوریوں سے واقف ہو جائیں۔ ہے تو یہ تجویز نہایت معقول۔ لیکن اگر گستاخی نہ ہو تو ہم پوچھینگے کہ اگر بیچارے مشنری کے سر پر یہ بوجھ ڈال دیا تو مشن کا حساب کتاب کون رکھے گا رپورٹیں کون لکھیگا بھائیوں کے مقدمات کا فیصلہ کون کریگا؟ کانفرنسوں اور کمیٹیوں میں آئے دن کون جایا کریگا؟ ایک اور بات ہم بخوبی نہیں سمجھتے کہ آیا اُن غریب ہندوستانی مسیحیوں کو خود شماری اور خود انکاری کا سبق سکھانا بھی مشنری صاحب کے ذمہ ہوگا یا اسکے لئے کوئی خاص آدمی ولایت سے آیا کرینگے۔ بہر صورت اگر راقم کی تجویز پر عمل کرنے کیلئے لایق اشخاص مل سکیں تو ہندوستانی کلیسیا کو روحانی پاسٹر بآسانی میسر آسکیں گے اور مشنریوں کی خدمت نہایت پھلدار ثابت ہوگی۔

حیاتِ داؤد

از تصنیف پادری بی عنایت ؔ صاحب رفیق

بائیسواں باب

خُدا کے صندوق کا کوہِ صیحُون کو لے جانا

(۲ سموئیل ۶ باب)

سنو! آرہی ہے یہ آواز کیسی۔ ہے بیشک یہ آواز ایسی آہی
کہ ہم سُن نہیں سکتے اس کو بخوبی۔ یہ متحرک اہل جہاں پر ہے رہتی
ہوا میں ہے لحظہ بہ لحظہ لرزتی۔
یہ خالق کے اظہار کی ہے کڑک کیا؟ یا راگ اسکے بندوں کی ہے یہ دُعا کا؟
یقیناً خداوند عالم ہے آتا!
صدائیں تقدس تابوں سے کہتی ہیں۔ شام و سحر۔ گونگوں اور بہروں کو بھی
یقیناً خداوند عالم ہے آتا!
نہ کیوں اسکے آنے سے سرجا خوشی ہو کہ جس نے کیا باندھکر عہد سب کو
بعہد مہر و الفت۔ "میں آتا ہوں"۔ دیکھو

دار السلطنت کے قایم کرتے ہی داؤد کو یہ آرزو دامنگیر ہوئی کہ اسکو قومی زندگی کا نہ صرف پولیٹکل بلکہ دینی مرکز بھی بنلستے۔ اس مدعا کو مدنظر رکھکر اُس نے ارادہ کیا کہ اپنے محل کے نزدیک ایک چند روزہ خیمہ میں جو اس نے کھڑا کیا تھا خدا کے فراموش شدہ صندوق کو رکھے۔ فلسطیوں کے مُلک سے آنے کے بعد یہ مقدس صندوق جبعہ نامی ایک شہر میں جو یروشلیم کے جنوب مغرب میں قریباً گیارہ میل کے فاصلہ پر تھا ابیناداب کے مکان میں اور اسکی زیر حفاظت رہا۔

غالباً داؤد خداوند کے مسکن کو جو ساؤل کے کاہنوں کو قتل کرنے کے پیچھے جبعون کے اُونچے مکان پر قایم ہوا تھا۔ انتقال کرنے کی ہمت نہ پا سکا کیونکہ صندوق کاہن اور اسکے بھائی کاہن شریعت کی لکھی ہوئی باتوں کے موافق سوختنی قربانی کے مذبح پر خداوند کے لئے سوختنی قربانیاں چڑھاتے تھے۔ مدتوں سے صندوق اور ابی یاتر کے خاندان میں باہمی رشک چلا آتا تھا اور ہر طرح سے مصلحت اسی میں تھی کہ یہ دونوں خاندان ایک جا اکھٹے نہ ہوں اور اُنکی دینی رسومات میں جو وہ مدت سے برابر بجا لا رہے تھے کسی قسم کی دست اندازی نہ کی جائے۔ (۱ تواریخ ۱۶: ۳۹ وغیرہ) نئے شہر میں خداوند کے صندوق کے لانے سے داؤد کا مدعا پورا ہو جاتا۔ تاہم وہ نہ چاہتا تھا کہ اس کام کو آپ ہی آپ شروع کر دے بلکہ

اُس نے ہزاروں اور سیکڑوں کے سرداروں یاں تمام پیشواؤں سے صلاح مشورہ کیا۔ ان کی مرضی اور صلاح سے اس نے تمام سرزمین اسرائیل میں سے کاہن اور لاوی اور دیگر لوگ جمع کرنے شروع کیئے کہ اس مقدس نشان کو اپنے درمیان پھر واپس لائیں۔

اوّل ۔ گاڑی کے متعلق غلطی ۔ ایک بڑا عالیشان جلوس اس دن اس چھوٹے شہر کی طرف چلا۔ کاہنوں ۔ لاویوں اور لوگوں کے ایک جمِ غفیر کے علاوہ تیس ہزار چیدہ سپاہی تھے جو انتظام رکھنے یا باہر سے کسی حملہ کو روکنے کے لئے کافی تھے۔

غالباً ایکسو بتیسواں[۱۳۲] زبور اس تقریب پر لکھا گیا جس میں یہ شاہی مغنی اپنے اس ارادہ کا اظہار کرتا ہے جو اسنے اپنے مصیبت کے دنوں میں کیا تھا کہ جب اُس کے یہ تنگی کے دن ختم ہوں اور وہ اپنی بادشاہت میں قایم ہو جائے تو اسکا پہلا کام یہ ہوگا کہ خداوند کے لئے ایک مقام اور یعقوب کے قادر کے لئے ایک مسکن مہیا کرے۔ پھر ان دلکش فقروں میں اس امر کی طرف صریح اشارہ ہے :۔

"دیکھو ہم نے اسکی خبر افراتا میں سُنی ۔ ہم نے اسکو جنگل کے میدانوں میں پایا ۔ ہم اس کے مسکنوں میں جائیں گے ۔ ہم اسکے پاؤں کی چوکی کے سامنے سجدہ کرینگے ۔ اُٹھ اے خداوند اپنی آرامگاہ میں داخل ہو ۔ تو اور تیری قوّت کا صندوق"۔

لیکن ایک سخت غلطی سے سارا انتظام بگڑ گیا اور قوم کی عرش رسیدہ امیدیں اور ارادے ملتوی ہو گئے ۔ موسوی شریعت میں یہ صریحاً درج تھا کہ صرف لاوی جو اس کام کے لئے مخصوص کئے گئے ہوں صندوق کو اپنے کاندھوں پر اُٹھائیں لیکن وہ مقدس چیزوں کو نہ چھوئیں تاکہ مر نہ جائیں (گنتی ۴: ۱۵ + ۷: ۹) یہ فرمان کیسا صاف اور صریح اور قادرِ مطلق کی خدمت میں تمام مقدس باتوں کو قایم رکھنے کی ضرورت کیسی اہم ہے ۔ لیکن اَور کئی باتوں کے ساتھ یہ حکم بھی غیر مروّج ہوگیا تھا ۔ اور اب یہ تجویز ہوئی کہ خداوند کے صندوق کو ایک نئی گاڑی پر رکھکر ابینداب کے دونوں بیٹے ہانک کرلے جائیں ۔ یہ غلطی نظرانداز نہ ہوسکتی تھی ۔ فلسطی بیشک مقدس صندوق کو گاڑی میں لے جایا کرتے تھے اور ان کو کسی قسم کی سزا نہ ملی ۔ کیونکہ ان کو علم نہ تھا اور وہ بھولے سے ایسا کیا کرتے تھے ۔ لیکن اسرائیلیوں کے شریعت کو نظرانداز کرنے اور اپنی مرضی پر چلنے سے درگذر نہ ہوسکتا تھا تاکہ کہیں شریعت کے احکام اور فرائین بالکل ہی غیر مروّج نہ ہو جائیں ۔

نعروں اور نقاروں کے درمیان بیل چلے اور پہلے دو میل تک سب خیریت رہی ۔ آگے سڑک کا کچھ حصہ ناہموار تھا ۔ بیلوں نے لغزش کھائی اور صندوق ایسا ہلا کہ خطرہ تھا کہ کہیں زمین پر گر نہ پڑے ۔ اس پر ابینداب کے چھوٹے بیٹے عزّہ نے جو شاید اس مقدس نشان سے بہت مانوس تھا ہاتھ بڑھا کے خدا کے صندوق کو تھام لیا اور تھامتے ہی زمین پر گر کر جان بحق ہُوا ۔ سارے جلوس پر دہشت سی

چھاگئی اور جُوں جُوں پیچھے کو جمِ غفیر میں اس واقعۂ جانکاہ کی خبر پہنچتی گئی راگ و سرود بند ہوتا گیا اور لوگوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ داؤد نہایت ناخوش اور رنجیدہ خاطر ہُوا اور داؤد اس دن خداوند سے ڈرا اور بولا کہ خداوند کا صندوق مجھ پاس کیونکر آئیگا؟ اور یہ مناسب سمجھا کہ عوبید ادوم لاوی کے ہاں جو واں سے نزدیک ہی رہتا تھا خداوند کا صندوق رکھا جائے اور واں وہ تین ماہ تک رہا۔ وحشت زدہ بھیڑ حیران و پریشان یروشلیم کو واپس آئی۔

بعضوں کا خیال ہے کہ عزّہ پر خدا نے بیجا سختی کی۔ بھول کے گناہ کی یہ ایک بہت سخت سزا تھی لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ ایسے موقعہ پر شریعت کی لفظی اور ٹھیک ٹھیک بجا آوری کیسی ضروری تھی۔ ورنہ اندیشہ تھا کہ اسکے ضروری احکامات کو لوگ بُھول بیٹھتے اور وہ غیر مرّوج ہو جاتی۔

دوّم ۔ زندہ آدمیوں کے کندھے ۔ "خداوند نے عوبید ادوم اور اسکے سارے گھرانے کو برکت دی۔" یوسفس لکھتا ہے کہ جس دم سے کہ صندوق عوبید ادوم کی چھت تلے آیا گویا سنہری اقبال مندی موج کی طرح اسکی طرف لہراتی ہوئی آئی اور ادبار سے وہ دولت اور اقبال مندی کے عروج پر جا پہنچا۔ یہ اس امر کا صاف نشان تھا کہ جو لوگ شریعت کے احکام اور فرامین کو بجا لاتے تھے خدا ان کے ساتھ کسی قسم کا غصہ نہ رکھتا تھا۔ اس اثنا میں داؤد شریعت الٰہی میں تلاش کرتا رہا کہ اس مقدس نشان کو کیونکر اٹھا لے جائے۔ کیونکہ اس نے کہا کہ:- بنی قہات کے سوا کوئی خدا کے صندوق کو نہ اٹھائے کیونکہ ان کو خداوند نے خدا کے صندوق کو اُٹھانے کیلئے چنا ہے اور اس لئے بھی کہ ہمیشہ تک اس کی خدمت کریں۔

پھر ایک جمِّ غفیر فراہم ہُوا۔ اس دفعہ احکام و ہدایات پر پُورا پُورا عمل کیا گیا اور بنی قہات نے خدا کے صندوق کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور اس پر عصا رکھے جیسے موسیٰ نے خداوند کے کلام کے مطابق فرمایا تھا۔ پھر سفید جامہ پہنے ہُوئے گانیوالوں کی خوش آوازی۔ باجے کی صدائے شیریں۔ بربط اور جھانجھ کی ہم آہنگی ہزاروں کے ۔ سرداروں کی شاندار چال۔ بزرگوں کا جلوس۔ اسرائیلیوں کے نعروں کی گونج۔ یہ سب باتیں موقعہ کی حسب شان تھیں اور داؤد کا دل خوشی سے معمور ہُوا اور وہ کتان کا افود پہنکر رقصاں و شادماں ہُوا۔

یُوں وہ خدا کے صندوق کو لائے اور اس خیمہ میں جو داؤد نے کھڑا کیا تھا اسکے خاص مقام پر رکھ دیا اور داؤد نے سوختنی قربانیاں اور سلامتی کی قربانیاں خداوند کے آگے چڑھائیں۔ پھر اُس نے ربّ الافواج کا نام لے کے لوگوں کو برکت دی اور روٹی ۔ میوے اور مے اُن میں تقسیم کی۔ اس دن کی خوشی میں صرف میکل کی طعنہ آمیز تقریر رخنہ انداز ہُوئی۔ اس عورت کو اپنے خاوند کے مذہب سے کسی قسم کی ہمدردی نہ تھی شاید فلطی ایل کی جدائی پر وہ ابھی تک نوحہ کناں تھی۔ یا شاید اس امر سے رشک کھاتی

تھی کہ داؤد اس سے اور اس کے باپ کے خاندان سے آزاد ہوگیا۔ اس لئے اس نے اُس مرد کو جسکی وہ محبّت کا دم بھرتی تھی اور جس کی جان کو اس نے ایک موقعہ پر بچایا بھی تھا ایسے زہر آلود الفاظ سے خطاب کیا۔

سوّم۔ تین پُرشان اور معنی خیز زبُور۔ اس موقعہ پر تین بڑے مشہور زبُور لکھے گئے۔ پندرھواں اٹھارواں اور چوبیسواں۔ پندرھواں زبُور عزّہ کی موت کے واقعہ پر اور اس سوال کے جواب میں لکھا گیا کہ :۔

"اے خداوند تیرے خیمہ میں کون رہے گا؟ تیرے کوہِ مقدس پر کون سکونت کرے گا؟"

۶۸ زبور چلتے چلتے کوچ کے وقت گایا جاتا تھا وہ اس قدیمی مقولہ سے شروع ہوتا ہے جو بیابان کے سفر میں ہر روز روانہ ہوتے وقت گایا جاتا تھا۔ کہ

"خدا اُٹھے۔ اس کے دشمن تتر بتر ہوں جو اُس کا کینہ رکھتے ہیں اُس کے حضور سے بھاگیں۔"

جب صندوق کو اُٹھا کرلے جارہے تھے تو یہ مزمور گاتے جاتے تھے۔ یہ ان قدیمی ایّام کا اظہار تھا جب خداوند اپنے لوگوں کے آگے آگے جاتا اور بیابانوں میں سے گذرتا تھا اور زمین کانپتی اور آسمان اسکے حضور ٹپکتے تھے۔

جس وقت بنی تہات سڑک کی بلندی پر صیحون کے قلعہ کے پاس پہنچتے ہیں تو گویا بسن کے چوٹیدار پہاڑ اُس چھوٹی چوٹی سے رشک کھاتے معلوم ہوتے ہیں اور جب یہ جلوس بلندی پر آچڑھا تو گانے والوں نے ایسے پُرمعنی الفاظ خوش آوازی سے گائے کہ جنکے پُورے معنی خود خداوند یسوعؔ مسیح کے صعود ہی میں جب وہ تمام قدرت اور اختیار سے برتر اپنے باپ کی حضوری میں داخل ہُوا۔ ظاہر ہوتے ہیں

"تُو اونچے پر چڑھا تُو نے اسیری کو اسیر کیا
تُو نے لوگوں سے ہدیئے لئے
بلکہ سرکشوں کے درمیان "تاکہ خداوند خدا اُن میں بسے"۔

پھر اِس بڑے جمِّ غفیر کی تفصیل دی گئی ہے۔ گانے والے جو آگے آگے جاتے تھے اور بجانے والے پیچھے پیچھے۔ کنواریاں کھنجریاں بجاتی تھیں اور اور عورتوں کی بڑی جماعت جو خوشخبری پھیلاتی تھیں۔ چھوٹا بنیمین اور یہودا کے سردار۔ زبولوں کے سردار اور نفتالی کے سردار۔ آخر میں مزمور نویس ایمان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ کیونکر اس جائے مقدس پر دُور دُور سے قومیں آئیں گی۔

"امرا مصر سے آئیں گے
کوشش کے لوگ فوراً اپنے ہاتھ خدا کی طرف بڑھائیں گے۔"

لیکن چوبیسواں[۲] زبور شاید ان سب میں اعلیٰ ہے۔ بلحاظ یہودی علیحدگی اور تنگ دلی کے یہ ایک نہایت عجیب خیال سے شروع ہوتا ہے کہ

"زمین خداوند کی ہے اور اس کی معموری بھی
جہان اور اس کے سارے باشندے اُس کے ہیں۔"

زبور کے پہلے حصّہ میں اس سوال کے جواب دیئے گئے ہیں کہ کون خدا کے حضور کھڑا رہ سکتا ہے (آیات ۳-۶) وہ جسکے ہاتھ صاف ہیں۔ جس کا دل پاک ہے۔ جو اپنا دل بطلان پر نہیں لگاتا اور جو مکر سے قسم نہیں کھاتا۔ کسی قسم کی ظاہری صفائی یا رسومات سے یہ شرایط پُوری نہیں ہوتیں۔ اس مقدّس خدا کے مطالبے وہ راستبازی ہے جو اکیلا وہی ان کو دیتا ہے جو اسکے چہرے کی تلاش میں رہتے ہیں۔

دوسرے حصّے میں اس امر کا اظہار ہے کہ خدا الٰہی ہے کہ زمین پر انسان کے درمیان رہے۔ یہ چھوٹے دروازے جنہیں سے گذر کر ملک صدق ابراہیم کو ملنے آیا صندوق کے اندر آنیکے لئے جو بنی قہات کے کندھوں پر رکھا تھا۔ چھوٹے معلوم ہوتے تھے اس لئے ان سے کہا جاتا ہے کہ بلند ہوئیں اور بادشاہ کے اندر آنے کے لئے کھل جائیں۔ بڑے نعروں اور بربط نوازی کے ساتھ سفید جاموں میں ملبّس گانے والوں نے بند دروازوں کے آگے کھڑے ہوکر گایا کہ

"اے پھاٹکو اپنے سر او نچے کرو
اور اے ابدی دروازو اونچے ہو
کہ جلال کا بادشاہ داخل ہو۔"

اور پھر اندر سے ایک آواز۔ کسی خایف۔ اور شکی دربان کی آواز پوچھتی ہے کہ
"یہ جلال کا بادشاہ کون ہے؟"
اس سوال کا فوراً بڑے زور اور یقین کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے کہ

"خداوند جو قوی اور قادر ہے
خداوند جو جنگ میں زور آور ہے۔"

پھر تقاضا اور پھر استفسار۔ اور پھر وُہی عجیب جواب کہ جلال کا بادشاہ۔ جو اس قدیم شہر میں جو دیووں کا مسکن اور ہر ایک ناپاک پرندہ کا آشیان تھا بار دخول چاہتا ہے۔ لشکروں کا خداوند ہے۔ جسکے تمام فرشتے اور دیو آسمان اور زمین اور زمین تلے کی تمام زندہ چیزیں ماتحت ہیں۔ یُوں صندوق آخر کو اپنے آرام کی جگہ میں پہنچا۔

رُوحانی زندگی کے اِسرار

یا

افسیوں کے خط کا مطالعہ

پندرھواں باب

مسیحی مسلح

ہر ایک مسیحی تو اپنی زندگی میں اور باعتبار مسیح کی انجیل کا سپاہی ہونے کے دوزخ کی قوتوں کا سامنا کرتا ہے۔ اس خط کے آخری باب میں رسُول بالخصوص ہمارے متذکرہ فرض کا ذکر کرتا ہے۔ بیشک اس جنگ کی طرف بھی وہ اشارہ کرتا ہے جو ہر ایک ایماندار کو فرداً فرداً بدی کی قوتوں اور حکومتوں کے ساتھ کرنا پڑتا ہے لیکن اس واقعہ پر جو اتنا زور دیا گیا ہے کہ حکومتوں سے مراد دنیا کا حاکم یا اس دنیا کی تاریکی کا سردار ہے وہ اس بڑے جنگ کا اظہار کرتا ہے جو کہ کلیسیا اور اسکے ہر ایک ممبر کو بدی کے ان گروہوں کے ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ جو وہم۔ ظلم۔ اور غرور کے طریق کے پیچھے۔ جو یسوع مسیح کی انجیل کے مخالف ہیں۔ چھپے ہُوئے ہیں اور ہمیں نظر نہیں آتے۔

ہمارے لئے یہ اچھا ہے کہ اس بدی میں جو ہمارے اس کام میں ہماری مخالفت کرتی جو ہم خدا کیلئے کرتے ہیں اور ہمیں تنگ بھی کرتی ہے اس عجیب جزو کو پہچانیں۔ ہمارا مقابلہ نہ صرف بیوقوفی جہالت یا خون اور جسم کی دنیاوی عقل سے ہے بلکہ آسمانی مقاموں پر بدی کے روحانی لشکر کے ساتھ (دیکھو دانیال ۱۰ باب)

ہمیں بالکل ہمت ہارنی نہیں چاہئیے کیونکہ ہمارے خداوند کے صعود میں یہ تمام حکومتیں اور اختیار ہمارے شفیع کے پاؤں تلے کئے گئے۔ اور جیسے ہم اس میں قایم رہیں ہم اسکی فتح میں شریک ہوتے ہیں۔ دوزخ کی بُری سے بُری طاقت سے ہم زور آور ہیں۔ ہم اپنے اعلیٰ مقاموں پر چلتے ہیں۔

لیکن رسول ہمیں صاف صاف بتاتا ہے کہ پیشتر ازیں کہ ہم اپنی نجات کے کپتان کی فتح یا قدرت میں شریک ہوں ضرور ہے کہ ہم بعض ذاتی صفات حاصل کریں۔ اِسی لئے وہ زور دیتا ہے کہ ہم خدا کے سارے ہتھیار پہن لیں تاکہ بُرے دن میں ہم مقابلہ کر سکیں اور سب کاموں کو انجام دیکر قایم رہ سکیں۔ ہم اس امر پر غور کریں۔ کیونکہ اس میں غفلت اکثر مسیحی کارندوں کی ناکامی کا باعث رہی ہے۔ وہ اپنی ذاتی سیرت کی اکثر فکر نہیں رکھتے اور شیطان ان پر ہنستا ہے۔ کیونکہ اپنے قول اور

فعل میں مطابقت نہ رکھنے کے باعث وہ اپنے ایمان کی جڑیں کاٹ دیتے اور فتح کے اس چشمہ سے کہ جس سے شیطان ڈرتا ہے اپنے آپکو علیحدہ کر لیتے ہیں۔ (مقابلہ کرو ۲ پطرس ۱: ۵-۱۱)

چاہیئے کہ مسیحی صادق اور سچا ہو۔ کمر کسنا طاقت کا نشان ہے اور کمر کسی آرام طلبی سستی یا بے پرواہی کے متضاد ہے۔ اس لئے کمر کسنے کی ضرورت ہے اور ہمارا خداوند اس پر بڑا زور دیتا اور اپنے خادموں کے لئے اسکی ضرورت بتاتا ہے۔ "تمہاری کمریں کسی رہیں اور تمہارا چراغ جلتا رہے۔" افسیوں ۶: ۱۴

ہم کو اپنی کمر سچائی سے کسنی چاہیئے۔ چاہیئے کہ ہم اپنی نیچر کے قوانین پر پورا پورا عمل کریں۔ حد اعتدال سے کبھی تجاوز نہ کریں۔ اپنی راحت کے لئے ہرگز ان طاقتوں سے کام نہ لیں جو زندگی کی آگ کے قایم رکھنے کے لئے مقصود ہیں۔ اور کبھی اس نفس کو راہ نہ دیں جو ہم سب میں چھپا ہے۔ چاہیئے کہ ہم خدا کے حضور جس نے ہمیں بنایا اور ہمیں نجات دی صادق ہوں۔ اپنے آپ کے نزدیک صادق اور اپنے بہتر سے بہتر نمونہ پر عمل بند۔ ان شخصوں کے لئے سچے ہوں جنکے درمیان ہم رہتے اور جن پر ہماری خود ضبطی یا بے پروائی سے نیک یا برا اثر ضرور پڑتا ہے۔

ہم پر یہ فرض ہے کہ سچائی کے آئینے کے آگے جو مسیح ہے کھڑے رہیں۔ ہاں مسیح وہ نور ہے جو ہر ایک آدمی کو منور کرتا ہے۔ مسیح کانشنس میں۔ مسیح کلام میں۔ اس سے بڑھکر کوئی اور بہتر معیار نہیں۔ جب ہم اپنے خداوند کے روبرو ہونگے جبکی کمر سچائی سے کسی ہے اور وفاداری کا پٹکا بندھا ہے تو ہم اپنی اصلی سیرت کو پہچان لینگے۔ ہماری سیرت میں کسی قسم کا ٹیڑھاپن یا قول وفعل میں نامطابقت یا کوئی اور برائی ہو تو وہ فوراً ٹھیک ٹھیک ظاہر ہو جائیگی۔ اس مستند عدالت کے آگے باطنی زندگی کا کوئی ایسا نقص نہیں جو فوراً ظاہر نہیں ہو جاتا یا ملعون نہیں ٹھہرتا اور اسکے فیصلہ کی راستی کا ہر ایک جان اپنے آپ میں اعتراف کرتی ہے۔ کاش کہ ہم میں سے سب نہ صرف بڑے بڑے معاملوں میں ہی بلکہ اپنی زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی۔ اس کسوٹی پر پرکھا جانا منظور کریں۔

تو پھر چاہیئے کہ مسیح کے نام اور اسکی قدرت سے ہم ان سب باتوں کو چھوڑ دیں جو اسکی سیرت اور دعاوی کے مطابق نہیں اور ہر بات میں ہم اسی کے تابع فرمان ہوں۔ اسکے لئے ہمیں کچھ دینا پڑیگا۔ کچھ برداشت کرنا ہوگا۔ ہماری قوت فیصلہ کی طرف سے ہی ہمیں مشکلات کا سامنا ہوگا۔ خود غرضی اور اپنے آپکو بڑا سمجھنے سے ہمارے دل کو چوٹ لگیگی۔ شاید ہمیں اپنی مرضی سے مقابلہ کرنا پڑے اور کسی پیاری عادت کی موت کے وارنٹ پر دستخط کرنے میں ہمیں تامل ہو۔ ان باتوں پر عمل کرنے کی ہم میں ہمت معلوم نہ ہو جنکو اپنے بہتر وقتوں میں ہم نے اپنی سب سے عمدہ اور مبارک پالیسی سمجھا ہو۔ لیکن مبارک ہیں ہم اگر ہم آرام طلبی کے لبنے جامہ کو پکڑنے کی جرأت کریں

اور خالص سچائی اور پاکیزگی کے کمربند تلے اسکو دبائے رکھیں۔

چاہئے کہ مسیحی سپاہی راستباز ہو۔ "راستبازی کا بکتر لگا کر" یہ وہ راستبازی نہیں جو ہمارے مسیح پر ایمان لانے پر ہم سے منسوب کی جاتی ہے بلکہ ذاتی راستبازی جو روح القدس (افسیوں ۶: ۱۴) کی تاثیر سے ہم میں پیدا ہوتی ہے اور جسکے باعث ہماری سیرت یسوع مسیح راستباز کی سیرت کے مشابہ ہوتی ہے۔ یہ وہ راستبازی ہے کہ جسکی طرف رسول ططس کو لکھتے ہوئے اشارہ کرتا ہے کہ خدا کا فضل ہمیں تربیت دیتا ہے تاکہ بیدینی اور دنیوی خواہشوں کا انکار کرکے اس موجودہ جہان میں پرہیزگاری اور راستبازی اور دینداری کے ساتھ زندگی گذاریں۔ اپنے تمام برتاؤ اور تعلقات میں ہمیں ایسا مزاج پیدا اور ظاہر کرنا چاہئے۔ یہ بکتر دل پر جو ہماری محبت اور جذبات کی جگہ ہے لگایا جاتا ہے۔ محبت اور جذبات میں تو خصوصاً ہمیں راستباز ہونا چاہئے۔

اس امر کا یاد رکھنا بڑا ضروری ہے۔ ان لوگوں کو مسیح کی خبر دینے سے کیا فائدہ جو ہماری بے انصافی تلے گڑھ رہے یا ہماری سیرت میں ظاہرا نامطابقت دیکھتے ہیں۔ ہماری بڑی فصیح و بلیغ وعظوں کا اثر ہمارے اعمال سے جو اور بھی اونچا بولتے ہیں زائل ہو جاتا ہے۔

ہم میں سے اکثر کی بے پروائی اور پولوس رسول کی فکر اور اتقا میں کیسی تفاوت ہے۔ وہ کیسی کوشش اور فکر میں رہتا تھا کہ اسکی کانشنس خدا اور انسان دونوں کی طرف بے خطا رہے! اُسکو کیسا خیال رہتا تھا کہ جو شخص موقعہ پانا چاہتے تھے وہ اسکے آرام کے خیال سے موقعہ پانے سے محروم نہ رہیں۔ اور مناسب چیزوں سے بھی اس نے کیسی خوشی سے خود انکاری کی تاکہ اس کی خدمت پر کسی قسم کا الزام نہ آسکے۔

مسیحی کو لازم ہے کہ انسان یا شیطان کسی کو اپنی زندگی یا گفتگو کی نسبت یہ کہنے کا موقعہ نہ دے کہ یہ شخص جو کہتا ہے وہ کرتا نہیں اور خود اپنی تعلیم کو جھٹلاتا ہے اسکی نسبت بہتر ہے کہ ہم نقصان اُٹھائیں اور نیکی کرکے بُرے بنیں اور ہر ایک کو اسکے حق سے بڑھکر دیں۔ نقصان اور مصیبت کو ہم خوشی سے اُٹھائیں تاکہ ہر رات ہم اپنے ہاتھ عصمت اور بے قصوری میں دھوئیں اور یہ تسلی ہمیں حاصل ہو کہ کہ ہم نے کسی کی راہ میں ٹھوکر کا پتھر نہیں رکھا۔

یہ تبھی ممکن ہو سکتا ہے جب ہم مسیح اپنی راستبازی میں ایمان سے قائم رہیں اور جب ہم اپنے بہتر سے بہتر کام سر انجام دے لیں تو کوئی فخر کی جائے نہ ہوگی ہم نالائق خادم ہیں۔ ہم نے وُہی کچھ کیا ہے جو ہمیں کرنا لازم تھا۔

مسیحی سپاہی کو صلح کی پیروی کرنی چاہئے۔ "پاؤں میں صلح کی خوشخبری کی تیاری کے جوتے پہن کر" (افسیوں ۶: ۱۵) ان الفاظ میں جو پیغمبروں کی طرف اشارہ ہے جنکو یسعیاہ نے رویا میں دیکھا

کہ جنکے خوبصورت پاؤں انجیل کی خوشخبری دینے کو پہاڑوں سے عبور کرتے ہیں۔ لیکن ان میں یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ جو شخص صلح کی انجیل (خوشخبری) لے جاتے ہیں۔ انکو آہستہ۔ نرمی اور ملایمت کے ساتھ قدم اُٹھانا چاہیئے۔

اگر ہمارا پیغام صلح کی انجیل ہے تو چاہیئے کہ خدا کی صلح ہمارے چہرے پر مقدس سلامتی کا نقاب ڈالے۔ وہ ہمارے لبوں سے کلمۂ برکت کی مثال نکلے۔ اور خداوند کی شبنم کی طرح انسانی رشک اور نفرت کی خشک جگہوں پر پڑے۔ صلح کرانے والوں کی سی برکت ہمیں حاصل ہونی چاہیئے۔ ہمارے قدم صرف سلامتی کی راہوں میں اُٹھنے چاہیئے سوائے اس صورت کے کہ جب خدا کی قربانی ہمیں صاف صاف الفاظ میں کہے کہ اُٹھو اور گناہ اور اُن برائیوں کے ساتھ جنگ کرو جو تمہارے چاروں طرف موجود ہیں۔ (جہاں تک ہوسکے تم اپنی طرف سے سب آدمیوں کے ساتھ میل ملاپ رکھو۔ پس ہم ان باتوں کی پیروی کریں)۔ جن سے میل ملاپ اور باہمی ترقی ہو۔ اور مناسب نہیں کہ خداوند کا بندہ جھگڑا کرے۔ بلکہ سب کے ساتھ نرمی کرے اور تعلیم دینے کے لایق اور متحمل ہو اور مخالفوں کو حلیمی سے تادیب دے۔ کاش یہ ہمارا نصیب ہو کہ لوگوں میں محبت اور سلامتی بڑھانے کی ہر دم کوشش میں رہیں۔ ان کے بے محبتانہ برتاؤ سے غصہ اور ناراض نہ ہوں اور ان کے غضب اور غصہ کے شعلہ سے آپ افروختہ نہ ہو جائیں۔

مسیحی سپاہی کو ایمان میں مضبوط ہونا لازم ہے۔ جیسے ہر ایک آتشیں تیر دوزخی نفرت کے شعلوں سے زہر آلود صلیب کے سپاہی پر پڑتا ہے اور جنگ کے شور اور دھوئیں میں اس کو کچھ نظر نہیں آتا تو اسے چاہیئے کہ اس تیر کو لے کر ایمان کی سنہلی ڈھال پر بجھا دے تاکہ وہ سر یا دل تک پہنچ نہ سکے۔ افسیوں ۶: ۱۶

بعض اوقات تمہاری نسبت ایسے الزام پھیلائے جائینگے جنکا تم نے کوئی موقعہ نہیں دیا۔ یا تمہیں زہر آلود الفاظ سے خطاب کیا جائیگا یا تمہاری نسبت ہتک آمیز تحریریں شایع کی جائیں گی یا گذشتہ گناہوں کی یاد تمہیں ستائیگی جس سے تم نادم اور شرمندہ ہوگے ایسے وقتوں میں ہمیں آزمایش درپیش ہوتی ہے کہ پیچھے کو ہٹ جائیں اپنا کام چھوڑ دیں اور جنگ سے علیحدہ ہو جائیں۔ جو لوگ ایسے ایمان سے تحریک نہیں پاتے جو ایسی تمام باتوں کو اپنے ہمدرد اور قادرِ مطلق نجات دہندہ کے پاس لے جاتا ہے جو سب کچھ جانتا۔ جو اپنے جاننے سے بڑھ کر ہم سے محبت رکھتا اور جو جنگ کے وقت ہمارے سروں کو بچاتا ہے ان پر یہ آزمایش ضرور غالب آئے گی۔

لیکن ایسا ایمان صرف اُسی شخص کے لئے ممکن ہے جسکا ہاتھ صاف اور جسکا دل پاک ہے۔ جو ہر روز مسیح کی شراکت اور رفاقت میں رہتا ہے اور جسکی روح ہر روز خدا کے کلام سے غذا پاتی ہے۔ چاہیئے کہ مسیحی سپاہی اپنے تجربہ سے خدا کی نجات کو جانتا ہو پیشتر ازیں کہ وہ گنہگاروں کو خدا

افسیوں ۶: ۱۷ کی معافی کی خوشخبری دے ضرور ہے کہ گناہ کے الزام اور سزا سے وہ خود نجات پائے ہو۔ چاہئے کہ وہ اپنے دل میں احساس پائے ہو کہ انجیل گناہ کی غلامی سے چھڑا کر نجات کی طرف لانے کے لئے خدا کی قدرت ہے۔ چاہئے کہ بدن کی نجات میں وہ خدا کے ارادہ کی تکمیل کی اُمید رکھتا ہو۔ جیسے سورج کی روشنی میں ذرہ بکثرت چمکتی ہے چاہئے کہ مسیحی کے تجربہ کا تاج آسمان کی طرف اور اس جلال کی طرف جو ابھی ظاہر ہونے والا ہے اشارہ کرے۔ اسے وہی کچھ کہنا چاہئے جو وہ جانتا ہے اور اسی کا بیان کرنا جو اس نے خود دیکھا اور سُنا ہے۔ جب ہمیں خدا کی نجات کی قوّت کا تجربہ حاصل ہو تو تبھی ہم ایسی آزادی اور قوّت سے اسکا اظہار کر سکتے ہیں کہ اَور تائید کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور جب لوگ ہماری زندگی اور سیرت میں خدا کی نجات کا نمونہ دیکھیں گے تو اُسکو خُدا کا کلام مان کر قبول کرنے کو تیار ہوں گے۔

مسیحی سپاہی کو چاہئے کہ ان دو خاص وسائل فضل سے کام لے یعنی خُدا کے کلام اور دُعا سے۔ افسیوں ۶: ۱۸ مذکورالصدر صفات پر یہ صفت بڑھاؤ کہ اپنی رُوحوں کی پرورش۔ اپنے پیغام کی تیاری اپنے سامعین کی کانشنس کے ساتھ برتاؤ کرنے میں ہم کلام اللہ کا خوب استعمال کریں۔ علاوہ ازیں دُعا کے ہتھیار کا برابر استعمال رہے اور کوئی ایسا دوزخ زاد دشمن نہیں جو ہمارے مقابلہ میں کھڑا رہ سکے۔ اور ہم انسانی کمزوری میں کمزور خداوند اور اسکی قوّت کی قدرت میں زور آور ٹھہرینگے۔ ہر روز اِس شراکت پر غور کرو جو اپنے صعود یافتہ خداوند سے تمہیں حاصل ہے۔ یاد رکھو کہ اسمیں ہو کر تم گناہ کے حق میں مر گئے ہو اور اپنے آزمائش یافتہ عضووں کو مسیح کے حضور راستبازی کے ہتھیار بنا کر پیش کرو اور تمہیں ایسی فتح حاصل ہوگی جس میں کبھی رخنہ نہ آسکے۔

تمام شد

ہماری ساری زندگی گویا ایک دن ہے جو بار بار آتا ہے۔ اِسی لئے یعقوب اپنی زندگی کو دنوں سے شمار کرتا ہے۔ اور موسیٰ نے بھی الٰہی حساب کے سیکھنے کی آرزو ظاہر کی کہ اپنی زندگی کے سال نہیں بلکہ دن گننا سیکھے جو شخص اپنا ایک دن کھو دیتے ہیں وہ مسرف ہیں اور جو ایک دن کا ٹھیک استعمال نہیں کرتے وہ سب سے بیدا اور نادان ہیں۔ (بشپ ہال)

بڑا بھید۔ ڈاکٹر انڈریو نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ گو میرے نزدیک یہ ایک بڑا بھید ہے کہ گناہ دُنیا میں کیسے آیا تاہم اس سے بھی بڑا بھید یہ ہے کہ اس کی سزا اُٹھانے کو خود خُدا دنیا میں آگئے۔

قدیم مسیحیوں کی طرزِ زندگی

(۱)

پہلے پہل دیگر مذاہب سے نکل کر لوگ مسیح کے پاس آئے۔ اور ان کے مسیحی ہونے سے انکی زندگی میں جو انقلاب پیدا ہُوا وہ عجیب حیرت افزا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحی دین اصل میں ایک طاقت ہے جو انسان کی زندگی میں بڑی تبدیلی پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ ہمارے خداوند کے رسُولوں نے اپنے زمانہ کے مسیحیوں کے بارے میں جو شہادت دی ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے۔ "میں خدا باپ کا شکر کرتا ہوں جب میں نے سُنا ہے کہ تم مسیح یسُوع پر ایمان لائے اور سب مقدس لوگوں کو یاد کرتے ہو۔" "میں بھی اس ایمان کا حال سُنکر جو تم میں خداوند یسوع پر ہے اور اُس محبت کا جسے تم سب مقدس لوگوں سے رکھتے ہو تمہاری بابت شکر کرنا . . . . نہیں چھوڑتا۔" مقدس کپیریان (Cyprian) جو تیسری صدی کے وسط میں بشپ تھا اپنا تجربہ یُوں بیان کرتا ہے۔ "میں حق و نور سے الگ تھا۔ خدا کی رحمت سے جو اُمید مجھے نجات کی ہو سکتی تھی وہ مجھے میری سنگدلی اور خرابی کے باعث ناممکن معلوم ہوتی تھی کہ آدمی نئے سرے سے پیدا ہو اور اپنی پہلی حالت کو اُتار پھینکے اور جبکہ بدنی حالت وہی رہتی ہے اور رُوح و مزاج میں ایک نیا شخص بنجائے۔ میں کہتا تھا کہ ایسی تبدیلی کیسے ہو سکتی ہے کہ جس گناہ نے ایسی گہری جڑ پکڑی ہے وہ یک لخت اُکھڑ جائے . . . . لیکن جونہی نئے جنم کے حوض میں میری پہلی زندگی کے داغ دھوئے گئے۔ عالم بالا سے روشنی میرے دل میں چمکی اور آسمان کی روح مجھ میں پھونکی گئی میں یک لخت نیا مخلوق بن گیا۔ وہ جو ناممکن نظر آتا تھا اب مشاہدہ میں آگیا۔" جسٹین شہید کہتا ہے کہ "ہم جو پہلے بدخواہشوں کے غلام تھے اب پاکیزہ۔ حمیدہ اخلاق میں خوشی مناتے ہیں۔ ہم جو پہلے جادوگری کرتے تھے اب ہمنے اپنے تئیں ازلی نیک خدا کے لئے مخصوص کیا ہے۔ ہم جو پہلے نفع کمانے کو سب چیزوں پر ترجیح دیتے تھے ہم اب سب کچھ عام کے فائدہ کے لئے دے دیتے ہیں تاکہ کوئی محتاج نہ رہے۔ ہم جو پہلے ایکدوسرے سے عداوت رکھتے اور ایکدوسرے کو قتل کرتے تھے اور دستوروں کے اختلاف کے باعث اجنبیوں کو گھر میں گھسنے نہیں دیتے تھے اب مسیح کے ظاہر ہونے سے ایکدوسرے کے ساتھ اختلاط رکھتے اپنے دشمنوں کے لئے دُعا مانگتے۔ وہ جو بلا سبب ہم سے عداوت رکھتے ہیں انکو بھی تعلیم دے کر مسیح کے نمونہ پر بنانا چاہتے ہیں تاکہ وہ بھی ہماری طرح خدا سے برکتیں حاصل کریں۔ یہ تو عام بیان ہُوا لیکن خاص خاص خوبیاں جو مسیحیوں میں اُن دنوں پائی جاتی تھیں ان کا بھی ذکر ہُوا ہے۔ مثلاً یہ لفظ بھائی۔ بہن جو آجکل مسیحیوں میں ایسے گرے ہوئے۔ بے معنی اور بکار ہی کے لفظ بن گئے

ہیں اُن دنوں میں حقیقی معنی رکھتے تھے مسیحی شخص جب ایکدوسرے سے ملتے تو ایسے تپاک سے ملتے۔ جیسے دو بچھڑے دوست ملا کرتے ہیں ایک دوسرے کو چومتے اور پیار کرتے۔ خواہ اس سے پہلے کبھی ملاقات بھی نہ ہوئی ہو۔ غیر مسیحی حیران ہوتے تھے کہ یہ لوگ جو مختلف قوم۔ درجہ۔ حالت اور تعلیم کے ہیں وہ ایسی یگانگت اور محبّت رکھتے ہیں۔ برادرانہ اُلفت اور ہمدردی سے وہ معمور تھے مسافر پروری۔ غریبوں کی مدد۔ بیماروں کی خبرگیری۔ بُوڑھوں۔ بیواؤں اور یتیموں کی پرورش۔ جو لوگ ایمان کے باعث قید میں پڑے تھے ان کی مدد کلیسیا کا عین فرض تھا۔ خاص خاص لوگ ایسی خدمت اپنے ذمّہ لے لیتے تھے۔ بعض سن رسیدہ عورتیں یہ خدمت کیا کرتی تھیں۔ ترتلیان کہتا ہے کون بُت پرست اپنی بیوی کو اجازت دیگا کہ گلی کوچہ میں جائے۔ اجنبیوں اور غریبوں کے گھروں میں داخل ہو اور قید خانوں میں جاکر شہیدوں کی زنجیروں کو چومے؟ شمالی افریقہ میں ایک دفعہ کپریان کے دنوں میں وبا پڑی۔ بُت پرست لوگ خوف اور لالچ سے اپنے بیماروں اور مردوں کو چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے۔ مسیحیوں نے عجب مردانگی دکھائی۔ کہ نہ صرف اپنے بھائیوں کی مدد بلکہ بُت پرست بیماروں اور مُردوں کی خبرگیری بھی کی۔ کیونکہ ان کو یہ نصیحت کی گئی تھی کہ "اگر تم انہیں کا بھلا کرو جو تمہارا کرتے ہیں تو تم نے کیا زیادہ کیا؟ کیا غیر قوم اور محصول لینے والے ایسا ہی نہیں کرتے؟ لیکن اگر ہم اس خدا کے فرزند ہیں جو راست اور ناراست دونوں پر اپنا سورج چڑھاتا اور اپنا مینہ برساتا ہے۔ جو اپنی نعمتیں نہ صرف نیکوں بلکہ اپنے دشمنوں کو بھی بخشتا ہے۔ ہم بھی اپنے کاموں سے ظاہر کریں اور کوشش کریں کہ جیسا ہمارا آسمانی باپ کامل ہے ہم بھی کامل بنیں۔

اگرچہ مسیحیوں میں تجرّد کی قدرومنزلت بہت تھی اور اکثر لوگ اس پر عمل کرتے تھے پھر بھی شادی کرنا ممنوع نہ تھا بلکہ اس کی تعریف آتی ہے مثلاً کلمنت اسکندری کیا ہے؟ کہ محض تجرّدی کے ذریعہ آدمی اپنے تئیں مرد کر کے نہیں دکھاتا بلکہ خاوند اور صاحبِ خاندان ہو کر۔ جب ان ساری آزمائشوں پر غالب آتا ہے جو بیوی بچّوں کی پرورش اور گھر کے کاروبار کی نگرانی میں پیش آتی ہیں اور وہ خدا کی محبّت سے علیحدہ نہیں ہوتا تو وہ ایک بڑی فتح حاصل کرتا ہے۔ جس شخص کے پاس خاندان نہیں وہ بہت سی آزمائشوں سے بچ تو جاتا ہے کیونکہ اسکو صرف اپنی ہی فکر ہے لیکن وہ اس شخص سے ادنٰی جسکے فرائض خاندانی بہت ہیں اور تفکرات کثیر۔ لیکن پھر بھی وفاداری سے ان کو بجا لاتا ہے۔ ویسا ہی عورتوں کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ ماں اپنے بچّوں کا جلال ہے اور بیوی اپنے خاوند کا۔ اور خدا ان سب کا جلال ہے۔ وہ عقد کیسا عمدہ ہے دو ایماندار ایک اُمید۔ ایک خواہش۔ ایک قانون اور خداوند کی ایک خدمت میں شریک ہیں۔

عورتوں کے لئے بھی قانون تھا کہ اپنے سنجیدہ چال چلن اور اپنے شائستہ سادہ لباس کے ذریعہ

اپنی اندرونی طبیعت کا ثبوت دیں ۔ اور عین صورت ہی کے وسیلہ سے وہ اس عیش و عشرت اور خراب دنیا میں نور کی طرح چمکیں۔

(۲)

یوسبیس قیصریا کے بشپ نے اپنے زمانہ تک کی تواریخ کلیسیا لکھی ۔ یہ صاحب چوتھی صدی کے وسط میں تھا۔ قسطنطین اعظم کا خاص دوست اور مورخ گذرا ہے ۔ کلیسیا کا احوال پہلے پہل اسی نے لکھا ۔ اس لئے وہ تواریخ کلیسیا کا باپ کہلاتا ہے ۔ یہ شخص اپنی تواریخ میں قدیم مسیحیوں کی طرز زندگی کا ذکر کرتا ہے ۔ فائلو یہودی مورخ اور فیلسوف نے جو پہلی صدی مسیحی میں گذرا ہے مصر کے ایک فرقے کا ذکر اپنی کتاب میں کیا اُس فرقے کا نام تھراپیوٹائے (یعنی شفا دینے والا) آیا ہے ۔ یوسبیس نے اس بیان سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ لوگ مسیحی تھے ۔ کیونکہ جو نشان مسیحیوں کے تھے فائلو وہ نشان اُن میں بتاتے ہیں ۔ مثلاً اوّل اُن کی نسبت یہ شہادت ملتی ہے کہ جونہی یہ لوگ اعلیٰ زندگی شروع کرتے تونہی اپنے مال و متاع کو الوداع کہتے اور اپنے رشتہ داروں کے درمیان بانٹ دیتے ۔ دوئم یہ کہ دُنیاوی تفکرات کو دُور کرتے شہر کو ترک کرتے اور علیحدہ جگہوں اور باغیچوں میں سکونت اختیار کرتے۔ کیونکہ انکا خیال تھا کہ دوسری قسم کے لوگوں کے ساتھ صحبت رکھنے سے نہ صرف فائدہ کچھ نہیں ہوتا بلکہ نقصان ہوتا ہے ۔ یوسبیس کہتا ہے کہ یہ طرز زندگی اسی قسم کا ہے جسکا ذکر اعمال کی کتاب میں آیا ہے کہ شاگردوں نے اپنا مال و اسباب بیچکر ہر ایک ضرورت کے موافق تقسیم کردیا اور اس طرح سے کوئی اُن میں محتاج نہ رہا فائلو یہ بھی کہتا ہے کہ اس قسم کے لوگ سارے جہان میں منتشر ہیں یونانی اور بربری دونوں اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں ۔ مصر کے اضلاع میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں خاصکر سکندریہ کے نواح میں سوئم ۔ اِن میں جو بزرگ ہیں وہ جھیل ماریا کے پرے ایک مرتفع زمین میں جا بستے ہیں۔ یہ حفاظت و آب و ہوا کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے اور یہ گویا ان کا اصلی وطن ہے ۔ چہارم ہر مکان میں ایک مقدس کمرہ ہے جسے وہ راہب خانہ یا خلوت خانہ کہتے ہیں جہاں وہ علیحدہ ہوکر دینی رسوم بجا لاتے ہیں ۔ یہاں اپنے ساتھ وہ کچھ نہیں لے جاتے ۔ نہ کھانے کی شے نہ پینے کی شے نہ کوئی دیگر شے بدنی ضروریات کے لئے۔ وہ صرف شریعت اور انبیا کا الہامی کلام اور گیت اور ایسی چیزیں ساتھ لیجاتے ہیں جن سے حکمت و دینداری ترقی پکڑے اور کامل بنے ۔ اور صبح سے شام تک ریاضت میں لگے رہتے ہیں مقدس نوشتوں پر غور و فکر کرکے اُن پر بحث کرتے اور اسکی تفسیر کرتے اور اپنے ملک کے فلسفہ کو تمثیلی طریق سے بیان کرتے ہیں ۔ اِنکے پاس قدیم شخصوں کی جو اس فرقے کے بانی تھے تفسیریں بھی ہیں ان میں جو تعلیم ہے وہ بھی بہت کچھ تمثیلی ہے ۔ اب فائلو کے اس بیان پر یوسبیس یہ رائے قائم کرتا ہے کہ یہ قدیم تفسیریں ہماری اناجیل اور رسولوں کی تصانیف ہیں ۔ اور قدیم نبیوں کی تفسیریں مثلاً عبرانیوں کی

کی طرف کا خط جو ایک طرح کی تفسیر ہے۔ فائلو ان کے گیتوں کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ یہ لوگ نہ صرف دھیان میں اپنا وقت گذارتے ہیں بلکہ خدا کی تعریف میں گیت اور غزلیں بناتے ہیں۔ ان کا وزن اور قافیہ مختلف ہے۔ یوسیبس کہتا ہے کہ اگر اس سے بھی کسی کے دل میں ان کے مسیحی ہونیکا شک رہے تو اگلے بیان سے وہ شک رفع ہوجائیگا۔ فائلو لکھتا ہے کہ اعتدال و پرہیزگاری کو ان لوگوں نے ساری نیکیوں کی بنیاد ٹھہرایا ہے کیونکہ یہ لوگ سورج غروب ہونے تک نہ کھاتے نہ پیتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ یہ فلسفی ریاضت دن میں ہونی چاہئے اور بدنی ضروریات تاریکی میں۔ لیکن ان میں سے بعض تو تین تین دن تک کھانے کا نام نہیں لیتے اور بعض اس تعلیم و حکمت کی خوشی میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ چھ دن تک ان کو خوراک کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ان میں بعض عورتیں بھی ہیں اور یہ اکثر عمر رسیدہ کنواریاں ہیں جنہوں نے اپنی عفت و عصمت کو محفوظ رکھا نہ یونانی کاہنہ عورتوں کی طرح مجبوری سے بلکہ استقلال سے۔ کیونکہ وہ اس حکمت کی تحصیل میں بدنی عیش و عشرت کو نظرانداز کردیتی ہیں۔ یہ لوگ اپنے مقدس نوشتوں کی تفسیر تمثیلی طریقہ اور استعارہ وغیرہ کے ذریعے کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مقدس نوشتے مثل جانور کے ہیں جنکے لفظ تو بمنزلہ بدن کے ہیں اور معنی بمنزلہ جان کے الفاظ نام وغیرہ شیشے کے طور پر ہیں جن میں سے اصلی صورت خیال کی نظر آتی ہے۔ اس سارے بیان پر یوسیبس یہ کہتا ہے کہ اس کی تشریح کی زیادہ ضرورت نہیں کیونکہ آج تک ہمارا یہی دستور ہے خاصکر مقدس ہفتہ میں ہم اپنا وقت روزہ۔ دعا اور کلام اللہ کے مطالعہ میں کاٹتے ہیں۔ یہ دستور صرف ہمارے ہی درمیان نہیں پائے جاتے ہیں خاصکر عیدوں کے عرفوں پر وہ ریاضت اور گیت ابتک استعمال ہوتے ہیں۔ ان عرفوں اور روزوں کے دنوں میں ہم زمین پر بوریا بچھاکر سوتے تھے اور گوشت سے پرہیز کرتے ہیں صرف پانی پیتے روٹی نمک کھاتے ہیں۔ علاوہ ازیں جن دینی عہدوں کا فائلو ان میں ذکر کرتا ہے وہ ہمارے کلیسیائی عہدے ہیں۔ گو یوسیبس کے اس نتیجہ کو کہ یہ لوگ مسیحی تھے مانیں یا نہ مانیں اس میں کچھ شک نہیں کہ مسیحیوں کی طرز زندگی ایسی تھی۔

مسیحی کی تعریف۔ وہ شخص خواہ وہ مرد۔ عورت یا بچّہ ہو مسیحی ہے جو اپنے آپ کو گم شدہ گنہگار سمجھ کر خدا کے پاس آتا۔ خداوند یسوع مسیح کو اپنا ذاتی نجات دہندہ قبول کرتا۔ اسکو اپنا خداوند اور مالک جان کر اپنا سب کچھ اسکو سونپ دیتا۔ دُنیا کے سامنے اسکا ظاہرا اقرار کرتا اور روز بہ روز ہر بات میں اسکو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

طیطس کا آنا

از اے ڈی

باہر لڑائی جھگڑے اور برادری میں غلط فہمیاں اور خوف وہراس تھا۔ لیکن پولوس کو طیطس کے آنے سے بڑی تسلّی ہوئی۔ رسول پر محبت کا کیسا اثر پڑتا ہے اور اس سے ہمارے خداوند کی ہمدردی بھی کیسے ظاہر ہے کہ جب اُس نے دیکھا کہ اسکا خادم بڑا دل شکستہ اور مغموم ہے تو فوراً اسکو ایک ایسی چیز بھیج دی جو سب سے زیادہ اسکی تسلّی کا باعث ہوتی۔ ایک دوست کا چہرہ۔

ہم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جسکو انسانی مدد اور محبت کی احتیاج نہ ہو۔ رسکن لکھتا ہے کہ اس زندگی میں (مرتے دم تک) آزادی کوئی چیز نہیں محض نام ہی نام ہے۔ قبر میں بیشک ہم کسی خاص غرض کے لئے آزاد ہوں گے۔ تب تک بلحاظ انسانی دوستی کے واجب ہے کہ ہم خدا کی اس بخشش کو قبول کریں اور اسکے جلال کے لئے اس پر قایم رہیں اور اس کا استعمال کریں۔ جس قدر یہ دوستی الٰہی مقصد کے مطابق ہے ہم اسکو اگلے جہان میں اور بخششوں کے ساتھ واپس پائیں گے لیکن اس زندگی میں اس دوستی کا قایم رکھنا کوئی آسان بات نہیں۔ دُنیا کی سختی ہی کہ جس کے باعث دوستی موجب تسلّی اور امر ضروری ہے اکثر اسکے ٹوٹنے کا باعث بھی ٹھہرتی ہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ کتنی باتیں غلط فہمی کا مُوجد ٹھہرتی ہیں اگر اسی وقت بڑے تحمّل اور دُعا کے ساتھ ہم ان کا تدارک نہ کریں۔ اور چھوٹی چھوٹی غلط فہمیوں سے دوست دوست سے جُدا ہو جاتے اور برسوں کی دوستی دم بھر میں جاتی رہتی ہے۔ ایسے وقتوں میں کیا اپنے آپ سے یہ سوال کرنا واجب نہیں کہ کیا یہ واقعہ اس قابل ہے کہ اسکی خاطر میں اپنے دوست کو کھو دوں۔ یقیناً کبھی بھی کوئی واقعہ اس قابل نہ ہوگا۔ زندگی من کُلّ الوجوہ غم و رنج سے بھری ہے اور موت ہر دم اس کے سر پر کھڑی ہے۔ ہم ایسے نادار ہیں کہ اپنی زندگی میں سے ایک دوست کو بھی کھو نہیں سکتے۔ پھر ہم کسی ایسے وقت کو یاد کریں جب ہم حیران و پریشان اور مغموم و دل شکستہ تھے اور دُنیا ہماری آنکھوں میں تاریک نظر آتی تھی اور ایک دوست کے دیدار ہی سے جو گویا خدا کا پیغام بر تھا دُنیا ہماری نظروں میں منوّر نظر آنے لگی۔ کیا اس کے متضاد کوئی دلیل ہو سکتی ہے؟ واجب ہے کہ ہم دوستی کی اس انمول بخشش کے لئے اسکا شکریہ ادا کریں اور التجا کریں کہ اسکو ہمارے لئے رکھے۔

طیطس کا آنا! اس کے آنے سے ہم نے اکثر تسلّی پائی ہے چاہئے کہ ہم اسکے نقش قدم

پر چلیں اور جو لوگ مغموم و دل شکستہ ہیں ان کے پاس ایسا خوش پیغام لیکر جائیں جو زخمی دل پر مرہم لگاتا ہے۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ صرف جاکر پیغام دینا۔ ہم میں سے غریب سے غریب یہ خدمت کر سکتا اور بہتوں کو غنی بنا سکتا ہے۔ اسکے لئے نہ تو قوتِ دماغی درکار ہے نہ روپیہ۔ کلیسیا کو ایسی خدمت کی کیسی ضرورت ہے۔ کیا ہم سب اس نمونہ پر نہیں چلتے ہاں ہمارے خداوند کے نمونہ پر جو غریبوں۔ بیکسوں کو تسلی دیتا اور دل شکستہ اور مغموم کو اپنے فضل کے میٹھے الفاظ سے ہمت دلاتا تھا۔ بنی آدم کے محب کی شفا بخش حضوری بیماروں اور غمگین دلوں کے ہمیشہ ساتھ ساتھ ہے لیکن اسکی یہ مرضی ہے کہ ہم بھی اسکے ہمراہ چلیں تاکہ وہ ہمارے ذریعے ان کو تسلی دے۔

آنکھ

"بدن کا چراغ آنکھ ہے۔ پس اگر تیری آنکھ صاف ہو تو تیرا سارا بدن روشن ہوگا۔ پر اگر تیری آنکھ خراب ہو تو تیرا سارا بدن اندھیرا ہوگا۔ اس لئے اگر وہ روشنی جو تجھ میں ہے تاریکی ہو۔ تو تاریکی کیسی بڑی ہوگی۔" متی ۶: ۲۲-۲۳

آنکھ نہایت ہی خوبصورت اور ضروری عضو ہے۔ اس سے ہم اپنے دل کے بہت سے خیالات ظاہر کر سکتے ہیں۔ زندگی کا کاروبار کرنے کے لئے بھی آنکھ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اپنا کام آنکھ سے معلوم کر لیتے ہیں اپنے راستہ کو معلوم کرتے ہیں اپنے دوستوں کے چہروں کو دیکھتے ہیں اور خلق خدا کی خوبصورتی پر نظر کرتے ہیں۔ اور اگر ہمکو کبھی کسی بیچارے اندھے کو دیکھنے کا اتفاق ہو تو ہمیں خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ ہمارے پاس یہ بیش قیمت عضو موجود ہے۔ مسیح آنکھ کو بدن کا چراغ کہتا ہے اور بعض مقامات میں اسکو روشنی وغیرہ سے مثال دی ہے۔ مثلاً ایک جگہ تو لکھا ہے کہ "کوئی شخص چراغ جلاکے پیمانہ کے نیچے نہیں دھرتا" اور ایک جگہ یہ کہ "تمہاری کمریں کسی رہیں اور دیئے جلتے رہیں۔" اور ایک جگہ یہ کہ "وہ ایک جلتا اور چمکتا ہوا چراغ تھا" اور پھر یہ کہ "حقیقی نور وہ تھا جو دنیا میں آکے ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے۔" اور خداوند کہتا ہے کہ "بدن کا چراغ (یا روشنی) آنکھ ہے۔" گویا کہ آنکھ بطور لیمپ کے زندگی کے محل میں لٹکی ہوئی ہے اور اپنی شعاع باہر روزمرہ کام پر۔ اور اندر روح کی حرکتوں پر پھینک رہی ہے۔ پس مسیح جب آنکھ کا ذکر کرتا ہے تو صرف جسمانی ہی آنکھ کا ذکر نہیں۔ پر روحانی آنکھ کا بھی۔ وہ اندرونی روحانی آنکھ کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ محبت کی

طاقت ہے کیونکہ حقیقت میں محبّت ایک گرم روشنی نہ صرف اندرونی زندگی کے اسباب پر ہی ڈالتی ہے پر باہر تمام دُنیا پر بھی۔ بعض کہتے ہیں کہ رُوح کی آنکھ عقل ہے جسکے ذریعے ہم دُنیا کی تمام کارروائیاں دیکھتے ہیں اور اندرونی خیالات بھی۔ لیکن ہمارے خداوند کا مطلب یہ ہے کہ بدن کی یہ ظاہر آنکھ ہی ہمارے دل کے ارادے اور رُوح کی منشا ظاہر کرتی ہے۔ اگر چند لمحوں کے لئے تم اپنی اندرونی زندگی کا امتحان کرو اور اسکی گہرائی تک پہنچو تو وہاں ایک خاص ارادہ معلوم کرو گے جو کہ تمہاری زندگی کا خاص ارادہ ہے۔ تمہاری ذات کے گہرے راستوں میں ایک تیز دھارا بہتی ہے شاید تم اس سے ناواقف ہو اور تمہارے نہایت ہی عزیز دوست بھی اسکو نہ معلوم کر سکتے ہوں پر یہ بات سچ ہے کہ ہر ایک انسانی خصلت میں ایک ایسا بہاؤ ہے جسکو خدا خوب جانتا ہے وہ ہمارے اندر کے ارادے اور مرضی پڑھ سکتا ہے۔ اور یہی روح کا ارادہ ہے اسی کو عزم یا نیّت کہتے ہیں۔

آنکھ اچھّی بھی ہو سکتی ہے اور بیمار بھی۔ جب اچھّی حالت میں ہوتی ہے تو اس ساخت کے پیچھے ایک چھوٹا سا پردہ لٹکا ہوتا ہے جسکے ذریعے باہر کی چیزوں کی ذرا سی تصویر (FOCUS) اندر کھنچ جاتی ہے۔ اس چھوٹے سے پردے پر دُنیا کی تمام دیدنی چیزوں کی اُلٹی تصویر بنی ہوئی ہوتی ہے اور یہ پردہ ہمیشہ دُرست ہوتا رہتا ہے تاکہ دُنیا کی چیزیں بیداغ نظر آتی رہیں۔ اور ہمارے ریل میں سفر کرتے وقت کچھ تعجب نہیں کہ یہ فوکس گھنٹہ بھر میں ہزاروں مرتبہ بدلتا ہو۔ کیونکہ تصویر اُتارنے کے آلہ (کیمرا) سے یہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ہر نئی تصویر لینے کے لئے نئی پلیٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔

پر جبکہ آنکھ بیمار ہو تو شکل ٹھیک نظر نہیں آتی۔ کئی طرح سے آنکھ خراب ہو سکتی ہے۔ ایک تو بھینگے پن کے دیکھنے سے۔ جیسے کہ ایڈورڈ ارونگ صاحب کی آنکھ ہو گئی تھی۔ انکی بابت ایک میم صاحبہ یہ بیان کرتی ہیں کہ بچپن میں انہیں ایک لکڑی کے ہنگوڑے میں ڈالے رکھتے تھے جسمیں ایک چھید تھا۔ اور اس سوراخ میں سے وہ ایک آنکھ سے تو باہر کی طرف جھانکا کرتا تھا اور دوسری سے معمول کے بموجب جو چیز سامنے آجائے۔ اور نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک آنکھ تو سیدھی رہی اور دوسری ٹیڑھی۔ اور اس لئے وہ کسی ایک چیز کی طرف ٹھیک طور سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسی طرح انسان بھی کسی خاص چیز کو حاصل کرنے کے لئے اِدھر تو خدا سے دُعا مانگا کرتا ہے اُدھر یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص سے میرا مطلب بر آئیگا۔ جس وقت ہم اس دُنیا کا خزانہ جمع کرتے ہیں اُسی وقت خدا سے بھی دولت پانے کی توقع رکھتے ہیں۔ ہم خدا اور ممون دو آقاؤں کی خدمت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ہماری روحانی زندگی میں ایک بھینگی آنکھ کی نقل ہے۔

آنکھ اس طرح بھی خراب ہو جاتی ہے کہ وہ چھالا جو اس چھوٹے سے پردے کو خون مہیّا کرتا ہے۔

وہ خون سے زیادہ بھر جاتا ہے اور یہ ناممکن ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی رگیں (Lens) یعنی آنکھ کے شیشے کو سنوار سکیں اور چیز دھبہ دار نظر آتی ہے۔

ایک اور طرح سے آنکھ خراب ہو جایا کرتی ہے جبکہ پُتلی کے اوپر جھلی سی چھا جاتی ہے اور باہر کی روشنی اندر داخل نہیں ہو سکتی۔ لیکن برخلاف اِن سب کے صاف آنکھ کا ہونا کس قدر عمدہ بات ہے کہ صورت صاف نظر آئے۔ اور اس سے کہیں زیادہ کس قدر عمدہ بات ہوگی کہ روح کا ارادہ ایسا مصمم ہو کہ ہماری تمام زندگی ایک صاف اور خوبصورت روشنی کی چمک سے منور ہو۔ ہمارے خداوند نے بالکل منع کیا ہے کہ ہماری طبیعت دو چیزوں پر تھیں ہونی چاہئے۔ اور اگر کہے کہ میں دُنیا کا مال تو جمع کرتا ہُوں پر دل خدا کی طرف ہے تو جھوٹا ہے۔ "جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی ہوگا۔" "کوئی دو آقاؤں کی خدمت نہیں کر سکتا۔" "پہلے خدا کی بادشاہت کو ڈھونڈو۔" مسیحی مسافر میں جان بنین صاحب نے ایک آدمی کی تصویر دکھائی ہے جسکا نام میاں دورُخا ہے۔ اسکی ایک آنکھ آسمان کو دیکھتی تھی اور دوسری زمین کو۔ اس نے خدا اور شیطان دونوں کو ٹھگنے کی کوشش کی پر خود اپنے کو فریب دیا۔ اب دیکھا جاتا ہے کہ دُنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پہلے وہ جنکا کچھ ارادہ ہی نہیں۔ دوم وہ جنکے ایک وقت میں دو ارادے ہیں۔ سوم وہ جنکا صرف ایک ارادہ ہے۔

اوّل۔ وہ جنکا کچھ ارادہ نہیں ہے۔ وہ بدن یونہی جیتے ہیں۔ دل کی آنکھ کسی پر نہیں ٹھہرتی۔ جو دن انکو عنایت ہوتا ہے اسکو پکڑ لیتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ دن اپنے ساتھ لاتا ہے اُسی کو لے لیتے ہیں۔ نہ ان کی کچھ نیت ہے نہ ارادہ۔ وہ رسُول کی طرح یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ وہ پچھلی چیزوں کو چھوڑ کر سامنے کی چیزوں کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔ ہم سب کا یہی مقصد ہونا چاہئے۔ چاہے امیرزادے ہوں۔ چاہے بڑی دولت کے وارث۔ چاہے غریب۔ کیونکہ ہر مسیحی کو تو یہی ... ہے کہ آثار لائیں اور لوگوں کے درمیان خدا کی بادشاہت کو قایم کریں تاکہ مسیح کا دن جلد آئے۔ روزمرہ ہماری یہ منشا ہو کہ آج کل کی نسبت کچھ زیادہ مسیح کی طرح ہوتے جائیں۔ زیادہ زیادہ اسکو پیار کریں۔ اسکی خبر ہی کو کچھ زیادہ لوگوں میں بکھیر دیں۔

دوّم۔ جن کے دو دو ارادے ہوتے ہیں۔ انہوں نے مسیح کی بادشاہت کو سُنا تو ہے۔ بادشاہت کا بیج حاصل تو کر لیا ہے لیکن بدبختی کہ وہ اُس کے ... ہونے دیتے ہیں اسکو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک طرف تو خدا کی خدمت کریں اور دوسری طرف دولت کا فریب۔ کچھ دیر تک تو یہ تکرار ہوتی رہتی ہے آخرش لڑائی اُن سنسناتے کانٹوں کی طرف ختم ہوتی ہے جو آپ تو دل کی اچھی مٹی پاکر بڑھ جاتے ہیں اور بیچارہ چھوٹا سا بیج سوکھ جاتا ہے۔

سوم۔ وہ لوگ جنکا ایک ہی مقصد ہے اور کاش کہ ہم اُن آدمیوں میں سے ہوں جنکی روح صرف ایک ہی چیز پر لگی ہوئی ہو۔ یعنی خدا کی مرضی پوری کرنے پر۔ تاکہ ہماری زندگی اس باپ کی آنکھوں کے سامنے

گزرے جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے۔ تاکہ ہماری خیراتیں۔ دعائیں اور روزے صرف اُسی کے لئے ہوں۔ پاک زندگی کا چراغ روح کی وہ خالص نیّت ہے جو اپنے لئے کچھ نہیں ڈھونڈتی۔ جو انسان کو خوش کرنے کی خواہش نہیں کرتی نہ اُن سے تعریف چاہتی ہے۔ پر ہماری زندگی کا یہ تھوڑا سا سفر خدا کے ساتھ ساتھ ایسے بسر ہو کہ خدا ہمکو حنوک کی طرح اُٹھائے۔ اور یہ زندگی کیسی مُبارک ہے۔ روح کی خالص نیّت کی روشنی خدا کو۔ اپنے فرض کو۔ انسانی محبّت کو اور خلقت کے جلال کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر ہماری نیّت خدا کی طرف لگی رہیگی تو باقی سب چیزیں اپنے آپ مِل جائینگی سلیمان نے صرف ایک عاقل دل مانگا تھا اور خدا نے اسکو علاوہ اسکے دولت اور عزّت اور عمر کی درازی بھی دی۔

لیکن اگر رُوح کے خالص ارادے کا چراغ صاف نہ ہو تو کیسی تاریکی ہوگی۔ جب جنگل میں اندھیرا ہوتا ہے تب ہی کھلے میدانوں میں شیر کی دھاڑ۔ گیدڑوں کی ہُوہُو اور جھینگر کی جھی جھی گونجتی ہے۔ اور ہمارا خداوند یہ کہتا ہے کہ جب تک آدمی کا دل خدا کی مرضی بجالانے پر لگا رہتا ہے تب تک ذاتی جذبے چھپے رہتے ہیں۔ لیکن جب آنکھ خراب ہو اور روح خداوند کو خوش کرنے کا ارادہ ترک کردے تو تاریکی زندگی کے مکان پر چھا جائیگی اور ناپاک چیزیں نکل آئینگی۔ یہ کیسی بڑی تاریکی ہے؟ اگر کسی کی زندگی اور سچائی پر تاریکی ہے یا اسکو خدا کا کلام دھندلا نظر آتا ہے اور وہ اُن بُری چیزوں سے دق آگیا ہے جو اسکو غلطی میں پھنساتی ہیں تو میری صلاح یہ ہے کہ وہ دُعا کرے کہ خدا اپنے روح کے الہام سے اُنکے دل کے خیالوں کو پاک کرے۔ تاکہ وہ اسکو پورے طور پر پیار کریں۔ اور اسکے پاک کلام کی لایق طور سے تعریف کریں۔ تب وہ جانیگا کہ خدا کو اُن کے بُلانے سے کیا اُمید ہے۔ اسکے میراث کی جلالی دولت کیا ہے اور اس کی قدرت کی بزرگی کس قدر ہے؟

ای۔ جوزف

سب سے ضروری بات۔ جان بیکن نامی ایک مشہور سنگتراش نے اپنے لوحِ تُربت پر جو ویسٹ منسٹر ایبی میں ہے یہ کتبہ کندہ ہونے کے لئے تجویز کیا "زندگی میں تو مجھے سب سے ضروری بات یہ معلوم ہوتی تھی کہ میں سنگتراش ہوں لیکن اب سب سے ضروری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں یسوع مسیح پر ایمان رکھتا تھا"

حسین ہونیکا نسخہ۔ کسی عمر رسیدہ کو بکر خاتون سے کسی نے پوچھا کہ آپ اپنی رنگت کے لئے کونسا غازہ استعمال کرتے ہیں تو آپنے بڑی شیرینی سے جواب دیا کہ "میں اپنے ہونٹوں کے لئے سچائی آواز کے لئے دُعا۔ آنکھوں کے لئے رحم۔ ہاتھوں کے لئے سخاوت۔ بدن کے لئے راستبازی اور دل کیلئے محبّت کا استعمال کرتی ہوں"

قدیم کھنڈرات اور بائبل

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

ہمیشہ سے ایسے اشخاص ہوتے آئے ہیں جو مصری معاملات کی نسبت عام رائے پر شبہ ظاہر کرتے رہے ہیں۔ مگر مسٹر پٹری کی معلومات نے بہت سے فاضل محققوں کے خیالات میں انقلاب پیدا کردیا۔ رعمسیس کو ظالم فرعون قرار دینے میں نہایت سخت تواریخی مشکل رونما ہوتی ہے۔ مصری تواریخ کے محققوں کا رخ شروع سے یہی رہا ہے کہ انیسویں خاندان کو مسیح کے زمانے کے قریب لایا جائے۔ مثلاً مسٹر پٹری کے حساب کے مطابق مینپتاہ مسیح سے ۱۲۰۰ سال پیشتر تخت نشین ہوا۔ اگر اسکو صحیح تسلیم کیا جائے تو خروج اور سلیمان کی ہیکل کی تعمیر کے درمیان دو سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ باقی رہتا ہے (کیونکہ ہیکل قریب ۹۷۰ سال قبل از مسیح تعمیر ہوئی تھی) اب ناممکن ہے کہ اس زمانہ کے تمام واقعات کو اس قلیل عرصہ میں سمجھا جائے۔ نیز اس حساب سے ابرہام سے (قریب ۲۱۰۰ سال قبل از مسیح) خروج تک قریب ۹ سو سال کا وقفہ باقی رہتا ہے جو حد سے زیادہ لمبا زمانہ ہے۔ اور بائبل کے رو سے فقط قریب ساڑھے چھ سو سال ہے۔ اگر ہم بائبل کے مطابق (۱ سلاطین ۶: ۱) حساب کریں تو خروج سے ہیکل کی تعمیر تک ۴۸۰ سال کا عرصہ گذرتا ہے اور یہ وقت مسیح سے ۱۴۵۰ سال پیشتر اٹھارھویں خاندان کے شاہ ططمس سوم کے عہد کے آخر تک پہنچتا ہے۔ اگر یہ واقعی صحیح ہو تو سب حساب ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ذخیرے کے شہر رعمسیس کے ظالم فرعون ہونے پر دال ہیں سو یہ مثالوں سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس فرعون کی طبعی عادت تھی کہ سابق شاہان کے کارنامے اور یادگار اپنی طرف منسوب کر لیا کرتا تھا۔

ططمس سوم اور اسرائیل پر ظلم اگر مذکورہ بالا حساب کو درست مان لیا جائے تو مصر کا شاہ عظیم اور نامی فاتح اور عمارات کو تعمیر کرانے والا ططمس سوم ہی ظالم فرعون ثابت ہوتا ہے۔ اس بادشاہ کی سیرت اور اسکی درازیٔ سلطنت اور رعایا آزاری خروج کی کتاب کے فرعون کے ساتھ عین مطابقت رکھتی ہے۔ وہ مشہور تصویر جس میں قیدی اینٹیں بنا رہے ہیں اور جو اسرائیل کی غلامی کی شبیہ سمجھی جاتی ہے اسی کے عہد میں بنائی گئی تھی۔ اگر ہماری رائے صحیح ہو تو یہ نقش فی الحقیقت اسرائیلی ظلم کی تصویر ہوگی۔ غلاموں کے سر پر اور سیر چھڑی لئے کھڑے ہیں اور اوپر یہ الفاظ مندرج ہیں۔ "کاہل مت ہو" علاوہ اس کے ایک اور مطابقت بھی قابل لحاظ ہے۔ اس بادشاہ سے پیشتر شاہ ططمس ثانی حکمران تھا اور اس سے آگے اسی نام کا شاہ شاہ اول تھا جسکی دختر تھا سو مصری تواریخ

میں ایک نہایت عجیب عورت گذری ہے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ نظام سلطنت میں شریک تھی اور پھر اپنے بھائی طظمس ثانی کے ساتھ شادی کر کے اسکے تخت کی حصہ دار بن گئی اور بعد ازاں طظمس سوم کے عہدِ نابالغی میں ملک مصر کی مختار ہو گئی۔ اب یہ ایک عجیب معاملہ ہے کہ اس نئی رائے کے مطابق موسیٰ اس زمانہ میں پیدا ہوا ہوگا جب یہ جوان ملکہ شاہی اختیارات میں ترقی کر رہی تھی۔ کم از کم یہ ایک نہایت دلچسپ خیال معلوم ہوتا ہے کہ اِس عورت کو خروج کی کتاب والی فرعون کی بیٹی مانا جائے۔

کبیری ایک اور ضروری مطابقت بھی ذکر کے قابل ہے۔ ہم پیشتر اشارتاً کہہ چکے ہیں کہ طل آلامرنا کی تختیوں پر اُن خطوط کا حال مندرج ہے جو کنعان سے آئے تھے اور جن سے اُس ملک کے عجیب حالات واضح ہوتے ہیں۔ لکھنے والوں میں سے ایک راقم شاہِ یروشلیم ہے جس کے خطوط مدد کے لئے استدعا ہیں۔ ایک حملہ آور قوم بنام کبیری کوہِ سعیر سے فلسطین میں وارد ہوئی ہے جو تمام علاقہ کو مسخر کرتی جا رہی ہے۔ اگر خروج کی تاریخ نئی رائے کے مطابق معین کی جائے تو یہ حملہ ٹھیک اس موقعہ پر بیٹھتا ہے کہ جب اسرائیلیوں نے کنعان کو قریب قریب فتح کر لیا تھا اور اکثر عالموں کے خیال میں کبیری اور عبری ایک ہی قوم کا نام ہے۔ یہ مضمون ابتک زیر بحث ہے۔ مگر اسمیں کیسے کیسے دلچسپ نتائج نکلنے ہیں۔ بہر صورت جیسا کہ پیشتر ذکر ہو چکا ہے ہمارے پاس یقیناً اس فرعون کی خوشبو بھری لاش موجود ہے جسکے زیرِ حکومت جور و جبر واقع ہوا۔ خواہ وہ رعمسیس ثانی ہو یا طظمس سوم یا اسکے آباء و اجداد اور تھاسو۔ اس نئی رائے کے مطابق شاہ امی نوفس ثانی یا طظمس چہارم کے زیر حکومت بنی اسرائیل مصر سے نکلے ہوں گے۔

۳

اب مختصر طور پر یہ بیان کرنا باقی ہے کہ جب اسرائیل اور یہوداہ ملکِ کنعان میں آباد ہو گئے تو اُن کے جو تعلقات گرد و نواح کی اقوام کے ساتھ تھے ان کی تصدیق کھنڈرات سے کہاں تک ہوتی ہے۔ اسکے متعلق ہمارے پاس حیرت انگیز سامان جمع ہے۔ اور روز بروز جمع ہونا جا رہا ہے۔ ہم فقط چند نظایر پیش کرینگے۔

حِتّی اوّل یہ قابل ذکر ہے کہ کتابِ مقدس میں جو بیانات حِتّی قوم کی ہستی اور طاقت کی نسبت مندرج ہیں اُن کی کیسی عجیب تصدیق ہوئی ہے۔ یشوع اور سلاطین کی کتابوں میں حِتّیوں کی سرزمین اور بادشاہوں کی طرف اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حِتّیوں کی زبردست سلطنت ملک فلسطین کے شمال میں واقع تھی۔ مگر محقق ان اشارات کو قصہ کہانی سمجھتے تھے۔ اب ثابت ہو گیا ہے کہ کتاب مقدس کے بیانات حرف بحرف صحیح ہیں۔ حِتّیوں کی سلطنت عظیم کی تصدیق نہ فقط مصری

اور آسوری کتبات سے ہوئی ہے بلکہ خود اُن کے اپنے کھنڈرات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوم قریب ایک ہزار سال تک سوریہ اور مغربی ایشیا پر حکمران تھی۔ اُنکی اپنی زبان اور تصویری حروف میں نوشت و خواند کا علم موجود تھا جس کو حال کے محقق پڑھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ وہ زبان شامی نہیں بلکہ آریا زبانوں کے ذخیرے میں سے ہے۔ ایک عالم کا یہ بھی گمان ہے کہ کھنڈرات کے حتی زمانہ حال کے آرمینیوں کے باپ دادے تھے اور کہ آرمینی زبان سے اُن کی قدیم تصویری تحاریر پڑھنے کا سُراغ حاصل ہوگا۔

سیسق کا حملہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جب ان سلاطین کے زمانہ میں کسی غیر سلطنت کے ساتھ سابقہ پڑا ہے اسکی تصدیق ضرور کہیں نہ کہیں کھنڈرات میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً رحبعام کے بیان میں ہم پڑھتے ہیں کہ سیسق شاہ مصر نے یہوداہ پر حملہ کیا اور اسکے حصین شہر لے لئے اور یروشلم پر چڑھائی کی اور اس کے خزانے لوٹ لے گیا (دیکھو ۲ تواریخ ۱۲ باب) اب اتفاق دیکھو کہ خود سیسق نے اس مہم کا جو تکبر آمیز حال بمقام کرنک اپنے شاہی نقش کروایا وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ وہیں ایک تصویر بھی ہے جس پر یہ کتبہ ہے کہ "شاہ یہوداہ" بعض لوگ کچھ شبہ میں ہیں کہ دراصل اس میں شاہی شہر یروشلیم کی طرف اشارہ ہے۔

میسا شاہ موآب ۲ سلاطین ۱:۱ اور ۳:۴ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میسا شاہ موآب بہت سی بھیڑ بکری کا مالک اور اسرائیل کا باجگذار تھا اخی اب کی موت کے بعد وہ باغی ہوگیا شاہ اسرائیل اور یہوداہ کی تمام فوجیں اُسکے قلع قمع کرنے کے لئے فراہم ہوئیں میسا نے نہایت تنگ ہوکر اپنے بڑے بیٹے کو شہر کی دیوار پر سوختنی قربانی کرکے گذرانا۔ اس سے اسرائیل پر ایسا خوف اور قہر آیا کہ وہ واپس اپنے ملک کو پھرے۔ اس واقع کا حال خود میسا نے تحریر کروایا بمقام دیبن "موابی پتھر" پر لکھا ہوا ۱۸۶۹ء میں دریافت ہوا۔ اُس نے اپنی فتح اپنے معبود کموس کی طرف انہیں الفاظ میں منسوب کی ہے جو بائبل یہوداہ کے لئے استعمال کیا کرتی ہے۔

سوداپن کا علاج۔ امریکہ میں ایک بڑے مشہور انجمن نوجوانان کے سکرٹری کو وہم سا ہوگیا کہ اسکو سودا کا مرض ہونے والا ہے اور اسکی علامات بھی ظاہر ہونے لگیں۔ بات یہ تھی کہ اسکے خاندان میں چند اشخاص کو یہ مرض ہو چکا تھا اور اب اسے خیال ہوا کہ میری باری آئی۔ اسکی بیوی بڑی سمجھدار تھی اور اُسنے ممبران انجمن کو اس امر کی اطلاع کرکے ایسی تجویز کی کہ صبح ۶ بجے سے ۱۱ بجے رات تک اسکا خاوند کام میں برابر لگا رہے اور اسکو ایک منٹ کی فرصت نہ ملے۔ چند ہفتوں میں وہ اپنی مرض کا خیال بالکل بھول بیٹھا اور آج ایک بڑا کامیاب اور مشہور مسیحی کارندہ ہے۔ اگر اسکی بیوی سمجھدار نہ ہوتی اور اسکو کام میں برابر مشغول نہ رکھتی تو اسکا انجام پاگل خانہ میں ہوتا۔

مشن فیلڈ

ترن تارن میں نیا جزامخانہ - پرانے اور کچے جزام خانہ کی بجائے پادری ای گلفرڈ کی سعی و کوشش سے ایک نئی عمارت تعمیر ہو رہی ہے - پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے بھی امداد ملی ہے اور ہندوستانی رئیسوں نے بھی عطیات دیئے ہیں - بتاریخ ۹ اپریل یہ نئی عمارت جو ابھی زیر تعمیر ہے افتتاح کی گئی - ہز آنر لفٹننٹ گورنر - کمشنر ڈپٹی کمشنر اور اکثر مشنری صاحبان رونق افروز تھے امرتسر و دیگر جگہوں کے دیسی مسیحی یا تو اس قابل نہ سمجھے گئے کہ اس جلسہ میں فخر شمولیت حاصل کرتے یا شاید جو بھولے سے مدعو ہوئے اُنہوں نے اپنے آپکو اس لائق نہ سمجھا کہ ایسے صاحبان ذیشان کے ساتھ شریک جلسہ ہوں - صبح آٹھ بجے مختصر سی عبادت ہوئی اور ذیل کی دو دعائیں پڑھی گئیں -

اے خدا ہمارے باپ تیرا مبارک بیٹا اپنے بشریت کے دنوں میں بیماروں کو اچھا کرتا - کوڑھیوں کو پاک صاف کرتا اور غریبوں کو خوشخبری سناتا تھا - ہم تیری منت کرتے ہیں کہ تیری برکت اس گھر پر نازل ہو جسے تیرے بندوں نے تیرے نام پر بنایا تاکہ اس میں کوڑھیوں کی خدمت اور علاج کیا جائے - ایسا کر کہ انجیل تیرے مریضوں کو جسمانی دکھوں سے آرام ملا کرے - اور تیرا سچا نور اُن کے دلوں کو بھی پاک اور روشن کرے - اے رحیم پروردگار ترس کھا کر اُن مصیبت زدہ بندوں کو دنیا اور عاقبت دونوں کی صحت اور تسلی عنایت کر تاکہ تیرے پاک نام کی حمد ہو - ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے - آمین !

اے قادر مطلق اور رحیم خدا - تیری ہی عنایت سے تیرے ایماندار بندے حقیقی اور پسندیدہ خدمت کر سکتے ہیں - ہم عرض کرتے ہیں کہ تو اس عمارت کی نذر کو قبول فرما - جسے ہم اب تیرے نام پر مخصوص کرتے ہیں - تاکہ اس میں ہمارے آفت زدہ بھائیوں اور بہنوں کی خبر گیری ہوا کرے اور جن جن بندوں نے اپنے مال یا دعا یا محنت سے اس پسندیدہ کام کی مدد کی ان سب کو آسمانی انعام کثرت سے عطا کر - ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے - آمین !

بعدہٗ پادری گلفرڈ صاحب نے بیتی اور جزام خانہ کے ۱۰۰ ساکنین کی طرف سے ایک ایڈریس پڑھا جس میں آپنے عمارت کا نقشہ مفصل بیان کیا - اس نئے جزام خانہ کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر اور مسز کاشی ناتھ ہوں گے - مسٹر کاشی ناتھ اسوقت لائل پور میں پرائیویٹ میڈیکل پریکٹشنر ہیں اور مسز کاشی ناتھ جناب ڈاکٹر برخوردار خاں صاحب سول سرجن چمبہ کی دختر ہیں اور ترن تارن زنانہ ہسپتال میں برسوں

تک کام کر چکی ہیں ۔ جزام خانہ کا خاص وارڈ سر چارلس ریواز کے نام پر کہلائیگا کیونکہ آپ ہی کی دلچسپی اور ہمدردی سے گورنمنٹ نے مالی امداد دی ہے ۔ انگلستان کی ایک خاتون نے ۲۰۷۵ روپیہ عطا کیا جس سے ایک ہسپتال تعمیر کیا جائیگا ۔ اور خاتون موصوف کے نام نامی سے معروف کیا جائیگا ۔ رسول پور کے سردار سنت سنگھ نے بارہ سو روپیہ اور امرتسر کے شیخ محمد جمیل نے اڑھائی ہزار روپیہ عطا کیا اور نیز شیخ صاحب نے ایک سو روپیہ ماہوار دینے کا وعدہ بھی کیا ۔

ہز آنر نے عمارت اور گلفرڈ صاحب کے انتظام سے خوشنودی ظاہر کی ۔

ہز آنر کی واپسی سے تھوڑی دیر پیشتر سرجی دربار صاحب کے سکھ افسران نے پانسو روپیہ جمع کر کے ہسپتال کے لئے نذر کیا اور ایک شخص نے ایک گھوڑی عطا کی ۔ ان جزامیوں کے لئے جو مسیحی ہو گئے ہیں ایک نیا گرجا تعمیر ہو رہا ہے ۔ سرکاری امداد میں سے ایک مسجد بنوائی گئی ہے اور حسب ضرورت ہندوؤں کے لئے ایک مندر بھی بنوایا جائیگا ۔

کلارک آباد ۔ گرلس سکول کی مہتمم مس نیول فرلو چھٹی پر گئی ہیں اور ان کی جگہ مس براؤن آئی ہیں ۔ مس فارونگ (دونوں بہنیں) بھی ولایت گئی ہیں اور ان کی جگہ مس کے کام کرتی ہیں شملہ کے پادری جسونت سنگھ پاسٹر مقرر ہوئے ہیں ۔ مسٹر مکانکی یاں بھی تھوڑی دیر کے لئے تشریف آور ہوئے اور عام انتظام سے خوشنودی ظاہر کی ۔

پشاور ۔ زنانہ ہسپتال میں یکم جنوری سے ۳۲۶۶ مریض آئے ۔ اسی عرصہ میں ۹۵ مریض ہسپتال میں رہنے اور ان کا علاج کیا گیا ۔ ہسپتال اچھی حالت میں ہے ۔ مس میجسن انچارج ہیں ۔ مس صاحبان کی کوٹھی اور ہسپتال پر پل بنایا گیا ہے ۔

شملہ ۔ کرائیسٹ چرچ کی جماعت نے ۷۵۰ روپیہ چندہ بائبل سوسائٹی کو بھیجا اور خواہش ظاہر کی ہے کہ یہ روپیہ شملہ کے علاقہ کی کسی نئی بولی میں انجیل کے ترجمہ کرنے میں صرف کیا جائے ۔

کوئیٹہ ۔ یاں کی جماعت نے ۳۰ روپیہ ۸ر بائبل سوسائٹی کو چندہ دیا ۔ ۱۴ مارچ کو بشپ صاحب لاہور نے (مقدس لوقا) سنٹ لیوکس گرجا کی تقدیس کی اور رومیوں ۱۲: ۱ پر بڑا موثر وعظ کہا ۔ ۵۲ عشائے ربانی میں شریک ہوئے ۔ ۲۰ روپیہ چندہ ہوا جو ڈائوسیسن چرچ بلڈنگ سوسائٹی کو دیا گیا ۔ مبارک جمعہ کے چندہ ۱۴ روپیہ ۷ر چندہ ہوا جو لنڈن گرلس سوسائٹی کو دیا گیا ۔

امرتسر۔ سنٹ کھترائن زنانہ ہسپتال کے متعلق پچھلے ۲۴ سال میں ۷۶۵۲۹۸ مریضوں کا علاج کیا گیا یعنی امرتسر کی کل آبادی کا پانچ گنا۔ ان میں سے ۲۱۸۴۳ زچہ تھیں۔ چھ ہزار سے اوپر کا علاج ہسپتال میں کیا گیا اور ۶۷۰۰۰ سے زیادہ وزٹ شہر میں کی گئیں۔ ۲۵ عورتیں یہاں تعلیم پاکر میڈیکل مشنری بن گئی ہیں اور ۸ محمدی دائیوں نے سرکاری امتحان میں سرٹیفکٹ حاصل کیا ہے۔

لاہور۔ سنٹ جانسن ڈوئنٹی کالج سے ۱۹۰۲ء میں تین طالبعلموں نے سینیئر ریڈر کا امتحان پاس کیا اور ۲ جونیر کالی کسٹ امتحان کے لئے تعلیم پا رہے ہیں۔ منشی فضل الدین کا تقرر بہ عہدہ ڈیکن دسمبر میں ہوا اور مسٹر تلسی داس کالپنٹ میں۔ سٹوڈنٹس ہوسٹل بالکل بھرا ہوا ہے اور انڈسٹریل سکول میں ۱۹ طالبعلم بڑھئی۔ درزی اور موچی کا کام سیکھ رہے ہیں۔ انڈسٹریل سکول سے ہمیں بڑی بڑی امیدیں ہیں اور ہم دعا کرتے ہیں کہ خداوند اسکو برکت دے اور اسکے مہتمان کو دانشمندی اور الٰہی ہدایت عطا فرمائے۔

کوٹ گڑھ۔ ماہ مئی گذشتہ میں یہاں میڈیکل مشن قایم ہوا اور ۷ ماہ کے عرصہ میں۔ ۲۵ گاؤں سے ۲۶۱۹ مریض آئے۔ اور ۳۳ دن کے دورہ میں ۱۵ گاؤں میں ۳۴۰ مریضوں کا علاج کیا گیا۔ عمارتوں میں مرمت اور اصلاح کی ضرورت ہے لیکن سب سے زیادہ ضرورت جو ہے وہ ایک روحانی مزاج میڈیکل اسسٹنٹ کی ہے! اور کتنی ڈسپنسریوں کو ایسے روحانی مزاج اسسٹنٹ نصیب ہیں!

دہلی۔ سنٹ سٹیفنس کالج کے ہوسٹل کے متعلق گیارہ نئے کمرے زیر تعمیر ہیں۔ ان کی لاگت کا تخمینہ ۸ ہزار روپیہ ہے۔ پادری جے ڈبلیو ٹی رائٹ مرحوم پرنسپل کالج مذکور کی یادگاری میں چار ہزار روپیہ جمع ہو چکا ہے اور صاحب مرحوم کے احباب سے باقی چار ہزار کے لئے اپیل کی جاتی ہے۔ ان گیارہ کمروں کے علاوہ اور بھی توسیع کی جائیگی جس میں امید ہے کہ گورنمنٹ بھی مدد دے گی۔

کیمبرج مشن کے متعلق ایک نئے مشنری پادری سی ایف انڈروز ولایت سے آئے ہیں۔ موسم گرما شملہ میں بسر کرینگے اور سرما میں کالج میں کام شروع کرینگے۔ مسز فرگسن کی غیر حاضری میں کلکتہ کی مس پیری ریواڑی مشن ڈسپنسری کی مہتمم رہینگی۔ اسوقت دہلی زنانہ مشن کی ۵ لیڈیاں علالت فرلو چھٹی پر ہیں اور پچھلے سال دو اور بیمار ہو کر چلی گئیں اس لئے ریواڑی زنانہ مشن کے متعلق کوئی یوروپین لیڈی نہ رہیں گی۔ ۴۰ سال کے بعد ایسا اتفاق پہلی دفعہ ہوا ہے لیکن کیا یہ اتفاق اچھا ہے یا بُرا؟

رسالہ "مسیحی" امرتسر

یہ رسالہ ہر ماہ کے آخری ہفتہ میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شایع ہوتا ہے۔ اپنی طرز کا یہی ایک رسالہ ہندوستان بھر میں موجود ہے جو کسی مشن یا مشنری سے متعلق نہیں۔ اور غیر ممالک کے مسیحی رسالہ جات کے نمونہ پر اردو حروف میں چھاپا جاتا ہے۔ اسمیں علاوہ گلدستۂ اخبار اور نوٹ اور رایوں کے دیسی کلیسیا کی روحانی اور سوشیل حالت کے متعلق مضامین درج کئے جاتے ہیں۔ اور انگریزی مستند مسیحی مصنفوں کی کتب اور مضامین کے ترجمے دیئے جاتے ہیں جو مسیحی اصحاب اپنے قلم سے کلیسیا کی خدمت کرنا چاہتے ہیں انکے لئے اسکے کالم کھلے ہیں۔ چونکہ اسمیں کلیسیا کے اندرونی حالات اور مشنری معاملات پر آزادانہ بحث کی جاتی ہے اس لئے اس کی اشاعت فقط مسیحیوں تک محدود ہے۔ کوئی مشن یا سوسائٹی اسکو کسی قسم کی امداد نہیں دیتی۔ اسوجہ سے اسکا دارومدار بہت کچھ مسیحیوں کی خریداری پر منحصر ہے۔ اسکی ضخامت ۳۶ صفحہ ہے اور باوجود بڑی تقطیع کے اس کا چندہ فقط دو روپیہ سالانہ ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۲ کے ٹکٹ آنے سے مل سکتا ہے۔

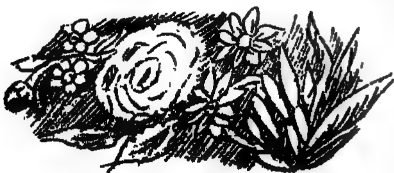
درخواستیں بنام

ایم ایل رلیا رام وکیل امرتسر

رسیدزر

ازیکم اپریل تا ۲۸ اپریل ۱۹۰۴ء

پادری مکنزی صاحب	تا دسمبر ۱۹۰۴ء	۴—۰—۰
مس میگناٹن	〃	۲—۸—۰
ڈاکٹر براؤن	〃	۸—۰—۰
مسٹر صابر	〃	۶—۸—۰
پادری ہسبنڈ	〃	۲—۰—۰
مسٹر بھان	〃	۴—۰—۰
پادری شہباز	〃	۲—۰—۰
پادری جوکھن لعل	〃	۱—۰—۰
مسٹر نتھا سنگھ	〃	۲—۰—۰
پادری چائیلڈس	〃	۱—۸—۰
مسٹر مقبول حق	〃	۲—۰—۰
مسٹر مارٹن	〃	۲—۰—۰
پادری دیوی رام	〃	۱—۸—۰
پنڈت جانکی ناتھ	〃	۲—۰—۰
پادری کیلبی	〃	۲—۸—۰
مسٹر نارمن	〃	۲—۰—۰
مسٹر ڈے	〃	۲—۰—۰
مسٹر ڈیوڈ	〃	۲—۰—۰
مسٹر السر	۱۹۰۳ء	۲—۰—۰
منشی کریم بخش ۳ پرچہ		۰—۸—۰
مس ڈکسن	۱۹۰۴ء	۲—۰—۰



حیاتِ داؤد

تیئسواں باب

"تُو نے جو اپنے دل میں اِس بات کا ارادہ کیا تو اچھا کیا۔"
۲ سموئیل ۷ باب ۲ تواریخ ۶ : ۸

منصف ہے ایک ایسا کرتا عطا ہے ہر آں   جو اپنی قابلیت سے مانگتا ہے اِنساں
نزدیک جسکے اعلیٰ مقصد۔ شریف ارادے   مقبول ہیں ہمیشہ اعمال نیک بن کے
جسکی نگاہِ اقدس میں سب طرح کی نیکی   دونوں جہاں میں بیشک پاتی ہے کامیابی۔

شاہ حیرام کی مدد سے کوہِ صیحون پر داؤد کے لئے ایک سرو کا محل تیار ہُوا۔ غارِ عدولام یا کسی اَور مکان سے جہاں وہ جبرون میں ٹھہرا کرتا تھا یہ جگہ بالکل مختلف تھی۔ یہ اس چندروزہ خیمہ سے بھی بالکل جُدا انداز کی تھی جو صندوق کے مسکن کا کام دیتا تھا۔ ایک دن داؤد کے دل میں ایک خیال نے جوش مارا کہ اپنے ایک ارادے کو جو غالباً مدّتوں سے اسکے دل میں جاگزین تھا پورا کرے۔ ناتن کو بلاکر جسکا نام اب پہلی دفعہ آتا ہے۔ اسنے اپنا یہ اِرادہ ظاہر کیا کہ خدا کے لئے ایک مکان بنائے۔ اسوقت تو نبی نے اس تجویز کی تائید کی لیکن رات کی خاموشی میں جب اس نے خدا کی مرضی کو دریافت کیا تو خداوند کا کلام اسکو پہنچا اور اُسے کہا کہ بادشاہ کو اس مقصد کی انجام دہی سے باز رکھے۔

دوسرے روز ناتن نے بڑی دانشمندی۔ طریقے اور ملائمی سے یہ خبر داؤد کو دی۔ یاں تک کہ اس کی ساری گفتگو میں ایک بھی فقرہ ایسا پایا نہیں جاتا کہ جس سے صریح انکار پایا جائے۔ ساری گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بادشاہ کی تجویز منظور نہ ہُوئی۔ لیکن یہ انکار برکت کے ایسے یقین اور وعدوں اور دُعائے خیر میں ملفوف تھا کہ ناتن کے الفاظ سے جو خوشی اسے حاصل ہُوئی اس میں اس نے اپنی تجویز کے انکار سے کسی قسم کی مایوسی محسوس نہ کی۔ "کیا تُو میرے لئے ایک گھر جس میں مَیں رہوں بنایا چاہتا ہے؟ مَیں تیرے لئے گھر بھی بناؤں گا۔"

اوّل۔ ایک نیک ارادے کا خیال۔ یہ ایک بڑا اعلیٰ خیال تھا جو داؤد کے دل میں پیدا ہُوا۔ اِسکی تحریک وقت کی ضروریات سے ہُوئی۔ جب عہد کا صندوق اپنے نئے مکان میں آیا تو آسف اور دیگر شخص مقرر کیے گئے کہ خداوند کے صندوق کے آگے خادم ہوویں اور خداوند اسرائیل کے خدا کا ذکر اور شکر اور حمد کریں (۱ تواریخ ۱۶: ۴، ۳۲) گمان غالب ہے کہ اسی وقت کاہنوں کے ۲۴ فرقے مقرر ہُوئے اور یہ انتظام ہمارے خداوند کے آنے تک قایم رہا۔ یہ بھی گمان ہے کہ چوبیس ہزار لاوی بھی اسی

وقت مقرر ہوئے کہ کاہنوں کی مدد کریں۔ چار ہزار تو مغنی اور گانے بجانے کے لئے۔ چار ہزار چوکیدار۔ اور باقیوں کو تلقین شرع۔ کارِ عدالت و دیگر کارہائے عامہ سپرد ہوئے۔ صندوق اور محل کے چوگرد ایک کثیر تعداد جمع ہو گئی جنکے لئے مناسب حال مکانات کا مہیا کرنا ضروری تھا اور کسی قدر اس خیال سے بھی داؤد کو اپنے تکمیل ارادہ کی تحریک ہوئی۔ لیکن یقیناً اِس سے بھی بڑھکر ایک اور وجہ تھی۔ خدا سے اپنی محبت کا اظہار کرنا اور اپنی عزت۔ دلدادگی اور شکر گذاری کا دائمی یادگار بنانا۔

یوں جوانی کے دنوں میں بڑے بڑے اعلیٰ خیال دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ نہایت دلکش خوبصورتی کے نمونے آیندہ زندگی پر اپنا پرتو ڈالتے ہیں۔ خدا اور انسان کی خدمت کرنے کا خیال روح کو تازہ دم کرتا ہے اور ساری زندگی شریف معلوم ہوتی ہے اور اعلیٰ خیال پاتی ہے۔ دل ہی دل میں وہ لڑکا واعظ۔ مشنری یا مخیرِ عام ہونیکا ارادہ باندھتا ہے۔ اور وہ لڑکی کسی قابل نمونہ خاندان کی ملکہ یا ہندوستان کے زنانوں میں کام کرنیکے منصوبے ٹھانتی ہے۔ جواں دل خود نثاری۔ آنسوؤں ہاں خوں بہانے کا مطلق خیال کر کے اپنے آپ سے کہتا ہے کہ میں خدا کے لئے فلاں فلاں کار نمایاں انجام دوں گا۔ اعلیٰ اور شریف تحریکیں اپنا بگل بجاتی اور روح کو اعلیٰ بلندی پر بلاتی ہیں اور اس غیر فانی امید سے جو ہم سے آگے گئی ہے رُوح کو اس نچلی سطح سے بچائے رکھتی ہے جس سے اَور مطمئن ہو جاتے ہیں۔

اے جوانو! اپنے نمونہ کو کبھی نہ کھوؤ۔ نہ اسکے غیر مناسب چال چلو۔ نہ آسمانی رویا کی نافرمانی کرو۔ سب سے بڑھ کر جب تم سن کے مکان میں آؤ اور خدا انکو آرام بخشے تو پیشتر سے زیادہ مستعد رہو اور اس ارادے کے پورا کرنے کی کوشش کرو جو اُن دنوں تمہارے دل میں پیدا ہوا تھا جب تم اپنے باپ کی بھیڑوں کی رکھوالی کرتے تھے۔

دوئم۔ ارادے ہمیشہ پورے نہیں ہوتے۔ خداوند کے نرم لبوں سے کبھی لفظ "نہیں" کا صریح طور سے نہیں نکلتا۔ وہ اپنے وعدے اور برکتیں ہم پر نازل کرتا اور محبت کی سنہلی فضا میں ہمیں آگے لے جاتا ہے۔ اور ان باتوں میں اس کا انکار چھپا رہتا ہے۔ داؤد کی طرح ہم انکار کے وقت یا الفاظ کو بتا نہیں سکتے لیکن الٰہی حفاظت اور بخشش سے ہم زندگی میں قدم بقدم آگے کو بڑھے جاتے ہیں۔ اور اپنی زندگی پر فکر کرتے وقت ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ارادہ ہمارے اپنے خیال کے مطابق پورا نہ ہوگا۔

پودے میں بڑھنے اور نمو کا کیسا امکان ہے۔ لیکن دن گذر جاتے ہیں اور اسمیں پھول نہیں لگتا۔ جس تصویر نے کہ بقائے دوام کا سہرا پانا ہے وہ ابھی کھینچی جانی ہے۔ وہ کتاب کہ جس نے زمانے کے عقدوں کو حل کرنا ہے ابھی لکھی جانے کو ہے۔ وہ گیت جو ابد تک زبان زدِ عام رہیگا ابھی لکھا

جانے کو ہے۔ وہ جوان کہ جسنے پادری بننے کا ارادہ کیا تھا دفتر میں منشی کا کام کرتا ہے۔ لڑکی بوڑھی ہو جاتی اور اسکا غنچۂ اُمید شگفتہ نہیں ہوتا۔ بادشاہ مکان کی تعمیر اپنے بیٹے کے سپرد کرتا ہے۔

سوؔم۔ خدا اپنے وجوہات بعد میں بیان کرتا ہے۔ جو کچھ اب ہمیں معلوم نہیں وہ بعد میں معلوم ہوگا۔ برسوں بعد داؔؤد نے سلیمان سے جو اسوقت پیدا بھی نہ ہُوا تھا کہا کہ "خداوند کا کلام اس مضمون کا مجھ پر اُترا کہ تُو نے بہت سی خونریزی کی اور بڑی لڑائیاں لڑیں تجھے میرے نام کے لئے گھر نہ بنانا ہوگا" (۱تواریخ ۲۲:۸) مناسب نہیں کہ خون آلودہ ہاتھ صلح کی ہیکل تعمیر کریں۔ لیکن اگر یہ بات اُسی وقت داؔؤد کو کہی جاتی تو اسکے دل کو رنج پہنچتا۔ الٰہی انکار کو بہت سی برکتوں کے وعدہ میں ملفوف کر دینا کافی تھا لیکن وقت گذرنے پر خدا کے انکار کی وجہ صاف اور صریح ہو گئی۔ اِس دَوران میں داؔؤد نے حوصلہ رکھا صبر و برداشت سے کام لیا۔ اور اپنے آپکو یوں تسلّی دی کہ خدا کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ ہے میں اس وجہ کو سمجھ نہیں سکتا لیکن یہی بہتر ہوگا۔

ایک دن ہم سمجھیں گے کہ خدا کے ہر ایک انکار میں جو وہ زندگی کے آہستہ رَو طریق میں ظاہر کرتا کوئی نہ کوئی معقول وجہ ہے۔ اگر ہم اسکی برداشت کر سکیں تو وہ ہم پر ظاہر کر دے گا لیکن یہ بہتر ہے کہ ہم خدا کی مشیّت کے بھید دریافت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ وہ ہمارے سوال کا یُوں جواب دیتا ہے کہ "اگر میں چاہوں کہ میرے آنے تک وہ ٹھہرے تو تجھے اس سے کیا؟" لیکن ایسا وقت آئیگا۔ غالباً اِسی زندگی میں۔ جب خدا کا کلام ہم پر اُتریگا اور برسوں کی انتہا پر سے ہم دیکھیں گے کہ یُوں اُس نے ہماری رہنمائی کیوں کی۔

چہارم۔ ناتکمیل شدہ ارادہ بھی بڑی برکت کا موجب ٹھہر سکتا ہے۔ سلیمان اس داستان کی تکمیل کرتا ہے کہ "خداوند نے میرے باپ داؔؤد سے کہا۔ اس سبب سے کہ تُو نے اپنے دل میں اِس بات کا ارادہ کیا کہ میرے نام کا ایک گھر بنائے سو تُو نے جبکہ اپنے دل میں یُوں ارادہ کیا تو اچھا کیا"۔ (۲تواریخ ۶:۸) داؔؤد اِس نیک خیال کے اظہار کے باعث ایک بہتر مرد بن گیا اِسکی روشنی کی جھلک اسکی زندگی پر باقی رہی۔ وہ جوان جسکو مشنری سوسائیٹی نے منظور نہیں کیا ان لوگوں کی نسبت اعلیٰ اخلاقی سطح پر کھڑا ہے کہ جنکے دل میں کبھی مشنری ہونے کا خیال تک نہیں آیا جس عورت نے سچّی اور پکّی محبت کی وہ اس محبت کرنے کے باعث زیادہ بہتر اور شریف عورت ہے۔ گو اسکا محبوب زیرِ آب سویا ہو بہ نسبت اسکے کہ وہ بالکل محبت کرتی ہی نہ یا محبت کی نہ جاتی۔ اگر کسی پَودے میں پھُول لگنے کا امکان ہو تو یہی امر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اَور پَودوں سے اعلیٰ ہے "تُو نے جو اپنے دل میں یہ ارادہ کیا تو اچھا کیا"۔

کتاب مکاشفات کے رویا میں شہید اس دن کو دیکھتے ہیں کہ جب انکی سختیوں کا بدلہ لیا جائیگا۔ لیکن چونکہ ابھی تک خدا کا وقت نہیں ہو لیا اُن سے کہا جاتا ہے کہ صبر کریں اور اس اثنا میں اُنکو سفید جامے دیئے جاتے ہیں۔ ان کا نمونہ ابھی تک پُورا نہیں ہُوا تھا۔ لیکن اس سے وہ پاک صاف کئے گئے۔ اور مسیح سے زیادہ نزدیکی حاصل کی۔

خدا ان کاموں کا اجر ہمیں دیگا کہ جو اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم سرانجام دیتے۔ جس شخص کا دل مشنری ہے اُسے اگرچہ دفتر میں ہی کام کرنا پڑے وہ مشنری زمرہ میں شمار ہوگا۔ سنداقت میں جو عورت نبی کے ساتھ آخری کھانے میں شریک ہوئی اُسے نبی کا

اجر ملیگا جس دل میں کہ بڑی بڑی اعلیٰ اُمنگیں تحریک دے رہی ہیں لیکن جو بوجہ اپنی بیوہ ماں یا دیگر رشتہ داروں کی فکر کے سرانجام دے نہیں سکتا۔ ایکدن حیران ہوگا کہ ایک بڑی فصل اسکے حساب میں درج کی گئی ہے جو اس حالت میں پیدا ہوتی اگر یہ بیج اچھی جگہ میں پڑتے۔ جلال میں داؤد دیکھیگا کہ گو ہیکل کی تعمیر اسکے حساب میں درج کی گئی ہے۔

پنجم۔ دوسری بہتر بات سرانجام دو۔ جو محنت اور جانفشانی داؤد ہیکل کی تعمیر میں صرف کرتا وہ اس نے اسباب کے مہیا کرنے میں صرف کی۔ یوں اس نے خدا کے گھر کے لئے سامان جمع کیا (اتواریخ ۲۹: ۲ وغیرہ)

اگر تمہاری اُمید بر نہیں آتی تو مایوس ہو کر بیٹھ نہ جاؤ اور اپنی زندگی کی طاقتوں کو یوں ہی ضایع ہونے نہ دو۔ لیکن اُٹھو اور دوسروں کی مدد کرو کہ اُن کے ذریعے تمہارا ارادہ پورا ہو۔ اگر تم آپ تعمیر نہیں کر سکتے تو تم اس شخص کے لئے مصالحہ جمع کر سکتے ہو جو تعمیر کرے گا۔ اگر تم کان میں خود نیچے اُتر نہیں سکتے تو تم رسّا تو پکڑ سکتے ہو کہ جسکو پکڑ کر اَور نیچے اُتریں۔

نیچر میں ایک قانون ہے جسکو قانون اجتماعِ قوّت کہتے ہیں۔ پتھر کے گرنے سے گرمی پیدا ہوتی ہے جسکا کچھ حصّہ تو پتھر ہی میں رہتا ہے اور باقی فضا میں جاتا ہے کوئی اعلیٰ خیال اچیل نہیں رہتا۔ کسی نہ کسی طرح سے وہ دُنیا کو فایدہ پہنچاتا ہے۔ کوئی آنسو بے فائدہ بہائے نہیں جاتے کوئی دُعا بیفایدہ مانگی نہیں جاتی۔ کوئی اعلیٰ خیال اور ارادے بے پھل نہیں رہتے۔

کسی نہ کسی طرح خدا اُن کی تلافی کر دیتا ہے۔ اُس نے داؤد کو بڑی برکت دی۔

ناتن کی معرفت سے چند وعدہ کیا گیا۔ (۱) کہ داؤد کی نسل ہمیشہ تک بادشاہی کریگی (۲) داؤد کی نسل ہیکل تعمیر کرے گی۔ (۳) اسرائیل کی بادشاہت مضبوط اور یقینی کی جائے گی۔ ان الفاظ کو پڑھ کر دل میں یقین پیدا ہوتا ہے کہ یہ وعدے اسی میں پورے ہو سکتے ہیں جسکو بقول پطرس داؤد نے رویا میں دیکھا۔ بنی آدم میں سے صرف ایک ہی ہے جسکی بادشاہت دائمی ہو سکتی ہے اور اس کی سلطنت بیحد اور جو تھکے ماندے انسان کو آرام دے سکتا اور خدا کی سچّی ہیکل تعمیر کر سکتا ہے (اعمال ۲: ۳۰) لیکن کتنی بڑی عزّت کہ وہ داؤد کا بیٹا ہو!

پھر داؤد بادشاہ اندر گیا اور خداوند کے حضور بیٹھا اور کہا "میَں کون ہوں اے خداوند خدا! . . . " (۲ سموئیل ۷: ۱۸) اسوقت میں جو اسکی حالت تھی اسکا اظہار الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔ اس جلال کی حالت میں جو اسکو نصیب ہوئی اس امر کا کوئی فکر نہیں کہ اسکے دل کا ارادہ پورا نہ ہوا۔ کیا خدا چھوٹے کو رکھ چھوڑتا اور بڑے کو نہیں دیتا؟ کیا وہ ہمارے ہدیہ کو منظور نہیں کرتا اور ہمیں ہمیشہ کیلئے غنی بنانے کو آسمانی بخشش نہیں دیتا؟ اس پر تکیہ رکھ۔ اسکے حضور بیٹھ۔ اور اسکے یقین سے تسلّی پا۔ دعویٰ کر کہ جو اس نے وعدہ کیا وہ پورا بھی کرے اور جان رکھ کہ ایک بھی اچھی چیز بے ہوئے نہ رہے گی۔ تانبے کے بدلے وہ سونا دے گا۔ لوہے کی جگہ چاندی۔ لکڑی کے لئے تانبا اور پتھروں کی جائے لوہا۔ دن کو سورج اور

رات کو چاند تجھے روشنی نہ دیگا ۔ لیکن خداوند تیرے لئے ابدی نور ٹھہرے گا اور تیرا خدا تیرا جلال ہوگا ۔

قدیم کھنڈرات اور بائبل

اخی آب اور یاہو بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ اخی آب نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں شاہ ارام بن ہدد کے ساتھ عہد باندھا ۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ اسوری کتبات میں مندرج ہے کہ اخی آب اور بن ہدد دونوں جنگِ کرکر میں جو مسیح سے پیشتر ۸۵۴ سال واقع ہوا موجود تھے ۔ اس لڑائی میں شلمنسر شاہ اسور نے ارامیوں کو شکست دی ۔ غالباً اسی شکست نے اسرائیل کو اسور کا باجگذار بنا دیا ۔ چنانچہ شلمنسر ثانی کی سیاہ لاٹ پر ہر ایک تصویر موجود ہے جس میں یاہو کے خادم شلمنسر کو خراج ادا کر رہے ہیں ۔ اور اس پر یہ کتبہ ثبت ہے "عمری کے بیٹے یاہو کا خراج"۔ اسی مقام پر اسرائیل کے باجگذار ہونے کا بھی ذکر پایا جاتا ہے ۔

تگلت پلاسر یا پول بعد ازاں ۲ سلاطین کی کتاب پندرھویں باب میں تگلت پلاسر یا پول کی فتوحات کا بہت سا بیان مذکور ہے ۔ اسوری اور بابلی فہرست شاہان کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے تھے ۔ جب تگلت پلاسر بابل کا بادشاہ بنگیا تو اس نے اپنا نام پول رکھ لیا ۔ بائبل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل کے غاصب مناحم نے پول کو خراج ادا کیا ۔ چنانچہ شاہ پول کے قدیم کتبات میں مسطور ہے "سامریہ کے مناحم کا خراج"۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک فوجی افسر بنام فقح تخت کا مالک بن بیٹھا اور رضین شاہِ دمشق کے ساتھ مل کر شاہِ آخز کو گدی سے اُتارنے کی کوشش کی (دیکھو یسعیاہ ، باب) ۔ اُس نے شاہ اسور سے مدد طلب کی اور بائبل سے ثابت ہے کہ تگلت پلاسر شاہ اسور گلیل اور نفتالی کے باشندوں کو اسیر کرکے لیگیا ۔ بعد ازاں فقح قتل ہُوا اور ہوسیع اس کی جگہ تخت نشین ہُوا ۔ کھنڈرات کے کتبات ان بیانات کی پوری تصدیق کرتے ہیں ۔ چنانچہ ایک کتبہ میں یوں مندرج ہے کہ "اُس کے باشندوں کو معہ اُن کے مال و اسباب کے میں اسور میں لے گیا ۔ اُن کے بادشاہ فقح کو میں نے قتل کیا اور ہوسیع کو اُن پر حکمران مقرر کیا"۔

سامریہ کا زوال بعد ازاں شلمنسر چہارم کا حال قابلِ ذکر ہے جسکے عہد میں ہوسیع نے بغاوت کی ۔

اور اسی وجہ سے دس فرقوں پر تباہی آئی۔ شلمنسر نے کنعان پر چڑھائی کرکے تین سال تک سامریہ کا محاصرہ کیا۔ کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے سال میں وہ انتقال کر گیا اور اسکے بجائے سرجون نے محاصرہ کو قایم رکھا اور سامریہ کو فتح کیا اور اسکے باشندوں کو اسیر کرکے اسور کو لے گیا۔ اس کا مفصّل حال مع اسیروں کی تعداد کے سرجون نے اپنے کارناموں میں قلمبند کرایا۔ اسی دفتر میں اشدود کے محاصرہ (۷۱۱ سال قبل از مسیح) کا ذکر ہے جسکی طرف اشارہ یسعیاہ کے بیسویں باب کی پہلی آیت میں پایا جاتا ہے۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ یہوداہ بھی بقول سرجون اس "بغاوت" میں شریک تھا اور اس سے انبیا کے بیانات (مثلاً یسعیاہ ۳۰ باب وغیرہ) کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور یہوداہ کی نسبت یہ الزام قایم کیا گیا ہے کہ "یہ لوگ اور اُن کے باغی سردار فرعون شاہ مصر کے حضور تحفے لیکر حاضر ہوئے اور اس سے مدد چاہی مگر وہ اُن کو چھڑا نہ سکا"

سنحریب اور حزقیاہ سرجون کے بعد اسکا بیٹا سنحریب بادشاہ ہوا۔ اور ۷۰۱ سال مسیح سے پیشتر اس نے حزقیاہ کے خلاف لشکر کشی کی جسمیں اُس نے مُنہ کی کھائی۔ اس مہم کا حال سنحریب نے اپنے کارناموں میں بھی درج کرایا۔ اور یہ دونوں بیانات ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ سنحریب کا بیان ہے کہ میں نے حزقیاہ کو اسکے دارالسلطنت میں یوں بند کیا "جیسے قفس میں چڑیا" اور حزقیاہ نے مجھے خراج ادا کیا۔ بعد ازاں بقول بائبل وہ لکیس کو گیا اور اسکے باشندوں کو تہِ تیغ کیا۔ سنحریب یہ بیان نہیں کرتا کہ جب اسکی فوج پر تباہی آئی تو اسکی فوج کو پسپا ہونا پڑا۔ مگر اسکے جانشین عسرحدّن کے کتبات ذکر کرتے ہیں کہ وہ کیونکر اپنے بیٹے سے قتل کیا گیا اور قاتل کا انتقام کیونکر لیا گیا۔

بیلشضر محققوں نے دانیل کی کتاب پر بڑے بڑے وار کئے ہیں۔ قریب سب کے سب اس کتاب کو مکابیوں کے زمانہ کی تصنیف بتاتے ہیں۔ مگر جو جو اعتراض وہ دانیل کی کتاب کی غلط بیانیوں پر کرتے ہیں اُن کو کمال تامّل کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ مثلاً یونانی آلات موسیقی پر جن کا ذکر اس کتاب میں ہے اعتراض کیا گیا ہے۔ اب ملکِ مصر میں تھیپنس کے معلومات سے اُنکی راستی ثابت ہوگئی ہے۔ جو حالات نبوکدنضر کے دانیل کی کتاب میں مندرج ہیں انکی تصدیق خود اس بادشاہ کے اپنے قدیم کتبات کر رہے ہیں۔ ان نئی معلومات نے کم از کم ایک شخص کو جسے نکتہ چین ایک فرضی آدمی کا نام سمجھتے تھے یعنی بیلشضر کو تواریخی ہستی ثابت کر دکھایا ہے۔ بیلشضر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کلدانیوں کا بادشاہ تھا۔ مگر کسی قدیم تواریخ کی کتاب میں اُسکا نام تک مندرج نہیں ہے۔ بابل کا آخری بادشاہ نبونائیدس تھا۔ اسکے ساتھ کسی دوسرے بادشاہ کی گنجایش کیونکر ہو سکتی ہے۔ اب دریافت ہوا ہے کہ اس نبونائیدس کا ایک بیٹا بیلشضر نامی تھا جسکا کتبات میں الیسا نمایاں ذکر کیا گیا ہے کہ غالباً وہ اپنے والد کے

[redacted]

ساتھ سلطنت میں شریک تھا۔ تعجب نہیں کہ جب بیلشضر نے وعدہ کیا کہ دانیؔل مملکت میں تیسرے درجہ کا حاکم ہوگا" (دانیل ۵: ۱۶) تو اس میں اسی شراکت کی طرف اشارہ ہوگا۔ کھنڈرات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "جس رات وہ شہر مسخر کیا گیا" بادشاہ کا بیٹا مر گیا"۔

خورس اور بابل کی بربادی بیان کیا جاتا ہے کہ بابل کی تسخیر کا حال جو خورسؔ کی سرگذشت میں مندرج ہے دانیؔل کی کتاب کے بیان سے اختلاف رکھتا ہے۔ غالباً یہ تمام اختلافات کتبات کے صحیح علم اور ترجمہ کے ساتھ معدوم ہو جائینگے۔ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ شہر بغیر جنگ کے لیا گیا تھا۔ مگر اسکی تسخیر اور آخری بربادی کے درمیان بہت سا عرصہ بیان کیا جاتا ہے۔ اغلب ہے کہ نیونائڈس میدان میں صف آرا تھا اور بیلشضر شہر کے اندر حفاظت کا ذمہ وار تھا۔ نیونائڈس شکست کھا کر قید کیا گیا اور شہر کا بیرونی حصہ خورس کے قبضے میں آیا۔ اندرون شہر ایک بڑی محکم دیوار سے محصور و محفوظ تھا۔ چند ماہ کے محاصرہ کے بعد خورس نے آخر اسکو سر کیا۔ بیلشضر اسی رات گرفتار کیا گیا اور مارا گیا۔ یہ بھی اغلب معلوم ہوتا ہے کہ جس گوبریاس کا نام کتبات میں موجود ہے اور جسکو خورسؔ نے اس شہر اور بابل کے تمام حاکموں پر افسر مقرر کیا تھا وہ دارا مادی تھا جس نے سلطنت کو خورس سے حاصل کر کے دو سال تک حکمرانی کی۔

خلاصہ جن نئی معلومات کا بیان ہم اس سلسلۂ مضامین میں کر چکے ہیں اُن سے کسی نصیحت کے اخذ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ دقیق دلائل کی نسبت اُن سے بدرجہا بہتر طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بائبل کے تواریخی بیانات کو بے تعصبانہ امتحان کرنے والوں کے ہاتھ سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ یہ بھی خدا کی عجیب پروردگاری ہے کہ ایسے موقعہ پر جب بے ایمانی اور کفر کی بادِ مخالف زوروں پر ہے محققوں کی کھرپوں کے ذریعے خدا کے کلام کی کیسی عجیب تصدیق ہو رہی ہے۔ جس خدا نے اپنے تواریخی الہام کو قلمبند کروایا وہی اس کتاب کو انسانی خیالات کے حملوں سے فرود محفوظ اور مصئون رکھے گا۔ فقط

تمام شُد

چند آیات پر چیدہ خیالات اور اشارات

خداوند نے پھر کر پطرس کی طرف دیکھا۔ لوقا ۲۲: ۶۱

ہم کبھی کبھی حیران ہوتے ہیں کہ خدا جو ایسا ذوالجلال اور عظیم ہے ہم حقیر بندوں کے ساتھ کیسے ہلکے درجے کی سختی سے برتاؤ کرتا ہے۔ مگر اسکا طریق قہر کے ساتھ پیش آنا نہیں بلکہ شفقت کے ساتھ۔ وہ زور سے نہیں ہانکتا بلکہ کھینچتا ہے۔ کسی کو مجبور نہیں کرتا بلکہ پیشوائی کرتا ہے۔ وہ یاد رکھتا ہے کہ ہم مٹی ہیں۔ اس لئے خدا ہمکو نہایت نرمی سے اپنی طرف مایل کرتا ہے بعض اوقات وہ فقط ہماری طرف دیکھتا ہے۔ درشت سلوک سے کوئی شخص قابو نہیں آتا۔ چنانچہ خدا نے بھی اپنی کامل قدرت کی رتھ پطرس کے مقابلہ میں بڑھا کر اسکو توبہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ نہ اسکو سزا کی بجلیوں سے تباہ کرنے کا خوف دلایا۔ بلکہ اسکے ساتھ کلام تک نہیں کیا۔ اسکی ایک نگاہ پطرس کے دل پر جادو کا کام کر گئی جس کی تاثیر عمر بھر قایم رہی۔

دیکھ ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑے۔ ۲ سلاطین ۲: ۲

ایلیاہ آتشی رتھ میں آسمان پر جاتا رہا۔ کیا اب بھی خدا ایک معنی میں اپنے اکثر بندوں کو اُسی قسم کی رتھ میں نہیں لے جاتا۔ ایلیاہ کی طرح وہ اُنکو یردن کے کنارے پر لاتا ہے۔ اور سالہا سال تک اُن کو مصیبت کے سخت نشیب و فراز میں پھراتا ہے۔ وہ اُنکو آتشی سواری میں بٹھا کر آتشی گھوڑوں سے کھنچواتا ہے۔ گویا وہ آگ میں سونے کی طرح تائے جاکر صاف ہوتے ہیں اور اپنے چمکدار تاج کے لائق بن جاتے ہیں۔ یہی وہ آتشی رتھ ہے۔

جب تو پانیوں میں گذر کرے گا تو میں تیرے ساتھ ہونگا اور جب تو ندیوں میں ہو کے جائیگا تو وہ تجھے نہ ڈبا ئینگی۔ یسعیاہ ۴۳: ۲

لبنان کے درختوں کو چیر کر ہیکل کے ستونوں کے لئے تختے تیار کرنا اور پھر ان کو دریا میں بہا کر لے جانا موت کی کیسی عمدہ مثال ہے۔ کیا ہمارا بھی یہی حال نہیں۔ ہم یہاں دنیا میں اُگتے اور بڑھتے ہیں اور آخر کار کاٹ ڈالے جاکر ہیکل کے ستون بننے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ ایک پُر محبت ہاتھ ہمکو موت کے پار یروسلم کے بندرگاہ میں لے پہنچاتا ہے۔ جہاں ہم سلامتی سے پار اُتر کر اپنے خداوند کی ہیکل کے ابدی ستون بنتے ہیں۔ وہاں سے نکلنے کا ہمیں کوئی اندیشہ نہیں۔ ان لبنانی صنوبروں کو صور اور صیدا کے

THE

MASIHI

رسالہ مسیحی امرتسر

مئی ۱۹۰۴ء

قیمت سالانہ پیشگی یا بذریعہ قیمت طلب پارسل
دو روپیہ معہ محصول ڈاک

فہرست مضامین

مطبوعہ [illegible] پریس امرتسر

نوٹ بک

پادری چارلس سٹوڈرس جو ۱۸۷۰ء کے قریب بمقام امرتسر سی ایم ایس مشنری تھے بتاریخ ۲۴ مارچ بمقام برائٹن (انگلستان) انتقال کر گئے۔ آپکے ذریعے مسٹر [illegible] مرحوم مسیحی ہوئے تھے۔ پادری جے آر فیلوز پنجاب سی ایم ایس کے کام سے مستعفی ہوئے۔ مس وڈسورتھ اور مس سانڈرس ۲۰ اپریل کو روانہ انگلستان ہوئیں۔ سنٹ کیتھرائن ہسپتال امرتسر کے متعلق اسّی دائیوں نے سند حاصل کی ہے نہ کہ ۸ نے جیسا کہ پچھلے پرچہ میں درج تھا۔ چرچ مشنری سوسائٹی کے سرمایہ میں جس کمی کا اندیشہ تھا وہ پوری ہو گئی ہے۔ مسٹر بھٹاچارجی ایک دیسی مسیحی جوان ولایت سے امتحان بیرسٹری پاس کر کے آئے اور مظفر نگر میں کام شروع کیا۔ مس نیوٹن ایک دیسی مسیحی خاتون نے اڈنبرگ یونیورسٹی کی ایل آر سی پی ایس اور ایل ایف پی ایس (طب) کی ڈگری حاصل کی۔ بنگال گورنمنٹ نے مس سوراب جی ایل ایل بی ایک پارسی مسیحی خاتون کو کورٹ آف وارڈس کی مشیر قانونی مقرر کیا۔ بابو پرتول چندر چیٹرجی جج عدالت ہائیکورٹ پنجاب پنجاب یونیورسٹی کے اور مسٹر جسٹس [illegible] ہائیکورٹ مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ کلکتہ اور بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی دیسی [illegible] ہیں لیکن مشن میں آجتک کوئی [illegible] چارج لینے کے بھی قابل [illegible] عہدہ کی تصحیح [illegible]

برکینٹ اطلاع دیتے ہیں کہ ستمبر کے اخیر تک کام ختم ہو جانے کی اُمید ہے۔ ممبر صاحبان مندرجہ ذیل ہیں۔ پادری صاحبان ٹی گیفورڈ۔ جے گرے۔ ایچ منسل۔ اے ای نیوٹن۔ ہیرال سنگھ۔ جے واعظ لال۔ اور ایچ یو وائٹ برکینٹ۔ سہواً یہ خبر گذشتہ پرچہ میں شایع ہونے سے رہ گئی کہ ۱۰ اپریل اتوار کے دن بابو رکھنداس الیاس بمقام لاہور اپنے آخری آرام میں داخل ہوئے۔ آپ امرتسر مشن کے پہلے مریدوں میں سے تھے اور ۱۸۵۲ء میں بپتسمہ پایا۔ تھوڑی دیر ملتان میں کام کرنیکے سوا آپ ۱۸۹۹ء تک امرتسر میں کام کرتے رہے اور اچھا کام کیا۔ سکھ مذہب کے متعلق آپکو اچھی واقفیت تھی۔ ڈیرہ دون گرلس سکول کی ۸ میں سے ۷ لڑکیاں امتحان مڈل میں کامیاب ہوئیں اور ۳ نے ۵ روپیہ ماہوار کا سرکاری وظیفہ حاصل کیا۔ کلکتہ یونیورسٹی کا امتحان انٹرنس پہلے پہل ڈیرہ سکول کی ایک لڑکی نے پاس کیا اور اس تیس سال کے عرصہ میں مدرسہ مذکورہ نے بڑی ترقی کی ہے۔ مس [illegible] مبارکباد کی مستحق ہیں۔ امریکن پریسبٹیرین مشن کے متعلق ہندوستان میں [illegible] ہیں۔ تعداد ممبر ۱۰٫۲۹۹ ہے۔ کلیسیاؤں نے [illegible] سال میں چندہ دیا۔ سنڈے سکول کے طالب علم [illegible] ہیں۔ اخبار کرسچن پیٹریٹ لکھتا ہے کہ [illegible] جماعت [illegible]

خداوند ہمیں دُعا مانگنا سکھا

مُبارک خداوند! جو ہمیشہ دُعا مانگنے کے لئے جیتا ہے۔ تُو مجھے بھی دُعا مانگنا۔ مجھے بھی ہمیشہ دُعا مانگنے کیلئے جینا سکھا سکتا ہے۔ اس سے تُو مجھے اپنے آسمانی جلال میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ مَیں ہمیشہ دُعا مانگتا رہُوں اور خدا کی حضوری میں کاہن ہو کر قایم رہوں۔

خداوند یسوع! آج میرا نام اُن میں درج کرلے۔ جو اقراری ہَیں کہ جیسا دُعا مانگنا چاہئے وہ نہیں مانگ سکتے۔ اور تجھُ سے بہ منّت کہتے ہیں کہ ہمیں دُعا مانگنا سکھا۔

خداوند! مجھے سکھا کہ دُعا کے مکتب میں تیرے ساتھ ٹھہروں اور تجھے مُہلت دُوں کہ تُو میری تربیّت کرے۔ میری نادانی۔ دُعا کے عجیب حقوق اور قوّت اور بطریق دُعا کی رُوح کے رُوح القدس کی ضرورت کا خیال مجھے اُبھارے کہ مَیں اِس خیال کو کہ اوہ! مَیں یہ یہ کچھ جانتا ہُوں۔ ترک کروں اور تیرے حضور سچّی تعلیم پذیری اور روح کی ناداری میں گھٹنے ٹیکوں۔

خداوند! مجھے اِس بھروسے سے بھردے کہ تیرے جیسے اُستاد سے میں دُعا مانگنا سیکھ جاؤنگا۔ اس یقین سے کہ یسُوع میرا اُستاد ہے جو باپ سے ہمیشہ دُعا مانگتا رہتا ہے۔ اور اپنی دُعاؤں سے کلیسیا اور دُنیا پر حکومت کرتا ہے۔ مجھے کسی قسم کا بھی ڈر نہ ہوگا۔ مجھے عالمِ دُعا کے بھیدوں کا جس قدر جاننا ضرور ہے وہ مجھُ پر کھول دے گا۔ اور جب میں جان سکوں تو مجھے ایمان میں مضبوط ہونا اور خدا کو جلال دینا سکھائیگا۔

مُبارک خداوند! تو اپنے طالب کو جس کا تجھ ہی پر بھروسہ ہے شرمندہ نہ ہونے دیگا۔ اور نہ ہی۔ تیرے فضل سے وہ تجھے۔ آمین!

نوٹ اور ہدایئیں

کانفرنسوں کے خطرے۔ یہ وہ کانفرنسیں نہیں جنہیں کلیسیا کے انتظامی معاملات پیش کئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس میں سب قسم کی روحانی مجالس اور کونونشنیں شامل ہیں۔ ایسی کانفرنسوں کے فوایدسے تو قریب سب لوگ آگاہ ہیں۔ مثلاً مختلف مسیحی فرقوں کے اتفاق اور اتحاد میں ترقی۔ شخصی دینداری کا بڑھنا۔ کلامِ مقدس کے مطالعہ کا زیادہ شوق۔ مسیح کی طاقت پر زیادہ بھروسہ۔ روح القدس کے کام کی عزت۔ روحوں کو مسیح کے پاس لے آنے کا جوش۔ یہ تو روشن پہلو ہوا مگر دوسرا پہلو ایسا آسانی سے نظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر بروٹن صاحب مختصر طور پر خاص پانچ خطروں کا ذکر کرتے ہیں۔ اوّل۔ کانفرنسوں کا خبط۔ بعض لوگ ایک کانفرنس سے دوسری میں بھاگتے پھرتے ہیں اُن کے خیال میں بغیر ایسی مجالس کے کوئی برکت حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہم نے تو ایسے مشنریوں کو دیکھا ہے جو اسی خیال پر اس ملک سے انگلستان کو کونونشنوں میں شریک ہونے کی خاطر جانا ضروری سمجھتے ہیں۔ روحانی طاقت حاصل کرنا کوئی بری بات تو نہیں مگر یہودیوں کی طرح بار بار یروسلم میں جانیکا خیال رکھنا اپنے تئیں ایک خاص طریق کا پابند کر لینا ہے۔ دوم۔ علیحدگی کا اندیشہ۔ کانفرنسوں میں شامل ہونے والے اپنے تئیں اوروں سے بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ وُہی پرانی فریسی والی روح ہے جو اوروں کو حقیر سمجھتی ہے۔ سوم۔ کانفرنسوں میں بڑے بڑے مضامین کا ادھورا بیان ہوتا ہے۔ اصل میں تمام تقریروں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سامعین کو اُبھارا جائے اور اس وجہ سے ہر ایک مضمون کے کسی خاص پہلو پر زور دیا جاتا ہے۔ چہارم۔ جوش اور رقّت کا چسکا۔ اپنی جگہ پر جوش بھی فایدہ مند ہے۔ مگر ہر وقت پُرجوش تقریروں کا پیچھا کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ ایسی مجالس کے شائقین کو اپنے سنڈے سکول اور مشنری اور دیگر محفلیں پھیکی معلوم ہوتی ہیں۔ آخری خطرہ یہ ہے کہ کانفرنسوں کے جاں نثار گنہگاروں کی نسبت غافل ہو جائیں۔ ایسے لوگ بزعمِ خود تو کلام سے سیری حاصل کرتے ہیں مگر ان کی ذات سے اوروں کو فایدہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس قسم کی مجالس کا اصلی مدعا یہ ہونا چاہئے کہ ہم کیونکر اوروں کو مسیح کے قدموں میں کھینچ لائیں۔

مسیح کے خلاف مقدمہ کا قانونی پہلو۔ یہودیوں میں عدالت کے متعلق خاص قواعد ہُوا کرتے تھے۔ مثلاً سبت کے دن یا دیگر تیوہاروں پر کچہریاں بند ہُوا کرتی تھیں۔ اور کوئی عدالت سبت سے ایک روز پیشتر یا کسی عید کے دن کھلی نہیں رہتی تھی۔ کوئی ضروری مقدمہ رات کے وقت پیش نہیں ہو سکتا تھا۔ صبح کی قربانی سے پیشتر کوئی عدالت کا اجلاس نہیں ہو سکتا تھا۔ کوئی ملزم ایک گواہ کی شہادت پر مجرم قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ اسکے لئے کم از کم دو گواہوں کی ضرورت تھی جو علیحدہ علیحدہ مگر ملزم کے روبرو اپنا بیان لکھوایا کرتے تھے۔ موت کے فتویٰ کی صورت میں آخری حکم سنانے سے پیشتر کم از کم ایک رات کا وقفہ ہُوا کرتا تھا۔ جج رات کے وقت دو دو ملکر تمام مقدمہ پر غور کر کے دوسرے روز فیصلہ سنایا کرتے تھے۔ اپنے دماغ تازہ رکھنے کی خاطر شام کے وقت اُن کو ہر قسم کی ثقیل غذا اور شراب اور دیگر منشیات سے اجتناب کرنا پڑتا تھا۔ اگر تمام جج ایک ہی فیصلہ پر متفق الرائے ہو جائیں۔ تو وہ فیصلہ کالعدم سمجھا جاتا تھا۔ عدالت کے شروع اور آخر میں دُعا مانگی جاتی تھی۔ اِن امور پر غور کرنے سے ہر ایک معمولی عقل کا آدمی بھی کہہ سکیگا کہ مسیح کے خلاف جو کچھ کارروائی یہودیوں نے کی وہ سراسر خلافِ قانون تھی یا دوسرے الفاظ میں یُوں کہو کہ اگر کوئی اپیل کرنے کی عدالت اعلیٰ ہوتی تو یہودی مجلس کا فیصلہ فوراً برطرف کیا جاتا۔ مثلاً مسیح کے خلاف مقدمہ رات کے وقت کیا گیا۔ صبح کی قربانی سے پیشتر عدالت کا اجلاس ہُوا۔ اسکے قتل پر سب متفق الرائے تھے۔ مسیح پر خصوصاً کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور کفر کی تشریح احبار کی کتاب میں یُوں کی گئی ہے کہ "جو کوئی اپنے خدا پر لعنت کریگا وہ جان سے مارا جائیگا" اِس سے بڑھ کر اور کوئی کفر یہودی قانون میں مندرج نہیں۔ اِس قانون کے زیر نفاذ مسیح نے کوئی کفر کا کلمہ استعمال نہیں کیا۔ غرض بہر صورت یہودیوں کا فتویٰ مسیح کے حق میں خلافِ قانون تھا۔ اور ہیرودیس اور پلاطُس نے بھی سراسر رومی قانون کے خلاف بے ضابطہ کارروائی کی اور بے گُناہ کو قتل کے لئے حوالے کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ۱۲۰۰ء میں ایک مسی تختی برآمد ہُوئی تھی جس پر مسیح کی سزا اور قتل کا حکم مندرج ہے۔ تعجّب ہے کہ اس تختی پر یہودیوں کے الزامات کی فہرست تو دی ہے مگر پلاطُس نے مسیح کے خلاف کوئی جُرم قایم نہیں کیا۔ فتویٰ پر چار معزز یہودی گواہوں کے دستخط ثبت ہیں۔

۵

دیسی کلیسیا میں سادہ طرزِ معاشرت

مرقومہ ڈاکٹر ٹی ایل پینل صاحب بنوں

مَیں ایک ہندوستانی مہربان سے "مشن کی کارگذاری میں زیادہ سادگی کے طریقوں میں واپس مُڑنے کے امکان" پر گفتگو کر رہا تھا۔ آپنے مجھ سے مفصلہ ذیل تمثیل بیان کی۔

ایک نٹ نے اپنے شاگردوں کو نہایت ہی اونچے درختوں پر چڑھنا سکھایا تھا۔ مگر اُس نے اُنہیں یہ تعلیم نہیں دی تھی۔ کہ کس طرح سے اُن سے اُترنا چاہئے۔ ایکدن اسکا ایک شاگرد ایک اونچے درخت کے نہایت مشکل مقام پر چڑھ گیا۔ ایسی حالت میں اس نے اُن لوگوں سے جو نیچے کھڑے تھے کہا کہ مجھے نیچے اُتار دیجئے۔ آخر ایک آدمی نے اسکی طرف رسّی پھینکی اور کہا کہ اس رسّی کا ایک سرا درخت کی شاخ سے باندھکر دوسرا سرا اپنے جسم کے اردگرد لپیٹ لو۔ اور تب اپنے آپکو نیچے کی طرف چھوڑ دو۔ اوپر چڑھے ہوئے آدمی نے اسکے کہنے کے مطابق عمل کیا اور دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ اور راہیٔ ملکِ بقا ہُوا۔ جس آدمی نے اس بے نصیب کو نصیحت دی تھی یوں کہا کہ "اُس کی قسمت میں مرنا ہی لکھا تھا۔ ورنہ مَیں نے بہت سے لوگوں کو اسی طریقے سے کنوؤں سے کھینچ نکالا ہے۔" اس سے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ کہ انگریزی مشنری صاحبان اُن لوگوں کو جنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کیا ہے۔ سالہاسال تک ایسے طریق زندگی اور ایسے اطوار سکھلاتے رہے ہیں۔ جن پر صرف کثیر برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور اب جبکہ انہیں سادہ طریق زندگی کی ہدایت کی جاتی ہے۔ یا کم از کم اخراجات اور کم تنخواہوں پر گذارہ کی نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اُلٹا جواب دیتے ہیں کہ ہمیں اوپر چڑھنا تو سکھلایا گیا ہے مگر نیچے اُترنا نہیں سکھلایا گیا زبردستی سادہ اور فقیرانہ طریق رہائش سے بجائے فائدہ کے نقصان نکلنے کا احتمال ہے۔

میرا یہ خیال ہے جیسے عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستانی عیسائیوں کے اخراجات مغربی رسوم اور مغربی طریقِ زندگی کے اختیار کرنے سے بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور اب اسپر یہ ایک معقول سوال کیا جا سکتا ہے کہ کس حد تک انگریز مشنری صاحبان اس بات کیواسطے جوابدہ ہیں۔ اور دوم یہ کہ اگر دیسی عیسائی بہت

اُونچی حد تک چڑھنا سکھائے جا چکے ہیں تو کیا انہیں نیچے اُترنے کے فن میں کچھ تعلیم نہیں دی جا سکتی؟ سوال اوّل کے جواب میں یہہ بات غالباً بالکل صحیح و مسلّم طور پر کہی جا سکتی ہے کہ مشنری صاحبان میں سے بہت ہی تھوڑے ایسے ہوں گے جو زبانی طور پر مغربی رسوم اور طریقِ زندگی کے اختیار کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ بلکہ مشنری اخباروں میں اکثر مضامین ایسی روش و عادات کی تقلید کو مُتہم و مذموم قرار دینے کے بارے میں نکلتے ہیں۔ اور ایسے خطوط ان کی طرف سے درج اخبار ہوتے ہیں۔ جو کہ مغربی دستوروں کے اختیار کرنے پر افسوس و تاسف کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن عملی نمونہ نصیحت و ہدایت سے بدرجہا بڑھکر تعلیم کا آلہ ہے۔ اور جب تک مشنری صاحبان پند و نصیحت اور عملی نمونہ دونوں سے ایسی تقلید کے برخلاف اپنا اثر ڈال کر نہ دکھلائیں تو وہ دیسی عیسائیوں کے خانگی اخراجات کے اضافہ میں مدد دینے کے الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل امر ہے کہ کسی قباحت کے برخلاف وعظ کرنے میں تو کسی قسم کی تکلیف اُٹھانی نہیں پڑتی لیکن طریقِ زندگی کو اس طرح سے بدل دینا کہ دوسروں کے واسطے نمونہ ثابت ہو سکے ایک بڑی ذاتی خود نثاری کا مطالبہ کرتا ہے۔ مگر یہ ایک عجیب بات ہے کہ باوجود ہندوستان کے ایسے اعلیٰ قدیم حالات اور روایات کے دیسی عیسائی صاحبان ہر ایک چیز سے جو ہندوستان سے تعلق رکھتی ہے اپنے آپ کو محروم کرنے اور غیر ملک کی شائستگی کی نئی نئی اور تکلیف دِہ پوشاکوں سے اپنے آپکو ملبّس کرنے کیلئے غایت درجہ کا اشتیاق رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ عیسائی مذہب گو ایک مشرقی مذہب ہے مگر وہ تہذیب جو اسکے ساتھ آئی ہے دراصل مغربی ہے۔

اسکے علاوہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ دیسی عیسائیوں کا اس طرح سے بالکل مغربی بنجانا ایک ایسی قباحت ہے کہ جسکی وجہ سے نہایت اعلیٰ درجہ کے ہندوستانی اصحاب عیسائی مذہب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ عیسائیوں کی اس حرکت کو وہ قومی ولولوں پر ایک قسم کا حملہ تصوّر کرتے ہیں۔ اور محسوس کرتے ہیں کہ ایسا کرنے سے ہندوستانیوں کی شخصیت معدوم ہو جاتی ہے۔ اور حب الوطنی کا سچّا خیال زائل ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ اُس آدمی کو جسنے عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہے اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا اُسنے اپنے مُلک سے بیوفائی کا ثبوت دیا ہے اور اجنبیوں کے ہاتھ سے اپنے ملک کی فضیلت کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ خیالات غلطی پر مبنی ہیں۔ لیکن تاہم اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ دیسی عیسائی

ان خیالات پر تمام ہندوستانی اشیاء کے چھوڑ دینے اور انکی بجائے تمام مغربی اشیا کے قبول کرنے سے ایک صداقت کا رنگ چڑھا دیتے ہیں۔

اسکا علاج دو طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ایک طریق تو غیر ملک کے مشنری صاحبان کے ہاتھ میں ہے۔ اور دوسرا دیسی عیسائیوں کے پیشواؤں اور رہنماؤں کے ہاتھ میں ہے۔پہلے طریق کی نسبت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔کہ جب میں نے ہندوؤں کے مذہبی مقاموں کو دیکھا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ ہندو گروؤں اور انکے چیلوں کا باہمی سلوک اس سلوک سے بہت زیادہ مشابہ ہے جو کہ ہمارے خداوند یسوع مسیح اور اسکے شاگردوں کے درمیان تھا۔بہ نسبت اس سلوک کے جو کہ اب ایک عیسائی مشنری اور مشن کے کارندوں کے درمیان دیکھنے میں آتا ہے۔مثلاً یوحنا کی انجیل کے باب ۴ آیت ۸ و ۳۱ میں مذکور ہے کہ ہمارا خداوند مسیح اپنے شاگردوں کے ساتھ ملکر کھانا پینا تھا اور اپنے طعام کی تیاری کیلئے اُن پر انحصار رکھتا تھا جس قسم کی خوراک تیار ہوتی تھی سب کے واسطے ایک ہی قسم کی ہوتی تھی۔اور ہمارا خداوند وہی سادہ غذا اپنے شاگردوں کے ساتھ مل کر کھا لیا کرتا تھا۔پھر ہم یوحنا کی انجیل باب ۱۲ آیت ۲۹ اور دیگر مقامات میں دیکھتے ہیں کہ خداوند مسیح کا حساب کتاب کے فرائض کو اپنے ہاتھ میں لینا تو در کنار وہ اس خزانچی کے کام کو ان شاگردوں پر ڈالتا تھا کہ جو روحانی معاملات میں کمترین درجہ کے تھے۔گویا کہ وہ اس خدمت کو نہایت ہلکا سمجھتا تھا۔

بیشک برعکس اسکے یہ امر تسلیم کے قابل ہے کہ عادات و قومی تفاوت کی وجہ سے انگریز مشنری صاحبان اور ان کے ہندوستانی عیسائی بھائیوں میں ایسے نزدیکی کا رشتہ یا تعلق کا ہونا محال بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن ہے۔جو خداوند مسیح اور اسکے شاگردوں کے درمیان تھا۔لیکن میرے خیال میں یہہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں کسی قدر زیادہ خود انکاری زیادہ برکتوں کا باعث ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جیسا تجربہ ظاہر کرتا ہے۔دیسی پاسٹر اکثر اپنے یوروپین بھائیوں کی عادات کی تقلید کرتے ہیں۔اور اپنے غریب ہندوستانی بھائیوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھنے کی بجائے اس قسم کی رکاوٹ اپنے ہاتھوں سے تعمیر کرتے ہیں کہ جو یوروپین پادریوں اور دیسیوں کے درمیان حائل تھی۔ وہ یوروپین عادات اور مغربی لباس کے اختیار کرنے سے اس قسم کی رکاوٹ تیار کرتے ہیں کہ جو اُن کے لئے یوروپین اصحاب میں ملنا جلنا زیادہ آسان مگر غریب ہندوستانیوں کے ساتھ رفاقت اور

میل ملاپ کو زیادہ مشکل بنا دیتی ہے۔ انگریزی مصنف کارلائل صاحب نے ایک مشہور کتاب لکھی ہے جس میں مندرج ہے کہ لباس انسانی تعلقات پر کہاں تک اثر رکھتا ہے۔ اور اگر کسی کو اس امر میں شک وشبہ ہو تو وہ سادھوؤں کا لباس اختیار کرکے گیروے رنگی پوشاک میں پھر کر دیکھ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ ہندوستان کے غریب گداگر بھائیوں میں اپنے آپکو کیسا خوش معلوم کریگا۔ لیکن جب اُسے سرکاری افسر کے عالیشان بنگلے یا کسی یوروپین مشنری یا کسی ایسے پادری کے بنگلے پر کہ جس نے مغربی طریقہ رہائش اختیار کیا ہو جانے کا اتفاق ہوگا تو اُس پر خاص ایک قسم کا خوف طاری ہوگا جسے اُسنے پہلے کبھی محسوس نہ کیا تھا۔ ایسے موقعہ پر صاحب بہادر کا بہرا جھٹ باہر نکل کر للکاریگا "کیا کرتے ہو یہاں" اور وہ آدمی خوش قسمت ہوگا جسکو دُھوپ میں باہر ٹھہرنا نہ پڑے۔ جبتک وہ بہرا مہربانی فرما کر اپنے آقا سے ایسے ملاقات کرنیوالے کے آنے کی رپورٹ نہ پہنچاوے۔ یا صاحب بہادر کھانے سے فارغ نہ ہولیں۔ یا دوپہر کی خواب استراحت سے جاگ نہ اٹھیں۔ ممکن ہے کہ بعض اوقات صاحب بہادر بوقت ملاقات معذرت کے کلمے زبان پر لائیں۔ مگر ایسے موقعہ پر خداوند کے وہ الفاظ یاد آتے ہیں جو متی کی انجیل باب ۱۸ آیت ۱۰ و ۲۵ باب ۴۵ آیت میں مذکور ہیں۔

دوسرا امر قابل بحث یہ ہے۔ کہ دیسی مسیحیوں کا طرز معاشرت زیادہ سادہ بنانے کے بارے میں اُنکے رہنما و پیشوا کیا کر سکتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ عیسائی مذہب کے اختیار کرنے میں اُنہوں نے تمام دنیا پر اس بات کو روشن کر دیا ہے کہ اپنے خیال کے مطابق ہم نے ایک ایسا مذہب پالیا ہے جو کہ ہندوستان کے تمام قدیم مذاہب سے بدرجہا اعلیٰ اور برتر ہے۔ نہ فقط اس امید کے لحاظ سے جو کہ وہ بیکس گنہگاروں کے آگے پیش کرتا ہے۔ بلکہ اعلیٰ معراج کی خاطر جو کہ وہ اپنے مقلدین کے سامنے رکھتا ہے۔ لیکن کیا یہ بھی ان کا اعتقاد ہے۔ کہ انگریزی لباس۔ انگریزی مکانات رہائش اور انگریزی خوراک بھی ہندوستان کی سی گرم آب و ہوا میں بہ نسبت ہندوستانی لباس۔ ہندوستانی مکانات رہائش اور ہندوستانی خوراک کے زیادہ قابل پسند ہیں۔ اور گو یہ انکا اعتقاد ہو بھی۔ تو بھی یہ امر اُن کے سوچنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔ کہ کیا اپنے غیر مذہب ملکی بھائیوں پر نیک اثر ڈالنے کی خاطر ذاتی خواہشات کو ترک کر دینا بہتر نہیں ہوگا۔ تاکہ انکا رشتہ یگانگت ہمارے ساتھ قایم رہے اور ٹوٹنے نہ پائے۔ لیکن مجھے شبہ ہے کہ اکثر حالتوں میں ایک مشرقی ملک میں مغربی رسوم کی فوقیت اور فضیلت کا خیال کہاں تک ہے۔ بلکہ میرا یہ خیال

ہے کہ صرف فیشن کا رواج اور ہندوستانیوں کی نسبت یورپینوں کے ساتھ میل ملاپ کا اشتیاق اس معاملہ میں بہت کچھ دخل رکھتا ہے۔ مثلاً یہ شاذ و نادر ہی دیکھا جاتا ہے کہ کوئی ہندو یا مسلمان جنٹلمین انگریزی ٹوپی پہنتا ہو۔ یا کوئی ہندو یا مسلمان عورت سوائے چادر کے کوئی اور لباس اختیار کرتی ہو۔ خواہ انکی حیثیت کتنی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ تو پھر سوال ہو سکتا ہے کہ کیوں دیسی عیسائیوں میں انگریزی ٹوپی ایسے عام طور پر اختیار کی گئی ہے۔ اور کیوں چادر جیسے لباس سے نفرت کی جاتی ہے بمبئی میں پارسی لوگوں کی مثال ظاہر کرتی ہے کہ نہایت مہذب مستورات چادر پہن کر باہر چل پھر سکتی ہیں۔ مگر اس سے اُن کے شرم و حیا پر کسی قسم کا حرف عاید نہیں ہو سکتا اور ایسا آدمی مشکل سے ملیگا جو کہ پگڑی پر انگریزی ٹوپی کی فضیلت کو ثابت کر سکے بلکہ آجکل تو انگریزی افسر بھی عموماً پگڑی کو فوقیت دیتے دیکھے جاتے ہیں۔

مسیحی سوسائٹی اپنے خلط ملط ہونے کی وجہ سے اس قدر نقصان برداشت کر رہی ہے۔ اسمیں کوئی باہمی پیوستگی نہیں ہے اور نہ اسکے کوئی رہنما ہیں۔ اسواسطے اس سوسائٹی کا کوئی سوشیل ضابطہ نہیں۔ اور نہ کوئی مجموعی خیالات ہیں۔ ہر ایک انسان فرداً فرداً وہی کرتا ہے جو کچھ اسکو ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسروں کی رائے کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ اور نہ اس بات کی پرواہ کرتا ہے کہ میرا اپنا اثر عیسائی سوسائٹی پر کیا پڑ رہا ہے۔ اسواسطے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ آریہ سماجی یا دوسرے مذاہب کے لوگ ہندوستان کے قدیم طریق زندگی کا بڑے فخر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں یعنی اسکی زیادہ سادگی۔ بنی نوع انسان کا زیادہ باہمی اتفاق۔ اسکی سوشیل پیوستگی۔ اور روحانی امور کی مادی و دُنیاوی معاملات پر فوقیت و غلبہ۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وقت نہیں رہا کہ دیسی عیسائی نیچے اُترنا سیکھیں۔ بہت سے اصحاب جواب دینگے کہ ہاں اب وقت گذر گیا ہے۔ اب وقت نہیں رہا۔ ہم انگریز بننے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اور اب ہم ہندوستانی نہیں بن سکتے۔ لیکن برعکس اسکے آجکل بہت سے اصحاب مغربی شایستگی کے کمزور پہلو کو دیکھنے لگ گئے ہیں یعنی فضول خرچی۔ دکھلاوے کی محبت۔ غربا کی نسبت عیش و عشرت کا زیادہ خیال وغیرہ وغیرہ۔ اب ہم ایسے پیشواؤں کی طرف ہی دیکھ رہے ہیں کہ وہ عام ہندوستانی عیسائیوں کو مغربی رسوم کے درخت پر بہت اونچا چڑھنے کے خطروں سے آگاہ کریں اور جو لوگ اس درخت پر چڑھ چکے ہیں۔ انکو نصیحتوں کی نسبت اعمال و نمونہ کے مؤثر ذریعوں سے زیادہ سادہ طرز معاشرت اور سلامتی کی طرف نیچے اُتارنے کی کوشش کریں۔

لوگ بہا کر لاتے تھے مگر ہمکو خود یسوع مسیح جو موت کی موت ہے" دریا کے پار حفاظت سے پہنچا دیگا۔

پس ... ثابت قدم اور قایم رہو اور خداوند کے کام میں ہر وقت ترقی کرتے رہو۔ اکرنتھیوں ۱۵: ۵۸

اطبا کا قول ہے کہ جب جسم ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو مختلف امراض کے کیڑے اس میں بڑھنے لگتے ہیں۔ جسم کو گرم رکھنا صحت کا ایک ضروری قانون ہے۔ روحانی عالم میں بھی یہی حال ہے۔ جب ایمان اور محبت ٹھنڈے ہو جاتے ہیں تو آزمائشیں بڑے زور سے روح پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ اگر ہمیں مضبوط اور تندرست مسیحی بننے کی خواہش ہے تو چاہیئے کہ ہم اپنے جوش اور تقدیس کی گرمی کو قایم رکھیں۔ خدا کے لئے ہر روز کچھ نہ کچھ کرنا گرم رہنے کا اچھا طریق ہے۔ کیا ہم اس طریق کو عمل میں لاتے ہیں۔

اپنا بوجھ خداوند پر ڈال کہ وہ تجھے تھام لیگا۔ زبور ۵۵: ۲۲

"وہ تجھے تھام لیگا" یعنی بوجھ سمیت۔ تو خود ہی سب سے بھاری بوجھ ہے۔ باقی سب قسم کے بوجھ اس کے مقابلہ میں ہلکے ہیں۔ مگر جب ہم اپنا بوجھ لیکر خداوند کے پاس آتے ہیں تو وہ ہمکو ہمارے بوجھ سمیت اٹھا لیتا ہے۔ اور گھر پہنچا دیتا ہے۔

اور خدا نے ابرام سے کہا کہ اپنی آنکھ اٹھا اور ... اتر اور دکھن اور پورب اور پچھم دیکھ۔ پیدایش ۱۳: ۱۴

الفاظ "اتر اور دکھن اور پورب اور پچھم" پڑھ کر مسیح کی اس محبت کی چوڑائی اور لمبائی اور اونچائی اور گہرائی کا خیال آتا ہے جو جاننے سے باہر ہے۔ اس مقام پر کنعان کی سرزمین بہت کچھ پہاڑوں کی آڑ میں پوشیدہ تھی مگر اس ایماندار شخص کے دل کو موہ لینے کے لئے کافی نظر آرہی تھی۔ بعینہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہم خدا کی محبت کو جو مسیح میں ہے کما حقہٗ نہ جان سکیں مگر جوں جوں ہم اوپر چڑھتے ہیں ہمارا منظر وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اور ہم مقامِ زندگی کی سب سے اونچی چوٹیوں پر سے ایک لامحدود وسعت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

مسیح نے آسمان کی طرف دیکھ کر برکت چاہی۔ مرقس ۶: ۴۱

جب خدا کے لئے کچھ کرنا چاہو تو اوّل آسمان کی طرف دیکھو۔ یہ ایک نہایت عمدہ قاعدہ ہے۔ ہمارا خداوند یسوع مسیح بار بار آسمان کی طرف دیکھکر کہا کرتا تھا کہ "اے باپ"۔ آؤ ہم اس کی تقلید کریں۔ زمین پر ہوتے ہوئے ہمارے خیالات آسمان پر ہوں۔ اپنے باہر جانے سے پیشتر دنیا کو کھلائے وقت یا اگر تم روحانی قحط کے درمیان برکت کا باعث ہونا چاہو تو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاؤ۔ اس سے تمہارا چہرہ چمکنے لگے گا۔ اور تمہارے لباس سے مُر اور عود اور تج کی خوشبو نکلے گی۔

اے بڑے پہاڑ تو کیا ہے۔ تو زروبابل کے آگے ایک میدان ہو جائیگا۔ ذکریاہ ۴ : ۷

کہتے ہیں کہ ریل کا انجن چلانے والے چاندنی رات کو ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ سارا رستہ انکو سایہ سے لڑنا پڑتا ہے۔ کسی چیز کا سایہ ریل کی لائن میں آڑے طور پر ہوتا ہے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ گویا کوئی آدمی یا گھوڑا یا درخت رستے میں پڑا ہے مگر آخر وہ سایہ نکلتا ہے۔ ہم اپنی بہت سی طاقت سایوں کے ساتھ کشتی کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ ہم خدا پر اعتبار نہیں کرتے اور بڑے بڑے خطروں کو اپنے وہم میں کھڑا کر لیتے ہیں۔ اور ہر دفعہ جب ہم اُس مقام پر پہنچتے ہیں تو یا تو مسیح کی قبر کے پتھر کی طرح مشکل کو آگے سے ہٹا پاتے ہیں اور یا خدا ہمکو اس پر غالب آنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔

اور ہماری ساری راستبازیاں گندی دھجی کی سی ہیں۔ یسعیاہ ۶۴ : ۶

کیا تم روز بروز بڑی جدوجہد سے اپنی راستبازی کا لباس تیار کر رہے ہو۔ اس کوشش سے باز آؤ۔ تمہاری نیتیں اور اقرار مکڑی کے جالے کی طرح مہین اور بودے ہیں جو ذری سی ہاتھ لگنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ مقدسوں کا لباس جو روح کے لائق اور خدا کو پسند ہے صلیب پر تیار ہُوا اور ابن اللہ کے خون میں رنگا گیا ہے۔

وہ اُس وقت سے اب تک بن رہا ہے پر ہنوز تیار نہیں ہُوا ہے۔ عزرا ۵ : ۱۶

شمالی مصر کے ایک قدیم پتھر کی کان میں ایک ناتمام لاٹ پڑی ہُوئی ہے۔ شاید وہ اُن چار لاٹوں کے قطع پر بنانی تجویز کی گئی ہو جو یوروپ اور امریکہ کے چار بڑے شہروں میں رکھی گئی ہیں مگر یہ نامکمل ہی رہی۔ ستون بھی بڑا بھاری ہے۔ پتھر بھی سخت قسم کا ہے۔ معمار کے ہتھیاروں کے نشانات بھی نمودار ہیں مگر یہ لاٹ کبھی اپنی جگہ پر نصب نہ کی گئی۔ آج کے دن وہ نصف ریت میں دبی ہُوئی ہے اور ناتمام محنت کا ایک افسوسناک یادگار ہے۔ بعینہٖ یہی حال بعض لوگوں کی زندگی کا ہے۔ اُن کا سامان وغیرہ سب کچھ اچھا ہے مگر وہ تکمیل تک پہنچنے نہیں پاتے۔ اُن کی زندگی ادھوری رہ جاتی ہے۔

قدیم مسیحیوں کی طرزِ زندگی

۳

ہم نے معلوم کیا تھا کہ قدیم مسیحیوں کی پرائیویٹ (Private.) زندگی کیا تھی۔ لیکن انسان چونکہ تمدنی ہے۔ اس کا تعلق ملک اور سوسائٹی سے ہے۔ اِس لئے یہ امر دریافت طلب ہُوا کہ بلحاظ ملک اور سوسائٹی کے وہ کیسی گذران کرتے تھے۔ انکی زندگی کا اصول یہ تھا کہ جس جس شئے کا تعلق گناہ اور بُت پرستی کی رسُوم سے ہے اُسے وہ الوداع کہیں۔ اور اس اصول کو یہاں تک مدنظر رکھا کہ کبھی کبھی حدِ اعتدال سے بھی گذر گئے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ محبّت کا ابتدائی جوش ایسا شعلہ زن ہوتا ہے کہ حدود کو نگاہ میں نہیں رکھتا۔ یہ قاعدہ نہ صرف افراد کے بارے میں دُرست ہے بلکہ جماعتوں کے بارے میں بھی۔ یہی حال قدیم مسیحی کلیسیا کا تھا کہ وہ دُنیا کی اطاعت کرنے اسکی مخالفت میں حد سے تجاوز کرنے کی طرف زیادہ مائل تھے۔ چنانچہ یہ سیرت قدیم مسیحیوں میں بہت نمایاں ہے۔ چنانچہ ہمارے خداوند کے ان الفاظ کی تفسیر دو طرح سے کی جاتی تھی کہ "جو قیصر کا ہے قیصر کو دو"۔ ایک فریق یہ کہتا تھا کہ ملکی معاملات میں موجودہ قوانین کی اطاعت کرنی چاہیئے اور بلا ضرورت غیر اقوام کے سامنے ٹھوکر کا باعث نہیں ہونا چاہیئے نہ انکو موقعہ دینا چاہیئے کہ وہ خدا کے نام پر کفر بکیں۔ بلکہ یہ ضرور ہے کہ سارے آدمیوں کیواسطے سب کچھ بنیں تاکہ سب کو انجیل کیلئے حاصل کریں۔ دوسرا فریق یہ کہتا تھا کہ یہ اصول تو درست مقدّس نوشتوں کے مطابق ہے لیکن اس پر عمل کس طریقے سے کریں۔ بیشک سب ظاہری دُنیاوی ملکیتیں تو بادشاہ سے علاقہ رکھتی ہیں۔ لیکن ہمارے دل اور ہماری زندگی کلّیتہً خدا سے علاقہ رکھتی ہے۔ اسلئے یہ نامناسب ہے کہ ہم قیصر کے حق کو خدا کے حق کا حریف بنالیں۔ اگر اس ہدایت کا کہ غیر قوموں کو ہم ٹھوکر کا موقعہ نہ دیں یہ مطلب سمجھیں کہ بلا شرط اور قید اس پر عمل کرنا چاہیئے تو ہمیں مسیحیت چھوڑنی پڑے گی۔ کیونکہ وہ لوگ ہمارے مسیحی عقیدہ اور مسیحی رسوم سے ٹھوکر کھاتے اور خدا پر کفر بکتے ہیں۔ ویسا ہی یہ تو کہنا درست ہے کہ ہم سب آدمیوں کیلئے سب کچھ بنیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم دنیاوی آدمیوں کے لئے سچ مچ دُنیاوی آدمی بنجائیں۔ کیونکہ یہ بھی لکھا ہے کہ "اگر میں آدمیوں کو خوش کروں تو میں مسیح کا خادم نہ ہونگا"۔

ویسا ہی جو شخص ایسی تجارت اختیار کرتا تھا جو مسیحی دین کے عام اور مسلّمہ اصول کے خلاف ہوتی تو اسکو بپتسمہ نہ دیتے جبتک وہ اس پیشہ کو ترک کرنے کا عہد نہ کرلیتا۔ اُسے یا تو نیا پیشہ اختیار کرنا پڑتا یا کلیسیائی مدد پر گذران کرتا۔ یہ ممنوع پیشے اکثر ایسے تھے جنکا تعلّق بُت پرستی سے تھا۔ یا جن سے کسی طرح بُت پرستی کی تائید ہوئی۔ جو مسیحی یہ عذر پیش کرتا کہ ایسی تجارت سے وہ بُت پرستی نہیں کرتا کیونکہ نہ وہ بتوں کو ہیچ

جانتا ہے تو فوراً اسکو جواب دیا جاتا کہ بیشک تم بتوں کے پرستار ہو جب تم بت بناتے ہو کہ وہ پوجے جائیں۔ یہ سچ ہے کہ تم اُن کے لئے کوئی قربانی نہیں چڑھاتے لیکن تم اپنی عقل انکی نذر کرتے ہو۔ تمہارا سینہ اُن کا بتاون ہے۔ اپنے فن کا چراغ تم اُن کے آگے جلاتے ہو۔ (ترتلیان)

اِن تماشاؤں میں جو اس وقت سب سے زیادہ دل پسند تھے یعنی انسانوں اور حیوانوں کی کُشتیاں اور ظالمانہ کرتب دکھا کر حیوان کا خون انسان کے خوش کرنیکے لئے کیا جاتا تھا مسیحیوں کی نظر میں متنفر تھے۔ ویسے ہی دیگر کھیل تماشے۔ ناٹک۔ سرکس وغیرہ مسیحیوں کے پسند نہ تھے۔ اور جو شخص ان تماشاؤں میں نظر نہ آتا آدمی فوراً کہتے یہ مسیحی شخص ہے۔ یہ مشغلے بت پرستی کا ضمیمہ سمجھے جاتے تھے۔ ان میں اگر اور کچھ قصور نہ تھا تو بھی ایسے ہنسی کھیل پر اتنے گھنٹے خرچ کرنا مسیحی کاہنی سیرت کے خلاف سمجھا جاتا۔ کیونکہ مسیحی فی الحقیقت اپنے تئیں کاہن سمجھتے کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی خدا کے لئے مخصوص کر دی تھی اور اب وہ روح القدس کی ہیکل میں گئے تھے۔ اس لئے جو کچھ اس روح القدس کے خلاف تھا جسکے بسنے کیلئے انکے دل ہمیشہ تیار رہنے چاہئے۔ اس سے پرہیز کرنا انکا فرض تھا۔ ترتلیان کہتا ہے کہ "خداوند نے حکم دیا ہے کہ رُوح القدس جو حلیم اور ملایم ہے اسکی خدمت اطمینان خاطر اور ملائمت سے کرنی چاہئے۔ جذبات تندی۔ غصّہ وغم کے ذریعے سے اسکو رنجیدہ نہ کریں۔ پس ایسے تماشے اس روح کے مطابق کب ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ ان میں کوئی تماشا نہیں جس میں ہمارے جذبات میں سے کوئی نہ کوئی مشتعل نہ ہوتا ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جب لونڈوں کی آوازیں۔ خوجوں کے گیت اور ایکٹروں کے بیانات تمہارے کانوں میں پڑتے ہوں۔ تو تم نبیوں کے کسی قول یا زبور پر دھیان لگا سکو۔ جب ہمارے خداوند نے ہر طرح کے فضول الفاظ کو مجرم ٹھہرایا تو ایسے تماشاؤں کو وہ کب گوارا کریگا (دیکھو متی ۱۲: ۳۶ + افسیوں ۴: ۲۹+۵: ۴) "تو اپنی باتوں ہی سے راستکار گنا جائیگا اور اپنی باتوں ہی سے گنہگار ٹھہرے گا۔" "کوئی گندی بات تمہارے منہ سے نہ نکلے بلکہ وہ جو ضروری ترقی کیلئے اچھی ٹھہرے تاکہ سُننے والوں کو فائدہ بخشے۔" بے شرمی اور بیہودہ گوئی یا ٹھٹھے بازی جو نامناسب ہے نہ ہو بلکہ بیشتر شکر گذاری۔" ہر طرح کا افسانہ اور فرضی ناول اُن کے لئے گناہ آلودہ تھا کیونکہ وہ کہتے تھے کہ حق کا خالق اس شئے کو پیار نہیں کر سکتا جو فی الحقیقت جھوٹ ہے۔ وہ جو ہر طرح کی ریاکاری کو مجرم ٹھہراتا ہے وہ ان کو نیک کیسے کہہ سکتا ہے۔ جو دوسروں کی آواز۔ عمر۔ محبت۔ غصّہ۔ آنسو وغیرہ کی نقل کرتا ہے۔

البتہ بعض کمزور مسیحی اس قسم کے عذر بھی پیش کیا کرتے تھے کہ آنکھ۔ کان کی ظاہری خوشیاں دلی دین کے خلاف نہیں۔ آدمی کی عشرت اگر مناسب وقت اور جگہ میں منائی جائے اور دل میں خدا کی عزت و تعظیم کو بٹہ بھی نہ لگے گناہ نہیں ہے۔ بعض یہ کہتے تھے کہ خدا کے عطا کئے ہوئے انعام ہی ان تماشاؤں میں استعمال کئے جاتے ہیں اور کتاب مقدس کے کسی مقام میں صاف طور پر ان کی ممانعت بھی نہیں۔ دیکھوں

کی دوڑ میں کچھ تصور نہیں۔ کیونکہ ایلیاہ رتھ پر سوار ہو کے گیا۔ راگ رنگ اور رقص ممنوع نہیں ہو سکتا کیونکہ اسکا ذکر کتاب مقدس میں آیا ہے۔ داؤد نے یہ انتظام ہیکل میں کیا تھا (۱ تواریخ ۱۶: ۲۹)۔ اور پولوس رسول نے مسیحیوں کی طرف یہ نصیحت کی تھی کہ "وہ روح میں گاتے بجاتے رہیں"۔ افسیوں ۶: ۱۴+ ۲ تمطاؤس ۴: ۷ ر ۸ + فلسوں ۳: ۱۴۔ ایسے کمزور عذروں کے جواب میں تزتلیان یہ کہتا ہے کہ بیشک یہہ سب کچھ خدا کی طرف سے انعام ہے لیکن امر غور طلب یہ ہے کہ خدا نے کس مقصد کیلئے یہ انعام دیئے اور کس طرح ان کو اس مقصد کیلئے استعمال کرنا چاہیے۔ اصلی مقصد کیا ہے اور گناہ نے اسکو کیسے برے طور سے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ آدمی بھی پہلے پاک پیدا ہُوا پیچھے بگڑ گیا۔ اگرچہ کوئی خاص مقام ان تماشاؤں کے خلاف بائبل میں پایا نہیں جاتا لیکن وہ اصول عام جو ان میں قلمبند ہوتے ہیں ان سے یہ ممانعت نکلتی ہے۔ ہر شخص اپنے دل میں غور کرے اور خدا کی روح کی ہدایت کی پیروی کرے تو وہ فوراً اُنکی قباحت معلوم کر لے گا۔

کیا ہر ایک دُعا کا جواب ملتا ہے؟

پادری کیمبل صاحب بعض ایسی دُعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے جن میں دُعا کا کافی جواب نہیں ملتا یا ہماری توقع سے دوسری صورت میں ملتا ہے یوں فرماتے ہیں کہ "دوسروں کے لئے سفارشی دُعا کو لیجے۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو اپنے لئے دُعا مانگنا بھولیں تو بھولیں مگر دوسروں کے لئے دُعا مانگنا کبھی نہیں بھولتے ایسی دُعاؤں کے جواب میں بھی مایوسی حاصل ہُوا کرتی ہے گو لکھا ہے کہ جو مانگتا ہے سو پاتا ہے۔ کیا پاتا ہے؟ کیا جو کچھ مانگتا ہے وُہی پاتا ہے؟ مسیح نے ایسا کبھی نہیں فرمایا۔ کچھ نہ کچھ تو جواب میں ملتا ہے خواہ وہ اصلی درخواست قبول نہ ہو مگر اسکے برابر یا اس سے بڑھ کر کچھ ملتا ہے۔ جو شخص اپنے دشمنوں پر انتقام کیلئے دُعا مانگتا ہے وہ بھی جواب پاتا ہے کیونکہ اسکی دُعا پلٹ کر اُسی کے سر پر آ پڑتی ہے اور اسی کا نقصان کرتی ہے۔ کسی درخواست کے جواب سے کبھی انکار نہیں ہوتا۔ وہ مُڑ کر آسکتی ہے مگر نامنظور ہرگز نہ ہوگی۔ دُنیا میں کسی نہ کسی پر اسکا اثر ضرور ہوگا۔ یہ کیسا عجیب اور مہیب خیال ہے۔ انسانی ارادہ کی ہر ایک حرکت کا کچھ نتیجہ ہوتا ہے۔ شاید حرکت دینے والے کی مرضی کے مطابق نہ ہو۔ مگر کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور ہے۔ اور ممکن ہے کہ ہم اسکا نتیجہ گور کی اس جانب نہ دیکھ سکیں۔ مثلاً کوئی لڑکا تالاب میں کسی پھول کی طرف روڑا پھینکتا ہے۔ اسکا نشانہ خطا کرتا ہے۔ مگر جو حرکت پانی میں پیدا ہوگئی ہے اس سے تمام ارد گرد کے پھول سطح آب پر ہلنے لگتے ہیں۔"

ہندوستان میں مسیحی مذہب کی خاص رکاوٹیں!

ہاروسیٹ فیلڈ میں جنوبی ہند کے ایک پادری صاحب اپنے تجربہ سے اُن رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں جو مسیح کی سلطنت کی ترقی کے سدِراہ ہوتی ہیں۔ جو کچھ صاحب موصوف اپنے علاقہ کی نسبت فرماتے ہیں وُہی شمالی ہند پر بھی صادق آتا ہے۔ آپ اندرونی اور بیرونی دو قسم کی رکاوٹوں کا بیان کرتے ہیں۔ اوّل قسم وہ ہیں جو خصوصاً انجیل کی خدمت کرنے والوں کے متعلق ہیں۔ اور بیرونی رکاوٹیں وہ ہیں جو باہر سے انجیل کے پھیلنے میں سدِراہ ہوتی ہیں۔ اِن ہر دو اقسام کے ضمن میں خصوصاً تین تین امور پیش کئے گئے ہیں۔ اندرونی رکاوٹوں میں اوّل مناّدوں کی کمی کو رکھا گیا ہے۔ یعنے ہندوستان میں ڈیڑھ لاکھ باشندوں پیچھے فقط ایک مشنری ہے۔ حالانکہ مشنریوں کی تعداد اس سے کم از کم سہ چند ہونی چاہئے۔ دوئم کلیسا میں شک و شبہات۔ ابتک کلیسا میں اس امر کی نسبت بھی شبہ معلوم ہوتا ہے کہ انجیل تمام دُنیا کے لئے ہے یا نہیں۔ ہندوستانی کلیسا اس کی نسبت بے پرواہی کی حالت میں ہے۔ اور اُدھر یوروپین لوگ جنکو عوام مسیحی سمجھتے ہیں حقیقی مسیحی زندگی سے خالی ہیں۔ سوّم خدا کی طاقت کی نسبت بے ایمانی۔ انسانی وسایل پر بہت کچھ تکیہ کیا جاتا ہے اور خدا پر کافی بھروسہ نہیں رکھا جاتا۔ ہم اپنے کاروبار میں ایسے مشغول رہتے ہیں کہ دعا میں غفلت کرتے ہیں۔ بیرونی رکاوٹوں میں اوّل جگہ گناہ کی نسبت بے حس ہونے کو دی گئی ہے۔ کوئی ہندو کبھی یہ دُعا نہ کرے گا کہ "اے خدا میرے گناہ اور خطائیں مجھ پر ظاہر کر" وہ سمجھتا ہے کہ میرا جسم گناہ کرتا ہے اور موت کے وقت میں اس سے رہائی پاؤں گا۔ جو مذہبی رسوم وہ ادا کرتا ہے وہ محض عادت کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے ایسے شخص کو نجات دہندہ کی ضرورت کی نسبت سمجھانا اندھوں کے آگے رونا ہے۔ پھر قومی اور مذہبی غرور ہندوؤں کو مسیح کا مذہب اختیار کرنے سے روکتا ہے۔ آخری دشمن ذات ہے جس کی پابندی ہندوؤں کو ہلنے نہیں دیتی۔ مگر یہ تمام بیرونی رکاوٹیں دوسری قسم کی رکاوٹوں کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ یعنی اگر مسیحی کلیسیا کمر بستہ ہو کر مسیح کی بشارت مُلک میں پھیلانا چاہے تو یہ بیرونی رکاوٹیں یوں جاتی رہیں گی جیسے آفتاب عالمتاب کے سامنے سے صبح کے بادل اُڑ جاتے ہیں۔

عقیدہ

مذہبوں کا امتیاز ان کے عقیدہ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ مسیحی عقیدہ کے پہلے حصہ میں ایک خدا باپ پر ایمان رکھنے کا ذکر تھا جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔ اسکے ذریعے سے ہم بہت ہندو فرقوں اور بعض دیگر غیر قوم فرقوں سے الگ ہو جاتے ہیں جو یا تو بہت خداؤں کو مانتے ہیں یا اُسے غیر مشخّص روح۔ یا جہان کو قدیم کہہ کر خالق کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن یہاں تک ہمارا امتیاز یہودیوں۔ محمدیوں سے کچھ نہیں ہوتا وہ بھی ہمارے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں ایمان رکھتا ہوں۔ خدا قادرِ مطلق باپ پر جو آسمان وزمین کا خالق ہے۔

اب اس عقیدہ کے دوسرے و تیسرے حصہ میں جو بیان ہے وہ ہمکو یہودیوں اور محمدیوں سے الگ کر دیتا ہے۔ چنانچہ جب ہم نے کہا کہ میں ایمان رکھتا ہوں یسوع مسیح پر۔ تو ہم فوراً یہودیت سے نکل آئے۔ اگرچہ لفظ یسوع و مسیح یہودی نام و عبرانی الفاظ ہیں جو یہودیوں میں بہت مشہور تھے۔ مثلاً یسوع وُہی لفظ یشوع ہے جس نے بنی اسرائیل کو ملک موعود میں پہنچایا۔ جسکے معنی ہیں خداوند نجات دینے والا یا خداوند نجات دیتا ہے۔ فرشتے نے یوسف پر ظاہر ہو کر کہا کہ تو اسکا نام یسوع رکھیگا کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے بچائے گا (متی ۱: ۲۱) اب یہی نام سارے ناموں سے اعلیٰ نام ہو گیا۔ (فلپیوں ۲: ۱۹) اگرچہ یہودیوں نے اس یسوع کو رد کیا اور اپنے تئیں اسکا دشمن بنا لیا۔ یہی یسوع نجات دہندہ ہو گیا۔ اوّل تو اُس نے نجات کا طریقہ و وسیلہ ہم پر منکشف کیا۔ دوم اُس نے اپنی کامل فرماں برداری کی زندگی کے ذریعے اس نجات کو ہمارے لئے حاصل کیا۔ سوم آسمان پر سرفراز ہو کر یہ نجات وہ ان سب کو بخشتا ہے جو اسکے نام پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ ہمارا خداوند نہ صرف یسوع یعنی نجات دہندہ ہے بلکہ وہ مسیح بھی۔ جس پر مسح کیا گیا۔ یہودیوں میں تو تیل کا مسح ہوتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کو مقرر کرنے کے لئے۔ کاہن کو مقرر کرنے کے لئے۔ نبی کو مقرر کرنے کے لئے تیل ملا جاتا تھا اور یہ تیل رُوح القدس کا نشان تھا۔ اس یسوع نے جب حقیقی مسح روح کا حاصل کیا ظاہری تیل کے مسح کا محتاج نہ رہا۔ رُوح القدس کا یہ مسح حاصل کرنے سے وہ نبی کے عہدہ کو بجا لاتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی مرضی و ارادہ کو انسان پر منکشف کرتا اور خدا کی حقیقی عبادت کا طریقہ بتاتا ہے۔ یوحنا ۱۷: ۸ میں لکھا ہے "جو کلام تُو نے مجھے پہنچایا وہ میں نے اُنکو پہنچایا۔ نیز مقابلہ کرو استثنا ۱۸: ۱۸ و ۱۹ کا یوحنا ۶: ۱۴ و ۷: ۴۰ سے اُس نے بہ حیثیت کاہن سارے جہان کے گناہوں کے لئے قربانی چڑھائی۔ (عبرانی ۷: ۲۷) اور وہ

ملک صدق کے طور ہمیشہ کے لئے کاہن ہے۔عبرانی ۵: ۶+اپنی قربانی کے ذریعہ سے وہ ہمکو مقدس کرتا ہے۔تاکہ ہم خدا کے لئے زندہ قربانی بنیں۔رومیوں ۱۲: ۱۔اور وہ ممسوح بادشاہ ہے۔ اسکی روحانی سلطنت ہے (یوحنا ۱۸: ۳۶) اور وہ سارے دشمنوں کو مغلوب کریگا۔ہاں آخری دشمن موت بھی اس کے پانوں تلے آجائیگی۔ ا قرنتی ۱۵: ۲۶

یہ مسیح بادشاہ چونکہ قایم مقام خدا یا اس جہان میں اسکا وکیل ہے اس لئے اسکو ایک اور لقب دیا گیا ہے کہ وہ اسکا اکلوتا بیٹا ہے یعنی باپ کا اکیلا کامل وکیل۔دیگر کاہن انبیا اور سلاطین بھی کسی قدر جزوی طور پر اسکے قایم مقام یا وکیل تھے لیکن یہ یسوع مسیح ایسے طور سے کامل و یکتا وکیل ہے کہ کوئی دوسرا اسکی مانند ہو نہیں سکتا۔وہ اکلوتا بیٹا ہے جسکا ثانی کوئی نہیں۔اگرچہ یہ یسوع بلحاظ اعجازی پیدایش کے بھی خدا کا بیٹا ہے کہ خدا نے اسے عہدۂ مسیح پر مقرر کیا۔(یوحنا ۱۰: ۳۴ سے ۳۶) کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے کہا تم خدا ہو۔جبکہ اس نے انہیں جنکے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا۔ ... تو تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔"

اگرچہ وہ اس لئے بھی خدا کا بیٹا ہے کہ وہ مُردوں میں سے پہلے جی اُٹھا۔(اعمال ۱۳: ۳۳+رومیوں ۱: ۴) اگرچہ آسمان پر سرفراز ہونے کے لحاظ سے بھی وہ خدا کا بیٹا ہے لیکن ان سب سے اعلیٰ معنوں میں وہ خدا کا اکلوتا بیٹا ہے کہ وہ ازل سے خدا سے متولّد ہے جیسے نقایا کے عقیدہ میں آتا ہے کہ "وہ خدا سے خدا نور سے نور ہے"۔ یہ بلحاظ خدا کے تو بیٹا ہے لیکن بلحاظ انسانوں کے وہ خداوند ہے یعنی ہمارا بادشاہ یا یہوواہ جس نے ہمارے ساتھ عہد باندھا اور ہمکو اپنی خاص اُمّت بنایا۔اسکی مختصر تواریخ اس عقیدہ میں مندرج ہے۔ اوّل اسکا تجسّم بذریعہ روح القدس کے۔یعنی کلمۂ خدا کا انسانی ذات کے ساتھ تعلّق و اتحاد پیدا کرکے اپنے تئیں اس میں ظاہر کرنا۔خدا کسی قدر اپنی ساری مخلوقات میں ظاہر ہے لیکن جس قدر وہ انسانی ذات میں ظاہر ہو سکتا ہے اور کسی ذات میں نہیں کیونکہ ساری خلقت میں انسان اشرف المخلوقات ہے۔اس لئے خدا کے کامل مکاشفہ کے لئے اشرف مخلوق درکار ہے اور اشرف مخلوق میں سے اعلیٰ و اکمل شخص درکار ہے۔اس لئے یہ یسوع جو الٰہی کلمہ کا مظہر بنگیا کامل انسان بھی ہے۔لیکن اس تجسّم سے نہ صرف خدا کا کامل مکاشفہ ملا بلکہ انسان کے ساتھ خدا کے اتحاد کا ثبوت مل گیا اب ہر دیندار اس تجسّم کی بنا پر خدا کے ساتھ اتحاد رکھنے کی امید کر سکتا اور وہ اتحاد حاصل کر سکتا ہے۔علاوہ ازیں بنی انسان جو مختلف طبایع اقوام و مدارج و ذات کے لحاظ سے مختلف و متفرق تھے۔اب اس تجسّم کے لحاظ سے ایک ہی بدن بن سکتے ہیں۔اِس تجسّم کے لئے خدا کا ہر دم شکر کرنا چاہئے۔لیکن مخفی نہ رہے کہ جب اعلیٰ شخص اپنے آپ کو ادنیٰ کی صورت میں ظاہر کرتا ہے یا اپنے تئیں ادنےٰ کی جگہ رکھ دیتا ہے تو یہ اعلیٰ

کے لئے سخت تکلیف کا باعث بھی ہوتا ہے۔خاصکر جبکہ اس ادنیٰ حالت میں گناہ کی خرابی اور گندگی پائی جاتی ہے۔پس اس کلمۂ خدا نے خدا کی صورت میں ہو کے خدا کے برابر ہونا غنیمت نہ جانا لیکن اُس نے آپکو ہیچ کیا کہ خادم کی صورت پکڑی اور انسان کی شکل بنا اور آدمی کی صورت میں ظاہر ہو کے آپکو پست کیا اور مرنے تک بلکہ صلیبی موت تک فرماں بردار رہا۔فلپی ۲: ۶ تا ۸۔یہ دکھ و تکلیف نہ صرف تجسم کے لئے لازمی تھی بلکہ نوع انسان کی پاکیزگی کے لئے ضرور تھی۔جسے دوسرے الفاظ میں ہم کفارہ کہتے ہیں جس میں یہ دونوں خیال ملائے گئے ہیں۔اوّل خدا سے اتحاد۔ دوم گناہوں کی معافی اور زیستی۔ (علی بخش از لاہور)

مِشن فیلڈ

کانگڑہ۔ ماہِ جولائی گذشتہ میں یہاں کے یوروپین مشنری کے سب نوکروں کو بپتسمہ دیا گیا۔ اکتوبر میں ایک اَور لڑکی نے جو اسوقت سکول میں تھی بپتسمہ پایا۔کل تعداد ۱۶ ہوئی۔ایک راجہ کے لئے جو قریباً قایل ہو چکا ہے اور اسکے بیٹے کے لئے جو بالکل قایل ہے دُعا مطلوب ہے۔ایک برہمن کے لئے بھی جسکی بیوی اسکو بپتسمہ پانے سے روکتی ہے۔میجک لینٹرن اور طبی امداد کے ذریعے سے اچھا کام ہو رہا ہے۔

الگزنڈرا اسکول۔رابرٹ کلارک میموریل۔الگزنڈرا اسکول کی پُرانی طالبعلموں نے اپنے سکول کے بانی اور خیرخواہ بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب کی یادگار قایم کرنے کے لئے کئی طریق سے قریباً ایک ہزار روپیہ جمع کیا ہے۔سات سو روپیہ پہلے جمع ہو چکا تھا۔۱۳ اپریل کو مہاں سنگھ باغ لاہور میں مینا بازار لگایا گیا جس سے قریباً تین سو روپیہ کی آمدنی ہوئی اور یوں کل رقم ہزار تک پہنچ گئی۔اس موقعہ پر سکول کی موجودہ بڑی لڑکیاں بھی حاضر تھیں۔کلارک صاحب کے عہدہ سکرٹری سی ایم ایس سے سبکدوش ہونے پر پنجاب چرچ کونسل کی طرف سے ایک جلسہ الوداعی دیا گیا تھا اور چونکہ لیڈی سپرنٹنڈنٹ نے سکول کے احاطہ میں جلسہ قرار پانے کی اجازت نہیں دی تھی وہ احاطہ مذکور کے ملحقہ میدان میں قرار پایا تھا۔اس جلسے میں لیڈی سپرنٹنڈنٹ نے لڑکیوں کو شریک ہونے کی اجازت نہیں دی تھی اور عذر یہ کیا تھا کہ یہ ہندوستانی رسوم کے خلاف ہے کہ جوان لڑکیاں ایسے جلسے میں شریک ہوں۔مگر زمانہ کی تبدیلی چار سال بعد اسی سکول کی پُرانی اور موجودہ لڑکیاں لاہور مہاں سنگھ باغ میں جاکر جہاں جوان لڑکوں کا ایسا مجمع ہے مینا بازار لگاتی ہیں۔کیا ان چار سال کے عرصہ میں ہندوستانی رسوم تبدیل ہو گئی ہیں یا ہندوستانی رسوم کو بھول گئی ہیں۔

امریکین پرسبی ٹیرین مشن کی ۷۰ویں سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ بورڈنگ سکولوں اور یتیم خانوں کے متعلق صنعت و حرفت و دستکاری کی تعلیم بھی رائج کی گئی ہے۔ دیہات میں نو مریدوں کے بڑھ جانے سے کارندوں کی ضرورت ہے اور ہوم بورڈ سے درخواست کی گئی ہے کہ یوروپین مشنریوں اور ہندوستانی کارندوں کی تعداد دُگنی کی جائے۔ لیکن ہندوستانی کارندوں کی تعداد دُگنی کس طرح ہو سکتی ہے سوائے اسکے کہ نتھو اور خیرا بلا لحاظ لیاقت اور نیک کام کے پادری بنا دیئے جائیں۔ بیس کلیسیائیں کُلیاً یا جزواً اپنے پاسٹروں کی تنخواہ دیتی ہیں۔

ہندوستان میں مسیحوں کی تعداد از روئے مردم شماری سنہ ۱۹۰۱ء میں کُل تعداد مسیحوں کی ۲۹۲۳۲۴۱ ہے۔ مرد ۱۵۱۱۶۹۷ اور عورتیں ۱۴۱۱۵۴۴۔ اسمیں ۱۶۹۶۷۷ یوروپین و دیگر اقوام ممالک غیر بھی شامل ہیں۔ فوجی گورے بھی اس فہرست میں درج کیئے گئے ہیں۔ اس لئے مردوں کی تعداد ۱۲۲۵۹۶ ہے اور عورتوں کی ۴۷۰۸۱۔ یوریشین ۸۹۲۵۱:۔ مرد ۴۱۹۴۹ اور عورتیں ۴۷۳۱۰۔ ہندوستانی مسیحی ۲۶۶۴۳۱۳ ہیں جن میں سے ۱۳۴۴۱۶۰ مرد ہیں اور ۱۳۲۰۱۵۳ عورتیں۔ ۱۸ کلیسیاؤں کی تفصیل اس طرح پر کی گئی ہے:۔ ابی سینین ۹۔ کلیسیائے انگلستان ۴۵۳۰۹۹۔ آرمینی ۱۰۵۳۔ بپٹسٹ ۲۲۱۰۴۰۔ کلوین اسٹ ۹۸۔ کانگری گیشنل اسٹ ۳۷۸۷۴۔ گریک ۶۵۰۔ آزاد خیال ۱۵۰۷۔ لوتھرین ۱۵۵۴۵۵۔ میتھوڈسٹ ۷۹۹۰۷۔ صیغہ ڈنامینیشن ۲۲۶۹۹۰۔ پرسبی ٹیرین ۴۲۹۴۵۔ کویکر ۱۳۰۹۔ رومن کیتھلک ۱۲۰۲۱۶۹۔ مکتی فوج ۱۸۹۶۰۔ سریانی (جیکبائیٹ وغیرہ) ۲۴۸۷۴۱۔ سریانی (رومن) ۳۲۲۵۸۶۔ جنہوں نے کسی خاص کلیسیا سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کیا ۱۰۴۷۸۵۔ سریانی مسیحیوں کو نکال کر پروٹسٹنٹ کی تعداد رومن کیتھلک کے برابر ہے۔

بنگال میں مسیحی جماعت کی کل تعداد ۲۷۵۱۲۵ ہے۔ جن میں سے ۲۷۳۷۷ یوروپین۔ ۲۳۰۲۸ یوریشین۔ اور ۱۰۷۴۴۴ ہندوستانی ہیں۔ از روئے فرقہ بندی لوتھرین ۶۸۵۹۶۔ کلیسیائے انگلستان ۶۰۹۴۴۔ بپٹسٹ ۲۱۱۰۳۔ پرسبی ٹیرین ۴۶۵۷۔ میتھوڈسٹ ۳۸۵۸۔ کانگری گیشنل ۲۰۵۱۔ اور رومن کیتھلک ۱۰۷۷۱۸۔

اضلاع متحدہ میں کل مسیحی ۱۰۲۴۶۹ ہیں۔ یعنی یوروپین ۲۸۴۱۰۔ یوریشین ۵۲۱۸۔ اور ہندوستانی ۶۸۸۴۱۔ ان میں سے میتھوڈسٹ ۵۱۵۴۷۔ کلیسیائے انگلستان ۲۸۱۱۸۔ رومن کیتھلک ۱۰۷۲۵۔ پرسبی ٹیرین ۵۰۹۲۴۔ کانگری گیشنل ۵۵۷۔

مُوسوی شریعت میں حفظانِ صحت کے قوانین

جس زمانہ میں خدا نے یہودی قوم کو موسیٰ کے ذریعے حفظانِ صحت کے قوانین عطا کئے وہ قوم ایک خانہ بدوش اور صحرا نورد گروہ تھی ۔ اور جس طور پر دُنیا کی تواریخ میں خدا نے یونانیوں کو حکمت اور رومہ والوں کو زبردست سلطنت ودیعت کر کے ثابت کر دکھایا تھا کہ کوئی قوم محض حکمت یا حکومت کے کے ذریعے انسانیت کے کامل عروج تک نہیں پہنچ سکتی اب بنی اسرائیل میں اپنی خاص حضوری اور جلال رکھ دینے سے اُسے اِنسان کو اسی کے مُنہ سے قایل کرنا تھا کہ میں محض شریعت سے اپنے اصلی پایہ تک سرفراز نہیں ہو سکتا ۔ اِسکے لئے کوئی اَور آسمانی طاقت درکار ہے ۔ اِنسان کی اِس لاچاری کو پُورے طور پر واضح کرنے کی خاطر خدا نے یہودیوں کو دیگر اقوام سے الگ کر کے ایک محدود احاطہ کے اندر گویا بند کر دیا تاکہ کوئی سبب اُن کے شریعت کے پابند ہونے میں مخل نہ ہو سکے۔ اسی وجہ سے خدا نے ان کو وہ قوانین بھی بخشے جو ایک قوم کی علیحدہ زندگی کے لئے ضروری تھے ۔ حفظانِ صحت کے قواعد بھی اُسی مجموعہ قوانین کا ایک حصّہ ہیں ۔ اور ان کا جو اثر اس قوم پر ہُوا وہ یہودیوں کی موجودہ حالت سے ظاہر ہے کہ باوجود دُنیا میں تتر بتر اور خراب وخستہ ہونے کے وہ کسی دوسری قوم کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے ۔ دیگر اقوام جن کو مختلف علاقوں میں منتشر ہونا پڑا اَوروں کے رنگ اختیار کر کے ایسی شیر وشکر ہو گئیں کہ اُن کی ہستی کا سلسلہ ہی رفتہ رفتہ معدوم ہو گیا یا کم از کم بلحاظِ قومیت ناقابل شناخت ہو گئیں ۔ مگر یہودی قوم ہے کہ دُنیا میں جہاں کہیں دیکھو اپنا رنگ ڈھنگ ہی نرالا رکھتی ہے ۔ اِسوقت ہم مختصر طور پر اس عجیب قوم کے چند قوانین کی علّت اور ضرورت پر غور کرینگے ۔

اوّل اُن کی خوراک کو لیجے ۔ ہر قسم کی جاندار مخلوق پاک اور ناپاک دو حصّوں میں منقسم ہے ۔ یہودی خود اس تقسیم کی نسبت یہ سمجھتے تھے کہ ناپاک حیوانات وہ ہیں جن کے کھانے سے اور دیگر امراض پیدا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے خدا کی عبادت میں ہرج ہوتا اور نیکی کرنا محال ہو جاتا ہے ۔ خوراک میں حل وحرمت کا سوال سوائے دو مستثنیات کے یعنی جنکا ذکر احبار ۲۲ : ۱۴ میں کیا گیا ہے ہر قسم کے گوشت کی نسبت تھا ۔ اِن ممنوع حیوانات کا مفصّل ذکر احبار کے گیارھویں باب اور استثنا کے چودھویں باب میں مندرج ہے ۔ قابلِ لحاظ ہے کہ فقط چند جانوروں کا نام ممنوع جانوروں میں خاص طور پر لیا گیا ہے ۔ یعنی اونٹ اور سافن اور خرگوش اور سوئر اور نیول (یعنی چھچھوندر) اور چوہا ۔ حلال جانوروں میں سے خاص چار اقسام کا ذکر ہے یعنی بیل اور بھیڑ اور بکری اور آہو کا ۔ سوائے ہِرَن کے سب حلال جانور ایسے ہیں گوشت کثرت سے دستیاب ہو سکتا ہے ۔ چوپایوں میں وہی حیوانات حلال تھے جن کے کُھر

چرے تھے۔ اور جو جگالی کرتے تھے۔ چونکہ مذکورہ بالا ممنوع جانور ایک نہ ایک امر میں اِن سے مشابہ تھے۔ اسلئے اُن کا نام خصوصاً لینا پڑا۔ یہودیوں میں ان کی نسبت بعض عجیب خیالات اور روایات مروّج ہیں۔ مثلاً اُونٹ اس لئے حرام کیا گیا کہ باربرداری کے لحاظ سے قیمتی جانور ہے۔ اِسکے بدن سے نہایت سخت عفونت آتی ہے۔ اسکا گوشت سخت اور مضرِ صحت ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ یعقوب بیابان میں بیمار ہو گیا اور چونکہ سوائے اُونٹ کے گوشت کے اَور کوئی سبب بیماری کا نظر نہ آتا تھا اس نے اپنی اُولاد کو تاکید کی کہ اسکا گوشت کوئی نہ کھائے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حیوان حد درجہ کا کینہ جُو ہے۔ اسلئے اسکا گوشت ہرگز نہیں کھانا چاہئے۔ سافن کی نسبت ایک رّبی کا قول ہے کہ یہ جانور بلّی اور چوہے اور خرگوش اور دیگر ناپاک حیوانات کی طرح کثرت سے بچّے دیتا ہے۔ شاید اسکا گوشت اس لئے بھی منع کیا گیا ہو کہ اسکو ایک ایسا چوہا سمجھا گیا ہے جو ملک مصر میں متبرک مانا جاتا تھا۔ خرگوش بھی بہت کثرت سے بچّے دیتا ہے اور عموماً اسکے بچّے بے ڈول ہوتے ہیں۔ قدیم طبّی مصنّف کہا کرتے تھے کہ اسکے کھانے سے خون رقیق اور سیاہ ہو جاتا ہے۔ سُوّر کی ناپاکی کا ذکر سب سے زیادہ مقامات میں پایا جاتا ہے۔ بعض مصنّف مائے زن ہیں کہ اسکے گوشت سے برص کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ کلیمنٹ اسکندری کا قول ہے کہ جس حیوان پر چربی چھا گئی وہ اَدنٰی ترین انسانوں سے مشابہ ہے اور اسلئے اسکا گوشت کھانا ناجائز ہے۔ اور یہ تو عام طِبّ کے رسالوں میں مندرج ہے کہ اس حیوان کا گوشت انسان کے جسم میں کدّو کیڑے اور دیگر خطرناک کرم پیدا کرتا ہے۔ نیولا بھی یہودی کتب میں ایک نہایت وحشی صفت جانور کہلاتا ہے۔ جو بچوں کا گلا کاٹ ڈالتا ہے۔ چوہا ہر طرح سے ناپاک اور خوردنی اشیا کا دشمن ہے۔ یہودیوں میں ایک سوال کیا کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ کُتّا اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور بلّی نہیں پہچانتی؟ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ وہ چوہے کھاتی ہے اس کے دماغ میں فتور آجاتا ہے اور حافظہ کی طاقت جاتی رہتی ہے۔

عام گوشت میں چربی اور خون کھانے کی ممانعت تھی۔ شاید اس سے وہ چربی مراد ہے جو قربانی کےلئے ذبح کئے ہوئے حیوانات کے گُردوں وغیرہ کے گرد ہوتی ہے۔ لہو کو جان کہا گیا تھا اسلئے جان کی عزت کی جاتی تھی اور لہو بہانے سے حیوانات کے کامل طور پر ذبح ہونے کا کافی ثبوت ملتا تھا۔ بمقابلہ اسکے دیگر اقوام میں ایک عضو کا کچّا گوشت کھانے کا رواج تھا۔ لہو کھانے کی ممانعت اوّل مسیحی نَومریدوں کو بھی کی گئی۔ دیگر ممنوع جانوروں میں سے تمام شکاری پرندے حرام تھے کیونکہ ان کا گوشت بدبُودار اور مضرِ صحت تھا۔ دیگر کیڑے مکوڑے کھانے والے جانوروں کی نسبت بھی یہی حکم تھا۔ قدیم زمانہ میں یہ ایک عام اعتقاد تھا کہ جن حیوانات کا گوشت انسان کھاتا ہے انہیں کی صفات اسمیں پیدا ہو جاتی ہیں یا جن جانوروں کے شکار میں وہ وقت صرف کرتا ہے انہیں کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ

سے وہ جانور منع تھے جو ظالم اور بے رحم تھے یا ناپاک زندگی بسر کرتے تھے۔
شتر مرغ ایک ادھورا پرند سمجھا جاتا تھا جس کے بازو تو ہیں مگر زمین سے اوپر پرواز نہیں کر سکتا اسکا گوشت دیر ہضم اور انڈے ثقیل اور مضر صحت ہیں۔ اونٹ کی طرح یہ جانور بھی کینہ توز ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ حیوانات میں سے تو پاک کا نام خصوصاً لیا گیا ہے اور پرندوں میں سے ناپاک کا۔ اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جس قسم کے جانور کثرت سے پائے جاتے ہیں ان کا نام نہیں لیا گیا۔ مثلاً حیوانات میں سے زیادہ تر ناپاک ہیں تو ان میں سے پاک کا ذکر کیا اور پرندوں میں پاک کثرت سے ہیں اِس لئے ان کی ناپاک اقسام مفصّل بیان کی گئیں۔ بعض اوقات مردار جانوروں کو چھونا ہی ناپاک کہا گیا ہے۔ اور بعض ممنوع جانوروں کی اعلیٰ صفات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً گدھا امیروں کی سواری کے لئے مخصوص جانور تھا۔ عقاب اپنی تیز پروازی اور طاقت میں ضرب المثل تھا۔ گھوڑا طاقتور اور دلیر حیوان بیان کیا گیا ہے۔ کوّے خدا کے رازق وروزی رساں ہونیکا ثبوت ہیں۔ اِن مثالوں سے ظاہر ہے کہ ناپاک حیوانات کی سرشت کو ناپاک نہیں کہا گیا۔ فقط غذا وغیرہ کے لحاظ سے ان کو پاک یا ناپاک کہا گیا ہے۔

بنی اسرائیل اوّل ملک مصر میں اور بعد ازاں ملک کنعان میں کثرت سے مچھلی کھایا کرتے تھے۔ بلکہ یروشلم میں ایک دروازہ کا نام مچھلی پھاٹک تھا۔ یہ جو ممانعت کی گئی کہ وہ آبی جانور نہ کھائے جائیں جن کے پر اور چھلکے نہیں ہوتے اس سے یہ غرض تھی کہ بحری یا ساحل دریا کے رینگنے والے جانوروں سے امتیاز کیا جائے۔ اور یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ جن مچھلیوں کے پر اور چھلکے نہیں ہوتے وہ عموماً سخت یا مردار خور ہوتی ہیں۔ گرگٹ اور چھپکلیوں کی اقسام کیڑوں پر گذارہ کرتی ہیں اور بعض کا کاٹا پاگل کتے کی طرح زہریلا سمجھا جاتا ہے۔ جس بیل کو پتھراؤ کر کے مار ڈالا ہو اسکا گوشت کھانا منع تھا کیونکہ ایسی موت میں جسم کے اندر خون منجمد ہو جاتا ہے اور گوشت قابلِ استعمال انسانی نہیں رہتا۔
دو قسم کی نباتاتی اشیا اور ناختون میوہ جسکا ذکر احبار ۱۹ : ۲۳ میں ہے اِنکی نسبت ابن عزرا کا قول ہے کہ اوّل تین سال کا پھل ناپاک مچھلیوں اور دیگر ممنوع حیوانات کی طرح مضر صحت ہے اور ایک اَور مصنف بیان کرتا ہے کہ جس زمین میں نئی کاشت کی گئی ہو اس کے پہلے پھل کچھ جنگلی اور ناقص ہوتے ہیں۔

شخصی اور چھوت کی ناپاکی مردار حشرات الارض کے ناپاک ہونے کا خصوصاً بیان کیا گیا ہے۔ اس کا خاص سبب شاید یہ ہے کہ اس قسم کے جانور ملکِ کنعان میں کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اگر اُن کی نسبت خاص ہدایت نہ دی جاتی تو وہ گھروں کے اندر مر کر سخت متعفن ہو جاتے۔ مٹی کے برتن اور تنور اور چولھے جو مردار سے ناپاک ہوں اُن کو توڑ ڈالنے کا حکم تھا مگر اَور قسم کے برتنوں کو فقط پانی سے صاف

کرنا کافی تھا ۔ اس کا سبب تو ظاہر ہے کہ گلی برتن مسام دار ہوتے ہیں جنکے اندر مُردار مادّہ بآسانی جذب ہو سکتا ہے ۔ احبار کے پندرھویں باب میں مرد اور عورت کی خاص ناپاکیوں کا بیان ہے جو زمانۂ حال کے طبّی اور حفظانِ صحت کے قواعد کے عین مطابق ہے ۔ قربانی کے بعض خاص حصّوں کو چھُونے کی اجازت نہ تھی جس سے مقدس چیزوں کی عزت اور اعلیٰ منزلت ملحوظ تھی ۔ پاکیزگی کے پانی کا بھی اسی قسم کا مدّعا تھا کہ جو شخص اَوروں کو پاک کرنے والے ہیں وہ خود شخصی پاکیزگی کو مدنظر رکھیں ۔ گنتی کی کتاب کے انیسویں باب میں انسان کی لاش کی ناپاکی کا مفصّل بیان ہے ۔ اور پاکیزگی کی ہدایات واضح طور پر دی گئی ہیں ۔ جنکے نتائج یہودی قوم کے حق میں نہایت مفید ثابت ہُوئے ۔ مثلاً اِنہی ہدایات کی بدولت لاش کو جس قدر جلد ہو سکے دفن کرنے کی رسم رواج پکڑ گئی ۔ جو شخص پھانسی دیا جائے اسکی لاش کی نسبت استثنا ۲۱ : ۲۲ میں خاص حکم تھا کہ وہ درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ اسی دن گاڑی جائے ۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد سب لاشوں کو سورج غروب ہونے سے پیشتر گاڑنے کا دستور مروّج ہو گیا ۔ اس سے ایک اَور فائدہ بھی ہُوا ۔ یعنی چونکہ لاش کو جلد دفن کرنا ضرور تھا ۔ اس لئے اسکی تجہیز و تکفین کا انتظام نہایت ہی سادہ کرنا پڑتا تھا ۔ لاش کو چھُونے والے کی اوّل طہارت تیسرے روز ہُوا کرتی تھی ۔ اس قاعدہ کی وجہ سے ہر قسم کی بے پروائی اور بے ادبی کی روک تھام ہو جاتی تھی ۔ لاش کو نہلا کر (اور بعض اَوقات مسح کر کے مثلاً دیکھو متی ۲۶ : ۶) کپڑے پہنائے جاتے تھے ۔ اور اُن پر کفن لپیٹا جاتا تھا (اعمال ۵ باب) ۔ ان رسوم سے یہ مراد ہرگز نہ تھی کہ مصر کے مُردوں کی طرح اُنکو سڑاہٹ سے محفوظ رکھا جائے ۔ یہ امر یوحنّا ۱۱ : ۳۹ میں مارتھا کی اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ "اُس سے تو اب بدبُو آتی ہے کیونکہ اُسے چار دن ہُوئے ۔ بلکہ اس تجہیز و تکفین اور دیگر رسوم کا مدّعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دفن سے پیشتر لاش کی عفونت کو روکا جائے ۔ جس قبر میں مُردہ دفن کیا جاتا تھا اُسکی مٹی ناپاک متصور ہوتی تھی ۔ چنانچہ گنتی ۱۹ : ۱۶ میں آیا ہے کہ جو کوئی گور کو چھُوئے وہ سات دن تک ناپاک رہے ۔ اس سے غرض یہ تھی کہ مُردہ کے متعفن بخارات سے کوئی متاثر ہونے نہ پائے ۔ اس سے اس رسم کا آغاز ہُوا کہ لاش کے اوپر ایک ڈھنپی ہُوئی جگہ بنایا کرتے تھے جس سے بخارات منتشر ہونے بہ سہولت رُک جاتے تھے ۔ انسان اور مکان میں برص کی علامات اور اُنکی تشخیص ایسی مفصّل طور پر بیان ہُوئی ہے کہ اُنکا ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں (دیکھو احبار ۱۳ و ۱۴ ابواب) جس وقت بنی اسرائیل کو یہ شریعت ملی اُس وقت وہ لوگ خیموں میں بود و باش کرتے تھے ۔ اسلئے جن مکانات میں برص کا ذکر کیا گیا ہے وہ وہی مکانات تھے جن میں اُن کے کنعان پر قابض ہونے سے پیشتر غیر اقوام رہا کرتی تھیں اور جنکو بنی اسرائیل نے جا کر آباد کرنا تھا ۔ ان مکانات کی تہ میں غلاظت ایسی سرایت کر گئی تھی کہ سفید شور اُن کی دیواروں میں نمودار ہو جاتا تھا ۔ ایسے مکانات کی صفائی کے لئے خاص ہدایات دی گئیں ٭ (باقی دارد)

٭ اِس مضمون کے خیالات بہت کچھ پادری گلیس پائی صاحب کے انگریزی رسالہ سے اخذ کئے گئے ہیں ۔

وقت

(منقول از مخزن)

پرانے زمانے کا ایک شاعر جو اس دنیا سے سخت بیزار تھا اور جسے اس کی کوئی چیز پسند نہ آتی تھی۔ کرۂ زمین کی نسبت لکھتا ہے "اسکا بہت سا حصہ تو سمندر نے گھیرا ہوا ہے جو باقی رہا اس میں سے بہت سی جگہ پہاڑوں نے سنبھال لی ہے۔ جو کچھ ریت نے ہتھیا لیا ہے۔ بعض جگہ سورج کی جلا دینے والی شعاعیں ناک میں دم کرتی ہیں۔ اور بعض جگہ اس کثرت سے برف پڑتی ہے کہ زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ الغرض بہت ہی تھوڑا سا حصہ ایسا باقی رہتا ہے جہاں آدمی اپنی زندگی کے چار دن امن چین سے گذارے"۔

اس شاعر کا یہ قول خواہ زمین کے متعلق تو کچھ بھی نہ وقعت رکھتا۔ مگر ہاں البتہ وقت پر خوب عاید ہو سکتا ہے۔ مثلاً ہمارا بہت سا وقت تو سونے میں چلا جاتا ہے۔ کچھ ان ضروریات کے پورا کرنے میں جو قدرت نے ہمارے ذمہ ڈال دی ہیں صرف ہوتا ہے۔ جو باقی بچتا ہے اس میں سے کچھ حصہ رسم و رواج کے ادا کرنے میں لگانا پڑتا ہے۔ مثلاً زندگی کے ظاہری عیش کے سامان مہیا کرنے میں دوسروں کے ساتھ ملنے جلنے میں۔ اب تمام چیزوں سے جو بچ رہتا ہے اس میں سے کچھ بیماری کی نذر کرنا پڑتا ہے۔ اور بہت کچھ کاہلی و سستی کی بھینٹ چڑھتا ہے۔ الغرض وقت کا وہ حصہ جسکا ہم اپنے آپکو مالک سمجھ سکیں اور جسے ہم جہاں چاہیں خرچ کر سکیں بہت ہی تھوڑا رہ جاتا ہے۔ اس قلیل حصۂ وقت کو بھی ہم احتیاط سے نہیں برتتے اور روزمرہ بہت سا معمولی کاموں میں لگا دیتے ہیں۔ اور ہماری زندگی کا اکثر حصہ صرف اس کوشش میں گذر جاتا ہے کہ ہم اپنی باقی زندگی آرام سے گذاریں۔

اب چاہیئے یہ کہ اس حصہ وقت کو جو ہمارے لئے بچتا ہے ہم کفایت شعاری سے برتیں اور جتنا وقت کسی کام میں صرف کریں اس سے اتنا ہی بلکہ زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ جیسا کہ زمین کا وہ حصہ جو پہاڑوں اور سمندروں وغیرہ سے بچ رہتا ہے اپنے تمام باشندوں کے رہنے کے لئے کافی ہے اور اس میں اتنی پیداوار ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے کہ تمام اہل زمین اگر عمر بھر اسے کھاتے رہیں تو بھی بچ رہے۔ مگر ہم اپنے وقت کی قلت کی ہمیشہ شکایت کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں وقت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی استقلال اور ثابت قدمی کی ہے۔ کیونکہ باوجود وقت کی قلت کے شاکی ہونے کے ہم کچھ کرتے بھی نہیں۔ اپنی زندگی یونہی بیفائدہ لہو و لعب میں گذر جانے دیتے ہیں۔ کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ ہمارے پاس ایک کام کے لئے کافی وقت ہے۔ اس لئے معمولی باتوں میں مشغول رہتے ہیں۔ تھوڑے وقت کی تو کچھ پرواہی نہیں۔ بلکہ پانچ دس منٹ کے ضایع ہو جانے کا تو خیال کرنا فعل عبث سمجھا جاتا ہے

دیکھنے میں آیا ہے کہ یا تو قدرت کی طرف سے ہم میں یہ بات ودیعت رکھدی گئی ہے یا عادت کا

اثر ہے کسی بڑی چیز کا اگر اندازہ لگانا ہو تو ہم اسکے چھوٹے چھوٹے حصّوں کا علیحدہ علیحدہ اندازہ لگاتے ہیں۔ اور اگر کسی قلیل المقدار چیز کی بابیت یا قیمت ہم معلوم کرنی چاہیں تو ہم اسکے چھوٹے چھوٹے حصّوں کو یکجا کر کے اس نتیجہ کو پہنچتے ہیں۔ مثلاً ہمنے وقت کے بڑے حصّوں کو صدیوں اور سالوں پر منقسم کیا ہے۔ تاکہ کچھ اندازہ تو لگا سکیں۔ اب اسی قاعدے کے مطابق اگر ہم چند ایک منٹوں کی پوری پوری قدر کرنی چاہیں تو ہمیں ان کو یکجا کر کے یعنی اُن کے دن اور ہفتے بنا کر دیکھنا چاہئے۔ اس طرح کرنے سے ہم اچھی طرح معلوم کر لیں گے۔ کہ جو وقت ہم تھوڑا سا سمجھ کر ضایع کر دیتے ہیں۔ حقیقت میں قابل قدر چیز ہے اور سوچ سمجھکر برتنا چاہئے۔

دانائوں کا قول ہے کہ اگر تم پیسہ بھی خرچنے لگے ہو تو پہلے سوچ لو کہ آیا کسی ضروری چیز پر خرچ کرتے ہو یا نہیں۔ یہ ہرگز نہ خیال کرو کہ ایک پیسہ کی کچھ حقیقت ہی نہیں۔ کیونکہ لاکھوں روپے پیسہ پیسہ ہی ہوکر خرچ ہوجاتے ہیں۔ اسوقت ہم یہ خیال نہیں کرتے کہ اس جگہ خرچ کرنے سے کچھ حاصل بھی ہے یا نہیں مگر اخیر میں حساب کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ اتنے سو روپے اُٹھ گئے۔ بعینہٖ یہی حال وقت کے صرف کرنے کا ہوتا ہے۔ مثلاً جتنے منٹ ہم روز بے فائدہ ضایع کرتے ہیں اور ان میں بعض اوقات محض لایعنی بکواس کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ اُنہیں اگر جمع کیا جائے تو خاصہ اتنا بڑا حصّہ وقت بن جاتا ہے کہ بعض لوگوں کی زندگی کے دنوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اگر یہ حصّہ خود ہماری زندگی میں ابزاد کر دیا جائے تو ہم تھوڑے خوش نہ ہوں۔ مگر ہم خود اپنے پاؤں پر دیدہ و دانستہ کلہاڑی مارتے ہیں۔ اور مزے لیتے ہیں۔ کیا ہی تعجّب خیز بات ہے؟

ہمیں چاہئے کہ اگر ہم اپنی زندگی کے آخری دن آرام سے گذارنے چاہتے ہیں تو ہم آجکل وقت کے صرف کرنے میں احتیاط برتیں اور منٹ تو کیا منٹ کا چھوٹے سے چھوٹا حصّہ بھی غیر مفید باتوں میں صرف نہ کریں۔ کیونکہ آدمی کو زندگی کے اخیر میں بہت سی ایسی باتیں یاد آتی ہیں جو اُس نے نہیں کی ہوتیں اور جنہیں یاد کر کے وہ کف افسوس ملتا ہے۔ مگر بعد از وقت۔ اطالیہ کے ایک فلاسفر نے اپنا اصول یہ قرار دیا ہُوا تھا کہ وقت میرے لئے بمنزلہ اراضی ہے۔ جس میں اگر محنت سے کاشت کی جائے تو ہمیشہ زمیندار کو فائدہ ہی ہوتا ہے۔ اور اسکی محنت بہت اچھی وصول ہوجاتی ہے۔ مگر اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس اراضی کا کوئی حصّہ بھی غیر مزروعہ نہ چھوڑا جائے۔ اور احتیاط سب حصّوں کی یکساں ہو۔

زیادہ حصہ ابھی تک مختلف مشنوں کے سہارے پر ہے۔ کیوں زیادہ نوجوان صنعت وحرفت اختیار نہیں کر لیتے۔ ابھی تک ہاتھ کے کام کی قدر نہیں کی جاتی۔ مشنوں کی طرف سے جو انڈسٹریل سکول قائم ہیں وہ ہماری جماعت کیلئے نہایت ہی فائدہ مند ہیں۔ دکن کے چند ہندوستانی مسیحیوں نے نقاشی کا کام سیکھا اور ان کی اوقات بسری اچھی ہوتی ہے۔ اگر زیادہ لوگ صنعت وحرفت ودستکاری اختیار کریں تو مالی حالت بہت جلد بہتر ہو جائے۔ گذرے سال لودیانہ میں عورتوں کی کانفرنس کی طرف سے ایک بشارتی مجلس مقرر کی گئی۔ اس مجلس کا مقصد مشن اور پرسبی ٹیریل سوسائٹی کے کام میں مدد دینا اور انجیل کی بشارت دینا ہے۔ بمقام ہنار جہاں قریب ۵۰ مسیحی تھے ایک گرجا بنوایا گیا ہے۔ اسکے لئے عورتوں کی بشارتی مجلس نے ۱۵۲ روپیہ جمع کیا۔ ڈاکٹر [illegible] کی دختر مس [illegible] امریکہ سے امتحان ڈاکٹری پاس سند لیکر آئیں اور امریکن مرہٹی مشن کے متعلق کام کریں گی۔ نظام حیدرآباد کے سررشتہ تعلیم کے مسٹر ایم جی [illegible] کے دو بیٹوں کو [illegible] مشن چرچ میں بپتسمہ دیا گیا۔ بڑے کا نام [illegible] اور چھوٹے کا ایم جارج [illegible] گیا۔ [illegible] خیرات [illegible] مسٹر گلیڈسٹون [illegible] کو جو اکسفورڈ میں تعلیم [illegible]

کی نسبت زیادہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ ایسے فنڈ رکھنے کا سب سے بڑا فایدہ یہ ہے کہ جب ہم سے مدد مانگی جائے تو مقابلہ خیرات اور ہمارے درمیان نہیں ہوتا بلکہ مقابلہ مختلف مقاصد کے درمیان ہوتا ہے کہ کس مقصد کے لئے زیادہ مدد دی جائے۔ مناسب ہے کہ یہ فنڈ ہماری آمدنی کے ۱/۱۰ سے کم نہ ہو اور اس سے باقی روپیہ پر برکت آتی ہے۔ بتاریخ ۲ مئی بمقام کلکتہ پادری گارڈن فریزر ۹۲ سال کی عمر میں رحلت کر گئے۔ آپ سر اینڈریو فریزر لفٹنٹ گورنر بنگال کے والد ہیں اور ناگپور میں چرچ آف سکاٹلینڈ کے متعلق کام کرتے رہے اب تھوڑے عرصہ سے اپنے بیٹے کے ہاں مقیم تھے۔ لارڈ [illegible] صاحب کی تجویز کے متعلق پنجاب بائبل سوسائٹی کو انجیل کی جلدیں تقسیم کرنے کیلئے مبلغ ۴۰۵۰ روپے وصول ہوئے۔ پنجاب بائبل سوسائٹی کی سعی وکوشش سے ۷½ ہزار روپیہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کی صد سالہ سالگرہ کی یادگار میں جمع ہوا۔ آجکل رفتار زمانہ کو دیکھکر اور ملک اور سوسائٹی کی ضروریات کو محسوس کرکے اکثر مسیحی صنعت وحرفت کی طرف اپنی توجہ مبذول فرما رہے ہیں۔ چنانچہ جس طرح اور مقامات پر ہمارے ہموطنوں کی ہمت سے کارخانے کھل رہے ہیں اسی طرح آجکل شہر امرتسر میں بھی مسٹر [illegible] نے جرابیں بنانے کا ایک کارخانہ کھولا ہے۔ [illegible] شوق اور [illegible] ولایتی ودیسی ہر قسم کے جرابیں [illegible] مشینوں کے [illegible] عمدگی اور صفائی سے تیار ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ [illegible] سے زیادہ ارزاں [illegible] اُنکی ہمت افزائی اور قدردانی کیلئے مناسب ہے کہ [illegible] مسیحی [illegible] کوشش کریں [illegible] کارخانہ کی جو [illegible]

رسالہ مسیحی امرتسر

یہ رسالہ ہر ماہ کے آخری ہفتہ میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شائع ہوتا ہے۔ یہ اپنی طرز کا ایک ہی رسالہ ہندوستان بھر میں موجود ہے جو کسی مشن یا مشنری سے متعلق نہیں۔ اور غیر ممالک کے مسیحی رسالہ جات کے نمونہ پر اسے حروف میں چھاپا جاتا ہے۔ اس میں علاوہ گلدستہ اخبار اور نوٹ اور ریویو کے دیسی کلیسیا کی روحانی اور سوشیل حالت کے متعلق مضامین درج کئے جاتے ہیں اور انگریزی مستند مسیحی مصنفوں کی کتب اور مضامین کے ترجمے دیئے جاتے ہیں۔ جو مسیحی اصحاب اپنے قلم سے کلیسیا کی خدمت کرنا چاہتے ہیں انکے لئے اس کے کالم کھلے ہیں۔ چونکہ اس میں کلیسیا کے اندرونی حالات اور مشنری معاملات پر آزادانہ بحث کی جاتی ہے اس لئے اسکی اشاعت فقط مسیحیوں تک محدود ہے۔ کوئی مشن یا سوسائٹی اس کو کسی قسم کی امداد نہیں دیتی اس واسطے اس کا دارومدار بہت کچھ مسیحیوں کی خریداری پر منحصر ہے۔ اس کی ضخامت ۳۲ صفحہ ہے۔ اور باوجود بڑی تقطیع کے اس کا چندہ فقط [illegible] [illegible] سے مل سکتا ہے۔

درخواستیں بنام

[illegible] وکیل امرتسر

رسیدزر

از ۲۹ اپریل لغایت ۲۲ مئی ۱۹۲۲ء

پادری امام مسیح	لغایت اکتوبر ۱۹۲۳ء			۲—۸—۰
پادری امام شاہ	″	دسمبر	″	۲—۰—۰
پادری عنایت اکرم	″	″	″	۲—۰—۰
بابو ٹیک چند	″	″	″	۲—۰—۰
مسز ڈکنفس	″	″	″	۲—۰—۰
مسٹر مکلین	″	″	″	۲—۰—۰
ڈاکٹر وائٹ برکٹ	″	″	″	۲—۰—۰
پادری [illegible]	″	″	″	۲—۰—۰
مسز سلامت علیخاں	″	″	″	۲—۰—۰
ڈاکٹر ایوینگ	″	″	″	۲—۰—۰
پروفیسر رودرا	″	″	″	۲—۰—۰
پادری کے مشوحا	″	″	″	۲—۸—۰
پادری ڈبلیو لب	″	″	″	۲—۰—۰
پادری غلام مسیح	″	″	″	۲—۰—۰
مس کیمبل	″	″	″	۴—۰—۰
ڈاکٹر پینیل	″	″	″	۲—۰—۰
پادری بائیتل	″	″	″	۲—۰—۰
پادری کارلیس	″	″	″	۴—۰—۰
ڈاکٹر عطاء اللہ	″	″	″	۲—۰—۰
مس ہڈکسن	″	″	″	۲—۰—۰
پروفیسر سراج الدین	″	″	″	۲—۰—۰
ڈاکٹر [illegible]	″	″	″	۲—۰—۰
پادری [illegible]	″	″	″	۲—۰—۰
مسٹر [illegible]	″	″	″	۲—۰—۰
پادری [illegible]	″	″	″	۲—۰—۰

[illegible] امرتسر [illegible]

THE MASIHI

رسالۂ مسیحی امرتسر

جون ۱۹۰۴ء

قیمت سالانہ پیشگی یا بذریعہ قیمت طلب پارسل
دو روپیہ معہ محصول ڈاک

فہرست مضامین

نوٹ بک

لاہور کے پادری ای ایف ای وگرم کی منگنی مس [illegible] صاحبہ سے قرار پائی۔ مس صاحبہ بھی پادری صاحب موصوف کی طرح نجیب الطرفین اور خاندانی ہیں۔ مقیمان مہان سنگھ باغ ایسے ہی مبارکباد کے مستحق ہیں جیسے صاحب موصوف۔ کیونکہ آپکا تعلق مسیحیوں اور دیگر مقیمان مہان سنگھ باغ سے ایک معمولی شہری کے تعلق سے کچھ بڑھکر ہے۔ اور اب کچھ اور ہی بڑھکر ہونے کی امید ہے۔ شادی ماہ اگست کے شروع میں ہوگی۔ پنجاب بائبل سوسائٹی کے سکرٹری مسٹر چرچ کی منگنی بٹالہ کی مس [illegible] سے قرار پائی۔ بتاریخ ۱۹ مئی بمقام بنوں قاضی عبد الرحمن نے [illegible] برس کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ بائبل مقدس کے زبان پشتو میں ترجمہ کرنے میں پادری ٹی جے ایل [illegible] کے مددگار تھے اور بشپ [illegible] و پادری [illegible] صاحب کے منشی رہ چکے ہیں۔ آپنے آنکھو [illegible] تھے لیکن ان کا جنازہ محمدی طریق [illegible] جنگ بار میں پادری ای [illegible] [illegible] لیکن خیر گذری [illegible] [illegible] اعلیٰ افسر [illegible] [illegible] [illegible]

افسروں کو سلامت رکھے۔ سی ایم ایس [illegible] کی رپورٹ بابت سالگذشتہ میں بہت اضافہ ہے۔ ۵۵ غیر مسیحیوں ۳۵ بالغ اور ۲۰ بچوں نے بپتسمہ پایا۔ ایک زمیندار نے ۲۴ چمار فصل کاٹنے کے لئے ملازم رکھے۔ تین دن میں انہوں نے ۶ بگھہ فصل صاف کی۔ کاٹی کسٹ کی سفارش پر زمیندار مذکور نے ۸ مسیحی مردوں کو امتحاناً کام پر لگایا اور ان کو اتنی ہی زمین کاٹنے کو دی۔ ان مسیحیوں نے ایک دن میں ۶ بگھہ زمین کاٹ لی۔ اب زمیندار موصوف صرف مسیحیوں ہی کو ملازم رکھتا ہے۔ سنڈے سکول کا سالانہ امتحان بتاریخ ۱۶ جولائی بروز سنیچر بوقت ۷ تا ۱۰ بجے صبح ہوگا۔ جہاں کہیں سنڈے سکول ہوں۔ وہاں کے سپرنٹنڈنٹ جنرل سکرٹری کو لکھکر امتحان کا انتظام کر سکتے ہیں۔ امتحان کے درجے حسب ذیل ہوں گے۔ استادوں کے لئے۔ بلا لحاظ عمر۔ درجۂ اعلیٰ۔ اس میں وہ طالبعلم شامل ہو سکیں گے جو امتحان کے دن ۱۸ برس کے ہو چکے ہوں۔ [illegible] ۱۲ سے [illegible] ۱۸ [illegible] [illegible] [illegible]

نوٹ اور رہائیں

مشنریوں اور ہندوستانی مسیحیوں کا باہمی تعلق کہاں تک ممکن ہے ؟

ایک مسیحی برادر جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے ڈاکٹر پنیل صاحب کے اس مضمون پر جو ماہ گذشتہ کے مسیحی میں شایع ہوا اٹھائیوں رقمطراز ہیں: "آپ کے گذشتہ مہینہ کے پرچہ میں ڈاکٹر پنیل کا مضمون دیکھکر میں تو حیران رہ گیا۔ کہ ایسے آزاد منش مشنری کے قلم سے ایسے خیالات ظاہر ہوں۔ اگر کوئی اور مشنری یا کوئی اُن کا بالکا ایسے خیالات ظاہر کرتا تو چنداں تعجب کی بات نہ ہوتی۔ مگر ڈاکٹر صاحب موصوف سے ایسے خیال خلاف کلام وتجربہ کا اظہار باعثِ حیرت ہے۔ چنانچہ وہ صفحہ ۱۵۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "بیشک یہ امر برعکس اسکے تسلیم کے قابل ہے کہ عادات وقومی تفاوت کی وجہ سے انگریز مشنری صاحبان اور اُن کے ہندوستانی عیسائی بھائیوں میں ایسی نزدیکی کا رشتہ یا تعلق ہونا محال بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن ہے۔ جو خداوند مسیح اور اُسکے شاگردوں کے درمیان تھا۔" میں ڈاکٹر صاحب کے اس خیال کو تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ الٰہی اور انسانی تجربہ کے خلاف ہے (یہاں پر آپ دو مشنری صاحبان کا ذکر خیر بطور مثال کے پیش کرتے ہیں جنکا راہ رابطہ اور نزدیکی تعلق ہندوستانی مسیحیوں کے ساتھ رہا ہے) ..... پھر میں نے ان سے ذرا کم درجہ پر اور بھی دو ایک مشنریوں کو دیسیوں سے راہ ورابطہ رکھتے دیکھا ہے جبکہ اس قسم کے میل ملاپ اور راہ ورابطہ کی مثالیں موجود ہیں۔ تو پھر ڈاکٹر صاحب موصوف کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ یوروپین مشنریوں کے دل میں یہ بات جم گئی ہے کہ اگر ہم دیسیوں سے زیادہ میل جول رکھیں تو ہم بیمار ہو کر جلدی مرجائینگے۔ میری عرض ہے کہ دوسروں کی بھلائی میں ہماری جان جاتی ہے تو اور کیا چاہئے۔ یہ جان مسیح کی ہے کس کام کے واسطے۔ اگر دس آدمی ڈوب رہے ہیں۔ اور میں دریا میں کود کر اُن کو بچا سکتا ہوں۔ اور اُن کے بچانے میں میری جان جاتی ہے اور وہ بچ جاتے ہیں تو پھر کیا چاہئے۔ ہماری سچی مسیحی محبت کا ثبوت یہی ہے کہ ہم دوسروں کے واسطے اپنے آپ کو قربان کریں۔ تاکہ مسیح کو جلال ہو۔ اور رُوحوں

کی بہتری۔ صاف بات تو یہ ہے۔ خواہ کسی کو بُری لگے یا بھلی۔ جب تک ذکریاہ کے بیٹے یوحنا کی طرح بہ نہ کہ سکیں کہ وہ بڑھے۔ پر میں گھٹوں۔ ہم میں سے کوئی نہ مشنری۔ نہ منّاد۔ اور نہ مسیحی ہو سکتا ہے۔ اگر بقول ڈاکٹر پنیل میل اور اتحاد ناممکن ہے۔ تو واللہ مسیحی ہونا بھی ناممکن ہے"۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر پنیل صاحب کا خیال بھی کسی حد تک درست ہے جبکہ ایک ہی ملک کے رہنے والے اشخاص مختلف طبایع رکھتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ مسیحی کلیسیا میں بھی ایسے پولس اور برنباس ہوں جو ایک جگہ ملکر کام نہ کر سکتے ہوں۔ اور آب و ہوا کا اثر جو طبایع پر ہے اُس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تو مختلف ممالک کے مسیحیوں میں سوشل حالت کا اختلاف ضرور ہو گا۔ اور مختلف رہ و رسم کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تفاوت ضرور رہے گا۔ مگر ہم اپنے نامہ نگار صاحب کے جواب میں پیشقدمی کرنا نہیں چاہتے۔ اُمید ہے کہ ڈاکٹر پنیل صاحب خود اسکا کافی و وافی جواب دے کر سائل کی تسلی کر دینگے۔

بے زبان حیوانات کے ساتھ ہمدردی۔ تمام دُنیا میں اور خصوصاً ہمارے ملک میں حیوانات پر ایسی سخت بے رحمی ہوتی ہے کہ ہم اس مضمون کی طرف بار بار اپنے ناظرین کو توجہ دلانا فائدہ سے خالی نہیں سمجھتے۔ حیوانات پر رحم کرنا ان انسانی صفات میں سے ہے جو مسیحی مذہب کی بدولت دنیا کے لئے برکت کا باعث ہو رہی ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ دیگر مذاہب میں بھی یہ ہمدردی کا خیال کسی خاص حد تک پایا جاتا ہے مگر اس کا کمال صرف اُسی مذہب میں ہو سکتا تھا جس نے خدا کی محبت کا بھید انسان پر کھول دیا۔ کلیسیا کے سب سے تاریک زمانہ میں بھی ہمدردی حیوانات کی ایسی روشن نظایر موجود ہیں جن سے اس سخت تاریکی میں بھی جا بجا نُور کی کرنیں دکھائی دیتی تھیں۔ تھیبائڈ کے صحرانورد مسیحی فقیروں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جنگلی جانور بلا روک ٹوک ان کے درمیان بود و باش کرتے تھے اور کبھی کسی کو ضرر نہ پہنچایا۔ اسیاسی کا رہنے والا مقدس فرانسیس بھیڑیوں کو اپنا بھائی اور پرندوں کو اپنی بہنیں کہا کرتا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ اگر کوئی آدمی مسیحی ہو تو اُسکے کُتے اور بلی کو بھی اسکی مسیحیت کا پتہ لگ جائیگا۔ ایک موقعہ پر وسط افریقہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ اس علاقہ کے کُتے بھی مسیحی مذہب کے فواید سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ موسوی شریعت کے قوانین اگرچہ سخت

بیان کئے جاتے ہیں مگر چونکہ اُن میں خدا کی آواز تھی جا بجا رحم کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ قابل لحاظ ہے کہ کوہِ سینا پر جب خدا نے نہایت مہیب منظر کے درمیان دس احکام عطا کئے تو اُس نے بیل اور گدھے کو فراموش نہ کیا۔ پھر داؤنے کے وقت بیل کا مُنہ باندھنا منع تھا۔ اور حلوان کو اسکی ماں کے دودھ میں پکانے کی اجازت نہ تھی۔ بلکہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کی نسبت حکم تھا کہ" تو بچّوں کو ماں سمیت مت پکڑیو"۔ اور پھر ہمارے خداوند کی زندگی میں حیوانات کا کیسا عجیب ذکر ہے۔ وہ چرنی میں پیدا ہُوا۔ (جہاں مصوّروں کے قلم نے بیلوں کو چرنی میں گھاس کھاتے دکھایا ہے)۔ روح القدس کبوتر کی صورت میں اس پر نازل ہُوا۔ اور اپنی آزمائش کے وقت چالیس دن تک" جنگل کے جانوروں کے ساتھ رہتا تھا"۔ وہ اپنی تمثیلوں میں چڑیوں اور مرغی اور لومڑیوں وغیرہ کا ذکر کرتا تھا۔ اور پھر قطع نظر اور باتوں کے حیوانات سے کس قدر فائدے انسان کو حاصل ہیں۔ جنکے عوض میں ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے ساتھ پُوری ہمدردی کریں۔ اور یہ ہمدردی خاص ان کے دُکھ و تکلیف میں نہ ہو بلکہ ہم ہمیشہ اُن کو رحم اور پیار کی نگاہ سے دیکھا کریں۔ کاش ہم اُس چھوٹی دعا کو جو کچھ عرصہ ہوا مسیحی میں شایع کی گئی تھی بار بار خدا سے مانگا کریں۔

جنگ روس و جاپان۔ بعض امور کے لحاظ سے یہ جنگ نہایت حیرت افزا ہے۔ یورپ کے محققین ایشیا کو ایسا گیا گذرا سمجھتے رہے ہیں کہ اس کے عروج کی کوئی اُمید باقی نہ تھی۔ مگر جاپان کی فتوحات نے اُن کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اور اب اندیشہ ہو رہا ہے کہ اگر جاپان فتحیاب ہو کر چین کو اپنے ساتھ ملالے تو یورپ کی تمام طاقتوں کو ایشیا سے خارج کر دیگا۔ ہم مسیحیوں کے لئے ایک بات غور طلب ہے کہ کیا وجہ ہے کہ روس باوجود مسیحی سلطنت ہونے کے ایسا ہلکا نکلا ہے۔ اور جاپان جو مسیحی ملک نہیں کہلاتا ترقی کے اعلیٰ زینہ پر ہے۔ اِس کا جواب مدراسی ہمعصر کے الفاظ میں یہ ہے کہ" یہ ہماری غلطی ہے کہ جو ملک مسیحی ہونیکا دعویٰ کرتا ہے ہم اعلیٰ پایہ پر ہونا اسکا حق سمجھتے ہیں۔ جاپان میں روس کی نسبت مسیحی رُوح زیادہ پائی جاتی ہے۔ روس میں گروہ کے گروہ مسیحی ہو گئے۔ وحشی اقوام کے کلہم فرقوں نے مسیحی مذہب اختیار کر لیا۔ مگر مسیحی کلیسیا کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کا اثر اُن پر مطلق نہ ہُوا۔ اس ملک کے دیہاتی لوگ چین کے بُت پرست باشندوں سے کسی امر میں بہتر نہیں ہیں۔ مسیحی تہذیب کی برکات سے

روس کی قومی زندگی بے بہرہ رہی ہے۔ یونانی کلیسیا اس نام کی مسیحیت کو کافی سمجھتی ہے اس کے مقابلہ میں جاپان کی تہذیب مسیحی رُوح سے شرابور ہے۔ اسمیں ترقّی کا مادّہ موجود ہے۔ جو جاپان کو دلیری کے معرکوں پر آمادہ کر رہی ہے۔ پھر جاپان کی مسیحی کلیسیا اذیت اور موت کے مقابلہ میں سینہ سپر رہی ہے۔ الخ"

تواریخ بائبل میں سے ایک نکتہ۔ عموماً عہدِ عتیق کے بعض قصّوں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اخلاقی پایہ سے گرے ہُوئے بلکہ فحش ہیں اور اُن کا پڑھنا نقصان کا باعث ہے بلکہ بعض لوگ ان کو یہاں تک قابلِ نفرت سمجھتے ہیں کہ عبادت کے وقت ان کا پڑھنا روا نہیں رکھتے۔ ایسے قصّوں میں سے لوط اور اسکی دو بیٹیوں کا احوال ہے۔ جو پیدائش کی کتاب کے انیسویں باب میں مندرج ہے۔ بقول فورتس مچل صاحب جو لوگ ایسے حالات کو کتابِ مقدّس میں سے خارج کرنا مناسب سمجھتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ مسیحیوں کو اُس سے کیا سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیا یہ نہیں لکھا کہ "پاک لوگوں کے لئے سب کچھ پاک ہے پر ناپاکوں اور بے ایمانوں کے لئے کچھ پاک نہیں۔ بلکہ اُن کی عقل اور امتیاز کرنے کا دل ناپاک ہیں۔ (ططس ۱: ۱۵) صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ پیدائش کی کتاب کا مذکورہ بالا واقعہ قانونِ نکاح کی شریعت سے قریباً چار سو سال پیشتر گذرا۔ اور بقول رسول پولُس "جہاں شریعت نہیں وہاں نافرمانی بھی نہیں" (رومیوں ۴: ۱۵) پس لوط کی بیٹیوں نے کسی شریعت کی خلاف ورزی نہ کی۔ حالانکہ سدوم کے باشندوں کا جُرم خلافِ وضعِ فطری ہونے کی وجہ سے قابلِ نفرت تھا۔ جو کچھ لوط کی بیٹیوں نے کیا وہ ان کے ایمان نے کروایا۔ اُن کے اس فعل کا مدّعا بخوبی سمجھنے کے لئے ضرور ہے کہ اُن کے خیالات کا صحیح نقشہ دل میں جمایا جائے۔ کوپٹک اور سُریانی ابتدائی مسیحی کلیسیاؤں میں ایک روایت ہے کہ نوح کے ایّام سے یہ اعتقاد سینہ بسینہ چلا آتا تھا کہ مسیح موعود ابرہام کے باپ اور لوط کے دادا تارہ کی نسل میں پیدا ہوگا۔ اور کہ لوط کی جورو اسکی اپنی بہن تھی جو بہت سے بیٹوں اور بیٹیوں کی ماں تھی۔ چنانچہ پیدائش ۱۹: ۱۲ و ۱۴ و ۱۵ سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے۔ اور اگر ۸ و ۱۵ آیات کو ملا کر پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لوط کی یہ دو بیٹیاں اب تک کنواری تھیں۔ اُسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ لوط اور

ابرہام کے چرواہوں کے درمیان جو جھگڑا تھا وہ لوط کی جورو نے اٹھایا تھا۔ کیونکہ اسکو فخر تھا کہ میں صاحب اولاد ہوں اور مسیح موعود میری نسل میں سے ہوگا۔ اور سارہ بے اولاد تھی۔ اسی جھگڑے سے سارا فساد شروع ہوا۔ اب اس خیال کو سامنے رکھکر لوط کی دونوں بیٹوں کا فعل ایسا مکروہ نظر نہیں آتا۔ وہ مسیح موعود کے سلسلہ میں ہونے کا فخر حاصل کرنا چاہتی تھیں اور جہاں تک ان کو روشنی ملی تھی اسکے مطابق انہوں نے بہترین طریق اس فخر کو حاصل کرنیکا اختیار کیا۔ کیونکہ انکا سارا خاندان تباہ ہو چکا تھا۔ اور اس سلسلہ کو قایم رکھنے کی اور صورت نہ تھی۔ پھر ان کے اس فعل کے خلاف نئے یا پرانے عہدنامہ میں ایک لفظ مذکور نہیں۔ بلکہ برعکس اسکے خدا نے ان لڑکیوں کی اولاد کو برکت دی اور دو قومیں بنایا۔ جنکی سرزمین میں سے گذرنے کی اجازت بنی اسرائیل کو دی نہ گئی۔ ایک اور بات قابل لحاظ ہے کہ جو وعدہ سارہ کے ساتھ اسحاق کی نسبت کیا گیا وہ ان لڑکیوں کے مذکورہ فعل کے بعد کیا گیا اور ان کو مطلق خبر نہ تھی کہ خدا نے اس سلسلہ کا کیا انتظام کیا ہے۔ مگر انہوں نے جو کچھ کیا پورے ایمان کے ساتھ کیا۔ اور ان کی امیدیں آخر خدا نے کسی اور صورت سے پوری کیں۔ بڑی لڑکی نے اپنے بیٹے کا نام موآب رکھا جو موآبی قوم کا بزرگ تھا۔ اور داؤد کی پڑدادی روت اسی خاندان میں سے تھی۔ جسکو مسیح کے نسب نامہ میں مذکور ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ دوسری بیٹی سے بن عمی پیدا ہوا۔ جو بنی عمون کا باپ ہوا۔ اب ذرا اسلاطین کے چودھویں باب کی اکیسویں آیت پر غور کرو۔ وہاں لکھا ہے کہ "سلیمان کا بیٹا رحبعام یہوداہ میں بادشاہ تھا۔ اس کی ماں کا نام نعمہ تھا جو عمونیہ تھی"۔ اور پھر اکتیسویں آیت میں دوبارہ اسی عمونی عورت کا اسی تخصیص کے ساتھ ذکر ہے۔ اسکی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ سوائے اسکے کہ ان دو ایماندار لڑکیوں کے ایمان کو ثابت کیا جائے۔ متی کی انجیل کے پہلے باب کی ساتویں آیت رحبعام کا نام مسیح کے نسب نامہ میں مندرج ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو باتیں مقدس کتاب میں خدا نے درج کرائیں وہ ضرور ہماری تعلیم کے لئے تھیں۔ خدا کی ہدایت کے ساتھ ان کا مطالعہ کرنا ہمارا فرض ہے۔

ہندوستان میں مسیحی مذہب کی خاص رکاوٹیں۔ اس مضمون پر چھ اہل الرائے

اصحاب کی تحاریر رسالہ ہارویسٹ فیلڈ میں طبع کی گئی ہیں جن میں سے ایک کا خلاصہ ماہِ گذشتہ میں ہدیۂ ناظرین کیا گیا تھا۔ اس مکمّل سلسلہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان رکاوٹوں کی نسبت قریب سب متفق الرائے ہیں۔ بعض امور میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے مثلاً ایک نے مشنریوں کی ناکافی تعداد پر زور دیا تو دوسرے نے مشنریوں کی موجودہ کثیر التعدادی کو مسیحی مذہب کے پھیلنے میں ایک خاص رکاوٹ ٹھہرایا۔ اس متوخرالذکر صاحب کے خیال مبارک میں غیر ممالک سے مشنریوں کو جمع کرتے جانا اور غیر ممالک سے روپیہ پیسہ کی رقم بڑھاتے جانا اور اُدھر ملکی حالات کے مطابق منادی کے طریقوں کو اختیار نہ کرنا۔ اور غیر ممالک کی طرز پر کلیسیا کا انتظام کرنا ہندوستانی مسیحیوں کو خدمت میں حصّہ لینے سے روکنا۔ اور مشنریوں کے جوش پر پانی ڈال دیتا ہے۔ خواہ ہم اسکو تسلیم کریں یا نہ کریں مشنریوں کی تعداد کی نسبت ایک بات تو سب مانتے ہیں کہ تعداد کی ترقی کے ساتھ جو ترقی انجیل کی خدمت میں ہونی چاہیئے تھی وہ نظر نہیں آتی۔ پادری مآیر صاحب نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ اگر مشن کا انتظام میری مرضی کے مطابق کیا جائے تو مَیں اوّل درجہ کے لائق کلرکوں کو مشنریوں کی متفرق خدمات میں مدد دینے کے لئے بھیج دوں مشنریوں کو حساب کتاب وغیرہ کا اس قدر کام رہتا ہے کہ اُن کے روحانی خدمت کے ولولے دل کے دل ہی میں رہ جاتے ہیں۔ ایک راقم نے مشنوں میں محکمۂ تعلیم کے خلاف بہت کچھ بُرا بھلا کہا ہے۔ اور اسکو مسیح کی بادشاہت کا ایک دشمن قرار دیا ہے۔ ہاں اگر مسیحی تعلیم کو نظر انداز کیا جائے تو یہ محکمہ سوائے رکاوٹ کے اَور کیا ہو سکتا ہے؟ خاص ہندوستان کے لوگوں میں بعض ایسی قباحتیں ہیں جو بڑی بھاری روک ثابت ہوئی ہیں اور جن کی طرف اکثر راقمان نے اشارہ کیا ہے۔ مثلاً اِس مُلک کے باشندوں میں گناہ اور بدی کے محسوس کرنے کا بہت تھوڑا مادّہ ہے۔ اور اخلاقی دلیری تو بالکل ندارد ہے۔ اسکی نسبت ایک اَور صاحب ایڈیٹر ہارویسٹ فیلڈ کی طرف رقمطراز ہیں کہ "جہاں تک مجھے معلوم ہے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کام کرنے کی خاص رکاوٹ یہ ہے کہ وہ گناہ کو کافی طور پر محسوس نہیں کرتے۔ جب تک لوگوں میں اپنے فرض کا احساس نہ ہو وہ کسی حاذق حکیم کی نسبت

خوشخبری کی کیا قدر کریں گے۔ اور اگر وہ اپنی روحانی خرابی سے واقف نہ ہوں تو رُوحانی علاج کو قبول کرنے پر کیونکر راضی ہوں گے۔ ہندوستان میں مسیحی مناد کو ایمان کی منادی کے ساتھ توبہ کی منادی کرنا بھی ضرور ہے۔" ایک راقم نے اسی خیال کو اپنے طرز پر یُوں ظاہر کیا کہ ہم مسیح کی منادی کرنے میں فلسفی دلائل سے شروع کرتے ہیں حالانکہ اوّل مسیح پھر دلائل کو پیش کرنا چاہیئے۔ بقول راقم موصوف "ہمکو اوّل یوحنا بپتسمہ دینے والا پھر مسیح اور پھر پولس والا سلسلہ قایم کرنا چاہیئے۔ حالانکہ ہم اسکے بالکل خلاف کرتے ہیں۔" اب سوال یہ ہے کہ توبہ کی منادی کیونکر کی جائے۔ کیا خدا کی محبت اور فضل کے مضمون کے بجائے توبہ کو پیش کرنا چاہیئے۔ اگر عوام کو اُن کے گناہ سے واقف کرنا ضرور ہے تو بے شک سب سے اوّل اس توبہ پر زور دینا چاہیئے۔ ہمارے موجودہ مناد آدم و حوّا کے قصّہ سے شروع کر کے مسیح کی موت پر ختم کرتے ہیں۔ اس طریق کو بدلنا چاہیئے۔ اب یہ خدا کی بادشاہت خمیر کی مانند ہے جو خود بخود پھیلتا ہے لیکن اگر نہ پھیلے تو اسکا کیا تدارک ہو سکتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یُوں کہو کہ ہندوستانی مسیحیوں میں مشنری رُوح کیونکر پیدا ہو۔ یہ فقط گہری شخصی دینداری سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس دینداری کو وجود میں لانے کے لئے اور جو سامان ہو سو ہو ہمیں اچھے دیندار طاقتور پاسٹروں اور ہادیوں کی ضرورت ہے۔ جبکہ ہمارے رہنما خود راہِ راست سے منحرف ہونے لگیں تو ہمیں منزل مقصود تک پہنچنا کیونکر نصیب ہوگا۔ خدا کی رُوح سب کچھ کر سکتی ہے۔ مگر آخر اسکے ہاتھ میں کوئی ہتھیار ہونا ضرور ہے۔ اور اگر ہمارے خادمانِ دین رُوح القدس کو اپنے ذریعے کام نہ کرنے دیں تو اس سے بڑھ کر اس مُلک میں خدا کی سلطنت پھیلنے کے خلاف کونسا امر مانع ہو سکتا ہے۔

جو شخص آپ پر اَوروں کے عیب ظاہر کرتا ہے یقین جانو کہ وہ دوسروں سے آپ کے عیوب کا بیان بھی ضرور کرے گا۔

ہر صبح اگر منٹ مسیح کی حضوری میں کاٹے جائیں۔ ہاں دو منٹ ہی مسیح سے رُو بہ رُو اور دِل بہ دِل۔ تو سارا دن تمہارے خیالات اور زندگی مختلف رہے گی۔

خداوند ہمیں دُعا مانگنا سِکھا

مُبارک نجات دہندے! مَیں سارے دل سے تیری حمد کرتا کہ تُو نے اِس اندرونی کمرے کو وُہ مکتب مُقرّر کیا ہے۔ جہاں تُو اپنے ہر ایک شاگرد کو اکیلے میں مِلتا اور اُس پر باپ کو ظاہر کرتا ہے۔ اَے میرے خداوند باپ کی محبّت اور مہربانی میں میرے ایمان کو ایسا مضبوط کر کہ جب کبھی مَیں گُناہ کے زور کو معلوم کروں یا مصیبتوں میں پڑوں تو میرا پہلا خیال یہی ہو۔ کہ اُس جگہ جاؤں جہاں باپ میری اِنتظاری کرتا ہے اور جہاں کی دُعا برکت لئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ یہ خیال کر وہ میری ضرورتوں کو پیشتر اِس کے کہ مَیں اُس سے دُعا مانگوں جانتا ہے۔ مجھے بڑے کامل ایمان سے یہ یقین کرنا سکھائے کہ جو کچھ اسکے بچّے کو ضرورت ہو وہ اُسے دیگا۔ کاش کہ خلوتی دُعا کی جگہ میرے نزدیک دُنیا بھر میں سب سے پیاری اور دلکش ہو۔

اور خداوندا اپنے ایماندار بندوں کی خلوتوں کو ہر ایک جگہ برکت بخش۔ باپ کی حلیمی کا عجیب مکاشفہ سارے نوجوان مسیحیوں کے دلوں سے اس خیال کو ہٹا دے کہ خلوتی دُعا کوئی فرض یا کوئی بار ہے۔ اور وہ اسے اپنی زندگی کا سب سے اعلیٰ شرف یا خوشی اور برکت تصوّر کریں۔ اِن تمام لوگوں کو جو اِس خیال سے مایوس و شکستہ دل ہو گئے ہیں۔ کہ دُعا میں تیرے پاس کچھ لا نہیں سکتے واپس لا۔ اُنہیں یہ سمجھا دے کہ اُنہیں صرف اپنی تہیدستی کے ساتھ اُس پاس آنا چاہئے جس پاس سب کچھ دینے کو ہے۔ اور وہ دینے سے بڑا خوش ہوتا ہے۔ اُنہیں اِس بات کا خیال نہ ہو کہ باپ کے پاس لانے کے لئے ہمارے پاس کیا ہے بلکہ یہ۔ کہ باپ کِن کِن چیزوں کے دینے کی اِنتظار میں ہے۔

اور خصوصاً اپنے اُن تمام خادموں کے خلوت خانوں کو برکت بخش جو تیرے لئے کام کر رہے ہیں۔ کہ اُن کے لئے یہ وُہ جگہ ہو۔ جہاں خدا کی صداقت اور خدا کا فضل اُن پر ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں وہ ہر روز تازہ تیل سے مسح ہوتے ہیں۔ جہاں وہ اپنی قوّت نئے سر سے حاصل کرتے اور ایمان میں وہ برکتیں پاتے ہیں جن سے وہ اپنے ہموطنوں کو برکت دیتے ہیں۔ خداوند! ہمیں خلوت میں۔ اپنی اور باپ کی قربت میں لا۔ آمین!

حیاتِ داؤد

چوبیسواں باب

"میں نے اپنی بادشاہ کو بٹھلایا"

(۲ سیموئیل ۸ باب + تواریخ ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ ابواب)

اِس گنبدِ گردوں کا خداوند سمجھ کر　　خوش ہو کے رکھو تاج تم اس شاہ کے سر پر
جو عالمِ بالا پہ سدا تخت نشین ہے
ہاں تاج رکھو اس شہِ ذیجاہ کے سر پر　　جسکو کہ دیا نام محبّت کا ہے خوشتر
تخت اسکی حضوری میں گریں جس طرح سجدہ　　تم تاج رکھو ویسے ہی سر پر متعدد
شاہانِ جہاں تاج رکھو سر پہ سب اُسکے　　وہ شاہوں کا ہے شاہ۔ رہیں در پہ سب اُسکے

عہد کے صندوق کے لے جانے کے بعد جو امن وچین کا وقفہ ملا وہ دیرپا نہ تھا۔ کیونکہ تھوڑا عرصہ بعد سخت لڑائیاں برپا ہوئیں یکے بعد دیگرے گردو نواح کے فرقے فرداً فرداً یا ایکدوسرے سے مل کر داؤد پر حملہ آور ہوئے "قومیں جوش میں آئیں۔ زمین کے بادشاہوں نے اسکا سامنا کیا"

فلسطی۔ آخری دفعہ یہ قوم داؤد کے خلاف اٹھی۔ لیکن داؤد نے اسکو مغلوب کیا اور شہروں کی ماں یروشلیم کی عنان اُن کے ہاتھوں سے لے لی۔

موآبی۔ جو خاندانی تعلق اور رشتہ روت کے وقت سے عبرانی بادشاہ اور اُسکے پُر جوش ہمسائیوں کے درمیان چلا آتا تھا وہ بھی موآبیوں کو داؤد پر حملہ کرنے سے باز رکھ نہ سکا۔ اور بنایاہ ان پر یورش کرنے کے لئے مقرر ہوا۔ اور اُسے ایسی کامیابی نصیب ہوئی کہ دشمن کی فوج بالکل پسپا اور مغلوب ہو کر اسکے ہاتھوں میں پڑی اور اُن دنوں کے سخت رواج کے مطابق $\frac{2}{3}$ تہ تیغ کی گئی اور $\frac{1}{3}$ چھوڑ دی گئی۔

سریانی۔ شاہ ضوباہ اور دمشق سریانی بالکل پسپا ہوئے بہت سا سونا اور پیتل داؤد کے ہاتھوں میں پڑا اور اسرائیل کی حد دریائے افرات تک پہنچ گئی۔ اور قدیم زمانوں میں جو خدا نے ابرہام سے وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوا "تیری نسل کو میں نے یہ سرزمین دی دریائے مصر سے لے کر اس بڑے دریا۔ دریائے افرات تک"

ادوم ۔ جس وقت داؤد شمال میں مشغول تھا ادومیوں نے یہودا پر حملہ کیا اور اُن کے مقابلہ کو ابیاشی مقرر ہُوا بحر مُردار کے مغربی کنارے پر اُن کا سامنا ہُوا اور جوادی نمک میں اس نے حریف کے اٹھارہ ہزار مرد قتل کئے۔ ساری سرزمین اسکے چٹانی دار الخلافہ پترا تک آہستہ آہستہ مغلوب ہوگئی اور سوائے ہداد کے جس نے مصر میں جا پناہ لی کل شاہی خاندان نابود ہوگیا۔

بنی عمون ۔ داؤد کے دوستانہ برتاؤ کے عوض میں اس کی بے عزتی کی گئی اور بنی عمون نے یہ دیکھ کر کہ ہم داؤد کے نزدیک بدبو ہوئے ہیں اور وہ اسکا بدلہ لے گا حنون کے ذریعے بتیس ہزار فوج بمعہ رسالہ و رتھوں کے جمع کی ۔ داؤد ان کا مقابلہ صرف اپنی پیادہ فوج سے کر سکتا تھا کیونکہ موسوی شریعت کے رُو سے گھوڑوں کا استعمال جائز نہ تھا۔ داؤد کی زندگی میں یہ بڑا نازک موقعہ تھا۔ اور یوآب کی سپہ سالاری کا یہ گویا امتحان تھا۔ خدا کی مدد سے فتح نصیب ہُوئی۔ حریف کا مُلک مغلوب ہُوا اور دار الخلافہ ربّہ پر داؤد کا قبضہ ہُوا اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکالا۔ اور ان سے آروں اور لوہے کے ہلوں اور کلہاڑوں سے کام لیا۔ کارہائے عامہ یا شاید ہیکل کے اسباب یُوں تیار کروائے گئے۔

ان جنگ کے دنوں میں بعض نہایت ہی ذیشان مزمور لکھے گئے۔ مثلاً ۲۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۶۰۔ ۱۱۰۔

اوّل ۔ دُشمن ۔ قومیں جوش میں ہیں۔ لوگ باطل خیال کرتے ہیں۔ زمین کے بادشاہ سامنا کرتے ہیں اور سردار آپس میں خداوند کے اور اسکے مسیح کے مخالف منصوبے باندھتے ہیں۔ ہم سُنتے ہیں کہ اپنی مجالس میں وہ کیا صلاحیں کر رہے ہیں:۔

"آؤ ہم اُن کی بند کھول ڈالیں اور ان کی رسّی اپنے سے توڑ پھینکیں"۔

وہ گھوڑوں اور رتھوں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ان کے بادشاہوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے لشکر کی فراوانی سے بچ رہیں گے۔ وہ اسرائیل کے دل میں دہشت پیدا کرتے ایسا کہ زمین یُوں کانپتی ہے کہ گویا خدا نے اسکو دو ٹکڑے کیا اور لوگ پریشانی اور خوف کی مے پیتے ہیں۔ ان کا حملہ ایسا سخت اور ان کی تعداد ایسی فراواں ہے کہ انسان کی مدد بیفائدہ معلوم ہوتی ہے۔

خدا کے بندوں کی تواریخ کے ہر ایک حصہ میں ایسا ہی پایا جاتا ہے کہ شیطان نے اسکے دشمنوں کو برپا اور محرک کیا۔ اجتماع مرداں کے پیچھے اُفتادہ روح اپنے کینہ اور بغض میں بیٹھی ہے کہ عورت کی نسل کی ایڑھی کو کاٹے۔ "دُنیا میں تم مصیبت اٹھاؤ گے"۔ "دیکھو شیطان تم میں سے بعض کو قید میں ڈالے گا تاکہ تم آزمائے جاؤ اور تم دس روز مصیبت اُٹھاؤ گے"۔ "جب اژدہا نے دیکھا کہ وہ زمین پر پھینکا گیا تو اُس نے عورت کو ایذا دینی شروع کی"۔

دوم ۔ ایمان کا رویّہ ۔ جب حریف کا لشکر نظروں میں تھا تو بادشاہ کو نا دیدنی اور ابدی زمان

کی روبالی۔ خدا کے چہرے پر کسی قسم کے خوف کے آثار ظاہر نہیں اور اسکے ارادے میں کہیں اپنے بادشاہ کو کوہِ مقدس پر بٹھلاؤں گا کسی قسم کی تبدیلی نہیں۔ بلکہ فی الواقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس دن حریف اُس پر حملہ آور ہوتا اُسی دن اس کو اپنے بیٹا ہونے کا نیا یقین دلایا جاتا ہے اور اسکو ہدایت کی جاتی ہے کہ قوموں کو اپنی میراث میں لانے کا دعویٰ کرے اور دُنیا کی حدوں کو اپنے تصرف میں۔ جنگ شروع ہوتے وقت وہ اپنے خوف کے شور پر سے الٰہی وعدہ کی یہ سُریلی آواز سُنتا ہے کہ۔

"تو اُن کو لوہے کے عصا سے چکنا چور کرے گا۔ تو اُن کو کمہار کے برتن کی طرح چُورہ چُورہ کرے گا"

اُس کے دارالخلافہ سے جانے پر لوگ دُعا کرتے ہیں کہ خداوند مصیبت کے دن میں اس کو جواب دے۔ اس کی مصیبتوں کو یاد کرے اور مقدس میں سے اسکو مدد بھیجے اور وہ اس کا یوں جواب دیتا ہے :-

"میں جانتا ہوں کہ خداوند اپنے ممسوح کو بچاتا ہے۔ وہ اسکو اپنے مقدس آسمان سے جواب دے گا۔ اپنے دہنے ہاتھ کی بچانے والی قوت سے"

وہ جانتا ہے کہ قادرِ مطلق کی رحمت سے وہ جنبش نہ کھائے گا۔ اور کہ اس کا دہنا ہاتھ اُسکے دشمنوں کو تباہ کرے گا۔

مشرق کی طرف یردن کے پار نظر ڈال کر وہ اپنے ایمان کی خوشی میں دعویٰ کرتا ہے کہ جلعاد بھی ایسا ہی اُسکے تابع فرمان ہوگا جیسے افراہیم اور منسّی۔ یہوداہ اور دیگر فرقوں کی مدد پاکر وہ فتح کو یقینی جانتا ہے۔ موآب اُسکے پاؤں دھونے کا برتن ہے۔ ادوم غلام کی طرح اسکی جوتیاں اُٹھائے گا۔ فلسطیا اس کا نعرۂ جنگ سُنکر کانپ اُٹھے گی۔ اور پیٹرا سے مضبوط شہر میں بھی اسکی سپاہ جا پہنچے گی۔

وہ بڑے اطمینان سے نتیجہ کی اُمید رکھتا ہے۔ خداوند اپنی قوت کا عصا صیحوں میں سے بھیجے گا۔ اور اپنے غضب کے دن میں بادشاہوں کو مارے گا۔ اور اسکے دشمنوں کو اُسکے پاؤں تلے کی چوکی بنائے گا۔ تاکہ بعد کے دنوں میں وہ کاہن بھی ہوگا اور بادشاہ بھی۔ جیسے صدیوں پیشتر اسی جگہ پر ملکِ صدق تھا۔

سوم۔ کاہن بادشاہ کے بہادر سپاہی۔ اسکے ایمان سے ہمت پاکر وہ خدا کی نجات پر فخر کرتے اور اسکے نام سے اپنے جھنڈے بلند کرتے ہیں۔ ان کا یہ ایمان ہے کہ خدا۔ مردِ جنگ ہوکر۔ اُن کے لشکر کے ہمراہ ہے اور ان کے دشمنوں کو زیر پا کرے گا۔ ان کا خاصہ یہ ہے کہ وہ بخوشی اپنی خدمت

دیتے ہیں ان کے صف میں کوئی ایسا سپاہی نہیں جو رضامندی سے شامل ہُوا نہ ہو۔ وہ خوشی خوشی جھنڈے کے گرد فراہم ہوتے ہیں سپاہیوں کی طرح جن کی نسبت دبورہ نے زمزمہ پروازی کی کہ وہ اپنے آپ کو نثار و ایثار کرتے تھے۔ وہ زرہ بکتر سے ملبس نہیں بلکہ کاہنوں کے کتانی لباس سے "قدسیت کی خوبصورتی" اِس فقرے سے ظاہر ہے کہ دیندار لوگ کاریِعبادت سمجھ کر جنگ کو سرانجام دیتے تھے وہ تعداد میں صبح کی اوس کے قطروں کے سے ہیں جب گھاس کے ہر ایک تنکے پر جُدا جُدا موتی جڑے ہوں اور لاکھوں موتیوں سے روشنی عکس کرتی ہو۔ (زبور ۱۱۰)

سپاہیوں کے لئے کیسی پاکیزگی۔ راستبازی اور صداقت کا نمونہ ہے کہ مسیح کے ہر ایک سپاہی کو اس لباس سے ملبس ہونا چاہئے۔

فتح کی تکمیل۔ حریف کی سپاہ ان آسمانی مدد یافتہ سپاہیوں کے حملہ کی برداشت نہیں کر سکتی۔ اُن کے بادشاہ بھاگتے ہیں۔ وہ سخت شکست اُٹھاتے ہیں۔ خدا کے غصہ کے وقت میں وہ گویا آگ کی بھٹی میں ہیں۔ اور اسکے غضب میں نگلے جاتے ہیں۔ میدانِ کارزار ان کی نعشوں سے لبریز ہیں اور وادیاں اُن کے مُردوں سے بھری پڑی ہیں۔

فوج ظفر موج جب میدانِ کارزار سے واپس آتی تو اپنے قادرِ مطلق نجات دہندہ کی شکرگزاری میں گیت گاتی ہے۔ مغنی اور بربط نواز۔ بنجمن اور یہوداہ۔ زبلون اور نفتالی اس زمزمہ پروازی میں شریک ہوتے ہیں کہ

ہمارا خدا سو نجات دینے والا خدا ہے موت سے رہائی بخشنا یہوواہ خداوند ہی کا کام ھے

اَے خدا! تُو اپنے مقدس مکانوں میں مہیب ہے۔ اسرائیل کا خدا وہ اپنے لوگوں کو طاقت اور قوت بخشتا ہے"۔

ان تمام باتوں کے کچھ اَور معنی بھی ہیں۔ داؤد مسیح کا پیش نمونہ تھا۔ کیونکہ سچ مچ مقدس خادم یسوع کے خلاف جسکو خدا نے مسح کیا غیر قومیں اور بنی اسرائیل دونوں اکٹھے ہُوئے ہیں لوگوں نے اسکی فرماں برداری سے انکار کیا اور اب بھی انکار کر رہے ہیں لیکن خدا نے قسم کھائی ہے اور نہ پچھتائیگا کہ اسکے آگے ہر ایک گھٹنا جھکے گا اور ہر ایک زبان اس کا اقرار کرے گی اور اس امر کی نسبت کہ کل صبح سورج پھر چڑھے گا یہ بات زیادہ یقینی ہے کہ تھوڑی دیر میں آسمان میں میں بڑی آوازیں یہ کہتی سنائی دیں دینگی کہ "دُنیا کی بادشاہتیں ہمارے خداوند اور اس کے مسیح کی ہوگئیں اور وہ ابد تک بادشاہت کرے گا۔ (مکاشفات ۱۱: ۱۵)

حفظِ صحّت

(۱) انسان کا فرض ہے کہ اپنی صحت کا خیال رکھے ۔ خاصکر اس لئے کہ جسم کا صحیح وسالم ہونا انسان کے فائدہ کیلئے ضروری ہے ۔ یہ مقولہ مدت سے انسان کی زندگی بسر کرنے کے لئے کامل اور ضروری سمجھا جاتا ہے یعنی جسم کا تندرست ہونا نفس یا ذہن کے صحیح وسالم ہونے کے لئے ضروری ہے ۔ علاوہ ازیں بیماری کے باعث انسان اپنی زندگی کے فرائض ادا نہیں کر سکتا ۔ بیماری سے انسان ضدی ۔ چڑچڑا اور زود رنج ہو جاتا ہے اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو فائدہ پہنچانا تو درکنار بلکہ اُن کے لئے وبال ہو جاتا ہے پس طالب علم کو اپنی صحت کا بڑا خیال رکھنا چاہئے ۔ اگر طالب علم اپنی صحت کی پروا نہ کرے بلکہ اسکے قایم رکھنے میں کوتاہی کرے تو زندگی اسکے لئے خوشی کا باعث نہ ہوگی ۔ اسکے مطالعہ میں ہرج واقع ہوگا اور اگر وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں جو کچھ چاہتا ہے حاصل کر بھی لے وہ آگے دُنیاوی کاروبار میں رہ جائیگا ۔ پروفیسر بلیکی صاحب نے اس امر پر بہت کچھ زور دیکر لکھا ہے ۔ ان کا یہ بیان ہے ۔ یہ امر ہر شخص جانتا ہے کہ طلبا زیادہ تر اپنی صحت کا ہی خیال نہیں رکھتے ۔ اور جسقدر کہ طالب علم زیادہ شایق ہوگا وہ غالباً اُسی قدر زیادہ اس بارہ میں خطا کھائیگا ۔ اور مثل شتر بے مہار اور ریل گاڑی کے جسکو کوئی سگنل نہیں دکھایا گیا چلتا چلتا دریا کے ایک مہلک اور خطرناک کنارے پر آپہنچتا ہے ۔ اور اُسے معلوم نہیں کہ میں کہاں کھڑا ہوں ۔ پس جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اِس مجرّب خیال سے کام کرنا چاہئے کہ عموماً بیٹھ کر کام کرنے سے صحت کو کم و بیش نقصان پہنچتا ہے اور خصوصاً بیٹھکر کام کرنے کی عادت جب اسکے ساتھ برابر جم کر دماغ سے کام لیا جائے تو صحت کیلئے بہت مضر ہے ۔ اور جنکی جسمانی طبیعتیں قدرتی کمزور ہیں اور پھر وہ اکثر کتابوں کا گڑ کر مطالعہ جاری رکھتے ہیں اُنکے قوا صریحاً کمزور ہو جاتے ہیں ۔ اور انکا جسم زایل ہو جاتا ہے ۔ اس تنبیہ کے بعد جو ایک پُرانے طالبعلم کا تجربہ ہے ہر شخص کو غور کرنا چاہئے کہ اگر وہ ارادتاً اور مستقل طور پر اپنی حفظ صحت میں کوتاہی کریگا ۔ جیسے کہ عمدہ کاریگر اپنے اوزار کو تیز رکھنے یا عُمدہ سپاہی اپنے بارود کو خشک رکھنے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ طالبعلم اپنا خون خود اپنی گردن پر لیتا ہے ۔ یعنی وہ مر جائیگا اور اس مَوت کا ذمہ وار وہ خود ٹھہریگا ۔

(۲) شکسپیر نے ایک ناٹک لکھا ہے جسکا نام ہنری دی فورتھ ہے ۔ اِس ناٹک میں بادشاہ ہنری چہارم چند دردانگیز اشعار میں اپنی حالت کا اپنی نہایت غریب رعیّت کی حالت سے مقابلہ کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے راتوں نیند نہیں آتی حالانکہ کمرے معطّر ہوتے ہیں اور نہایت قیمتی اور شاندار شامیانے تنے ہوتے ہیں اور میری ہزارہا غریب سے غریب رعایا مزے سے گہری نیند سوتی ہیں ۔ حالانکہ اُن کے

بستر بستر استراحت نہیں ہیں بلکہ تکلیف کا گھر ہیں۔ اور جہاں وہ سوتے ہیں وہاں پر مکھیاں اور مچھر بھنبھناتے رہتے ہیں۔ اور یہی مکھیوں کی بھنبھناہٹ انہیں لوری کا کام دیتی ہے۔ ایک اور ناٹک ہنری دی فِفتھ میں بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ شاہ ہنری پنجم ایک لاثانی پُرزور۔ پُرتاثیر گفتگو میں عظمت سے بیرونی نمود اور خطاب کو یک طرف کر دیتا ہے اور پھر ثابت کرتا ہے کہ وہ ظاہری شان و شوکت کی رَو جو اس دُنیا کے اُونچے کنارے پر ٹکراتی رہتی ہے ہرگز اس صحت کی تلافی نہیں کر سکتی جو بادشاہوں کو نصیب نہیں اور غلاموں کو میسّر ہے۔ بیرونی نمود یا تکلیف کے ذکر میں ہنری پنجم یہ سوال کرتا ہے کہ اے بیرونی نمود جس حالت میں کہ تجھے فقیروں کی زانو پر پُورا اختیار ہے تو کیا تجھے اُن کی صحت پر بھی پُورا اختیار ہے۔ یعنی اے بادشاہ فقیر تجھے جُھک جھک سلامیں کرتے ہیں لیکن اُن کی سی صحت تجھ میں نہیں ہے۔

اے تو مغرور نیند جو بادشاہ کو آرام دینے میں اسقدر لطائف الحیل سے کام کرتی رہتی ہے۔ ان میں سے کوئی شئے نہیں جس سے گہری نیند آئے۔ مثلاً خوشبودار چیزیں۔ عصا۔ رقص و سرود۔ تلوار۔ سوٹا۔ شاہی تاج۔ سونے کے تاروں اور موتیوں سے جڑی ہُوئی پوشاک یعنی زربفت کے کپڑے تافتے وغیرہ۔ بادشاہ کا لمبا چوڑا خطاب۔ جس تخت پر کہ بادشاہ بیٹھتا ہے۔ شان و شوکت کی رَو جو اس دُنیا کے اُونچے کنارے پر ٹکراتی رہتی ہے نہایت ہی شاندار بیرونی نمود اور ظاہری زرق برق کا تکلّف۔ اگر یہ سب چیزیں جس شخص کو میسّر ہوں اور وہ نہایت مکلّف اور شاہانہ بستر میں لیٹا ہُوا ہو۔ پھر بھی اُسے ایسے مزے سے نیند نہیں آسکتی۔ جیسے کہ ایک کمبخت غلام کو آتی ہے جو پیادے کی طرح صبح سے شام تک سورج کی دھوپ میں پھرتا رہتا ہے اور عرق عرق ہو جاتا ہے۔ وہ رات بھر گویا فردوس میں مزے سے سوتا ہے۔ دوسرے روز صبح کے بعد اپنی نیند سے اُٹھتا ہے۔ اور آفتاب کو اسکے گھوڑے پر سوار کراتا ہے۔ اور اسی طرح ہر سال اپنی محنت سے فائدہ اُٹھاتا ہُوا کوشش کرتا رہتا ہے اور مر جاتا ہے۔ اور اس مصیبت زدہ اور کمبخت شخص کو جو دن بھر محنت کرتا رہتا ہے اور رات کو مزے سے سوتا ہے گو بیرونی اور ظاہری نمود تو نصیب نہیں مگر اور سب طرح سے بادشاہ پر فوقیت حاصل ہے۔

اِن شخصی گفتگوؤں کے ذریعے سے شیکسپیر نہایت صاف طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ دُنیاوی حالت کے غیر مساوی ہونے کی کیا تلافی ہو سکتی ہے۔ جب ہم انسان کی مختلف حالتوں کا مقابلہ کرتے ہیں یعنی بعض شخصوں کی دولت اور آرام اور بعضوں کی محبّت و شفقت اور ناداری۔ تو ہم اکثر انکی بیرونی حالت سے چکاچوند ہو جاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ خوشی کا منبع ہم خود ہیں۔ خوشی کا ایک بڑا جزو تندرستی ہے اور یہ کسی خاص جماعت اور درجہ سے مخصوص نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ فقیر کو یہ نعمت حاصل ہو اور بادشاہ کو باوجود تلاش کرنے کے پھر بھی میسر نہ ہو۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ اس اختلاف کو بہت دور تک بڑھایا جائے۔ ہر ایک بڑے رُتبہ کا آدمی بیمار نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ غریب شخص پر اسکی تندرستی کے باعث

حسد کرتا ہے۔ اور برعکس اسکے یہ تیری بدقسمتی کی بات ہے کہ بہت سے غریب اور مفلس لوگ امیروں پر ان کی صحت کے باعث حسد لے جاتے ہیں۔ لیکن جب تندرستی ہوتی ہے تو وہ ایک ایسی بڑی اور بے بہا نعمت ہے کہ دولت کی تمام عیش وعشرت اور شان وشوکت کے تمام لوازمے اسکے سامنے ہیچ ہیں۔ اور صحت انسان کے لئے خدائی عطیہ ہے اور جو انسان عقلمند ہے وہ قارون کی دولت سے بھی ہرگز اسکا تبادلہ نہ کرے گا۔

(۴) تاہم لوگ ایسی نعمتِ عظمیٰ کو اکثر بڑی بے پروائی اور عام خیالی سے ضایع کر دیتے ہیں۔ اور اسکی قدر عموماً اسکے جاتے رہنے کے بعد ہوتی ہے پہلے نہیں۔ صحت یا تندرستی کے معنے صرف جسمانی تکلیف سے بری ہونا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد کل انسان کی صحیح اور عمدہ حالت ہے صحت ایک ایسی قابلیت ہے جسکے باعث سے انسان اپنے عقلیہ اور جسمانیہ قواء سے بخوبی کام لے سکے اور انکے استعمال سے اور اپنے آس پاس کی چیزوں سے حظ اٹھا سکے۔ کارلائل صاحب جو ولایت میں بڑے مشہور فلاسفر ہوئے ہیں فرماتے ہیں۔ صحت ایک بڑی شے ہے۔ اس سے مراد حالتِ موازنہ ہے۔ یہ ہر ایک قسم کی راستی یا حق۔ عمدہ انتظام اور نیکی پر حاوی ہے۔

گیلن صاحب صحت کو تناسب اور بیماری کو بدسورتی کے نام سے بیان کرتے ہیں۔ جب تمام قوتیں ٹھیک اندازہ سے کام میں لائی جائیں اور جو کچھ آرام اور غذا ان کو ضروری ہے ان سب قوتوں کو بہم پہنچایا جائے صحت اسوقت ہوتی ہے۔ لیکن جو طالب علم علم حاصل کرنے اور اسمیں کامیاب ہونیکے شائق ہیں اُن کے دماغ کو تو بے حد مشق ہو جاتی ہے۔ اور باقی حصوں کو نہیں۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تناسب جاتا رہتا ہے اور صحت نہیں رہتی۔ دنیا کی نہایت عمدہ محنت جاتی رہتی ہے اور اسکے جاتے رہنے کا الزام خود طلبا پر ہے۔

(۵) یہ ایک ایسی برائی ہے جس سے خاصکر اس ملک یعنی ہندوستان میں بچنا ضروری ہے۔ یہاں پر زیادہ سرد ملکوں کی نسبت گھروں سے باہر پھرنے کے کام اور دل لگی کی باتیں بہت تھوڑی اور کم دلکش ہیں۔ سال میں گرمی کا موسم زیادہ دیر تک رہتا ہے اور اس وجہ سے طالب علم مدت تک گھروں کے اندر رہتے ہیں۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیٹھ کر کام کرنے کی عادت زیادہ ہو جاتی ہے اور جسم زیادہ تر آرام کرنے کی طرف راغب رہتا ہے۔ گرمی کے مہینوں میں طالب علم کا قریب قریب کل وقت مطالعہ اور نیند میں صرف ہوتا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم گر جاتا ہے۔ دماغ کمزور ہو جاتا ہے اور صحت بگڑ جاتی ہے۔ مگر یہ خرابی صرف ہندوستان سے ہی مخصوص نہیں اور ہندوستان میں موسم بھی گرما ہی سے مخصوص نہیں۔ ایک آکسفورڈ کا طالبعلم ایک دوست کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہتا ہے۔ وہ پندرہ گھنٹے روز پڑھتا تھا۔ اور وہ اسلئے سب سے اوّل رہا۔ لیکن اس بیچارے کے دماغ میں گرمی چڑھ گئی۔ اور اُسے دماغ کی بیماری ہو گئی

سٹورٹ نے ایک مشہور نوجوان شاعر کا ذکر کیا ہے کہ وہ ۲۱ برس کی عمر میں مرگیا۔ وہ صریحاً سخت محنت سے مرگیا۔ کیمبرج نے اُسے مار ڈالا۔ جب اسکے رگ و پٹھے خوب کھچ چکے یہاں تک کہ رات اُسے مصیبت میں کٹتی تھی۔ اور لوگوں نے اُسے دوائی دی تاکہ وہ انعام حاصل کرنیکے لئے امتحان دے سکے۔ گھوڑا جیت تو گیا مگر گھوڑ دوڑ کے بعد مرگیا۔ سٹیفن جو مشہور انجنیر تھا اُسے معلوم تھا کہ حد سے زیادہ کام کرنے کی کوشش کا کس قدر بُرا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ اسکا دوست لنڈلے از حد محنت سے تھک گیا اور دب گیا تو اس نے اُس سے کہا اے لنڈلے اب مینے معلوم کرلیا۔ کہ تم کس بات کی تلاش میں ہو۔ تم اپنے ایک پونڈ میں سے ۳۰ شلنگ نکالنا چاہتے ہو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اس خیال کو بالکل ترک کردو۔ اور اس سبق کی بھی تمام طلبا کو اور ان تمام شخصوں کو جو اپنے قوا سے حد سے زیادہ کام لینا چاہتے ہیں یہی نصیحت کرو کہ یہ خیال بالکل چھوڑ دو۔ جیساکہ قانون ثقل یا کشش کے برخلاف کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح جسم اور ذہن کے قوانین کا بھی مقابلہ کرنا عبث ہے۔ بقول شاعر ورڈز ورتھ۔

اے میرے دوست ہوشیار ہو جاؤ جاگ اُٹھو۔
اور غور سے دیکھو۔ کس لئے اسقدر محنت اور تکلیف اُٹھاتے ہو

اے میرے دوست اُٹھو اپنی کتابیں چھوڑ دو ورنہ تم ضرور بدن کے دوہرے ہو جاؤگے۔
تم سستی کے مارے اُٹھا بیٹھا نہیں جائیگا۔ بدن پھول کے کُپّا ہو جائیگا۔
کتابیں۔ یہ تو ایک ہمیشہ کا جنجال ہیں۔ یا یہ کہو کہ غلط ان ہیں اور سستی پیدا کرتی ہیں۔
آؤ جنگل کے اُس پرند کی آواز سنیں۔ دیکھو اسکا گانا کیسا خوشنما ہے۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اس کے راگ میں کتابوں کی نسبت زیادہ دانائی بھری ہوئی ہے۔ اور سنو یہ پرند کیسی خوشی سے گاتا ہے۔ یہ بھی کچھ ادنےٰ وعظ کرنے والا نہیں ہے۔ باہر روشنی میں آؤ جہاں طرح طرح کی چیزیں موجود ہیں۔ اور قدرت کو اپنا اُستاد بناؤ۔ یعنی قدرت سے بہت سی باتیں سیکھو۔

بہت کچھ علوم و فنون پڑھ چکے۔ ان پھیکے اور بے لطف ورقوں کو بند کرکے رکھ دو۔ باہر آؤ اور ایسی طبیعت ساتھ لاؤ جو قدرت کی ہر ایک شے دیکھے بھالے۔ اور اس سے علم حاصل کرے۔



ایک عربی شہید کا تذکرہ

قریب ساڑھے تین سو سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ ملک ہسپانیہ کے چند سپاہی ایک عربی چھوکرے کو اسیر کر کے لے گئے اور اُسے اوران میں بطور غلام کے فروخت کیا۔ نائب اسقف جوآن کاروئے جو ایک نیک مرد تھا اُسکو خرید کر لکھایا پڑھایا اور آخر بپتسمہ دے کر اسکا نام جیرونیمو رکھا جب وہ لڑکا آٹھ برس کا ہوا چند عربی غلام اوران سے بھاگ کر اپنے ملک کو چلے گئے اور اُس بچے پر مہربانی کرنے کے خیال سے اسکو بھی اپنے ساتھ بھگا لے گئے۔ وہاں وہ چند سال تک اپنی قوم کے درمیان بطور ایک مسلمان کے زندگی بسر کرتا رہا۔ مگر اُسی ایمان کے بیج نے جو جوآن کاروئے اُس بچّے کے دل میں بویا تھا ایسی گہری جڑ پکڑی کہ اسکے لواحقین اسکو اُکھاڑ کر پھینک نہ سکے پچیس سال کی عمر تک وہ ان کے ساتھ رہا اور بعد ازاں اس نے ایک ایسی حرکت کی کہ جسکو عرب میں ناقابل معافی سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ پھر اُن لوگوں کے ہاتھ آجاتا تو یقیناً قتل کیا جاتا یعنی وہ اپنے گھر سے بھاگ کر پھر اُسی نائب بشپ کے پاس چلا گیا اور اس کی وجہ اُس نے یہ بتائی کہ میں اب سے اپنے پاک منجی پر ایمان رکھ کر زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

جوآن کارو اسکو دیکھ کر نہایت مسرور ہُوا اور اُس نوجوان کو اپنا گم گشتہ فرزند سمجھ کر اپنے کلیجے کے ساتھ لگا لیا۔ اُدھر جیرونیمو کا دل اپنے محسن کو مل کر فرطِ محبّت اور شکر گذاری کے ساتھ بلیوں اچھل رہا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ ہسپانیہ کی فوج میں بھرتی ہوگیا اور ایسی دلیری کے نمایاں کام کئے کہ بڑے بھاری فوجی عہدے پر ممتاز کیا گیا۔ اور جب اسکو معلوم ہُوا کہ نائب بشپ نے اس عربی نومرید جوان عورت کے ساتھ جسکا عشق اسکے دل میں ولولے پیدا کر رہا تھا شادی کرنے کی اجازت دی ہے پھر تو اُسکی خوشی اور اُلوالعزمی کا جام لبریز ہو کر چھلکنے لگا۔ دس سال تک اسکی زندگی پر خوشی اور خورمی کا آفتاب اپنی پُوری تیزی کے ساتھ درخشاں رہا۔ جنکے ساتھ اسکو واسطہ پڑا اسکو بڑی عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ جوآن کارو کا دہنا ہاتھ تھا اور اسکی زوجہ اسکے دھرم باپ کی پروردہ بیٹی تھی۔ اس کا راستہ بالکل ہموار تھا اور کسی قسم کے رنج و تکلیف کا سایہ تک اسکے نزدیک نہ پھٹکتا تھا۔

ماہ مئی ۱۵۶۹ء میں ایک روز یہ خبر ملی کہ عربی لوگوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ اوران سے کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہے۔ یہ ایک ایسے ہلکے درجہ کی افواہ تھی کہ ہسپانیہ والوں کے فقط چند آدمی اس قافلہ کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی سمجھے گئے۔ کم از کم جیرونیمو نے ایسا ہی خیال کیا اور اپنے ساتھ نو سپاہی ایک چھوٹی سی کشتی میں لے کر اس ساحل کی سمت روانہ ہُوا جہاں عربی لوگوں کا ڈیرا تھا۔ دن کی روشنی میں

وہ بندرگاہ کی محفوظ حدود سے نکل کر گہرے سمندر میں جا پہنچے۔ اُن کے دل میں کسی قسم کے خطرے کا خواب خیال بھی نہ تھا۔ یکایک حبشی بحری ڈاکوؤں کی دو ہلکی کشتیوں نے جو گھات میں چھپی ہوئی تھیں اُن کا تعاقب کر کے اُن کو آلیا۔ نو سپاہی تو بچ گئے۔ مگر جیرونیمو جیسا بہادر آدمی بآسانی چھپ نہ سکتا تھا۔ اسکو ڈاکو فوراً گرفتار کر کے بلدعلی کے پاس جو علاقہ کا حاکم تھا لے گئے۔ یہ خبر الجیریا کے تمام عربی لوگوں میں مشہور ہو گئی کہ وہ کافر پکڑا گیا ہے۔ اور وہ غدار جو اپنی قوم کو چھوڑ کر بے ایمان ہو گیا تھا اب قلعہ بخنو میں اسیر ہے۔ جن حبشیوں کو اسکا قصہ معلوم تھا اُنہوں نے قسم کھائی کہ ہم اسکو اُسکے اصلی دین پر لے آئیں گے۔ اس نیت سے اُنہوں نے مجتہدوں کو اسکے پاس بھیجا تا کہ جس صورت سے ہو سکے اسکو محمدی بنا لیں۔ مگر وہ مُنہ کی کھا کر واپس بلدعلی کے پاس لوٹ گئے۔ ان کی کوششیں رائیگاں ہوئیں اور وہ جوان اپنے ایمان پر مستقل رہا۔

جب دلیل اور بُرہان کارگر نہ ہوئے تو ایک اَور ترکیب عمل میں لائی گئی۔ یعنی جیرونیمو کو زنجیروں سے جکڑ کر سخت ایذا دی گئی۔ اور جب وہ مارے عذاب کے نیم جان ہو رہا تھا اور مُنہ سے آواز نہیں نکال سکتا تھا تو مجتہد اسکے گرد کھڑے ہو کر آزادی اور عالی رُتبہ اور عزت اور دولت کا لالچ پیش کر رہے تھے۔ مگر کسی قسم کی طمع یا آزادی کے وعدہ نے اسکے ایمان کو سر مو جنبش نہ دی۔ ایک مرتبہ جب وہ لوگ اسکو سخت دھمکا رہے تھے اُس نے بڑی مشکل سے اپنا سر اُٹھا کر نہایت دھیمی آواز سے کہا کہ "وہ سمجھتے ہیں کہ میں محمدی ہو جاؤنگا۔ لیکن اگر وہ مجھے قتل بھی کر ڈالیں میں ہرگز ایسا نہ کرونگا۔"
چار مہینے اس طرح گذر گئے اور بلدعلی بڑے شوق کے ساتھ روز بروز جیرونیمو کو عذاب اور دُکھ سہتے دیکھتا رہا۔ مگر آخر ایک ہی قسم کی اذیت کو دیکھ دیکھ کر اسکی طبیعت بھی اکتا گئی اور اُس نے ارادہ کیا کہ اس "بے ایمان" کی ہٹ توڑنے کے لئے اذیت کا کوئی اَور عجیب و مہیب سامان پیدا کرنا چاہئے۔ دروازہ باب الاوید کے متصل ایک قلعہ کی عمارت کا کام جاری تھا۔ ایک روز اس جگہ کا ملاحظہ کرتے کرتے اُس نے ریت اور سنگریزوں کے گچ کا ایک بڑا ستون دیکھا جس سے اسکے دل میں فوراً ایک نیا خیال پیدا ہُوا۔ یہ ستون چٹان کی صورت پر ڈھالا گیا تھا اور کنکریٹ کا بنا ہُوا تھا۔ یہ مصالحہ اوّل تو نرم ہوتا مگر آہستہ آہستہ نہایت سخت ہو جاتا ہے اور پھر اسکے اُوپر عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔ اس گچ کے ستون میں اسکو عذاب کا ایک نیا آلہ نظر آگیا۔ اس سے بڑھ کر عذاب کی موت کیا ہو سکتی ہے۔ اگر وہ بدذات غلام اس سلیخے میں کھڑا کیا جائے اور اس پر نرم مصالحہ ڈال دیا جائے تو وہ اس دیوار کے اندر بند ہو کر پتھر بنجائیگا۔ مگر عربی لوگ کوئی معاملہ جلد بازی سے نہیں کرتے اس لئے اس حاکم نے بعد صلاح و مشورہ کے یہ یقین کر لیا کہ اس سے بڑھکر کوئی پُر عذاب طریق موت کا ہو نہیں سکتا۔ اور پھر علاقہ نوار کے ایک معمار مائیکل نامی کو جو خود ایک مسیحی غلام تھا حکم دیا کہ گچ کے اس خالی ڈھانچے کو فی الحال پڑا رہنے دو۔ میرا ارادہ

ہے کہ اور آن کے اُس کُتّے کو جو اسلام میں واپس آنے سے انکار کرتا ہے۔ مصالحہ ڈالکر اسمیں جما دیا جائے۔
بیچارے مایکل کو سوائے متابعت کے اور کوئی چارہ نہ تھا اور اپنے دن بھر کا کام دل پر سوسن کا بوجھ لیکر
پورا کیا۔ جب شام کو وہ قلعہ بجنو کے اندر گیا۔ (جہاں وہ خود قید تھا) تو اس نے جیرونیمو کو یلد علی کا حکم سُنایا۔
جیرونیمو نے بڑے ٹھنڈے دل کے ساتھ اس کی باتوں کو سُنا۔ اور نہایت دلجمعی کے ساتھ جواب دیا کہ "خدا
کی مقدس مرضی پوری ہو وہ کمبخت لوگ یہ نہ خیال کریں کہ اس قسم کی سخت موت کا خوف دلاکر مجھے میرے
مسیحی ایمان سے ہٹا دینگے۔ میرا مبارک منجی میرے گناہ معاف کرے اور میرے روح کو سلامتی بخشے"۔
یہ دلیر عربی نوجوان رات بھر دُعا میں مشغول رہا۔ اور اُس عذاب کی موت کے لئے تیاری کرتا رہا۔
کیا اس وقت اپنی فوجی عزت اور شہرت۔ جوآن کارو کی شفقت اور اپنی خوبصورت نوجوان زوجہ کی محبت
منوّر خوابوں کی طرح اسکے دل کی آنکھوں کے آگے نہیں پھر رہی ہوگی۔ کیا اب سب کچھ جاتا رہیگا؟
سوائے موت کے اب کچھ باقی نہیں۔ اور موت بھی ایسی کہ اُس نے آیندہ زندگی کے خیال کو بھی معدوم کر
دیا۔ آہ! اب بھی وقت ہے کہ اُس پر سے موت کا فتوےٰ اُٹھ جائے۔ اور ایسا وہ رتبہ حاصل کرے جو
کبھی اسکے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ اُسکے بُت سے آگے کھڑے ہوکر آج کے دن اسکے چہرہ کے خطوں
سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت اسکی کیا دُعا ہوگی اور اس دعا سے اُسے کیسی تقویت حاصل ہوئی ہوگی۔
دوسرے روز علی الصبح وہ حاکم کے سامنے حاضر کیا گیا۔ وہ بیچارہ پابزنجیر ترکوں اور عربی اُمراء کے روبرو
جو نہایت آن بان کے ساتھ محفل جمائے بیٹھے تھے کھڑا ہوا۔ بعد ازاں ایک انبوہِ کثیر غُل مچاتے اور اسکو
گھسیٹے اور زدوکوب کرتے دروازہ باب الاوید کی طرف لے چلے جہاں وہ پھر حاکم کے سامنے جو نہایت
شان و شوکت کے ساتھ متمکن تھا جاکر کھڑا ہو گیا۔ یلد علی نے پھر اس کی طرف مخاطب ہوکر اسکو بڑی آہستگی
اور صفائی کے ساتھ سمجھایا۔ اور پھر اس گچ کے ڈھانچہ کی طرف اشارہ کرکے مفصّل بتایا کہ یہ کیسی عذاب
کی موت ہے۔ اور آخر اپنی تقریر ان الفاظ پر ختم کی کہ "او مردار! کیا تو دینِ اسلام میں واپس آنے
سے انکار کرتا ہے"؟ اُس نے جواب دیا کہ "میں مسیحی ہوں اور مسیحی رہ کر جان دونگا"۔ حاکم "اچھا تو پھر
یونہی سہی۔ تم اِس ڈھانچہ میں زندہ دفن کئے جاؤ گے"۔ جیرونیمو کے آخری الفاظ تھے کہ "جو تم چاہو کرو۔
موت کے ڈر سے میں ایمان ہاتھ سے نہ دونگا"۔ حاکم نے فوراً ہاتھ سے اشارہ کیا اور سپاہیوں نے آگے
بڑھ کر اُسکی ٹانگوں سے زنجیر کھول دیئے اور اس کے ہاتھ پس پُشت باندھ کر اور اس کو دوزانو
بٹھا کر اس کی ٹانگوں کو کس دیا اور پھر اُٹھا کر مُنہ کے بل سانچے میں رکھ دیا۔ بعد ازاں
پتلا پلستر اس پر ڈال دیا۔ ہسپانیہ کے ایک بھگوڑے تمنگو نے اپنا جوشِ محمدیت دکھانے کیلئے
جیرونیمو کے بدن پر ایک چھلانگ ماری اور اسکی پسلیاں توڑ ڈالیں۔ اس حرکت سے یلد علی
ایسا مسرور ہوا۔ کہ باقی لوگ بھی تمنگو کے نمونے پر اسکے بدن پر کود پڑے۔ چوبیس گھنٹوں تک جیرونیمو

اُسی پنجے کے سانچہ میں سخت عذاب کی حالت میں پڑا رہا۔ اسکا بدن لہولہان ہو رہا تھا۔ ہائے! اُسکے دشمنوں کے طعن آمیز کلمات اُسکے کانوں میں پڑتے ہوں گے۔ اور اوپر سے جلتے ہوئے آفتاب کی تیز گرمی اُسکے پُردرد سر کو کیسی بے رحمی سے جھلسا رہی ہوگی۔ وہ بہادر ایمان دار اُف تک زبان پر نہ لایا اور ایک دن اور رات اُسی خستہ حالت میں پڑا رہا۔ دوسرے روز جب سورج اپنی پُرشان خوبصورتی میں طلوع ہُوا تو اس کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ یقیناً آسمان کے دروازے اُسکے لئے کھُل گئے ہوں گے اور جیرونیمو کھجور کی ڈالی ہاتھ میں لے کر شہیدوں کی نورانی فوج میں شامل ہو گیا۔

تین سو سال تک یہ قصہ محض ایک منگھڑت کہانی تصوّر کیا جاتا تھا۔ مگر چند سال گذرے جب اس دیوار کی مرمّت ہو رہی تھی تو ناگاہ اسکے اندر سے ایک کھوکھلی جگہ برآمد ہوئی جس میں آدمی کے بدن کی ہڈیاں پڑی تھیں۔ گورنر کو اُس شہید کے حالات معلوم تھے سو اُسنے حکم دیا کہ اُس خالی جگہ کو پیرس پلاسٹر سے پُر کر دیں۔ تھوڑی دیر میں جیرونیمو کا پُورا بُت بنکر نمودار ہو گیا جس سے اُس کی شہادت کا بیّن ثبوت مل گیا۔ یہ بُت اِس وقت الجیریا کے ذخیرۂ عجائبات میں موجود رکھا ہے۔ اسکو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیرونیمو اسوقت لاغر تھا۔ چہرہ کی نسیں اُبھری ہوئی ہیں اور بند مُنہ سے اُسکا صاحبِ ارادہ ہونا مترشح ہوتا ہے۔ ہاتھ جکڑے ہوئے اور ٹانگیں پھولی بلکہ ٹوٹی ہوئی پسلیاں بھی موجود ہیں۔ تین سو سال تک تواریخ اسکی نسبت بالکل ساکت رہی اور اب پتھر چلّا چلّا کر دنیا کو اس شریف و نجیب عربی شہید کا قصہ سُنا رہے ہیں۔

بیوی کا اِنتخاب

(انگریزی سے ترجمہ)

امّا حوّا کا آدم علیہ السّلام کی پسلی سے پیدا ہونا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ عورت مرد کی مونس و رفیق ہونے کے لئے بنائی گئی ہے پس یہ رفیقِ طریق جس قدر اچھا ہو اُسی قدر مرد کی خوش قسمتی سمجھو کیونکہ۔ ؎ زنِ نیک خوش سیرت و پارسا کند مردِ درویش را پادشاہ

یہ بتلا سکنا کہ آیا فلاں شخص شادی کر کے تباہ ہو جائے گا یا سنبھل جائیگا بہت زیادہ اس کی بیوی پر منحصر ہے۔ دُنیا میں کوئی چیز ایک نیک زوجہ سے افضل اور نہ ہی کوئی چیز ایک بُری بیوی سے بدتر ہے۔

ایک دفعہ امریکہ کے نامور موجد اڈیسن صاحب کو اُن کے ایک دوست نے صلاح دی کہ امور خانہ داری کو جو باوجود نوکروں کی ایک بڑی تعداد کے اُلجھے پڑے تھے سنوارنے کے لئے شادی کرلیں۔ باوجود نہایت شرمیلے آدمی ہونے کے صاحب موصوف نے اس صلاح کو بہت پسند فرمایا۔ اور کہا کہ کیا تم کوئی ایسی خاتون بتلا سکتے ہو جسکو میں اپنا شریک بنا سکوں۔ دوست نے جواب میں لاپرواہی سے کہا کہ "کوئی عورت ہو"

لیکن ہماری رائے میں کوئی شخص جو ایسی صلاح پر کام کرے واقعی قابل رحم ہے۔ کیونکہ جو کچھ کہ دانا لومڑی نے بیمار شیر سے کہا تھا وہی شادی کی نسبت بھی کہا جا سکتا ہے۔ یعنی "میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے غار میں جانوروں کے گھسنے کے نشان ہیں لیکن باہر آنے کے نہیں" کسی کو اپنی زندگی کا رفیق بنانے سے پہلے انتخاب میں نہایت احتیاط برتو۔ کیونکہ تب پچھتائے ہوت کیا جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ تاہم یہ بتلا دینا بھی مناسب ہے کہ ایک ایسی بیوی کا تلاش کرنا بھی جو بہ اوصاف موصوف ہو ابتدٰ موسوم ہے خواہ وہ تلاشی اپنے آپ میں مفصلۂ ذیل اشتہار دینے والے کی طرح اسکے شوہر بننے کی قابلیت ہی کیوں نہ پاتا ہو۔

ایک اخبار میں مفصلۂ ذیل اشتہار چھپا۔ "ایک نوجوان کو جو ابھی دُنیا میں داخل ہُوا ہے ایک سترہ سالہ بیوی کی ضرورت ہے۔ جوزی عصمت۔ تعلیم یافتہ اور کم از کم پانچہزار روپیہ کی جائداد کی مالک ہو۔ قوی الجثہ اور مضبوط الاعضا ہو اور قد میں جوتے اُتار کر پانچ فٹ چار انچ ہو۔ بہت لحیم شحیم نہ ہو اور نہ ہی بہت دُبلی پتلی ہو۔ حسین ہو اور اپنے حُسن پر مغرور نہ ہو۔ باتونی نہ ہو اور نہ ہی ہمیشہ چُپ چاپ نظر آتی ہو۔ سخاوت پسند ہو اور قیمتی لباس کی حد سے زیادہ شوقین نہ ہو۔ اگرچہ صاف ستھری رہنے کی عادی ہو۔ شوہر سے دل سے محبّت کرنے والی ہو اور اسکے راز کسی سے کہنے والی نہ ہو۔ کفایت شعار بھی ہو اور اگر کوئی مصیبت آپڑے تو اُسے خوشی سے سہارنے کی طاقت رکھتی ہو۔ کوئی خاتون جو مذکورہ بالا اوصاف سے متّصف ہو اور شادی کی خواہش رکھتی ہو تو۔ ا۔ ب۔ معرفت۔ ک۔ ش۔ سے خط و کتابت کرے"

نوٹ۔ درخواست کنندہ کا دعویٰ ہے کہ وہ مذکورہ بالا صفات کی بیوی کے خاوند بننے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور ایسی خاتون کا مستحق ہے"

بات میں بات نکل آتی ہے۔ وُہی کہاوت ہے کہ ایک بُڑھیا نے اپنے نوکر سے کہا کہ میلہ میں سے ایک گائے جوان۔ اصیل۔ خوبصورت۔ سُرخ رنگ۔ مضبوط جسم والی اور بیس روپیہ سے کم قیمت کی خرید لائے۔ نیز یہ کہ دُودھ آٹھ سیر سے کم نہ دیتی ہو۔ نوکر نے ادب سے عرض کیا کہ حضور ایسی گائے کے لئے تو میلہ میں جانے سے درگاہِ رب العالمین میں دُعا کرنا بہتر ہے۔

جو لوگ کہ روپیہ کے لالچ سے امیر خاندانوں میں شادیاں کرتے ہیں وہ دراصل اپنے آپکو اپنی بیوی کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ ہم دراصل انسانی خوشی کا غلط اندازہ کرتے ہیں۔ جو چیز کہ انسان کو خوش بنا سکتی ہے وہ قناعت ہے دولت نہیں۔ ایک شخص جو ایک کروڑپتی کا مہمان تھا ایک دن اپنے میزبان سے کہنے لگا کہ جناب آپ تو نہایت خوش قسمت آدمی ہوں گے۔ اُسنے استعجاب سے پوچھا۔ خوش! کیا تمہاری مُراد خوشی ہے۔ میرے خیال میں تو ہمکو اپنی باتوں کے سلسلہ ہی کو بدل دینا چاہیئے۔ کسی کا قول ہے کہ جس شخص کی بیوی اپنے ساتھ بہت بڑا جہیز لاتی ہے اسکو ہمیشہ ذلت سے دیکھتی ہے۔ اور اس پر سوار ہوتی ہے۔

ایسی بیوی منتخب کرو جو اپنی ذات سے تیرے لئے دولت ہو نہ کہ ایسی جو اپنے ساتھ دولت لائے۔ ایک شخص نے نہایت فخر سے کہا کہ میری تمام عزت و دولت میرے لئے میری بیوی نے اپنی کفایت شعاری خوش خلقی اور لیاقت سے کمائی ہے۔ جسکو سُن کر اس کے دوست نے سرد آہ بھری اور کہا کہ میری عزت اور دولت سب میری بیوی نے اپنی فضول خرچی۔ بدخلقی اور نالائقی سے ڈبو دی ہے۔" وہ عورت جو کہ اپنے ساتھ ایک بہت بڑا جہیز لاتی ہے اور بعض وقت تو وہ دُنیا کی طرف سے اس قدر لاعلم ہوتی ہے کہ جیسی لوئس شانزدہم کے دربار کی ایک عورت تھی جس نے یہ سُن کر کہ لوگوں کو روٹی نہیں ملتی۔ یہ کہا تو پھر وہ کیک۔ بسکٹ کیوں نہیں کھاتے۔

حسن ظاہری پر فریفتہ ہو کر بھی شادی نہیں کرنی چاہئیے۔ کیونکہ جیسے دلکش سے دلکش نظارہ ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہنے سے ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے ایسے ہی خوبصورت سے خوبصورت چہرہ بھی۔ آج کا حُسن کل ایک معمولی چیز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حسن باطن نہایت سادہ چہرہ میں بھی ہمیشہ مانند آفتاب پر تو فگن ہوتا ہے۔ حسن باطنی عمر کے ساتھ بڑھتا ہے۔ اور وقت بجائے اسکے کہ حسن ظاہری کی طرح اس کو تباہ کر دے اور جلا دیتا ہے۔ ایک حسین بددماغ عورت کے خاوند سے زیادہ کوئی شخص قابل رحم نہیں۔ تاہم حسن بھمراہی صحت اور حسن باطنی کے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جو صرف خوش قسمتوں کا حصہ ہے۔

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ بے وقوف عورت سے شادی نہ کرو جو کہ تمہارے راز دوسروں کو بتلا کر تمہیں ہدف ملامت بنا دے۔ بے وقوف عورت بجائے خاوند کی مددگار ہونے کے اسکی سدّراہ ہوتی ہے۔ آدمی کی زندگی بدمزاج عورت سے شادی کر کے بے لطف ہو جاتی ہے۔ مگر بے وقوف کے ساتھ دو بھر ہو جاتی ہے۔

عمر کے بارہ میں یہ کہنا کافی ہے کہ اپنی عقل سے کام لو۔ نہ ہی کسی کم سن سے شادی کرو اور نہ بوڑھی عورت سے۔ کیونکہ شادی کا مقصد ایک دوست کا حاصل کرنا ہے ایک باورچی

یا خدمتگار کی تلاش نہیں۔

عورت کے لئے ایک اور ضروری چیز محنت ہے۔ایک سست عورت اپنے نوکروں کو بھی سست بنا دیتی ہے اور اس سے بڑھ کر اولاد کو سست بنانے کا موجب ہوتی ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ فلاں عورت محنتی ہے یا نہیں تو یہ کہا جائیگا کہ جس عورت میں ایسی عادات پائی جاتی ہوں اکثر محنتی ہوگی۔ مثلاً صبح خیزی۔ تیز قدمی۔ باخلاق گفتگو اور لفظوں کا زبان سے صحیح ادا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

فلادلفیا کے ایک نوجوان کا قصہ ہے کہ وہ ایک لڑکی سے شادی کرنی چاہتا تھا جسکی دو بہنیں اور تھیں۔ ایک دفعہ جب وہ اس لڑکی کی ملاقات کو گیا تو اس لڑکی نے اپنی دو بہنوں سے دریافت کیا کہ بہنو معلوم نہیں، ہماری سوئی کہاں ہے۔ یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً چلا آیا اور پھر کبھی اس لڑکی کا خیال نہ کیا۔ جو ایک سوئی بھی دو بہنوں کی شرکت میں رکھتی تھی۔ اور پھر بھی نہ جانتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔

لڑکی کے عادات و اطوار سے واقف ہونے کے لئے اس کی ماں اور بہنوں کے مزاج سے آگاہی حاصل کرو کیونکہ اس کا مزاج بھی بہت کچھ انہیں جیسا ہونا ضروری ہے۔

برن صاحب مشہور شاعر نے عورت کے اوصاف کو دس حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس میں سے چار حصے خوش خلقی کے دو ذکاوت کے ایک خوبصورتی ایک مذاق اور باقی دو تمام اور اوصاف کے ہیں۔

اکثر اشخاص بیوی کے انتخاب کے وقت یہ دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا وہ خوبصورت۔ امیر اور پڑھی لکھی ہے۔ بجائے اسکے کہ یہ دریافت کریں کہ وہ سمجھدار محنتی اور محبت کرنے والی ہے یا نہیں۔

ہم اپنے مضمون کو سر جان مور کی رائے پر ختم کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ میں عورتوں کے گروہ کو سانپوں کے تھیلے سے تشبیہ دوں گا۔جس میں سانپ ہی سانپ ہوں اور صرف دو چار گینڈ مچھلیاں (ایک قسم کی مچھلی جو بالکل سانپ سی ہوتی ہے) ہوں۔اب ہر شخص کو بڑی احتیاط کرنی چاہئے کہ سانپ کے کاٹنے سے محفوظ رہے اور گینڈ مچھلی کو چن لے۔

موسوی شریعت میں حفظانِ صحت کے قوانین

۲

محنت کے متعلق خاص طریقے اگرچہ اس قسم کے طریقے خاص طور پر حفظانِ صحت سے تعلق نہیں رکھتے تو بھی اِن کا تعلق عام بہبودی کے ساتھ ایسا ضروری ہے کہ اِس موقعہ پر اُن کا ذکر کرنا زائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ چھ ہدایات بعض قسم کے اختلاط کے خلاف ہیں جن سے اخلاقی معنوں میں یہہ مُراد ہے کہ نظامِ قدرت کے ساتھ بے صبر ہونا نہیں چاہئے اور نہ چترائی کے ساتھ نامعقول تجربے کرتے رہنا مناسب ہے۔ اس قسم کے ممنوعات کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔(۱) ایک ہی زمین میں ایک ہی وقت مختلف قسم کے بیج بونا۔(۲) تاکستان میں کاشت کرنا۔(۳) مختلف نسل کے حیوانات کا اختلاط۔(۴) مختلف اقسام کے انگوروں کا آپس میں پیوند کرنا۔(۵) مختلف قسم کے حیوانات کو ایک ہی جوے میں جوتنا۔(۶) مختلف قسم کے ملے جلے سُوت سے کپڑے تیار کرنا۔ (۷) ساتویں دن کام کرنا۔(۸) قومی تیوہاروں پر کام کاج کرنا۔

زمیندار عموماً سمجھتے ہیں کہ کس قسم کی زمین زرخیز ہُوا کرتی ہے۔ اور ہر قسم کے درخت اور پَودوں کے لئے خاص خاص اجزا درکار ہیں۔ ایک قسم کی کاشت کے بعد زمین دوسری چیز کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اِسی اصول پر کاشتکار اپنی زمین میں بدل بدل کر اناج بویا کرتے ہیں۔ اِس سے ایک اَور فائدہ بھی ملحوظ ہے۔ یعنی بعض قسم کے کیڑے خاص پَودوں پر گذارہ کرتے ہیں اور جب اس قسم کے پَودوں کا سلسلہ توڑ دیا جاتا ہے تو کیڑے بھی مر جاتے ہیں۔ اگر ہر قسم کے بیج مِلا جُلا کر بوئے جائیں تو پیداوار ناقص ہوگی۔ اِسی طرح گھاس چارہ میں بھی یہی اصول فائدہ بخش ہے۔ اگر زمین میں خودرَو نباتات کو اُگنے دیا جائے تو مختلف اقسام کی جنگلی بُوٹیاں بافراط پیدا ہوں گی۔ لیکن اگر ہل جوت کر زمین کو تیار کیا جائے تو اسمیں مفید قسم کا چارہ یا گھاس پیدا ہو سکتی ہے۔ غرض انسان اور حیوان کے لئے خاص ایک قسم کا اناج یا چارہ پر توجہ کرنے سے سب سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ حیوانات کی دو نسلوں کے آپس میں ملانے سے جو نقصان ہوتا ہے اُس کی ایک روشن مثال خچر ہے۔ جو ہمیشہ بانجھ ہوتی ہے۔ مگر ایسے ملاپ کی مخالفت سے اصل غرض یہ تھی کہ ایک خاص نسل کے حیوانات کی طاقت کا سلسلہ قایم رکھا جائے۔ اور عمدہ نسلیں دوغلاپن سے محفوظ رکھی جائیں۔ یہودی اس قانون کے تین فائدے بیان کرتے ہیں۔ یعنی خالص نسل کی پرورش میں خرچ کم ہوتا ہے۔ دوغلوں میں اوجھڑی بہت بڑی ہوتی اور گوشت تھوڑا

ہوتا ہے اس وجہ سے وہ کھانے کے کام کا نہیں ہو سکتا۔ مختلف نسل کے حیوانات کو ایک ہی جوئے میں جوتنا ایک نہایت بےرحمی کا قانون ہے۔ تیز قسم کا حیوان بڑھ بڑھ کر قدم مارتا ہے اور سست کی ستی خراب ہو جاتی ہے اور اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور چھوٹا بڑا قدم ہونے سے دونوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ دو گھوڑے بھی ایک گاڑی کو بخوبی نہیں کھینچ سکتے جب تک کہ وہ ایک دوسرے کے قدم سے بخوبی واقف نہ ہو جائیں۔ سوتی اور اونی کپڑا پہننا شاید اس لئے منع تھا کہ ایسے کپڑے کو صاف کرنا مشکل ہے۔ خصوصاً بیماروں کے لئے اس قسم کے کپڑے کا استعمال نہایت مضر ہے۔ کیونکہ اسکے رگ وریشہ میں عفونت اور زہریلا مادّہ نہایت آسانی سے جذب ہو جاتا ہے۔ ساتویں دن آرام کرنے کے فوائد ایسے بدیہی ہیں کہ انکا اور ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیگر تیوہاروں پر آرام کرنا اور خاص قسم کی رسوم بجالانا یا خویش واحباب کے ساتھ مل کر خوش ہونا اور دل بہلانا بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ اسکے ثبوت میں یہی اشارہ کافی ہے کہ سرکاری دفاتر اور کارخانوں میں اس قانون پر عمل کرنے سے زیادہ کام ہو سکتا ہے۔

بعض خاص قسم کی احتیاط ہر ایک گھر کی چھت پر آڑ کے لئے دیوار بنانے کا حکم تھا (استثنا ۲۲: ۸) مبادا کوئی شخص کوٹھے پر سے گر کر ہلاک ہو جائے۔ قبروں پر سفیدی پھیرنا اگرچہ قانون میں داخل نہ تھا تو بھی مردوں کی ناپاکی سے بچنے کے لئے ایک ضروری امر تھا۔ بعض مقبرے ایسے بڑے اور معمولی مکانات کے مشابہ تھے کہ اُن پر ہر سال برسات کے بعد سفیدی پھیرنا ضرور تھا۔ اسکے لئے بہترین موقعہ عید فسح سے چار ہفتے پیشتر تھا۔ اس عید پر دُور اور نزدیک سے خلقت کا بڑا بھاری ہجوم ہوتا تھا اور اندیشہ تھا کہ کوئی شخص غلطی سے قبروں کو چھو کر ناپاک نہ ہو جائے۔ اُسی وقت سڑکوں اور گلی کوچوں اور نالیوں کی مرمت بھی کی جاتی تھی۔ قضائے حاجت کیلئے خاص ہدایت تھی۔ (استثنا ۲۳: ۱۲ و ۱۳) کہ باہر نکل جاکر غلاظت پر مٹی ڈال دی جائے تاکہ عفونت نہ ہونے پائے۔ اسی طرح احبار ۱۷: ۱۳ میں خون پر مٹی ڈالنے کا حکم تھا۔ مٹی یا راکھ کا استعمال ہر قسم کی غلاظت کے گندے اجزاء کو زایل کرنے کے لئے آج کے دن بھی تمام سرکاری صحت خانوں میں حکماً مروّج ہے اور متعفن مادّہ کو دبانے کا بہترین اور سستا طریق ہے۔ گلی کوچوں کو صاف کر کے کوڑا کرکٹ شہر سے باہر کسی مقررہ جگہ پر جمع کیا جاتا تھا۔ چنانچہ یروسلیم کی غلاظت کا وادیٔ ہنوم میں انبار لگایا کرتے تھے۔ سیّال مادّہ تو بہ کر کدرون کے نالہ میں جا گرتا تھا۔ اور باقی تودہ کو آگ سے جلا دیا کرتے تھے۔ اسی سے لفظ جہنم نکلا ہے جہاں آگ نہیں بجھتی۔ ناپاک اشخاص کو علیحدہ رکھنے کا خاص حکم تھا اور خاص ایام مقرر تھے۔ جن میں مختلف اقسام کے ناپاک یا متعدی امراض کیلئے علیحدہ رہنا ضرور تھا۔ ان امراض میں سے خصوصاً برص کا بیان نہایت مشرح ہے۔ اس کی تشخیص کی نسبت مفصل ہدایات مندرج ہیں۔

اگرچہ مبروص کو اوروں سے دُور رہنے کا حکم تھا مگر قواعد میں کوئی سختی ان پر روا نہ رکھی گئی تھی ۔ مثلاً ۲ سلاطین ۷: ۳ و ۱۰ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوڑھی آپس میں بلا روک ٹوک چلتے پھرتے تھے ۔ یہودیوں کی کتاب مشنا میں حکم تھا کہ کوڑھیوں کو عبادت خانہ میں جماعت کے اندر آنے سے پیشتر ایک خاص چبوترے پر بٹھا دیا جائے وہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں جب تک کہ سب لوگ باہر چلے نہ جائیں ۔

حفظانِ صحت کے متعلق معائنے ادار مہینے کی پندرھویں تاریخ کو ہر قسم کے معائنے شروع ہوتے تھے ۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ۔ عید فسح پر یروشلیم میں بڑے دور و دراز فاصلوں سے خلقت جمع ہُوا کرتی تھی ۔ اس لئے یہی بہترین موقعہ تھا کہ جب کنوؤں کی صفائی اور نالیوں کی مرمت کی جاتی تھی ۔ خمیر کو گھروں سے تلاش کر کے سال بسال باہر پھینک دیا کرتے تھے ۔ خمیر بعض اشیا کی سڑاہٹ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اسکو قربانیوں کی نذروں میں سے بڑی کوشش کے ساتھ خارج کیا جاتا تھا ۔ قدیم رومیوں میں بھی خمیر کی نسبت ایسا ہی رواج تھا ۔ چنانچہ انہیں ایک مثل تھی کہ خمیر اشیا کے بگڑنے سے پیدا ہوتا ہے اور جس چیز کے ساتھ ملایا جاتا ہے اسکو بھی خراب کر دیتا ہے ۔ مکانات کے کونوں میں خمیر کی تلاش کرنے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہُوا کرتا تھا کہ گھر میں چپہ چپہ جگہ نہایت خبرداری کے ساتھ صاف کی جاتی تھی بلکہ معدنی برتنوں کو دیگ میں ڈالکر کھولتے پانی میں صاف کرنا ضرور تھا ۔ اس قسم کے معائنے ادار کی پندرہ تاریخ سے شروع ہو کر فسح کی عید تک ہوا کرتے تھے ۔ اور ہر سہ مقررہ عیدوں سے پندرہ روز پیشتر بھیڑوں اور مویشی کا معائنہ ہُوا کرتا تھا ۔ جس میں خصوصاً دوغلے جانوروں اور بیمار اور ضرب رسیدہ اور کمزور حیوانات کو ردی ٹھہرایا جاتا تھا اور باقی پر دہ یکی لگائی جاتی تھی ۔ خیموں کی عید پر اثاث البیت اور برتنوں کا معائنہ ہوتا تھا ۔ خیموں میں بود و باش کے لئے مختصر سامان لے جانا پڑتا تھا اس سے کفایت شعاری کی تعلیم ہوتی تھی اور صفائی پر خاص زور دیا جاتا تھا ۔ اس قسم کی زندگی سے جو فائدہ صحت کو ملتا ہے وہ ظاہر ہے ۔ قابلِ ذبح حیوانات کی نہایت احتیاط کے ساتھ جانچ پڑتال ہوتی تھی ۔ جو شناخت پاک اور ناپاک جانوروں کی شریعت میں مندرج تھی اُس پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ زور دیا جاتا تھا ۔ مثلاً جگالی کرنا بعض حیوانات کے مُنہ کی خاص حرکات سے امتیاز کیا جاتا تھا ۔ بعض ربیوں کی رائے میں کم از کم دو یقینی نشانات شناخت کے لئے ضروری تھے ۔ بعض مفسر پرندوں میں تین خاص نشانات طلب کیا کرتے تھے ۔ ذبح شدہ حیوانات کا معائنہ خصوصاً قربانی کے چوپایوں میں ہُوا کرتا تھا کیونکہ اُن کا بے عیب ہونا لازمی تھا ۔ اس سے ہر قسم کے بہترین حیوانات کی نسل بڑھانے کی تحریک ہوتی تھی ۔ اور چونکہ مریض یا مُردار ردی ٹھہرایا جاتا تھا اس

لئے ذبح کے قواعد اور لاش کے معاینہ کے ضوابط وضع کئے گئے۔ اور حیوانات سے پھاڑے ہوئے یا کھیت میں مرے ہوئے کی تشخیص کے لئے ضربات کی بڑی لمبی فہرست مرتب کی گئی۔ کپڑے میں تانے بانے کے داغ بڑے غور سے دیکھے جاتے تھے کہ کہیں برص نہ ہو (احبار ۱۳: ۴۹)۔ اس سے غرض یہ تھی کہ اُونی اور دیگر اقسام کے سُوت کو نجاست سے صاف کیا جائے۔ انسان کی جلد پر مختلف بیماریوں کا برص سے تشخیص کرنا ضرور تھا۔ اس لئے مریض کو ایک ہفتہ کے بعد دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ معائنہ کرانے کا حکم تھا۔ جو شخص معاینہ کرانے سے انکار کرے یا ارادتاً اپنے مرض کو چھپائے اسکو ناپاک قرار دیا جاتا تھا۔ حفظان صحت کے قوانین پر عمل کرانے کیلئے یہ طریق ضرور تھا ورنہ مرض یا اس کی ناپاکی کو پھیلنے سے کیونکر روکا جاسکتا تھا۔ مکانات کی نسبت معائنہ کا قاعدہ مالک کے لئے اختیاری تھا۔ مگر کپڑے کا معائنہ لازمی تھا۔

صفائی کے قوانین موسوی شریعت میں رسمی اور شخصی پاکیزگی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور تمام قواعد اسی غرض سے بنائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ عام صفائی کے لئے کسی خاص کیمیائی شے کا ذکر پایا نہیں جاتا۔ اگرچہ مصر میں قدیم زمانہ سے سوڈا یا کھار کا استعمال صفائی کے لئے چلا آتا ہے کنعان میں صاف پانی سے دھونے کا دستور ہمیشہ سے مروج ہے اور کثرت سے پانی انڈیلنا ہر قسم کی غلاظت کو حل کرکے دھو ڈالتا ہے۔ کپڑوں کی صفائی عموماً دھو ڈالنے سے ہوتی تھی۔ اگر کچھ شبہ باقی رہجائے تو غلیظ مقام کو پھاڑ کر پھینک دیتے تھے۔ اور اگر ناپاک مادّہ اسکے رگ وریشہ میں ایسا سرایت کرگیا ہو کہ اسکی صفائی ناممکن ہو تو اس کپڑے کو آگ میں جلا دیتے تھے۔ مٹی کے برتن توڑ کر باہر پھینکے جاتے تھے۔ کاٹھ کے برتن اور چمڑے وغیرہ کی اشیاء کو کئی گھنٹوں تک پانی میں بھگو رکھنا ضرور تھا (احبار ۱۱: ۳۲ و ۱۵: ۱۲) جو اشیا مدیانیوں سے لوٹ میں ہاتھ لگی تھیں ان کا صاف کرنا لازمی تھا۔ (گنتی ۳۱: ۲۰ سے ۲۴ آیات) اور خطا کی قربانی کے برنجی برتنوں کو بھی صاف کیا جاتا تھا۔ (احبار ۶: ۲۸) مکانات کی صفائی کیلئے مشتبہ مقامات کو کھُرچ کر دُور فاصلہ پر پھینک دینے کا حکم تھا۔ خون کو راکھ یا خشک مٹی سے ڈھانپ دینے کے طریق کا اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ لال گائے کی راکھ جسکا ذکر گنتی کے اُنیسویں باب میں مندرج ہے صفائی کے لئے استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس میں غالباً ہڈی کے کوئلے کی فضیلت کی طرف جو موجودہ سائنس نے صفائی کے لئے تسلیم کرلیا ہے اشارہ ہے۔ اسی طرح زوفہ اور دیگر خوشبودار لکڑیوں کا استعمال ہوا صاف کرنے کے لئے نہایت عمدہ مانا گیا ہے۔

خلاصہ مندرجہ بالا قوانین جنکا ذکر نہایت مختصر طور پر کیا گیا ہے۔ اوّل تو مذہب کے ساتھ منسلک کئے گئے تھے۔ اسرائیل کے لئے اس وقت کے مطابق حال یہی صورت ہوسکتی تھی ورنہ ان

قواعد کا عملدرآمد محال تھا۔ ان قوانین کی متابعت سے نہ صرف جسمانی صحت قایم رہتی تھی بلکہ جسمانی عالم کی ہدایات کا اطلاق ان کی اخلاقی زندگی پر کرنا بھی مدنظر تھا۔ مثلاً یسعیاہ کے پہلے باب کی ۵ و ۶ آیات اور ۳۰ باب کی ۲۶ ویں آیت وغیرہ میں جسمانی مرض کو رُوحانی گناہ سے مطابق کیا گیا ہے۔ اور جو باتیں بہت سی غلطیاں کر کر کے سیکڑوں سال میں حاصل کرتی تھیں وہ خدا کی ہدایت سے فوراً سیکھ گئے۔ پھر جو قوم خدا کو اپنا باپ مانتی ہے۔ اسکے لئے ہم جنس انسان کی برادری کا سبق بھی ان سے عیاں ہے۔ اور آخر میں یہ بھی ظاہر ہے کہ موجودہ سائنس باوجود حد درجہ کی ترقی کے ان سے بہتر قانون وضع نہیں کر سکا۔ فقط۔

مِشن فیلڈ

چرچ مشنری سوسائٹی کے سس ٹن سٹے شن فنڈ یعنی اس سرمائے کی دوسری رپورٹ جو اسکے سہارے کے لئے جمع کیا جاتا ہے۔ ماہ مارچ ۱۹۰۴ء۔ صرف یہ بات جتلانی چاہتے ہیں۔ کہ یہ سرمایہ اب ایک مستقل امر ہوگیا ہے۔ اور ہمکو اُمید ہے کہ ہند کے اس حصے میں جو مسیحی کلیسیا ہے۔ اسکی ترقی اور استحکام کے لئے۔ وہ روز بروز ایک بڑا باعث ہوتا جاتا ہے۔ جو چندہ کہ لوگوں نے سال گذشتہ میں اس امر کے لئے دیا ہے۔ اُسکے وسیلے سے ہم نے ولایت کی اصل کمیٹی کے سر پر سے چار ہزار روپیہ کا وہ بوجھ ہلکا کر دیا ہے جو کمیٹی مذکور مدت تک بڑے صبر سے ہمارے لئے اُٹھاتی رہی ہے۔ ہم سب تو اس بات کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ لیکن ہماری جماعتوں کے دلوں پر اس بات کا برابر نقش کئے جانا ضرور ہے کہ چند گذشتہ سالوں سے ولایت کی کمیٹی کے سر پر یہ بوجھ بہت بھاری ہوگیا تھا۔ اور قریب تھا کہ اس بھاری بوجھ سے ہماری اُس بزرگ سوسائٹی کا کام تمام ہو جاتا۔ اسلئے ہمارا یہ فرض بھی ہے اور فخر بھی ہے کہ ہم یہاں کی نئی نئی جماعتوں کو یہ بات سکھلائیں کہ وہ اب لاچار بچوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ جوانی کی حالت میں آپہنچی ہیں۔ اس لئے اب وہ اپنے روپیہ پیسہ کا بوجھ کسی واجبی اندازے تک آپ اُٹھا سکتی ہیں۔ اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کے انتظام کرنے میں خود شریک ہونے کا دعویٰ بھی کر سکتی ہیں۔ یہ جو آخر بات ہے یعنی انتظام میں شریک ہونا۔ یہ ایک ایسی بات ہے۔ کہ بعض لوگوں کو بہت پسند ہے۔ مگر یاد رہے کہ پہلا کام یہ ہوا کرتا ہے کہ ہم اپنے اپنے فرض بجالائیں۔ پھر اسکے بعد

ہمکو برکتیں اور حقوق حاصل ہُوا کرتے ہیں۔ پس ہماری اس چٹھی کی غرض یہ ہے کہ ہم پاسٹروں اور چرچ کے کام کرنے والوں کو پھر ایک بار اُبھاریں کہ وہ اپنی اپنی جماعتوں کو اس اچھے دینی فرض کے بارے میں برابر تعلیم دیتے رہیں کہ خادمانِ دین کی پرورش کرنی بڑی ضروری بات ہے۔ ہم کو ہر طرح سے یقین ہوتا ہے کہ یہ سرمایہ جو دو سال گذشتہ سے جمع کیا جاتا ہے اس سے خود اس بات کی تعلیم واقعی طور سے ہو رہی ہے۔ چنانچہ بعض جماعتوں نے اپنی دلی خواہش سے خود اس امر کو منظور کر لیا ہے۔ اور بڑی فیاضی کے ساتھ مدد دی ہے۔ بعض اَور جماعتوں نے شروع میں تو اس کام میں بڑا جوش ظاہر نہیں کیا تھا۔ مگر اب اُن کی آنکھیں کھُلتی جاتی ہیں۔ اور اب وہ اس کام کی عظمت کو سمجھتی جاتی ہیں اِس لئے اب وہ کوشش کر رہی ہیں کہ اپنی حیثیت کے موافق کچھ زیادہ تر مدد کریں۔ ترن تارن کی جماعت نے یہ خبر بھیجی ہے کہ اب ہم کسی گانوں میں کوئی مدرس مقرر نہیں کرتے۔ جب تک اُس گانوں کے مسیحی یہ اقرار نہ کرلیں کہ ہم اُس مدرس کی تنخواہ کا کم از کم دسواں حصہ دینے کے ذمہ وار ہیں۔ مگر بعض مقاموں میں جب دینے کا وقت آیا تو انہوں نے جو دسواں حصہ دینے کا اقرار کیا تھا۔ اُس سے بھی زیادہ دیا۔ بھڑوال میں ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ کیونکہ اسمیں صرف دو سو مسیحی ہیں اور عنقریب سب کے سب بڑے مفلس ہیں۔ انہوں نے بھی چرچ کونسل کو مقرری چندہ دینے کے علاوہ سسٹن ٹرسٹ فنڈ کے لئے بھی اکیاون روپیہ بھیجے ہیں۔ سندھ کے مُلک میں سے ایک ریڈر نے جسکی تنخواہ بیس روپیہ ماہوار سے بھی کم ہے اس سرمائے کے لئے ایک سو پچیس روپیہ دیا ہے۔ اِن باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سچی فیاضی کے چشمے گویا سطح زمین کے قریب ہی ہمارے چاروں طرف اُبلنے کو تیار ہیں اگر ہم اُن کو ذرا ہاتھ لگا کر چھیڑ دیں۔ تو فوراً اپنے خزانوں سے ہماری جھولی بھر دیں گے۔

یہ بات بھی کسی قدر دلپذیر ہے کہ جو چندے جماعتوں سے وصول ہُوئے ہیں۔ اُن میں ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۳ء کی کُل مقداروں میں تین روپیوں سے بھی کم کا فرق ہے۔ اور جو چندے براہ راست دیسی مسیحیوں سے آئے ہیں اُن میں صرف چھ روپیہ کا فرق ہے۔ لیکن جب اس امر پر اَور زیادہ تر غور کی گئی تو معلوم ہُوا کہ جو چندے چرچ مشنری سوسائٹی کی اصلی جماعتوں نے دئیے ہیں وہ ۱۹۰۲ء میں بڑھ کر دو سو پینتالیس روپے ہو گئے ہیں۔ مگر جو چندے انگریزی جماعتوں نے بھیجے ہیں وہ گھٹ کر دو سو اکیاون روپے رہ گئے ہیں۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم اپنی ٹانگوں پر آپ کھڑے ہونے لگ گئے ہیں اور غیروں کی مدد کے محتاج نہیں۔ پس ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اب ہمارے اس سرمائے کی جڑ پختہ ہو گئی ہے۔ پس ہم ۱۹۰۴ء کے لئے یہ کوشش کریں کہ اس کام میں بڑی ترقی ہو جائے۔ ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی بڑی گنجایش ہے۔ کیونکہ سال گذشتہ میں جو صرف دو ہزار

ایک سو اڑتالیس روپے کی آمدنی چرچ مشنری سوسائٹی کی کلیسیاؤں اور خاصکر دیسی مسیحیوں کے چندوں سے ہُوئی تھی۔ وہ اگر بالفرض اُن نو ہزار اور چھ دیسی مسیحیوں ہی سے ہُوئی ہے جو کہ ہماری مشنوں سے متعلق ہیں۔ تو بھی وہ ظاہرا کچھ بڑی آمدنی نہیں ہے۔ اس سے ہمکو یہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ ہم اس برس کی رپورٹ کے آخر صفحے پر دو متوازی قطاروں میں آنے پائی چھوڑ کر روپیوں کی وہ رقمیں درج کردیں جو ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۳ء کے درمیان اُن چندوں کو چھوڑ کر جو دیسیوں اور انگریزوں نے براہ راست دیئے ہیں۔ فی الحقیقت الگ الگ جماعتوں سے وصول ہُوئی ہیں۔ ہر چند کہ اُن رقموں کے دیکھنے سے کسی قدر مغالطہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ غرض ان رقموں کے مقابلہ کرنے سے بعض لوگوں کو تو شرمندگی ہوگی۔ مگر اَوروں کے دلوں کو اس سے تقویت بھی ہوگی۔ ہم کو امید ہے کہ اس سال میں ہمارے اس کام سے سب کو نئے سرے سے پائداری کے ساتھ کوشش کرنے کا شوق اور حرص پیدا ہوگی۔ اب روپیہ جمع کرنیکے لئے ہم آپکو یہ تدبیریں سمجھاتے ہیں۔ اوّل یہ کہ گرجا کی آفرٹوں پر تکیہ نہ کرو۔ دوم۔ یہ کہ اپنی اپنی جماعتوں کے کئی ایک ٹکڑے یا جتھے کرلو۔ اور ہر ایک جتھے میں سے ماہواری چندہ جمع کرنے کے لئے کوئی شخص مرد یا عورت مقرر کرلو۔ اور جو روپیہ اس طرح ہر مہینے وصول ہُوا کرے وہ ایک شخص کے پاس جو سب کا خزانچی ہو جمع کردیا جائے۔ سوم۔ وہ خزانچی ماہواری چندہ کا نتیجہ گرجا گھر کے دروازے پر لگا دے۔ تاکہ ساری جماعت کے لوگ اسکو غور سے دیکھا کریں۔ اور اسکے بارے میں اپنے دلوں میں فکر کیا کریں۔

ہم نے سن حال کے ماہِ جنوری کی بابت جو روپیہ جمع ہُوا اسکا نتیجہ ایک گرجا گھر کے دروازے پر لگا ہُوا دیکھا۔ اس میں دو جمع کرنے والوں کے نام تھے۔ مگر اُن کے نام کے بعد یہ منحوس لفظ درج تھے کہ کچھ روپیہ وصول نہیں ہُوا۔ ہمکو یقین ہے کہ ان لفظوں کے دیکھنے سے جو شرمندگی پیدا ہوگی اسکا اثر ماہِ فروری کے نقشوں میں بڑا مفید ہوگا۔ اب غرض یہ ہے کہ جو تدبیر آپ کریں وہ ایسی ہو کہ اس چندے کا خیال لوگوں کی نظر کے سامنے ہمیشہ رہے کیونکہ اُن کی حالت اکثر اوقات ایسی ہے کہ جو کچھ کماتے ہیں وہ برابر خرچ کرتے جاتے ہیں کچھ بچا کر نہیں رکھتے۔ اس لئے اگر کسی مہینے کا چندہ وقت پر وصول نہ ہو جائے۔ تو پھر یہ سمجھ لو کہ اب شاید اس کی کچھ امید نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کو اس چندے اور نیز ایسے ہی اَور چندوں کی اصلی دینی بنیاد کی تعلیم دیتے رہیں تاکہ ان کا دینا مجبوری کے ساتھ نہو۔ بلکہ خوشی خوشی ہو۔ اور جو دینی اور دنیوی برکتیں ہمکو ساری اچھی چیزوں کے دینے والے خدا کے پاس سے برابر حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ اُس کی شکر گذاری میں ہم اپنے چندے نذر کیا کریں۔

چندے جو گرجاؤں میں جمع ہُوئے ۱۸۱۹ روپے ۱۳ آنے ۳ پائی۔ چندے جو دیسی مسیحیوں نے

دیئے ۴۸۵ روپیہ۔ چندے جو انگریزوں نے دیئے ۱۶۵۵ روپے ۴ آنے کمیشن انکم ٹیکس ۱۰۵ روپیہ ۱۰ آنے ۷ پائی۔ کُل میزان ۴۰۶۵ روپے ۲ آنے ۱۰ پائی۔

۳۱ دسمبر ۱۹۰۳ء پر سپس ٹن ہے ٹیشن فنڈ کے جمع خرچ اور باقی کی کیفیت۔

آمدنی	تعداد روپیہ	آنہ	پائی	خرچ	تعداد روپیہ	آنہ	پائی
۳۱ دسمبر ۱۹۰۲ء کو جسقدر باقی تھا	۴۱۱۴	۲	۱۰	چھپوائی کی بابت	۱۷	۵	۰
آفرٹریوں اور اَور طرح سے جو جمع ہُوا	۱۸۱۹	۴	۳	پنجاب بنک میں پکی امانت	۴۰۰۰	۰	۰
دیسیوں نے جو چندہ دیا	۴۸۵	۰	۰	دیسی مشنریوں اور کارندوں کی تنخواہوں کی بابت جو دیا گیا	۴۰۰۰	۰	۰
انگریزوں نے جو چندہ دیا	۱۶۶۵	۴	۰				
انکم ٹیکس پر کمیشن۔	۱۰۵	۱۰	۷	باقی جو ہاتھ میں موجود ہے	۱۶۲	۰	۸
کُل میزان	۸۱۷۹	۵	۸	کُل میزان	۸۱۷۹	۰	۸

نقشہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چرچ مشنری سوسائٹی کی جماعتوں کے دیسی اور انگریز ممبروں سے ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۳ء کے درمیان آنے پائی چھوڑ کر کس قدر روپیہ اس فنڈ کے لئے جمع ہُوا۔ اس نقشے میں وہ چندے کی رقمیں داخل نہیں جو براہِ راست وصول ہُوئی ہیں۔ اور نہ وہ رقمیں داخل ہیں جو ان گرجاؤں سے وصول ہُوئی ہیں جو چرچ مشنری سوسائٹی سے متعلق نہیں ہیں۔

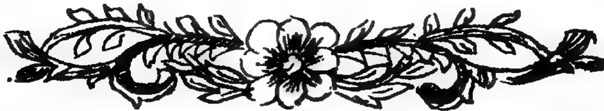
نام مشن	جسقدر روپیہ سنہ ۱۹۰۲ء میں جمع ہوا	جسقدر روپیہ سنہ ۱۹۰۳ء میں جمع ہوا	سنہ ۱۹۰۴ء	نام مشن	جسقدر روپیہ سنہ ۱۹۰۲ء میں جمع ہوا	جسقدر روپیہ سنہ ۱۹۰۳ء میں جمع ہوا	سنہ ۱۹۰۴ء
امرتسر	۴۴۴	۳۲۵		کلارک آباد	۳۵	۸۶	
اجنالہ	۶۱	۷۰		منٹگمری والہ	۱۵	۵۰	
جنڈیالہ اور بیاس	۲۴	۴۹		جھنگ بار (باقی نہیں)	۰	۰	
مجیٹھہ	۳۴	۵۳		کانگڑہ اور دھرم سالہ	۳۹	۲۰	
بٹالہ	۸۷	۲۵۸		کوٹ گڑھ	۱۶	۱۸	
بھرڑال	۴۱	۵۱		شملہ	۴۵	۴۰	
ترن تارن	۱۶۸	۲۱۱		کشمیر	۳۰	۳۱	
نارووال	۲۶	۹۸		پشاور	۴۰	۴۰	
لاہور	۱۰۵	۸۶		بنوں	۰	۰	

نام مشن	جسقدر روپیہ سنہ ۱۹۰۲ء میں جمع ہوا	جسقدر روپیہ سنہ ۱۹۰۳ء میں جمع ہوا	سنہ ۱۹۰۴ء	نام مشن	جسقدر روپیہ سنہ ۱۹۰۲ء میں جمع ہوا	جسقدر روپیہ سنہ ۱۹۰۳ء میں جمع ہوا	سنہ ۱۹۰۴ء
ڈیرہ اسمٰعیل اور ٹانک	۶۹	۲۱		سکھر اور شکارپور	۵۶	۴۰ (۶)	
ڈیرہ غازیخاں	۰	۱۰۲		حیدرآباد	۰	۰	
ملتان	۲۰	۴۹		کراچی	۰	۰	
کوئٹہ	۵۰	۵۱		میزان	۱۴۱۸	۱۶۶۳	

اِس سال میں تم کس درجہ تک اُٹھو گے؟ اگر ہم نے تمہارے لئے روحانی چیزیں بوئی ہیں تو کیا یہ بڑی بات ہے کہ ہم تم سے دُنیاوی چیزیں حاصل کریں۔ اوّل کرنتھیوں ۹: ۱۱۔ خدا اسکو پسند کرتا ہے جو خوشی سے دیتا ہے۔ دوم کرنتھیوں ۹: ۷۔

بینڈ آف ہوپ کا ایک گیت

جو چاہو کہ دن رات بھوکوں مرو — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو
جو چاہو کہ تم قرض میں دب رہو — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو
جو چاہو کہ گھر میں ہو فاقہ کشی — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو
جو چاہو کہ ہر دم ہو حالت بُری — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو
جو چاہو کہ دے جائے طاقت جواب — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو
جو چاہو کہ ہو جائے مٹی خراب — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو
جو چاہو کہ تم پر زمانہ ہنسے — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو
جو چاہو کہ عزّت پہ بٹّہ لگے — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو
جو چاہو کہ دُنیا میں نکّو بنو — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو
جو چاہو کہ مرنے سے پہلے مرو — شرابی بنو۔ ہاں شرابی بنو



[illegible] ۱۹۰۳ میں [illegible] میں جواب [illegible] کیے گئے بقول اخبار انڈین کرسچن [illegible] اضلاع متحدہ آگرہ و اودھ میں پچھلے پچاس سال کے عرصہ میں صرف ایک ہندوستانی مسیحی ڈپٹی کلکٹر ہوا ہے۔ اسی عرصہ میں ۲ ہندوستانی مسیحی منصف ہوئے ہیں۔ دو تحصیلدار۔ اسوقت اضلاع مذکورہ میں ہندوستانی مسیحیوں کی تعداد قریباً ایک لاکھ ہے۔ اور پبلک سروس میں مسیحی عہدہ دار مفصلۂ ذیل ہیں۔ ڈپٹی کلکٹر ۱۔ منصف ۱۔ سب جج ۱۔ تحصیلدار ۱۔ پولیس انسپکٹر ندارد۔ اٹلی کی ملکہ کھانا پکانے میں بڑی ماہر ہیں۔ بچپن میں انکو امور خانہ داری بخوبی سکھائے گئے۔ جرمنی کے شاہی خاندان میں ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ہنر سکھایا جاتا ہے۔ ہمارے بورڈنگ سکولوں کی کتنی تعلیم یافتہ لڑکیاں کھانا پکا سکتی ہیں! — بائیں کروٹ سونا نقصان کا باعث ہے۔ اس سے بدہضمی پیدا ہوتی ہے اور نیند بھی بخوبی نہیں آتی۔ تمام کھانا دہنی طرف سے داخل ہوتا اور اسی طرف سے خارج ہوتا ہے [illegible] لئے داہنی کروٹ سونے سے [illegible] کی حرکت میں [illegible] آتا [illegible]

[illegible] ہوئے [illegible] - اور حتی الوسع کھلی ہوا میں رہنا اور باقاعدہ پیدل چلنا شروع کیا۔ اسوقت اسکا وزن ایک من ۱ سیر تھا۔ اب ایک من ۲۹ سیر ہے۔ اسوقت دس ہزار دو سو پچاس میل پیدل چل چکا ہے۔ چند سال گذرے۔ یہ یقین کیا جاتا تھا کہ شبنم اس نمی کے جم جانے سے بنتی ہے جو ہوا میں پائی جاتی ہے لیکن آنریبل رڈلو رسل۔ مسٹر جی آٹکنسن اور دیگر سائنسدانوں کے تجربے سے معلوم ہوا کہ شبنم کے قطرے جو گھاس یا دیگر اشیاء پر پائے جاتے ہیں وہ اُن بخارات سے بنتے ہیں جو زمین سے یا پودوں سے خارج ہوتے ہیں۔ کیونکہ پودوں کے پتوں سے نمی خارج ہوتی رہتی ہے اور دھوپ یا ہوا کے نہ ہونے کی حالت میں وہ کسی چیز کی سطح پر جم کر شبنم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زمین سے برابر بخارات نکلتے رہتے ہیں جو جم کر شبنم کے قطرے بن جاتے ہیں۔ پروفیسر آر۔ پکٹ جو جنیوا کی یونیورسٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے ہوا کے تیار کرنے کا طریقہ ایجاد کیا ہے [illegible] اور جس جگہ میں [illegible]

آگ پر چلنے کی مہارت رکھتے ہیں۔ وہ ایک گڑھا کھود کر اسمیں لکڑیاں بھر دیتے ہیں اور انکے اوپر بڑے بڑے پتھر رکھ کر لکڑیوں میں آگ لگا دیتے ہیں اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ جب پتھروں میں ۱۸۰ درجہ کی حرارت آجاتی ہے تو لوگ انکے اوپر ننگے پاؤں چلتے ہیں۔ ولایت میں پروفیسر اے جی البرٹسن نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جسکے ذریعے ستاروں کی آواز اور شور سنائی دیتا ہے۔ اس آلہ میں ٹیلیفون اور فوٹوگراف کے خواص پائے جاتے ہیں۔ آلہ کا رخ جس میں شیشہ لگا ہوتا ہے ستارے کی طرف کو کر دیا جاتا ہے۔ اور اسکی روشنی اسکے ذریعے آلہ کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ جہاں وہ آواز کی شکل میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس آلہ کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ مختلف ستاروں کی آواز مختلف قسم کی ہوتی ہے میکسیکو میں ڈاکٹر پال ایڈورڈس نے تجربہ سے ثابت کر دیا کہ پھولوں پر قوت خیال کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ایک درخت کے پھولوں پر اُسنے خوشی اور محبت کے خیال کی قوت کا اثر ڈالا۔ جس سے پھول کی جسامت طاقت اور خوبصورتی کو ترقی ہوئی۔ دوسرے درخت کے پھول پر اُسنے نفرت اور ملامت کے خیال کی قوت کا اثر ڈالا اور وہ مرجھا گیا۔ جبکہ ... کبھی ... خیال کی جانب رکھکر نہیں ... کیونکہ ... کہ مرنے کا ... خیال کی ... [illegible] ... ایک ... [illegible]

رسالہ مسیحی امرتسر

یہ رسالہ ہر ماہ کے آخری ہفتہ میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شائع ہوتا ہے یہ اپنی طرز کا ہی ایک رسالہ ہندوستان بھر میں موجود ہے جو کسی مشن یا مشنری سے متعلق نہیں۔ اور غیر ممالک کے مسیحی رسالہ جات کے نمونہ پر اُردو حروف میں چھاپا جاتا ہے۔ اسمیں علاوہ گلدستۂ اخبار اور نوٹ اور ریویو کے دیسی کلیسیا کی روحانی اور سوشیل حالت کے متعلق مضامین درج کئے جاتے ہیں۔ اور انگریزی مستند مسیحی مصنفوں کی کتب اور مضامین کے ترجمے دیئے جاتے ہیں۔ جو مسیحی اصحاب اپنے قلم سے کلیسیا کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اُنکے لئے اسکے کالم کھلے ہیں۔ چونکہ اسمیں کلیسیا کے اندرونی حالات اور مشنری معاملات پر آزادانہ بحث کی جاتی ہے اس لئے اسکی اشاعت فقط مسیحیوں تک محدود ہے۔ کوئی مشن یا سوسائٹی اسکو کسی قسم کی امداد نہیں دیتی۔ اس وجہ سے اسکا دار و مدار بہت کچھ مسیحیوں کی خریداری پر منحصر ہے۔ اس کی ضخامت ۳۲ صفحہ ہے اور باوجود بڑی تقطیع کے اس کا چندہ فقط ... سالانہ ہے۔ نمونہ کا پرچہ ... کے ٹکٹ ... سکتا ہے

... [illegible]

ایم ایل ... امرتسر

[illegible]

THE

MASIHI

جلد ۹ — نمبر ۸

مسیحی

امرتسر

جولائی ۱۹۰۴ء

قیمت سالانہ دو روپیہ پیشگی

فہرست مضامین

نوٹ بُک

مس انڈروز صاحب بی اے آئیندہ موسم سرا میں انگرنڈا سکول امرتسر میں استاد مقرر ہو کر ولایت سے آئی ہیں۔ ہمارے مکرم و معظم ڈاکٹر رائیٹ بریچ صاحب کی بڑی صاحبزادی بھی اسی سکول میں کام کرنے کے لئے تشریف لائی ہیں۔ اول کچھ عرصہ تک آگرہ کے سی۔ ایم۔ ایس گرلس ہائی سکول میں مس رائٹ صاحبہ کے ساتھ قیام پذیر رہینگی۔ سی۔ ایم۔ ایس مشن پنجاب کیلئے پادری جے۔ ایف۔ ٹی۔ صاحب اور سندھ کیلئے پادری ڈی۔ ایس۔ باربر صاحب تشریف لا رہے ہیں۔

یوگنڈا میں بھی مستورات عموماً سر منڈاتی تھیں۔ بابت تھوڑے بال سر پر رکھتی ہیں۔ اور سر اکثر ننگے رہنے رکھتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں گھنٹے نہیں ہیں۔ بجائے اسکے عبادت کیلئے ڈھول بجا کر لوگوں کو جمع کرتے ہیں۔ اور دیگر موقعوں کیلئے بھی ڈھول کام میں لاتے ہیں۔ [illegible] سال میں [illegible] [illegible]

گنڈا کو اول مشنری نے کام شروع کیا۔ آج کے دن عشاء ربانی کے شرکاء کی تعداد قریب دس ہزار کے ہے۔ اور ۲۱۹۵۰ اشخاص [illegible] ہیں۔ علاوہ ان کے بہت سے لوگ مسیحی ہونے کا شوق ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے مشنوں کی حد بندیوں میں یہاں بھی گینڈ کی طرح ادھر سے ادھر اُچھلتے پھرتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ کسی فوج کا ایک ممبر اپنی لڑکی کو ڈولی میں سوار کر کے ایک دوسرے مشن کے جوان کے ساتھ شادی کرانے کی غرض سے قریب کے چرچ مشن میں وارد ہوا۔ پادری صاحب نے سمجھایا کہ جب تک تین پکاریں نہ ہولیں کسی کی شادی کرانا جائز نہیں۔ اب وہ بچارے لڑکی والے عجب مخمصے میں پھنس گئے نہ پاتے رفتن نہ جائے ماندن۔ ڈولی گھر کو واپس بھی نہ لیجا سکتے تھے۔ آخر لڑکی کو لڑکے کے ساتھ معاف کر دیا۔ قریب ایک ہفتہ کے بعد ایک تو پی مشن کے پادری صاحب نے [illegible] [illegible]

خداوند ہمیں دُعا مانگنا سِکھا

اور اِسی طرح دُعا مانگو کہ اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے۔ متی ۶:۹

اے تو جو ایک ہی اکلوتا بیٹا ہے۔ ہم تیری مِنّت کرتے ہیں ہمیں یہ دُعا مانگنا سکھا "ہمارے باپ"۔ خُداوند ہم اِن زندہ مُبارک لفظوں کے لئے جو تُو نے ہمیں دیئے تیرا شکر کرتے ہیں۔ ہم اُن ہزاروں لاکھوں لوگوں کے لئے تیرا شکر کرتے ہیں۔ جنہوں نے اِنہیں لفظوں سے باپ کو جاننا اور اسکی پرستش کرنا سیکھا ہے۔ اور اُنہوں نے جو کچھ ہمارے لئے بھی کیا ہم شکر کرتے ہیں۔ خداوندا یہ درخواستیں ایسی گہری اور پُر معنی ہیں کہ ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ہر ایک درخواست کے لئے الگ الگ تیرے مکتب میں کئی دن اور کئی ہفتے درکار ہیں۔ لیکن ہمیں تجھ سے اُمید ہے کہ تُو ہمیں اِن کے معنوں کی گہرائی تک پہنچائیگا۔ ہم تیری مِنّت کرتے ہیں اپنے نام کی خاطر ایسا کر۔ تیرا نام تو باپ کا بیٹا ہے۔

خداوندا! تُو نے ایک دفعہ فرمایا کہ "کوئی باپ کو نہیں جانتا۔ مگر بیٹا اور وہ جس پر بیٹا باپ کو ظاہر کرے"۔ اور پھر "میں نے تیرا نام اُن پر ظاہر کیا اور ظاہر کرونگا بھی تاکہ وہ محبت جس سے تُو نے مجھ سے محبت کی۔ اُن میں بھی ہو"۔ خداوند یسوع! ہم پر باپ کو ظاہر کر۔ کہ اُسکا نام۔ اسکی لامحدود پدرانہ محبت۔ وہ محبت جس سے اُسنے تجھ سے محبت کی۔ تیری دُعا کے مطابق یہ سب ہم میں ہو۔ پھر ہم ٹھیک طور پر کہہ سکیں گے۔ "ہمارے باپ"۔ پھر ہم تیری تعلیم کو سمجھ سکینگے اور خود بخود ہمارے دلوں سے یہی پہلے پہل نکلیگا "ہمارے باپ تیرا نام۔ تیری بادشاہت۔ تیری مرضی"۔ اور ہم اپنی ضرورتوں اور گناہوں اور آزمائشوں کو اِس بھروسے سے اُس پاس لائینگے۔ کہ ایسے باپ کی محبت سب کی فکر کرتی ہے۔

مُبارک خدا ہم تیرے طلباء ہیں۔ ہمارا بھروسہ تجھ ہی پر ہے۔ ہمیں یہ دُعا مانگنا سکھا "ہمارے باپ"۔ آمین!

نوٹ اور رائیں

ڈاکٹر پینل صاحب کا سفرنامہ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی چار ماہ کی فقیرانہ سیر و سیاحت کے بعد اپنے تجربات اور مشاہدات کو مسلسل مضامین کی صورت میں شایع کرا رہے ہیں۔ اوّل تو اُردو زبان میں مختصر حالات اُن کے اخبار "تحفۂ سرحد" میں چھپتے رہے جو شاید رسالہ کی صورت میں چھاپے جائینگے۔ اب "پنجاب مشن نیوز" میں آپ اپنے سفر کی مشکلات اور رستہ کے مقامات کے دلچسپ حالات ترتیب وار ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ جہاں تک ہم نے اِن بیانات کو پڑھا ہے ہم نے تو ٹھان لی ہے کہ اگر ہمیں کبھی فقیر بن کر ملک میں پھرنا پڑے تو بائیسکل پر سوار ہو کر کبھی کہیں جانے کا عزم نہ کرینگے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ بائیسکل کے ربڑ دار پہیوں اور خارِ مغیلاں کے درمیان طبعی عناد ہے۔ اور کہ ڈاکٹر صاحب نے ربڑ کی مرمّت میں کس قدر قیمتی وقت ضایع کیا تو ہمیں تعجب آتا ہے کہ آپنے کیوں اِس قدر تکلیف گوارا کی۔ مگر شاید یہ اُس گیروے رنگ کے لباس کی ایک خاص صفت ہے کہ اسکو زیبِ بدن کرنے سے وقت کی قدر نہیں رہتی اور کیا مشرقی اور مغربی طبایع کے تفاوت کا ایک ثبوت اِسی میں نہیں ملتا کہ جن مشکلات سے ہم ہار کر ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھ جاتے ہیں وُہی ان مغربی لوگوں کو آگے بڑھنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ بائیسکل کی سواری میں ایک فائدہ تو بظاہر نظر آتا ہے کہ اِس میں کسی قسم کا خرچ کرنا نہیں پڑتا مگر یہ بھی ایک خیالی بات ہے۔ مرمّت کے مصالح تیل وغیرہ کا خرچ درکنار ایک پُرزہ کے بگڑنے سے کیا کچھ لاگت آتی ہے وہ اگرچہ ایک معمولی ٹٹو کے دانہ نہاری کے خرچ سے کم ہے مگر بہر صورت فقیروں کی حیثیت سے زیادہ ہے۔

سیر و سیاحت کے مشاہدات۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے مشاہدات مشنوں اور مشن کے طریقوں وغیرہ کی نسبت ایسے بے رُو رعایت ہیں کہ اُن پر غور کرنا فایدہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اب تک آپ کے سفر کا بہت تھوڑا حصّہ شایع ہُوا ہے۔ اِس سلسلہ کے

اختتام تک اُن کے قیمتی خیالات کا ایک اچھا مجموعہ ہاتھ آجائیگا۔ یُوں تو آپ ہر دوار کے گوروکل کا مفصّل بیان کر چکے ہیں اور بعد ہندوستانی مسیحیوں کے طرزِ معاشرت پر ایک عمدہ مضمون مسیحی کے ناظرین کی خاطر قلمبند فرما چکے ہیں اب اِس مختصر سفرنامہ میں جابجا کوئی نہ کوئی اشارہ کلیسیا میں سیلف سپورٹ یا مسیحی خدمت کے طریقوں کا آپ درج فرمادیا کرتے ہیں مثلاً نارووال مشن میں ایک خاص بات جو آپ کو قابلِ تعریف نظر آئی سو یہ ہے کہ مشنری اُن لوگوں کے درمیان بودوباش کرتا ہے۔ ابتدائی مشنریوں کو اس بات کا بڑا خیال تھا چنانچہ امرتسر میں بھی مشن ہاؤس اِسی نیت سے شہر میں بنایا گیا کہ جن لوگوں کے درمیان خدمت کرنی پڑتی ہے اُن کے ساتھ میل ملاقات کا بہترین طریق یہی ہے کہ اُن کے بیچ میں سکونت اختیار کی جائے۔ متلاشیوں کو خصوصاً اس انتظام سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ "ایک اَور بات جو اسجگہ (یعنی نارووال) کے کام میں فرحت بخش نظر آئی سو یہ تھی کہ مشنری اپنے حلقۂ خدمت کے اندر بودوباش کرتا ہے۔ جہاں لوگ بے خوف و خطر باسانی آجا سکتے ہیں۔ بعض مقامات میں ایک بہت بُرا طریق مروّج ہوگیا ہے کہ بنگلے دُور فاصلہ پر کسی گوشہ تنہائی میں بنائے جاتے ہیں۔ لیکن یہاں پر یہ حال نہیں۔ یہ ایک عجیب تماشہ ہے کہ لوگ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے انجیل کی خدمت کیلئے آتے ہیں وہ دیسیوں سے اِس قدر دُور فاصلہ پر سکونت اختیار کر لیتے ہیں اور ایسا بنگلہ بناتے ہیں کہ جس میں داخل ہوکر ایک بیچارہ غریب آدمی حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس بنگلہ کے گرد کانٹے دار درختوں یا جھاڑیوں کی باڑ لگا دیتے ہیں اور خونخوار توپوں کی طرح تُرش مزاج چپڑاسی جابجا مقرر کر دیتے ہیں۔ اور سب سے اندر شاید ایک آدھ خونخوار بُل ڈاگ بھی رکھا ہوا ہے اور باوجود اس تمام قلعہ بندی کے مشنری صاحب حیران اور شاکی ہیں کہ میرے پاس متلاشی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کیوں نہیں آتے۔ میں نے ایسا کوئی مشنری نہیں دیکھا جس نے عاقلانہ لوگوں کی آمد کا منتظر رہنے کی بجائے اُن کے درمیان سکونت اختیار کی ہو اور پھر کام کی سُست رفتاری پر افسوس کرنا پڑا ہو۔ بلکہ جس قدر مشنری کے ہاں آمدورفت آسان ہوگی اُسی قدر اُسکی محنت کا پھل بافراط ہوگا۔" اگر ڈاکٹر صاحب کو نارووال مشن کے ابتدائی

زمانہ میں اُس طرف سے گذرنے کا اتفاق ہوتا تو آپ پادری ہیمن صاحب کو ایک حقیر سے کچے کوٹھے میں زندگی بسر کرتے دیکھکر اور بھی خوش ہوتے

ایک مسیحی کالج کی تجویز۔ ہمعصر انڈین کرسچن مسنجر ایک تحریر میں یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ ایک اکیڈیمی بنائی جائے جس میں کالج اور ہائی سکول فقط مسیحیوں کی خاطر ہوں۔ مسیحی لڑکیوں کے لئے کم از کم چار انسٹی ٹیوشن صوبجات متحدہ میں موجود ہیں اور اُن کے مقابلہ میں مسیحی لڑکے پیچھے رہتے جاتے ہیں۔ اُنکی ضروریات کے واسطے ایک بھی مدرسہ موجود نہیں۔ اِس تجویز کو عمل میں لانے کے لئے ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ عمارات کی تعمیر کا تخمینہ ساٹھ ہزار روپیہ لگایا گیا ہے۔ اور ایک اہل الرائے صاحب یہ صلاح دیتے ہیں کہ معلمین کا عملہ پونا کے فرگیوسن کالج کے نمونہ پر رکھا جائے۔ یعنی یہ انتظام ایک قومی انتظام ہو۔ جس میں اُستاد قومی جوش سے تعلیم دیں۔ اِس قسم کا عملہ مہیّا کرنے کی خاطر یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ایک "کرسچن سیکرڈ بینڈ" یعنی مسیحیوں کی مخصوص جماعت قایم کی جائے جس میں فی الحال ایک پرنسپل اور چھ ممبر ہوں۔ اور یہ ممبر آزاد اور بالکل بے تعلق ہوں۔ سکول اور کالج ایک بڑے مسیحی خاندان کے نمونہ پر چلایا جائے۔ یعنی سب مل کر ایک جگہ رہیں اور کھائیں پئیں۔ بعض ضروری اخراجات کیلئے "سیکرڈ بینڈ" کے ممبروں کو بیس روپیہ ماہوار سے زیادہ نہ دیا جائے۔ کم از کم تین سال تک تعلیم دینے کا عہد اُن سے کرایا جائے اور جو بشرط ضرورت بعد گزرنے اس میعاد کے دوبارہ کرایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اس بینڈ میں گریجوایٹ شامل کئے جائیں۔ یہ بھی تجویز ہے کہ یہ دار العلوم بلا لحاظ فرقہ بندی ہو۔ اور اسکے دو حصے ہوں یعنی علمی اور حرفتی۔ ہے تو یہ تجویز عُمدہ مگر عملی طور پر اسکو سرانجام دینے میں بہت سی مشکلات ہیں۔ اگر کوئی مقام اسکے لئے موزون ہو تو وہ دہلی ہو سکتا ہے۔ الہ آباد پنجاب کے مسیحیوں کیلئے دُور و دراز فاصلہ ہے۔

ہندوستانی مسیحیوں کی تکالیف۔ اِس مضمون کی نسبت ہمارا مدراسی ہمعصر ہندوستانی مسیحیوں کی بعض ایسی تکالیف کا ذکر کرتا ہے جو سرکاری قوانین کی حدود سے باہر ہیں۔ یہ جدّی جائداد کی وراثت یا نو مریدوں کی شادی کے بارے میں نہیں بلکہ ایسی تکالیف ہیں جو مذہب کے لحاظ سے مسیحیوں کو اُٹھانی پڑتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا ہندو مسیحی

ہوجائے جو گوشت نہ کھاتا ہو تو وہ کہاں کھانا کھائے کیونکہ قریب سب مسیحی گوشت خور ہیں (یہ تکلیف ہمارے علاقہ میں چنداں محسوس نہیں ہوئی)۔ اگر کوئی باوجود دفتر میں کام کرتا ہے مسیحی مذہب اختیار کرے تو باقی لوگ اسکے مخالف ہوجاتے ہیں اور اسکو ایسا تنگ کرتے ہیں کہ آخر یا تو وہ نوکری چھوڑ جاتا ہے یا اسکا افسر اُسے موقوف کردیتا ہے۔ شفاخانوں میں بھی مسیحیوں کو غلیظ ادنیٰ درجہ کے مریضوں کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ اور اگر اُنکا کوئی ولایتی نوکر بیمار ہو تو اُسکو بخوشی یورپینوں کے ساتھ جگہ دی جاتی ہے۔ علاوہ اِس قسم کی تکلیفوں کے یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ خوشامدی متلاشی کو مشنری صاحبان صاف گو مسیحی کی نسبت زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ کوئی جوان مسیحی خواہ کیسا ہی ہونہار اور لایق کیوں نہ ہو۔ اسکو مشن کے ایک ادنیٰ کام پر لگایا جاتا ہے۔ اور اگر ہندوستانی مسیحی انگریزی لباس اختیار کرلے پھر تو اُسکو ایک فاتر العقل اُلّو تصوّر کیا جاتا ہے اگر کسی اعلیٰ قانونی مجلس میں ایک لایق آدمی کی ضرورت ہو تو یورپین اپنے ہموطنوں کو پیش کرینگے اُدھر ہندو مسلمان اپنے ہم مذہب کی رعایت کرتے ہیں۔ مسیحی بیچوں بیچ مُنہ تاکتا رہ جاتا ہے۔ اگر اِن تمام باتوں پر غور کی جائے تو یہ اُس ابدی بھاری جلال کے مقابلہ میں کیسی ہلکی تکالیف ہیں جو مسیحیوں کو ملنے والا ہے۔

رُوحانی بیداری کی کونونشن ۔(۱) یہ کونونشن ۲۶ اگست ۱۹۰۴ء لغایت ۲ ستمبر ۱۹۰۴ء کی صبح بمقام امریکن مشن کرسچن ٹریننگ انسٹیٹیوٹ سیالکوٹ ہوتی رہیگی۔ (۲) مقصد اس کونونشن کا اسکے نام سے ظاہر ہے (۳) انتظام شرکاء کونونشن کی آسایش کے لئے مکان رہایش۔ سامان روشنی اور چارپائیوں کا بندوبست کمیٹی کی طرف سے ہوگا۔ اور اشیاء خورد و نوش خود اپنی گرہ سے انہیں خریدنی پڑیں گی۔ سہولتاً نانبائیوں اور دیگر اشیاء فروشوں کی دوکانیں کمیٹی کی طرف سے کھلوائی جائیں گی۔ تاکہ ہر ایک صاحب حسب حیثیت اپنی مرضی کے مطابق کھانے پینے کی چیزیں بآسانی خرید سکیں۔ (۴) خاندانوں کے رہنے کے لئے علیحدہ انتظام کیا جائیگا۔ (۵) سب دیسی اور ولایتی مسیحی بھائیوں کو اس کونونشن میں شریک ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔

مضامین ۔ مطالعہ بائبل دربارہ عملی زندگی مطابق خط افسیوں۔ گناہ کی خرابی۔ ہم میں کیونکر گناہ سے نفرت پیدا ہوسکتی ہے۔ نئی زندگی۔ عملی زندگی مطابق خط افسیوں۔ قوت والی زندگی۔ نارمل مسیحی زندگی۔ بائبل پڑھنا کس طرح مفید اور دلچسپ ہوسکتا ہے۔ رُوحانی قوت کے وسایل۔ کلیسیا پر مسیح کا دعویٰ۔ مخصوصیت۔



ہمارے دیہاتی مشن

ایک وہ زمانہ تھا کہ ہمارے مشنری صاحبان اپنے مددگار کارندوں کو لیکر سرمائی مہینوں میں دیہات میں دورہ کیا کرتے تھے۔ ایک مقام کو مرکز مقرّر کر کے دن بھر چند گانوں میں انجیل کی منادی کی جاتی تھی۔ دیہات میں سب سے رونق کی جگہ دوکاندار کا چبوترہ ہُوا کرتا تھا جہاں کھڑے ہو کر سامعین کے ایک محدود حلقہ میں انجیل کے خدمتگذار اپنا پیغام سنایا کرتے تھے۔ اگر ایک آدھ معترض مقابلہ پر کھڑا ہو گیا تو رونق اور بھی دوبالا ہو جاتی تھی۔ اگرچہ اِس قسم کے مباحثہ سے کچھ فائدہ نظر نہ آتا تھا۔ شاید اب بھی بعض مشنری صاحبان اِس قسم کا دورہ سال بسال کیا کرتے ہیں۔ مُلک کے حالات میں بڑا بھاری اِنقلاب پیدا ہو جانیسے منادی کے طریقوں میں بھی کچھ نہ کچھ فرق آگیا ہے۔ منادی کرنے کے لئے میجک لالٹین کا استعمال شروع ہو گیا ہے۔ آریوں۔ مرزائیوں وغیرہ فرقوں کے پیدا ہو جانیسے مسیحی منّادوں کو اُن نئے مذاہب کی تعلیم کی رعایت رکھنی پڑتی ہے۔ بعض اوقات سادہ ادویات تقسیم کرنے سے دیہاتیوں کو کلام سُننے کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔ جہاں جہاں کوئی ملنسار مشنری ہے عوام خوشی سے اُسکو قبول کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں کم و بیش پیشتر بھی تھیں۔ مگر اب بالکل نرالی بات یہ ہے کہ بہت سے دیہات میں چوہڑوں میں سے مسیحی موجود ہیں۔ اور مسیحی منّادوں کا رُخ اوّل دیہات کے اُس حصّہ کی طرف ہوتا ہے جسمیں یہ غریب اور حقیر لوگ بود و باش کرتے ہیں۔ شاید اِسکو عام ہندو مسلمان پسند نہیں کرتے۔ لیکن اگر وہ خود کلام کو رَدّ کرتے ہیں تو مسیحی منّادوں کو سوائے اِسکے اَور کیا چارہ ہے کہ وہ پست حال اقوام کو مسیح کی خوشخبری سُنائیں۔ کیا اُن میں قیمتی رُوح نہیں ہے۔ کیا مسیح اُنکے لئے نہیں مُؤا۔ غرض اب دیہاتی منّادوں اور مشنریوں کی توجّہ اِن چوہڑوں کی طرف اِس قدر ہو گئی ہے کہ دیہاتی مشن سے مُراد وہ مشن ہے جس میں چوہڑوں کے درمیان کام ہو رہا ہے۔

شاید سب سے پیشتر یہ کام امریکہ کے یُو۔ پی مشن سے شروع ہُوا اور ابتک اُس مشن کا حلقۂ خدمت وُہی چوہڑوں کے محلّے ہیں۔ جب چرچ مشن والوں نے دیکھا کہ اِس مشن کی موج ہمارے سٹیشنوں کی دیواروں کے ساتھ ٹکر کھانے کو ہے اور ہمارا علاقہ دن بدن تنگ اور محدود ہوتا جا رہا ہے تو اُنہوں نے دانائی سے یُو۔ پی مشن والوں کے ساتھ اپنی حدود کا فیصلہ کر لیا۔ اِس حد بندی میں بہت سے نومرید چوہڑے چرچ والوں کے حلقہ میں آگئے۔ جنکے لئے خاص منّاد اور اُستاد مقرّر کئے گئے۔ اِس طور پر چرچ مشن والوں کو مجبوراً

اِن لوگوں کے درمیان کام شروع کرنا پڑا۔ مشنریوں کے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا کہ تھوڑی محنت کرنے سے نومریدوں کی ایک معقول تعداد ہاتھ آجاتی تھی۔ ہم نہیں کہتے کہ یہ محض رپورٹوں میں کارگذاری دکھانے کی خاطر تھا۔ مگر کسی نہ کسی وجہ سے جو لوگ اس ادنیٰ قوم میں سے بپتسمہ پانے کی خواہش ظاہر کرتے تھے اُنکو فوراً کلیسیا میں شامل کیا جاتا تھا۔ آخر آنکھیں کھلیں کہ یہ تو کچّا کام ہو رہا ہے اور بپتسمہ کی شرائط سخت کیگئیں جن سے بپتسمہ دینے والوں کا ہاتھ کسی قدر رُک گیا۔ اور اب زیادہ تر اِس بات کی کوشش کیجاتی ہے کہ جو نومرید کلیسیا میں آچکے ہیں اُن کو مضبوط کیا جائے اور اُن کے بچّوں کو مسیحی عقاید کی تعلیم دی جائے۔ کیونکہ اگر وہ نومرید خود مسیحی صفات میں ترقّی نہیں کرتے تو کیا اُن کی اولاد کو تعلیم دینے سے یہ اُمیّد نہیں کی جا سکتی کہ وہ کلیسیا کے اچھے ممبر نکلیں گے۔ بلکہ بعض مقامات پر اِن لڑکوں نے حیرت افزا ترقّی کر کے دکھائی ہے۔ اور اب جو مشنری صاحبان کی توجّہ سے مسیحی لڑکوں کے لئے صنعت اور حرفت کے کارخانے جاری کئے گئے ہیں اُمیّد ہے کہ یہ دیہاتی نوجوان رفتہ رفتہ مفید پیشوں کو سیکھ کر اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہو جائیں گے۔ ابتدا میں اِس قسم کے کارخانے موجود نہ تھے۔ اور سب سے معزّز کام دیہاتی نومریدوں کے بچّوں کو تعلیم دینا یا چوہڑوں میں منادی کرنا سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب اور زیادہ پادریوں کی گنجایش نہیں رہی۔ چوہڑوں میں عام نومریدوں کی نسبت یہ کہنا کہ وہ سب کے سب روٹی کی خاطر مسیحی ہوئے ہیں دُرست نہیں۔ اُن میں بھی خال خال ایسے نظر آئینگے جنمیں ایمان کا نُور تاریکی کے درمیان کچھ نہ کچھ چمکتا ہے۔ مگر اُنکی عام حالت قابلِ اطمینان نہیں۔ بیاہ شادی وغیرہ معاملات میں وہ ابتک بہت کچھ اپنی پُرانی رسوم کے پابند ہیں۔ بلکہ عموماً مسیحی ہو جانیسے وہ زمینداروں کے سر پر سوار ہو جاتے ہیں اور اپنی خدمت شوق سے پُوری نہیں کرتے۔ کچھ اِسی قسم کے حالات دیکھکر ایک زمانہ میں مرحوم پادری دینا ناتھ صاحب نے فرمایا تھا کہ "یہ چوہڑوں کو مسیحی بنانا نہیں بلکہ مسیحی مذہب کو چوہڑا بنانا ہے"۔

شاید عام لوگ واقف نہیں کہ یہی خستہ حال چوہڑے مُلک کے اصلی باشندے ہیں۔ جب آریہ قوم وسط ایشیا سے ہندوستان میں وارد ہوئی تو برفانی کوہستان سے گذر کر دریائے اٹک اور جہلم کے درمیان سبزہ زاروں میں آباد ہوئے۔ مُلک کے اصلی باشندوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن اُنکے سامنے کھڑے نہ رہ سکے اور بھاگ کر پنجاب کے وسطی اور جنوبی حصّوں میں پناہ گزین ہوئے۔ چنانچہ ابتک جہلم کے پار شمالی حصّہ میں چوہڑے پائے نہیں جاتے ہیں اور عام باشندگان کا خدوخال آریہ قوم سے ملتا جُلتا ہے۔ جب آریہ قوم ملتان اور پنجاب کے جنوبی میدانوں میں ڈیرہ

قایم کیا تو اُنہوں نے اِن اصلی باشندوں کو تباہ کرنے کے بجائے اُن سے ادنیٰ خدمات یعنی شروع کیں۔ چنانچہ یہ چوہڑے ابتک اُسی قسم کے کاموں کو انجام دے رہے ہیں۔ ہندو لوگ انکو ہزاروں سال سے پامال کرتے آئے ہیں مسلمانوں نے بھی اُن سے کچھ کم نفرت نہیں دکھائی۔ مگر انکو مسلی بناکر کچھ نہ کچھ اپنے ساتھ شامل ہونے کی اجازت دیدی لیکن تو بھی اِن ہر دو مذاہب نے اِن بیچارے لوگوں کو انکی پست حالت سے اُٹھانے کے لئے ایک اُنگلی تک نہیں ہلائی۔ اب "اعلیٰ" اقوام کا مسیح کو رد کرنا اِن چوہڑوں کے لئے برکت کا باعث ہو رہا ہے۔

اُوپر ذکر ہو چکا ہے کہ یو۔ پی مشن کا خاص کام اِن چوہڑوں کے درمیان ہے۔ چرچ مشن والے زیادہ تر اُنکی دیکھا دیکھی اِس خدمت کو اختیار کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں پادری انڈرسن صاحب کی مندرجہ ذیل وجوہات جنکے باعث یونائیٹڈ پریسبیٹیرین مشن کو اِس کام کے لئے خاص بلاہٹ ہے دلچسپی سے خالی نہ ہونگے۔

اوّل۔ مسیح نے اپنا خون اِن لوگوں کیلئے بھی بہایا اور اُنکی جان اُسکی نگاہ میں ویسی ہی گرانقدر ہے جیسی کہ ایک بڑے راجہ کی ہے۔ دوم۔ خدا نے اِن لوگوں کو نجات کے علم کا مشتاق بنایا ہے۔ بعض مشنوں میں سالہا سال تک محنت کرنے سے پھل پیدا نہیں ہوا۔ اور یہاں ایسے لوگ ہیں جو نہ فقط کلام سُننے بلکہ سیکھنے کے از حد آرزومند ہیں۔ سوم۔ یہ خدا کا انتظام معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے انہی لوگوں کی جماعتیں مسیح کے پاس آئیں۔ دُنیا میں جہاں کہیں مسیحی مذہب پھیلا ہے انجیل کو اوّل سادہ اور غریب اور حقیر لوگوں نے قبول کیا ہے۔ ہندوستان جیسے مُلک میں جہاں ذات پات کا بڑا خیال ہے یہ الٰہی انتظام ہے کہ اعلیٰ اقوام کی نسبت چوہڑے بیشتر مسیحی کلیسیا میں داخل ہوں۔ کیونکہ اگر برہمن وغیرہ ذاتوں کے لوگ پہلے مسیحی ہو جائیں تو نیچ ذات والوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں اعتراض کرینگے۔ چہارم۔ خدا نے ہمارے (یو۔ پی) مشن کو اِن لوگوں کے درمیان قایم کیا ہے۔ وہ زندگی کی روٹی ہم سے طلب کرتے ہیں۔ اور جہاں ہم خدمت کرتے ہیں دوسرا مشن وہاں دخل نہ دیگا۔ پنجم بلحاظ قوم کے ہم خاص طور پر اِس کام کو کرنیکے لایق ہیں۔ جو لوگ حکومت اُمرا میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی وہ نہیں سمجھ سکتے کہ سب لوگ خدا کی نگاہ میں برابر ہیں۔ امریکہ کے باشندوں کے لئے یہ نہایت قدرتی بات ہے کہ وہ چوہڑوں اور دیگر اعلیٰ اقوام کے حقوق کو برابر سمجھیں۔ (شاید راقم کو اپنے مُلک کے اصلی باشندوں اور اُس مُلک میں حبشیوں کی موجودہ حالت کا کچھ علم نہیں۔) اور اس وجہ سے ہم ہی ان لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر اُنکو انجیل دے سکتے ہیں۔ ششم ہمارے چرچ کے پاس بہت سے فالتو آدمی اور نقدی اور وقت اور دُعا کی طاقت ہے۔ اگر ہماری کلیسیا سب کچھ خدا کے لئے وقف کر دے تو بہت جلد ہم یہ کہہ سکیں گے کہ بھوکی رُوحوں کو ہم نے حسب ضرورت روٹی [illegible]

حیاتِ داؤد

پچیسواں ۲۵ باب

داؤد کا گناہ

(۲ سموئیل ابواب ۱۱ تا ۱۹)

اے باپ! کیا گناہ میں نے — اُس فعل کی۔ کی ہے چاہ میں نے
تھا جس کے لئے خیال میرا — کام ایسا کبھی نہ مجھ سے ہوگا
روشن تھے دن اپنی زندگی کے — آہ! اب ہیں سیاہ دکھائی دیتے
نظر آئے وہ آفتاب۔ مشکل! — ہیں بیچ میں چھائے کالے بادل۔

مورخ داؤد کی زندگی کے اِس ہولناک دھبّہ کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔ لیکن اِس سے پُرانے نوشتہ یعنی سموئیل نبی کی کتاب میں اِس واقعہ کا بیان بلا کم و کاست درج ہے۔ خدا کے پسندیدہ بندے کی اِس سے ضرور بدنامی ہوتی ہے لیکن جو فائدہ توبہ کرنے والوں کو اِس سے پہنچتا ہے وہ اِس بدنامی اور نقصان سے بڑھکر ہے۔ لاکھوں اشخاص نے جو گناہ کی تاریک راہوں میں قریباً گم ہو چکے تھے ان ابواب کو غور سے پڑھا اور روشنی کی اس جھلک کو پایا ہے۔ کہ جس سے اُن کی رُوح پھر روزِ روشن میں جا پہنچی۔ ”تیرے گناہ جو بہت ہیں تجھے معاف ہُوئے۔ سلامت جا“

اوّل۔ وہ واقعات جو داؤد کے گناہ میں مبتلا ہونے کا موجب ٹھہرے۔ بادشاہ کی شاعرانہ مزاجی کے باعث اِس پر اِس قسم کی آزمائش خصوصاً آتی تھی۔ لیکن اُسکی خود ضبطی کی عادات اُس پر غالب آتیں۔ اگر وہ اپنی کمر کسی رکھنے میں سستی اور چراغ کو صاف رکھنے میں کوتاہی نہ کرتا۔

ستّرہ برس تک اقبال اسکا رفیق ہر دم رہا تھا۔ ہر جنگ میں فتح و ظفر۔ ہر ایک بڑے موقعہ پر اپنی رعیّت کی دلی عزّت و حرمت اور جاں نثاری و وفاداری کا ثبوت پاتا تھا۔ یہ امر خطرہ سے خالی نہ تھا۔

شریعت موسوی کے خلاف کہ جسکے رُو سے عبرانی بادشاہوں کے لئے زیادہ بیویاں رکھنا روا نہ تھا کہ ”مبادا اِن کے دل پھر جائیں“۔ جب داؤد یروشلیم میں مقیم ہُوا تو اُس نے بہت سی

لونڈیاں اور بیویاں لیں اور یوں اپنے خاندان میں لڑائی جھگڑا۔ رشک ۔حسد۔کینہ اور جُرم کا بیج بویا۔ اسکی طبیعت عیش پسند بھی ہوگئی اور یوں وہ اس شام کی آزمائش سے مغلوب ہونے کے لئے تیار ہوگیا۔

طبیعت سے وہ کچھ سُست بھی ہوگیا تھا جو شیر یہوداکی جنگی مزاج کے بالکل متضاد تھا۔وہ خود تو یروشلیم میں ٹھہرا رہا اور شہر کے گرد جنگ کرنے کو یوآب اور اپنے دیگر جری سپاہیوں کو بھیجا۔ ایسی طبیعت پر اوریاہ نے عملی طور پر سرزنش کی جب اُسنے اپنے گھر جانے سے انکار کیا جس حال میں کہ اسکے رفیق اور عہد کا صندوق باہر میدان میں تھے۔

ایک گرم دوپہر کو بادشاہ نیند سے اُٹھ کر اپنے محل کی چھت پر ٹہل رہا تھا۔اس آرام کے وقت میں۔ ناتن نبی کے الفاظ میں ۔ایک مسافر اسکے ہاں آیا جسکی بھوک مٹانے کو وہ اپنے ایک غریب پڑوسی کے مکان میں اُتر گیا اور اسکی ایک ہی بھیڑ کی پٹھیا لے آیا حالانکہ اسکے پاس بہت بہتیرا بھیڑ بکری اور گائے بیل کے گلّے تھے۔بیت سبع کی اپنی رضامندی اور شریعت کی ناپاکی سے پاک ہونے سے داؤد کے گناہ میں کسی قسم کی تخفیف نہیں ہوتی۔اُسنے اپنے غیر حاضر خاوند سے دغابازی کی۔الٰہی نوشتہ اس گناہ کا سارا بار بادشاہ کی گردن پر رکھتا ہے کہ جسکے اختیارِ کُلّی کے آگے شاید بت سبع نے مجبوراً رضامندی ظاہر کی ہو۔

عیش کی ایک چھوٹی سی گھڑی اور پھر۔ اسکی سیرت ہمیشہ کیلئے داغدار۔اسکا اطمینانِ دل مفقود۔ اسکی بادشاہت کی بنیادیں خطرہ میں ۔خداوند اس سے ناخوش۔اور آخر اسکے دشمنوں کو کفر کہنے کا کیسا موقعہ مِلا۔ہمیں اپنے فرصت اور آرام کے وقت میں محتاط رہنا چاہیئے۔محنت و مشقّت کے وقت کی نسبت فرصت کا وقت زیادہ خطرناک ہے۔درمیانہ عُمری۔کیونکہ داؤد اس وقت پچاس برس سے اوپر تھا۔اُن آزمائیشوں اور خطروں سے بَری نہیں جو جوانوں پر آتی ہیں۔ رُوحانی زندگی کے تنزّل میں ایک غلط قدم کے اُٹھانے سے وہ عزّت اور نیک نام جو برسوں کی مذہبی ریاضت سے پیدا کیا جاتا رہتا ہے۔

ایک دن اس کے رفیق گناہ کی طرف سے اسکو پیغام آیا کہ اِس گناہ کا نتیجہ چھپا رہ نہیں سکتا۔اِس سے داؤد سخت پریشان خاطر ہُوا۔شریعت مُوسوی کے رُو سے دونوں فریق زنا کی سزا موت تھی ۔ اِس گناہ پر فوراً پردہ ڈالنا چاہیئے ۔ضرور ہُوا کہ اوریاہ فوراً گھر آئے۔ وہ آیا تو لیکن اُسکے آنے سے اس معاملہ میں کچھ فائدہ نہ ہُوا۔اس نے اپنے گھر جانے سے انکار کیا گو بادشاہ نے پہلی رات اپنے دسترخوان سے اسکو گوشت بھیجا اور دوسری رات اسکو شراب سے متوالا کیا۔اس بہادر سپاہی نے اپنی بیوی کی ملاقات اور خوش آمدید سے گریز کیا در آنحالیکہ جنگ برپا تھی۔

اب اسکے سِوا کوئی اَور صُورت نہ تھی کہ اوریاہ کی جان لیجائے کیونکہ مُردے کسی کا راز افشا کیا

نہیں کرتے۔ اگر بچہ پیدا ہو بھی تو کم از کم اوریاہ کی زبان تو نہ کہے گی کہ یہ بچہ میرا نہیں۔ شاہ کی طرف سے یوآب کے نام اوریاہ ایک خط لے گیا اور اس بیچارہ کو کیا معلوم تھا کہ یہ خط میری موت کا وارنٹ ہے۔ یوآب بادشاہ کا خط پڑھکر اپنے دل ہی دل میں ضرور ہنسا ہوگا کہ "میرا آقا مقدسوں کے ساتھ بیٹھکر مزمور تو گا سکتا ہے۔ لیکن جب کبھی کوئی کارِ بد کرانا ہو تو اُسے میری ضرورت پڑتی ہے۔ وہ اوریاہ سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ نہ معلوم کیوں؟ خیر اسمیں میں اُسکی مدد کرونگا۔ ابنیر کی نسبت وہ اب مجھے کچھ کہنے والا تو نہ رہیگا میں جو چاہونگا۔ کرونگا۔ اب سے وہ میرے قابو میں ہے۔" جہاں لڑائی کا بہت زور تھا وہاں اوریاہ سب سے آگے تعین کیا گیا اور اسکی موت کی خبر بادشاہ کو پہنچائی گئی۔ داؤد کا خیال تھا کہ سوائے یوآب کے کسی اور کو اس واقعہ کی خبر نہیں اور غالباً بیت سبع کو خیال تک نہ ہوا کہ کس ڈھنگے طریق سے اسکا چلن محفوظ کیا جا رہا تھا۔ عبرانی عورتوں کے طریق پر اُسنے اپنے خاوند کیلئے ماتم کیا اور اس اتفاق پر خوش بھی تھی اور سات روز کے اندر داؤد کے حرم میں داخل ہوئی۔ اس سے اُسے کچھ اطمینان خاطر ہوا بچہ حالتِ شادی میں تو پیدا ہوگا۔ تاہم اس سارے انتظام میں ایک بھاری نقص تھا۔ "پر وہ کام جو داؤد نے کیا تھا خداوند کی نظر میں بُرا ہوا۔" داؤد اور دُنیا نے اس امر کی نسبت کچھ اور سُنا تھا لیکن وا حسرتا! ہائے افسوس کہ وہ شخص جو خداوند کے گھر میں کامل دل سے چلنے کا ذکر کرتا تھا۔ وہ شخص کہ جو الٰہی رفاقت کی صفات سے متصف تھا۔ جسکی زندگی ایسی پاکیزہ اور عالی گذری تھی۔ یوں گر پڑے! زبور نویس۔ بادشاہ۔ مرد۔ خدا کا عاشق ایک تاریک لمحہ کے بدجوش سے کیچڑ میں جا گرا۔ آہ میں۔ میرے خدا بخش کہ میں اپنی زندگی کی دوڑ کو ایسے دھبہ اور رخنہ کے بغیر پوری کروں۔ اور آخر تک ایک بے عیب زندگی کا سفید چول پہنے رہا!

دوم۔ توبہ میں دیر۔ آدمی جسقدر نیک اور خوش چلن ہو۔ گناہ آلودہ عشرت کے تھوڑے سے وقت کیلئے وہ اتنی ہی زیادہ قیمت ادا کرتا ہے۔ بارہ مہینے تک اُس شاہی گنہگار نے گناہ کو اپنی چھاتی میں چھپائے رکھا۔ وہ مُہر بلب رہا اور اقرار کرنے سے انکار کیا لیکن ۳۲ زبور میں وہ بتاتا ہے کہ اسکی حالت دل کیسی رہی۔ سارے دن کراہتے کراہتے اُسکی ہڈیاں گل گئیں۔ اُسکی تراوت گرمیونکی خشکی سے مبدل ہوگئی۔ جیسے اسرائیل میں ایلیاہ کی دُعا سے تین برس تک نہ بارش ہوئی نہ اوس پڑی اور گرمی سے ہر ایک ہری چیز مرجھا گئی۔ خدا کا ہاتھ رات دن اُس پر بھاری تھا۔

جب اُسنے شہر ربّہ کو فتح کیا تو وہاں کے لوگوں سے نہایت سختی کی گویا کہ وہ اپنے غمِ دل سے تھک گیا تھا اور دوسروں سے وہ سختی کی جو اُسے اپنے آپ سے کرنی چاہئے تھی۔ دوسروں کی نسبت جابرانہ برتاؤ اور بے محبتانہ رائے سے ہم عموماً اپنے گناہ کی پاداش سے آپ کو معذور رکھتے ہیں۔ یہی مزاج اور یہی رُوح جو بے چین اور مغموم رُوح کا خاصہ ہے ظاہر ہوئی اور اُس امیر کے حق میں جسنے اپنے غریب پڑوسی کا لیلا لے لیا تھا موت کا فتویٰ دیا۔ شریعت موسوی کے مطابق اسکی سزا یہ تھی کہ چار گُنا تلافی کی جائے (خروج ۲۲: ۱) لیکن بادشاہ نے موت کا فتویٰ دیا۔

اِس موقعہ پر ناتن کے آنیسے اسکو ضرور تسلی ہُوئی ہوگی۔ ایکدن کہ جب مدبّرانِ سلطنت اور فوجی افسر محل کے باہر کے ایوان میں فراہم تھے ناتن اپنے پُرانے تعارف کے استحقاق سے اُنکو چیر کر تخلیہ میں ملاقات کرنے کو چلا گیا۔ اُسنے ظلم و تعدّی کی ایک دردانگیز داستان بادشاہ کو سُنائی اور داؤد کا غصّہ اس مرد کے خلاف جو ایسے ظلم کا مرتکب تھا سخت بھڑکا۔ پھر جیسے کہ شب تاریک میں بجلی کی اچانک چمک سے مسافر پر وہ خطرناک چٹان ظاہر ہو جاتی ہے کہ جس پر وہ قدم رکھنے کو تھا ویسے ہی اس مختصر ہوش رُبا فقرہ سے کہ "تُو وہ مرد ہے"۔ داؤد کو اپنے فیصلہ کے آئینہ میں اپنا آپ ظاہر ہُوا۔ اور توبہ اور شرمساری میں وہ اپنے گھٹنوں پر آگرا۔ ناتن نے اُسکی گذشتہ زندگی اُسکو یاد دلائی اور خدا کی بڑی رحمتوں کا ذکر کیا۔ خدا کی نیکی اور رحمت کے مقابلہ میں اسکا فعل اَور بھی تاریک اور مکروہ نظر آتا تھا۔ تُو نے خداوند کے حکم کی تحقیر کی۔ تُو نے اُسکے آگے بدی کی۔ تُو نے حتی اُوریاہ کو تیغ سے قتل کروایا اور اسکی جورو کو لیکے اپنی جورو کیا۔ بچہ جیتا نہ رہیگا۔ تیری جوروؤں کے ساتھ بھی ویسا ہی ہوگا جو تُو نے دوسرے کی جورو کے ساتھ کیا تیرے ہی گھر سے تجھ پر آفت اُٹھیگی۔ داؤد نے صرف یہی جواب دیا کہ "مَیں خداوند کا گنہگار ہُوں"۔ اِس اقرار پر توبہ کے گرم آنسو اُسکی آنکھوں سے بہ نکلے اور اسکے دل غم آگین کو کچھ تسلی ہُوئی۔ اوہ مُبارک ہے وہ بوچھار جو تشنہ لب زمین اور پیاسی رُوحوں پر پڑے۔

ناتن کے جانے پر اُسنے اپنے اس اقرار کو ۵۱ زبور میں قلمبند کیا اور سردار مغنّی کے نام نامزد کیا تاکہ ساری دُنیا اسکا استعمال کرے اور اسکو راگ پر گائے۔ ایک گناہ اور متعدد خطائیں۔ خدا کے حضور بدی کہ گویا ایک ہی وقت میں وہ اُوریاہ کا نام لے نہیں سکتا تھا۔ ذاتی گناہ کا اعتراف شکستہ ہڈیوں کی درد۔ ناپاک دل کا خیال۔ خوشی کا جاتے رہنا رُوح القدس کو کھو دینے کا خوف شکستہ اور تائب دل۔ یوں اندرونی جھیل کے بند پانی تاریک اور گدلے بہ نکلے۔ اور خدا کی رحمتوں کیلئے التجا۔ کوئی اَور بات یادداشت کی کتاب سے اس تاریک واقعہ کو مٹا نہ سکتی یا اسکی قبا سے دھبّہ کو اُڑاتی اور اعلی جسم کو تندرست بناتی۔ صاف ہونا اس لئے کہ زوفا سے پاک ہُوا۔ برف سے زیادہ سفید کیونکہ دھویا گیا۔ پھر خوشی کے دینے گانا کیونکہ خون کے گناہ سے رہائی مل گئی۔ مستقیم۔ آزاد اور مقدّس رُوح سے بھر جانا۔ خطاکاروں کو خدا کی راہیں بڑھانا اور باپ کی محبّت اُنکو بتانا۔ یہ التجائیں اور درخواستیں اس کمزور۔ گناہ سے تھکے ماندے دل نے خدا کے مذبح پر رکھیں اور سوختنی قربانی اور خوشبو سے مہنگ مولی تھیں۔ لیکن اس دردانگیز دُعا سے پیشتر اُسکے گناہ کا اعتراف کرنے پر ناتن نے اسکو یقین دلایا تھا کہ "خداوند نے بھی تیرا گناہ بخشا"۔

"مَیں اپنے گناہوں کو ماننے کیلئے تیار ہُوں اور میری خطائیں ہمیشہ میرے سامنے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ مَیں خدا کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کرونگا اور تُو نے میرے گناہ معاف کئے۔"

تائب رُوح! گناہوں کی فوراً معافی پر ایمان لانے کی جُراَت کر۔ صرف اپنے گناہوں کا اقرار کر اور دیکھ کہ باپ کی محبّت کس طرح ظاہر ہوتی ہے۔ تیرے لبوں سے توبہ کے الفاظ نکلتے ہی اس محبّت کا یقین اور تسلّی ظاہر ہوتی ہے کہ جو گناہ سے نفرت رکھتی پر جسکا اشتیاق مسرف کیلئے ابھی تک کم نہیں ہُوا۔

گُناہ تاریک۔ خطرناک اور لعنتی ہے لیکن وہ خدا کی محبّت کو کم نہیں کر سکتا۔ ہاں اُس محبّت کو جو کل کی نہیں۔ بلکہ ابدیت سے ہے بدل نہیں سکتا۔ ایک ہی بات سے رُوح کو ایذا پہنچتی ہے اور وہ اقرار و اعتراف کو اپنے دل میں بند کر رکھنا۔ اگر وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں یہ چلّا چلّا کر کہنے کی کوشش کرے کہ "اس لہو کے طفیل جو بہایا گیا تھا مجھ گنہگار پر رحم کر

شہر رُوما کے زمین دوز قبرستان

از پادری الیف۔ بی مائیر صاحب

یہ قبرستان شہر رُوما کے قرب وجوار میں سطح زمین کے نیچے واقع ہیں جہاں ابتدائے زمانہ کے مسیحی اپنے مُردے دفن کیا کرتے تھے۔ یہودیوں اور بُت پرستوں کی قبروں کے نشانات بھی پائے جاتے ہیں مگر کم۔ اور ان پر جو کُتبات ہیں اُن کے مقابلہ میں مسیحی قبروں کے کُتبات پُر اُمید ہیں۔ مسیحیوں کے قبرستان ان سے وسعت میں کہیں زیادہ ہیں۔ چوتھی صدی کا ایک مسیحی مصنف ان قبرستانوں کے مدخل کی نسبت یُوں رقمطراز ہے: "شہر رُوما سے کچھ فاصلہ پر مزروعہ زمین میں ایک گہرا غار ہے جس کے تاریک گوشے ہیں۔ اس میں ایک چکر کھاتا ہُوا زینہ نیچے کو چلا گیا ہے جس میں سے تاریک راستے اِدھر اُدھر پہلوؤں میں نکل گئے ہیں۔ اور جو روشنی غار کے مُنہ سے داخل ہوتی ہے وہ راستہ کے ابتدائی حصّہ کو تھوڑا منور کرتی ہے۔ جُوں جوں آگے بڑھو تاریکی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ ہاں جہاں کہیں راستہ کی چھت میں سُوراخ کئے گئے ہیں روشنی کی کرنیں اندر پڑتی ہیں۔ چاروں طرف پیچدہ رستوں کا تانا بانا ہے جسکی اطراف میں کہیں تو عبادت گاہیں ہیں اور کہیں بڑے بڑے مرغزار ہیں۔ ان زمین دوز بھول بھلیوں میں جا بجا سُوراخ سطح زمین تک موجود ہیں جن میں سے دن کی روشنی کی چمک پڑتی ہے۔ اگرچہ زمانہ اور ادبار کی دستبُرد نے قدیم ایّام کے نقش ونگار کے حُسن کو محو کر دیا ہے تو بھی یہ بیان جو قریب اٹھارہ سَو سال گذرے لکھا گیا اب بھی اُن غاروں پر صادق آتا ہے۔ یہ ایک نہایت معنی خیز بات ہے کہ بُت پرست رُوما کے ان کھنڈرات کے نیچے مسیح کی انجیل کے وہ وہ یادگار واقع ہیں کہ جن کے مقابلہ میں بُت پرستی کے توہمات پراگندہ ہو گئے اور اُس بری تہذیب کے قوانین بالکل تہ وبالا ہو گئے۔"

ان تواریخی مقامات کی سیر کرتے ہُوئے سطح زمین پر جا بجا پُرانی مٹی ہُوئی بُت پرستی کے نشانات نظر آتے ہیں۔ مگر زمین کے اندر تہ خانوں میں اُس غیر فانی اُمید کے نقش ونگار پائے جاتے ہیں جنکو اُس زمانہ کی بُت پرستی باوجود حد درجہ کی کوشش کے مٹا نہ سکی۔ گویا اس مقام پر وہ جنگ گاہ ہے جہاں پر دُنیا کی قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔ بادی النظر میں کسی تواریخ سے ناواقف شخص کو ایسا معلوم ہوگا کہ یہ قبریں مسیحی مذہب کی شکست اور ناکامیابی کی یادگار

ہیں۔ مگر درحقیقت یہی گورستان شاہد ہیں کہ ابتدائی اذیت کا زمانہ ہی کلیسیا کی فتح کا زمانہ تھا اور اب بھی جہاں کہیں کلیسیا اوّل صدیوں کے اُن مرد اور عورت اور بچوں کے نمونہ پر جاں نثاری کرتی ہے جنہوں نے اپنی جان تک دینے سے دریغ نہ کیا فتح اُسی کے نام ہے۔ پہلے پھیلے ہوگئے اور پھلے پھولے۔ بُت پرست روما ایک منحوس خواب کی طرح جاتا رہا مگر خدا کی کلیسیا جو بُت پرستی کی لتاڑ کھاتی رہی بڑے جاہ و جلال کے ساتھ قدم بڑھا رہی ہے۔ اِن زمین دوز کمروں میں وہ کھیت ہے جس میں گیہوں کا دانہ گر کر مر گیا تاکہ وہ تنہا نہ رہے بلکہ تمام دُنیا میں مسیحیت اور تہذیب کا پھل کثرت سے پیدا ہو۔ دن کی چکا چوند اور روشنی کو چھوڑ کر اُن تیرہ و تاریک رستوں میں اُتر جانا پُر فضا میدانوں کے شور و غل اور کوچوں کے بھیڑ بھڑکے سے نکل کر خاموشی کے عالم میں غوطہ زن ہونا جہاں تمہارے اپنے پاؤں کی آہٹ لمبے راستوں سے ٹکرا کر گونج اُٹھتی ہے کیسا جگر سوز نظارہ ہے۔ یہاں پر ضرور ہے کہ تم اپنے رہنما کے ساتھ ساتھ لگے رہو ورنہ تم راستہ بھول کر گمراہ ہو جاؤ گے اور سردی اور بھوک سے مرو گے۔ چنانچہ بہت سے لوگ اِن وسیع بھول بھلیوں میں گم ہو کر تباہ ہو چکے ہیں۔ جب تم مشعل ہاتھ میں لے کر چپ چاپ اُن راستوں میں پھرتے ہو تو ابتدائی صدیوں کے کیسے کیسے سماں تمہاری آنکھوں کے سامنے سے گذرتے ہیں۔ تم گویا ابتدائی کلیسیا کی عبادت میں حاضر ہو اور اُن کی رسُوم میں شریک ہوتے ہو۔ تم مسیحی دستوروں کی اصلی صورت دیکھتے ہو اور بڑی عزت کی نگاہ سے شاگردوں کے اُس چھوٹے مجمع کو دیکھ رہے ہو جو دلی محبّت سے کسی شہید بشپ یا پیشوا کی میت کو تماشہ گاہ سے اُٹھا کر نہایت رقّت بھرے دل کے ساتھ کسی تنگ گوشہ میں دفن کرنے کے لئے لا رہے ہیں۔

دیواروں پر کے کتبات میں جو اب تک صاف صاف پڑھے جا سکتے ہیں قدیم مومنین کے دلی خیالات کا اظہار پایا جاتا ہے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نجات دہندہ پر اُن کا کامل بھروسہ تھا۔ مردوں کی قیامت کی نسبت اُن کو یقینی اُمید تھی اور اُن لوگوں کے ساتھ کیسی محبّت تھی، جنہوں نے سچّائی پر گواہی دینے کی خاطر اپنی جان کو عزیز نہ رکھا۔ اِن باتوں پر غور کرنا نہایت رقّت انگیز ہے۔ اِن خاموش کمروں میں ابتدائی شہیدوں اور مسیحی خادمانِ دین کی مٹی مدفون ہے۔ اِن خفتگانِ خاک میں کلیسیا کے وہ بزرگ چوپان بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے گلّوں کی خاطر اپنی جان تک نثار کر دی اور متواتر ایذا رسانیوں کا پہلا وار اپنے سر پر لیا۔ یہ ایذا رسانیاں بظاہر طوفان کی مانند نرم ریت کے مقابلہ میں جوش و خروش کے ساتھ اُٹھیں۔ مگر آخر اُسی ریت نے اُن کو پاش پاش کر دیا۔ اِنہی ہزارہا قبروں کے درمیان غالباً بعض اُن اشخاص کی قبریں بھی ہیں جنہوں نے رسُول پولُس کے مُنہ سے انجیل کو سُنا۔ شاید اِنہی گوشوں میں کہیں

پولس کا اپنا خاکی خیمہ بھی مدفون ہے کیونکہ روایت ہے کہ ۶۲ء میں جب نیرو نے اسکا سر کٹوایا تو اُسکی لاش جلدی سے اِن زمین دوز قبرستانوں میں کہیں دفن کی گئی۔

ہم دُھوپ کی تیز روشنی میں سے اُس دُھندلی روشنی میں جاتے ہیں جو اوپر کے سوراخ میں سے بمشکل داخل ہوتی ہے اور جُوں جُوں ہماری آنکھیں اُس سے مانوس ہوتی ہیں ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اُن قیمتی مقبروں کی حفاظت کر رہے ہیں جیسے وہ ایک موقعہ پر مسیح کی قبر پر بھی موجود تھے۔ اِس مقدّس مقام کی نسبت یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ خداوند کے فرشتے نے آسمان سے اُتر کر پتھر کو ڈھلکا دیا ہے اور فتحیاب ہو کر اُس پر بیٹھا ہے اُس کی پوشاک برف کی سی سفید ہے۔ مگر وُہی لوگ اسکو دیکھ سکتے ہیں جن کی آنکھیں کُھلی ہیں۔ یہ خدا کی سرزمین ہے۔ یہ روضے خدا کے خزانے سے پُر ہیں جسے اُس نے اپنے لئے خریدا ہے۔ صبح قیامت میں اِس جگہ کیسا عجیب سماں ہوگا۔ کیسی خوبصورت صف بستہ جماعت یہاں پر اُٹھے گی۔ یہ جلال کے وارث فرشتوں کی زیر حفاظت ابدی اسرار کے پردوں میں زمین کی گود میں کیسی میٹھی نیند سو رہے ہیں اور اس وقت کے منتظر ہیں جب زمانہ پُورا ہوگا اور اُن کی نجات مکمل ہو جائیگی۔

اِن قبرستانوں کے مدخل جو بہت سے ہیں لومڑی کے کھودے ہُوئے بھٹ سے مشابہ ہیں اور اُلجھی ہُوئی گھاس میں چھپے ہُوئے ہیں۔ اُنکا پتہ نکالنا نہایت دُشوار ہے۔ اِس دروازے سے داخل ہو کر تم ایک لمبے اور پیچدار زینے سے نیچے اُترنا شروع کرتے ہو۔ اِن چوڑی سیڑھیوں پر جو اب بہت کچھ خستہ ہو گئی ہیں مسیح کے بیشمار عاشق جور و ستم سے بھاگ کر پناہ کیلئے اُترے ہوں گے بہت سے لوگ اپنے خویش و اقربا کے جنازے کو دفن کرنے کے لئے اُٹھائے ہُوئے یہاں سے گذرے ہونگے۔ اور زمانہ حال میں بھی بہت سی خلقت اِن قدیم خفتگان کے یادگاروں کو دیکھکر اپنی زندگی میں دینداری کا جوش پیدا کرنے کی خاطر زیارت کرنے کو نیچے جاتی ہے۔ اِس بے قاعدہ زینہ سے اُتر کر قبرستان شروع ہوتے ہیں۔ یہ قبریں ایسے نرم چٹانوں میں کھُدی ہُوئی ہیں کہ اُن کو چاقو سے بآسانی کاٹ سکتے ہیں۔ یہیں سے وہ پیچیدہ راستوں اور کمروں کا سلسلہ اِدھر اُدھر پھیلتا ہے جسمیں بڑے بڑے حُجرے اور دالان بنے ہُوئے ہیں۔ یہ دالان عموماً قریب تین فٹ چوڑے ہوتے ہیں۔ اور جو راستے اُن کو کاٹ کر زاویہ قائمہ بناتے ہیں فقط اسقدر عرض میں ہیں کہ ان میں سے ایک آدمی گذر سکتا ہے۔ جس فرش پر تم کھڑے ہو اسکے دونوں جانب چھت تک جو چھ یا سات یا آٹھ فٹ تک بلندی میں ہے لحد یا طاق بنے ہُوئے ہیں۔ جیسے کہ جہازوں کے کمرے یا دوکانوں کی الماریاں ہُوا کرتی ہیں اور ہر ایک میں ایک شکستہ پنجر انسانی ہڈیوں کا صدیوں سے پڑا ہے۔ ہر ایک لحد کا مُنہ سنگِ مرمر کی سِل یا گلی تختی سے سربمہر کیا ہُوا ہے جس پر ناہموار حروف میں مدفون کا نام اور ایک کتبہ لکھا ہُوا ہے۔

بعض مقامات پر اِن دالانوں میں سے چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں میں رستے کھلتے ہیں جن میں نشست گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ ایذا رسانیوں کے ایّام میں اِنہی چھوٹے کمروں میں خدا کے فرزندوں کی جماعتیں اپنے عزیز پاسٹر یا اُستاد کے گرد جمع ہو کر تعلیم و تلقین حاصل کیا کرتی اور مسیح کی موت کی یادگاری میں شریک ہُوا کرتی تھیں۔ وہ عبادات کیسی دلگداز ہوتی ہوں گی جہاں چند مصیبت زدہ پریشاں حال شاگرد اکٹھے ہو کر خداوند کی موت کو یاد کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ غالباً ہم پھر ایک دوسرے سے نہ ملیں گے جب تک کہ مسیح کی مصیبتوں کی کمی کو پُورا نہ کریں۔

حساب کیا گیا ہے کہ اِس قسم کی لحد نما قبریں اُن قبرستانوں میں چالیس لاکھ سے ستر لاکھ تک ہوں گی۔ یعنی ہر ایک زندہ آدمی پیچھے جو رُوما کے گلی کوچوں میں پھرتا ہے سیکڑوں بلکہ ہزاروں خُفتگان زیرِ زمین پڑے ہیں۔ اِن قبروں کی عمر مسیحی مذہب کے آغاز بلکہ اس سے بھی پیشتر ہوگی۔ جیرومؔ کہتا ہے کہ "لڑکپن میں جب میں رُوما میں تعلیم پاتا تھا تو میں اپنے ہم عمر اور ہم خیال لڑکوں کے ساتھ ہر اتوار کو رسُولوں اور شہیدوں کی قبروں پر جایا کرتا اور زمین دوز راستوں میں پھرا کرتا تھا۔ دونوں جانب دیواروں میں لاشیں رکھّی ہیں۔ یاں پر ایسی سخت تاریکی ہے کہ نبی کے وہ الفاظ یاد آتے ہیں کہ "وہ جیتے جی غار میں اُتر جاتے ہیں"۔ ایک محقق کا بیان ہے کہ چار قبرستان بلاشبہ ۷۰ عیسوی سے استعمال ہو رہے ہیں اور اِن میں سے ایک پودینس کی عین حیات میں کھودا گیا تھا۔ اِس شخص کا ذکر رسول پولُس اپنے ایک خط میں کرتا ہے (دیکھو ۲ تمطاؤس ۴ : ۲۱) اِسی شخص کی ملکیّت میں سب سے پہلی قبر کھودی گئی تھی۔

اِن مزاروں پر کے کتبات جو قریب گیارہ ہزار کے پڑھے جا چکے ہیں اوّل تین مسیحی صدیوں میں لکھے گئے۔ اِن میں سے مقدّس پولُس کی موت سے (۶۶۲) سے شروع کر کے شاہ قسطنطین کے جلوس تک (۶۳۱۰) ابتدائی مسیحی کلیسیا کا صبر۔ اُن کی دُکھ و مصیبت اور اُمید مترشّح ہوتی ہے۔ شاہ قسطنطین کے ایّام میں ایذا رسانی کا سلسلہ بند ہو گیا اور مسیحی مذہب رومی سلطنت کا شاہی مذہب بن گیا۔ اِن پتھّروں پر کے حروف خُون اور آنسوؤں کے ساتھ کھودے گئے تھے اور جو کوئی چاہے خدا کے اُن فرزندوں کی سادگی اور دینی جوشش کا ملاحظہ کر سکتا ہے جو بہت تکلیف سہہ کر بادشاہت میں داخل ہُوئے۔ (باقی دارد)



مُفید تفریحات

اس قسم کی تفریحات میں جو دماغ کو تروتازہ کرتی ہیں۔ یہ چیزیں ہیں۔ باہمی میل جول۔ امورِ ذاتی۔ خانگی وعامہ پر گفتگو۔ جنگلات۔ باغات۔ میدانوں کی سیر۔ جس میں مختلف قسم کے پھول۔ پتے۔ درخت دیکھنے میں آئیں۔ اور جو اپنی شان اور خوبصورتی کی وجہ سے مسرت انگیز ہوں۔ اور ایسی سیر ہے جس میں مختلف قسم کے مکانات۔ محلات۔ پرندے۔ آدمی۔ جانور نظر آئیں۔ نیز اس قسم کے نظارے جن سے کسی اخلاقی نیکی کا سبق ملتا ہو۔ یا ایسے واقعات کا مشاہدہ جن سے خدا کی قدرت کاملہ کا پتہ چلے۔ یہ اور ایسی ہی اور چیزیں قوتِ باصرہ کے لئے ہیں۔ بہت سے موسیقی کے ترانے اور راگ بھی ایسے ہیں جو انسانی اُلفتوں کے ساتھ اپنی تطبیق کے بموجب دماغ پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ علاوہ ازیں مہذب مذاق اور ظرافت بھی ہے۔ جس سے دماغ تروتازہ ہوتا ہے۔ یہ قوتِ سامعہ کے متعلق۔ اسی طرح آپس میں مل کے کھانا پینا اور ان کے متعلق دل بہلاؤ کے سامان بھی ہیں۔ کھیلیں بھی ہیں جو گھروں میں کھیلی جاتی ہیں۔ مثلاً تاش۔ چوسر۔ شطرنج۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس مجالس جو شادی اور خوشی کے جلسوں کے موقعہ پر منعقد ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا اور اور اسی قسم کی دیگر اشیاء دماغ کی تفریح کے لئے مفید سامان ہیں۔ اِن کے علاوہ بعض وسنی محنت و مشقت کے کام بھی ایسے ہیں جن سے جسم کو حرکت ہوتی ہے۔ اور جو دماغ کو اپنے جائز کام سے کچھ عرصہ کیلئے پھیر دیتے ہیں۔ یہی حال اخباروں میں نئی نئی خبریں دیکھنے اور ایسی کتابوں کے مطالعہ کا ہے۔ جن کے مضمون اخلاقی یا تاریخی ہوں اور جن کے پڑھنے سے دل خوش ہو۔ یہ تفریحات دفاتر میں کام کرنے والے اور کاروباری آدمیوں کے لئے ہیں۔ اور اِس لئے اُنکو دفاتر یا کاروبار کی تفریحات کہا جاسکتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ اُن اُلفتوں اور محبتوں کا بوجھ انسان کی طبیعت پر سے ہلکا کرنے والی ہیں جنکی وجہ سے وہ کام میں مستغرق رہتا ہے۔ ہر ایک کام میں کوئی نہ کوئی دلچسپی ضرور ہوتی ہے۔ جس سے رُوح کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اور جو دماغ کو اپنے کام یا مطالعہ میں لگائے رکھتی ہے۔ اِس توجہ میں اگر کبھی خاتمہ نہ ہو تو ڈھیلی پڑجاتی ہے اور اس کی قوت میں فرق آجاتا ہے۔ وہ دل جو ہمیشہ ایک ہی قسم کے خیالات میں مستغرق رہے۔ کچھ عرصہ بعد ایسا ہی ہوجاتا ہے جیسے وہ نمک جسکا ذائقہ جاتا رہے اور جس میں کچھ مزہ نہ رہے۔ یا وہ جھکی ہوئی کمان جسکی وہ قوت جو لچک کی وجہ سے تھی بوجہ کبھی سیدھی نہ ہونے کے سلب ہوجائے۔ یہی حال اس آنکھ کا بھی ہے۔ جو برابر ایک ہی

چیز کو دیکھتی رہتی ہے۔ کیونکہ سیاہ۔ یا سفید یا سُرخ رنگ کو لگاتار دیکھنے سے بصارت جاتی رہتی ہے اگر کوئی شخص برف کی طرف برابر دیکھتا رہے تو اسکی بصارت میں فرق آجاتا ہے۔ لیکن اگر وہ مختلف رنگوں کو ایک ہی وقت میں یا یکے بعد دیگرے دیکھے تو بینائی تروتازہ ہوتی ہے۔ ہر ایک چیز بوجہ گوناگوں ہونے کے خوش آتی ہے۔ ایک بار جو سلیقے سے مختلف رنگ کے پھولوں سے گندھا ہُوا ہو۔ کیسا بھلا معلوم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوس قزح خود سورج کی روشنی سے بھی زیادہ دلکش معلوم ہوتی ہے۔ جب دماغ کچھ عرصہ تک کام کر چکتا ہے تو اُسے آرام کی خواہش ہوتی ہے۔ اور جب آرام کرتا ہے تو گویا جسم کے اندر اُتر آتا ہے۔ اور وہاں آکر اپنی خوشی کے ایسے سامان ڈھونڈتا ہے جو اسکی اندرونی حرکات کے مطابق ہوں۔ جسم کی اندرونی اشیاء اپنی خوشیاں زیادہ تر حواس خمسہ (بصارت۔ سماعت۔ شامہ۔ ذائقہ اور لامسہ) سے حاصل کرتی ہیں۔ یعنی یہ خوشیاں گو حقیقت میں تو بیرونی اشیاء سے لی جاتی ہیں۔ لیکن تاہم وہ ہمارے جسم کے ان واحد حصص میں داخل ہو جاتی ہیں جو عضو بدن کے نام سے موسوم ہیں۔ وہ اسی اور صرف اسی ماخذ سے اپنی خوشیاں اور حظائظ حاصل کرتے ہیں۔ اِن خوشیوں کو انسان فرداً فرداً محسوس نہیں کرتا بلکہ وہ بحیثیت مجموعی مشترکہ طور پر ایک عام حِس کی صورت میں محسوس ہوتی ہیں۔

جیسا دل آدمی کے اندر ہوتا ہے۔ ویسی ہی خوشیاں بھی وہ طلب کرتا ہے۔ یعنی پاک یا ناپاک۔ روحانی یا جسمانی۔ بہشتی یا دوزخی۔ کیونکہ انسانی جسم کے اندر ہر ایک جسمانی حِس اِس خاص فردِ واحد کی رضاء و رغبت کی محبت سے ملوّث ہو جاتی ہے۔ اور اسکے بموجب فہم یا ادراک اِن خوشیوں کو معلوم کرتا ہے۔ ہر ایک حِس کی زندگی ہی انسانی مشیّت اور اسکی رغبات سے مرکّب ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان کا جسم ایک گتھی ہُوئی شے ہے جس اپنی ہستی سے اس طرح آگاہ کرتی ہے۔ جس طرح ایک زنجیر پہ اس کی مختلف کڑیوں کے ذریعے زور ڈالا جاتا ہے۔

لیکن چونکہ ہر ایک شخص کا کارِ دنیوی (محنت مشقت۔ کار منصبی) اسکے دل و دماغ کو ہر وقت روکے رکھتا ہے۔ اور اس کو مختلف تفریحات کے ذریعے ڈھیل دینے۔ تازہ رکھنے۔ اور بحال کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تفریحات میں بھی اندرونی رغبتوں کے مطابق اختلاف ہوتا ہے۔ اگر محبت کی رغبت اُن کے دل میں رہتی ہے تو تفریحات کچھ اَور ہوتی ہیں۔ اگر عزت کی طلب صرف اُن کا منشا ہے تو کچھ اَور۔ اگر انہیں صرف مال و دولت کا لالچ ہے تو تفریحات اَور طرح کی ہوتی ہیں۔ اور اگر وہ اپنا فرض منصبی صرف پیٹ پالنے کی خاطر پورا کرتے ہیں تو اَور طرح کی۔ اِس شخص کی جیسے خالی خوبی۔ نام و نمود و شہرت

کی طلب ہے۔ تفریحات اِس شخص کی تفریحات سے جو روپیہ محض فضول خرچی کی زینت سے کماتا ہے بالکل مختلف ہوتی ہیں اور اِسی طرح ہم اَوروں کو بھی قیاس کر سکتے ہیں۔

اگر خیرات کا خیال ان کے دل میں بسا ہُوا ہے تو تمام مذکور بالا تفریحات (تمام نظارے اور کھیلیں۔ راگ اور ترانے۔ کھیتوں اور باغوں کی خوبصورتی اور باہمی میل جول) اِسی خیال کو تازہ رکھنے کی خاطر ہوتی ہیں۔ کسی کے کام آنے کی خواہش ہر وقت اُن کے دل میں سمائی رہتی ہے۔ اور جب وہ آرام کرتے ہیں تو اس خواہش میں رفتہ رفتہ پھر تجدید ہو جاتی ہے۔ خدا کا سایہ ہر وقت ان کے سر پر رہتا ہے۔ اور ان کو تقویّت بخشتا رہتا ہے۔ اور وُہی اپنی رحمت کاملہ سے اُن کو اپنے فرض کی ادائیگی میں وہ خوشی بخشتا ہے جو کبھی دوسروں کے خواب میں بھی نہیں آتی۔ گویا وہ ان کے اندر ایک ایسی خوشبو اور شیرینی پھُونک دیتا ہے جسکو وہ کچھ خود ہی اچھی طرح معلوم کرتے ہیں۔ ایک خوشبو جس سے رُوحانی خوشی مُراد ہوتی ہے۔ اور ایک شیرینی جس سے رُوحانی تفریح مفہوم ہوتی ہے۔ یہ خوشی عقل اور فہم کا حصّہ۔ اور یہ تفریح اس انسانی مشیّت کی رغبت کا حصّہ ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو خیرات کے نام سے ناآشنا ہیں اُن کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کا رُوحانی دل بند ہو جاتا ہے۔ اور جس قدر وہ خیرات سے دُور بھاگتے ہیں۔ اِسی قدر ان کا دل کور ہوتا جاتا ہے۔ اور اسی طرح بند ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی نے اُسے سریش سے بھر دیا ہے۔

اِن لوگوں کی جنہیں عزّت کی لگن ہوتی ہے۔ (یعنی جو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری شہرت ہو۔ لوگوں میں تعریفیں ہوں۔ ہم ترقی کریں) تفریحات بظاہر ایسی ہی ہوتی ہیں۔ وہ اپنا کام ہوشیاری سے کرتے ہیں۔ بہت سے مفید کار بھی سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن خلق اللہ کو نفع رسانی کی غرض سے نہیں بلکہ محض خود نمائی کی وجہ سے۔ اپنے ہمسایہ کی محبّت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ محض نام و نمود کی خاطر۔ وہ بھی اپنے فرض کو پُورا کرنے سے حظ اُٹھا سکتے ہیں۔ لیکن ایک قسم کا شیطانی حظ گو وہ اُنکی نظروں میں خاص خدا کا بھیجا ہُوا ہی معلوم ہو۔ کیونکہ دونوں شکل صورت میں بظاہر ایک سے ہیں۔ لیکن اُنکی خوشی رنج سے ملوّث ہوتی ہے۔ اُن کے دل کو کبھی چین ہی نہیں پڑتا۔ سوائے اُسوقت کے جب وہ عزّت وشہرت کے خواب دیکھ رہے ہوں۔ جب وہ اِن باتوں کا خیال نہیں کرتے۔ تو عیّاشی میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اور شراب خوری۔ عیش پسندی۔ زنا۔ ظلم۔ اور اپنے ہمسایہ کو بُرا بھلا کہنے پر (اگر وہ ان کی عزت نہ کرے) آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر وقتاً فوقتاً اُن کو کوئی عزت حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملے تو وہ اپنے کام سے متنفّر اور بیزار ہو جاتے ہیں۔ اور بیکاری کو اپنا شعار قرار دے کر کاہل الوجود بنجاتے ہیں۔ ایسے لوگ مرنے کے بعد شیاطین بن جاتے ہیں۔

یہ تفریحات اُن لوگوں کے لئے بھی ہیں جو صرف نفع کے لالچ سے کام کرتے ہیں۔ مگر محض جسمانی صُورت میں۔ اِس قسم کے لوگ محتاط، ہوشیار اور محنتی ہوتے ہیں۔ خصوصاً اگر وہ سوداگر یا پیشہ ور ہوں۔ اگر وہ اہلکار ہوں تو اپنے کام میں ہوشیار ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے آپکو روپیہ کی خاطر بیچ دیتے ہیں۔ اگر پیشوائے مذہب ہوتے ہیں تو نجات کو فروخت کرتے ہیں۔ روپیہ ہی اُن کا خُدا ہوتا ہے اور ہر وقت اس شعر کو اپنا رہنما بنائے رکھتے ہیں۔ کہ ؎

جس نے پیسہ دیا اُسی کے ہیں۔ پیر و پیغمبر و خدا کیا ہے ؛

ایسے لوگ اپنے کام اور فرض منصبی سے بھی صرف یوں محبت کرتے ہیں کہ اس سے پیسہ ہاتھ لگتا ہے۔ اِس قسم کے لوگوں کے اگر وہ کسی اعلیٰ عہدہ پر ہوں یہ بات بالکل شایاں ہے۔ کہ وہ روپیہ کی خاطر اپنے مُلک کو بیچ دیں۔ حتیٰ کہ اپنی فوج اور شہر کے لوگوں کو دشمن کے ہاتھ میں بھی دینے سے دریغ نہ کریں۔ دغابازی تو اُن کے مزاج میں راسخ ہوتی ہے۔ اور چونکہ اُنہیں نفع کی خاطر نہ سزا کا ڈر ہوتا ہے نہ جزا کا۔ نہ بدنامی کا نہ قانون کا۔ اس لئے انہیں چوری کرنے اور لوٹ لینے میں بھی عار نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ ظاہر میں سچائی کا جامہ پہنے رہتے ہیں۔ لیکن باطن میں ان کا دل سیاہ ہوتا ہے۔ وہ انسانوں کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے کہ شیر یا بھیڑیا بکریوں کو دیکھتا ہے کہ دانتوں لگے تو پھاڑ کھائیں۔ اُنکو خلق اللہ کو فائدہ رسانی کا کچھ خیال ہی نہیں ہوتا۔ اُنکی تفریحات میں ایک قسم کی جہنّمی خوشی ہوتی ہے۔ وہ گدھے کے مانند جسے چراگاہوں اور کھیتوں میں سوائے اُس چیز کے جو وہ کھاتا ہے (خواہ وہ گندم کی بالیں ہوں یا جَو کی) اَور کوئی چیز پسند ہی نہیں آتی۔ حقیقت میں طمّاع لوگوں کا یہی حال ہے۔

اب ایسے لوگوں کو لیجئے جو محض پیٹ پالنے اور ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنے کی خاطر اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ یا وہ جو صرف نام کے لئے کام کرتے ہیں۔ تاکہ وہ مشہور ہوں ہزاروں میں ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں۔ یا وہ جو خاطر خواہ تنخواہ لینے کے واسطے کام کرتے ہیں تاکہ مالدار ہو جائیں اور چین سے زندگی بسر کریں۔ ایسے لوگوں کے لئے بس صرف مذکورہ بالا تفریحات ہی ایک فائدے کے کام ہیں۔ یہ لوگ یقین کے بندے ہوتے ہیں۔ اُن کی رُوحیں ناپاک اور شہوات و خواہشات نفسانی سے مرکّب ہوتی ہیں۔ وہ اپنا کام محض تفریح کے لئے کرتے ہیں۔ ایسے لوگ حیوان بشکل انسان ہوتے ہیں۔ اور اُن کے فرائض اُن پر بارگراں ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ قایم مقام ڈھونڈتے ہیں۔ جو ان کی جگہ کام کرے۔ حالانکہ نام اُن کا ہو اور تنخواہ بھی یہ اُڑائیں۔ اس قسم کے لوگ جب مذکورہ بالا تفریحات میں مشغول نہیں ہوتے تو بالکل احدی اور کاہل الوجود بن جاتے ہیں پلنگ پہ لیٹے یہ سوچتے رہتے ہیں کہ گپ زنی اور ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونیکے لئے ساتھی کہاں سے ملیں؟

یہ لوگ خلق پر ایک بارِ گراں ہیں۔ ایسے تمام لوگ مرنے کے بعد تعذیر خانوں میں بند کر دیئے جاتے ہیں۔ جہاں ایک منصف مزاج منتظم اُن کا نگراں حال رہتا ہے۔ اور ہر ایک کو کچھ روزانہ کام کرنے کے لئے بتاتا ہے۔ اگر وہ کام نہیں کرتے تو نہ انہیں روٹی کھانے کو ملتی ہے۔ نہ کپڑا پہننے کو۔ اور یہ عمل برابر جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ انہیں چار و ناچار کچھ مفید کام کرنا پڑتا ہے۔ (مخزن)

وقت

پُرانے زمانے کا ایک شاعر جو اس دُنیا سے سخت بیزار تھا اور جسے اسکی کوئی چیز پسند نہ آتی تھی۔ کُرۂ زمین کی نسبت لکھتا ہے۔ "اسکا بہت سا حصّہ تو سمندر نے گھیر رکھا ہے۔ جو باقی رہا اُسمیں سے بہت سی جگہ پہاڑوں نے سنبھال لی ہے۔ کچھ ریت نے چھپا لیا ہے۔ بعض جگہ سورج کی جلا دینے والی شعاعیں ناک میں دم کرتی ہیں۔ اور بعض جگہ اس کثرت سے برف پڑتی ہے کہ زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ الغرض بہت ہی تھوڑا حصّہ ایسا باقی رہتا ہے جہاں آدمی اپنی زندگی کے چار دن امن چین سے گذارے۔"

اس شاعر کا یہ قول زمین کے متعلق تو خواہ کچھ بھی نہ وقعت رکھتا۔ مگر ہاں البتّہ وقت پر خوب عاید ہو سکتا ہے۔ مثلاً ہمارا بہت سا وقت تو سونے میں چلا جاتا ہے۔ کچھ اُن ضروریات کے پورا کرنے میں جو قدرت نے ہمارے ذمّے ڈال دی ہیں صرف ہوتا ہے۔ جو باقی بچتا ہے اُس میں سے کچھ حصّہ رسم و رواج کے ادا کرنے میں لگانا پڑتا ہے۔ اور بہت کچھ کاہلی و سُستی کی بھینٹ چڑھتا ہے۔ الغرض وقت کا وہ حصّہ جسکا ہم اپنے آپکو مالک سمجھ سکیں اور جسے ہم جہاں چاہیں خرچ کر سکیں۔ بہت ہی تھوڑا رہ جاتا ہے۔ اس قلیل حصّۂ وقت کو بھی ہم احتیاط سے نہیں برتتے اور روزمرّہ بہت سا معمولی کاموں میں لگا دیتے ہیں۔ اور ہماری زندگی کا اکثر حصّہ صرف اسی کوشش میں گذر جاتا ہے۔ کہ ہم اپنی باقی زندگی آرام سے گذاریں۔

اب چاہئے یہ کہ اس حصّۂ وقت کو جو ہمارے لئے بچتا ہے ہم کفایت شعاری سے برتیں اور جتنا وقت کسی کام میں صرف کریں اُس سے اُتنا ہی بلکہ زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ جیسا کہ زمین کا وہ حصّہ جو پہاڑوں اور سمندر وغیرہ سے بچ رہتا ہے اپنے تمام باشندوں کے رہنے کے لئے کافی ہے۔ اور اس میں اتنی پیداوار ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے کہ تمام اہل زمین اگر عمر بھر اسے کھاتے رہیں تو بھی بچ رہے۔ مگر ہم اپنے وقت کی قلّت کی ہمیشہ شکایت کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں وقت کی اتنی

ضرورت نہیں جتنی استقلال اور ثابت قدمی کی ہے۔ کیونکہ باوجود وقت کی قلت کے شاکی ہونے کے ہم کچھ کرتے بھی نہیں۔ اپنی تمام زندگی یونہی بے فائدہ لہو و لعب میں گذر جانے دیتے ہیں۔ کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ ہمارے پاس ایک کام کے لئے کافی وقت ہے۔ اِس لئے معمولی باتوں میں مشغول رہتے ہیں۔ تھوڑے سے وقت کی تو کچھ پرواہ ہی نہیں۔ بلکہ پانچ دس منٹ کے ضایع ہو جانیکا تو خیال کرنا فعل عبث سمجھا جاتا ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ (یا تو قدرت کی طرف سے ہم میں یہ بات ودیعت رکھدی گئی ہے یا عادت کا اثر ہے) کسی بڑی چیز کا اگر اندازہ لگانا ہو تو ہم اسکے چھوٹے چھوٹے حصوں کا علیحدہ علیحدہ اندازہ لگاتے ہیں۔ اور اگر کسی قلیل المقدار چیز کی ماہیت یا قیمت ہم معلوم کرنی چاہیں تو ہم اسکے چھوٹے چھوٹے حصوں کو یکجا کر کے اس نتیجہ کو پہنچتے ہیں۔ مثلاً ہم نے وقت کے بڑے حصوں کو صدیوں اور سالوں پر منقسم کیا ہے۔ تاکہ کچھ اندازہ تو لگا سکیں۔ اب اسی قاعدے کے مطابق اگر ہم چند ایک منٹوں کی پوری قدر کرنی چاہیں تو ہمیں اُن کو یکجا کر کے یعنی اُن کے دن اور ہفتے بنا کر دیکھنا چاہئے۔ اس طرح کرنے سے ہم اچھی طرح معلوم کرلیں گے کہ جو وقت ہم تھوڑا سا سمجھ کر ضایع کر دیتے ہیں حقیقت میں قابل قدر چیز ہے۔ اور سوچ سمجھ کر برتنا چاہئے۔

داناؤں کا قول ہے کہ اگر تم پیسہ بھی خرچ کرنے لگے ہو تو پہلے سوچ لو کہ آیا کسی ضروری چیز پر خرچ کرتے ہو یا نہیں۔ یہ ہرگز خیال نہ کرو۔ کہ ایک پیسہ کی کچھ حقیقت ہی نہیں۔ کیونکہ لاکھوں روپے پیسہ پیسہ ہی ہو کر خرچ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ہم یہ خیال نہیں کرتے کہ اس جگہ خرچ کرنے سے کچھ حاصل بھی ہے یا نہیں۔ مگر آخیر میں حساب کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ اتنے سو روپے اُڑ گئے۔ بعینہٖ یہی حال وقت کے صرف کرنے کا ہوتا ہے۔ مثلاً جتنے منٹ ہم روز بے فائدہ ضایع کرتے ہیں اور اُن میں بعض اوقات محض لایعنی بکواس کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ انہیں اگر جمع کیا جائے تو خاصہ اتنا بڑا حصّہ وقت بن جاتا ہے کہ بعض لوگوں کی زندگی کے دنوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اگر یہ حصّہ خود ہماری زندگی میں ایزاد کر دیا جائے تو ہم تھوڑے خوش نہ ہوں۔ مگر ہم خود اپنے پیروں پر دیدہ و دانستہ کلہاڑی مارتے ہیں اور مزے لیتے ہیں کیا ہی تعجب خیز بات ہے۔

ہمیں چاہئے کہ اگر ہم اپنی زندگی کے آخری دن آرام سے گذارنے چاہتے ہیں تو ہم آجکل وقت کے صرف کرنے میں احتیاط برتیں اور منٹ تو کیا منٹ کا چھوٹے سے چھوٹا حصّہ بھی غیر مفید باتوں میں خرچ نہ کریں۔ کیونکہ آدمی کو زندگی کے اخیر میں بہت سی ایسی باتیں یاد آتی ہیں جو اُس نے نہیں کی ہوتیں اور جنہیں یاد کر کے وہ کفِ افسوس ملتا ہے۔ مگر بعد از وقت۔ اطالیہ کے ایک فلاسفر نے اپنا اصول یہ قرار دیا ہُوا تھا کہ وقت میرے لئے بمنزلہ اراضی کے ہے۔ جس میں اگر محنت سے

کاشت کی جائے تو ہمیشہ زمیندار کو فائدہ ہی ہوتا ہے۔ اور اس کی محنت بہت اچھی وصول ہو جاتی ہے مگر اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ اس اراضی کا کوئی حصہ بھی غیر مزروعہ نہ چھوڑا جائے۔ اور احتیاط سب حصوں کی یکساں ہو۔ (مخزن)

تمباکو اور اسکے انڈے بچے

کرۂ زمین پر تمباکو کا وجود کہیں نہ کہیں ہوگا ہی لیکن نئی دنیا کا تحفہ چار سو برس سے امریکہ۔ یورپ اور ایشیا میں اس کثرت سے پھیلا ہے کہ کوئی جڑی بوٹی یا کوئی ضروری سے ضروری چیز نہیں پھیلی۔ مرد و زن برابر رغبت سے منہ لگاتے ہیں۔ سگار (پتوں کی بتیاں) سگرٹ (کاغذ میں کترا ہوا) اور صاف کو ٹا ہوا تمباکو پیتے ہیں۔ ایک قسم کی امیرانہ لطافت کے ساتھ ٹرکی میں چبوق اور مشتب موجود ہیں (جو پانی کے بھرے ہوئے شیشے کے کنٹر ایک باریک نلک کے ذریعے سے پئے جاتے ہیں) ایرانی قلیان۔ کابلی کھڑیل۔ بلوچی خاصے حقے استعمال کرتے ہیں۔ ہندوستان میں تمباکو اکبری دور میں آیا تھا۔ مگر جہانگیر کے وقت اس نے سوائے معدودے چند کے ہر قوم پر ایسا قبضہ کیا ہے۔ کہ کھاتے ہیں۔ چباتے ہیں۔ ناس لیتے ہیں اور پیچواں۔ فرشی۔ نلکی۔ ناریل بھولاس۔ اور چلم کے ذریعے پیتے ہیں۔ دلی۔ لکھنؤ۔ اور عظیم آباد وغیرہ تکلف پسند طبائع نے حفظ صحت اور طب کے مجرب اصول کے مطابق مفرحات و مقویات وغیرہ سے ایسے خمیر بنائے جو ان سگار اور سگرٹ کی طرح دل۔ دماغ اور پھیپھڑے کا ستیاناس نہ کرتے تھے۔ جس کی نسبت ایک یورپ کے ڈاکٹر نے کہا ہے

"سگار اور سگرٹ سے بہت بڑا نقصان ہے۔ کمسن بچوں اور طالب علموں کے لئے انکا پینا تو سم قاتل ہے"

لیکن ہمارے بدنصیب ملک والے یورپ کی اعلیٰ درجہ کی چیزوں سے تو فائدہ نہیں اٹھاتے۔ لیکن مضرت بخش اشیاء میں حصہ لینے کے واسطے سب سے آگے ہیں۔ چنانچہ پچھلے سال کی رپورٹ سے پایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ۱۶ کروڑ ۵۰ لاکھ سگرٹ ممالک غیر سے آئے اور ان میں صرف ۴۷ کروڑ ان ملکوں کے ہیں جو گورنمنٹ انگریزی کے زیر اثر ہیں۔ چنانچہ اسی کثرت سے اب گورنمنٹ کی خاص توجہ اسکے کثرت استعمال کی طرف ہوئی ہے۔ افسوس ہندوستان کی اخلاقی سوسائٹیاں۔ اخبار۔ قومی جلسے اور رسائل اس قابل نہیں کہ اپنی اپنی قوم پر تمباکو کی برائی ظاہر کر کے اس عمل سے قوم کو باز رکھیں اور جو وہ اتنا بھی نہیں کر سکتے تو کاش یہ اسے ہی طریق کی خوبیاں بیان کر کے انہیں نقصانات سے بچائیں

ابھی کل کی بات ہے جب شرفا کی اولاد بزرگوں کے سامنے حقہ نہ پیتے تھے مگر اب حال یہ ہے۔ کہ کس کا لحاظ اور کس کا ادب۔ پیشانی پر آنکھیں رکھے کھُلے بندوں سگرٹ اور سگار کے دھوئیں نکالے چلے جاتے ہیں۔ ایک مشہور ڈاکٹر امراض چشم نے لکھا ہے۔

"آنکھ کی اکثر امراض کا باعث تمباکو ہے جس سے آنکھوں کو اتنا نقصان پہنچتا ہے کہ اُنکے بنانے میں اصلی نور حاصل نہیں ہوتا اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ ہندوستانی اس نقصان کو محسوس بھی کرتے ہیں۔ اور پھر پرہیز نہیں کرتے"!

ایک دوسرے ڈاکٹر نے لکھا ہے۔ کہ "تمباکو اور سگرٹ کے باعث انسان کی عمر کم ہوتی ہے۔ لوگ دیکھتے بھی ہیں اور پھر کیوں پیتے ہیں"؟

ہے تمہاری اب تمہارے ہاتھ موت اور زندگی ہو تمہیں اپنے مسیحا اور تمہیں ہو جانستاں۔

(روزانہ پیسہ اخبار)

محبوب نامرغوب

تجھکو عالم پوجتا ہے اے شراب
واقعی تو دیوتا ہے۔ اے شراب!

ہو گئی ہے مردوزن کو تو عزیز
ہے تیری۔ بے اعتدالی۔ اک کنیز

جرم ہے وہ کونسا؟ یہ سچ بتا
تیری خاطر جو نہیں ہم نے کیا

کونسی ہے وہ حماقت! کونسی؟
چاہنے والوں نے تیرے جو نہ کی

تو اگرچہ حادثوں کی جان ہے
پھر بھی تجھ پر اک جہاں قربان ہے

تو نے رکھا دیوتاؤں میں قدم
جھوٹ ہم کہتے نہیں تیری قسم

لوگ تیری رتھ کے پہیوں کے تلے
کیسے بیخود ہو کے مرنے کو چلے

مہتمم ہوٹل کا ہے تجھ پر فدا
جو کرے وہ مدح تیری۔ ہے بجا

اسکو تیرے دم سے۔ اے بنتِ عنب
شبرات و عید ہے ہر روز و شب

ہے ترقی خواہ تیرا ڈاکٹر
تیری ہی رونق ہے ساری اسکے گھر

ہو کوئی بیمار۔ یا بیماردار
ہوں گے تیری ہی سپیشل پر سوار

تو ہی ان داتا کفن دوزوں کی ہے
سم ہے آخر بڑھ گئی جب تیری لے

ہوں جہاں افعالِ شیطانی مدام
ہو وہاں لعنت ہمیشہ تیرے نام

(دی پرنس گائیڈ)

قدیم مسیحیوں کی زندگی

قدیم مسیحیوں کی خاندانی زندگی کا احوال بھی بڑا دلچسپ ہے۔ اگرچہ بعضوں کے دل تجرد کی طرف مائل تھے اور راہبانہ زندگی بسر کرنا چاہتے تھے تو بھی مسیحی دین کے اصول شادی کی ضرورت اور عظمت کو بھی مسیحیوں کے دلوں پر نقش کر رہے تھے۔ کیونکہ شادی کے ذریعے دو شخصوں کا اتحاد ہو جاتا ہے۔ جو ظاہرا تو متفرق ہیں لیکن اعلیٰ رُوحانی زندگی کی یگانگت اُنہیں حاصل ہوتی تھی۔ کیونکہ ایسی زندگی متضاد اجزا کو بھی ایک بنا دیتی ہے۔ علاوہ ازیں جہاں کہیں مسیحی دین نے جڑ پکڑی عورتوں کا درجہ مردوں کے برابر مانا گیا کیونکہ دونوں خدا کی صورت پر بنے تھے۔ اور دونوں مسیحی الٰہی زندگی میں شریک ہوئے ہیں۔ عورتوں کے یہ حقوق مسیحی دین نے بحال کئے۔ کیونکہ قدیم زمانہ سے خاصکر مشرقی ممالک میں عورتیں سوسائٹی میں ادنیٰ درجہ رکھتی تھیں۔ غلاموں سے اُن کا امتیاز کرنا مشکل تھا۔ اسکندریہ کا کلیمنٹ یہ ذکر کرتا ہے "حقیقی مسیحی کے لئے خاندانی زندگی کے واسطے رسُول نمونہ ہیں۔ کیونکہ آدمی حالت تنہائی میں مرد ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ شخص دوسرے لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے جو شوہر یا باپ ہونے کی حیثیت میں اُن ساری آزمائشوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ جو بیوی بچوّں۔ نوکروں۔ چاکروں کے گذارہ وغیرہ کے متعلق پیش آتی ہیں اور خدا کی محبت سے کنارہ نہیں کرتا۔ بے خاندان شخص بہت آزمائشوں سے بچ تو جاتا ہے کیونکہ اُسے صرف اپنی ہی فکر کرنا ہے۔ لیکن وہ ایسے شخص سے ادنیٰ ہے جیسے اپنی نجات کے کام کرنے ہیں۔ بہت پریشان کنندہ امور سے واسطہ پڑتا ہے۔ تو بھی وہ اپنے فرایض کو راستی سے ادا کرتا ہے پھر مسیحی دونوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ یہ کہتا ہے کہ "ماں اپنے بچوّں کا جلال ہے۔ جورو اپنے خاوند کا۔ شوہر اور بچے جورو کا جلال ہیں۔ اور خدا ان سب کا جلال ہے۔" ترتلیان کہتا ہے "وہ اتحاد جو دو ایمانداروں کے درمیان ہوتا ہے کیسا عجب ہے۔ جنکی اُمید ایک۔ خواہش ایک۔ قانون زندگی ایک۔ خداوند کی عبادت ایک۔ دونوں بھائی بہن کی طرح روح اور بدن میں ایک ہیں۔ ہاں دو ایک ہی جسم میں ہیں۔ اکٹھے وہ گھٹنے ٹیکتے۔ دُعا مانگتے۔ روزہ رکھتے۔ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے۔ ہمت دلاتے۔ اکٹھے خدا کے گھر کو جاتے۔ عشائے ربانی میں شریک ہوتے۔ ایکدوسرے کی تکلیفات۔ ایذا اور خوشیوں میں حصہ لیتے۔ ایکدوسرے سے کچھ نہیں چھپاتے۔ نہ ایکدوسرے کی طرف سے کنارہ کش ہوتے۔ انکو پوری آزادی ہے۔ کہ بیماروں کی تیمارداری کریں۔ محتاجوں کی مدد کریں

آپس میں گیت اور زبور گاتے اور خدا کی تعریف میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی باتوں کے سننے سے مسیح خوش ہوتا ہے۔ ایسوں پر وہ سلامتی بھیجتا ہے۔ جہاں وہ ہیں وہاں وہ بھی ہے اور جہاں وہ ہے وہاں بدی نہیں۔ مسیحی عورتوں سے اسی امر کی توقع تھی کہ اپنی کل رَوِش کی سادگی، شائستگی سے ظاہر کریں کہ اُن کے اندر کونسی روح کس قسم کا مزاج پایا جاتا ہے اور اس طرح اپنی صورت ہی کے ذریعے وہ عیش وعشرت اور دکھاوے اور خرابی کے زمانہ میں نور کی طرح چمکیں۔

اب اس آخرالذکر امر کے بارہ میں دو طرح کے خیالات پائے جاتے تھے ایک فریق تو یہ کہتا تھا کہ سادہ غریبانہ لباس ہماری فروتنی کا اظہار ہے۔ یعنی خادم کی صورت اختیار کرنا مسیحی کا عین نشان ہے۔ دوسرا فریق یہ کہتا تھا کہ مسیحی عورتوں کے خیالات شائستہ ہونے چاہئیں۔ دل درست ہو کیونکہ خدا دل پر نظر کرتا ہے ظاہری صورت کچھ نہیں۔ جو تبدیلی ہم میں ہوتی ہے اسکو دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ ہمیں کوشش کرنی چاہئیے کہ غیر قوموں کو مسیحی نام پر کفر بکنے کا موقعہ نہ دیں اور وہ یہ نہ کہنے پائیں کہ مسیحی دین جہان کے دستوروں کے خلاف ہے۔ ہمارے پاس یہ دُنیاوی چیزیں ہیں ہم کیوں ان کا استعمال نہ کریں۔ کیوں ہم ان سے حظ نہ اُٹھائیں۔ اگر یہ چیزیں ہمارے لئے پیدا نہیں کی گئیں تو کس کے لئے کی گئی تھیں۔ ان قیمتی چیزوں کا کون حظ اُٹھائیگا اگر سب سستی چیزیں استعمال کریں۔ اس دلیل کا کلیمنٹ اسکندری نے جواب دیا " اگرچہ ساری چیزیں ہمیں عطا ہوتی ہیں۔ اگرچہ ساری چیزوں کی ہمیں اجازت ہے۔ لیکن بقول رسول سب چیزیں مفید ومناسب ہیں خدا نے ہمیں نیک کاموں کے لئے پیدا کیا ہے۔ اُس نے ہر شئے سبھوں کے لئے بنائی۔ اِس لئے ہر شئے مالِ مشترکہ ہے۔ پس مالداروں کا کوئی خاص حق دولت پر نہیں کہ وہی استعمال کریں یہ دلیل بے مروتی پر مبنی ہے۔ اور ہماری تمدنی مزاج کے خلاف ہے۔ محبت تو یوں دلیل لائے گی۔ میرے پاس یہ ہے کیوں نہ میں محتاجوں کے لئے خرچ نہ کروں"۔ ترتلیان کہتا ہے۔ " تم جو بھڑکتی پوشاک میں چلتے پھرتے ہو اسکی تمہارے پاس کیا دلیل ہے جبکہ تم ان اشیاء سے کنارہ کش ہو چکے جسکے لئے ایسا لباس درکار ہے۔ تم مندروں کو نہیں جاتے ہو تمہاری آمدورفت تماشہ گاہوں میں نہیں۔ بُت پرستوں کے میلے تم نے ترک کر دیئے۔ بلکہ تمہارے فرائض اب اور طرح کے ہیں۔ شاید کسی بیمار بھائی کی تیمارداری کو جانا ہے۔ یا عشائے ربانی میں شریک ہونا ہے یا کوئی وعظ سننا یا سنانا ہے۔ اگر بُت پرستوں کے درمیان بھی جانا ہو تو اپنی خاص وردی پہن جانا چاہئیے تاکہ خدا کے بندوں اور شیطان کے بندوں میں فوراً فرق معلوم ہو جائے تاکہ تم اُن کے لئے ایک نمونہ ٹھہرو اور اُن کی بہتری کا وسیلہ بنو"۔

آجکل مزاج بالکل اور ہے۔ لباس وغیرہ میں ہم دُنیا کے فرزندوں پر سبقت لے جا رہے ہیں۔

رُوحانی صفات اور مسیحی مزاج کی چنداں پروا نہیں۔ ظاہری لباس ہمارا بڑھ چڑھ کے ہونا چاہیئے اِس سے ظاہر ہے کہ ہم قدیم مسیحی سادگی سے کتنی دُور جا پڑے ہیں۔

علی بخش

عقیدہ

جب خداوند یسوع مسیح نے نجات کے کام کو پُورا کیا۔ انسان کے لئے کفّارہ دیا اور اُسے خدا کے ساتھ ملانے کا انتظام کیا تو اُسے وہ نام ملا جو سب ناموں سے بلند ہے۔ اور جسکے سامنے آسمانی وزمینی سب گھٹنے ٹیکتے ہیں۔ یہ کام ختم کرنے کے بعد جب مُردوں میں سے جی اُٹھا تو آپکو بہت سی قوی دلیلوں سے زندہ ثابت کیا کہ وہ چالیس دن تک انہیں نظر آتا اور خدا کی بادشاہت کی باتیں کہتا رہا۔" (اعمال ۱ : ۲) اس چالیس دن کے عرصہ میں اسکے کئی دفعہ ظاہر ہونے کا ذکر آیا ہے اوّل۔ یروشلیم میں یا یروشلیم کے نزدیک (۱) مریم مگدلینی پر (یوحنّا ۲۰ : ۱۱ سے ۱۸)۔ (۲) دوسری خدمتگذار عورتوں پر (متی ۲۸ : ۹)۔ (۳) دو شاگردوں پر جو عماؤس کو جارہے تھے۔ (لوقا ۲۴ : ۱۳ سے ۳۲)۔ (۴) مقدّس پطرس پر (لوقا ۲۴ : ۳۴ + ۱ قرنتی ۱۵ : ۵)۔ (۵) دس رسُولوں پر مقدّس توما کی غیر حاضری میں (لوقا ۲۴ : ۳۶ سے ۴۳ + یوحنّا ۲۰ : ۱۹ سے ۲۵)۔ (۶) گیارھوں پر جب توما حاضر تھا۔ (یوحنّا ۲۰ : ۲۴ سے ۲۹)۔ دوئم۔ جلیل میں (۱) ساتوں پر جھیل کے کنارے (یوحنّا ۲۱ : ۱ سے ۱۴) (۲) پانسو سے زیادہ پر (متی ۲۸ : ۶ سے ۱۸ + ۱ قرنتی ۱۵ : ۶)۔ سوئم۔ پھر یروشلیم میں یا اس کے نزدیک۔ (۱) یعقوب پر (۱ قرنتی ۱۵ : ۷)۔ (۲) کل رسُولی جماعت پر (لوقا ۲۴ : ۵۰ + ۱ قرنتی ۱۵ : ۷)

الغرض خداوند اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوا نہ صرف فرداً فرداً بلکہ جب وہ اکھٹے تھے۔ نہ صرف رات کو بلکہ دن کو بھی۔ شاگردوں نے نہ صرف اُسے دیکھا بلکہ اسکے ساتھ بات چیت بھی کی۔ اسکے ہاتھ پاؤں دیکھے۔ اسکے ساتھ کھایا پیا۔ یہ بیان خداوند کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد ظاہر ہونیکا اگرچہ مختصر بیان ہے لیکن پختہ ہے اور کئی غلط خیالوں کی تردید اس سے ہوتی ہے۔

اِس جی اُٹھنے کے ذریعے خداوند کی اپنی پیشین گوئی پُوری ہُوئی۔ (یوحنّا ۲ : ۲۰ و ۲۱ + مرقس ۱۰ : ۳۴ + یوحنّا ۱۰ : ۱۸) یہ جی اُٹھنا مسیح کی اُلُوہیّت کا ثبوت ہے (رومیوں ۱ : ۴) اسکے جی اُٹھنے کے ذریعے سے ہم راستباز ٹھہرتے ہیں۔ (۱ قرنتی ۱۵ : ۱۷) یہ جی اُٹھنا مسیح کا فضل وزندگی کا چشمہ ہے (یوحنا ۱۴ : ۹ + ۱ قرنتی ۱۵ : ۴۵) - یہ جی اُٹھنا ہمارے جی اُٹھنے یا قیامت کا بیعانہ ہے (۱ قرنتی ۱۵ : ۲۳ + عبرانی

۱۴:۲)۔

چالیس دن کے بعد اس نے اپنے شاگردوں کو یہ حکم دیا کہ تم یروشلیم میں ٹھہرو جب تک آسمانی قوت سے ملبس نہ ہو (لوقا ۲۴: ۴۹ + اعمال ۱: ۴ و ۵) پھر وہ اُنہیں پہاڑ پر لے گیا اور آخری حکم دیا کہ سارے جہان میں جاکر منادی کرو جو کہ ایمان لاتا اور بپتسمہ پاتا ہے نجات پائے گا۔ یہ حکم دینے کے بعد خداوند شاگردوں کے دیکھتے آسمان پر اُٹھایا گیا اور آسمانوں سے گذر گیا (افسیوں ۴: ۱۰) اور خدا کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا (مرقس ۱۶: ۱۹ + افسیوں ۱: ۲۰ + عبرانی ۱۰: ۱۲) خدا کے دہنے ہاتھ سے مُراد عزت۔ قدرت اور جلال ہے۔ اگرچہ وہ خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے لیکن بیکار نہیں "جس طرح میرا باپ کام کرتا ہے میں بھی کرتا ہوں (یوحنا ۵: ۱۷) اُسکا خاص کام اب یہ ہے کہ وہ ہمارے لئے سفارش کرتا ہے (عبرانی ۹: ۱۴ و ۲۴)۔ وہاں سے وہ زندوں اور مردوں کی عدالت کے لئے آئیگا۔ اپنی دوسری آمد کا خداوند نے خود کتنی بار ذکر کیا (متی ۱۶: ۲۷ + لوقا ۱۲: ۳۵ سے ۴۸)۔ یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ بجلی کی طرح آئیگا (لوقا ۱۷: ۲۴)۔ نوح کے طوفان کی طرح (لوقا ۱۷: ۲۶ و ۲۷)۔ سدوم وعمورہ کی آگ کی طرح (لوقا ۱۷: ۲۸ سے ۲۷)۔

یروشلیم کی بربادی کی خبر دیتے وقت اپنی دوبارہ آمد کا ذکر کیا۔ دس کنواریوں اور توڑوں کی مثال میں اس کی طرف اشارہ کیا کہ میں دوبارہ آؤنگا۔ اور آنے کا منشا و مقصد یہ بتایا کہ عدالت کے لئے آؤں گا۔ اُس نے یہ فرمایا تھا کہ باپ کسی کی عدالت نہیں کرتا کیونکہ اُس نے ساری عدالت بیٹے کو سونپ دی ہے کیونکہ وہ ابن آدم ہے (یوحنا ۵: ۲۲ و ۲۷) پولوس کی منادی کا خاص مضمون یہ تھا (اعمال ۱۷: ۳۱ + رومیوں ۲: ۱۶) پرانے عہدنامہ میں دانیال نے اِس بڑی عدالت کا ذکر اپنی رویات میں کیا ہے (دانیال ۷: ۱۳ و ۱۴)۔

مسیح کے آسمان پر جانے کے بعد رُوح القدس پینتکوست کے روز شاگردوں پر نازل ہُوا اور وہ دن کلیسیا کی پیدائش اور رُوح القدس کے تجسم کا دن ٹھہرا۔ اس رُوح نے آکر شاگردوں کو وہ اتحاد اور قوت عطا کی کہ جس کا پہلے خواب وخیال نہ تھا۔ اِسی روح کے ذریعے کلیسیا کو جو رُوح کا بدن اور گھر بن گیا مقدس اور کیتھلک کا لقب ملا۔ انگریزی لفظ چرچ جو آجکل اُردو میں بھی بہت مستعمل ہے اس کے معنی ہیں خداوند کا گھر۔ اور لفظ کلیسیا کے معنی ہیں ایسی جماعت جس کو ہرکارہ بُلاکر ایک جگہ جمع کردے۔ پطرس کے اس مشہور اقرار کے بعد ہمارے خداوند نے یہ کہا تھا کہ "میں اِس پتھر پر کلیسیا بناؤں گا۔ دوزخ کا اختیار اُس پر نہ چلے گا۔ (متی ۱۶: ۱۸)

یہ کلیسیا مقدس ہے (۱) کیونکہ یہ مقدس سر یعنی یسوع کا بدن ہے اسلئے سر کے لحاظ سے یہ مقدس ہے (افسیوں ۵: ۲۹ سے ۳۲)۔ (۲) اس لئے کہ اسکی خدمت مقدس ہے۔ کلیسیا اس لئے

قایم کی گئی تا کہ گناہ کے ساتھ جنگ کرے۔ اسی لئے مقدّس ساکرنیٹ۔ مقدّس شریعت۔ اور مقدّس تعلیم اسکے سپرد ہوتی ہے۔

یہ کلیسیا کیتھلک کہلاتی ہے۔ یعنی عالمگیر جو سارے جہان میں پھیلی ہوئی اور مسیح تعلیم کی محافظ ہے۔ یہ ہر زمانہ اور ہر ملک کے واسطے مقرر ہے۔ اور ہر طرح کی نوایجاد تعلیم کا مقابلہ کرتی اور مسیح تعلیم کو قایم رکھتی ہے۔ نقایا کے عقیدہ میں دو اور لقب اس کے آئے ہیں۔ ایک اور رسُولی۔ یعنی یہ سمندر کی طرح ایک ہے۔ اگرچہ مختلف جگہوں کے لحاظ سے اسکے مختلف نام ہیں۔ رسُولی اِس لئے کہلاتی ہے کہ رسُولی تعلیم پر مبنی ہے۔ (افسیوں ۲: ۲۰) اور جیسے مسیح نے رسولوں کو بھیجا تھا اب اُسنے یہ مشن یہ رسالت کلیسیا کے سپرد کی ہے۔ (لوقا ۲۰: ۲۱)

چونکہ رُوح القدس اس میں بستا ہے اسلئے اسکا ہر عضو یا ممبر مقدّس ہوتا ہے۔ اوّل تو اِسلئے کہ ہر عضو اپنے تئیں خدا کے لئے مخصوص کرتا ہے۔ دوئم۔ اِس لئے کہ اس میں پاکیزگی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور اُسی روح کے ذریعے ان اعضا میں ایک رُوحانی رشتہ پیدا ہوجاتا ہے خواہ وہ مختلف اَوقات میں۔ مقامات میں۔ زمین یا آسمان میں ہوں۔ اُن میں ایک عجیب شراکت پائی جاتی ہے۔ اور چونکہ رُوح القدس کے ذریعے ہر ممبر کلیسیا میں پیوند ہوتا ہے اور مسیح کا عضو بن جاتا ہے۔ اسلئے مسیح میں اسکے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ نیچر میں تو معافی نہیں لیکن انجیل یسوع مسیح کے ذریعے گناہوں کی معافی کی منادی کرتی ہے۔ اس رُوح القدس کے ذریعے نہ صرف عقل نہ صرف مزاج پاکیزہ ہوتا ہے بلکہ بتدریج بدن بھی۔ اور آخرکار ایسی رُوح کے باعث وہ جی اُٹھے گا۔ اور مسیحی بدن اور رُوح کے ساتھ ابدی زندگی میں باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے ساتھ ابدلآباد سلطنت کرے گا۔ آمین!

علی بخش

پرسبی ٹیرین چرچ کی جنرل اسمبلی نے جو بمقام بفلو صوبجات متحدہ فراہم ہوئی۔ کثرت رائے سے منظور کیا کہ صوبجات متحدہ امریکہ کی پرسبی ٹیرین کلیسیا اور کمبرلینڈ پرسبی ٹیرین کلیسیا ذیل کی بنیاد پر باہمی اتفاق و اتحاد کر کے مل جائیں۔ "یہ اتحاد صوبجات متحدہ امریکہ کے پرسبی ٹیرین چرچ کی ۱۹۰۳ء کی نظر ثانی شدہ "اقرار ایمان" کے عقاید ایمانیہ اور دیگر تعلیم اور کلیسیائی اصُولوں پر مبنی ہو اور کہ نئے اور پرانے عہد نامے کے نوشتے خدا کا الہامی کلام مانا جائے جو ایمان اور عمل کا اکیلا غلطی سے مبرا قانون ہے۔

متفرق اقوال

——— یعقوب نے فرشتوں کو چڑھتے اُترتے دیکھا۔ کسی ایک کو بھی سُست کھڑے نہ دیکھا۔

——— ایک شریر فرشتہ حوّا کے پاس اِس غرض سے آیا کہ اُسکے ذریعے انسان خدا سے جُدا ہو جائے۔ ایک نیک فرشتہ مریم کے پاس آیا تاکہ اسکے ذریعے خدا انسان سے میل کرے۔

——— بائبل میں ایسی ایسی گہرائیاں ہیں کہ اُن میں ہاتھی بھی تیر سکتا ہے۔ اور ایسی پایاب جگہیں بھی ہیں جن میں سے ایک برّہ بآسانی گذر سکتا ہے۔

——— ہم اپنی برکتیں پانی پر اور اپنے دُکھ تکلیف چٹان پر لکھتے ہیں۔

——— کتابِ مقدس مسیحیوں کو چار نام نجات کیلئے چار ضروری باتوں کے لحاظ سے دیتی ہے۔ مقدس پاکیزگی کے لحاظ سے۔ ایماندار ایمان کے۔ بھائی محبت اور شاگرد علم کے لحاظ سے۔

——— جو لوگ مسیح کی صلیب کو خوشی سے اپنی پیٹھ پر لیتے ہیں اُنکو اُسکا بوجھ ویسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا پرندوں کو پروں کا اور جہاز کو بادبان کا ہُوا کرتا ہے۔

——— کوئی شخص ایسا حقیر نہیں ہے کہ اپنے نمونہ سے کچھ نہ کچھ نقصان نہیں کر سکتا۔

——— اُمید سورج کی مانند ہے۔ ہم جُوں جُوں اسکے نزدیک جاتے ہیں ہمارے بوجھ کا سایہ ہمارے پیچھے کی طرف پڑتا ہے۔

——— فروتنی گلِ بنفشہ کی مانند ہے جو نیچے شاخ پر لگتا ہے اور اپنا سر جُھکا کر پتوں میں چھپا رہتا ہے۔ اگر اسکی خوشبو اسکو ظاہر نہ کر دیتی تو وہ پوشیدگی میں زندگی بسر کرتا۔

——— شریعت انجیل کا پیش خیمہ ہے اور انجیل شریعت کی تکمیل ہے۔

——— جو شخص دُنیا میں مرنا جانتا ہے وُہی دُنیا میں زندہ رہنا جانتا ہے۔

——— جو پرند بہت بلندی پر اُڑتے ہیں اُن کے پروں پر سڑک کی گرد اور دُھول نہیں پڑتی۔ ویسے ہی جو شخص بلندی پر پرواز کرنا جانتا ہے دُنیا کے فکروں اور جھمیلوں سے بچا رہتا ہے۔

——— اگر الٰہی نور کو دیکھنا چاہو تو پہلے اپنی بتّی کو گُل کر دو۔

——— جو شخص خدا کو فقط اسکی نعمتوں کی خاطر پیار کرتا ہے وہ خدا کو نہیں بلکہ نعمتوں کو پیار کرتا ہے۔

——— بڑے بڑے کام طاقت سے نہیں بلکہ ثابت قدمی سے ہوتے ہیں۔

——— جائز خوشیوں کی آخری حد تک مت جاؤ۔ نیکی اور بدی کی حدود ایک دوسری سے ملی جُلی ہیں۔

——— شکر گذاری کرنا بھلا ہے مگر شکر گذاری کی زندگی بسر کرنا بہتر ہے۔

——— مغرور دل اور اونچا پہاڑ کبھی پھلدار نہیں ہوتے۔

مِشن فیلڈ

دُنیا کی دس بڑی مشنری سوسائٹیاں بلحاظ اپنے مشنریوں کی تعداد کے علی الترتیب مندرجہ ذیل ہیں:۔ (۱) چرچ مشنری سوسائٹی (۲) امریکن پرسبی ٹیرین بورڈ۔ (۳) چین کا ان لنڈ مشن۔ (۴) میتھوڈسٹ اپسکوپل مشن۔ (۵) امریکن بورڈ۔ (۶) ایس پی جی۔ (۷) امریکن بپٹسٹ مشنری یونین۔ (۸) لنڈن مشنری سوسائٹی۔ (۹) یونائیٹڈ فری چرچ اوف سکاٹلینڈ۔ (۱۰) بیسل مشنری سوسائٹی۔ اِن میں پانچ برٹش چار امریکن اور ایک جرمن سوسائٹی ہیں۔

اگر مشنوں میں عشائے ربانی کے شُرکا کی تعداد کا لحاظ کیا جائے تو دس چیدہ مشنری سوسائٹیوں میں اوّل بپٹسٹ مشنری یونین ہوگا۔ اور چرچ مشنری سوسائٹی درجہ دوم پر۔ اس سلسلہ میں پانچ برٹش اور تین امریکن اور دو جرمن سوسائٹیاں ہیں۔ آمدنی کے لحاظ سے چرچ مشنری سوسائٹی سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ اور اُس سے کم درجہ پر میتھوڈسٹ اپسکوپل مشن اور تیسرے درجہ پر امریکن پرسبی ٹیرین بورڈ اوف مشن ہے۔ اس سلسلہ میں چار امریکن اور چھ گریٹ برٹن کی سوسائٹیاں ہیں۔

موراوین چرچ کے تیس ہزار عشائے ربانی کے شُرکا میں سے تیس آدمیوں پیچھے ایک مشنری ہے۔ اور نولاکھ روپے سالانہ چندہ ہے۔ جس میں سے نصف بیرونی ممالک کے نومرید جمع کرتے ہیں۔ یوگنڈا کے دس مسیحیوں میں سے ایک آدمی گرد نواح کے بُت پرستوں میں انجیل کا خادم ہے۔

ایس پی جی مشن کے متعلق تمام دُنیا میں ۷۹۸ خادمانِ دین ہیں جن میں سے نو بشپ ہیں۔ اور قریب تین ہزار کے اُستاد ہیں۔ سوسائٹی کے کالجوں میں ۳۲۰۰ طلباء ہیں اور مدارس میں جو ایشیا اور افریقہ میں ہیں چالیس ہزار طالب علم ہیں۔

چرچ اوف انگلینڈ کی زنانہ مشنری سوسائٹی کے کارندے ہندوستان اور چین میں ۲۱۱

یوروپین لیڈی مشنری صاحبان اور ۱۰۵ مددگار وغیرہ ہیں۔ نوسو دیسی بائبل ووُمن اور ٹیچر ہیں۔ جو ہندوستان۔ لنکا۔ چین اور سنگاپور کے پینسٹھ مقامات میں کام کر رہے ہیں۔

جاپان کی گورنمنٹ نے حکم دیا ہے کہ انگریزی اور دیگر غیر ممالک کے جنگی نامہ نگاروں کے مترجم تمام مسیحی ہونے چاہئیں۔ یہ حکم اِس وجہ سے دیا گیا ہے کہ گورنمنٹ غیر ممالک کے باشندوں کے لئے اعلیٰ درجہ کے معتبر اشخاص مہیا کرنا چاہتی ہے۔ جاپان کے دیوانِ عام کا تقریر کنندہ بھی ایک مسیحی ہے

شملہ میں ہندوستانیوں میں دو مشن کام کر رہے ہیں۔ یعنی بپٹسٹ مشن جو بیالیس ۴۲ سال گذرے شروع کیا گیا تھا۔ اِس کے موجودہ مشنری پادری پوٹر صاحب ہیں۔ ایک دیسی مناد اور مسیحی اُستاد اُن کے مددگار ہیں۔ اُن کا ایک سکول ہے جس میں قریب ایک سو طالبعلم ہیں۔ دوسرا مشن سی ایم ایس ہے جس کے منتظم پادری ریڈمن صاحب ہیں۔ ماہِ گذشتہ میں رُوحانی ترقی کی خاطر زیر اہتمام ریڈمن صاحب تین روز تک جلسے ہوتے رہے جن میں تمام مشنری صاحبان اور بہت سے دیگر مسیحی شامل ہوئے۔

ہندوستان میں تاریکی اور نُور۔ ہندوستان کی آبادی دُنیا کی کُل آبادی کا ۱/۵ حصہ ہے۔ اِس مُلک میں ۷۲۰۷۵۳ قصبے اور گاؤں ہیں جن میں ۲۶۴۲ کی آبادی دس ہزار سے اوپر اور ۲۷ کی ایک لاکھ سے اوپر ہے۔ تاریکی کی طاقتیں۔ ۳۰ صدیوں کا ہندو دھرم ۲۹۴۳۶۲۲۷۶ آبادی + ۲۲۴۶۰۰۰۰۰ بالکل لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ ۴۰۰۰۰۰۰۰ عورتیں زنانوں میں بند ہیں + ۲۶۰۰۰۰۰۰ بیوائیں + ۶۵۰۰۰۰ شادی شدہ عورتیں ۱۰ برس کی عمر سے کم + ۲۰۰۰۰ شادی شدہ عورتیں دس برس کی عمر سے کم + ۲۷۵۰۰ بیوائیں ۵ برس کی عمر سے کم + ۵۰۰۴ بیوائیں ۴ برس کی عمر سے کم۔ ۵۰۰۰۰۰ پیریا نیچ ذات + ۱۱۶۸۸۸ ارباب نشاط + روشنی کی طاقتیں۔ یک صد برس کی پروٹسٹنٹ مسیحیت۔ ۵۰ برس کی مہذب انگریزی حکومت۔ ۲۵۰۰۰ میل ریل کی سڑک۔ ۲۵۰۰۰ میل بارش کرنے والی نہریں۔ ۵۰۰۰۰ میل پختہ سڑک۔ ۵۲۰۰۰ میل تار۔ ۱۵۰۰۰۰ اسکولوں میں۔ ۵۰۰۰۰ طالب علم۔ ۳۰۰۰۰ یونیورسٹی طالب علم۔ ۱۲۲ ہسپتال۔ ۴۲۱ شفا خانے۔ ۴۱۸ ڈاکٹر۔ ۶۵ جزام خانے۔ ۴۸ بائبل کے ترجمے۔ ۱۸۰۰ پروٹسٹنٹ مشنری۔ مسیحی انجمن نوجوانان کی ۷۹۳ شاخیں۔ کرسچن انڈیور کی ۷۹۳ سوسائیٹیاں۔ ۲۹۲۳۲۴۱ مسیحی پروٹسٹنٹ اور کیتھولک۔

[illegible]

کرتے ہیں کہ اول تو مشنریوں کی خوشنودی کا علم
نہایت وسیع ہے اور [illegible] سے اس عقیدہ کو
نہایت تنگ ثابت کرتے ہیں۔ پھر سرکار [illegible]
خدمت کا اعتراف کر سکتی ہے جو نمایاں طور پر کی
جائے۔ اور مشنریوں کی حقیقی خدمت عوام کی نظر
سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ پس سرکار کی طرف سے
فقط مشنریوں کے ظاہری حصہ کی تعریف ہو
سکتی ہے۔ یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ مشنری کا
اصل فرض [illegible] کو مسیح کے پاس لانا ہے۔ [illegible]
متعلق تکمیل [illegible] کی خدمات [illegible]
کرنی پڑتی ہیں [illegible] اتفاقاً خدمات [illegible]
[illegible] تحفہ ملا کرتا ہے۔ [illegible]
خدمات کی قدر شناسی کرتی ہے جو فی الحقیقت
مشنری کے لئے کوئی بھی عزت کی بات [illegible]

[illegible]

[illegible] کے خلاف [illegible]

[illegible]

ایسی زندگی [illegible]
صورتوں میں [illegible] انسان
کے شاگرد [illegible]
چھوڑ کر ہم معلوم کریں کہ فی الواقع اصلیت کیا ہے
آپ نے دو نظیریں پیش کی ہیں۔ [illegible] آپ سمجھتے
ہیں کہ وہ [illegible] میں ایک بھی نظیر
پیش نہیں کر سکتا ہوں۔ [illegible] ہزارہا مشنریوں
میں سے صرف دو نظیریں مشکل سے مل سکیں تو گویا
اس بات کو مشکل [illegible] کر سکیں
بعض صورتوں میں [illegible] تو آپ بجا
صبر کریں۔ [illegible]
[illegible]
معلوم ہوتا ہے۔ [illegible] مشنری صاحبان
کو ضرورت ہوتی ہے کہ [illegible] کو
[illegible] اگر امید

[illegible]

[illegible]

[illegible] بھی [illegible] کوئی [illegible]

بلکہ جب تک [illegible] والا [illegible] موجود [illegible]

[illegible] میں دو رشتہ و تعلق کا [illegible]

[illegible] ہے۔ پادری اکرم صاحب کی شادی [illegible]

[illegible] شاندار سادگی سے [illegible] مجھے

[illegible] باتیں بہت پسند آئیں۔ کیتھیڈرل کے بجائے

ٹرنٹی چرچ میں رسم نکاح وقوع میں آئی۔ ایسا کرنے

میں اکرم صاحب نے بڑا اچھا نمونہ دکھایا ہے۔

انگریز تو انگریز تھوڑی انگریزی پڑھے لکھے دیسی بھی

چرچ میں نکاح کروانا عار اور ہتک عزت گنتے

اور ایسے موقعوں پر سیدھا کیتھیڈرل کا رخ کیا

کرتے تھے۔ (۲) ٹرنٹی چرچ پیرش کے تمام مسیحی

[illegible] مدعو ہوئے۔ ان کے لئے چائے اور

شیرینی کا انتظام گرجا کے احاطے میں کیا گیا۔

(۳) [illegible] ہندوستانی احباب بھی فراموش

نہ کئے گئے۔ (۴) ایک دیسی ہم خدمت کو رسم نکاح

[illegible] میں [illegible] شمولیت بخشی گئی۔ کل انتظام

[illegible] سادگی تھی تاہم ہر ایک چیز [illegible]

[illegible] کے مناسب حال شاندار تھی۔ [illegible]

[illegible] مبارکباد دیتا ہوں۔ آئندہ کے

مسٹر [illegible] ایم ایس

[illegible] امتحان [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پادری [illegible]	[illegible]	[illegible]
مسٹر [illegible]	[illegible]	[illegible]
پادری تارا چند	[illegible]	[illegible]
مس [illegible]	[illegible]	[illegible]
پادری احسان اللہ	[illegible]	[illegible]
مسٹر [illegible]	[illegible]	[illegible]
بابو [illegible]	[illegible]	[illegible]
مسٹر [illegible]	[illegible]	[illegible]
مس [illegible]	[illegible]	[illegible]
پادری سکاٹ	[illegible]	[illegible]

L. 72 رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۲ - جملہ خط و کتابت بنام مسٹر ایم ایل رلیا رام وکیل امرتسر

مسیحی

THE MASIHI

جلد ۹ نمبر ۸ و ۹

Annual Subscription, Rs 2.

All Communications to be addressed to :—

M. L. RALLIA RAM, BA. LL B.
AMRITSAR.

بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۹۰۴ع

فہرست مضامین

مطبوعہ [illegible]

نوٹ بُک

مجھے یہ سنکر نہایت رنج ہوا کہ پادری ای ایم ویکوبیڈ صاحب پرنسپل مشن کالج امرتسر کی آنکھیں کام سے رہ گئیں۔ آپ نہایت شریف جنٹلمین سنجیدہ ۔ فروتن اور روحانی مزاج مشنری اور ہر دلعزیز اُستاد تھے۔ عالم شباب کا تھا۔ عمر ۳۰ کے لگ بھگ تھی۔ اوّل اوّل آنکھوں کی ہولی شکایت ہوئی۔ بیماری نے زور پکڑا۔ بصارت جاتی رہی اپنے وطن مالوفہ آئرلینڈ کو عنقریب جانیوالے ہیں۔ آپکے کثیر التعداد شاگرد اور دوست اس صدمہ میں آپسے کمال ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ پادری اے سی کلارک ماہ اکتوبر میں ولایت سے آکر مشن سکول اور کالج کا چارج لینے کی اُمّید رکھتے ہیں۔ ماہ مارچ میں پادری ڈی جے میکنزی صاحب فرلوچھٹی پر ولایت جانیوالے ہیں۔ اُن کی جگہ کون پُر کریگا؟ مسٹر چارلس فرینک ہال پنجاب سی ایم ایس میڈیکل مشن کے متعلق بشارتی کام کرنیکے لئے ولایت سے آرہے ہیں۔ مس ای اے رائیٹ لاہور میں مس ڈیولئی کی جگہ جنکی شادی پادری وگرم صاحب کے ساتھ ہوئی ہے کام کرینگی۔ اور مس شروڈ بٹالہ میں تعین ہونگی۔ ڈاکٹر ایس چندو لال اسسٹنٹ سرجن کی تبدیلی امرتسر سے جالندھر ہوئی۔ لاہور فورمن کرسچن کالج کا نیا ہال ماہ اکتوبر میں تیار ہوجائیگا۔ واقعی لاہور مشن کالج حیرت انگیز ترقی کررہا ہے ایک لنکا کا دیسی پادری کولمبو کے بشپ صاحب کا چاپلین مقرر کیا گیا ہے۔ اس قسم کی عزت افزائی کی لنکا میں یہ اوّل نظیر ہے۔ ایک چینی شہید کی دعا۔ چین ایام میں ملک چین کے بوکسروں نے مسیحی لوگوں کے خلاف اودھم

مچا رکھا تھا اور کُشت وخون کا بازار گرم تھا۔ ایک چینی مسیحی جو علاقہ تائین سن کے متصل ایک کلیسیا کا ممبر تھا کسی دوسرے شہر سے اپنے وطن کو جارہا تھا۔ جانیسے پیشتر اس ایک میٹنگ میں یوں دعا مانگی کہ " اے خدا ہم اس اید رسانی میں خوش ہیں جیسا تُونے ہمیں سکھایا ہے۔ تو جانتا کہ شہیدوں کی موت کی نسبت شہیدانہ زندگی بسر کرنا زیا مشکل ہے۔ یہ عنایت کر کہ جب تیری مرضی ہو تو ہم اس خدمت کو اس طور پر اختیار کریں جو تیری نظر میں مقبول ہو اگر کوئی شخص آزمایش کی گھڑی میں پطرس کی مانند تیرا انکار کرے تو اے خداوند تو پھر کر اُس پر نظر کر جیسا تُونے پطرس کی طرف دیکھا تھا اور اس نگاہ کے ذریعے اُسکو یہ بخش کہ اُسی تیرے رسُول کی طرح بڑی مضبوطی کے ساتھ تیری گواہی دینے میں زندگی بسر کرے"۔ کچھ عرصہ کے بعد اسی دعا مانگنے والے مسیحی نے اور ساٹھ اشخاص کے ساتھ اُسی اعلیٰ خدمت کو اختیار کیا۔ انگریزی فوج لاسہ میں جا پہنچی ہے۔ اور نئے عہدنامہ کی شرائط قائم ہورہی ہیں مسیحی دُنیا میں یہ سوال پیدا ہورہا ہے کہ کیا اس ملکی معاملہ کے ذریعے ملک تبت انجیل کی برکت حاصل کر سکیگا؟ ہمارا یہ کام نہیں کہ جلد جلدی عمارت کو بنائیں بلکہ یہ کہ ٹھیک بنیاد پر اور درست طبیعت کے ساتھ بنائیں۔ زندگی کوئی انسانوں کے دوڑ مقابلہ کا نام نہیں۔ سوال یہ نہیں کہ کون کام پہلے کرتا ہے بلکہ یہ کہ کون اچھا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ کون سب سے زیادہ بلند پرواز ہے بلکہ یہ کہ کون زیادہ صبر اور محنت کے ساتھ خدا کے ارادوں کے مطابق خدمت کرتا ہے؟

دُعاء

اے خُدا تُو اُن سب کا حامی ہے جو تُجھ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ تُجھ بغیر نہ مضبوطی ہے نہ پاکیزگی۔ اپنی رحمت ہم پر بکثرت بھیج تاکہ تیری حکومت اور ہدایت سے ہم فانی چیزوں میں سے اس طرح گذر جائیں کہ آخر کار اُن چیزوں کو نہ کھوئیں جو غیر فانی ہیں۔ اے آسمانی باپ ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کی خاطر یہ بخش۔ آمین۔

اے خداوند ہم عرض کرتے ہیں کہ تیرے انتظام سے اِس جہان کا دَور ایسے امن کے ساتھ جاری رہے کہ تیری کلیسیا خداپرستی اور کمال اطمینان سے تیری خدمت خوشی کے ساتھ کیا کرے ہمارے خداوند یسُوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین!

اے خداوند ہم عرض کرتے ہیں ہمیں ایسی طبیعت عنایت کر کہ ہمیشہ وہ باتیں جو راست ہیں سوچیں اور عمل میں لائیں تاکہ ہم جو تجھ بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تیری مدد سے تیری مرضی کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین!

اے خداوند جتنے تجھ پر بھروسہ رکھتے ہیں اُن سب کی تُو قوّت ہے۔ رحمت سے ہماری دُعاؤں کو قبول کر اور چونکہ ہم اپنی بشریّت کی کمزوری کے سبب تجھ بغیر کوئی اچھّا کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے اپنے فضل کی مدد ہمیں عنایت کر کہ ہم تیرے حکم اس طرح بجا لائیں کہ نیّت اور فعل دونوں سے تجھے خوشی کریں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین!

نوٹ اور رائیں

ڈاکٹر جان مرڈک صاحب مرحوم

ماہ گذشتہ کی دسویں تاریخ کو بمقام مدراس ہندوستان کا سب سے پُرانا اور شاید سب سے بڑا مشنری اپنے آرام میں داخل ہُوا۔ ڈاکٹر مرڈک صاحب نے خادم الدین کے عہدہ پر کبھی باقاعدہ تقرر حاصل نہ کیا۔ مگر انہوں نے ہندوستان اور لنکا میں ساٹھ سال تک خدمت کی۔ ہندوستان بھر میں صاحب موصوف کے نام کو بچہ بچہ جانتا ہے اور بوجہ اپنی تصانیف کے اُن کی شہرت یورپ اور امریکہ اور چین اور جاپان میں پھیلی ہُوئی ہے۔ ہر ایک پہلو کا خیال کر کے یہ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ ڈاکٹر مرڈک صاحب مرحوم سے بڑھ کر کسی شخص نے ہندوستان کی بہبودی کے لئے جدّوجہد نہیں کی۔

ڈاکٹر مرڈک صاحب بتاریخ ۲۲ جولائی ۱۸۱۹ء شہر گلاسگو میں پیدا ہُوئے۔ آپ نے فن معلمی میں تعلیم پائی اور سیلون کے محکمۂ تعلیم میں ملازم ہو کر بتاریخ ۷ ار اگست ۱۸۴۴ء یعنی پورے ساٹھ سال گذرے آپ شہر کولمبو میں وارد ہُوئے۔ اپنی رخصت کے ایام میں آپ مشن کے مختلف اسٹیشنوں کا دورہ کرتے تھے۔ مختلف مقامات کے حالات دریافت کرنے کا ماحصل یہ ہُوا کہ آپکو تعلیمی کتب اور مسیحی علم ادب کی کتابوں کی سخت ضرورت محسوس ہُوئی۔ اُسی وقت سے آپنے ٹھان لیا کہ لنکا کے لئے اس قسم کی کتابیں مہیّا کرنی چاہئیں۔ اس خیال نے آپکے دماغ میں یہاں تک جوش پیدا کیا کہ آپنے ۱۸۴۹ء میں اپنی معقول نوکری کو خیر باد کہکر شہر کانڈی میں ایک پریس جاری کیا اور بمبئی کے جارج بوون صاحب کی طرح بغیر کسی نمایاں ذریعہ آمدنی کے نہایت کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا شروع کی۔ اس طور پر دیسی خوراک پر گذارہ کر کے پانچ سال بسر

کئے ۔ لنکا کی زبان میں خود کتابیں تصنیف کرکے کانڈی کے دو چھاپے خانوں میں خود ہی اُن کے چھپوانے کا انتظام کرتے تھے ۔ یہ زمانہ نہایت مشکلات کا وقت تھا ۔ مگر اُنکا ایمان اور صبر غالب آیا ۔ ۱۸۵۴ء میں ڈاکٹر مرڈک صاحب مدراس میں تشریف لائے اور جنوبی ہند کی ایک سکول بُک سوسائٹی قایم کی ۔ اُسی وقت یونائٹڈ پرسبی ٹیرین چرچ گلاسگو نے اُن کو مشنری مقرر کیا ۔ ۱۸۵۸ء میں جب ہندوستان کے غدر کا یادگار قایم کرنے کی غرض سے صاحب موصوف ہی کی ہمّت سے کرسچن ورنیکولر ایجوکیشن سوسائٹی قایم ہوئی تو آپ ہی اُس کے اوّل ہندوستانی ایجنٹ مقرر ہوئے ۔ اُن کی اپنی مقرر کردہ سوسائٹی بھی اِسی کے ساتھ ملحق ہوگئی اور اس سے آپکا حوصلہ ایسا بڑھا کہ آپنے فوراً ایک نیا تصانیف کا سلسلہ شروع کردیا ۔ جسکو آپنے پچپن سال تک برابر جاری رکھا اور چھیاسی سال کی عمر تک اپنے انتقال کے ساتھ ہی اسکا خاتمہ کیا ۔

اپنے حلقۂ خدمت میں ڈاکٹر مرڈک صاحب لاثانی آدمی تھے ۔ کوئی ایسا مضمون نہ تھا جسکو آپکے لایق قلم نے اپنانہ بنالیا ہو ۔ ملکی معاملات ۔ تواریخ ۔ مذہب ۔ بیانات ۔ سائنس ۔ علم مخلوقات ۔ فلسفہ آپکے حلقۂ تحریر میں شامل تھے ۔ گو آپکے مضامین کا میدان ایسا وسیع تھا جس میں ہر قسم کے رسالے یکے بعد دیگرے شایع ہوتے چلے جاتے تھے تو بھی بجائے نامور مصنّف بننے کے آپنے تالیف کا کام زیادہ پسند کیا ۔ اگر آپ کسی خاص مضمون مثلاً ہندوؤں کے مذہب اور فلسفہ کو مطالعہ کرتے تو اُن کی لیاقت سے بعید نہ تھا کہ آپ اس مضمون پر اعلیٰ کتب تصنیف کرجاتے ۔ مگر اُنہوں نے مدبّرانہ اور نہایت فراخدلی سے اِس عزّت کو نظر انداز کرکے ہندوستان کے عام شایقین کتب کی بہبُودی مدِنظر رکھی ۔ اُنکا خاص مدّعا یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو ایسی تعلیم دی جائے کہ جس سے آخرالامر وہ مسیح کو قبول کرنیکے لئے تیار ہوجائیں ۔ آپ روزمرّہ کے بڑے بڑے معاملات کے لئے چشم براہ رہتے تھے اور جب کوئی نئی بات پیدا ہوتی تو فوراً اس کی نسبت کوئی نہ کوئی رسالہ شایع کردیتے تھے جس سے عوام کو صحیح رائے قایم کرنے میں مدد ملتی تھی ۔ آپ ہندوستانیوں کی بے بضاعتی اور دماغی گرفت سے بخوبی آگاہ تھے اور اِسی وجہ سے آپ جو کچھ لکھتے اور شایع کراتے

وہ نہایت دانائی کے ساتھ سادہ عبارت اور قلیل قیمت کا لحاظ رکھکر کرتے تھے۔ جس سے ان کے مولفہ رسالوں سے امیر و غریب یکساں مستفید ہو سکتے تھے۔ انکا جاری کیا ہوا ماہواری اخبار پروگریس جسکو آپ پچیس سال تک چلاتے رہے خریداروں کی کثیر التعداد جماعت میں مقبولیت کا اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ ۱۸۶۷ء میں علاوہ دیگر خدمات کے آپ ریلیجس ٹریکٹ سوسائیٹی کے ہندوستانی ایجنٹ مقرر ہوئے۔ اس سوسائیٹی کے متعلق آپنے انگریزی اور ہندوستانی زبانوں میں کثرت سے رسالے اور ہینڈبل شایع کرائے جس سے نہ فقط ہندوؤں بلکہ ہندوستانی مسیحیوں کو بھی جنوبی ہند میں بڑا بھاری فائدہ پہنچا۔ عام مشنری۔ ہندو لوگ۔ ہندوستانی طلبا۔ ہندوستانی مسیحی کلیسیا کے شرکا، اور پاسٹر ناخواندہ مشن کے ملازم۔ اور دیہاتی اُستاد۔ زنانہ کی مستورات اور سکولوں کی لڑکیاں بلکہ اعلیٰ سرکاری ملازم بھی سب اس بہادر مردِ قلم کے ممنونِ احسان اور گرویدہ ہیں۔ ۱۸۷۱ء میں گلاسگو یونیورسٹی کی طرف سے آپکو ایل ایل ڈی کی ڈگری عطا ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف سال گذشتہ تک کرسچن لٹریچر سوسائیٹی کے سکرٹری رہے۔ بعد ازاں پادری اے گلیفورڈ صاحب اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔

ڈاکٹر مرڈک صاحب زندگی بھر مجرد رہے۔ اور منشی اشیاء بلکہ تمباکو سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ آپ گوشۂ تنہائی میں بیٹھکر دن بھر لکھا کرتے تھے۔ اُن کی نظر میں ہر ساعت ایک بھاری بخشش تھی۔ اور آپ وقت کی ذمہ داری کو سخت محسوس کرتے تھے۔ آپکا طرزِ معاشرت نہایت سادہ تھا اور اسی وجہ سے آپ بہت سا روپیہ ٹریکٹ اور کرسچن لٹریچر سوسائیٹیوں کے نام چھوڑ گئے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ آپ اپنے انتقال کے وقت تک بغیر عینک کے پڑھتے اور لکھتے رہے۔ اگرچہ آپکا جسم قوی یا عظیم نہ تھا آپ کی صحت عمدہ رہتی تھی اور آپکو طبیب کی بہت کم ضرورت پڑی۔ سمندر کے ساحل پر گھنٹہ بھر کے لئے ٹہلنا آپ کی ورزش تھی اور اسوقت بھی آپ اگلے دن کے کام کے لئے دُعا اور دھیان میں غرق رہتے تھے۔

ڈاکٹر مرڈک صاحب کے آخری ایام دلی اطمینان کے ساتھ گذرے۔ آپ بنگلور میں دو ماہ کے لئے تبدیلِ آب و ہوا کی غرض سے رہے۔ واپس آتے ہوئے مدراس میں سردی کھائی

اور نمونیا اور بُخار میں مبتلا ہوگئے۔ بُخار تو جاتا رہا مگر ضعیف آدمی کے لئے نمونیا کا مقابلہ کچھ آسان بات نہ تھی۔ اگرچہ آپ بائیس روز تک بستر پر پڑے رہے آپ بہادرانہ اپنی آخری کتاب موسومہ بہ "ایک وطن دوست کی فرائض اپنے مُلک کی نسبت" کے پروف کی نظرثانی کرتے رہے۔ بلکہ ایک جلسہ میں جانے کو بھی تیار تھے۔ آپ دوستوں کو خوشی سے ملاقات کا موقعہ دیتے رہے مگر یہ کہدیا کرتے تھے کہ مجھے تنہا رہنے اور آرام سے مرنے دو۔ اور فی الحقیقت آرام اور خاموشی کے درمیان ہندوستان کا وہ بڑا بھاری محسن گذر گیا اور اُن مقدسوں کی جلیل جماعت میں شامل ہُوا جنہوں نے اپنے نجات دہندہ کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دیا اور بنی آدم کی بہبودی کیلئے زندگی بسر کردی۔ ہندوستان کے علم دوست باشندوں کے حافظہ میں اِس بُزرگ کا نام مدت تک باقی رہیگا۔

بہت سال کا عرصہ گذرا کہ مشہور مصنفہ مس ٹکر صاحبہ متخلص بہ اے ایل او ای نے آپ کی نسبت یہ الفاظ قلمبند کئے "پاکیزہ علم ادب کے پھیلانے میں آزمودہ کار آدمی۔ ایک عمر رسیدہ شخص جس میں جوانوں کی سی ہمت ہے جس نے ممالک یوروپ کے مشہور و معروف مدارس کا ملاحظہ کیا ہے اور تعلیمی علم کا سرچشمہ دریافت کرنے کی خاطر تین مرتبہ بحر اوقیانوس کو عبور کیا ہے"۔ ۱۹۰۲ء میں جب دہ سالہ مشنری کانفرنس کا اجلاس مدراس میں منعقد ہُوا تو آپ نے تمام ہندوستان کے مشنریوں کی آوبھگت بڑے تپاک کے ساتھ کی اور اپنے ابتدائی ایڈریس کے آخر میں فرمایا کہ "پچاس سال کے قریب گذرے جب میں اوّل اوّل مدراس میں آیا تو میرا کام یہاں پر اچھی طرح سے نہ چلا۔ مَیں نے اس کی نسبت اپنے سرگرم دوست کو لمبو کے اوّل بشپ صاحب کی طرف خط لکھا۔ جسکے جواب میں اُنہوں نے مجھے فقط یہی کہا کہ "خداوند کے وقت کا منتظر رہ۔ مضبوط ہو اور وہ تیرے دل کو تسلی بخشے گا۔ اپنا توکل خداوند پر ڈال دے"۔ بعد ازاں جب کبھی کوئی بات میرے خلاف واقع ہوئی تو مجھے آخر ماننا پڑا ہے کہ "اُس نے سب کچھ اچھا کیا ہے"۔ آپ اپنی زندگی بھر اس کوشش میں ساعی رہے کہ مسیحی علم ادب کے پھیلانے کی طرف خاص توجہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ دہ سالہ مشنری کانفرنس میں آپ نے اس پر بڑا زور دیا اور رسوم سوسائٹی کی

کی بے پرواہی پر تاسّف کا اظہار کیا۔

مندرجہ بالا مختصر حال خصوصاً کلکتہ اور بمبئی کے مسیحی اخبارات سے اخذ کیا گیا ہے۔ مگر غیر مسیحی اخبارات بھی ڈاکٹر مرڈک صاحب کے کمالات و فضایل کی تعریف میں کچھ کم رطبُ اللّسان نہیں ہیں۔ مثلاً انڈین سوشیل ریفارمر رقمطراز ہے کہ "مدت سے ڈاکٹر مرڈک صاحب ایسی زندگی بسر کرتے رہے ہیں جو آیندہ زندگی کی تیاری تھی۔ اور وہ خود اس سے بڑھ کر اپنے لئے اور کسی یادگار کو ایسا پسند نہ کرتے جیسا اس بات کو کہ اور لوگ اُنکے ایمان اُمید اور کوشش میں آپ کی تقلید کریں۔ ایک مرتبہ جب یہی اخبار کسی مشکل میں گرفتار ہُوا تو صاحب موصوف نے روپیہ پیسہ سے اُسکو پھر کھڑا کرنے کی کوشش کی"۔ انڈین میرر آپکو مشنریوں کے شاہزادہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ "اُن کی جگہ کو پُر کرنا محال ہوگا۔ ہندوستان کے لوگوں کا صادق اور دلی دوست جو اُن کے دُکھ سُکھ میں اُن کا غمگسار اور ہمدرد اور ہمیشہ اُن کی اخلاقی بہبودی اور خوشی میں ساعی رہا وغیرہ وغیرہ"۔ انڈین سپکٹیٹر راے زن ہے کہ "جو کام ڈاکٹر مرڈک صاحب نے انگریزی زبان میں سوشیل اور مذہبی مضامین کا سستا اور صحت بخش علمِ ادب ہندوستان کے جوانوں کے لئے مہیا کرنے کی غرض سے کیا ہے وہ آپ ہی کا حصّہ ہے۔ اِس اصول پر کہ برہمن بلحاظ پیدایش نہیں بلکہ اپنے کرموں کے سبب سے برہمن ہوتا ہے ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کو بھی ایک سچّا ہندوستانی مصلح کہہ سکتے ہیں۔ الخ"

آپ کی خدمت کے آخری حصّہ میں سرکار نے بھی آپ کی خدمات کا اعتراف کیا اور اوّل ۱۹۰۲ء میں قیصرِ ہند کا نقرئی تمغہ عطا فرمایا۔ اور پھر چند ماہ کا عرصہ گذرا کہ آپکو دوبارہ اُن خدمات کے صلہ میں طلائی تمغہ عطا کیا۔ مدراس گورنمنٹ نے آپکو مدراس یونیورسٹی کی سینٹ کا ممبر مقرر کیا۔ اور آپ کے ہم خدمت مشنری بھائیوں نے ۱۸۹۴ء کے خاتمہ پر آپ کی خدمت کی جوبلی پر ایک ایڈریس پیش کیا۔ مگر مرڈک صاحب کا سب سے بڑا انعام اُس روز ہوگا جب اُنکا خداوند اور آقا اپنی زبان سے اُن کو فرمائیگا کہ "شاباش اے اچھے اور دیانتدار خادم" اور جب وہ لوگ جو اُن کی خدمت کے ذریعے برکت حاصل

کر چکے ہیں ان کو آسمان پر ملیں گے۔
آپکا کفن دفن ۱۱ر تاریخ کی شام کو ہُوا۔ تمام مشنری سوسائیٹیوں کے شرکا ر آپکے جنازہ کے ساتھ تھے۔

مسیحی فقیری کا راز

ڈاکٹر پینل صاحب اپنے سفرنامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب ہم جالندھر میں پہنچے تو سرہرنام سنگھ اور انکی لیڈی صاحبہ نہایت فیاضانہ مدارات کے ساتھ پیش آئے ایسی خاطر تواضع کے بعد کون کہہ سکتا تھا کہ ہم فقیر ہیں۔ مگر یہ بھی ایک تجربہ تھا جو ہمیں اس مقام پر حاصل ہُوا۔ کہ بقول سعدیؔ فقیری یہی نہیں ہے کہ لباس بدل لیا اور بس بلکہ یہ دُنیا اور اُسکی لذّات کا ترک کرنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ تو کھٹک گئی کہ ہمکو شان وشوکت میں دیکھکر عوام ہماری فقیری پر ہنسیں گے۔ یہ سوچ کر آپکو مسیحی فقیری کی نسبت مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کرنا پڑا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری فقیری کچھ ہلکے درجے کی ہے اگر ہم اپنے دعوے کے مطابق عمل کرتے تو ہمیں اپنے متموّل بھائیوں کے ہاں فروکش ہونے سے احتراز کرنا لازم تھا۔ اور ضرور تھا کہ ہم کسی مسجد یا دھرم سالہ میں جاکر اُتریں۔ لیکن میں نے سمجھا کہ اگر میں ایسا کروں تو بعض لوگوں کے ساتھ واقفیّت پیدا کرنے اور مشن کے کام کے دیگر اقسام کا بہت سا تجربہ حاصل کرنے کا موقعہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ پھر یہ بھی ایک بات تھی کہ فقیر آسایش کا سامان خود تلاش نہیں کرتا لیکن اگر اس کے لئے ویسا سامان مہیّا کیا جائے تو وہ انکار بھی نہیں کرتا چنانچہ زندگی کی مسافرت میں ہم پستی اور سرفرازی۔ اِدھر بھوکا رہنا اور اُدھر آسودگی۔ اِدھر بھرپور ہونا اور اُدھر محتاج ہونا سیکھتے ہیں۔ اگر محض فقیری مدِّنظر رکھی جائے تو اِس سے کچھ حاصل نہیں۔ فقیرانہ طبیعت اصلی چیز ہے۔ دُنیا سے پرے رہنا ہم کو اُن لوگوں سے

جُدا کر دیگا جنکو کھینچ لانا ہمیں مقصود ہے۔ اور اسی خیال سے دیسی لباس اختیار کرنا بعض صورتوں میں فائدہ مند ہے۔ (یہاں پر آپ ہندوستانی لباس زیب بدن کرنے کے فواید کی دو مثالیں پیش کرتے ہیں) ۔ اگر میں پورا انگریزی لباس پہنے ہوتا تو جو موقعے مجھے گفتگو کرنے کے ملے وہ جاتے رہتے۔ خطرہ اس بات میں ہے۔ کہ جب کوئی شخص یا سوسائٹی ہندوستانی لباس کو بجائے ایک ہتھیار کے جو موقعہ پر کار آمد ہو سکتا ہے زندگی کا ہدف سمجھ بیٹھے جو ہر وقت بھوت کی طرح سر پر سوار رہتا ہے۔ ایک انگریز جو انگریزی لباس پہنتا ہے مگر اس کا دل لوگوں کے لئے محبّت سے بھر پور ہے۔ ہمیشہ دیکھے گا کہ عوام اُس کی محبّت کا جواب محبّت سے دیتے ہیں لیکن جو انگریز ہندوستانی لباس پہنکر اپنے دل میں فاتح قوم کے ممبر ہونیکا غرور رکھے تو یہ ایک ایسی نامعقول بات ہوگی کہ ایک موٹی سمجھ والا ہندوستانی بھی اس کو فوراً تاڑ جائیگا۔"

شراب ہم لے کے کیا کریں گے؟

بلائے جاں ہے وبالِ جاں ہے شراب ہم لیکے کیا کرینگے؟ سبوئے صہبا و ساغرِ مے۔ جناب! ہم لیکے کیا کرینگے؟
نہ ہوتی ہے اس سے تشنگی کم نہ پڑتی ہے اس سے دل میں ٹھنڈک شراب کیا ہے سراب ہے اک سراب۔ ہم لیکے کیا کرینگے؟
یہاں وہاں جسکے پینے سے ہو نہ فائدہ کچھ بجز زیاں کے عذاب سا اک عذاب ہے وہ۔ عذاب ہم لیکے کیا کرینگے؟
یہ آبِ آتش لباس ہے اک طلسمِ محوِ ثبات ہستی۔ تمہیں کہو پھر حرارت انگیز آب ہم لیکے کیا کرینگے؟
نشوں سے سرمایۂ خرد نام و ننگ کھوتے ہیں پینے والے کھرے کھرے نقد دیکے جنسِ خراب ہم لیکے کیا کرینگے؟
نہ ان میں ہے افتخارِ قومی نہ ان میں ہے امتیازِ ملکی شراب۔ افیون۔ بھنگی چرسی خطاب ہم لیکے کیا کرینگے؟

بشر کے حق میں پیامِ خوابِ اجل ہیں اے میر سارے نشے
یہ تشنۂ خوں جو کرتے ہیں دل کباب ہم لیکے کیا کریں گے؟ (ڈسٹرکٹ گائیڈ)

حیاتِ داؤد

چھبیسواں باب

(۲ سموئیل ابواب ۱۲ تا ۱۹)

آدمیوں کے کوڑے

کوئی نیک و بد کام ایسا نہیں ہے ۔ کہ جو کلکِ قدرت سے لکھا نہ جائے
وہ یا تو ٹھہرتا ہے برکت کا باعث ۔ ویا سر پہ بارِ لعنت دبائے
ہوں جو فعل اسکے نتیجہ میں سرزد ۔ کرے اُنکو مضبوط ۔ اور یا گھٹائے

ہوسکتا ہے کہ داؤد کے گناہ کی طرح ہمارا گناہ بھی معاف کیا جائے لیکن اسکے افسوسناک نتایج قایم رہتے ہیں۔ علت اور نتیجہ کا قانون ہمیشہ اپنا کام کرتا رہتا اور ان کی زنجیر میں ہولناک نتایج وابستہ رہتے ہیں۔ اگرچہ خدا کی رحمت بھی اس طرح ظاہر ہوتی رہتی ہے کہ خدا کے گمراہ اور تائب فرزند کے گناہ کے نتایج کو ایسی آگ سے تبدیل کردے جس سے اسکی صفائی اور پاکیزگی ہو۔ ان کے دُکھوں اور مصیبتوں کے لئے عمدہ سے عمدہ دوائی بہم پہنچائے اور اس بدی کو اپنا اور کام کرنے سے روک دے۔ ان صفات سے جن میں خدا کی سزا۔ شفا اور نجات کا ذکر قلمبند ہے یہ سب باتیں ظاہر ہیں۔

اے انسان کی رُوح! اسکو غور سے پڑھ۔ یہ اس برتاؤ کا بیان ہے جو خدا اپنے فرزند سے رکھتا ہے۔ جیسے اس نے داؤد سے سلوک کیا وہ ہم سے بھی کرے گا۔ معاف تو وہ کردیگا لیکن شاید چھڑی سے کام لے۔ وہ پھر اپنی نظرِ عنایت ہم پر کرے گا لیکن شاید وہ کڑوا پانی ہمیں پینے دے جسکا چشمہ ہمارے گناہ نے کھولا ہے۔ فروتن۔ صابر اور غریب مزاج بنو۔ اس بھٹی میں سے تو پاک صاف ہاں برف سا شفاف ہوکر نکلے گا اور تیرے تجربوں سے لوگ خدا کی سختی اور مہربانی سے آگاہی پائیں گے۔ مُعافی یافتہ اشخاص بھی وُہی کاٹیں گے جو اُنہوں نے بویا ہے۔

اوّل ۔ خدا کی سزا۔ بیت سبع کا بچہ سخت بیمار ہوگیا۔ یہ بچہ ولد الزنا اور باعثِ شرم تھا۔ لیکن والدین اس پر اپنی جان دیتے تھے۔ سات روز تک ماں نے اُسے چھاتی سے لگائے رکھا اور اُسکی تیمارداری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ داؤد نے بھی روزہ رکھا اور زمین پر پڑا رہا۔ بچہ کو تکلیف

میں دیکھکر اُسے ایسا درد ہُوا کہ اگر وہ چند بیماری اسکو خود لاحق ہوتی تو وہ اتنی پرواہ نہ کرتا۔ جب معصوم ہمارے گناہوں کے لئے دُکھ اُٹھائیں تو کس دردمند کا کلیجہ نہیں پھٹتا۔ ساتویں دن وہ لڑکا مر گیا۔

اس سے دو برس بعد داؤد کے ایک لڑکے نے اپنی بہن سے ایسا ہی سلوک کیا جیسا داؤد نے اوریاہ کی جورو سے کیا تھا۔ کوئی شخص اپنی آواز نہیں پہچانتا جب تک کہ فونوگراف میں اُس کو خود نہ سُن لے۔ یہ ٹھیک ہو یا نہ ہو۔ اس میں تو شک نہیں کہ کوئی شخص اپنی بدی کو نہیں دیکھتا جب تک کہ وُہی بدی اس کے لڑکے میں ظاہر نہ ہو۔ امنون کے گناہ میں داؤد نے اپنی شہوت اور نامغلوب بدخواہش کی صورت دیکھی اور دو برس بعد جب ابی سلوم نے امنون کو قتل کر ڈالا تو داؤد کو اپنی خونریزی پھر نظر آئی۔ اگر داؤد امنون کو فوراً سزا دیتا یا اسکا انسداد کرتا تو ابی سلوم کو خون بہانے کا موقعہ نہ ملتا۔ لیکن وہ اپنے بیٹے کو گناہ کی سزا کیسے دیتا کہ جسکا وہ خود مرتکب ٹھہر چکا تھا (استثناء ۱۸:۹-۲۹) وہ ابی سلوم کو بھی خون کی سزا دے نہ سکتا تھا جس حال کہ وہ خود خونی کی موت سے بچ نکلا تھا۔

جب ابی سلوم نے بغاوت کی تو داؤد کے مشیرِ خاص نے کہ جسکی صلاح بمنزلہ فرمانِ خدا کے ہُوا کرتی تھی اپنی منظوری اور مدد دی۔ اس بغاوت میں جلوتی اختیفل کیسے شامل ہوگیا؟ اِسکی وجہ شجرۂ نسب سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ بیت سبع کا نانا تھا اور اسکا بیٹا الیم اوریاہ کا دوست اور رفیق تھا۔

بعضوں کا خیال ہے کہ اس وقت داؤد کو ایک سخت بیماری لاحق ہُوئی۔ خیال ہے کہ اس وقت کی مصیبتوں کا بیان زبور ۴۱ اور ۵۵ میں درج ہے ان میں اس کے غمِ دل کا بیان اور ان ملاقاتیوں کی طرف اشارہ ہے جو اسکے بستر کے گرد فراہم ہوتے اور اس بیمار شخص کی حالت پر رائے زنی کرتے تھے۔

سب سے ہولناک اور سخت صدمہ ابی سلوم کی بغاوت تھا۔ اسکی خوبصورتی۔ اس کی خوش خلقی لوگوں کے رنج و مصائب میں جو التوائے انصاف کے باعث نالاں تھے۔ اسکی ہمدردی۔ اسکا جاہ و جلال اور شان و شوکت۔ چار برس سے داؤد کی سلطنت کی بنیادیں ہلا رہی اور لوگوں کے دل اسکی طرف کھینچ رہی تھیں۔ چنانچہ جب اُس نے حبرون میں اپنا جھنڈا کھڑا کیا۔ اور سارے مُلک میں بادشاہ کا اعلان کیا گیا تو یہ صاف ظاہر تھا کہ لوگ داؤد کے لئے اپنی محبّت اور عزت کھو چکے تھے۔ شاید اسکے گناہ کے باعث لوگ مایوس ہوگئے اور ان کا دل اس سے پھر گیا تھا اور وہ نئے شہزادے کی تابعداری کرنے کو تیار تھے۔

اِن پُرآشوب دنوں کے کل واقعات کا بیان ضروری نہیں۔ بادشاہ کا دہشت زدہ ہو کر بھاگنا۔ "اُٹھو کہ ہم بھاگیں۔ اور جلدی یہاں سے نکل جائیں"۔ کوہِ زیتون پر ننگے پاؤں چڑھنا۔ درد دل سے چلا چلا کر رونا۔ سمعی کا طعن و تشنیع کرنا۔ میفبوست کی دغابازی۔ داؤد کی بیویوں کا برملا رسوا ہونا۔ سارے اسرائیل کا اکٹھے ہو کر ابی سلوم پاس آنا۔ اُس رشتے اور تعلق کو بھول کر جس سے وہ مدتوں سے داؤد کے ساتھ پیوند تھے۔ باپ کی چھڑی اس طرح اسکے فرزند پر بار بار پڑی۔ معلوم تو ایسا ہوتا تھا کہ یہ آدمیوں کی نفرت اور دشمنی کا نتیجہ ہے۔ لیکن جانتا تھا کہ جو پیالہ اُنہوں نے اسکے لبوں کو لگایا۔ اسکی مے آسمان میں مرکب ہوئی تھی۔ اور وہ کسی حاکمِ عدالت کی سزا نہ تھی بلکہ باپ کی خفگی۔

مسیح کی سرگذشت کے علاوہ بائبل میں کوئی اور واقعہ ایسا خوبصورت نہیں کہ جب داؤد اُن کانٹوں کے کھیت میں سے گذرا تو اُس نے صدوق سے کہا کہ "خدا کے صندوق کو شہر کو پھیر لے جا۔ پس اگر خداوند کے کرم کی نظر مجھ پر ہوگی تو وہ مجھے پھر لے آئیگا۔ اور اُسے اور اپنے مکان کو مجھے پھر دکھائے گا۔ پر اگر وہ یُوں فرماتے کہ میں اب تجھ سے خوش نہیں۔ تو دیکھ میں حاضر ہُوں۔ جو کچھ اسکے نزدیک اچھا ہو۔ سو مجھ سے کرے"۔ اور جب سمعی نے شاید رصفیا کے بیٹوں کے قتل کی طرف اشارہ کر کے اور شاید اشبوست کے خون کا اسکو مرتکب ٹھہرا کر اس کو مرد خونی کہا۔ کیونکہ ساؤل کے گھر کے سارے خون کا وہ سبب تھا۔ داؤد نے ابی شی سے کہا۔ کہ "خداوند نے اُس سے کہا ہے کہ داؤد پر لعنت کرے۔ پس کون کہ سکتا ہے کہ تُو نے کیوں ایسا کیا"۔ یُوں ہی جب یہوواہ نے کڑوا پیالہ مسیح کے لبوں کو لگایا تو خداوند نے فرمایا کہ "یہ پیالہ میرے باپ نے مجھے پینے کو دیا ہے"۔ ہم اس سبق کو کبھی فراموش نہ کریں۔ اخی تفیل یا سمعی یا یہوواہ کی دشمنی یا دغابازی سے ہمکو رنج و مصیبت پہنچ سکتی ہے۔ لیکن اگر خدا اجازت دیتا ہے کہ ایسی باتیں ہمکو پہنچیں تو وہ اسکی چھلنی کی باریک تاروں میں سے گذر کر اسکی مرضی بن جاتی ہیں۔ اور ہم پھر سر اُٹھا کر اس کے چہرے پر نظر ڈال سکتے اور جان لیتے ہیں کہ یہ محض کوئی اتفاق یا بدقسمتی یا انسانی تلوّن مزاجی نہیں بلکہ ہم اس کے فرزند بننے کیلئے تربیت پا رہے ہیں۔ ایسی سزا کے بغیر شاید خیال ہوتا کہ ہم اس کے حقیقی فرزند نہیں۔

دوّم۔ خدا کی شفا۔ وہ کئی طریق سے ظاہر ہُوئی۔ مصیبت کے اس وقت میں اسکے رفیقوں اور مصاحبوں نے ایسی محبت کا اظہار کیا۔ جس کی نسبت بڈھے بادشاہ کو شاید کچھ شک پیدا ہو گیا ہو۔ یا اس محبت کو بھول گیا ہو۔

اخی تفیل کی بے وفائی سے بادشاہ کو نہایت رنج ہُوا۔ اس امر کا بیان وہ مزامیر

میں کرتا ہے۔ اس کو سخت درد ہُوا کہ وہ شخص جو اس کی دوستی کا دم بھرتا تھا۔ جو اس کا مشیر اور صلاحکار تھا۔ جس پر اسکو پُورا پُورا بھروسہ تھا۔ ہاں جو اس کے دسترخوان پر بیٹھتا اور اس کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھا اب اسکا مخالف ہوگیا لیکن ہوسی ارکی اپنے کپڑے پھاڑے ہوئے اور سر پر خاک ڈالے ہوئے اسکے استقبال کو آیا اور مستعد ہوا کہ ابی سلوم پاس جاکر اخی فیتل کی مشورت کو باطل کرے۔

سمعی اس پر بیشک لعنت وطعن کرے۔ لیکن استری گاتھ اپنے مال و اسباب۔ نوکروں چاکروں سمیت داؤد کی خدمت کو حاضر ہُوا۔

صندوق اور ابی یاتر خدا کا صندوق لے کر وہاں آپہنچتے ہیں۔ اور اپنے آقا کی مدد اور ہمدردی میں اپنا ذاتی باہمی عناد بھول جاتے ہیں۔ ضیا روٹیاں۔ انگور اور ایّام گرمی کے پھل اور مے لاتا ہے۔ شوبی۔ مکیر اور برزلی دن کے بھوکے۔ تھکے اور پیاسے پیروؤں کے لئے سامانِ خورش بہم پہنچاتے ہیں۔ اور اس کے لوگ اس کی منت کرتے ہیں۔ کہ آپ لڑائی میں داخل نہ ہوں۔ کیونکہ آپ کی جان قیمتی اور دس ہزار مردوں کے برابر ہے۔

یہ گویا ایسا تھا کہ اس مصیبت زدہ روح پر خدا خود جھک کر تسلّی اور دلاسا دیتا ہے۔ اور تازیانہ کی چوٹیں جو اس کی پیٹھ پر لگی تھیں۔ ان پر جلعاد کا روغن لگاتا ہے۔ اسکے مصاحبوں کی آواز زیادہ شیریں اور تسلّی دِہ ہوگئی۔ ہاتھ اسکو زیادہ نرمی سے چھوتے تھے۔ ہمدردی اس کی راہ میں تسلّی اور یقین کی بوچھاڑ برساتی تھی اور سب سے بڑھ کر خدا کی حفاظت کے روشن لباس فرشتے اس کی راہ اور اس کے لیٹنے کی جگہ کے نگران تھے۔

اس واقعہ سے اس نے چند نہایت شیریں زبُور لکھے۔ اور اُن میں سے تیسرا۔ چوتھا۔ اکتالیسواں۔ باسٹھواں۔ ترلیسٹھواں۔ اور ایک سو تینتالیسواں ہیں۔ پہلے دو زبور اس کے صبح اور شام کے گیت ہیں۔ جب اسکا دیودار کا محل تیّار ہُوا۔ وہ جانتا ہے کہ میرے بہت دشمن ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ خدا میں اسکے لئے کچھ مدد نہیں۔ لیکن اسکو کُلّی یقین ہے کہ خدا ہر طرح سے اسکی حفاظت کرتا ہے۔

تو اے خداوند میری سپر ہے۔
میرا جلال اور میرے سر کا اُٹھانے والا۔

وہ دس ہزار آدمیوں سے خائف نہیں ہوتا۔ وہ تسلّی سے لیٹ جاتا ہے۔ اور سلامتی میں اُٹھتا ہے۔ کیونکہ خداوند اسکو سنبھالتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ خدا نے مجھے اپنے لئے علیحدہ کیا ہے۔ اور اسکے دل میں تسلّی ہے کہ اسکے چہرے کے نور سے اس کے دل

کو زیادہ خوشی حاصل ہوگی - بہ نسبت اس بادشاہت کے خزانوں کے جو وہ ہمیشہ کیلئے کھو چکا معلوم ہوتا تھا۔

پھر اس تشنہ لب قحط زدہ زمین میں سے جو اُن کو عبور کرتی تھی اس کی رُوح خدا کی قدرت اور جلال دیکھنے کی آرزومند ہوئی جیسا اُس نے مقدس میں دیکھا تھا۔ اور اسکو کامل اطمینان حاصل ہوتا ہے - خدا کے لئے اشتیاق رکھنا اسکو پالینا ہے۔ اسکے لئے پیاسا ہونا سوکھے ہوئے لبوں پر برف سے سرد پانی کو بہتا محسوس کرنا ہے۔ ان کے ساتھ اس کو ایک دید مل گئی کہ اس سخت جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا۔

بادشاہ خداوند میں شادماں ہو گا -
ہر ایک جو اس کے نام کی قسم کھاتا ہے جلال پائے گا -
لیکن ان کا مُنہ جو جھوٹ بولتے ہیں بند ہو جائے گا -

سوّم۔ خدا کی نجات۔ ابی سلوم نے جو رنگروٹ فراہم کئے تھے وہ داؤد کے جری تجربہ کار سپاہیوں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ گئے - ابی سلوم جب بلوط کی جھاڑی میں لٹک رہا تھا یوآب کے نیزے کا شکار ہُوا - لوگ پھر داؤد کی طرف پھر آئے اور بادشاہ کو واپس لانے کی عزت کے خواہاں ہُوئے - بنی یہوداہ نے بھی گو وہ جانتے تھے کہ ہم نے اتنی جلدی ابی سلوم کا ساتھ دینے سے اپنا اعتبار کھو دیا ہے۔ توبہ کی اور بادشاہ کی منت کی کہ واپس آئیے۔ سمعی بادشاہ کے قدموں پہ آگرا۔ مفیبوست نے اپنی وفاداری کا ثبوت دیا - برزلی بباعث اپنے تحفہ تحایف اور وفاداری کے ہمیشہ کیلئے شاہی خاندان کے ساتھ پیوند ہوگیا۔ سب باتوں کا انجام بھلا معلوم ہوتا تھا۔

ایک قابل افسوس واقعہ سے اس سارے معاملے کے سلامتی سے انجام پانے میں تاخیر ہُوئی - دسوں فرقے اس امر سے نہایت رنجیدہ ہُوئے - کہ یہوداہ نے بادشاہ کی واپسی کا کُل انتظام کیا۔ اور سخت الفاظ ان کے مُنہ سے نکلے - بنی یہوداہ نے ان کا ویسا ہی سخت جواب دیا - کسی بُرے وقت میں سبیا نے بغاوت کا بگل بجایا۔ اور یہ نعرہ اُٹھایا۔ جو رحبعام کے دنوں میں مُلک میں بڑے بڑے تفرقے ڈال چکا تھا۔ کہ اے اسرائیل ہر ایک مرد اپنے اپنے خیمہ کو جائے - یہ دسوں فرقے فوراً علیحدہ ہو گئے۔ اور ایک اور ہولناک بغاوت برپا ہُوئی - جو یوآب کی سخت محنت اور جانفشانی سے فرو ہُوئی - سبیا کی موت اس بغاوت کا آخری واقعہ ہے۔ جو خون میں رنگا گیا۔ اور قومی زندگی میں ہمیشہ کیلئے داغ چھوڑ گیا۔

خدا کے خادم پر بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں آئیں - لیکن وہ اُن سب میں بچایا گیا - جب اُسنے سبق سیکھ لیا - تو چھڑی تھم گئی - وہ انسانوں کی لاٹھی اور آدمیوں کی چھڑی سے پیٹا گیا - لیکن خدا نے اپنی رحمت اس سے دُور نہ کی جیسی ساؤل سے کی تھی - اسکا گھر - اسکا تخت اور بادشاہت باوجود مخالفتوں کے مضبوط کیا گیا - ہمیشہ ایسے ہی ہوتا ہے - لاٹھی - چھڑی اور سزا - لیکن ان سب میں خدا کی محبت پائی جاتی ہے جو اپنا بحالی بخش ارادہ پُورا کرتی ہے - کبھی جلدی نہیں کرتی - کبھی ٹھہر کر آرام نہیں لیتی - کبھی بھولتی نہیں بلکہ سب چیزوں سے باہم کام لیتی ہے - جب تک کہ بدی دُور نہ ہو جائے اور رُوح پاک و صاف - پھر برکت کی روشنی اور زندگی کا پُر اطمینان خاتمہ - دلکش غروب آفتاب میں -

ستائیسواں باب

(۲ تواریخ - ابواب ۲۰ - ۲۹)

غروب آفتاب اور شام کا ستارہ

ڈوبتا سورج - نکلتا ہے ستارہ شام کا صاف آواز آئی ہے اب میری طلبی کی سنو!
بحر بے پایاں میں جس ساعت گذرنا ہو میرا کاش اُس دم شورش طوفان اور آندھی نہو -

ابی سلوم اور سیبا کی بغاوت فرو ہونے اور داؤد کی موت کے درمیان اسکو دس سال آرام کا عرصہ ملا - اس عرصہ کے بہت کم واقعات قلمبند ہیں - غالباً داؤد خدا کے حضور میں فروتنی اور حلیمی کے ساتھ چلتا تھا - وہ بڑی بڑی باتوں کا خیال نہ کرتا - اور ہیکل کی تعمیر پر جو اسکی زندگی میں اسکی سب سے بڑی تمنا تھی - اپنی ساری توجہ دیتا تھا - اگر ہیکل کی تعمیر اسکو خود نصیب نہ ہو تو وہ اس شخص کیلئے سامان بہم پہنچانا چاہتا تھا جس کو اسکی تعمیر کی عزت حاصل ہو -

اوّل - ہیکل کی جگہ کس طرح پسند ہوئی - داؤد کو اسرائیل اور یہوداہ کی گنتی لینے کا خیال پیدا ہُوا - مورخ لکھتا ہے - کہ شیطان نے اسکو اس امر کی تحریک دی - لیکن پُرانے نوشتے خدا کے غصّے سے اس واقعہ کو منسوب کرتے ہیں - ان دونوں بیانوں میں کوئی بڑا اختلاف نہیں - کیونکہ جو باتیں ہم خدا کی اجازت دینے والی مشیّت سے منسوب کرتے ہیں وہ پُرانے عہدنامہ کے مصنّف خدا کی ایجنسی سے - لوگوں کی گنتی لینے میں جو اس نے گناہ کیا وہ اسکی نیّت سے متعلّق تھا - بیجا غرور اور فخر سے اسکو یہ خیال آیا - وہ چاہتا تھا کہ گرد و نواح کی قوموں میں بڑی نمایش کرے اور اسرائیل کی عظمت و حشمت ان پر ظاہر ہو - تاکہ وہ اسرائیل کی سرحد پر پھر یورش کرنے کی جرأت نہ کریں - اسکا میلان طبع اس طرف تھا کہ خدا پر تکیہ اور انحصار چھوڑ کر انسانی قوّت اور طاقت پر بھروسہ رکھے -

یوآب اور دیگر مشیروں کی صلاح کے باوجود بادشاہ اپنی بات پر قایم رہا - اور اسکے افسر چاروں طرف لوگوں کی گنتی لیتے پھرے - جلبوعہ کی شکست کے دن سے جب لوگ اِدھر اُدھر

بُری حالت میں بکھرے پڑے تھے۔ اُس کی بادشاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ لاوی۔ اور بنیمین کے فرقوں اور شہر یروشلیم کے علاوہ اسرائیل کے جنگی مرد دس لاکھ اور یہوداہ کے پانچ لاکھ تھے۔

جب مردم شماری کا کام قریب الاختتام تھا۔ اور افسر یروشلیم میں آپہنچے تھے داؤد کے دل کو پشیمانی ہوئی۔ اور اُس نے خداوند سے کہا کہ میں نے جو کیا اس میں تیرے حضور بڑا گناہ کیا ہے۔ اس نے جان لیا کہ سلطنت کے اس مقصد سے میں کیسا پرے ہوگیا ہوں جس میں صرف خدا کی بادشاہی قوم کی پالیسی مقرر کرتی ہے۔ اس نے خدا کے فرمان کے خلاف اپنی مرضی اختیار کی تھی۔ اور آس پاس کے بادشاہوں اور قوموں کو رشک اور حسد کا موقعہ دیا تھا۔ نو مہینے کی غلطی اور بے وقوفی کی تلافی ایک رات کی پشیمانی سے نہ ہوسکتی تھی۔ معافی تو اُسے مل گئی۔ لیکن ضرور تھا کہ تین سزاؤں میں سے وہ ایک سزا اُٹھائے۔ اس نے بڑی دانشمندی کی جو خدا کے ہاتھوں میں پڑنے کو ترجیح دی۔ لیکن جونہی مثل وبا اسکے لوگوں میں پڑی اس سے اس کے دل کو نہایت درد ہُوا۔ مُلک میں سے ہو کر وہ تباہ کُن فوج کی طرح شہر مُقدس میں آپہنچی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا خدا کا فرشتہ ہاتھ میں تلوار لئے شہر کے گرد گھوم رہا اور اپنا ہولناک کام شروع کرنے والا ہے۔ اسوقت داؤد نے خداوند سے مِنّت سماجت کی کہ یہ وبا دُور ہو اور کہا۔ دیکھ۔ گُناہ تو میں نے کیا۔ اور بدی مجھ سے ہُوئی۔ پر اِن بھیڑوں کا کیا قصور! بس مجھ ہی پر اور میرے باپ کے گھرانے پر اپنا ہاتھ چلا دیجیے۔ اور خداوند کا فرشتہ یبوسی ارناہ کے کھلیان پر کھڑا تھا۔ بعضوں کا خیال ہے کہ یہ ارناہ پُرانے شہر یبوس کا معزول شدہ بادشاہ تھا۔ ہاں۔ کوہِ موریا پر جہاں صدیوں پیشتر فرشتے نے ابراہیم کے ہاتھ کو روکا۔ اور خدا نے کہا تھا کہ بس کافی ہے۔ اپنا ہاتھ روک۔ وُہی جگہ ہیکل کے لئے چُنی گئی۔ جاد نبی کی ہدایت کے مطابق داؤد نے کھلیان بمعہ تمام اوزاروں اور بیلوں کے خرید لیا اور اسکو پُوری قیمت دی۔ تاکہ کہیں وہ خدا کی نذر وہ چیز نہ کرے جس پر اسکا کچھ خرچ نہ آیا تھا۔ اور اس وقت سے کوہِ موریا قومی عبادت کا مرکز۔ کئی ہیکلوں کی جائے تعمیر اور ابنِ آدم کے انکشاف اور اظہار کا نقطہ بنا۔

د ۃ ھ۔ ہیکل کا تعمیر کرنے والا۔ داؤد کی زندگی کے آخری سال اور اسکے عہدِ حکومت کے چالیسویں برس میں بھی ایک بغاوت برپا ہُوئی۔ آخر کار یوآب بھی باغی ہوگیا۔ اور ابی یاتر غالباً صندوق کے حسد سے اسکا شریک ہوگیا۔ اور داؤد کے بڑے لڑکے ادونیا کے پسر اوہو کی مدد کرتے تھے۔ ان کو ضرور معلوم ہوگا کہ سلیمان خدا کا برگزیدہ بادشاہ تھا۔ لیکن ان کو اسکے اعتبار حاصل

کرنے کی بہت کم اُمید تھی۔ اسلئے اُنہوں نے پھر ایک آخری کوشش کی کہ اسکو برطرف کرکے اپنا نامزد بادشاہ تخت پر بٹھلائیں۔

جب اس بغاوت کی خبر داؔؤد کو پہنچی۔ تو اسکا شیر دل جوش میں آیا۔ اور وہ گو بڑھاپے سے بہت کمزور ہو گیا تھا۔ وہ مستعد ہُوا۔ کہ جو ہو سو ہو۔ خدا کی مرضی کو جو کئی سالوں سے اس پر ظاہر ہو چکی تھی پُورا کرے۔ اور بادشاہ نے قسم کھائی اور کہا۔ اُس خداوند کی قسم جس نے میری روح کو ہر طرح کی آفت سے رہائی دی کہ جیسا میں نے خداوند اسرائیل کے خدا کی قسم کھا کے کہا تھا۔ کہ سلیماؔن میرے بعد بادشاہ ہوگا۔ سو میں آج کے دن ویسا ہی کرونگا۔ چند گھنٹے بعد عدؔونیا اور اسکے سارے مہمانوں کو بمقام اسروجل خبر ملی۔ کہ جیحون میں صدؔوق اور ناتنؔ نبی کے ہاتھ سے سلیماؔن بادشاہ ممسوح ہُوا۔ اور شاہی خچر پر سوار ہو کر شہر سے گذرا اور بنایا اور اسکے سپاہی اسکی اردل میں تھے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر عدؔونیا کے رفیق اسکو چھوڑ کے بھاگ گئے۔ اور وہ اکیلا مذبح کے سینگوں کو پکڑے رہا۔ غالباً اس وقت داؔؤد نے سلیماؔن کو خدا کے لئے گھر بنانے کا حکم دیا۔ اس نے ان سب باتوں کا ذکر کیا۔ جن کی اس نے ہدایت پائی تھی کہ کیونکر اسکو گھر بنانے کی آرزو پیدا ہُوئی۔ خونریزی کے باعث خدا نے اجازت دینے سے انکار کیا۔ اور یہ وعدہ کیا کہ اسکے ہاں ایک بیٹا ہوگا جو مردِ صلح ہوگا اور سلامتی کی ہیکل تعمیر کرے گا۔ پھر اُس نے سلیماؔن کو اس سامان کی کیفیت دی جو اس نے جمع کیا تھا۔ اور وہ ابتدائی کام جو اس نے شروع کیا۔ ان قیمتی دھاتوں پیتل۔ لوہا اور لکڑی اور کارندوں کا حساب اور اندازہ لگانا ہمارے لئے بالکل ناممکن ہے۔ اس مکان کو شاندار بنانے کے لئے آس پاس کے مُلک بالکل خالی کئے گئے تھے۔ ہیکل کا کام سپرد کرنے کے بعد داؔؤد نے سلیمان کو نصیحت کی کہ یوآب اور سمعی سے کیسا سلوک رکھے۔ اس میں بدلے کی رُوح پائی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں اتنا تو تسلیم کرنا چاہئے کہ اِس دمِ مرگ بادشاہ کا مدعا و مقصد اپنی سلطنت کی سلامتی اور صلح کا قایم رکھنا تھا۔ اگر اسکا مقصد صرف بدلا لینا ہی ہوتا تو وہ اس وقت لے لیتا۔

سوؔم۔ ہیکل کا نقشہ۔ قانون یہودی کے مطابق صرف یہی ضرور نہ تھا کہ کاہن بادشاہ کو ممسوح کرے۔ بلکہ یہ بھی لازم تھا کہ سارے لوگ اسکو اپنا بادشاہ تسلیم کریں۔ اس لئے یہ ضرور ہُوا کہ ایک جلسہ عام میں داؔؤد کا انتخاب منظور کیا جائے۔ اس لئے شاہی حکم سے ایک مجلس عظیم ہُوئی۔ (۱ تواریخ ۲۷: ۱) یہ نظارہ کیسا شاندار ہوگا جب بوڑھا بادشاہ ان لوگو کے سامنے کھڑا ہُوا۔ جنھوں نے اسرائیل کو عظیم بنانے میں اس کی مدد کی تھی اور جن میں سے اک

اب گنجِ گمنامی سے نکلکر شہرتِ عام پا چکے تھے۔ یہ موسیٰ کی اُس الوداع سے مشابہت رکھتا تھا جب اس نے ان لوگوں سے جن کو وہ کنعان کی دہلیز تک لایا تھا۔ آخری بار ملاقات کی یا سموئیل کے الوداعی ایڈریس سے۔ آخری بار بادشاہ اور لوگ خدا کے حضور اکٹھے کھڑے ہوئے۔ پھر اُسنے اپنی انتخاب۔ ہیکل تعمیر کرنے کی آرزو اور اپنے بجائے سلیمان کے تقرر کا ذکر کیا۔ پھر اس بچہ کی طرف پھر کر جو اسکے پاس کھڑا تھا اسکو نصیحت کی اور کہا۔ مضبوط بن اور الٰہی ارادے کو پورا کر۔

اس کے بعد ہیکل کا نقشہ جو خدا کے رُوح نے داؤد پر ظاہر کیا تھا۔ اور خزانوں کی فہرست جن سے یہ ساری چیزیں بنی تھیں۔ اُس نے سلیمان کو دیں۔ جیسے موسیٰ نے مرتے وقت ماعودہ سرزمین کی دید پائی۔ ویسے ہی داؤد کی آنکھوں میں ہیکل مکمل کھڑی تھی۔ اپنی ذاتی گرہ سے اُس نے ایک بڑی بھاری رقم دی تھی۔ اور اسکا حوالہ دے کر اُس نے شاہزادوں اور لوگوں سے درخواست کی کہ ہیکل کے لئے اپنی اپنی نذریں پیش کریں۔ لوگوں نے دریا دلی سے اسکا جواب دیا۔ اور غالباً اس سے پیشتر یا اسکے بعد مذہبی کام کے لئے ایک ہی موقعہ پر اتنا بڑا چندہ کبھی نہیں ہُوا۔ اور سب سے بڑھکر یہ نذریں خوشی اور رضامندی سے دی گئیں۔

سب لوگوں کے سامنے داؤد نے بھرے دل سے خدا کو برکت دی۔ اسکے لب پُرانی آگ سے چھُوئے گئے۔ اسکے خیالات وسیع ہوکر آسمان تک بلند ہُوئے۔ اِسنے عالم کی بادشاہت خداوندِ یہوواہ سے منسوب کی اور تسلیم کیا کہ جو کچھ اس دن نذر کیا گیا تھا وہ سب پہلے اُنہوں نے خدا سے پایا تھا۔ دوسرے عالم کی دہلیز پر کھڑے ہوکر اسکے دن سایہ کی مانند نظر آتے تھے۔ جس میں کوئی پایداری نہ ہو۔ اور پھر بادشاہ اور باپ نے سلیمان کیلئے دُعا و منّت کی کہ وہ الٰہی فرامین پر قایم رہتے۔ اور ہیکل کو تعمیر کرے۔ آخر میں اُس نے لوگوں سے خطاب کر کے درخواست کی کہ وہ سب خدا کی حمد اور مدحسرائی میں شریک ہوں اور ایسی خوشی کا نعرہ اور برکت اور مدح سرائی کی آواز اُٹھی کہ عالم گونج اُٹھا۔ اور ایک مذہبی میلے سے یہ کارروائی انجام پذیر ہُوئی۔

ایک بڑی زندگی کے شایاں یہ انجام تھا۔ ہم ٹھیک ٹھیک یہ بتا نہیں سکتے کہ اس کے کتنا عرصہ بعد داؤد جیتا رہا۔ مقدس مورخ مرتے وقت کے نظاروں کو بہت لفظوں میں قلمبند نہیں کرتے ہیں۔ ایک نوشتہ میں یُوں لکھا ہے کہ داؤد اپنے باپ دادوں کے ساتھ سو گیا۔ اور داؤد کے شہر میں دفن ہُوا۔ دوسرے نوشتہ میں یُوں مرقوم ہے کہ وہ بڑھاپے میں دولت اور عزت پاکر مرا۔ لیکن شاید سب سے عالی بیان وہ ہے۔ جو رُوح القدس نے پولُوس

کی زبانی لکھایا کہ داؤد اپنے وقت میں خدا کی مرضی کا تابعدار رہ کے سو گیا۔ اور اس کو سڑنے کی نوبت نہ پہنچی۔

داؤد کی موت کے متعلق لفظ سو گیا بڑا دلکش ہے۔ اسکی زندگی شور۔ طوفان۔ جوش۔ جنگ اور خونریزی سے بھری تھی۔ اور کئی بغاوتوں نے اسکو بے چین کیا تھا۔ لیکن آخرکار اسکو چین ملا۔ جیسے ہر ایک کو ملے گا۔ تھکے ہوئے بچے کی طرح وہ بوڑھی آنکھیں آخری نیند میں بند ہو گئیں۔ اور اس کی روح بہادر مردوں میں جا ملی۔ اس کی قبر پینتیکوست کے دن تک قایم رہی۔ کیونکہ پطرس اسکی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن وہ مرد جسکو خدا نے بلا لیا۔ تھا۔ اسکی راحتوں کے دریا سے پانی پی رہا تھا۔ اور وہ جب اسکی صورت میں اٹھا۔ تو وہ مطمئن ہوا۔ اسکا خداوند کا عمدہ سے عمدہ خواب حقیقت سے کم نکلا۔ اور اس کے بوڑھے چہرے پر موت سے خوشی آمیز حیرت کے آثار ہوں گے کہ گویا اسکو آدھی بات بھی بتائی نہ گئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اسکے اور ہمارے خداوند کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان کے مسح پانے اور لاثانی کلام۔ ان کی تکلیفیں۔ خدا کے گھر کے لئے ان کا شوق۔ اپنے دوستوں کے لئے انکی محبت۔ ان لوگوں کی بے وفائی جن پر انہوں نے اعتبار کیا تھا۔ ان کے جنگ۔ یروشلیم کے لئے ان کی محبت۔ یہ باتیں دونوں میں کیسی عام ہیں۔ لیکن یہ مشابہت یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ اپنی کفارہ بخش موت۔ اپنی نہ سڑنے والی سرشت۔ اپنی شاندار صعود میں ابن داؤد لاثانی ہے۔ خود داؤد نے روح میں ہو کر اسکو اپنا خداوند کہا اور وہ جانتا تھا کہ صرف تو ہی بادشاہی کے اس نمونہ کو پورا کر سکتا ہے۔ جو روح القدس نے اس پر ظاہر کیا تھا۔ لیکن جس کو کوئی انسان سمجھ نہیں سکتا۔

وہ بارش کی مانند جو کاٹی ہوئی گھاس پر برسے نازل ہوگا۔
اور جھڑے کے مینہ کی طرح جو زمین کو سیراب کرتا ہے۔ سمندر سے
سمندر تک اور دریا سے انتہائے زمین تک اسکا حکم جاری ہوگا۔ وہ
دوہائی دینے والے محتاجوں کو۔ اور مسکین کو۔ اور انکو جنکا کوئی مددگار نہ
ہو چھڑائیگا۔ اسکا نام ابد تک باقی رہیگا۔ جب تک کہ آفتاب رہیگا۔ اس
کے نام کو زوال نہ ہوگا۔ لوگ اس کے باعث اپنے تئیں مبارک
کہیں گے۔ ساری قومیں اسے مبارکباد دینگی۔

تمام شد

شہر رُوما کے زمین دوز قبرستان

نمبر۲

از پادری ایف بی مایر

کلیسیا کی اوّل ایذا رسانی سنہ ۶۴ء میں نیرو کے عہد میں ہوئی۔ اس خونخوار شاہنشاہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے رُوما کو خود آگ لگا کر مسیحیوں کو اس جرم کا مرتکب ٹھہرایا اور اس بہانہ سے ان کو بڑی اذیتیں پہنچائیں۔ وہ جانوروں کی کھال میں بند کر کے کتوں سے پھڑوائے گئے۔ اُن کو تیل میں بھیگے ہوئے کپڑوں میں لپیٹ کر باغوں میں کھڑا کر دیا اور آگ لگا کر شعلوں کی جگہ استعمال کیا۔ بہت سے مسیحی عوام کو خوش کرنے کی خاطر جنگلی درندوں کے ساتھ لڑائے گئے۔ بعض صلیب دیئے گئے۔ بعض جلائے گئے۔ اُس وقت کے بعد اڑھائی سو سال تک ایذا رسانی کی آگ برابر سُلگتی رہی۔ مگر وقتاً فوقتاً اسکے شعلے بھڑک اُٹھتے تھے۔ اگر دریائے ٹائبر میں غیر معمولی طغیانی ہو۔ اگر دریائے نیل میں پانی نہ چڑھے۔ اگر ملک میں کہیں وبا یا قحط ہو خلقت فوراً شور مچانے لگتی تھی کہ مسیحیوں کو شیروں کے آگے ڈال دو۔ اور اس آتش غضب کو مشتعل کرنے والے خصوصاً یہودی لوگ تھے جنکو اپنی مسیحیوں سے علیحدگی کا ثبوت دینا مدنظر تھا۔ ایسے خفیف عذرات پر مسیحیوں کو پکڑ کر حاکم کے آگے لے جاتے تھے تاکہ ان پر قتل کا فتوےٰ دیا جائے۔

نیرو کی موت کے بعد کچھ عرصہ تک امن رہا۔ دوسری ایذا رسانی دومیتیاں کے عہد میں پہلی مسیحی صدی کے خاتمہ پر ہوئی۔ اسی میں مقدس یوحنا جزیرہ پتمس میں جلاوطن کیا گیا۔ دوسری صدی کے آغاز میں ترایجان نے عنان حکومت ہاتھ میں لے کر مسیحیوں کو ایسی شدت سے ستانا شروع کیا کہ بقول پلینی بُت خانے ازسرِنو پرستاروں سے بھر گئے۔ اس زمانہ کے بعد قریب ایک صدی تک مسیحیوں پر کہیں کہیں ظلم ہوتا تھا مگر ایذا رسانی بالکل بند نہ ہوئی۔ انٹونائی نس کے زمانہ حکومت میں پولیکارپ جلایا گیا۔ شہنشاہ مارکس آریلیس کے زیر سلطنت جسٹن شہید شہر روما میں قتل کیا گیا (۱۶۸ء)۔ اس سے دس سال بعد شہر لائنس کی ایذا رسانی میں بشپ پوتھائی نس اور جوان پونٹی کس اور ایک غلام لڑکی بلنڈانیا مارے گئے۔ بعد ازاں سیورس اور دیشیس اور ویلیریان شہنشاہوں کے عہد میں جور و تعدی کا بازار گرم رہا۔ مگر دایوکلیشان کا عہد خونخواری میں سب سے سبقت لے گیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

گویا ابلیس یہ جانکر کہ میرا وقت اب قریب الاختتام ہے بھلا کر مسیح کے دین کو رُوے زمین پر سے فنا کرنے پر آمادہ ہے - ایذا رسانی کی تیغ فرانس سے ایشیا کوچک تک کبھی اِس طرف کبھی اُس طرف وار کرتی تھی - کئی سال تک روما کی سلطنت میں خون کی نالیاں بہتی رہیں - شہر روما کی کلیسیا کے بشپ اور بزرگ یکے بعد دیگرے گرفتار ہوئے اور بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کئے گئے - اور اُن کی خون آلودہ لاشیں اِن زیرِ زمین زینوں سے اُتار کر کسی کونے میں دفن کی گئیں - جسکا اب کوئی نام و نشان موجود نہیں - یہ موخر الذکر شہنشاہ خونخوار درندہ کی طرح طیش و غضب سے بھرا ہُوا تھا - اُس نے مسیحی عمارات کو مسمار کرا دیا - کتابِ مقدس کی جو جلد مل سکی تباہ کر دی - اور نہ فقط دینی پیشواؤں کو بلکہ بے شمار عام مسیحیوں کو سخت بے دردی سے مروا ڈالا - جن بیچاروں کا یہی قصور تھا کہ وہ ایک مذہب کے پیرو تھے - اُن کو کوڑے مار مار کر ایسا زخمی کیا جاتا تھا کہ اُنکا گوشت چیتھڑے ہو کر لٹکنے لگتا تھا - گرم لوہے کی زنجیروں سے جکڑ کر اُن کا بدن دھیمی آنچ پر کباب کیا جاتا تھا - اِس عذاب میں وہ گھنٹوں بلکہ دنوں تک تڑپا کرتے تھے - بعض اوقات اُنکا گوشت کھُردرے اوزاروں کے ساتھ ہڈیوں پر سے کھُرچا جاتا تھا - یا گرم گرم چمٹوں سے گھائل کیا جاتا تھا - اور اُن کے ننگے بدن پر پگھلتا ہُوا سیسہ ڈال کر زخمی کیا کرتے تھے - عقوبت کے اس قسم کے سامان تمام دُنیا خصوصاً شہر روما میں استعمال کئے جاتے تھے -

مگر اس جور و ستم کا مدعا پُورا نہ ہُوا - کیونکہ مسیحیوں نے ہر قسم کی تکالیف و مصائب کو بلا شکایت نہایت خوشی کے ساتھ سہا - بلکہ اتنے لوگ دُکھ اُٹھانے کو مستعد تھے کہ کلیسیا کے بُزرگوں کو اِس دیدہ و دانستہ جانوں کے نقصان کے خلاف اعلان کرنا پڑا - لڑکے اور لڑکیاں - مرد اور عورت - امیر و غریب سب مسیح کے شہیدوں کے نقشِ قدم پر چلنے پر کمربستہ تھے - یہاں تک کہ اندیشہ تھا کہ اتنے مسیحی برضا و رغبت خود مارے جائینگے کہ مسیحی مذہب معدوم ہو جائیگا - اِس لحاظ سے کلیسیا کے بشپوں اور بزرگوں نے اپنی جماعتوں کی منت کی کہ کوئی شخص جان بوجھکر اپنے تئیں قاتل کے حوالے نہ کرے - ان بہادرانہ ایام میں جبکہ مسیح کے شاگرد "برے کے خون اور اپنی گواہی کے باعث غالب آئے" اور ان کو دن کے وقت مسیح کی عبادت کرنے کی اجازت نہ تھی تو وہ نظر بچا کر ان قبرستانوں میں چلے جاتے تھے اور اُن کے گیتوں کی آواز سے سطحِ زمین کے نیچے دیواریں گونج اُٹھتی تھیں - وہ اس مقام پر مقدس عشا میں شریک ہوتے تھے اور یہ رسم اس وقت کے مصیبت زدہ خاندانوں اور کلیسیاؤں کا سہارا تھی - وہ کیسا عجیب سماں ہوگا جبکہ اُنکا پاسٹر اُن کے سامنے جی اُٹھے ہُوئے خداوند کا قیامت اور زندگی ہونا بیان کرتا ہوگا - اور اس کے الفاظ اُن کو سُناتا ہوگا کہ "تو یہاں تک وفادار رہ کہ موت بھی گوارا ہو میں تجھے زندگی کا تاج دوں گا"۔

وہ کیسے عجیب فخر کے ساتھ اُسکے کلمات ایک دوسرے کو یاد دلاتے ہوں گے کہ تم "دُنیا میں مصیبت اُٹھاتے ہو۔ لیکن خاطر جمع رکھو میں نے دُنیا پر فتح پائی ہے"۔ جب ہم اُن بیشمار جماعتوں کی بابت پڑھتے ہیں کہ اُنہوں نے کیسے بڑے رنج و محن سہکر اپنے جاموں کو برّہ کے خون میں سفید کیا تو ہم اس وقت کی کیفیت کو کماحقہٗ تصوّر میں نہیں لاسکتے۔ مگر وہ الفاظ ان لوگوں کے دلوں میں کیسی رقّت پیدا کرتے ہوں گے جو اُن زیرِ زمین دالانوں میں مشعلوں کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی کی مدد سے کلام کے پڑھنے والوں کے گرد پروانوں کی طرح جمع تھے۔

بعض اوقات خصوصاً ولیریاں کے عہد کے بعد مسیحیوں میں سے بعض غدّار یہوداہ اسکریوطی کی طرح روپیہ لیکر رومی سپاہیوں کو ساتھ لے جاتے اور مقدّسوں کے چھپنے کی جگہ ظاہر کر دیتے تھے۔ اور سپاہی ان پر حملہ کرکے اُنہیں حاکم کے آگے پکڑ لے جاتے تھے۔ دیگر موقعوں پر یہ بھی ہوتا تھا کہ سپاہی اِن مَوت کے دالانوں میں جانے کی جُرأت نہ کرتے اور اُنکے مدخلوں کو بند کرکے پہرہ لگا دیتے تھے۔ چنانچہ اس طور پر سینکڑوں مسیحی بھوک۔ پیاس اور سردی سے مرجاتے تھے۔ باوجود اِن اذیتوں کے وہ زمانہ کلیسیا کا بہترین زمانہ تھا۔ اگر مصیبتوں کا لگاتار سلسلہ قایم نہ رہتا تو خدا کا بیج بھوسہ میں سے صاف ہو کر نہ نکلتا اور نہ روئے زمین کے کھیت میں بونے کے قابل ہوتا۔ شیطان کی آرزو تھی کہ کلیسیا کو گیہوں کی طرح پھٹکے اور اس کی مُراد بر آئے۔ نتیجہ جسکا یہ ہُوا کہ خس و خاشاک سب اُڑ گئے جو بعد ازاں خوشوقتی کے ایّام میں نمودار ہوگئے۔ جیسے کہ موسمِ سرما کے بعد دھوپ کی حرارت سے جنگلی پودے اُگا کرتے ہیں۔ اِس ضمن میں ترتلیان (۲۰۰ء) کے الفاظ دلچسپی سے خالی نہیں۔ جو اُس نے ایذارسانی کے ایک وقفہ میں قلمبند کئے۔ اسکے رسالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے بعض ہیرو اپنے اقرارات کو ایسا بھول گئے تھے کہ تماشہ گاہوں میں بلاتکلّف جایا کرتے تھے۔ مسیحی مستورات اور لڑکیاں اپنی بُت پرست جان پہچانوں سے بڑھ چڑھ کر قیمتی اور فوق البھڑک پوشاکیں پہننے لگی تھیں۔ اخلاق ایسے ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ کہ جن پیشوں کو ابتدائی ایّام میں مطعون ٹھہرایا کرتے تھے اب اُنکی نسبت چشم پوشی کی جاتی تھی۔ ایسے لوگوں کو جو نجوم اور جو نقش کے ذریعے روٹی کماتے یا مندروں کے لئے بُت بنایا کرتے تھے کلیسیا میں شامل کرلیا جاتا تھا۔ وہ اپنے زمانہ کے مسیحیوں کو یاد دلاتا ہے کہ ایذارسانی کا آہنی پنجہ تمکو گرفتار کرنیکے لئے ہر گھڑی تیار ہے۔ اور اُن سے دریافت کرتا ہے کہ تمہاری پنڈلیاں جو ایسی بڑھ بڑھ کر قدم بڑھاتی ہیں جب زنجیر میں جکڑی جائینگی تو اُن کا کیا حال ہوگا۔ اور جب تمہاری گردن پر جلّاد کی تیغ وار کرنے کو ہوگی تو اسوقت اپنے جواہرات اور موتیوں کے ہار اُتارنا کیسا معلوم ہوگا۔ یہ پُرمعنی سوالات کیسے باموقعہ تھے۔ اسنے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ایذارسانی کی آگ کلیسیا کو پاک نہ رکھتی

تو ایسا دھوکا دینے والی بُرائیاں اسکو گواہی کے قابل نہ چھوڑتیں۔

اِن قبروں کے کتبات کی نسبت ایک بات قابل ذکر ہے کہ وہ اُن کتبات سے عجیب مقابلہ پر ہیں جو شہر پمپیائی میں پائے جاتے ہیں۔ اور جن سے رومی سوسائیٹی کی خباثت ثابت ہوتی ہے اور رسول اعظم کے الفاظ یاد آتے ہیں جو اُس نے رومیوں کے نام کے خط کے پہلے باب میں مسطور کئے۔ ان ابتدائی صدیوں کی مسیحی کلیسیا کی سادگی۔ صفائی اور پاکیزگی کا اس زمانہ کی رومی قوم کے اخلاقی تنزل کے ساتھ جو اُن کے کفر آمیز تعصبات کا نتیجہ تھا مقابلہ کرنا ممکن ہے۔ یہ گویا نور اور ظلمت کا مقابلہ ہے۔ اگر ایک کو وہ دریا کہیں جو خدا کے شہر کو خوش کرتا ہے تو دوسرا تاریک اور گندے پانی کی دلدل سے مشابہ ہوگا۔

جہاز کی تصویر ان نشانات میں سے جو اکثر قبروں پر پائے جاتے ہیں۔ اس سے یا تو کلیسیا مُراد ہے اور یا انسانی زندگی۔ یہ جہاز موجوں پر اُچھلتا ہُوا بندرگاہ کی طرف جارہا ہے۔ بہت سی قبروں پر لنگر کا نشان نظر آتا ہے جو آسمانی ساحل کو پکڑے ہُوئے مدّوجزر کی دھارا کا مقابلہ کر رہا ہے۔ بہت سے نشانات انگور کے درخت کے ہیں جن سے نئی زندگی کی خوشی مترشح ہوتی ہے یا وہ پیوستگی جو خداوند اور اسکے شاگردوں کے درمیان ہے۔ بھیڑ کا نشان بھی پایا جاتا ہے جو مسیحی کا ایک قدرتی نشان ہے۔ اِسی ضمن میں یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ اچھا گڈریا اکثر تصاویر میں برّے کی بجائے بکری کا بچّہ کاندھے پر اُٹھائے ہُوئے ہوتا ہے۔ شاید یہ ترتلیان کے اس قول کا جواب ہے کہ "خدا بھیڑوں کو بچاتا ہے بکریوں کو نہیں بچاتا"۔

ہرنی پانی کی ندّیوں کے لئے ہانپتی ہُوئی۔ زیتون کی شاخ۔ کھجور کی ڈالی جو فتح کا نشان ہے۔ مرغ جو بیداری کی علامت ہے۔ مور اور قفس جو قیامت کے نشان ہیں اکثر پائے جاتے ہیں۔ مگر نجات دہندہ کی تصویر نقش کرنے کی کوشش کہیں نہیں کی گئی۔ کلیسیا کے بُزرگ اپنے گلّوں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ مسیح کی تصویر کبھی مت کھینچنا۔ بلکہ اُسکی ابدی تصویر اپنے دلوں میں جمائے رکھو۔ اِن قبرستانوں میں کوئی نشان مرے ہُوئے مسیح کا موجود نہیں۔ ابتدائی مسیحیوں کی نظر میں وہ ہمیشہ جی اُٹھا ہُوا زندہ مسیح تھا۔ وہ ہمیشہ اس خیال کو پسند کرتے تھے کہ مسیح آسمانوں پر جاکر خدا کے دہنے ہاتھ ہمارا زندہ وکیل اور سر ہے۔ وہ مسیح کے اِن الفاظ پر غور کرنے سے تھکتے نہ تھے کہ "مَیں اوّل اور آخر اور زندہ ہُوں۔ مَیں مرگیا تھا اور دیکھ ابدالآباد زندہ رہونگا"۔

اِن کتبات میں رومن کیتھولک تعلیم کا اثر بالکل پایا نہیں جاتا تھا۔ صلیب کا نشان چھٹی صدی سے شروع ہُوا۔ کہیں مقدسوں اور کنواری مریم کے سامنے دُعاؤں کا ذکر نہیں اور نہ مُردوں کے لئے دُعائیں مانگی جاتی تھیں۔ کوئی پرگے ٹوری یا اعراف نہیں بلکہ ایماندار کی رُوح فوراً خدا

کی حضوری میں جا پہنچتی ہے - مرے ہوؤں کا ذکر اس طور پر کیا جاتا ہے کہ گویا وہ دوسرے ملک میں چلے گئے ہیں یا اُن کو فرشتوں نے بلا لیا ہے - یا ابدیت میں پہنچ گئے ہیں یا جسم کے بندھن توڑ کر چلے گئے ہیں یا ستاروں میں خوشیاں منا رہے ہیں - جس طرف دیکھو مسیح کی قیامت کے نشانات نظر آتے ہیں - مثلاً یونہ نبی مچھلی کے اندر سے نکل رہا ہے - لعذر زمین کی تہ میں سے باہر آ رہا ہے ایک بڑا بھاری دلپسند نشان اُن تین جوانوں کی تصویر تھی جو آگ کی جلتی ہوئی بھٹی میں پھر رہے ہیں - اور ابن آدم اُن کے ساتھ ہے - بعض کتبات اس قسم کے تھے کہ " اے عزیز ہمیشہ کے لئے الوداع " - " دولت بہت سے وعدے کرتی ہے مگر وفا نہیں کرتی - آج کے دن اور گھڑی میں زندگی بسر کرنے کے سوائے اور کچھ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے " - " میں اپنے ہاتھ خدا کی طرف اٹھاتا ہوں جنہے مجھے بیس برس کی عمر میں اٹھا لیا - اگرچہ میں نے کوئی قصور نہ کیا تھا " کانس ٹنشیا ایماندار خدا کے پاس چلی گئی -

جو لوگ مسیحی کلیسیا کے آغاز اور اُنکے ابتدائی ایمان کی نسبت شبہ میں ہیں - یا جو رومی کلیسیا اور ہائی چرچ کی مسیحیت کو (جو فی الحقیقت وسطی زمانہ کے جدید نمونے ہیں) اصلی مسیحی طریق عبادت سمجھے بیٹھے ہیں - ذرا اِن زمین دوز راستوں میں آ کر اُن لوگوں کے ایمان اور عبادت کی سادگی کا ملاحظہ کریں جو خداوند اور اُسکے رسولوں کے زمانہ کے قریب زندہ تھے - اِن قبرستانوں سے جو ثبوت حاصل ہوتا ہے یقیناً وہ بڑی بڑی عالمانہ دلائل اور مضامین سے زیادہ قاطع ہے - جو مسیحی اِن حقیر زیر زمین دالانوں کی خاک میں سو رہے ہیں اگر اُس شخص کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کو دیکھتے جو رسولوں کی جگہ پر قائم مقام ہونے کا دعوی کرتا تھا تو کیا وہ فوراً دیکھتے ہی نہ کہہ دیتے کہ یہی وہ دجال اور گناہ کا آدمی ہے جس کا رسول نے ذکر کیا ہے - جن ایام میں یہ قبرستان کھودے جا رہے تھے کوئی علامات نہ تھیں جن سے یہ قیاس ہو سکتا کہ ایسے تعصبات کبھی اس کلیسیا میں مروج ہو جائیں گے جس کو مسیح نے اپنے خون سے مول لیا - اور ہرچند اس زمانہ کی ایذا رسانیاں نہایت ہولناک تھیں لیکن کیا خوب ہو اگر اُسی قسم کی مصیبتیں موجودہ زمانہ کی کلیسیا کو خرابی کے بند سے رہا کر کے اُن ابتدائی ایام کی پاکیزگی اور سادگی میں بحال کر دیں -

شرم گناہ

گناہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اُٹھا کے چلے — خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے
ملا جنہیں اُنہیں اُفتادگی سے اَوج بلا — اُنہی نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اُٹھا کے چلے

مُبارکِ زندگی کی موجودہ صُورتیں

از تصنیف پادری ایف بی مایر صاحب

دیباچہ

جو شخص مسیح پر ایمان رکھتے ہیں وہ حقیقی اور گہرے معانی میں ابدی زندگی حاصل کر چکے ہیں۔ سرحد سے پار ہو کر وہ زندگی کی اس جلالی حالت میں پہنچ چکے ہیں کہ جس میں اس فانی ہستی کے تلون اور انقلاب ان کی زندگی یا ان کی برکت کی حالت کی پائداری پر کسی قسم کا اثر نہیں رکھ سکتے۔ "جو بیٹے پر ایمان لاتا ہے اسکے پاس ہمیشہ کی زندگی ہے"۔

یہ امر قابل غور ہے کہ ہماری حالت ہمارے تجربہ یا ہمارے جذبات پر منحصر اور موقوف نہیں۔ افسوس یہ بھی ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی تو تولہ اور کبھی ماشہ۔ لیکن دو حالتوں میں جو تمام سلامتی اور اطمینان کی بنیاد ہیں ہم ان سے آزاد ہیں۔

اول تو ہمیں اسکی مرضی کے مطابق جینا چاہتے۔ دوسرے ہمیں اس امر کی پہچان۔ اور احساس پانے کی عادت ڈالنی چاہیئے کہ اس امر پر غور نہ کریں کہ ہمارا رویہ خدا کی طرف کیسا ہے بلکہ یہ کہ خدا کا رویہ ہماری طرف کیسا ہے۔ بلا تبدیل مستقل۔ موجودہ برکتوں سے بھرپور جو ما بعد سے کسی صورت میں کم نہیں اور آیندہ کسی طرح کم نہ ہوگا" وہ ہمیشہ وفادار رہتا ہے"۔ یوں خدا کے برتاؤ کی موجودہ صورت کے اطمینان بخش مسکن میں ہاں مُبارک زندگی کی موجودہ صورت میں ہم سلامتی سے رہیں گے۔

فہرستِ ابواب

جو اس سلسلہ میں نمبر وار شایع ہوں گے۔

"سکھاتا ہے"۔ ا یوحنا ۲: ۲۷ + باب (۱۰) "تسلی بخشتا ہے"۔ ۲ کرنتھیوں ۱: ۴ + باب (۱۱) "بھیڑ خانہ"۔ یوحنا ۱۰: ۳ و ۴ + باب (۱۲) "ہمارا خدا خاک کر دینے والی آگ ہے"۔ عبرانیوں ۱۲: ۲۹ + باب (۱۳) "روح کی مدد" رومیوں ۸: ۲۶ + باب (۱۴) "روح جسم کے خلاف خواہش رکھتی ہے"۔ گلاتیوں ۵: ۱۷ + باب (۱۵) "ملامت نہیں کرتا"۔ یعقوب ۱: ۵ + باب (۱۶) "ساری چیزیں تمہاری ہیں"۔ ا کرنتھیوں ۳: ۲۱ + باب (۱۷) "سب چیزیں مل کر بھلائی پیدا کرتی ہیں"۔ رومیوں ۸: ۲۸ + باب (۱۸) "میں اول اور آخر ہوں"۔ مکاشفات ۱: ۱۷۔

پہلا باب

میں ہر روز تمہارے ساتھ ہوں

متی ۲۸: ۲۰

دو سو سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ بمقام پیرس ایک راہب خانہ میں برادر لارنس نامی ایک سیدھا سادھا شخص رہتا تھا۔ پیشہ سے تو وہ باورچی تھا لیکن اپنی ذات اور صفات میں وہ دُرِّ نایاب اور خدا کا برگزیدہ تھا۔ ۱۸ برس کی عمر میں سخت جاڑے کے دنوں میں اس کا گذر ایک جنگل میں سے ہُوا۔ اور بے برگ و ثمر و برہنہ درختوں کو دیکھ کر اسکے دل میں خیال آیا کہ تھوڑے دنوں میں یہی درخت پتّوں اور پھلوں پھولوں سے لد جائیں گے۔ اور موسم گرما کی باد صرصر سے ان سے کیسی نوائے شیریں پیدا ہوگی۔ دم بھر میں اس نے محسوس کیا کہ خدا یاں بھی ہے۔ اور اگر یاں ہے تو ہر جگہ ہے۔ اور اُس نے اپنے آپ سے کہا "خدا یاں میرے نزدیک ہی ہے۔ اور وہ سب جگہ ہے۔ پس میں اس کی مقدّس حضوری سے کبھی پرے نہیں ہو سکتا"۔ تب سے خدا کی حضوری اور نزدیکی کا خیال اسکے دل اور رُوح میں متمکن رہا۔ کبھی یہ خیال اُس سے دُور نہ ہُوا۔ اس نے خدا کی حضوری کے احساس پانے کی اور بھی مشق کی۔ یاں تک کہ اس کے رنگ سے اس کی مزاج اور سیرت نے خوب رنگت پکڑ لی۔

یہ بڑا اعالی خیال ہے اور اسی قسم کا تجربہ حاصل کرنے سے ہمیں بڑا فائدہ ہوگا۔ لیکن ایسا کرنے سے پیشتر ہمیں ایک مضبوط بنیاد درکار ہے جس پر ہم اسے قایم اور تعمیر کریں اور یقیناً خداوند کے ان الفاظ سے بڑھکر ہمیں کسی بنیاد کا ملنا محال بلکہ ناممکن ہے کہ "دیکھو میں دُنیا کے آخر تک ہر روز تمہارے ساتھ ہوں"۔

یہ صیغۂ حال کیسا پُر معنی ہے۔ وہ نہیں کہتا کہ وہ ہمارے ساتھ تھا یا ہمارے ساتھ رہیگا بلکہ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ہمیشہ اُسے نہ دیکھیں یا اسکی حضوری کا احساس نہ

پائیں۔ آنسوؤں کے باعث ہماری آنکھوں کو صاف نظر نہ آئے۔ یا اس دُنیا نے مُون کی جھوٹی روشنی سے ہماری آنکھیں چُندھیا جائیں۔ ہو سکتا کہ خود خداوند کی طرح۔ سخت غم کے وقت میں ہم اپنے آپکو فراموش اور دوستوں سے چُھٹا ہُوا سمجھیں اور ان بچّوں کی طرح جو اندھیرے میں چونک اُٹھتے اور نہیں جانتے کہ ماں اُن کے پاس ہی بیٹھی ہے چلاّ اُٹھیں یا نادان بچّوں کی طرح اُلٹی دُور بین میں سے اپنے دوست کو دیکھنے کی کوشش کریں اور دُور بین کو اُلٹا لگانے سے وہ ہم سے دُور ہی دُور ہوتا نظر آئے۔ لیکن ان سب باتوں سے اس واقعہ میں تو فرق نہیں آتا کہ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ہمارا نگران حال ہے۔ وہ ہم پر ترس کھاتا اور ہم سے ہمدردی رکھتا ہے۔ اور وہ اس وقت کا منتظر ہے کہ جب اپنی طرز و چال سے (جیسے اماؤس کو جاتے ہُوئے ہُوا) یا اپنی آواز اور طرز بیان سے (کہ جب مریم خالی قبر کے پاس کھڑی رو رہی تھی) وہ اس خوش کُن احساس سے ہمیں چونکا دے کہ وہ ہمارے نزدیک ہے۔ مُبارک ہے وہ جان کہ جو اس احساس سے کہنے قابل نہ ہو کر ایمان سے کہہ سکتی ہے کہ "اے خداوند تُو نزدیک ہے"۔ زبور ۱۱۹: ۱۵۱۔

"ہر روز"۔ موسم سرما میں جب ژالہ سے درخت عُریاں رہ جاتے ہیں۔ مکان سے باہر نکلنا دشوار ہو جاتا اور شادمانی مفقود ہو جاتی ہے۔ بادل والے دنوں میں جب سورج پس پردہ چھپ جاتا اور گھنگھور ڈراونی گھٹائیں چھائی رہتیں۔ بیماری اور دُکھ کے دنوں میں۔ آزمائش اور ادبار کے دنوں میں ایسے ہی جیسے موسم بہار اور شادکامی کے دنوں میں۔ ایسا دن کبھی نہیں آتا کہ جب خداوند یسوع اپنے مقدّسین کے سرھانے نہ ہو۔ محبِ صادق اور یارِ غار داغِ مفارقت دے جائیں تو دے جائیں۔ وہ آگ میں سے بھی ان کے پہلو بہ پہلو چلتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ دریا عبور کرتا اور جب وہ شیر کے ساتھ روبرو کھڑے ہوتے تو وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم کبھی اکیلے ہو نہیں سکتے۔ جب کبھی ہم اپنے سرمایہ کا حساب کریں تو چاہئے کہ اسکے سرمایہ کو ساتھ ہی شمار کریں۔ جب اسکندر اعظم کے سپاہیوں نے حریف کی کثرت تعداد کی شکایت کی تو اسکندر نے ان سے پُوچھا کہ "تم مجھے کتنوں کے برابر ٹھہراتے ہو؟" ویسے ہی وہ بھی ہم سے برابر یہی پوچھتا رہتا ہے۔

کیا ہم اس واقعہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھکر اسکے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ ذیل کی ہدایت پر عمل کرنے سے ہمیں اس تحصیلِ مدّعا میں بڑی مدد ملے گی۔

اوّل۔ چاہئے کہ ہم اپنے خلوت خانہ اور دُعا کے کمرے کو اس امر پر پُوری توجّہ دئیے بغیر نہ چھوڑیں کہ خُدا کی حضوری سچ مچ یہاں ہے۔ ہمارے ساتھ اور ہمارے چوگرد ہمیں احاطہ کئے ہاں اسکی حضوری سے کمرہ ایسے ہی بھرا ہے جیسے آسمان۔ اس پہلے اتوّل شاید کوئی

بدیہی نتائج پیدا نہ ہوں لیکن جیسے ہم خدا کی حضوری کو محسوس کرنے کی برابر کوشش کرتے جائیں وہ حقیقی واقعہ ظاہر ہوتی جائیگی اور جب یہ عادت ہم میں راسخ ہو جائے تو جب ہم کمرے میں اکیلے ہوں یا باہر نیچر کے باغ میں یا پتھریلے بازاروں میں۔ رات کی خاموشی میں یا روزِ روشن کے شور وغل اور بھیڑ بھاڑ میں۔ ہمارے لبوں سے بے اختیار یہ الفاظ نکلیں گے کہ "تُو نزدیک ہے۔ اے خداوند تُو یہاں ہے"۔

دوئم۔ جب کبھی ہم کوئی نیا کام اختیار کرنے پر ہوں۔ خط لکھنے کو بیٹھیں۔ سفر کا اعادہ کریں یا کسی دوست کو ملنے کی تیاری تو ہمیں خداوند کی حضوری کو محسوس کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ برادر لارنس کے نزدیک ایک باورچی خانہ ایسی ہی مقدّس جگہ تھی جیسے گرجا۔ وہ گویا اپنا سب کام خدا کی حضوری میں کرتا تھا۔ اپنے کام میں مصروف وہ خدا کے ساتھ گفتگوئے شیریں کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنا ہر ایک کام خاموش دُعا کے ساتھ شروع کیا کرتا تھا۔ جب کام کچھ انجام پا لیتا تو وہ پھر اپنا دل دُعا میں اوپر اُٹھاتا تھا اور جب وہ ختم ہو جاتا تو وہ مدد کے لئے شکریہ ادا کرتا یا اپنی ناکامی کے گُناہ کا اعتراف کرتا تھا۔ یُوں چولہا اپنی گرمی اور خوشبو اُسکے لئے آسمان کا دروازہ تھا۔ اور باورچی خانہ کے کام کاج میں بھی اس کی رُوح ایسے ہی خدا سے پیوند تھی جیسے کہ دُعا کے کمرے میں۔

مشق سے کہ جتنا ہو سکے خدا کو یاد کریں۔ جب کبھی اُسکی یاد میں دیری ہو جائے تو اُس سے معافی چاہیں۔ یہ عادت آسان اور قدرتی ہاں ہماری جبلّی عادت ہو جائیگی۔

سوئم۔ یہ عادت اس طرح بھی پیدا اور مضبوط ہوتی ہے کہ جیسے ہم کسی یار غار کے ساتھ بلند لہجے میں معمولی طور اور چھوٹی چھوٹی باتوں کی نسبت گفتگو کرتے ہیں خدا سے بھی کریں۔ جو لوگ اپنے گھٹنوں پر سے یا مقرّری وقتوں اور موقعوں پر ہی خدا سے گفتگو کرتے ہیں وہ کیسے گھاٹے میں رہتے ہیں۔ ایسے موقعے ہم سب کے لئے آتے ہیں لیکن ہم ان کو اس خدا کے ساتھ مقدّس اور پُرمحبّت گفتگو کرنے کی سلک سے باہم منسلک کر سکتے ہیں جو ہماری بہبودی اور ہمارے حال میں دلچسپی رکھنے سے ہمارے سر کے بالوں کو بھی گنتا ہے۔ حنوک ایسے ہی خدا کے ساتھ چلتا تھا۔ اور اسی سے بشپ ٹیلر نے اس امر کی شہادت دینے کی توفیق پائی کہ "میں اس امر کا شاہد ہوں کہ خداوند یسوع مسیح جیتا ہے۔ کہ وہ ایک شخص ہے اور گو ہم اُسے دیکھ نہیں سکتے ہم اسکے پاس پہنچ رکھتے ہیں۔ میں ۴۳ برس سے ایک شخصی نجات دہندہ کے ساتھ شخصی راہ و رابطہ پیدا کرتا رہا ہُوں۔"

خاص خاص موقعوں پر اس پہچان اور احساس سے ہمیں بڑی تسلّی حاصل ہوتی ہے۔ دُعا،

ہیں۔ زبور ۵۴۱ : ۱۸ + گناہ کے لئے دلی غم میں۔ یسعیاہ ۵۰ : ۸ + دلی رنج میں۔ زبور ۴۲ : ۱۸ + پریشانی کے وقت۔ لوقا ۲۲ : ۱۵ + خطرے کے دنوں میں۔ ۲ سلاطین ۶ : ۱۶ + آزمائش کے آنے پر۔ زبور ۱۱۹ : ۱۵۱ و ۱۵۲۔

اور ہم روح القدس کی مدد پر ہمیشہ تکیہ رکھ سکتے ہیں کہ جسکی رسالت اور کام ہمیں ان باتوں کا یاد دلانا ہے جو ہم بغیر اُسکے بھول جائیں۔ اور ان باتوں کا ہم پر واضح کرنا جو ہماری نیچر کے نقص کے باعث ہمیں صاف نظر نہیں آتیں۔

ان مسافرت کے دنوں میں یہ امر ہماری تسلی کا موجب ہے کہ اس کی حضوری ہمارے ساتھ ساتھ ہے جیسے موسیٰ کے ساتھ تھی۔ اور وہ حضوری من اور پانی۔ ہدایت اور حفاظت۔ نجات اور آرام ہے۔ "تیرے حضور میں خوشیوں سے سیری ہے۔ تیرے دہنے ہاتھ میں ابد تک عشرتیں ہیں"۔

"میں ہر روز تمہارے ساتھ ہوں"

میرا نام کیا ہے؟

بتلاؤ عقل والو! ہاں میرا نام کیا ہے؟
شرقی جھروکے سے ہوں دکھلاتا اپنا درشن
آکر میں جھانکتا ہوں کھڑکی پہ جب تمہاری
کہتا ہوں تم سے آکر۔ "ہے وقت جاگنے کا
کچھ اس لئے نہیں ہے روشن یہ میرا ہونا
چمکا ہوں اسلئے میں تا اُٹھ کے سب کرو کام
تجھ سے نہیں جہاں میں سیلانی کوئی بڑھکر
ہرگز نہیں ٹھہرتا اصلا نہیں میں تھکتا۔
چمکیلی کرنوں کا ہے اک تاج میرے سر پر
ہوں آن کر چمکتا پیڑوں پہ اور گھروں پر
ہر شئے کہ جس پہ میری ہے روشنی چمکتی۔
میں کیا ہوں اور تماشا یہ صبح و شام کیا ہے؟
دکھلا کے اپنا درشن کرتا ہوں دن کو روشن
چمکیلی آنکھ سونا ہوتا ہے دیکھ واری!
سستی سے کاہلی سے کوسوں ہی بھاگنے کا
یوں کب تلک بچھونے پر اینڈ اینڈ سونا!
لکھو پڑھو۔ کرو سب روشن جہان میں نام"
پھرتا ہوں سیر کرتا میں سارے آسماں پر
میداں میں بے تکاں ہوں دن رات دوڑ سکتا
جسکی کہ جگمگاہٹ پھیلی ہے بحر و بر پر
دریا کی مچھلیوں پر مرغابی کے پروں پر
ہے نور سے چمکتی ہے حسن سے دمکتی

پکتے ہیں مجھ سے میوے۔ پکتی ہے مجھ سے کھیتی
دیتا ہُوں مَیں ہی سب کو گرمی بھی روشنی بھی

اُونچا درخت سے ہُوں۔ اونچا ہوں میں گھٹا سے
اونچا ہُوں آسماں پر مَیں قدرتِ خدا سے

گر میں کبھی تمہارے تھوڑا بھی پاس آتا
جاتے جُھلس جُھلس تم۔ مَیں تم پہ مَوت لاتا۔

رہتی نہ گھاس بھی یُوں صحرا میں لہلہاتی
جل کر سیاہ ہوتی۔ اُڑ مثلِ خاک جاتی

چکیلی کرنوں کا ہُوں جب تاج اُتار لیتا۔
صافہ ہُوں بدلیوں کا سر پر سنوار لیتا

اس وقت میری جانب ہاں دیکھ سکتے ہو تم
لیکن ہو بدلیوں کا نام و نشان جب گُم

اور میں چمک رہا ہُوں تیزی سے دوپہر کو۔
بھر کر نظر جو دیکھے طاقت کہاں نظر کو؟

دیکھے تو ہے چکا چوندھ آنکھوں کو آکے لگتی
ایسی کہ دیکھتے ہی ہو جائیں دونوں اندھی

ہاں اک عقاب مجھ کو اسدم ہے دیکھ سکتا
تیز اور قوی نظر سے پیہم ہے دیکھ سکتا

ہونے کو جبکہ ظاہر ہوتا ہُوں میں سحر کو
تاکہ دکھاؤں میں دن اُس وقت با اثر کو

اُڑتا لوا ہے مجھ سے ملنے کو آسماں تک
اُڑ کر ہوا پہ کیا کیا گاتا ہے راگ دیپک

مُرغا بھی چیخ کر ہے کیا کیا اذان دیتا
پیغام سب کو میرے آنے کا آن دیتا

چمگادڑ اور اُلّو لیکن ہیں بھاگ جاتے
جسوقت دیکھتے ہیں تیزی سے مجھ کو آتے

مُنہ اپنا ہیں پُرانی دیواروں میں چھپاتے
یا خول میں پُرانے پیڑوں کے جا سماتے

کھوہوں میں آ کھروں میں شیر اور بھیڑئیے بھی
رہتے چھپے ہیں دن بھر۔ لیتے ہیں نیند گہری

دیکھو تو مَیں چمکتا یاں ہر مقام میں ہُوں
گہ ہند سند میں ہُوں گہ روم و شام میں ہُوں

انگلینڈ میں کبھی ہُوں امریکہ میں کبھی ہوں
روئے زمیں پہ ہر جا پھیلا تا روشنی ہوں

پیدا نہیں ہے کوئی رُوئے زمیں پہ حاشا
مجھ سا جمال والا مجھ سا جلال والا

مَیں کیا ہُوں اور تماشا یہ صبح و شام کیا ہے؟
بتلاؤ عقل والو! ہاں میرا نام کیا ہے؟

(مخزن)

پیری

پیری میں رو رہا ہے جوانی کو پیر مرد
یعنی وہ اگلے رنگ کے اب کھیل ہی نہیں

اِک خواب تھا زمانۂ ماضی کی چاہتیں
اگلا سا اب ملاپ نہیں۔ میل ہی نہیں

پہلو میں دل ہے۔ دل میں اُمنگوں کا کال ہے
کیونکر جلے چراغ۔ کہ اب تیل ہی نہیں

ایک جاپانی داستان

ایک دن کنوئیں پر لڑکیاں جمع ہوئیں۔ وہ اُن چھوٹے چھوٹے خوشحال زمینداروں کی لڑکیاں تھیں۔ جن کی اسی جگہ زمینداری تھی۔ وہ سب کی سب اچھی موٹی تازی تھیں۔ اور اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ ان کے پاس ایک مفلس نوعمر شخص آیا۔ جس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اُس نے آن کر کہا کہ مجھے ایک گھڑے سے پانی پی لینے دو۔ لیکن وہ سب کی سب لڑکیاں اسکی مفلسی کی وجہ سے تیز اور حقارت آمیز نگاہوں سے اسکو دیکھنے لگیں اور اُسے پانی نہ پینے دیا۔ وہ بیچارہ یونہی آزردہ اور غمگین ہو کر پیاسا چلا گیا۔ اِس کے بعد ایک قصّہ گو جو چیری کے درختوں کے سایہ میں بیٹھا ہُوا تھا۔ اس نے ان لڑکیوں کو اپنے پاس بُلایا۔ وہ سب کنواں چھوڑ کر فوراً چلی آئیں۔ اور اسکے چاروں طرف جمع ہوگئیں۔ اور خیال کیا کہ اسوقت کوئی دلچسپ قصّہ سُننے میں آئیگا۔ چنانچہ اس قصّہ گو نے اُن کو ایک قصّہ سُنایا۔

مغرور بانس کا قصّہ

اُس قصّہ گو نے کہا کہ ایک زمانہ میں جبکہ زمین نہایت سرسبز و شاداب تھی۔ ایک بانس کے درخت کی چوٹی برابر آسمان کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ جو شخص اس طرف سے گذرتا۔ وہ اسکو دیکھنے کے واسطے رُک جاتا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت بلند اور بڑا شاندار درخت تھا۔ اور جس وقت ہوا چلتی تھی وہ نہایت خوبی اور شان کے ساتھ جھوما کرتا تھا۔ اس خوشنما اور قوی بانس کے درخت کے قریب ایک نہایت بدنما اور پُرانا بید کا درخت تھا۔ وہ اس قدر پُرانا اور خراب تھا۔ کہ کوئی شخص اسکو نظر بھر کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ وہ بانس کا درخت اپنے غرور میں اس بید کے درخت کو حقارت کی نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت جبکہ گھاس پر شبنم پڑی ہوئی تھی۔ اس وقت بانس کے درخت اور بید کے درخت نے دیکھا۔ کہ ان دونوں کے درمیان ایک پتلا۔ کمزور اور چھوٹا سا سبز کلیہ نکلا ہُوا ہے۔ وہ ایک ناچیز سی چیز تھی۔ جو رات میں زمین سے اُگ آئی تھی۔ لیکن ہوا نے اس کو اس قدر جھونکے دیئے کہ ٹیڑھا ہو کر اُلجھ گیا۔ اور تقریباً ٹوٹ گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر بانس کا درخت ہنسا اور اُس سے کہا کہ تو زمین پر ہی پڑا رہ۔ اور تنہا کھڑے ہونے کی کوشش نہ کر۔ لیکن بید کے درخت نے اس نوخیز کلیہ سے آہستہ آہستہ کہا۔ کہ استقلال اور بہادری سے کام لو۔ اور تھوڑی

دیر صبر کرو۔ یہاں تک کہ سورج نمودار ہُوا۔ اور اس کی تمازت سے اس کلہہ میں قوّت پیدا ہو گئی۔

اس کمزور شاخ نے بانس کے درخت سے کہا کہ تم مہربانی کر کے مجھے اپنے سہارے سے کھڑا ہو جانے دو۔ تاکہ مجھ میں قوّت آ جائے۔ لیکن اُس نے اس بیکس کلہہ کے ریشوں کو جو اس پر چڑھ رہے تھے اُتار کر پھینکدیا۔ یہ بیچارہ ستم رسیدہ زمین پر گر پڑا اور بید کے درخت کی جڑ کی طرف اپنی زندگی سے مایوس ہو کر رینگنے لگا۔ لیکن اس بید کے درخت نے اُس سے کہا کہ "تو مطمئن رہ۔ تو اپنے نازک ریشوں کو میری چھال پر چڑھالے۔ اور مجھ پر مضبوطی سے چڑھ آ"۔ چنانچہ نئے کلہہ نے ایسا ہی کیا۔

الغرض اس نئے پودہ میں روز بروز قُوّت اور خوبصورتی پیدا ہوتی گئی۔ اور اسکی نرم سبز شاخیں بید کے پُرانے درخت پر لپٹتی گئیں۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک دن اُسکی سبز سبز پتّیوں میں کثرت سے کلیاں نظر آئیں۔ اسوقت بانس کے درخت نے طنزیہ طور پر کہا۔ "یہ بدنما پتّے جو تم میں نکل رہے ہیں۔ کیا چیز ہے؟ کیا یہ کوئی وبا ہے جو تم اس قدر میرے نزدیک لائے ہو"۔ لیکن اگلے دن جب سورج نکلا تو وہ کلیاں کھل گئیں۔ اسوقت بید کا پُرانا درخت جڑ سے لے کر اوپر کی چوٹی تک جگمگا اُٹھا۔

اُسی دن رات کے وقت اس زمین کے مالک نے اپنے ملازم مزدوروں سے کہا "اس بید کے پُرانے درخت کے چاروں طرف سے زمین صاف کردو اور جو کچھ ان کے نزدیک ہو اسکو کاٹ دو اور جلا دو۔ چونکہ دیوتاؤں نے یہ خوشنما اور دلچسپ چیز ہمارے لئے بھیجی ہے پس اسکی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے"۔ اس کے بعد مزدوروں میں سے ایک شخص نے اس سے دریافت کیا۔ کہ "کیا اس بانس کے درخت کو رہنے دیا جائے؟ یہ بالکل سیدھا۔ لمبا اور تنا ور درخت ہے"۔ اِس پر مالک زمین نے جواب دیا "نہیں جاپان میں ایسے ہی سیدھے اور لمبے بانس کے درخت کثرت سے موجود ہیں۔ لیکن بید کا درخت ایسی خوشنما چیز سے ڈھکا ہُوا آج تک دیکھنے میں نہیں آیا"۔ پس مالکِ زمین کے حکم کے موافق عملدرآمد کیا گیا۔ اور اس بانس کے درخت کو بھی کاٹ ڈالا گیا۔

وہ لڑکیاں جب قصّہ کو سُن چکیں۔ تو اُٹھیں اور اپنے گھڑوں کو لے کر اور شرمندہ ہو کر چلی گئیں۔ اِن کے شرمندہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس بات کو سمجھ گئی تھیں۔ کہ اس قصّہ میں ہمارے غرور کی مذمّت کی گئی ہے۔ (پیسہ اخبار)

پروازِ وقت

کہاں ہیں وہ گذشتہ نسل کے لوگ جو ہماری طرح اس ہستی کی نمائیشی سڑک کے پیچھے رواں۔ اپنے کام میں کوشاں۔ سلطنت اور امورِ ملکی کی تجاویز میں مستغرق۔ صراطِ مستقیم سے گم گشتہ اور دل آویز باتوں کے فدائی تھے؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو چند ہی سال ہوئے اس مصروف تماشا گاہِ ہستی کے محرک اور روح رواں تھے؟ کہاں ہیں وہ کسان جو اس زمین پر رہتے تھے جہاں اب تم ہو؟ کہاں ہیں وہ پسینے بہانے والے مزدور جو کبھی تمہارے گھروں اور گائوں کے مکین تھے؟ کہاں ہیں وہ واعظ جو نیکی کے سبق کی تلقین کرتے تھے اور اس دُنیا کی نمائشوں سے خبردار؟ اور کہاں ہیں وہ لوگ جو اپنے متبرک دنوں میں طلب عبادت پران مکانوں میں آ جمع ہوتے تھے۔ جس جگہ اب تم متمکن ہو؟ آہ! اب اُن کی جائے سکونت بے مہر قبر ہے۔ یعنی فراموشی اور سکوت کی دُنیا۔ اُن کے نام تک بھی صفحۂ ہستی سے مِٹ گئے ہیں۔ اور ان کے اپنے ہی بچے انہیں اپنی یاد سے بھلا بیٹھے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں کی محنت شاقہ یا تو خس و خاشاک کے نیچے دب گئی ہے۔ اور یا زمانہ کے ظالم ہاتھوں نے اُسے بالکل ویران کر دیا ہے۔ ہم انہی آبا و اجداد کی اولاد ہیں اور اس حیرت انگیز اور پُر ہیبت نصیبے کے وارث۔

یہ وقت جس میں مَیں رہتا ہوں۔ دُنیا کی اس بڑی تواریخ کا ایک لمحہ ہے جو سایہ کی تیز روی ہے اور عارضی خوشی کا خواب۔ یہ شہابِ ثاقب کی ایک فوری جھلک ہے۔ اور ایسا نازک پھول ہے جو آسمان کی ذراسی تیوری سے بھی مُرجھا جاتا ہے۔ یہ ایسی کہانی ہے جسکی یاد یونہی فراموش ہو جاتی ہے۔ اور یہ ایسا دن ہے جسکو شبِ دراز کا سکوت دُھندلا اور تاریک کر دیتا ہے۔ تھوڑے ہی سالوں بعد ہمارے سر اس سرزمین کو سونپ دئیے جائینگے اور سبزہ انکا قبر پوش ہوگا۔ آئندہ نسل کے لئے ہماری قبریں جولانگاہ ہوں گی۔ وہ ہمارے لئے چند ایک دن روتے رہیں گے۔ چند ایک مہینے ہماری باتیں بھی کیا کرینگے۔ اور چند ایک سال یاد بھی رکھیں گے۔ پھر اسکے بعد ہمارا نام اس دارِ ہستی سے مِٹ جائیگا۔ اور کوئی نام لیوا تک باقی نہ رہے گا۔

تمام دل آویز بیانوں میں سے یہ بات مجھ پر بہت اثر کرتی ہے کہ ایک صدی کے بعد

یہ دُنیا پھر ایسی کی ایسی ہو جائیگی ۔ لوگ اسے بسا اوقات ضرب المثل کے پیرائے میں ایسی دل لگی کے ساتھ جو اسکی وقعت سے آگاہ نہیں ہے استعمال کرتے ہیں ۔ ایک سو سال بعد ۔ اللہ اکبر! کس تیزی سے یہ صدی اپنے اختتام پر آئے گی ۔ آج کا دن ڈھل جائیگا اور اس طرح کے کچھ دن ایک سال بن جائینگے ۔ یہ تھوڑا تھوڑا سا وقفہ وقت کا مجتمع ہو کر اس عظیم عرصۂ روزگار کو بھر دیگا۔ جو تصوّر کی نظروں میں اتنا دراز اور لاانتہا نظر آتا ہے

آنیوالی صدی اس تباہی کو دیکھے گی ۔ ہر ایک جاندار چیز جو آج نظر آتی ہے دُنیا سے نابود ہوگی ۔ وہ معصوم بچّہ جو ماں کی چھاتی سے لپٹا ہُوا ہے ۔ صرف اپنے پوتوں کی یاد ہی رہ جائیگا۔ زندگی اور شعور کا یہ منظر جو میرے روبرو ہے ۔ تاریکی اور نفرت انگیز جگہ سے مبدّل ہو جائیگا ۔ وہ لوگ جو میری آواز اب سُنتے ہیں ۔ خود بھی بولنے سے عاری ہوں گے ۔ ان کی یاد اس صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوگی ۔ اور ان کا جسم حشرات الارض کی مہمانیوں میں صرف ہو گیا ہوگا ۔ اور کیڑے مکوڑوں کی ان پر بسر ہوگی ۔ امتداد زمانہ ان کے تابوتوں کو برباد کرے گا ۔ اور ان کی ہڈّیاں نئی قبروں کے ایک طرف پھینکدی جائینگی ۔ کیا یہی سب چیزوں کا انجام ہے ؟ کیا یہی مآل کار ہے انسان کا ؟ اور کیا یہی اختتام ہے اس کی مصروف زندگی کا ؟ کیا بجز وقت اور قبر کے کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اس یاس بھری تصویر کی مایوسی کو کم کر سکے اور ان وحشتناک خیالوں کو دُور کرے ؟ کیا ہم ضرور ہمیشہ کے لئے خاک میں سوئیں گے اور اُس آسمانی روشنی کو دائمی الوداع کہہ جائیں گے ؟ (مخزن)

چاند

اے قمر! کیا خامشی افزا ہے تیری روشنی — رات کے دامن میں ہے گویا سحر سوئی ہوئی
میرے ویرانے سے کوسوں دُور ہے تیرا وطن — ہے مگر دریائے دل تیری کشش سے موجزن
حسن کامل تیری صورت کا نشاط انگیز ہے — چاندنی میں تیری اک تسکین غم آمیز ہے
قصد کس محفل کا ہے ؟ آتا ہے کس محفل سے تو؟ — زرد رُو شاید ہُوا رنج رہ منزل سے تو!
گھر بنایا تُونے گو ہنگامۂ ہستی سے دُور — چاندنی تیری نہیں انسان کی بستی سے دُور
ہاں اُتر آ میرے دل میں ساتھ لے کر چاندنی
اِس اندھیرے گھر میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی (اقبال پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

محبت

از غلام قادر فرخ ۔ کاتب رسالہ "مسیحی" امرتسر

ہر دل میں اے محبت! پایا مکان تیرا — ہر لب پہ آ رہا ہے خوش کن بیان تیرا
ہر لحظہ مدح گو ہے سارا جہان تیرا — ہر جگہ دیکھتے ہیں نام و نشان تیرا
خوباں سے کچھ زیادہ حسن و جمال میں ہے — اک لازوال طاقت تیرے کمال میں ہے

بحرِ جہاں میں بیشک موتی کی آبرو ہے — مثلِ بہار تجھ سے پھولوں میں رنگ و بو ہے
تاروں کی جھلملاہٹ مہر و قمر کی ضو ہے — ہم دیکھتے جہاں ہیں واللہ تو ہی تو ہے
کوئی مکاں نہ ہوتا کوئی مکیں نہ ہوتا — گر ایک تو نہ ہوتی کچھ بھی کہیں نہ ہوتا

جلوہ نما ہے جلوہ نزدیک و دور تیرا — پہنچے جہاں نہ کوئی واں ہے ظہور تیرا
خالق کے دل میں چمکا جس وقت نور تیرا — تو شمعِ پُرضیا تھی اور وہ تھا طور تیرا
تیری چمک دمک نے کر دی یہ بات پیدا — کی ایک لفظِ کُن سے کل کائنات پیدا

چلتے ہیں تیرے دم سے سب کاروبارِ دنیا — کیا بے خزاں بنائی تو نے بہارِ دنیا
آبِ کرم سے دھوئے گرد و غبارِ دنیا — ہے جامِ عیش بر کف یہ لالہ زارِ دنیا
ہر رنگِ گلِ شگفتہ صحنِ چمن میں تو ہے — پُرنور شمعِ صورت ہر انجمن میں تو ہے

شیدائے شمع تو نے پروانہ کو بنایا — بلبل کے دل میں عشقِ گل کا ہے گل کھلایا
قمری نے طوقِ الفت سروِ چمن سے پایا — دیدارِ ماہِ انور کبکِ دری کو بھایا
جب چاند نے دکھایا آ کر کہیں نظارا — سمجھا یہ اوج پر ہے قسمت کا آج تارا

بھولا نہیں ہے لیلیٰ اور قیس کا فسانا — کرتا ہے نل دمن کو یاد آج تک زمانا
وامق کی بیقراری عذرا کا تلملانا — کوہکن کا بہر شیریں وہ جوئے شیر لانا
محمود محو ہر دم عشقِ ایاز میں تھا — وہ اپنے عجز میں تھا وہ اپنے ناز میں تھا

تیری دلیل اعلیٰ قائل تمام تیرے — تیری جناب والا سائل تمام تیرے
تیری چمک دوبالا مائل تمام تیرے — تیری نگہ ہے بھالا گھائل تمام تیرے
وہ کون ہے جو تجھ سے زخمی جگر نہیں ہے — وہ کون ہے جو تجھ سے شوریدہ سر نہیں ہے

پٹی بندھی ہوئی ہے آنکھوں پہ تیری یکسر — چلتی ہے تو جہاں میں یوں تیز جیسے صرصر
مرغِ خیال بھی ہے ہمراہ تیرے بے پر — کرتی ہے وار پیہم ظالم کمان لے کر

بے روک ٹوک تیرا ہر سمت تیر جاتے — جو کوئی آگے آئے دل اُسکا چیر جاتے
جس دل میں تُو نہیں ہے دل ہی نہیں ہے وہ دل — تیرے سوا کٹے کب عمرِ رواں کی منزل
تجھ پر اگر یقیں ہے آسان ہوگی مشکل — گم کردہ کارواں ہیں جو ہو گئے ہیں غافل
تُو ہے غم والم میں راحت دلانے والی — تُو ہے خدا سے ہمکو آخر ملانے والی
فتح نے کر لیا ہے ہر ایک سے کنارا — اب ہے اِسے جہاں میں تیرا فقط سہارا
دریائے بیکسی نے آکر وہ جوش مارا — مثلِ حباب جس نے دل کو بہت اُبھارا
غم کے بھنور میں آتا ہے بار بار بیڑا — الیاس بنکے کردے فی الفور پار بیڑا

پطرس کی توبہ

تب خداوند نے پھر کے پطرس پر نگاہ کی اور پطرس کو خداوند کی بات جو اُس نے کہی کہ مُرغ کے بانگ دینے کے آگے تو میرا تین بار انکار کریگا۔ یاد آئی۔ اور پطرس باہر جا کے زار زار رویا۔ لوقا ۲۲: ۶۱و۶۲۔

پطرس کی دلی تبدیلی کا موقعہ یہ ہے۔ مسیح نے اُسے کہا تھا کہ "تُو اب میری پیروی نہیں کرسکتا"۔ وہ مسیح کی پیروی کرنے کے قابل نہ تھا۔ کیونکہ ابھی تک اسکی خودی کا خاتمہ نہیں ہُوا تھا۔ وہ اپنے سے واقف نہ تھا اور اس لئے وہ مسیح کی پیروی نہ کرسکتا تھا۔ لیکن جب وہ باہر جاکر زار زار رویا۔ تو اُس میں یہ بڑی تبدیلی واقع ہوئی۔ مسیح نے اُسے پیشتر کہا تھا کہ "جب تُو پھرے تو اپنے بھائیوں کو مضبوط کرنا"۔ اس موقعہ پر پطرس گناہ سے پھر کر مسیح کی طرف آیا۔

پطرس کی سرگذشت کے لئے خدا کا شکر ہو۔ بائبل کے کسی اور مقدس سے ہمیں ایسی تسلی نہیں ملتی۔ جب ہم اسکے کیریکٹر (سیرت اور چلن) پر جو کمزوری اور ناکامیابی سے بھرا تھا نظر ڈالیں اور یہ بھی خیال کریں کہ مسیح نے رُوح القدس کی قوت سے اُسے کیا کا کیا بنا دیا۔ تو ہم میں سے ہر ایک کا دل اُمید سے بھر جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ پیشتر ازیں کہ مسیح اُسے رُوح القدس سے معمور کرتا اور اُسے نیا آدمی بناتا۔ پطرس کو باہر جاکر زار زار رونا۔ ہاں فروتن اور عاجز بننا پڑا۔ اگر ہم اسکی تبدیلی کو بخوبی سمجھنا چاہیں تو ہمیں چار باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ اوّل۔ مسیح کے دلدادہ شاگرد پطرس پر غور کریں۔ پھر جب وہ خودی کی زندگی بسر کرتا تھا سوچیں۔ پھر اُسکی توبہ کو دیکھیں۔

اور آخر میں اس امر پر دھیان کریں کہ مسیح نے روح القدس سے پطرس کو کیا کا کیا بنا دیا۔

اوّل ۔ مسیح کے دلدادہ شاگرد پطرس پر غور کرو۔ مسیح نے پطرس کو بلایا کہ اپنے جال چھوڑ کر اس کی پیروی کرے ۔ پطرس نے فوراً ایسا کیا اور بعد میں وہ اپنے خداوند سے کہہ سکتا تھا کہ "ہم نے سب کچھ چھوڑا اور تیری پیروی کی ہے۔" اس نے مسیح کی پیروی کرنے کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا۔ بیشک پطرس کو تسلیمِ مطلق کا پایہ حاصل تھا۔ وہ اپنے خداوند کی سچی فرمانبرداری کرتا تھا۔ تمہیں یاد ہے کہ مسیح نے اسے کہا "گہرے میں چل کر جال ڈال" مچھوا پطرس جانتا تھا کہ اس جگہ مچھلیاں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ ساری رات محنت کرتے رہے اور انہیں کچھ نہ ملا تھا۔ لیکن توبھی اس نے کہا "تیرے کہنے پر میں جال ڈالتا ہوں" اس نے مسیح کی فرماں برداری کی۔ پھر وہ بڑا صاحبِ ایمان تھا۔ جب اس نے مسیح کو سمندر پر چلتے دیکھا تو کہنے لگا "خداوند اگر تو ہے تو مجھے حکم کر کہ تیرے پاس آؤں" وہ مسیح کے فرمان پر کشتی سے نکل پانی پر چلنے لگا۔

پطرس روحانی طور پر صاحبِ بصیرت بھی تھا۔ جب مسیح نے شاگردوں سے پوچھا۔ "تم کیا کہتے ہو کہ میں کون ہوں"؟ تو پطرس یہ جواب دینے کے قابل تھا "تو مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے" اور مسیح نے کہا "مبارک ہے تو شمعون بریوناہ کیونکہ جسم اور خون نے یہ تجھ پر ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے" مسیح نے اسکی بابت فرمایا کہ وہ ایک "چٹان ہے۔ اور بادشاہت کی چابیاں اس پاس ہیں۔ پطرس ایک اعلیٰ درجہ کا آدمی اور مسیح کا دلداد شاگرد تھا۔ توبھی پطرس میں کیسی کمزوریاں تھیں!

پھر پطرس کی طرف دیکھو۔ جب وہ خودی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ خود پسندی۔ خود اعتمادی اور خودستائی کا طالب اور خواہاں تھا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب مسیح نے اسے کہا "خون او جسم نے تجھ پر ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے" تو اس کی تھوڑی دیر بعد ہی مسیح نے اپنی تکلیفوں کا ذکر شروع کیا۔ اس پر پطرس نے یہ کہنے کی جرأت کی "خداوند تجھ پر سلامتی ہو۔ یہ تجھ پر کبھی واقع نہ ہوگا" تب مسیح کو کہنا پڑا۔ "اے شیطان مجھ سے دور ہو۔ کیونکہ تو ا چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ جو خدا سے ہوں بلکہ ان کی جو انسان سے ہوں" پطرس اس وقت اپنی خودرائی پر تکیہ لگائے۔ اپنی دانش پر بھروسہ رکھے۔ مسیح کو مرنے سے روک رہا تھا۔ یہ کیونکر ہوا؟ پطرس اپنے پر بھروسہ رکھتا اور اپنی باتوں میں اپنے ہی خیالات کا پابند تھا۔ ہم بعد میں دیکھتے ہیں کہ شاگردوں میں یہ سوال اٹھا کہ ہم میں سب سے بڑا کون ہے۔ پطرس بھی ان میں شامل تھا۔ اور اپنے زعم میں وہ اپنے آپکو اس اعلیٰ درجہ کا مستحق سمجھتا اور دوسروں سے بڑھ کر اپنی عزت زیادہ خواہاں تھا۔ پطرس میں خودی کی زندگی کیسی غالب تھی۔

جب مسیح نے اپنی مصیبتوں کا بیان کیا اور اُسے کہا کہ اے شیطان مجھ سے دُور ہو۔ تو اُس کے تھوڑی دیر بعد ہی اُس نے فرمایا کہ "اگر کوئی شخص میرے پیچھے آنا چاہے تو چاہئیے کہ اپنا انکار کرے اور اپنی صلیب اُٹھاکے میرے پیچھے ہولے"۔ جب تک کوئی شخص ایسا نہ کرے۔ وہ اس کی پیروی کر نہیں سکتا۔ چاہئیے کہ خودی سے بالکل انکار کیا جائے۔ اسکا کیا مطلب؟ جب پطرس نے مسیح کا انکار کیا تو لکھا ہے کہ اُس نے تین بار کہا "میں اس مرد کو نہیں جانتا"۔ یا دوسرے لفظوں میں "میرا اس سے کچھ تعلق نہیں۔ میں اور وہ دوست نہیں ہیں"۔ مسیح نے پطرس سے کہا تھا کہ خودی سے انکار۔ اُسکو نظرانداز اور اس کے ہر ایک اِدّعا کو نامنظور کرنا چاہئیے۔ سچی شاگردی کی یہی بُنیاد ہے۔ پطرس اسکو سمجھ نہ سکا۔ اور اِس لئے اس پر عمل بھی نہ کرسکا اور پھر کیا واقع ہُوا؟ جب آخری رات آئی۔ تو مسیح نے اُسے کہا "پیشتر اسکے کہ مُرغ دو بار بانگ دے تُو میرا تین بار انکار کرے گا"۔ لیکن پطرس نے کیسی خوداعتمادی سے کہا "خواہ سب تجھے چھوڑدیں۔ پر میں تجھے ہرگز نہیں چھوڑونگا۔ میں تیرے ساتھ موت اور قید میں بھی جانے کو تیار ہُوں"۔ پطرس نے یہ الفاظ دیانتداری سے کہے اور پطرس کی یہی مُراد تھی۔ لیکن پطرس اپنے آپکو نہ جانتا تھا۔

خیال کرو کہ مسیح کیونکر لفظ اِنکار کو دوبارہ استعمال کرتا ہے۔ اُس نے پہلی دفعہ پطرس سے کہا کہ اپنے آپ سے اِنکار کر اور دوسری دفعہ کہ تُو میرا انکار کریگا۔ دونوں میں سے ایک کا ہونا ضرور ہے۔ یا تو ہم اپنے آپ سے انکار کریں۔ یا ہمیں مسیح سے انکار کرنا پڑیگا۔ دو بڑی طاقتیں باہم جنگ کرتی رہتی ہیں۔ خودی کی نیچر گناہ کے زور میں۔ اور مسیح خدا کی طاقت میں۔ اِن میں سے صرف ایک ہی ہمارے اندر حکمران ہوسکتی ہے۔

اب پطرس کی توبہ پر غور کرو۔ پطرس نے اپنے خداوند کا تین بار انکار کیا۔ اور پھر خداوند نے اس پر نگاہ کی۔ مسیح کی نگاہ سے پطرس کا دل ٹوٹ گیا۔ اور فوراً اُس گناہ کی تصویر جو اُس سے سرزد ہُوا تھا۔ اُسکی آنکھوں کے آگے پھرگئی۔ اور وہ سخت ناکامیابی جو واقع ہُوئی تھی اُسکی آنکھوں کے سامنے آموجود ہُوئی۔ اور اُسے معلوم ہُوا کہ میں کس گہرائی میں گر پڑا ہُوں۔ اور "پطرس باہر جاکر زار زار رونے لگا"۔

آہ! کون اُسکی توبہ کا حال بتا سکتا ہے؟ اس رات کے باقی وقت اور دوسرے دن جب اُس نے مسیح کو مصلوب اور دفن ہوتے دیکھا اور دوسرا دن سبت کا۔ آہ! وہ دن اُس نے کس سخت مایوسی اور شرم میں کاٹا ہوگا۔ میرا خداوند جاتا رہا۔ میری اُمید جاتی رہی اور میں نے اپنے خداوند کا انکار کیا۔ اِس محبت کی زندگی کے بعد۔ اس تین سال کی مقدس رفاقت کے بعد۔

میں نے اپنے خداوند کا انکار کیا۔ خدا مجھ پر رحم کرے۔

میرے نزدیک ہم اس امر کا خیال ہی نہیں کر سکتے۔ کہ پطرس کیسی فروتنی کے ورطہ اور گہرائی میں غرق ہُوا ہوگا۔ لیکن اب یہاں سے تبدیلی شروع ہوتی ہے۔ ہفتے کے پہلے دن پطرس نے مسیح کو دیکھا اور شام کو شاگردوں کے ساتھ اُسے ملا۔ پھر گلیل کی جھیل پر مسیح نے اُسے پوچھا کہ کیا تو مجھے پیار کرتا ہے؟" حتیٰ کہ پطرس اس خیال سے اندوہگین ہُوا کہ خداوند میرا تین بار انکار کرنا یاد دلاتا ہے۔ اور اُس نے بڑے ہی غم۔ لیکن راستی سے کہا کہ "خداوند تجھے تو سب کچھ معلوم ہے۔ تُو تو جانتا ہے کہ میں تجھے پیار کرتا ہوں"۔

اور پھر پطرس خودی سے رہائی پانے کے لئے تیار ہُوا اور یہی میرا آخری پیغام ہے۔ تم جانتے ہو کہ مسیح اُسے اوروں کے ساتھ پایہ تخت پاس لے گیا اور اُسے وہاں منتظر رہنے کو کہا۔ اور پھر پنتیکوست کے دن روح القدس نازل ہُوا۔ اور پطرس ایک بالکل نیا اور تبدیل شدہ شخص ہو گیا۔ صرف یُوں خیال نہ کرو۔ ہاں پطرس کی تبدیلی اسکی دلیری اور قوت۔ نوشتوں کی اندرونی واقفیت اور اس برکت سے جو اُسکے کام پر ہُوئی صاف صاف ظاہر ہے۔ اسکے لئے تو خدا کا شکر ہو لیکن پطرس کے لئے اس سے بھی اعلیٰ اور بہتر نعمتیں تھیں۔ پطرس کی ساری سرشت ہی بدل گئی۔

اگر تم یہ دیکھنا چاہو۔ تو پطرس کے پہلے خط کا مطالعہ کرو۔ تم جانتے ہو کہ پطرس کی ناکامیابی کا سبب کیا تھا۔ جب اُسنے مسیح سے کہا کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ تجھ پر یہ تکلیف واقع نہ ہوگی۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُسے ذرا بھی خیال نہ تھا کہ موت سے گذر کر زندگی میں داخل ہونا کیا ہے۔ مسیح نے اُسے کہا کہ "اپنا انکار کر" اور باوجود اسکے۔ اُس نے اپنے خداوند کا انکار کیا۔ جب مسیح نے اُسے اطلاع دی کہ تُو میرا تین بار انکار کریگا۔ اور اس نے بالاصرار کہا۔ کہ میں ہرگز نہیں کرونگا۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ پطرس اپنے آپ سے کیسا ناواقف تھا۔ لیکن جب میں اسکا خط پڑھوں۔ اور اور اُسے یہ کہتے سُنوں کہ "اگر تم مسیح کے نام کے لئے لعن طعن اُٹھاؤ۔ تو تم مبارک ہو۔ کیونکہ خدا اور جلال کا رُوح تم پر ہے"۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ یہ وُہی پُرانا پطرس نہیں بلکہ مسیح کا روح اُسکے منہ میں یہ الفاظ ڈال رہا ہے۔ دیکھو وہ کیونکر کہتا ہے کہ "تم مصیبت اُٹھانے کو بُلائے گئے ہو۔ جیسے مسیح نے مصیبت اُٹھائی"۔ اس سے اسکی تبدیلی کا صاف صاف پتا لگتا ہے۔ مسیح کے انکار کرنے کے بجائے اسکی عین خوشی اس میں تھی کہ خودی کا انکار کرے۔ اُسے صلیب دے اور موت کے حوالے کرے اور اس لئے ہم رسولوں کی اعمال میں پڑھتے ہیں کہ جب وہ کونسل کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بجرأت کہ سکا کہ "ہم کو خدا کا حکم آدمیوں کے حکم سے

زیادہ ماننا فرض ہے" اور کہ وہ دوسرے شاگردوں کے ساتھ واپس آ کر خوشی کر سکا کہ ہم اس قابل ٹھہرے کہ مسیح کے نام کیلئے دُکھ اُٹھائیں۔ دوستو! اس بالکل تبدیل شدہ پطرس پر دھیان کرو۔ خود پسند۔ خود اعتماد اور خود غرض پطرس۔ مسیح کی زندگی اور رُوح سے بھر جاتا ہے۔ یہ سب کچھ مسیح نے اسکے لئے رُوح القدس کے وسیلے کیا۔

پطرس کی سرگذشت سُنانے سے میرا مدّعا کیا ہے؟ یہ سرگذشت ہر ایک کارندہ کی جو سچ مچ خدا سے باعثِ برکت بننا چاہتا ہے۔ سرگذشت ہونی چاہئے۔ خدا کی حمد ہو۔ یہ سرگذشت ایک سے زیادہ کارندہ کی سرگذشت ٹھہری ہے۔ یہ سرگذشت اس امر کی پیشین گوئی ہے۔ کہ تم میں سے ہر ایک اپنے آسمانی خدا سے کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ کل رات ہم نے کہا کہ ہم صرف اس لئے فراہم نہیں ہُوئے کہ خدا کے کام اور اسکے کلام کی منادی کے لئے دُعا کریں۔ نہ اس لئے کہ ہم خُدا سے دُعا کریں کہ وہ محبّت کی رُوح کو ہم پر بکثرت نازل کرے اور کہ خُدا پنجاب کے تمام کارندوں کو محبّت کی قوّت میں متفق اور متّحد کرے۔ بلکہ خصوصاً ہم اس لئے آئے ہیں کہ خدا ہر ایک زندگی پر فرداً فرداً متوجّہ ہو کر اس کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ کیونکہ جب کارندے فرداً فرداً برکت پائیں تو کام ترقّی پائیگا اور بدن قوّت و صحّت حاصل کریگا۔

ہم تھوڑی دیر کیلئے غور کریں کہ اس سرگذشت سے ہم کیا خاص سبق سیکھتے ہیں۔

پہلا سبق یہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کارندہ بڑا سرگرم۔ خدا پرست۔ دلدادہ اور کچھ حد تک کامیاب بھی ہو۔ لیکن اس میں جسم کی طاقت ابھی تک غالب ہو۔

یہ ایک بڑی سنجیدہ صداقت ہے اور صرف خدا ہی جانتا ہے کہ اس کمرے میں ایسے کتنے کارندے ہیں۔ جو پانچ دس یا بیس سال سے کام کر رہے ہیں۔ پطرس نے مسیح سے انکار کرنے سے پہلے بُری رُوحوں کو نکالا اور بیماروں کو چنگا کیا۔ اور یاں بعض ہیں جو خُدا کی خدمت کامیابی سے کرتے رہے ہیں اور وہ برکت کیلئے اسکی حمد و تعریف بھی کرنا چاہتے ہیں۔ تو بھی پطرس کی طرح جسم۔ قوّت اور جگہ رکھتا ہے۔ عزیزو! ہمیں یہ امر خوب ذہن نشین کرنا چاہئے کہ ہماری خودی کی زندگی ہی کے باعث خدا کی قوّت ہم میں اتنا کام نہیں کر سکتی جتنا خدا چاہتا ہے کہ وہ کرے۔ کیا تم مانتے ہو کہ خدا تعالیٰ ہمارے ذریعے دس گُنا برکت دیکر اپنی برکت کو دُگنا کرنا چاہتا ہے؟ لیکن کوئی امر اسکا مانع ہے اور وہ ہماری خودی کی زندگی کا ثبوت ہے۔ ہم پطرس کی مغروری۔ اسکی تیز مزاجی اور خود اعتمادی کا ذکر کرتے ہیں۔ ان سب کی جڑ ایک لفظ خودی میں پائی جاتی ہے۔ مسیح نے کہا تھا کہ "اپنا انکار کر"۔ پطرس نے نہ سمجھا اور اس لئے اس پر عمل بھی نہ کیا۔ ہر ایک کمزوری اور ناکامیابی اسی سے برپا ہوئی۔

یاں خدا کے فرزند ہو سکتے ہیں۔ شاید وہ خادم الدین ہوں۔ یا بڑے بڑے کاموں کے محرک و رہنما۔ مددگار یا صاحب عزت و قوت و لیاقت یا غریب مزدور۔ ہاں ایسے سیکڑوں ہو سکتے ہیں۔ جو خدا کے لئے بڑی سرگرمی سے کام کرتے ہوں۔ کہ جن میں خودی کی زندگی غالب ہے۔ یہ کیسا سنجیدہ خیال ہے۔ اور ہمیں کیسی سنجیدگی اور صدق دلی سے نہ کہنا چاہئے۔ اے خدا ہم پر ظاہر کر ہم میں سے کوئی خودی کی زندگی بسر نہ کرتا ہو! ایسا واقعہ ہُوا ہے کہ کئی آدمی جو بیس سال سے کام کرتے تھے اور جنہیں شاید بڑا رتبہ حاصل تھا کہ خدا نے ان پر یہ ظاہر کیا اور خدا نے انہیں سکھایا کہ وہ اپنے آپکو دیکھیں اور وہ بالکل نادم و شرمسار ہُوئے اور دل شکستہ ہوکر خدا کے حضور اُوندھے گرے۔ حتیٰ کہ انہیں معلوم ہُوا کہ ہمارے لئے رہائی ہے آہ! کیسی شرم اور غم۔ تکلیف اور گویا جانکنی اسکا حصّہ ہوگی۔ پطرس باہر جاکر زار زار رویا او یاں بھی کئی ایسے خدا پرست ہو سکتے ہیں جن میں جسم کی قوت ابھی تک غالب و حکمران ہو۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ خودی کی قوت کو ظاہر کرنا ہمارے مبارک خداوند یسوع کا کام ہے یہ کیونکر ہُوا کہ پطرس جسمانی پطرس۔ خود غرض پطرس۔ خود پسند پطرس۔ مرد پنتی کوست اور خطوط کا راقم ہُوا؟ اِس لئے کہ وہ مسیح کے اہتمام میں تھا۔ مسیح اسکا محافظ تھا اور مسیح نے اُسے سکھایا اور برکت دی۔ جو تنبیہیں مسیح نے اُسے کی تھیں۔ وہ تربیت کا حصّہ تھیں اور آخرکار وہ محبت کی نگاہ کام کر گئی۔ اپنی مصیبت میں بھی مسیح نے اُسے فراموش نہ کیا۔ بلکہ پھر کر اسکی طرف دیکھا اور "پطرس باہر جاکر زار زار رویا" اور وہی مسیح جو پطرس کو پنتی کوست میں لے گیا آج ہمارے درمیان بھی ہے اور منتظر بیٹھا ہے کہ جو دل اپنا آپ تسلیم کرنے کو رضامند ہو وہ اُسے اپنے اہتمام میں لے۔

کیا تم میں سے بعض نہیں کہہ رہے کہ آہ مجھے یہی دقت درپیش ہے۔ خودی کی زندگی اور آرام۔ خود پسندی اور خود رائی ستاتے۔ میں ان سے کیونکر رہائی پاؤں؟ میرا یہ جواب ہے خداوند۔ یسوع مسیح تمہیں اس سے چھڑا سکتا ہے۔ یسوع کے سوا کوئی اور گناہ کی قوت سے رہائی نہیں دے سکتا وہ تمہیں کیا کرنے کو کہتا ہے؟ وہ یہی چاہتا ہے کہ تم اسکی طرف فروتنی سے پھرو۔ (از "تسلیم مطلق" مصنفہ انڈریو مرے۔ صفحہ ۸۵-۹۴)

ہر سمت سے آرہی ہے آواز اللہ بھلا۔ بشر بُرے ہیں
اللہ! ہماری شرم رکھ لے تیرے ہی تو ہیں۔ اگر بُرے ہیں (دآہ)

بلعام اور بلق

بلعام اُٹھا اور اپنی جگہ کی طرف واپس گیا۔ اور بلق نے بھی اپنا راستہ لیا۔ گنتی ۲۴:۲۵

دونو اپنی اپنی راہ گئے۔ دونو نے اپنی اپنی جگہ کی طرف رُخ کیا۔ یہ دو شخص مختلف درجوں اور مختلف خصلت کے تھے۔ اور ان کی یہ عجیب ملاقات ختم ہُوئی۔ دونو بڑی خواہش رکھتے تھے کہ کسی بات پر متفق ہوں۔ وہ چاہتے تھے کہ اُن کی ملاقات سے کوئی حکمت عملی برآمد ہو۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ کوئی بات ایسی نہ تھی جس پر وہ متفق ہو سکتے۔ بار بار ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انکی اُمید برآنے پر ہے۔ لیکن پھر کوئی غیر محسوس طاقت ایسی اُٹھ کھڑی ہوتی تھی اور اُن کے مابین آجاتی تھی جو اُنکو بالکل جُدا کر دیتی تھی۔ اُنہوں نے بارہا اپنی جگہوں کو بدلا اور نئی صلاحیں اور نئی مشورتیں نکالیں۔ لیکن کچھ فایدہ نہ ہُوا۔ وُہی غیر محسوس طاقت اُن کا پیچھا کرتی رہی۔ اُنہوں نے بہت چاہا کہ یہ طاقت جس میں بڑا ارادہ اور بڑی مضبوط مرضی دکھائی دیتی تھی اُنسے دُور ہو جائے۔ لیکن وہ اپنا پیچھا چھڑا نہ سکے۔ بلعام اور بلق خدا کی قوم اور خدا کے ازلی ارادے کے خلاف سازش کر رہے تھے۔ اور ان کی سازش کارگر نہ ہو سکی۔ بلق اپنی دنیوی چالاکی کو کام میں لا رہا تھا اور بلعام اپنی رُوحانی قوّتوں کو دوڑا تا تھا۔ لیکن یہ دونوں لاحاصل رہیں۔ انکی مشورت ختم ہوئی۔ وہ جُدا ہُوئے اُن میں سے ہر ایک اپنی راہ اور اپنی جگہ کو گیا۔ اس وقت تک اُنکی زندگیاں علیحدہ رہی تھیں۔ اسکے بعد ان کے انجام بھی مختلف ہُوئے۔ لیکن اس عظیم واقعہ کا اثر اُن پر کیسا ہُوا۔ ان میں سے ہر ایک نے ظاہر اور بیّن طور پر ایک آسمانی انکشاف کو دیکھا۔ اپنے ارادے کو پُورا کرنے کی کوشش کے سلسلے میں خُدا اُن پر ظاہر ہُوا۔ اس کا اثر ان پر کیا ہُوا۔

"آسمانی انکشاف"۔ اِن الفاظ سے ہم کیا سمجھتے ہیں۔ کوئی حیرت افزا ماجرا جو ظاہری حواس کو خوف میں ڈالتا ہے۔ جسکی چمک سے آنکھیں دُھندلا جاتی ہیں۔ جسکی کڑک کانوں کو بہرا کر دیتی ہے۔ جیسا اُس وقت ہُوا۔ جب یہوواہ کوہِ سینا کی بجلیوں اور کڑک کے ساتھ نیچے اُترا۔ اور پہاڑ اُس قادرِ مطلق کی حضوری کے باعث کانپ گئے۔

"خدا کا نظر آنا"۔ جب ہم یہ محاورہ سُنتے ہیں تو ہمیں کسی ناگہان اور خوفناک حادثہ کا خیال آتا ہے۔ ہمیں خیال آتا ہے کہ کوئی جہاز کسی پوشیدہ چٹان پر ٹکرایا ہوگا۔ اور تمام جانیں جو

جواس میں تھیں پیشتر اسکے کہ خدا کی طرف ہاتھ پھیلانے کا موقعہ پائیں ۔ ابدالآباد کیواسطے
تہ سمندر میں غرق ہو گئی ہوں گی ۔ یا ہمیں کسی ناگہاں ظاہر ہونے والی مری کا خیال آتا ہے ۔ جو
پہلے ایک کو مارتی ہے پھر دوسرے کو ۔ اور بعد ازاں کل ملک میں پھیل جاتی ہے اور ہزار ہا
کو جوانی میں سے اُٹھا کر غیر متوقع قبروں میں دفن کر دیتی ہے ۔ یا ہمیں خیال آتا ہے کہ ناگہاں
کسی شخص پر کوئی آفت آئی اور ناگہاں اسکی بیوی کو بیوہ اور بچّوں کو دفعتہً لاوارث کر گئی ۔ ایسے
الٰہی انکشاف ہمکو از حد خوف میں ڈالتے ہیں ۔ ایسے حادثے ہمکو سنجیدگی کے سمندر میں غرق کرتے
ہیں ۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیے ۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ عموماً بڑے طوفانوں اور آندھیوں کے
ذریعے سے جو پہاڑوں کو چیرتے ہیں خدا ہم پر ظاہر نہیں ہوتا ۔ اسکا ظہور زمین کو ہلانے والے
زلزلے یا بھسم کرنے والے شعلے کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ وہ ہمیشہ خوف اور رُعب دار ظاہری
علامات کے ساتھ ہمیں دکھائی نہیں دیتا ۔ برعکس اسکے اسکی آواز دھیمی اور نرم ہو کر ہمارے
دل میں آتی ہے ۔ کوئی جلد گذرنے والا موقعہ ایسا آ کے پڑتا ہے کہ اسی میں دفعتہً خدا کا جلوہ
ہم پر چمک جاتا ہے ۔ کوئی آزمائش دفعتہً ہم پر آتی ہے ۔ یا ہماری زندگی میں کوئی سخت گھڑی
آتی ہے جو ہمارا امتحان لیتی ہے اور ہمکو پھول کی طرح پھٹکتی ہے ۔ جسکے بعد یا ہم نجات کے
وارث بن جاتے ہیں یا جہنم کی طرف زیادہ تیزی سے دوڑنے لگتے ہیں ۔ ایسے موقعوں پر وہ ہم
غور کرتے ہیں جن پر وہ واقع ہوتے ہیں اور باقی لوگ اس سے درگذر کرتے ہیں اور ان میں
کوئی حقیقی معنی نہیں دیکھتے ۔ ایسے موقعوں پر خدا کی آواز ایسی دھیمی ہوتی ہے کہ اسکو فقط
ایک ہی آدمی سُن سکتا ہے ۔ جسکے کان میں یہ آواز پہنچتی ہے ۔ وہ اپنا معمولی روزمرّہ کا کام کئے
جاتا ہے اور اسکی ظاہری حالت سے کوئی معلوم نہیں کر سکتا کہ اسکے تجربہ میں سے کیا کچھ گذرا ہے
دوسروں کو اسکی حالت بالکل معمول کے مطابق نظر آتی ہے ۔ اس حادثہ کا جو اُسکے دل پر وارد
ہو چکا ہے کوئی بیرونی نشان نہیں ہوتا ۔ لیکن وہ خود جانتا ہے (اور ممکن نہیں کہ وہ نہ جانے) کہ
خدا میرے پاس آیا ہے ۔ کہ اُس واحد ازلی کے سامنے کھڑا ہو چکا ہوں ۔ کہ میرا دل بدل گیا ہے
کہ خدا کی صورت کے دبدبہ اور جلال نے یا مجھکو سیدھے راستے پر ڈال دیا ۔ یا میں پہلے کی نسبت زیادہ
بدی کا غلام ہو گیا ہوں ۔

مختلف آدمیوں کی لیاقتیں اور ترقّی کے موقعے مختلف ہوتے ہیں ۔ اِس لئے خدا کے دیدار
کا اثر بھی مختلف آدمیوں پر مختلف ہوتا ہے ۔ زیادہ لیاقت والا شخص جس قدر زیادہ نیکی کر سکتا
ہے ۔ اُسی قدر زیادہ بدی بھی کر سکتا ہے ۔ وہ آدمی جنکی طبیعتیں محض جسمانی اور دُنیوی ہیں بگڑے
ہوئے رُوحانیوں کے برابر نہ گناہ کر سکتے ہیں اور نہ اُن کے برابر خدا سے دُور ہو سکتے ہیں ۔ رُوحانی

کی سب چیزیں اعلیٰ ہوتی ہیں۔ اِن کی سزائیں۔اِن کے امتحان۔اِن کی فتوحات اور انکی شکستیں جسمانیوں سے بدرجہا عظیم الشّان اور خوفناک یا حیرت افزا ہوتی ہیں۔ایک ہی واقعہ کا اثر اِن دونوں پر مختلف ہوتا ہے۔

بلق اور بلعام ان دو قسم کے شخصوں کے نمونے ہیں۔بلق دُنیاوی آدمی تھا۔بلعام رُوحانی۔ بلق کے خیالات اور ارادے بھدّے اور زمینی تھے۔بلعام کی رُوحانی نظر بڑی تیز اور اسکی اخلاقی شناخت نہایت پاک تھی۔

بلق محض دُنیاوی تھا وہ چاہتا تھا کہ اپنے دُنیوی ارادے کو دُنیوی وسایل سے حاصل کرے وہ مطلق نہ سوچتا تھا کہ میرے ارادے اور وسایل جائز ہیں یا نہیں۔اسکے سامنے ایک دُشمن تھا اور وہ اسکو مغلوب کیا چاہتا تھا۔لیکن مغلوب کرنے کے وسایل کی درستی یا غلطی کی طرف اِسکی مطلق توجہ نہ تھی۔وہ چاہتا تھا کہ اسرائیل پر لعنت کی جائے۔اور اُس نے ہر طرح کی کوشش کی کہ لعنت کرنے والے کو دستیاب کرے۔جب بلعام نے لعنت کرنے میں دلیری نہ دکھائی تو بلق حیران ہُوا کہ یہ شخص اپنا کام جسکے کرنے کے لئے آیا ہے جلد کیوں نہیں کرتا۔بلعام کے دل کے خیالات سے وہ مطلق آگاہ نہ تھا۔انسانی خصلت کی نسبت اسکے وُہی ہیچ خیال تھے۔ جو دُنیا داروں کے ہوتے ہیں۔وہ سمجھتا تھا کہ دیانتداری اور دل اور نیّت کی سچّائی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں بلکہ محض مکر اور بناوٹ ہیں۔ اسکا خیال تھا کہ دُنیا مین کوئی ایسا شخص نہیں جسکی دیانتداری زر سے مغلوب نہ ہو سکے بشرطیکہ زر کی مقدار کافی ہو۔اِسلئے اُس نے سمجھا کہ اگر میں بلعام کو بہت سے روپیہ کا لالچ دُوں تو وہ ضرور میری مدد پر آمادہ ہو جائیگا اُس نے بلعام کو عزّت اور دولت دینے کا وعدہ کیا۔اُس سے بڑھکر اُسنے اسکو ایک ایسی شئے دینے کا وعدہ کیا جو حاکم کی طرف سے محکوم کو نہایت ہی عزیز ہوتی ہے۔یعنی شخصی عزّت اور ادب۔ لیکن باوجود اِن تمام باتوں کے جب وہ ناکام رہا تو زیادہ صبر نہ کر سکا۔"بلق کا غصہ بلعام پر بھڑکا اور اُس نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔" وہ کیوں بے صبر ہُوا؟ اِس لئے کہ وہ سمجھتا تھا کہ بلعام بڑی بے وقوفی کر رہا ہے اور سودا کرنا بالکل نہیں جانتا۔کیا ایک آدمی اپنے ایمان کو روپیہ اور عزّت اور مرتبے کے واسطے نہ بیچے۔ایمان کیا شئے ہے کہ اس کی اِتنی قیمت سمجھی جائے۔ یہ بلق کے خیال تھے۔

علاوہ اِس کے اُس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ خدا اپنے ارادوں میں کیسا مضبوط ہے۔اُس کا خیال تھا کہ جس طرح انسان بدلتا رہتا ہے۔اُسی طرح خدا بھی بدل سکتا ہے۔

اتنا تو اسکو معلوم تھا کہ مذہب ایک ضروری شئے ہے۔اِس لئے وہ مذہبی ہادیوں کی

ظاہرا طور پر عزت کرتا تھا۔ لیکن باوجود اسکے وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح مذہب سلطنت کی حکمت عملیوں کا غلام بن جائے۔ اور سلطنت کے فائدے کے لئے جھوٹ۔ پیچ۔ لالچ۔ رشوت سب جائز ہو جائیں۔ وہ چاہتا تھا کہ مذہبی مدد حاصل کرے اور اس غرض کو پورا کرنیکے لئے بہت سا روپیہ خرچ کرنے کو تیار تھا۔ اُسکو یہ نہ معلوم تھا کہ خدا کے ارادے ازل سے بندھے ہوئے ہیں اور اُن پر کوئی آدمی غالب نہیں ہو سکتا۔ اُسکو یہ نہ معلوم تھا کہ خدا جھوٹ کبھی نہیں بول سکتا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جس طرح سلطنت کی حکمت عملیاں ہر روز اور ہر وقت بدل سکتی ہیں۔ اسی طرح مذہب بھی جدھر بادشاہ چاہیں پھر سکتا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ خدا کے ساتھ بھی اسی طرح چال کھیلے جس طرح کہ مخالف بادشاہوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ پہلے اُسنے خدا کے سامنے تھوڑے جانور قربان کئے۔ پھر اُن کی تعداد زیادہ کر دی۔ بعد ازاں اُس نے قربانگاہوں کی جگہ بدلی کہ شاید یہاں سے خدا پھسلایا جائے۔ اُس نے خدا کو رشوتوں سے راضی کرنا چاہا اور جب دیکھا کہ رشوت کامیاب نہیں ہوتی تو صرف پھسلانا اور راضی کرنا شروع کیا۔ غرضیکہ بلق دُنیاوی آدمیوں کا ایک عجیب اور کامل نمونہ ہے۔

بلق کی باقی زندگی کا حال ہمیں بتایا نہیں گیا۔ غالباً اس پُر معنی سرگذشت کا اس پر چنداں بڑا اثر نہیں ہُوا۔ وہ اپنی راہ گیا۔ اسکے ارادے باطل ہو چکے تھے۔ اُس نے شکست کھائی۔ وہ جا کے اپنے روزمرہ کے کاموں میں مطابق اپنی گذشتہ عادات کے مصروف ہُوا۔ شاید لڑائیوں۔ چالبازیوں اور شان و شوکت کی ضیافتوں میں اس کی باقی زندگی صرف ہُوئی۔ وہ پہلے دُنیادار تھا اور بعد میں بھی دُنیادار ہی رہا۔ اسکے کسی اور بڑے گُناہ کا ذکر لکھا نہیں گیا اس دُنیادار پر خدا نے اپنے تئیں ظاہر کیا۔ لیکن اُس نے خدا کی صُورت نہ پہچانی۔ خدا اسکے پاس سے گذر گیا۔ بلق کی روحانی حالت۔ خدا کو دیکھنے سے پہلے کی نسبت چنداں درست نہ ہُوئی۔ لیکن ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اُسکی حالت پہلے کی نسبت بُری ہو گئی۔ دنیادار پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔

لیکن بلعام بالکل دوسری قسم کا آدمی تھا۔ دُنیادار بلق کی طرح اس کی خصلت بھدی اور بے سمجھ نہ تھی۔ بلکہ اُس کی رُوحانی اور اخلاقی قابلیتیں بڑی گہری تھیں۔ ایسے آدمی خدا کی صُورت دیکھ کر اور مشکل حالتوں میں سے گذر کر پہلے سے نہیں رہ سکتے۔ وہ ضرور بدل جاتے ہیں ممکن نہیں کہ بلعام کی اعلیٰ دیانتداری پر کوئی شک کر سکے۔ اس کے بادشاہ نے بار بار اس کو لالچ دیا لیکن اُس نے حق سے رُوگردانی یا اُسمیں دست اندازی کرنے سے بار بار انکار کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلعام دیانتدار شخص تھا۔ اسکی ہر بات سے راستی اور بیانکاری ظا

ہوئی ہے۔ میں اپنے خدا کے حکم سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ میں نہ اُسکے حکم سے کچھ زیادہ کر سکتا ہُوں اور نہ کم۔ جو لفظ خداوند میرے مُنہ میں ڈالے گا میں وُہی کہونگا۔ اُس نے برکت دی ہے۔ اور میں اُس برکت کو لَوٹا نہیں سکتا۔ یہ سچے اور دیانتدار آدمی کے الفاظ ہیں۔

علاوہ ازیں جس قدر اسکی نیّت صاف اور بلند تھی اُسی قدر اُسکی رُوحانی بینائی بھی تیز تھی۔ اُسکی بابت لکھا ہے کہ وہ خدا کے الفاظ سُنا کرتا تھا اور قادرِ مطلق کی رویتیں دیکھا کرتا تھا۔ بلعام بنی اسرائیل میں سے نہ تھا لیکن جس طرح کوہِ فغور پر کھڑا ہو کر دُور دراز کی زمینوں کو دیکھ سکتا تھا اُسی طرح اپنی رُوحانی تیز نظری سے بنی اسرائیل کی آئندہ تاریخ کے صفحوں کو پڑھ سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان پر لعنت کرے۔ لیکن اُسکی زبان سے برکت کے الفاظ نکلتے تھے۔ اس قدیم زمانہ میں اور اس چھوٹی قوم کے سامنے اُس نے ایک ستارہ کے طلوع کی خبر دی جو طالع ہو کر تمام دُنیا کو اپنی چمک اور جلال سے بھر دینے والا تھا۔ اُسنے ایک بادشاہ کے جلوس کی پیشینگوئی کی جسکی سلطنت بے زوال ہونے والی تھی۔ فی الحقیقت جب اُس نے اپنی بابت کہا۔ کہ میری آنکھیں کھولی گئی ہیں۔ تو اُس نے کوئی شیخی یا بیہودہ خودستائی کا کلم نہیں کہا۔ اگر دُنیا میں کبھی کوئی نبی ہُوا ہے تو بلعام ضرور نبی تھا۔

اپنی دیانتداری اور دُوربینی بلق پر ظاہر کر کے بلعام وہاں سے روانہ ہُوا۔ وہ اُٹھا اور چلا اور اپنے مُلک کو واپس گیا۔ اِسکے بعد کچھ عرصہ تک ہم اُسکی بابت پاک کلام میں کچھ نہیں پڑھتے۔ ہاں تھوڑی دیر کا وقفہ اور خاموشی ہے۔ لیکن بلعام پھر ظاہر ہوتا ہے اور میدان میں آتا ہے۔ اُسکی بعد کی زندگی کی بابت۔ اُسکے گناہ کی بابت۔ اُسکے انجام کی بابت سرسری طور پر تھوڑا سا ذکر ہے۔ اس ذکر کو پڑھکر ہم تعجب کرتے ہیں کہ کیا یہ وُہی بلعام ہے جو ایک زمانے میں ایسا دیانتدار اور سچّا تھا۔ یہ شخص کس طرح اسقدر بدل گیا۔ اسکے گرنے اور اس قدر بد اور ناپاک ہو جانیکا کیا باعث ہُوا۔ کیا یہ وُہی بلعام نہیں جو اسرائیل کی آنے والی بزرگی کو پہلے سے دیکھکر اسکی خبر بلق کو دے رہا تھا۔ اور اب کیونکر یہ شخص اسی قوم کو ذلیل کرنیکے منصوبے باندھتا اور اسکے لئے ترکیبیں نکالتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلعام بلعام نہیں رہا۔ بلکہ بلق ہو گیا ہے۔ اب بلعام بلق کو پھسلاتا اور لالچ دیتا ہے۔ بلعام شیطنت اور بدمعاشی کیلئے ضرب المثل ہو گیا ہے۔ ممکن نہ تھا کہ بلق ایسے بھاری گناہ میں گرفتار ہوتا۔ فی الحقیقت جب رُوحانی آدمی گرتا ہے تو دُنیاوی لوگوں کی نسبت اسکا گرنا زیادہ ہولناک ہوتا ہے۔

فی الحقیقت یہ تبدیلی عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ لیکن تاہم ایسی تبدیلیاں ہم ان دنوں میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور اُن سے سبق حاصل کرنا ہمارے واسطے مشکل نہیں۔ کبھی

ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک شخص جسکو بڑی لیاقت عنایت ہوئی۔ جسکی نظر بڑی تیز تھی۔ جس کے اصول بڑے اعلیٰ تھے۔ ایسے گرا۔ ایسا ذلیل ہوا کہ ایک عام مجرم اور قیدی بھی ایسا ذلیل نہیں ہوتا ایسا حادثہ دیکھکر دل میں خیال آتا ہے کہ انسان کی دیانتداری۔ انسان کی نیک نیتی۔ انسان کی پاکیزگی بلکہ ان تمام چیزوں پر۔ اور خاصیتوں پر جو دُنیا میں سب سے عمدہ اور عزیز معلوم ہوتی ہیں کچھ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ گویا خدا کے نبی خدا کے لوگوں کے رستہ میں ٹھوکر کھلانے والے پتھر رکھتے ہیں۔

کیا بڑے بڑے شاعر جن کی عبارت عمدہ اور خیالات دقیق ہوتے ہیں۔ اور جن کی تصانیف کو لوگ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ کبھی کبھی گندے اور ناپاک اشعار لکھ کر اپنے تئیں خلق خدا کیلئے سدِ راہ نہیں بناتے۔ کیا کیا بڑے بڑے وکیل اور قانون دان اشخاص جنکی عقل کی ساری قوم تعریف کرتی ہے کبھی کبھی کسی چھوٹی سی بات میں بددیانتی یا کمینہ پن ظاہر کرکے خدا کی خلقت پر دھبہ نہیں لگاتے۔ کیا انگلینڈ کے بڑے وزیر اور فیلسوف لارڈ بیکن کی بابت نہیں کہا گیا کہ وہ بنی آدم میں سب سے بڑا۔ سب سے عقلمند اور سب سے کمینہ تھا۔ ایسے واقعات کبھی کبھی دیکھے جاتے ہیں۔ گہری نظر۔ اعلیٰ خیالات۔ فیاضانہ ہمدردی کی طبیعت عقلی مسایل میں عمیق نظر چال چلن اور فرایض کی بابت بڑی پابندی کا خیال۔ روحانی بھیدوں میں کامل دخل۔ یہ سب اعلیٰ لیاقتیں آدمی کو گرنے سے بچا نہیں سکتیں۔ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص جس میں مذکورہ بالا لیاقتیں ہیں گناہ میں گرفتار ہوتا ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ یہ شخص مکار تھا۔ لیکن یہ بڑی جلد بازی۔ غلطی اور بے انصافی کا فیصلہ ہے۔ ایسے حادثوں میں ہمارے لئے بڑے گہرے معنی ہوتے ہیں۔ بلعام ہرگز مکار نہ تھا۔ اسکے ہر لفظ سے صدقِ دلی ظاہر ہوتی ہے۔ ہرگز شک نہیں ہو سکتا کہ جب وہ کہتا تھا کہ میں خدا کے حکم سے تجاوز نہیں کرسکتا کہ اپنے دل کے مطابق نیکی یا بدی کروں۔ وہ تو سچ کہہ رہا تھا اسکی باتیں سچی تھیں۔ لیکن اس کے کام جھوٹے تھے۔

یہ کیونکر ہوا کہ وہ اپنے کاموں میں جھوٹا ہو گیا۔

بلق کے ساتھ جو اسکا تعلق ہوا۔ اس پر سلسلہ وار غور کرو۔ اسکے دل کی خواہشوں کو دیکھو۔ ایک طرف تو اسکی اپنی نفسانی خواہشیں اور لالچ تھا۔ دوسری طرف خدا کا ارادہ تھا جو اُسکو خوب معلوم تھا۔ جو شخص اس بیان کو بغور پڑھتا ہے اس میں اپنی ٹھوکروں۔ اپنی آزمائشوں۔ اپنے دوہلاپن کا حال پڑھتا ہے۔ پہلے بلعام آزمایش کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد مغلوب ہو جاتا ہے۔ اُسکے دل میں شک پیدا ہوتا ہے کہ میری خواہشیں ناجایز ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ خواہشیں بڑا زور پکڑتی ہیں۔ پہلے وہ فتح پاتا ہے پھر شکست کھاتا ہے۔ ہر شخص کی روحانی تمیز اسکو اس قصہ یا تمثیل کا مطلب سمجھاتی ہے۔ پڑھنے والے کو اپنی زندگی میں کوئی گذشتہ مشکل موقعہ یاد آتا ہے اور

اُسکا دل اسکو کہتا ہے یہ بلعام کا قصہ نہیں یہ تو تیرا ہی قصہ ہے۔ بلعام تو تُو خود ہے۔

صاحبِ نظر مانتا ہے کہ اعلیٰ رُوحانی خواہشوں اور پیچ دُنیاوی اِرادوں کے درمیان کیسا شدید جنگ ہوتا ہے۔ بلعام صاف دیکھ رہا تھا کہ میرا دُنیاوی فایدہ کس بات میں ہے۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ دولت اور دُنیاوی مرتبہ حاصل کرے۔ بنی اسرائیل تمام قوموں کو مغلوب کر رہے تھے۔ اِسلئے ضرور بلعام کے دِل میں اُن کی طرف سے دشمنی ہوگی اور اُن پر لعنت کرنا اُن کے لئے ایک پسندیدہ کام تھا۔ بادشاہ پر احسان کرکے اسکو ممنون کرنا بھی ایک بڑا اچھا کام معلوم دیتا تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ خدا راضی نہ ہوتا تھا۔ لالچوں اور ترغیبوں کا ایک بڑا انبوہ اسکے دل کو کھینچ رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف خدا کی مرضی صاف صاف ظاہر تھی اور اسکو دُنیاوی خواہشوں کی طرف سے ہٹا رہی تھی۔

کیا ہماری اپنی زندگی میں ایسا موقعہ نہیں ہُوا؟ اور کیا ہم نے بھی بلعام کی چال اختیار نہیں کی؟ بلعام نے دُنیاوی فواید حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور پھر اس کوشش میں مصروف ہُوا۔ کہ کسی طرح ہیر پھیر کرکے خدا کے اِرادے کو بدل ڈالے۔ اسمیں اتنی دلیری تو نہ تھی کہ علانیہ خدا کے خلاف بغاوت کرتا۔ اسکی رُوحانی تمیز بڑی مضبوط تھی۔ اِس لئے اُسنے حکمتیں ایجاد کرنی شروع کیں۔ وہ یہ کہکر روانہ ہُوا کہ شاید خدا مجھے ملنے آئیگا۔ یعنی اُس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر فی الحقیقت میرا بلق کے پاس جانا غلط ہے تو خدا ضرور مجھے زبردستی روک دیگا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے صاف وصریح فرض سے گریز کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ مختلف پہلوؤں سے خدا کی مرضی پر غور کرنا شروع کرتا ہے اور پہلے کی نسبت زیادہ تر قربانیاں چڑھانے لگتا ہے تاکہ کسی طرح خدا کی مرضی بدلتی یا ٹلتی نظر آئے۔ بلعام ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر جاتا تھا اور اُمید کرتا تھا کہ شاید یہاں سے اسرائیل پر لعنت کرنا ممکن ہو۔ یعنی وہ کام جو پہلے غلط معلوم ہوتا تھا اب جایز نظر آنے لگے۔

جو اشخاص ایسی حالت میں ہوتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے فرض اور خدا کی روشنی سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ اُن کی حالت عجیب ہو جاتی ہے۔ وہ زیادہ عبادت کرنے لگتے ہیں۔ وہ زیادہ خیرات دینا شروع کرتے ہیں اور ایسا کرکے سمجھتے ہیں کہ اب خدا راضی ہوگیا ہے۔ اُس نے ہماری رشوت قبول کرلی ہے اور اب ضرور نہیں کہ وہ خاص کام جس کے واسطے اُسنے ہمکو بُلایا تھا اور جو ہمکو نہایت ہی ناپسندیدہ تھا اسکو ہم کریں۔ خدا کسی آدمی سے کہتا ہے کہ تُو اپنے تئیں میری خدمت کے لئے سپرد کر۔ وہ آدمی خدا کی خدمت ناپسند کرتا ہے۔ اور دُنیاوی عزت چاہتا ہے۔ اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ مَیں خود تو خدا کی خدمت نہ کرونگا۔ لیکن دُنیا میں کوئی بڑا رُتبہ حاصل کرکے خدا کی خدمت کے لئے کسی پادری یا کاٹیکسٹ کو نوکر رکھونگا۔

اِس طرح بلعام اپنی آزمایش کے آس پاس منڈلا رہا تھا۔ وہ پھر پھر کے وُہی کام کرنا چاہتا

ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک شخص جسکو بڑی لیاقت عنایت ہوئی۔ جسکی نظر بڑی تیز تھی۔ جس کے اصول بڑے اعلیٰ تھے۔ ایسا گرا۔ ایسا ذلیل ہوا کہ ایک عام مجرم اور قیدی بھی ایسا ذلیل نہیں ہوتا ایسا حادثہ دیکھکر دل میں خیال آتا ہے کہ انسان کی دیانتداری۔ انسان کی نیک نیّتی۔ انسان کی پاکیزگی بلکہ ان تمام چیزوں پر۔ اور خاصیتوں پر جو دُنیا میں سب سے عمدہ اور عزیز معلوم ہوتی ہیں کچھ بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ گویا خدا کے بنی خدا کے لوگوں کے رستہ میں ٹھوکر کھلانے والے پتھر رکھتے ہیں۔

کیا بڑے بڑے شاعر جن کی عبارت عمدہ اور خیالات دقیق ہوتے ہیں۔ اور جن کی تصانیف کو لوگ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ کبھی کبھی گندے اور ناپاک اشعار لکھ کر اپنے تئیں خلق خدا کیلئے سدّ راہ نہیں بناتے۔ کیا کیا بڑے بڑے وکیل اور قانون دان اشخاص جنکی عقل کی ساری قوم تعریف کرتی ہے کبھی کبھی کسی چھوٹی سی بات میں بد دیانتی یا کینہ پن ظاہر کرکے خدا کی خلقت پر دھبہ نہیں لگاتے۔ کیا انگلینڈ کے بڑے وزیر اور فیلسوف لارڈ بیکن کی بابت نہیں کہا گیا کہ وہ بنی آدم میں سب سے بڑا۔ سب سے عقلمند اور سب سے کمینہ تھا۔ ایسے واقعات کبھی کبھی دیکھے جاتے ہیں۔ گہری نظر۔ اعلیٰ خیالات۔ فیاضانہ ہمدردی کی طبیعت عقلی مسایل میں عمیق نظر چال چلن اور فرایض کی بابت بڑی پابندی کا خیال۔ روحانی بھیدوں میں کامل دخل۔ یہ سب اعلیٰ لیاقتیں آدمی کو گرنے سے بچا نہیں سکتیں۔ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص جس میں مذکورہ بالا لیاقتیں ہیں گناہ میں گرفتار ہوتا ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ یہ شخص مکّار تھا۔ لیکن یہ بڑی جلد بازی۔ غلطی اور بے انصافی کا فیصلہ ہے۔ ایسے حادثوں میں ہمارے لئے بڑے گہرے معنی ہوتے ہیں۔ بلعام ہرگز مکار نہ تھا۔ اسکے ہر لفظ سے صدق دلی ظاہر ہوتی ہے۔ ہرگز شک نہیں ہوسکتا کہ جب وہ کہتا تھا کہ میں خدا کے حکم سے تجاوز نہیں کرسکتا کہ اپنے دل کے مطابق نیکی یا بدی کروں۔ وہ تو سچ کہہ رہا تھا اسکی باتیں سچّی تھیں۔ لیکن اس کے کام جھوٹے تھے۔

یہ کیونکر ہُوا کہ وہ اپنے کاموں میں جھوٹا ہوگیا۔

بلق کے ساتھ جو اسکا تعلق ہُوا۔ اس پر سلسلہ وار غور کرو۔ اسکے دل کی خواہشوں کو دیکھو۔ ایک طرف تو اسکی اپنی نفسانی خواہشیں اور لالچ تھا۔ دوسری طرف خدا کا ارادہ تھا جو اُسکو خوب معلوم تھا۔ جو شخص اس بیان کو بغور پڑھتا ہے اس میں اپنی ٹھوکروں۔ اپنی آزمایشوں۔ اپنے دو دلاپن کا حال پڑھتا ہے۔ پہلے بلعام آزمایش کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد مغلوب ہوجاتا ہے۔ اُسکے دل میں شک پیدا ہوتا ہے کہ میری خواہشیں ناجایز ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ خواہشیں بڑا زور پکڑتی ہیں۔ پہلے وہ فتح پاتا ہے پھر شکست کھاتا ہے۔ ہر شخص کی روحانی تمیز اسکو اس قصّہ یا تمثیل کا مطلب سمجھاتی ہے۔ پڑھنے والے کو اپنی زندگی میں کوئی گذشتہ مشکل موقعہ یاد آتا ہے اور

اسکا دل اسکو کہتا ہے یہ بلعام کا قصہ نہیں یہ تو تیرا ہی قصہ ہے۔ بلعام تو تُو خود ہے۔

صاحبِ نظر مانتا ہے کہ اعلیٰ رُوحانی خواہشوں اور پنچ دُنیاوی اِرادوں کے درمیان کیسا شدید جنگ ہوتا ہے۔ بلعام صاف دیکھ رہا تھا کہ میرا دُنیاوی فائدہ کس بات میں ہے۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ دولت اور دُنیاوی مرتبہ حاصل کرے۔ بنی اسرائیل تمام قوموں کو مغلوب کر رہے تھے۔ اِسلئے ضرور بلعام کے دِل میں اُن کی طرف سے دشمنی ہوگی اور اُن پر لعنت کرنا اُن کے لئے ایک پسندیدہ کام تھا۔ بادشاہ پر احسان کرکے اسکو ممنون کرنا بھی ایک بڑا اچھا کام معلوم دیتا تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ خدا راضی نہ ہوتا تھا۔ لالچوں اور ترغیبوں کا ایک بڑا انبوہ اسکے دل کو کھینچ رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف خدا کی مرضی صاف صاف ظاہر تھی اور اسکو دُنیاوی خواہشوں کی طرف سے ہٹا رہی تھی۔

کیا ہماری اپنی زندگی میں ایسا موقعہ نہیں ہُوا؟ اور کیا ہم نے بھی بلعام کی چال اختیار نہیں کی؟ بلعام نے دُنیاوی فوائد حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اور پھر اِس کوشش میں مصروف ہُوا۔ کہ کسی طرح ہیر پھیر کرکے خدا کے اِرادے کو بدل ڈالے۔ اسمیں اتنی دلیری تو نہ تھی کہ علانیہ خدا کے خلاف بغاوت کرتا۔ اسکی رُوحانی تمیز بڑی مضبوط تھی۔ اِس لئے اُسنے حکمتیں ایجاد کرنی شروع کیں۔ وہ یہ کہکر روانہ ہُوا کہ شاید خدا مجھے ملنے آئیگا۔ یعنی اُس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر فی الحقیقت میرا بلق کے پاس جانا غلط ہے تو خدا ضرور مجھے زبردستی روک دیگا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے صاف و صریح فرض سے گریز کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ مختلف پہلوؤں سے خدا کی مرضی پر غور کرنا شروع کرتا ہے اور پہلے کی نسبت زیادہ تر قربانیاں چڑھانے لگتا ہے تاکہ کسی طرح خدا کی مرضی بدلتی یا ٹلتی نظر آئے۔ بلعام ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر جاتا تھا اور اُمید کرتا تھا کہ شاید یہاں سے اسرائیل پر لعنت کرنا ممکن ہو۔ یعنی وہ کام جو پہلے غلط معلوم ہوتا تھا اب جائز نظر آنے لگے۔

جو اشخاص ایسی حالت میں ہوتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے فرض اور خدا کی روشنی سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ اُن کی حالت عجیب ہو جاتی ہے۔ وہ زیادہ عبادت کرنے لگتے ہیں۔ وہ زیادہ خیرات دینا شروع کرتے ہیں اور ایسا کرکے سمجھتے ہیں کہ اب خدا راضی ہوگیا ہے۔ اُس نے ہماری رشوت قبول کرلی ہے اور اب ضرور نہیں کہ وہ خاص کام جس کے واسطے اُسنے ہمکو بُلایا تھا اور جو ہمکو نہایت ہی ناپسندیدہ تھا اسکو ہم کریں۔ خدا کسی آدمی سے کہتا ہے کہ تُو اپنے تئیں میری خدمت کے لئے سپرد کر۔ وہ آدمی خدا کی خدمت ناپسند کرتا ہے۔ اور دُنیاوی عزت چاہتا ہے۔ اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ میں خود تو خدا کی خدمت نہ کرونگا۔ لیکن دُنیا میں کوئی بڑا رُتبہ حاصل کرکے خدا کی خدمت کے لئے کسی پادری یا کاٹکیسٹ کو نوکر رکھونگا۔

اِس طرح بلعام اپنی آزمایش کے آس پاس منڈلا رہا تھا۔ وہ پھر پھر کے وُہی کام کرنا چاہتا

تھا جو ایک دفعہ اُسے ناجائز بتایا گیا تھا۔ اُس سے پوچھا گیا کہ یہ آدمی جو تیرے ساتھ ہیں کون ہیں؟ اِسی طرح ہر آدمی سے خدا کی آواز پوچھتی ہے۔ کہ یہ ارادہ جو تُو نے اپنے دل میں باندھ رکھا ہے۔ یہ آزمایش جس سے تُو آشنائی پیدا کر رہا ہے کیسی ہے؟ اور اسکا جواب بھی صاف ہوتا ہے۔ خدا کا سُوال اپنا جواب اپنے ساتھ لاتا ہے۔ لیکن پھر بھی آدمی اس امادے کو دفعۃً نہیں کرتا۔ اس کی بابت سوچنے میں ایک قسم کا لُطف ہوتا ہے۔ اور دل میں اُمید ہوتی ہے کہ شاید کسی طرح یہ جایز اور درست ہو جائیگا۔ اس طرح آدمی اپنے تئیں اس ناجایز خواہش کی زنجیروں میں جکڑ تا ہے۔ ابتدا میں ایسی خواہشوں سے گریز کرنا آسان ہوتا ہے اور طبیعت کو بھی اس طرح مضبوطی ملتی ہے۔ علاوہ ازیں آزمایش بھی جلد دفع ہو جاتی ہے لیکن جو ایسا نہیں کرتا۔ جو شخص خواہش کو اپنے دل میں جگہ دیکر اپنے تئیں تسلّی دیتا ہے کہ ہیں تو گر نیکا نہیں۔ مجھے تو معلوم ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ وہ ضرور گُناہ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ بلعام بلق پر بار بار اپنی دیانتداری اس غرض سے نہ ظاہر کرتا کہ بلق کا دل اور ارادہ بدل جائے۔ بلکہ اس کا اپنا دل اندر سے باغی ہو رہا تھا۔ اور وہ بار بار دیانتداری کا اظہار کر کے اپنی تمیز کو دبا رہا تھا۔ اس کے پاؤں پھسلتے جاتے تھے اور وہ اپنے دل کو تسلّی دیتا تھا۔ کہ مَیں تو مضبوطی سے کھڑا ہوں۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک بڑا اجتماع ضدّین پیدا ہُوا۔

خدا نے بلعام سے کہا کہ بلق کے قاصدوں کے ساتھ جا۔ لیکن اس کے جانے سے خدا ناراض تھا۔ کیا خدا کے ارادے متزلزل ہو گئے۔ ظاہراً تو ایسا معلوم ہوتا ہے لیکن اس اجتماعِ ضدّین کے معنی بہت عمیق ہیں۔ رُوحانی عالم میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شخص ایک دفعہ آزمایش سے مغلوب ہو جاتا ہے تو آیندہ کے لئے وہ زیادہ کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خدا کا بنایا ہُوا ہے۔ لیکن وہ کمزوری جو ہمکو اس قاعدہ کے تحت میں لاتی ہے خدا کو نہایت مکروہ ہے۔ اسی قاعدے کے مطابق جب بلعام نے ابتدا میں اپنی آزمایش کے ساتھ کھیلنا شروع کیا تو وہ آزمایش اسکی طبیعت پر رفتہ رفتہ زیادہ زور پکڑتی گئی۔ اِس طرح پر وہ زیادہ پھنستا گیا۔ جس طرح کہ مکھی مکڑی کے جالے میں جس قدر زیادہ نزدیک جاتی پھنستی چلی جاتی ہے۔

لیکن بلعام ابکی دفعہ بچ گیا۔ وہ اپنی بات پر قایم رہا۔ اُس نے برکت کو لعنت سے نہ بدلا۔ اُس نے خدا کی مرضی ظاہر کی۔ وہ بچ گیا لیکن ایسا بچا جیسا کوئی شخص آگ میں جھلس کر بچتا ہے۔ لیکن جب دوسری دفعہ پاک کلام میں ذکر آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بہت ہی بگڑ گیا تھا۔ وہ اس قدر بگڑ چکا تھا کہ اسکا سدھرنا ناممکن تھا۔ اسکی کیفیت ہمیں بتائی نہیں گئی لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسکا آخرکار گر جانا اس پہلی کمزوری کا نتیجہ تھا وہ پہلی دفعہ غالب رہا۔ خدا

کی آواز نے دُنیا کی آواز کو مغلوب کیا۔ لیکن وہ پہلی آزمایش سے بہت دوستی کر چکا تھا۔ وہ اُس پر عاشق ہو چکا تھا۔ ایسا کرنا ہلاکت کو پہنچاتا ہے۔ اِسکے بعد بھلائی اور بُرائی کا فرق اس شخص کے واسطے جاتا رہتا ہے۔ وہ کمزور ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ بچنا تو ممکن ہے لیکن دوسری دفعہ نہیں۔

اس مضمون کے پڑھنے والے اپنی گذشتہ اور موجودہ حالت پر غور کریں اور بلعام کے قصّے سے اپنا مقابلہ کریں۔ اے پڑھنے والے کیا تو اپنی حالت سے واقف ہے۔ پاک کلام میں بلعام کا الہامی بیان خاص تیری آنکھیں کھولنے کے لئے لکھا گیا ہے۔

دو جاپانی جاسوسوں کا مُقدمہ

لاتسین کے اخبار "نوویلیٹی واوڈویس" میں مسٹر پرلوڈائن نے ایک مضمون لکھا ہے۔ کہ "ایک رُوسی بحری افسر جو ابھی ہاربن سے واپس آیا ہے۔ اُس نے دو جاپانی جاسوسوں کے آخری وقت کے مندرجہ ذیل حالات مجھے سُنائے۔ جو ہنوز شایع نہیں ہُوئے۔

اِن جاپانی جاسوسوں کو روسی کاسکوں نے اُس وقت گرفتار کیا تھا جب وہ منچوریا کی ریلوے لائن پر ڈائنامیٹ کے ذریعے سے ایک پُل کو اُڑانے والے ہی تھے۔ میرا ایک مخبر جو نوجوان افسر ہے عین عالم شباب میں بندر آرتھر کی پہلی گولہ اندازی میں سخت مجروح ہُوا۔ اسکو علاج کرانے کی غرض سے اٹلی جانے کے واسطے رُخصت دے دی گئی۔ لیکن روانہ ہونے سے پیشتر وہ ہاربن میں اپنے دوستوں سے ملنے اور رُخصت ہونیکے واسطے گیا۔ وہ ہاربن میں اُسوقت پہنچا۔ جبکہ دو جاپانی مذکورہ بالا جُرم میں گرفتار ہُوئے تھے۔ اور تحقیقات کے بعد اُنکو گولی سے مار دیا گیا تھا۔ میں نے اُس سے دریافت کیا کہ جسوقت وہ لوگ مارے گئے۔ تو تُم موجود تھے اسکے جواب میں اُس نے کہا۔ کہ میں نے ان کو مرتے ہُوئے دیکھا۔ اور مجھے ایسا کہنے سے افسوس ہوتا ہے۔ لیکن مجھے متعجب اور متحیّر دیکھکر اُس نے کہا۔

مجھے آپ اندکسٹ خیال نہ کریں۔ میرے دل میں حب الوطنی بہت زیادہ ہے۔ میری دلی آرزو تھی کہ جاپان کے ساتھ جنگ و جدل ہو۔ میں مُدّت سے خواہشمند تھا۔ کہ جاپانیوں کو شکست کھاتے اور ٹوکیو میں اُن سے صلح کی شرایط لکھواتے ہُوئے دیکھوں۔ لیکن جب اپنے سب ہمراہیوں کے ساتھ میں نے اُن دو جاپانی افسروں کو جنہوں نے بڑی شجاعت اور بہادری سے اپنی جانوں کو اپنے مُلک پر قربان اور فدا کر دیا۔ اِن جاپانی افسروں کو اپنے روسیوں کی گولیوں سے مرتے

ہُوئے دیکھا۔ تو بیساختہ میرے دل میں یہ خیال گذرا۔ کہ یہ آدمی بہت بدنصیب تھے۔ میں نے پُوچھا کہ تم مقدّمہ کی تحقیقات کے وقت موجود تھے۔ جس کے جواب میں اُس نے کہا "ہاں میں موجود تھا میں نے پہلے دونوں سپاہیوں کو گرفتار ہوتے دیکھا۔ میں کورٹ مارشل میں بھی گیا۔ اور اُن کے قتل کے وقت بھی موجود تھا۔ میں آپکو اُن کے مفصل حالات سُناؤں گا۔

اس خوفناک نظّارہ کے خیال سے میرا دل کانپ اُٹھتا ہے۔ اور میں اسکو بھُول نہیں سکتا ہُوں۔ خاصے آدھ گھنٹہ تک وہ بیمار افسر مجھے حسب ذیل تذکرہ سُنانے میں مصروف رہا۔ لیکن جب اسکے دہنے گھٹنے میں جو جاپانیوں کے ایک گولے کے ٹکڑے سے ٹوٹ گیا تھا. درد تیز ہو جاتا۔ تو وہ صرف ایک لمحہ کے واسطے خاموش ہو جاتا۔

"میں آپکو یقین دلاتا ہُوں کہ جب اِن دونوں ملزموں کو ایک چینی مکان کے چھوٹے سے کمرے میں لے گئے۔ جسکو ہاربن کے فوجی حکّام نے کورٹ مارشل ہال بنالیا تھا تو عام لوگوں کی طرح جن میں اکثر افسر بھی تھے۔ ججوّں نے بھی بیساختہ اُن بدنصیب جاپانیوں کے جوش اور ہمّت کی تعریف لی۔ بہرکیف اعلیٰ خیالات نے اُنکو اس کام کی ترغیب دی تھی۔ اور حُبّ الوطنی کے جوش میں اُنہوں نے مصمّم ارادہ کرلیا تھا کہ ملک کے واسطے نصرت اور فتح مندی حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اُنہوں نے بحیثیت سپاہی ہونے کے اپنے افسروں کے حکم پر موت کے مُنہ میں جانے میں ذرا سا بھی پس وپیش نہ کیا۔

فوجی عدالت کی کارروائی بالکل سادہ تھی۔ اور مقدّمہ کی سماعت میں بھی کچھ دلچسپی نہ تھی۔ مجرموں نے اس جُرم کا جو اُن سے سرزد ہوا تھا۔ کُھلّم کُھلّا اقرار کرلیا۔ اور اپنی حُبّ الوطنی پر فخر ظاہر کیا۔ اُنہوں نے بغیر کسی قسم کا خوف کھائے ہُوئے اپنا نام اور عہدہ بتا دیا۔ اِن دونوں قیدیوں میں سے بڑے تھے۔ جو پستہ قد۔ طاقتور اور توانا اور فربہ تھا۔ کہا کہ میرا نام "توموجوکا" اور عمر چوالیس سال کی ہے۔ سٹاف کا کرنیل ہُوں۔ اوتیدو کے فوجی دارالعلوم میں اوّل نمبر میں کامیاب ہُوا تھا۔ دوسرے نے جو اپنے ساتھی کی نسبت قد میں لمبا اور دُبلا تھا۔ اور جسکا چہرہ کم زور اور گندمی رنگ کا تھا۔ کہا کہ میرا نام "ٹیشکوجوکی" اور عمر اکتیس سال کی ہے۔ اور سٹاف کا کپتان ہوں۔ اُس نے اپنا نام بتانے کے وقت سب لوگوں کو جو عدالت میں حاضر تھے کسی قدر حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اُسنے کہا کہ میں بودھ مذہب کا پیرو ہُوں"۔

اس پر حاکم عدالت نے اس کرنیل سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا مذہب بھی وُہی ہے جو تمہارے ساتھی ملزم کا ہے؟

اُس نے جواب دیا نہیں جناب میں عیسائی ہُوں۔

اپنے اس بیان پر جب اس نے سب کو متعجب و متحیر دیکھا تو اُسنے فوراً کہا۔ کہ میں ہر اعتبار سے ایک پکا جاپانی ہوں۔ اور میرے والدین بھی جاپانی ہی تھے۔ لیکن ایام جوانی میں ایک عیسائی کی میٹھی میٹھی باتوں نے میرے دل کو اپنا گرویدہ بناکر مجھے مغلوب کرلیا۔ پس اُسی وقت میں نے اپنے آبائی بودھ مذہب کو چھوڑ کر مذہب عیسوی اختیار کرلیا۔

کرنیل "جوکوکا" نے انگریزی میں گفتگو کی۔ اور ایک شخص جو ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی رعایا میں سے تھا اور روسی چینی بنک میں ملازم تھا۔ اسکے بیانات کا ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ اور ایک چینی کپتان "جوکی" کے ترجمان کا کام انجام دیتا تھا۔ بم کے گولے جوان جاپانیوں کے پاس سے برآمد ہوئے تھے۔ وہ اُنکو دکھائے گئے۔ لیکن اُنہوں نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ اور انکا بیان کاسکوں کے بیان کے ساتھ جنہوں نے انکو گرفتار کیا تھا ہر ایک بارہ میں متفق تھا۔ اسکے بعد ترجمان نے اِن دونوں جاپانی مقید افسروں کو حاکم عدالت کے حکم اور اس الزام کا ترجمہ کرکے سُنایا۔ جواُن پر لگایا گیا تھا۔ اور یہ بتایا کہ تمہارے واسطے پھانسی دیئے جانے کا حکم ہے۔

جس وقت یہ ترجمہ اُنکو سُنایا گیا۔ تو میں اِن دونوں کے چہروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن انکے جسموں میں ذرا بھی جنبش یا لرزش پیدا نہ ہوئی وہ بتوں کی مانند بےحس و بیجان نظر آتے تھے۔ اُن کی ظاہری حالت سے ان کی اندرونی پریشانی نام کو بھی معلوم نہ ہوتی تھی۔ اُن کے وکیل نے سزائے موت کے حکم پر عذر کرکے کہا کہ چونکہ انہوں نے اپنے جرم سے کماحقہ اقرار کرلیا ہے۔ اس وجہ سے بجائے سزائے موت کے قید بامشقت کی سزا زیادہ مناسب ہے۔

صفائی کی تقریر نے ان دونوں قیدیوں پر کچھ اثر نہ کیا۔ اور وہ ویسے ہی خاموش کھڑے رہے۔ چونکہ ہم سب جانتے تھے کہ اس سخت سزا میں قانوناً تخفیف ہوسکتی ہے اس وجہ سے ہم سب کا خیال تھا کہ سزائے موت کی بجائے اور کوئی سزا ملیگی۔ جو کسی قدر کم ہوگی۔ لیکن آدھ گھنٹہ کے بحث و مباحثہ کے بعد عدالت نے دونوں افسروں کو پوری سزا یعنی پھانسی کا ہی حکم دیا۔ "جوکوکا" اور "جوکی" نے یہ حکم ایسی لاپروائی سے سُنا گویا اسکا ان سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ وہ کسی اَور کے واسطے تھا۔ اگر اس سے کچھ ہلکی سزا کا اُن کو حکم دیا جاتا تو ضرور اُن کو تعجب ہوتا۔

اِس حکم کی تعمیل دوسرے دن علی الصباح ہونے کو تھی۔ صرف جنرل کروپٹکن کی منظوری کا انتظار تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی ہمارے کمانڈرانچیف کا ایک تار آیا جس میں اس حکم کی منظوری تھی۔ لیکن اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ جاپانی قیدیوں کے مرتبہ کا خیال کرکے پھانسی دے کر قتل کرنے میں اُن کی توہین ہوگی۔ پس بہادر سپاہی ہونے کی وجہ سے اُن کی موت بھی عزت کے ساتھ ہونی چاہئیے۔ لہذا ان کو گولی مار کر قتل کردینا چاہئیے۔

جس وقت کمانڈنٹ نے جنرل کروپٹکن کا حکم قیدیوں کو پڑھکر سنایا۔ اس وقت میں وہاں موجود تھا۔ "جوکوکا" نے اسکے جواب میں کہا۔ "یہ حکم بالکل مناسب ہے۔ میں اسکے واسطے آمادہ ہوں"۔ لیکن اسکے ساتھی نے کچھ نہ کہا۔ بلکہ اس کی حقارت آمیز نظروں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ موت جو اسکی تاک میں کھڑی ہے اسکی اُسے کچھ بھی پرواہ نہیں۔

"جوکوکا" نے اپنے خاندان کو اپنی قسمت کے آخری فیصلہ لکھنے کی اجازت مانگی۔ اور "جوکی" سے بغلگیر ہوکر بولا۔ اس وقت جوکی نے اپنے ہونٹ کھولے اور کہا۔

"کرنیل! میں آپ کی نسبت زیادہ چین اور صبر سے مرتا ہوں"۔

دوسرے نے پوچھا "یہ کس طرح؟"

اُس نے جواب دیا کہ "میں نے اپنے مُلک اور خالق کے فرض کو ادا کیا۔ لیکن تم نے صرف اپنے مُلک ہی شکر یہ حاصل کیا ہے"۔

اُس نے کہا۔ "کپتان صاحب! آپ کی اس سے کیا مُراد ہے؟" اُس نے جواب دیا "کرنیل صاحب! میں نے اکثر اوقات اس بات پر غور وخوض کیا ہے۔ جو آپنے مجھے دینِ عیسوی کے متعلق بتائی ہے۔ آپکو اسکا فخر ہے کہ عیسوی مذہب کو میرے مذہب پر فضیلت ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تکو اپنے مسیح کی تعلیم پر اعتقاد اور بھروسہ نہیں۔ مگر میرے لئے اس وقت کوئی بات ایسی نہیں۔ جس کی وجہ سے میں اپنے آپکو ملامت کروں"۔

کرنیل نے جواب دیا۔ "غالباً آپکا خیال صحیح ہے۔ لیکن اب میں آپ سے ایک بات دریافت کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ کیا آپ مجھے دینِ عیسوی کا وہ کام کرنے کی اجازت دینگے۔ جس کی مجھے عمر بھر اجازت رہی ہے؟ آپکو معلوم ہے کہ میرے پاس ابھی چینی خزانے کے نوٹوں کا ایک بنڈل ہے جو غالباً ایک ہزار روبل کے برابر ہیں۔ میں یہ روپیہ بذاتِ خود کمانڈنٹ کے ہاتھ میں دینا چاہتا ہوں تاکہ وہ یہ رقم ہمارے غنیم کے مجروحوں کے علاج معالجہ کے واسطے ریڈکراس کو دیدے۔ کیا آپ میرے اس خیال سے متفق ہیں؟

جوکی نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا۔ "کرنیل صاحب مجھکو ہمیشہ سے آپکے ساتھ بڑی محبت اور الفت ہے۔ اگر آپکو یہ بات اچھی معلوم ہوتی ہے۔ تو آپ یہ رقم اپنے دشمنوں کو دے دیجیے"۔

جب کمانڈنٹ قیدیوں کے پاس واپس آیا۔ تو جوکوکا نے بنک کے سفید نوٹوں کا ایک بنڈل اسکو دیا۔ جن پر سُرخ نشان لگے ہوئے تھے۔ اور یہ کہا کہ یہ تقریباً ایک ہزار روبل ہیں۔ یہ رقم اپنے ریڈکراس کو دیدیں"۔

کمانڈنٹ نے جواب دیا۔ کہ بہتر ہوگا۔ اگر میں یہ روپیہ آپکے عیال واطفال کو روانہ کر دوں۔ ان دونوں مجرموں نے یکزبان ہو کر کہا۔ "نہیں! نہیں!! میکاڈو ہماری عورتوں اور بچوں کو نہیں بھولیگا۔" اور جوکوکا نے کہا۔ کہ ہمکو اسکا اطمینان ہے۔ اِس سے تم اِنکار نہ کرو۔ اِس رقم کو لے لو اور اپنی فوج کے مجروحوں کو بانٹ دو۔"

کمانڈنٹ نے پھر بھی اصرار کیا۔ اور کہا کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے تمہیں اپنے گھروں کو ہی بھیجدینا چاہیئے۔

جوکی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا۔ پھر اُسنے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ لیکن اُس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں نے اپنی عمر میں جو گناہ کئے ہیں اُنکا اس طرح کفارہ دینا چاہتا ہوں۔ اِس پر کپتان نے اپنا سر جھکالیا۔ اور آخرکار اپنے ہم پیشہ بھائی کی خواہش کو منظور کر لیا۔ ہمارے کمانڈنٹ نے بھی اُسکو قبول کر لیا۔ پھر اُس نے دونوں جاپانیوں سے پوچھا کہ آپ کو کسی چیز کی تمنا یا خواہش ہے۔

بودھ مذہب والے نے جواب دیا کہ میں غسل کرنا چاہتا ہوں۔ بعد ازاں تمکو اختیار ہوگا۔ کہ جیسا چاہو۔ ہمارے ساتھ سلوک کرنا۔ چونکہ ہاربن کے لوگ غسل خانہ اور اسکے فوائد سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اِس وجہ سے کمانڈنٹ نے پانی کے دو ڈول منگوائے اور سنتریوں کو دور چلے جانیکا حکم دیا۔ تاکہ وہ بدقسمت آدمی بغیر شرمائے ہُوئے نہالیں۔

عیسائی کرنل نے بڑے شوق سے التجا کی کہ مرنے سے پہلے میں ایک پادری سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ وہاں کوئی لوتھرن پادری نہیں تھا۔ اسلئے رجمنٹ کے رُوسی پادری کو اسکے پاس بھیجدیا گیا۔ جوکوکا نے پادری سے عرض کی کہ مجھے وہ وعظ سُناؤ جو مسیح نے پہاڑی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو سُنایا تھا۔ چنانچہ اُس پادری نے روسی زبان میں وہ وعظ بیان کیا۔ لیکن جوکوکا وُہی آیات اپنی جاپانی انجیل میں پڑھتا جاتا تھا۔ جو اس کے پاس کوٹھری میں رکھ دی گئی تھی۔ جب پادری یہ الفاظ پڑھنے لگا۔ "اگر تم صرف اُن سے محبت کرتے ہو جو تم سے محبت کرتے ہیں تو تمکو اسکا کیا ثواب ملیگا؟ اگر تم صرف بھائیوں کا ہی خیر مقدم کہتے ہو تو پھر اصلی نیکی کہاں ہے؟" جوکوکا نے کتاب بند کر لی اور دونوں ہاتھ ملاکر تھوڑی دیر سجدہ میں رہا۔ اور کچھ ہونٹوں میں بھی کہتا رہا۔ اُس نے کہا "جوکی تم سچ کہتے ہو۔ تم میری نسبت زیادہ چین اور امن سے وفات پاؤگے۔ کیونکہ مجھے یہ کبھی خیال نہیں آیا کہ میری زندگی کا کس قدر حصہ مسیح کی تعلیم اور ہدایتوں کے موافق صرف ہُوا ہے۔"

وہ گاڑی جس میں اِن دونوں جاپانیوں کو اپنے مقتل تک جانا تھا۔ اب اِن کے انتظار

میں کھڑی تھی۔ عدالت کے کمرہ کے باہر لوگوں کا اژدہام موجود تھا جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر ہُوا کرتا ہے۔ سوداگر لوگ بیکار پھر رہے تھے۔ اور ثابت قدم جانباز لوگ مشرق الاقصیٰ میں یہ عجیب و غریب کام دیکھنے کے واسطے جمع تھے۔ اس کے بعد دونوں جاپانی ہمیشہ کے لئے اپنے مقتل کو روانہ ہُوئے۔ اس وقت صرف کرنیل کی شکل وشباہت سے اسکے تکلیف دہ خیالات کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہاں پہنچکر دونوں جاپانیوں نے اپنے سگرٹوں کو جلایا۔ اور عرض کی کہ ہمکو ٹکٹکی سے نہ باندھا جائے۔ پھر کمانڈنٹ نے اپنی جیب سے دو رومال نکالکر قیدیوں کو دے دیئے۔ جوکو کا نے خود اپنی آنکھوں کو رومال سے باندھ لیا۔ لیکن جوکی نے بنظر حقارت انکار کر دیا۔ اور کہا۔ کہ میں خود اپنے آپ کو قتل ہوتے ہُوئے دیکھنا چاہتا ہُوں۔ کرنیل کے سامنے بارہ سپاہی تعینات تھے۔ اور ایسی طرح بارہ سپاہی کپتان کے سامنے کھڑے کر دیئے گئے۔ کمانڈنٹ نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔ کہ اگر تمکو ان بدقسمت آدمیوں پر کچھ بھی رحم ہے۔ تو ان کے دلوں پر گولی کے نشانے مار دو۔ تاکہ وہ فوراً مر جائیں۔ اور ان کو موت کی کچھ تکلیف محسوس نہ ہو۔ بس اس کے کہنے پر فوراً گولیوں کی باڑ مار دی گئی۔

جوکوکا بائیں طرف گرا۔ اور جوکی جس نے اپنی آنکھوں کو رومال سے نہیں باندھا تھا۔ سامنے کو گر گیا۔ گولیوں نے دونوں جاپانیوں کے دلوں کو چھلنی کر دیا۔ ہمارے نیک سپاہیوں کو اس وقت ان کی حالت پر بہت رحم آیا۔" جس وقت اُس رُوسی افسر نے جس نے یہ واقعات مجھ سے بیان کئے اپنی تقریر کے آخری جملے کہے۔ تو اُس کی آواز کانپنے لگی۔ اور بے اختیاری سے اس مجروح کا گھٹنا بھی جنبش کھا گیا۔ اُس نے کہا۔ کہ "وہ جاپانی تو مر گئے۔ اور اگرچہ میری ٹانگ کو بیکار کر گئے۔ مگر مجھکو اس کی کچھ پرواہ نہیں اور میں ان دونوں کی موت پر افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

اسی روسی افسر کو جو خود جاپانیوں کے گولوں کا شکار بنا ہُوا تھا۔ اپنے دشمن جاسوسوں کی موت سے اس قدر متاثر ہوتے دیکھکر مجھے فوراً ورلیسٹ چگین ایک رُوسی مصوّر کا مقولہ یاد آگیا۔ وہ یہ ہے کہ "دو لڑنے والوں کی جرأت و بہادری جنگ کے واسطے بڑی رُکاوٹ پیدا کر دیتی ہے۔" اور در حقیقت یہ سچ ہے۔ کہ جہاں ایک کو دوسرے کی عزت و تعریف کا خیال ہو۔ وہاں کوئی ایک دوسرے کو کیونکر ہلاک کر سکتا ہے۔ (پاؤنیر-۱۹ اگست)

پریذیڈنٹ کروگر آنجہانی

ٹرانسوال کی جمہوری سلطنت کے آخری پریذیڈنٹ پال کروگر کو ملکی معاملات میں بحث کرنے والے خواہ کیسی بُری نظر سے دیکھیں۔ اس ایک بات کی نسبت سب متفق الرائے ہیں کہ وہ قدیم زمانہ کے بزرگوں کے نمونہ پر ایک ایماندار مجذوب تھا۔ انگلستان کے مشہور و معروف ماہواری رسالہ ریویو آف ریویوز کے ایڈیٹر مسٹر سٹیڈ نے پریذیڈنٹ صاحب موصوف کے آخری ایام میں اُنسے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ وہ جو پیشتر شیرِ نر کی صورت رکھتا تھا۔ اور ٹرانسوال کے پُرفضا میدانوں میں عمر کا بہت سا حصّہ آزادی میں بسر کر چکا تھا۔ اب یورپ کی تنگ و تاریک آبادی میں پژمُردہ نظر آیا۔ پاس ایک میز رکھی تھی جس پر اُن کی کھلی بائبل پڑی ہوئی تھی۔ مسٹر سٹیڈ نے ملکی معاملات پر گفتگو کرنا چاہا۔ مگر مسٹر کروگر نے قطعاً اس سلسلہ کو چھیڑنے سے گریز کیا۔ لاچار مسٹر سٹیڈ نے دینی بات چیت شروع کی اور دریافت کیا کہ اب جنگ کے بعد آپ کی قوم کا ایمان تو بائبل کی نسبت ڈھیلا پڑ گیا ہوگا۔ ان کو کامل یقین تھا کہ خدا اُن کو فتحیابی بخشے گا۔ مگر اب انکا کیا حال ہے۔ کروگر صاحب نے جواب دیا کہ شاید بعض کا ایمان ہل گیا ہو مگر بحیثیت قوم اُن کے ایمان میں جنبش واقع نہیں ہوئی۔ پھر سٹیڈ صاحب نے دریافت کیا کہ آپ بائبل کو کیونکر مطالعہ کرتے ہیں۔ یعنی کس خاص ترتیب سے آپ اُسکو پڑھتے ہیں۔ اور کونسا حصّہ خصوصاً آپکو مصیبت کے ایام میں کارآمد معلوم ہُوا ہے۔ اُس نے کتاب مقدّس کے ورق اِدھر اُدھر اُلٹا کر کر جواب دیا کہ "بائبل کا کوئی ایسا حصّہ نہیں کہ جس میں سے چند آیات ایسی نہ نکل سکیں۔ جو خداوند کی طرف سے خاص پیغام نہ ہوں۔ شاید اوّل اوّل ایسا معلوم نہ ہو مگر پڑھتے جاؤ۔ اور وہ خاص آیات تمہاری طرف خود بخود دوڑتی چلی آئیں گی"۔ بعد ازاں سٹیڈ صاحب نے پوچھا کہ آپنے اپنی سوانح عمری لکھی ہے۔ مگر کیا اچھا ہو اگر آپ ایک مختصر رسالہ اِس مضمون پر بھی تحریر فرمائیں کہ "بائبل اور اُس نے میری کیونکر مدد کی ہے"۔ اُسنے کہا کہ "مَیں اس قسم کی کتاب نہ لکھونگا"۔ مسٹر سٹیڈ نے سمجھایا کہ کیا یہ آپکا فرض نہیں ہے کہ آپ دُنیا کو اپنے تجربوں سے مستفید کریں۔ دُنیا میں آپ ایک چیدہ آدمی ہیں۔ اور

آپ کی قوم کی بہادری دیکھکر ایک عالم عش عش کر رہا ہے ۔ یہ کتاب آپکی رہنما اور مشیر
رہی ہے ۔ اگر آپ اپنے خیالات کا اظہار کریں ۔ تو جو لوگ اس کتاب کو کبھی نہیں پڑھتے ۔ کیا
اُن کے دل میں بھی اِس کے مطالعہ کا شوق پیدا نہ ہو جائیگا؟ پریذیڈنٹ کروگر نے سر ہلا کر
جواب دیا کہ بائبل خدا کا کلام ہے ۔ اور وہ خود اپنی سفارش کرنے والا ہے ۔ کسی انسان کی
مدد کا محتاج نہیں ۔ سٹیڈ صاحب نے بجد ہو کر کہا کہ عوام جو اسکو باطل سمجھ کر کھولتے بھی نہیں
وہ اسکو کیونکر پڑھنا شروع کریں ۔ وہ جانتے ہیں کہ آپکا اعتقاد اِس کتاب پر کیسا مضبوط ہے
اگر آپ اُنکو اپنے تجربے سے کچھ بتا سکیں تو شاید وہ اس کتاب کو ماننے لگیں ۔ مسٹر
کروگر نے ایک نہ مانی ۔ آخر جب مسٹر سٹیڈ نے سخت تقاضا کیا تو آپ نے اپنے ترجمان سے
کہا کہ مسٹر سٹیڈ کو سمجھا دو کہ ذرا اپنی انجیل کو کھول کر دیکھے ۔ اور دولتمند اور لعذر کا حال یاد
کرے ۔ دولتمند نے لعذر کو ابرہام کی گود میں دیکھکر درخواست کی کہ کسی کو بھیجکر میرے
بھائیوں کو آگاہ کرو کہ وہ توبہ کرکے دوزخ سے بچ جائیں ۔ مگر خداوند نے فرمایا کہ " اگر وہ
موسیٰ اور انبیا کی نہیں سُنتے تو اگر کوئی مُردوں میں سے جی اُٹھے تو اُسکی بھی نہ سُنیں گے "۔ یہ
بات اب بھی صادق آتی ہے ۔ جن لوگوں کا ذکر آپ کر رہے ہو اُن کے پاس موسیٰ اور
انبیا ہیں ۔ اور اگر وہ ان پر ایمان نہیں لاتے ۔ تو اگر پال کروگر ایک کتاب لکھکر اُنکو سمجھائے
تو اسکی بھی کبھی نہ مانیں گے ۔

اپنے احباب کے گھر میں

از اے ڈی

دُشمن کی تلوار ایسی برّاں نہیں ہوتی ۔ جیسے دوست کے ہاتھ میں گلاب کا پتہ۔

اسکے معنی صاف ظاہر ہیں ۔ اور اسکا نتیجہ مقبولِ عام ۔ ہم سب جانتے ہیں کہ دل ضرب
کی سختی سے مجروح نہیں ہوتا بلکہ اُس ہاتھ سے جو ضرب لگاتا ہے " اگر کوئی دُشمن ہوتا ....
لیکن یہ تو تو میرا دوست تھا "۔ دوست کے اختیار میں بہت کچھ ہے ۔ تھوڑی سی بات سے
وہ ہمیں بڑی خوشی پہنچا سکتا یا درد۔

یہ پیغام اور نصیحت دوستوں کے لئے ہے ۔ اور پھول کی پتیوں کی نسبت چند تنبیہی الفاظ۔
وہ لفظ جو پھول کے پتے سا ہلکا جس سے شک تشریح ہوتا ہے ۔ وہ لہجہ جو پھول کی خوشبو سا

محسوس لیکن جس سے حقارت ظاہر ہوتی ہے ہم سب ان سے واقف ہیں وہ گل صد برگ کی پتیوں سے متعدد ہیں اور افسوس ایسی پتیاں ہر ایک ہوا کے جھونکے سے ہلتی ہیں۔

دوست تو خدا کی طرف سے ایک تحفہ ہے۔ اُسے ایسی ضربوں سے بچائے رکھو۔ "ایک دوست ایسا ہے جو بھائی سے زیادہ رفاقت کرتا ہے۔" یسوع گنہگاروں کا دوست۔ خدا کے فضل سے ہم اسکو اپنا "دوست" کہہ سکتے ہیں۔ ہماری تقصیروں کے لئے وہ گھایل کیا گیا۔ تلوار اُس پر پڑی۔ اُس کے دشمنوں نے اُسے صلیب دیا لیکن اسکے دوستوں کی سناؤ۔ اُنہوں نے اُس سے کیا سلوک کیا؟ احباب کے گھر میں اسکا دل اکثر زخمی ہوا۔ وہ اسکی سیرت اور مزاج سے بخوبی واقف نہ ہوتے "میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا تو مجھے نہیں جانتا" وہ اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پطرس نے اُسکا انکار کیا اور خداوند نے بڑی پُر درد نگاہ سے اُس پر نظر کی۔ یہ ہے ہمارا دوست۔ کیا ہم اُسے درد پہنچاتے ہیں؟ جس لفظ سے اُسکے چھوٹے سے چھوٹے فرزندوں کو درد پہنچا اسکا دل بھی مغموم ہو جاتا ہے۔ جو نگاہ ایک چھوٹے بچے کو پریشان خاطر کرتی وہ اُس شرم و لعنت کو یاد دلاتی ہے۔ جو اُس نے ہماری خاطر اُٹھائی۔ جب کبھی ہم کسی انسانی دوست کو رنج دلاتے تو دوگنا گناہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ہم دوستوں کے دوست کو رنج دلاتے ہیں۔

گلاب کی پتی ایک بڑی زبردست تلوار ہے لیکن وہ دونوں طرف کاٹتی ہے۔ اِس سوال کے دو پہلو ہیں۔ دوست اگر چھوٹی سی مہربانی بھی کرے تو وہ بڑی معلوم ہوتی ہے۔ دوست کی نگاہِ شفقت آمیز سے ہی جان میں جان آجاتی ہے۔ اور اس کے چھونے ہی سے دل کی بے چینی کافور ہو جاتی۔ بات تو کچھ نہیں لیکن اگر دوست کی طرف سے یہ نعمت ملے تو کیسی گرانقدر ہے۔ ایسی چیزوں کی خوشبو ہمیشہ تک رہتی ہے۔ اور اگر مسیح کے نام سے کی جائے تو اُس کی بُوئے خوشگوار سے سارا مکان مہک جاتا ہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہم سب کے اختیار میں ہیں۔ ہم میں سے کوئی ایسا غریب۔ یا کمزور یا گمنام نہیں۔ کہ ایسا کر نہ سکے۔ بچے بھی تھکے ماندے مردوں کی راہ میں پھول بچھا سکتے ہیں۔ ایسوں ہی کی بابت لکھا ہے کہ آسمان کی بادشاہت اِن کی ہے۔ ہم اِن چھوٹوں اور اِن کے پیارے کاموں کو حقارت سے نہ دیکھیں۔ کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ بڑے بڑے کام کرنے کی تلاش میں ہم خدا کے کلام کو روزمرہ زندگی میں پورا کرنے میں قاصر رہتے ہیں۔ زندگی کے خاتمہ پر اِن چھوٹے چھوٹے روزانہ کاموں کی جمع بڑی بھاری ہے۔ ایسے کام اگر صبر و محبت سے کئے جائیں اور اُنکو انجام دیتے ہی ہم بھول جائیں تو ہمیں پھر اُسوقت ملیں گے جب باپ

اپنے بچوں کو گھر بُلائیگا۔

سلویشن آرمی کی کانگریس

موجودہ زمانہ اشتہاروں اور کانگریسوں کا زمانہ ہے۔ جب تک کوئی انتظام دُنیا پر ظاہر نہ ہو اسمیں دلچسپی کیونکر پیدا کی جائے۔ اور جب تک دلچسپی نہ ہو کون اپنے روپیہ پیسہ سے مدد کرنے کو تیار ہوگا۔ مگر کانگریسوں میں شاید فقط خودنمائی یا دلچسپی پیدا کرنا ہی اعلیٰ مقصد نہیں ہوتا۔ مختلف ممالک اور علاقہ جات کے شرکاء ایک دوسرے سے بلکہ تقویت اور ہمت حاصل کرتے ہیں۔ ورنہ ہم نہیں سمجھتے کہ سلویشن آرمی کو کیا فائدہ تھا کہ زرکثیر خرچ کرکے ہندوستان وغیرہ ممالک سے ایسے لوگوں کو انگلستان میں جمع کیا جائے۔ جہاں کی زبان کا ایک حرف تک وہ لوگ جانتے نہیں تھے۔ حال ہی میں جو کانگرس سلویشن آرمی کی انگلستان میں منعقد ہوئی وہ اپنی طرز پر ایک عجیب مجمع تھا۔ کچھ عرصہ پیشتر جنرل بوتھ صاحب کو شاہ والاجاہ نے محل خاص میں شرف باریابی عطا کیا۔ اور مُکتی فوج کے حالات سُنکر کمال خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور جو جلسہ ہونیوالا تھا اسکے تمام شرکا کو خیر مقدم کا پیغام بھیجا۔ کورٹ سرکلر میں جنرل بوتھ صاحب کو "پادری ولیم بوتھ۔ سلویشن آرمی کا کمانڈر انچیف" کے خطاب سے نامزد کیا گیا۔ بعد ازاں لنڈن کے حاکم اعلیٰ نے بھی شہر لنڈن کی طرف سے دلی مُبارکبادی کا پیغام بھیجا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ سلویشن آرمی کو نہایت حقارت کے ساتھ یاد کیا جاتا تھا اور باقی چرچوں کے ممبر تو اس نئے فرقہ کو ملعون ٹھہراتے تھے۔ آج کلیسیائے انگلستان کا "حامی دین" اُسی راندہ مُکتی فوج کے کام میں دلچسپی دکھلا رہا ہے بلکہ جنرل بوتھ صاحب کو یقین دلا رہا ہے۔ کہ میرے دل میں مُدت سے آپکے پُرجوش افسروں کے لئے ہمدردی پیدا ہو رہی ہے۔ اُدھر وہ اخبارات جو اپنے کالموں میں مذہبی جلسوں کا ذکر کرنا عار سمجھتے تھے بڑی خوشی سے سلویشن آرمی کانگرس کی روزانہ کارروائی کے لمبے چوڑے مضامین شایع کرنے لگے۔ جنرل بوتھ صاحب کو مسٹر گلیڈسٹون کی طرح نہایت اعلیٰ درجہ کا انگریز کہا گیا ہے۔ اُن کو قدو قامت میں جان ویسلی صاحب سے مشابہ کیا گیا ہے۔ کانگرس میں صاحب موصوف کو پچاس سے زیادہ تقریریں کرنی پڑیں۔ قریب سب ضروری جلسوں کے چیرمین وہ خود تھے۔ گانیوالوں کے پیشوا۔ چندے جمع کرنے کیلئے درخواست کرنے والے۔ غیر ممالک کے ڈیلیگیٹوں کو پیش کرنے والے غرض جنرل بوتھ ہی اس کانگریس کے روح

ور عاں تھے۔ دنیا کے ہر حصہ میں سے لوگ جمع ہوئے اور اتنا بڑا مذہبی مجمع لنڈن میں فراہم ہوا کہ کبھی پیشتر نہ ہوا ہوگا۔ جو شکر گذاری کی میٹنگ کرسٹل محل شاہی میں منعقد ہوا۔ اس میں چھپن ہزار شرکاء موجود تھے۔ دوپہر کے بعد سالویشن آرمی کی تمام فوجیں صف بستہ قواعد کرتی ہوئی جرنیل صاحب کے سامنے سے گذریں۔ اُس وقت چوالیس بینڈ باجے بج رہے تھے اور ہر طرف جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ اس کانگریس کے متعلق جو خاص منڈوا تیار کیا گیا اسکے لئے قریب سوا دو ہزار من لوہا اور ۷۰۰ من ٹین کی چادریں ۵۰۰۰ من لکڑی ایک لاکھ چالیس ہزار فٹ شیشہ وغیرہ کا تخمینہ کیا گیا اور مکان کو روشن کرنیکے لئے ۲ ہزار برقی لیمپ لگائے گئے۔

مسیحی نوکر

نورتھ انڈیا گلینر میں کوئی مشنری صاحب ہندوستانی مسیحی نوکروں کی نسبت رقمطراز ہیں کہ خواہ انگریزی افسر ولایت میں جاکر مسیحی نوکروں کے خلاف کچھ ہی کیوں نہ کہیں مشنریوں کا فرض ہے کہ ہندوستانی مسیحیوں کو ہندو مسلمان نوکروں پر ترجیح دیں۔ کیونکہ بقول آپکے اگر ہم ان کی مدد نہ کرینگے تو اور کون کریگا؟ شاید بعض مقامات پر یہ مشکل رونما ہوگی کہ مسیحی نوکر دستیاب نہ ہوسکیں گے۔ ایسی حالت میں مشنری کو چاہیئے کہ ہندوستانی مسیحیوں کو گھر کا کام کرنا سکھائے۔ اگر کسی کو ایسی تعلیم کی فرصت نہ ہو تو سیکھے سکھائے آدمی جو مل سکیں نوکر رکھ لینے چاہئیں۔ ہاں ایسے ملازم مشاہرہ اوروں سے زیادہ طلب کرینگے۔ لیکن کیا مشنری کا یہ فرض نہیں ہے کہ غریب مسیحیوں کو اپنی روٹی پیدا کرنا سکھائے؟۔ راقم بخوبی واقف ہے کہ مسیحی نوکر اکثر حد سے زیادہ بے تکلف ہوجاتے ہیں۔ مگر آپ کے خیال مبارک میں وہ زیادہ اعتبار کے قابل بھی تو ہوتے ہیں۔ ہاں وہ ہندو مسلمان نوکروں کی طرح ملازمانہ متابعت نہیں کرتے اور عام طور پر اسکو ان کے دلی غرور پر محمول کیا جاتا ہے۔ آپکی رائے میں خواہ وہ کیسے ہی برے ہوں تو بھی وہ غیر مسیحی نوکروں کی نسبت زیادہ سچے اور دیانتدار اور صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ جہاں مسیحی نوکر مل سکیں غیر مسیحیوں کو ہرگز رکھنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ اول تو ہندو مسلمانوں کو اپنی اپنی برادری میں بآسانی نوکری مل سکتی ہے حالانکہ مسیحی کو دربدر خوار ہونا پڑتا ہے۔ اور پھر بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ غیر مسیحی نوکروں نے مشنری کا نمک کھاتے ہوئے درپردہ مسیحی دین کی مخالفت کی ہے۔ مثلاً

بعض اوقات متلاشیان حق کو بہکا دیا - اور تعجب یہ ہے کہ باوجود اسکے مشنری نے انکو اپنی نوکری پر بحال رکھا غرض راقم نے آیندہ کیلئے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے مقابلہ میں ضرور مسیحی نوکروں کو گھر میں رکھیں گے - اس مضمون پر رائے زنی کرتے ہوئے ایک صاحب اخبار انڈین وٹنس میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ نہایت مناسب ہے کہ ہندوستانی مسیحیوں کی پرورش کی جائے - مگر ہر ایک معاملہ کے دو پہلو ہوا کرتے ہیں - مسیحی نوکروں کی نسبت ایک مشکل یہ ہے کہ اُنہوں نے چھٹپن سے کام سیکھا ہُوا نہیں ہوتا - غیر مسیحی ملازم اپنے بچوں کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتے جو انکو دیکھ دیکھ کر کاروبار کی واقفیت حاصل کرتے ہیں مسیحیوں کو یہ تعلیم نصیب نہیں ہوتی - اور اسی وجہ سے وہ اچھے نوکر نہیں بن سکتے - پھر مسیحی نوکر کو اپنے گھر کے کام میں بہت سا وقت صرف کرنا پڑتا ہے - اور اسی وجہ سے وہ رات کے گیارہ بجے تک خدمت کے لئے حاضر نہیں رہ سکتا - اُسکے اپنے کھانے کے مقررہ اوقات ہوتے ہیں - جب اسکو گھر میں رہنا ضرور ہوتا ہے - بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ صاحب خود تو دن بھر میں دو دفعہ چار پیتے ہیں اور مسیحی باورچی صاحب کم از کم تین دفعہ - اس صورت میں مسیحی نوکر ہر وقت کام پر کیونکر حاضر رہ سکتا ہے - آپکے خیال میں مسیحی نوکر زیادہ قابل اعتبار اور دیانتدار ہوتا ہے مگر غیر مسیحی ملازم نمک حلالی میں اُس سے بڑھ کر ہے - راقم موصوف اپنے ذاتی تجربہ سے خواہ کچھ کہے مگر ایک بات میں سب کو اتفاق ہوگا کہ مسیحی نوکر مسیحی گھرانے میں گھر کا آدمی ہو کر رہتا ہے اور ہم مذہب ہونے کی وجہ سے غیر مسیحیوں کی نسبت ایک قریبی تعلق رکھتا ہے - اگر آقا کمزور طبیعت آدمی ہو تو نوکر اسکا فائدہ اُٹھاتا اور بھول جاتا ہے کہ میں محض ایک نوکر ہی ہوں - یہی برابری کا خیال مسیحی نوکر کو عموماً گستاخ اور سست کر دیتا ہے - راقم کی رائے میں مسیحی نوکر ہر قسم کا نیا کام جلدی سیکھ سکتا ہے اور غیر مسیحیوں کی طرح چور نہیں ہوتا - معلوم نہیں یہ کہاں تک صحیح ہے -

---

محمدی مباحثہ کے متعلق کتابونکی لائبریری

ہماری ریلجس بک سوسائٹی نے ولایتی کتب فروشوں کی تقلید پر مختلف مضامین کی مجلد کتابوں کی لائبریریاں فروخت کرنے کے لئے شایع کی ہیں - سوسائٹی موصوف کے ماہوار رسالہ رپورٹر میں جو ماہ حال کے لئے ہے کم از کم ایسی دو یکرنگ سلسلہ کتب کا اشتہار دیا گیا ہے - ایک تو سنڈے سکول لائبریری ہے جس میں بارہ جلدیں یا کم از کم اٹھارہ دلچسپ کتابیں ہیں -

قیمت اس مجموعہ کی پانچ روپے رکھی گئی ہے۔ ایک دوسری لائبریری شائقین فن مباحثہ کے لئے ہے جس میں خصوصاً محمدی مذہب کے متعلق تصانیف کا نادر مجموعہ بہم پہنچایا گیا ہے۔ اس میں بھی یہ صفت رکھی گئی ہے کہ سوائے قرآن کے باقی تیس کتابوں کے لئے جو یک رنگ مجلد ہیں پندرہ روپے قیمت رکھی گئی ہے۔ مضامین کی اعلیٰ حیثیت کے لحاظ سے یہ کتابیں کوڑیوں کے مول بک رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر فانڈر صاحب مرحوم کی تصنیف میزان الحق سے شروع کرکے موجودہ ایام کے مصنّفین کی کتابوں تک منسلک کی گئی ہیں۔ ان کتابوں کی فہرست پر نظر دوڑاتے ہوئے ایک امر تو اظہر من الشمس ہے کہ مسیحیوں نے اسلام کو خوب ہی ننگا کرکے دکھایا ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس قابلیت کے ساتھ مسیحی مصنّفوں نے قرآن اور اُس کے بانی کی جانچ پڑتال کی ہے وہاں تک خود محمدی علماء بھی نہیں پہنچے۔ مسیحیوں میں نہ فقط محمدی نومریدوں مثلاً ڈاکٹر عمادالدین صاحب یا مولوی صفدر علی صاحب نے اس میدان میں جوہر دکھائے بلکہ بعض اعلیٰ یوروپین اصحاب کے نام نامی بھی پائے جاتے ہیں اور چند ہندو نومریدوں کو بھی اس معرکہ میں شریک ہونیکا اعزاز حاصل ہے۔ اسکے مقابلہ میں کتنے محمدی ہوں گے جنہوں نے غور سے بے تعصّبانہ بائبل یا انجیل کا مطالعہ کیا ہوگا یا محقّقانہ ایک چار صفحہ کا رسالہ مسیحی مذہب اور اسکے بانی کی نسبت قلمبند کیا ہوگا۔ ہماری رائے ناقص میں جو کچھ محمدی مذہب کی نسبت لکھا گیا وہ سراسر کافی ہے۔ اب زیادہ زور مسیحی مذہب کی خوبیوں اور صداقتوں پر دینا چاہیے۔ ابتک ہماری ہندوستانی زبان میں کوئی اعلیٰ درجہ کا رسالہ مسیحی دین کے اثبات پر تصنیف نہیں ہُوا۔ شاید چند کتب انگریزی مصنّفوں کی تحریرات میں سے ترجمہ تو کیگئی ہیں مگر خاص ہندوستان کے باشندوں کی دماغی لیاقت اور مذہبی مشکلات کو مدّنظر رکھ کر اب تک کوئی کتاب لکھی نہیں گئی۔ ہمارے خداوند کی سوانح عمری اب تک ایک اچھوتا مضمون ہے۔ چند نامی مصنّفوں کی کتابیں بذریعہ رسالہ ترقّی ترجمہ ہو رہی ہیں جو بعد میں مکمّل طَور پر شایع ہو جائینگی۔ مگر کہاں ہیں ہمارے مسیحی مصنّف جو خاص اس قسم کے مضامین کی طرف توجّہ کر رہے ہیں۔ شاید محمدی مذہب کی کمزوریوں کو کھولکر دکھانا چنداں دشوار نہیں۔ مگر مسیحی مذہب کی طاقت کا بیان وُہی شخص کر سکتا ہے جس نے کلامِ مقدّس کی زندگی بخش باتوں کو ہضم کرکے خود طاقت حاصل کی ہو۔

مِشن فیلڈ

پتھوڑا گڑھ

پتھوڑا گڑھ ایک خوبصورت پہاڑی جگہ الموڑا کے قریب ۵۲ میل کے فاصلے پر ضلع کماؤں میں واقع ہے۔ مشن کی عمارتیں پہاڑ کی اُونچائی پر ہیں جو وادی شور تک چلا گیا ہے۔ یہ وادی ۵ میل لمبی اور تین میل چوڑی ہے۔ اِس میں بہت سے گاؤں ہیں۔ جو خوبصورتی سے درختوں اور کھیتوں کے چاروں طرف گھرے ہوئے ہیں۔ ان کھیتوں میں وہ چاول اور دیگر اناج بوتے ہیں۔ یہاں کی زمین نہایت زرخیز ہے اور کماؤں کا باغ کہلاتی ہے۔ پتھوڑا گڑھ سے چاروں طرف دیکھئے تو عجیب خوشنما منظر نظر آتا ہے۔

پتھوڑا گڑھ میں مشن کا کام کب شروع ہُوا؟ ۱۸۷۲ء میں لنڈن مشن نے اوّل مرتبہ یہاں مسیح کا کام کھولا۔ پادری جے ایچ بڈن صاحب نے لڑکوں کا ایک سکول کھولا۔ اور ایک ہندوستانی کانی کسٹ کو اُن میں کام کرنیکے لئے مقرر کیا۔ ۱۸۷۶ء میں اُنہوں نے اِس کام کو میتھوڈسٹ مشن کے سپرد کیا۔ اُن کی بیٹی مس گرے اور اُن کے داماد مسٹر گرے کو یہ کام دیا گیا۔ مس گرے نے ایک لڑکیوں کا سکول اپنے بنگلے کے برآمدہ میں کھولا۔ اور شروع میں حاضری کے لئے انعام مقرر کیا گیا۔ ہر شام کو وہ گاؤں میں لوگوں کو جمع کرتی اور اُن کو گیت اور پاک کلام کی خوشخبری سُناتی تھیں۔ اُن کی مہربانی کے برتاؤ سے لوگ اُنہیں ایسا پیار کرنے لگے کہ اگرچہ اُن کو وہاں سے گئے بہت عرصہ ہُوا۔ تاہم وہ اُن کو بہت یاد کرتے ہیں۔ مس گرے نے ایک سلائی کی کلاس پہاڑی عورتوں کے لئے کھولی۔ جس میں وہ ہر ہفتے آیا کرتی تھیں۔ اور رفتہ رفتہ عورتوں کا شمار ستر سے زیادہ ہو گیا۔ جب وہ سلائی کرتیں تو مس گرے اُنکو بائبل کے چھوٹے چھوٹے سبق سُناتی۔ گیت گاتی اور اُن کے ساتھ دُعا کرتی تھیں۔

پتھوڑا گڑھ میں لڑکیوں کا سکول کیونکر قایم ہُوا؟ اِس برآمدے کے سکول کی لڑکیوں میں سے چار ہندو لڑکیوں نے مسیح کو قبول کیا اور بپتسمہ پایا۔ پھر اُنہوں نے اپنے لوگوں میں جانا ناپسند کیا۔ اور مشن کو لازم ہُوا کہ اُن کی تعلیم اور حفاظت کا انتظام کرے۔ ہیرا اُن لڑکیوں میں سے جو عیسائی ہوئیں پہلی تھی۔ اب یہ چوبیس برس کے بعد لڑکیوں کو اُسی برآمدے میں

پڑھاتی ہے۔ جہاں خود اُس نے تعلیم پائی اور بچ گئی۔ خدا کا شکر ہو کہ اس اسکول میں جو ۴۲ سال ہوئے بہت تھوڑی لڑکیوں سے شروع ہوا تھا۔ اب اِس میں قریب ۸۰ لڑکیوں کے موجود ہیں۔

پتھوڑا کے بیوہ خانے کا بیان۔ پتھوڑا گڑھ میں مشن کو ایسے گھر کی ضرورت شروع ہی سے تھی۔ اور اوّل عورت جو اس میں آئی ایک بیچاری غریب عورت تھی جو مشنریوں کے پاس پناہ لینے آئی تھی۔ مسز تھومسن جب تمام دُنیا میں سفر کرتی پھرتی تھی۔ اُنہوں نے خاص دلچسپی اس کام میں ظاہر کی۔ جب وہ امریکہ واپس گئیں اُنہوں نے بیوہ خانہ کے لئے چندہ جمع کیا۔ اور مشن کے احاطے کے قریب گاؤں کی کچھ زمین خریدی گئی۔ کچھ گھر بنوائے گئے۔ ایک جوڑی بیل خریدی گئی۔ اور بہت سے کسان کے اوزار۔ ایک عیسائی آدمی مقرر کیا گیا کہ وہ اس کام کو چلائے اور یُوں کھیت میں خوب اچھا کام ہونے لگا۔ اوّل سال اس بیوہ خانہ میں صرف ۱۲ عورتیں تھیں۔ پر اب قریب ۷۰ یا ۷۵ عورتوں کے ہیں۔ اُن کی بسر اوقات زیادہ تر کھیت کے کام پر ہے۔ وہ اور بہت مختلف کام بھی کرتی ہیں۔ جیسا کہ پہاڑی عورتوں کا دستور ہے۔ اِن میں سے کئی عورتیں اندھی ہیں اور وہ پسائی کرتی ہیں۔ ایک اندھی عورت ایک بڑھیا کی مدد سے قریب کے گاؤں میں جاتی ہے۔ اور اپنی اندھوں کی کتاب سے پڑھکر منادی کرتی ہے
پتھوڑا گڑھ میں اَور کیا کام ہُوا؟ یہاں بہت سے گاؤں کے سکول ہیں اور ایک شفاخانہ ہے۔ جس سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ مس بڈن اس تمام کام کرنے والیوں کے ساتھ دورہ کرتی ہیں۔ اس دَورے میں بہت مفید کام ہوئے۔ اور کتابیں اور مسیحی کاغذات بانٹے گئے۔ مریضوں کو دوائیں دیں اور بہتوں کو انجیل سُنائی گئی۔ ایک سلائی کی کلاس جیسی مسز گرے نے چند برس ہوئے کھولی تھی پھر کھولی گئی۔ جس میں عورتیں سلائی کا کام سیکھنے ہفتے میں دو دفعہ آتی ہیں۔ یہ عورتیں سنڈے سکول میں بھی آتی ہیں۔ ہم سب کی خدا سے یہ دُعا ہے۔ کہ اِن میں بہت سی عورتیں مسیح کو قبول کریں۔

کِن کِن مشنریوں نے پتھوڑا گڑھ میں کام کیا۔ ۱۸۸۰ء میں ڈاکٹر اور مسز گرے کے جانیکے بعد یہاں کا کام مس بڈن کے سپرد ہُوا۔ ۲۴ برس تک وہ بڑی جانفشانی سے کام کرتی رہیں جب مس بڈن چھٹی پر ولایت گئیں۔ سکول اور گاؤں کا کام مس ترو کو اور بیوہ خانہ کا کام مس نکرسن کو سپرد ہُوا۔ ۱۸۸۵ء میں مس ترو اور مس نکرسن پہاڑ سے نیچے شہر میں بھیجی گئیں۔ اور مسز گرانت نے جو ہر سوں شہر میں مددگار رہنی تھیں۔ پتھوڑا گڑھ کا کام مس بڈن کے آنے تک انجام دیا۔ ۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۰ء تک کام کا کچھ حصّہ ڈاکٹر اور مسز منیر کو دیا گیا۔

انہوں نے بہت خوبی سے اُسے انجام دیا۔ اور ڈاکٹر ڈینر نے زیادہ مریضوں کو دوا بانٹنے کا کام کیا۔

۱۸۹۱ء میں مس ریڈ کوڑھیوں میں کام کرنے آئیں۔ ۱۸۹۲ء میں مس بڈن انگلستان اور امریکہ گئیں۔ مس سلیون ان کی جگہ مقرر ہوئیں۔ جہاں اب وہ بورڈنگ اور بیوہ خانہ کا کام کرتی ہیں۔ مس بڈن جب سے واپس آئیں۔ گاؤں اور منادی کا کام دیکھتی ہیں۔ اس طرح سے برسوں سے مسیح کا کام پتھوڑاگڑھ میں ہو رہا ہے۔ اگرچہ بعض دفعہ ناامیدی کے بادل نظر آئے۔ مگر تاہم کام اچھا ہے۔ مس ریڈ نے یہاں کے کام کی بابت ایک دفعہ لکھا۔ "بادل کا ستون دن میں اور آگ کا ستون غم اور رنج کی راتوں میں ان لوگوں کا مددگار رہا۔ جن کے دلوں میں یہاں کے کام کی فکر ہے"۔ اس سرکٹ میں تقریباً چھ سو عیسائی ہیں۔ اور یہ تمام وادی مسیحی سچائی سے بھرپور ہے۔

کوڑھی خانہ کا مختصر بیان۔ ۱۸۸۶ء میں مسٹر گرگ ہمارے مشنوں کے کارگذار پتھوڑاگڑھ میں تھے۔ اور انہوں نے ڈاکٹر ڈینر کو لڑکوں کا سکول قایم کرنے میں بڑی مدد دی۔ ان کے دل میں غریب کوڑھیوں کے حال پر بڑا ترس آیا۔ جو شہر میں کثرت سے تھے۔ اُنہوں نے اپنی ہمدردی یُوں ظاہر کی کہ بیلوں کو جو اُنہوں نے امریکہ سے بھیجے تھے۔ بیچ ڈالا۔ اور اُس قیمت سے زمین خریدی اور گھر بنوایا۔ پھر ہند کے کوڑھیوں کی مشن" سے مدد کی درخواست کی۔ مدد منظور ہوئی کچھ اور زمین خریدی گئی۔ اور ان کے رہنے کے لئے گھر بنوائے گئے۔ ایک گرجا تعمیر ہوا جو گرگ میموریل چیپل کہلاتا ہے۔ جب مسٹر گرگ ملک میں سفر کرتے ہوئے اس گرجا کے لئے چندہ جمع کرتے تھے تو ہیضہ سے مر گئے۔ ۵ برس تک ڈاکٹر ڈینر اور مس بڈن نے اِس کام کو چلایا۔ ۱۸۹۱ء میں مس میری ریڈ کو کوڑھیوں میں کام کرنے کے لئے خدا نے بھیجا۔ ان کی خدمت ان کوڑھیوں کے لئے بڑی برکت کا باعث ثابت ہوئی۔ کیونکہ وہ اُن کے پاس بیٹھتی اور ان کو تسلی دیتی اور خود بھی اس مرض میں خدا سے مدد حاصل کرتی تھیں۔ "ہند کے کوڑھیوں کے مشن" نے کچھ روپیہ اَور دیا۔ جس سے اُن کے لئے اَور مکانات تعمیر کئے گئے۔ کچھ زمین سرکار سے ملی۔ اور یُوں مشن کی زمین اتنی ہو گئی کہ ان کوڑھیوں میں جو کسانی کرتے تھے تقسیم ہو گئی۔ اور پھر بھی جانوروں کو چرانے کے لئے بچ رہی۔ اسوقت اس کوڑھی خانہ میں تقریب سو کوڑھیوں کے موجود ہیں اور چاروں طرف تقریباً ۴۰۰ کوڑھی ہوں گے۔ جنکو یہاں آنا چاہئے۔ بہت سے کوڑھی جو کوڑھی خانہ میں ہیں۔ عیسائی ہو گئے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ خدا

فکر اور تعلیم اُن کے لئے کی گئی بیکار نہ گئی۔ اگرچہ یہ کوڑھی خانۂ ہند کے کوڑھیوں کے مشن کے اختیار میں ہے۔ تاہم میتھوڈسٹ مشن سے اسکا بہت کچھ تعلق ہے۔

شور کے لوگوں کا بیان۔ شور کے گاؤں دُور سے دیکھنے میں بڑے حسین معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن غور کرو تو بڑے میلے ہیں۔ لوگ گھر پتھروں سے دو منزلہ بناتے ہیں۔ نیچے کے کمروں میں پیسے اور آوزار رکھتے اور جانوروں کو بند کرتے ہیں۔ اوپر کے کمروں میں آپ سوتے کھانا وغیرہ پکاتے ہیں۔ اِس بد انتظامی اور گندگی کی وجہ سے یاں بخار کی بڑی کثرت ہے۔ شور کے لوگ ایماندار۔ صابر اور نیک مزاج ہیں۔ اسکے ساتھ دو دلے۔ غصّہ ور۔ حاسد۔ پیچیدہ باتیں بولنے والے۔ چالاک اور بڑے باطل ایمان ہیں۔ میاں بی بی جیسا چاہئے ایک دوسرے کو پیار نہیں کرتے۔ عورتیں زیادہ تر کھیت کا کام کرتی اور آدمی گھر کا کام کرتے ہیں۔ چونکہ عورتیں باہر کا کام کرتی ہیں۔ اِس لئے آدمی کئی کئی عورتیں رکھ سکتا ہے کہ اُن کے کھیت کا کام کریں۔ یہ عورتیں دھوپ اور محنت کے باعث جلد کمزور ہو جاتیں۔ اور جب ذرا زیادہ عمر کی ہوتیں تو بڑی بدصورت ہو جاتی ہیں۔ اور یہاں کی عورتیں بدصورتی کے لئے مشہور ہیں۔ یہ آدمی جنوں اور بھوتوں کے پوجنے والے ہیں۔ ۲۲ برس ہوئے کہ انجیل کی روشنی پہلی مرتبہ اس تاریک اور دور جگہ میں آئی۔ اور اسقدر جلد پھیلتی گئی کہ اب اسکی کرنیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک دن ضرور آئے گا کہ شور کی تمام وادی انجیل کی روشنی سے کامل۔ بھرپور اور روشن ہوگی۔ کاش کہ خدا اُس دن کو جلد لائے۔ (از کوکب ہند)

متفرق اقوال

جب مسیحی آپس میں لڑتے ہیں تو وہ گویا شیطان کے ہاتھ میں چھڑی دیتے ہیں تاکہ وہ انہیں پیٹے۔ یہ گویا کوئلوں کا ڈھیر لگانا ہے جنکو جلا کر وہ خوش ہوتا ہے۔ **دو** شخص ایک خادم الدّین کے پاس اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے گئے۔ دونوں ایک دوسرے کو غلطی پر سمجھتے تھے۔ جب وہ سب کچھ سُن چکا تو کہا کہ جو تم میں سے بے قصور ہے وہ قصوروار کو معاف کر دے۔ **مذہب** علم کا نام نہیں بلکہ مُقدّس زندگی کو کہتے ہیں۔ **توبہ** دل کی فروتنی سے شروع ہوتی اور زندگی کی اصلاح میں ختم ہوتی ہے۔ **بہت** لوگ جو بظاہر توبہ کرتے اُن جہازیوں کی مانند ہیں جو طوفان کے وقت اپنا اسباب سمندر میں پھینک دیتے مگر طوفان کے بعد اُس

سباب کو واپس لینا چاہتے ہیں۔ جب ہم
کسی کی دولت کو دیکھتے تو حسد کرتے ہیں۔ لیکن
اگر ہم دیکھ سکتے کہ وہ شخص کیسی تھوڑی خوشی اُس
دولت سے حاصل کرتا ہے تو ہم اس پر ترس کھاتے
خدا ہمارے پیالہ کو کس لئے لبریز ہو کر چھلکنے
دیتا ہے محض اس لئے کہ تشنہ لب ہمارے
پیالہ میں سے پیکر سکیں جو پانی اونچے پہاڑوں
کی چوٹیوں پر پڑتا ہے سب سے نیچی وادی میں
بہ جانا چاہتا ہے۔ جب شیطان ہمکو قابو کرتا ہے
تو اُسکو پرواہ نہیں کہ ہمکو موٹے رسے کے ساتھ
باندھتا ہے یا ایک بال کے ساتھ۔ بلکہ سب سے
چھوٹے گناہ اُس کے سب سے بڑے داؤ
گھات ہیں۔

رسید زر

۱۱ اگست لغایت ۱۵ ستمبر ۱۹۰۴ء

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی پرانی جلدیں		۹۔۔۔۔
پادری آر میکسول	تا دسمبر ۱۹۰۴ء	۵۔۔۔۔
مس گینج صاحبہ	”	۲۔۔۔۔
پادری قطب الدین صاحب	”	۴۔۔۔۔
مسٹر اسمٰعیل	”	۴۔۔۔۔
ڈاکٹر رحیم خان	”	۲۔۔۔۔
ریڈنگ روم شہید عبادت خانہ	”	۴۔۔۔۔
بابو ہری رام	جون ۱۹۰۴ء	۱۔۔۔۔
مسٹر گریفن	دسمبر ۱۹۰۴ء	۲۔۔۔۔

رسالہ ”مسیحی“ امرتسر

یہ رسالہ ہر ماہ کے آخری ہفتہ میں شہر امرتسر (پنجاب) سے شائع ہوتا ہے اپنی طرز کا یہی ایک رسالہ ہندوستان بھر میں موجود ہے جو کسی مشن یا مشنری سے تعلق نہیں۔ اور غیر ممالک کے مسیحی رسالہ جات کے نمونہ پر اردو حروف میں چھاپا جاتا ہے۔ اسمیں علاوہ گلدستہ اخبار اور نوٹ اور رائیوں کے دیسی کلیسیا کی رُوحانی اور سوشیل حالت کے متعلق مضامین درج کئے جاتے ہیں۔ اور انگریزی مستند مسیحی مصنفوں کی کتب اور مضامین کے ترجمے دیئے جاتے ہیں۔ جو مسیحی اصحاب اپنے قلم سے کلیسیا کی خدمت کرنا چاہیں اُنکے لئے اسکے کالم کھلے ہیں۔ چونکہ اسمیں کلیسیا کے اندرونی حالات اور مشنری معاملات پر آزادانہ بحث کیجاتی ہے اس لئے اسکی اشاعت فقط مسیحیوں تک محدود ہے۔ کوئی مشن یا سوسائٹی اسکو کسی قسم کی امداد نہیں دیتی۔ اس وجہ سے اسکا دارومدار بہت کچھ مسیحیوں کی خریداری پر منحصر ہے۔ اسکی ضخامت ۳۶ صفحہ ہے اور باوجود بڑی تقطیع کے اسکا چندہ فقط دو روپیہ سالانہ ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۲/ کے ٹکٹ آنے سے مل سکتا ہے۔

درخواستیں بنام

ایم ایل رلیا رام وکیل امرتسر

رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۲ - جملہ خط و کتابت بنام ایم اے ایل ریاسلم وکیل امرتسر۔ L. 72

مسیحی

THE MASIH

جلد (۹) نمبر (۱۰)

بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۸ء

قیمت سالیانہ دو روپیہ معہ محصول ڈاک پیشگی

فہرست مضامین

مطبوعہ [illegible] پریس امرتسر

نوٹ بُک

اسرائیل کے درمیان میں سے ایک شہزادی اُٹھ گئی مِس کیتھرین رائیٹ اِس دُکھوں کی دُنیا سے انتقال کر کے اپنے ابدی آرام میں داخل ہُوئیں۔ ڈسنٹری کا مرض لاحق ہُوا۔ تبدیل ہوا کے لئے آگرہ سے شملہ آئیں کچھ افاقہ ہُوا مگر اگلے جہان میں اُن کی خدمت کی ضرورت تھی۔ کمزوری کا بہانہ بنا اور ۲۱ ستمبر کو دم چھوڑ اور اِس دُنیا کی مصیبتوں سے چھُوٹ کر اُس جہان میں قدم رکھا۔ ۲۴ کی صبح کو اُنکا جنازہ امرتسر میں لایا گیا اور اسی شام کو اُنکا خاکی جسم اُن کے بھائی پادری ہنری رائیٹ کے پہلو میں مدفون ہُوا دوپہر کو مِس اور میری بیوی مرحومہ کی بڑی بہن مِس اینی رائیٹ اور ڈاکٹر وایٹ بریخت صاحب سے جو جنازہ کے ہمراہ شملہ سے آئے تھے اظہار ہمدردی کرنے کو گئے۔ کوٹھی پر خاموشی کا عالم چھایا تھا۔ چڑیا تک پر نہ پھڑکتی تھی دل میں خیال گذرا کہ اگر کسی ہندو مسلمان دوست کے ہاں کوئی عزیز داغِ مفارقت دے جاتا تو مکان کیا کلبۂ احزاں بنا ہوتا۔ اور دیسی مسیحیوں میں بھی بہت کچھ نامناسب رنج کا اظہار ہوتا لیکن اِن لوگوں کے بعض آئین و ضوابط اور آدابِ مجلس کیسے بھلے ہیں خصوصاً قبرستان میں مِس اینی رائیٹ کا استقلال اور خندہ پیشانی سے ہر ایک سے ملنا نہایت پسندیدہ اور اُن کے گہرے مسیحی ایمان کا ثبوت تھا۔ کاش ہندوستانی کلیسیا میں بھی ایسی خاتونیں پیدا ہوں اور ایسی مسیحی زندگی اور ایمان کا اظہار ہو۔ پادری میکویڈ صاحب ۲۴ر اکتوبر کو ڈاکٹر لومن کے ہمراہ روانہ انگلستان ہُوئے۔ ریلوے سٹیشن پر اُنکے اکثر شاگرد اور دوست خدا حافظ کہنے کو فراہم ہُوئے۔ جیسا میں نے پچھلے نمبر میں لکھا آپ کی آنکھیں کام سے رہ گئیں۔ لیکن اُمید کی جاتی ہے کہ ولایت کے خوشگوار موسم اور ماہرانِ علمِ طب کی مدد سے اُن کو اتنی بصارت مل جائیگی کہ اپنی راہ دیکھ بھال سکیں۔ جس استقلال اور تسلیم رضا اور خوشی سے آپنے اِس صدمہ کی برداشت کی ہے۔ وہ ہزاروں وعظوں سے بڑھکر ہے۔ اِن کو اِس حالت میں ایسا خوش دیکھکر میرے دل پر بڑا اثر ہُوا۔ مدکرس میٹنگ میں آپکا الوداعی درس اِس آیت پر تھا۔ "خداوند میں خوش رہو"۔ الگزنڈرا اسکول امرتسر کی نسبت کچھ لکھنا مجھے نہایت ناگوار گذرتا ہے لیکن اور سکوت اختیار کرنا سکول کی بدخواہی اور اپنے فرض سے کوتاہی کرنا ہے۔ موسم گرما کی تعطیلوں کے بعد چند اور والدین نے جو سی ایم ایس کے ممبر اور کارندے ہیں اپنی لڑکیاں الگزنڈرا اسکول سے نکال کر لاہور ڈفرن سکول میں ڈال دی ہیں۔ خاص امرتسر سے صرف ایک لڑکی الگزنڈرا میں تعلیم پاتی ہے باقی لاہور یا گھر میں۔ الگزنڈرا میں لڑکیوں کی تعداد ۳۰ سے کم۔ اور لیڈی ڈفرن میں ایک سو ساٹھ سے اوپر ہے۔



ڈاکٹر مرڈک صاحب کی کامیابی کا راز۔ ہم نے ماہِ گذشتہ میں ڈاکٹر مرڈک صاحب کی مختصر سوانح عمری ہدیۂ ناظرین کی تھی۔ جو شخص ڈاکٹر مرڈک صاحب کی مؤلفہ کتابوں پر ایک سرسری نظر بھی دوڑائیگا اُس پر بآسانی ثابت ہوگا کہ اُس مرحوم بزرگ کی زندگی کیونکر خُدا کی خدمت کے لئے وقف ہو چکی تھی۔ اِس کا راز یہ تھا کہ صاحب موصوف نے اوّل مصمم ارادہ کرکے اپنے آپ کو خُدا کی نذر کردیا اور پھر جس کام کو اُنہوں نے ہاتھ میں لیا نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ انجام دیا۔ جب وہ ہنوز انگلستان ہی میں تھے اُنہوں نے اپنے روزنامچہ میں اپنے دلی خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا جو خصوصاً ہمارے مسیحی نوجوانوں کے لئے غور طلب ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ

"روز شنبہ ۳۱ مارچ ۱۸۴۴ء ۔ لنڈن۔ برطانیہ میں میرا آخری سبت ہے۔ اپنے وطن کو شاید ہمیشہ کیلئے خیرباد کہکر خطرناک بحر پر سفر کرنے جاتا ہُوں۔ میرا دل گرا جاتا ہے لیکن مَیں اپنے تئیں قادر مطلق کے بازوؤں پر ڈال دیتا ہُوں۔ جب اس خدمت کا اوّل اوّل ذکر ہُوا تو مَیں نے خدا سے بمنت دُعا کی کہ اگر یہ کام تیرے جلال اور میری بہتری کے لئے ہو تو مَیں اسکو اختیار کروں۔ یہ خدا کی طرف سے مجھے مِلا ہے۔ اسکا انجام مجھے معلوم نہیں۔ شاید میں لنکا میں مفید ہونگا یا مسیح کی خدمت کو بدنام کرونگا۔ یا شاید عین شباب میں میری زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ میں کبھی کبھی افسردہ خاطر ہو جاتا ہُوں۔ مگر اب اُس خُدا کے سامنے جو دل کا جانچنے والا ہے مَیں اقرار کرتا ہُوں کہ میری خواہش یہی ہے کہ مَیں فقط اُسی کا ہو کر رہوں۔ میں اپنے تئیں اب اور ابد تک اُسی کی حفاظت میں سپرد کرتا

ہُوں ۔میَں حد سے زیادہ اپنی راستبازی پر بھروسہ کرتا اور مسیح کے پُورے کئے ہُوئے کام کو حقیر سمجھتا رہا ہُوں ۔مَیں آیندہ کو ایسا نہ کرونگا۔ میری تمنّا یہی ہَے کہ اپنی نجات کے لئے جس کا ذکر انجیل میں مندرج ہَے مَیں اُسی پر توکّل رکھونگا۔اب اسکی رُوح مجھ میں سکونت کرے اور مجھ کو پاک کردے اور اسی جہان میں اپنی خدمت کے لائق اور اپنی آسمانی سلطنت میں رہنے کے لایق بنائے ۔مَیں تمام مذہبی رسوم پیچھے چھوڑے جاتا ہُوں اور بہت سی آزمائشوں میں مبتلا ہونے والا ہُوں ۔جب میں غیر مذاہب کی تاریکی کے درمیان بود و باش کروں تو دُنیا کا نُور ہو کر چمکوں ۔میری روش انجیل کی تعلیم کے شایاں ہو۔مَیں اپنے چال وچلن سے ظاہر کروں کہ مسیحی مذہب کیسا عُمدہ ہَے ۔کسی قسم کی طعن وتشنیع یا لالچ مجھے اپنے فرایض کے راستے سے منحرف نہ کریں ۔میرا وقت بے سُود اشغال یا سستی اور غفلت میں بسر نہ ہو بلکہ مَیں اپنے کام میں مستعد اور رُوحوں کو حاصل کرنے میں دانا ثابت ہوؤں ۔مَیں ابن عبد اللہ نصب کرنے کی آرزو رکھتا ہُوں ۔خُدا نے مجھ پر کیسی مہربانی کی ہَے ۔مجھے مسیحی دین کی اس سے بہتر تعلیم کہاں میسر ہو سکتی تھی جب مَیں اَور تجویزیں دل میں ٹھان رہا تھا۔خُدا نے دُنیا کو اپنے پاس لے آنے کی خدمت میرے سپرد کی ۔یہ اُس کی کیسی شفقت ہَے۔اے میری جان خُداوند کو مُبارک کہہ . . . افسوس مجھ پر کہ مَیں نالایق ثابت ہُوا ہُوں ۔کفرانِ نعمت اور سخت دل رہا ہُوں ۔ اے خُدا مجھ گنہگار پر رحم کر۔مَیں پھر اپنے تئیں اور جو کچھ میرا ہَے ابدی یہوواہ کے ہاتھ میں سونپتا ہُوں ۔"

لیڈی میوُر کی یادگار میں ٹریننگ سکول ۔سر ولیم میوُر سابق لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ آگرہ و اَودھ کے نام نامی کو کون ہندوستانی مسیحی عزّت اور شکرگذاری کے ساتھ یاد نہیں کرتا ۔ اُن کی لیڈی صاحبہ بھی ہندوستان کی مسیحی مستورات میں کم دلچسپی نہیں رکھتی تھیں ۔اب اُن لیڈی صاحبہ کی یادگار میں بمقام الہ آباد ایک زنانہ بائبل اور میڈیکل ٹریننگ سکول جاری کیا گیا ہَے ۔مدعا جس کا یہ ہَے کہ مسیحی مستورات کو زنانوں اور مدارس اور دیہات میں مسیحی خدمت

کے لئے تیار کیا جائے ۔ مردوں کے لئے تو جا بجا ایسے سکول اور کالج مہیّا کئے گئے ہیں جہاں وہ وعظ منادی کے لئے ضروری تعلیم حاصل کر سکیں۔ مگر تعجب ہے کہ اب تک مسیحی عورتوں کو اِس قسم کی باقاعدہ تعلیم سے بے بہرہ رکھا گیا ہے ۔ یہ موقعہ نہیں کہ ہم زنانہ مشن کی ضرورت یا فواید پر بحث شروع کر دیں مگر اِس بات میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اگر مسیحی عورتوں کو مردوں کی طرح انجیل کی خدمت پر مقرر کرنا ضرور ہے تو یہ بھی لازمی ہے کہ اُن کو اس خدمت کے لئے تیار کیا جائے ۔ اِس سکول کی تعلیم کا کورس ضروریات کے لحاظ سے نہایت کافی ہے ۔ چنانچہ بائبل کے مطالعہ کے علاوہ تواریخ کلیسیا اور دیگر مذاہب کے متعلق بحث مباحثہ کے اصول سکھائے جائینگے ۔ اُردو ہندی اور انگریزی میں درس دیئے جائینگے ۔ علمِ تعلیم کا فن سکھایا جائے گا ۔ زنانوں اور مدرسوں اور دیہات میں کام کرنے کی عملی تعلیم دی جائیگی ۔ بعض دیگر اقسام کے کورس عام مضامین پر بھی ہوں گے جو آئندہ کام میں مدد کے لئے ضروری ہوں گے ۔ تعلیم کا انتظام ہندوستانی میں اور گاہ بگاہ انگریزی زبان میں ہوگا ۔ سب پروٹسٹنٹ فرقوں کی مستورات اِس سکول میں داخل ہو سکتی ہیں ۔ پورا کورس دو سال میں ختم کیا جائے گا ۔ مگر بعض خاص صورتوں میں تھوڑے عرصہ تک کسی خاص مضمون کا کورس بھی لیا جا سکتا ہے ۔ کامیاب طلباء کو جن کا چال وچلن اور لیاقت عمدہ ہو ڈپلومے دیئے جائیں گے ۔ آٹھ روپے ماہوار فیس ہوگی ۔ اگر کوئی اعلیٰ طور پر رہنا چاہے تو کچھ زیادہ دینا پڑے گا ۔ ہر سال چند وظائف بھی دیئے جائینگے ۔ خدا اِس سکول کے انتظام اور تعلیم پر اپنی برکت نازل کرے ۔

ہندوستانی کلیسیا کی اصلی ضروریات ۔ ہماری ضروریات یُوں تو بے شمار ہیں مگر اصلی ضرورت رُوحانی زندگی کی ہے ۔ جس کی کمی ہر طرف نظر آ رہی ہے ۔ ہماری رُوحانی حالت ہمارے خادمانِ دین اور مشنریوں کے ساتھ ایسی وابستہ ہو گئی ہے کہ جب اُن کی حرارت کا پارہ ذرا نیچے سرکا کہ کلیسیا نہ گرم بلکہ

تیغ بستہ ہو جاتی ہے۔ اِس کا اس سے بڑھ کر اَور ثبوت کیا درکار ہے۔ کہ جب ہمارے ہادیان دو ماہ کے لئے پہاڑوں پر تشریف لے جاتے ہیں تو جا بجا کلیسیا میں جھگڑے اور فساد اور مقدّمات شروع ہو جاتے ہیں۔ ہماری یہ افسوسناک حالت کب تک اِس درجہ پر رہے گی۔ ہمیں روحانی بیداری کی سخت ضرورت ہے۔ اِس سے مُراد رُوحانی جوش نہیں جو گاہ بگاہ مؤثّر واعظین کی تقریریں عارضی طور پر ہم میں پیدا کر دیتی ہیں۔ بلکہ اس قسم کی بیداری جس نے یوروپ اور امریکہ میں مسیحی زندگی کی آگ کو روشن کر رکھا ہُوا ہے۔ سال بسال رُوحانی ترقّی کے لئے جا بجا جلسے ہوتے ہیں مگر اب تک کوئی عملی ترقّی نظر نہیں آتی بلکہ دن بدن تنزّل کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ کیا اس دعویٰ کے لئے کوئی ثبوت درکار ہے۔ اگر کسی کو شُبہ ہو تو مختلف کلیسیاؤں میں دو دو چار چار دن رہ کر دیکھ لے۔ اگر کلیسیا کی حالت واقعی ایسی ردّی ہے تو کیا اس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا؟ یہ کہنا کہ دُعا اور کلام کے مطالعہ میں مستعد رہنا چاہئے اچھّی صلاح ہے مگر کافی نہیں۔ بہت کچھ ایسے کارندوں پر منحصر ہے جو رُوح سے معمُور اور سرگرم ہیں۔ ایسے لوگ خُدا سے قوّت حاصل کر کے اَوروں کو آسمان کی طرف لے جانے میں مددگار ہوتے ہیں۔ کیا ہمارے درمیان ایسے کارندے کہیں پائے جاتے ہیں۔ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے؟

اے خُداوند ہم تیری مِنّت کرتے ہیں کہ تیری دائمی شفقت تیری کلیسیا کو پاک صاف کرے اور بچائے۔ اور چُونکہ وہ تیری کمک بغیر سلامت نہیں رہ سکتی اپنی مہر و مدد سے ہمیشہ اُس کی حفاظت کر ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین!

مغربی مسیحیّت کی مناسبت ہندوستان کے ساتھ

کچھ عرصہ ہُوا کہ مدراس کی مشنری کانفرنس میں پادری لوکس صاحب نے مندرجہ بالا مضمون پر ایک تحریر پڑھ کر سُنائی۔ جس میں صاحب موصوف نے اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی کہ کیا مسیحی مذہب کو ہندوستان میں کامیاب اور مفید ثابت ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اپنی مغربی صورت کو چھوڑ کر ہندوستان کے مناسبِ حال صورت اختیار کرے۔ اِسکا جواب مختصراً تو یہ ہے کہ ہاں بیشک ضرور ہے۔ مگر کوئی پوچھیگا کہ آخر مغربی مسیحیت کہتے کس کو ہیں۔ اِسکے جواب میں پادری صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ اِس میں تو کوئی کلام نہیں کہ مسیحی مذہب مُلکی حالات اور اپنی ترقّی کے مدارج کے لحاظ سے مختلف صُورتیں رکھتا ہے۔ اور جب حالات میں فرق واقع ہوگا تو ضرور صُورت بھی بدل جائیگی۔ اِس کے ثبوت میں ایک دلیل پیش کی گئی ہے کہ کیا عہدِ جدید کے شروع میں چار مختلف انجیل نویس اپنے اپنے خیالات کے مطابق ایک ہی بات کو پیش نہیں کرتے۔ اور پھر خطوط میں کیا ایک ہی مسیحی مذہب کو پولُس۔ پطرس۔ یعقوب اور یوحنّا مختلف طور پر ادا نہیں کرتے۔ جو کچھ مسیحی خیالات اور مسایل کی نسبت کہا گیا وُہی عہدِ جدید میں مسیحی زندگی اور چال وچلن پر بھی صادق آتا ہے۔ یہودی نومرید ایک بات پر زور دیتا ہے اور یُونانی نومرید دوسری پر۔ یعقوب کی تعلیم عملی ہے اور یوحنّا کی تصوّف سے سَرابور۔ اور یہ مختلف صُورتیں کچھ عہدِ جدید کے زمانہ ہی پر موقوف نہیں ہیں۔ بلکہ رسُولوں کے بعد آج تک یہی حال ہے کہ جس جس مُلک میں مسیحی مذہب پھیلا اُس مُلک کے خیالات کے مطابق اُس نے صُورت اختیار کرلی۔ مسیح کی سلطنت محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے قیاس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہمیں یہ الفاظ یاد رکھنے ضروری ہیں کہ زمین کے بادشاہ اپنے ہدیے مسیح کے پاس لائیں گے۔ اگر رومی اور یُونانی وغیرہ طرزِ خیالات اور زندگی نے مسیحی مذہب کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تو کیا یہ اُمّید رکھنا نامعقول ہے کہ اب مشرقی بادشاہ بھی اپنا سونا اور مُر اور لوبان ہدیہ لاکر مسیح کے قدموں پر رکھ دیں گے۔

تواریخ شاہد ہے کہ خدا مختلف اقسام کے خیالات اور زندگی کو مسیح کی سلطنت کی ترقی کے کام میں لایا۔ چنانچہ خدا کی پروردگاری سے دُنیا کی مختلف اقوام کو اپنے مدعا کی تکمیل کیلئے ہتھیار بنایا۔ فقط یہودی قوم ہی ایک چیدہ قوم نہ تھی۔ گو اس برگزیدگی کا علم اُسے ہی حاصل تھا۔ جب مُلکِ کنعان مسیح کی آمد کی تیاری کے لئے مناسب حالات جمع کر رہا تھا یونان میں علمِ زبان ایسی ہی ترقی کر رہا تھا کہ اس میں الٰہی خیالات بآسانی ادا ہو سکتے تھے۔ اور رومی سلطنت اُس شاہِ عظیم کی آمد کیلئے بیابان میں شاہ راہیں تیار کر رہی تھی۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر ممالک بھی خدا کے ارادوں کو پُورا کرنے کے لئے اپنا اپنا حصّہ رکھتے تھے۔ یہودی انبیا اپنی بلند پروازی میں اُس وقت کو دیکھ رہے تھے جب دُنیا کی اقوام کو یہوواہ اپنے ہاتھ میں ہتھیار بنائیگا اور رسُول پولُس بھی روئے زمین کی غیر قوموں کو یہودیوں کی نجات میں شامل ہوتے ہُوئے دیکھتا ہے۔ تو کیا یہ ناممکن ہے کہ خدا غیر قوموں کو بھی کسی نہ کسی صُورت سے تعلیم دے رہا ہے۔ یقیناً ہندوستان اور چین خدا کی اس عالمگیر تجویز سے خارج نہیں ہیں۔ اُن کے خیالات اور زندگی کا طرز بے معنی نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو ہندوستان میں مسیحی مذہب کو کامیابی کیلئے ضرور ہے کہ اعلیٰ ہندو خیالات اور زندگی کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ اس سے یہ مُراد نہیں کہ مغربی مسیحیت ہندوستانی بنجائے بلکہ یہ کہ اِس مُلک کی مسیحیت خودرَو ہو اور مغربی لوگ جو یہاں موجود ہیں انکا فرض ہے کہ اِس قسم کی مسیحیت کو صُورت پذیر ہونے میں مدد دیں۔ اس لحاظ سے راقم مضمون کے خیال میں غیر ممالک کے مشنریوں کا اوّل غرض یہ ہے کہ وہ پُوری اُمید اور خوشدلی کے ساتھ خدمت کریں۔ ہندوستان نے ابتک اپنی اصلی ضرورت کو محسوس نہیں کیا۔ اِس مُلک کے لوگ زمانہ ماضی میں اپنا سُنہلا زمانہ گذرا ہُوا سمجھتے ہیں۔ اور اِسی وجہ سے آیندہ کی نسبت بے اُمید ہو رہے ہیں۔ اور اُنکی ترقی کا دروازہ گویا بند ہو چکا ہے۔ اگر اِس مُلک کی ادنیٰ اقوام نے اوّل مسیحی مذہب کو اختیار کیا تو یہ مذہب کا قصور نہیں بلکہ جائے فخر ہے۔ قصور دراصل مُلک کے پیشواؤں کا ہے جو آثارِ زمانہ کو نہیں دیکھتے اور نہیں سمجھتے کہ اصلاح کی طاقت فقط مسیح سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے مسیح کے مذہب نے ابتک ہندوؤں کے دلوں پر تاثیر نہیں کی۔ ہندوستان کے لوگ ہمیشہ سے یہودیوں کی طرح مذہب کے جانداده رہے ہیں۔ اگر اُن پر ثابت ہو جائے کہ جس بات کو

وہ مذہب میں تلاش کر رہے ہیں وہ فقط مسیح میں حاصل ہو سکتی ہے تو وہ بدل و جان اسکو قبول کر لیں گے۔ ہندوستان کسی بڑے رسول کی انتظار میں ہے جو اُس کے درمیان اپنے ہی مُلک میں پیدا ہوگا۔

دوم۔ مشنریوں کو یاد رکھنا چاہئیے کہ ہم واقعات کی منادی کرنے والے ہیں اور مذہبی اصُول یا مسایل سکھانے کے لئے یہاں نہیں آئے۔ یہ سچ ہے کہ واقعات کو مسایل سے جُدا کرنا ناممکن ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص مسیح کی منادی کرتا ہے تو اُس میں عقیدہ ماہیت مسیح بھی شامل ہے۔ اور جو شخص نجات کی خبر سُناتا ہے تو اسکی تعلیم میں کفّارہ کا مسئلہ ضرور جھلک دیگا۔ مگر واعظ کا فرض ہے کہ مسیح کی ماہیّت کی نسبت اُس کی عدیم النظیر شخصیّت پر زور دے۔ جب ہندوستان کے لوگ مسیح کے نورانی چہرے پر نظر ڈالیں گے تو خود بخود اپنے الفاظ میں اپنے مشاہدات کا اظہار بھی کر لیں گے۔ اِس سے یہ مقصود نہیں کہ ہم اپنے عقاید ناموں کو ترک کر دیں بلکہ یہ کہ جب مغربی اقوام نے اپنی دلی حالت اور خیالات کے مطابق مسیح کی شبیہ منقش کر لی اور اُنکو یہ دعویٰ نہیں کہ اِس سے بہتر تصویر کوئی تیار نہیں کر سکتا تو کیوں ہندوؤں کو اپنے خیالات کے مطابق مسیح کا نقشہ اُتارنے کی اجازت نہ دی جائے۔ راقم یہاں تک دلیری کے ساتھ بولتا ہے کہ اسکے خیال میں اگر اِس مُلک میں بدعتیں بھی پیدا ہو جائیں تو چنداں مضایقہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک اُمید افزا نشان اندرونی زندگی کا ہے۔ مغربی کلیسیاؤں میں بدعتوں کے ذریعے صحیح تعلیم پھیل گئی تو کیا یہاں بھی اُسی نتیجہ کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ راقم کے خیال میں مغربی فرقہ بندیوں کا سلسلہ بھی اِس مُلک میں مروج نہیں ہونا چاہئیے۔ بلکہ خودرو فرقے خود اِس ملک میں پیدا ہونے چاہئیں۔ موجودہ حالت میں آپ اِس ملک کے مسیحیوں کو فرقہ بندی کی قیود سے آزاد ہو کر ایک ہی پروٹسٹنٹ کیتھولک کلیسیا کے ممبر دیکھنا چاہتے ہیں۔ جو ع۔
خیال است و محال است و جنوں۔ سطح قرطاس پر اس قسم کی آزادانہ تجویزیں کیا بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر کہاں ہیں وہ مشنری جو عملی طور پر اپنی مقررہ کلیسیا کے کسی ممبر کو آزاد خیال ہوتے دیکھنا گوارا کر سکتے ہیں۔ پادری لوکس صاحب خود جانتے ہیں کہ ہم ایک ناممکن الوقوع امر کی توقع میں ہیں۔ مگر قلم اُن کے ہاتھ میں ہے اور وہ اسکا استعمال دلیرانہ کرتے ہیں

آخر میں راقم اپنے خیال کے مطابق بیان کرتا ہے کہ جب ہندوستان مسیحی مذہب کو اختیار کرلے گا تو اسکی مسیحیت کس قسم کی ہوگی۔ اگر یہ صحیح مان لیا جائے کہ دُنیا میں کوئی بات بے ٹھکانا نہیں ہوتی تو یہ ماننا پڑیگا کہ ہندوستانی طرزِ خیالات اور طریق روش باوجود اپنی بیہودگیوں کے کچھ نہ کچھ جوہر رکھتی ہے جو دُنیا کو مستقل فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ مثلاً ہمہ اوست کا مسئلہ ہندوؤں کے رگ و ریشہ میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم بجائے ہمہ پر زور دینے کے اوست پر غور کریں تو کیا ممکن نہیں کہ جب ہندوستان مسیحی مذہب کو اختیار کرے تو وہ خدا کا دُنیا کے ساتھ قریبی تعلق زیادہ زور کے ساتھ اور بہتر طور پر بیان کر سکے گا۔ علیٰ ہذا القیاس آواگون کا مسئلہ گو ایک باطل عقیدہ ہو مگر ہندوؤں کے خیالات پر ایسا گہرا اثر رکھتا ہے کہ اُسکو اُن کی زندگی سے جُدا نہیں کر سکتے۔ اسی مسئلہ کے ذریعے ہندو زندگی کی ناہمواری اور گناہ اور اُسکی سزا کے باہمی تعلق کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر وہ مسیح کو قبول کرلے تو صلیب کے پاس کھڑے ہو کر اسکو دُنیا کی دُکھ تکلیف اور ہی رنگ میں نظر آئے گی۔ اور اُسوقت وہ الٰہی ذات کی تہ میں عدل اور رحم کو ہم پلّہ دیکھ سکیگا اور پھر اِس دُنیا اور آیندہ جہان کی زندگی کا بیان خود اپنے الفاظ میں بہتر طور پر کر سکے گا۔ جو مغربی طرزِ خیال سے مختلف ہوگا۔ مسائل کے ساتھ طرزِ زندگی میں بھی فرق نمایاں ہوگا۔ مغربی کلیسیا زیادہ عملی ہے۔ ہندوستانی کلیسیا زیادہ گیان دھیان والی ہوگی۔ اگر مغربی کلیسیا مارتھا ہے تو مشرقی مریم مسیح کے قدموں میں بیٹھ کر اُس کے کلام پر غور کرنے والی ہوگی۔

اُن میں سے بہتیرے کہنے لگے کہ وہ دیوانہ ہے۔ (یوحنا ۱۰: ۲۰) اگر کوئی چاہے کہ اس دور روزہ زندگی میں کوئی بڑا کام کرکے دکھائے تو لازم ہے کہ اُس کام کو اپنے پُورے دل سے کرے۔ جسکو خوشباش اور سست عوام دیکھکر دیوانہ پن کہنے لگیں۔

ہمارا وطن آسمان پر ہے (فلپیوں ۳: ۲۰) اگرچہ بیّہ زمین پر حرکت کرتا ہے مگر اُسکا زیادہ حصہ زمین سے اوپر رہتا ہے اور صرف تھوڑا سا حصہ زمین پر ہوتا ہے۔ اِسی طرح گو ہمارا جسم زمین پر ہو۔ ہماری روح کا وطن آسمان پر ہونا چاہئے۔

ہندوستان میں مسیحی مذہب کا کیا حال ہوگا

گذشتہ ماہ دسمبر کے ہندوستان ریویو میں کسی مسٹر بنرجی بی اے نے مندرجہ بالا عنوان کا ایک مضمون شایع کیا جس میں اُس نے ایک تعلیم یافتہ ہندو کے خیالات کے مطابق یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگرچہ گذشتہ مردم شماری کے رُو سے مسیحیوں کی تعداد ہندوستان میں بہت بڑھی ہُوئی معلوم ہوتی ہے مگر آخر اِس ترقّی کا سلسلہ قایم نہیں رہیگا۔ کیونکہ مسیحی مذہب ہندوستان کے مناسب حال نہیں۔ ہاں مسیح ایک اچّھا گرو تھا۔ مگر مسیحی مذہب کبھی ہندوستان کو فتح نہیں کر سکیگا۔ اس کے جواب میں کلکتہ کے مشہور عالم وفاضل پادری فارقوہار صاحب نے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا مضمون لکھا ہے جو اُسی ریویو کے ماہ جولائی کے رسالہ میں شایع کیا گیا ہے۔ اِس کے پڑھنے سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اوّل تو ہندوستان ریویو کے ایک بے تعصّب ہندو رسالہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ اور دوسرا راقم مضمون کی قابلیت اور وسیع معلومات کا یقین دل میں پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے مسیحی اخبارات میں ہندو مسلمانوں کے اعتراضات کے جواب ایسے ہلکے درجے کے ہوتے ہیں کہ اُن سے خواہ مخواہ لکھنے والے کی ناواقفیت مترشح ہوتی ہے۔ اِس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس عالمانہ جواب کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جائے اور ساتھ ہی اختصار کو بھی مدّنظر رکھا ہے۔ اُمیّد ہے کہ ہمارے منادوں کے لئے اِس کے دلایل ضرورت کے موقعہ پر اچّھا کام دینگے۔ (ایڈیٹر)

مسٹر بنرجی کا مضمون اُن خیالات کا نتیجہ تھا جو مسیحیوں نے ۱۹۰۱ع کی مردم شماری کی نسبت ظاہر کئے۔ جس میں راقم نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ جو ترقّی مردم شماری کے کاغذات میں مسیحی آبادی کے مقابل درج کی گئی ہے وہ زیادہ عرصہ تک قایم نہیں رہے گی۔ مگر ہم اپنے جواب کے آغاز میں مسٹر موصوف کی توجہ چند واقعات کی طرف مایل کرتے ہیں جو نہایت حیرت افزا ہیں۔ مسیحی مذہب ہندوستان میں دوسری مسیحی صدی سے موجود ہے۔ رومن کیتھولک مشنری سولہویں صدی سے اور پروٹسٹنٹ مشنری اٹھارہویں صدی کے شروع سے اِس مُلک میں ہیں مگر اِس میں یہ ایک بات قابلِ لحاظ ہے کہ اُنیسویں صدی میں ایک نئی طاقت جوش زن ہُوئی۔ مسیحیوں کی ترقّی کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جو صرف گذرے دس سال میں معرضِ ظہور میں آگیا۔ بلکہ یہ ترقّی گذشتہ تیس سال میں متواتر جاری رہی ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل فہرست سے ظاہر ہے۔ کہ

۱۸۷۱ء سے ۱۸۸۱ء تک مسیحیوں کی ترقی ۲۲ فیصدی ہوئی۔
۱۸۸۱ء 〃 ۱۸۹۱ء 〃 〃 ۳۳٫۹ 〃
۱۸۹۱ء 〃 ۱۹۰۱ء 〃 〃 ۳۰٫۸ 〃

اگر اِس تیس سال کے عرصہ کو ایک ہی زمانہ فرض کیا جائے تو اِس ترقی کا تناسب ۱۱۳٫۸ فیصدی ہوگا۔ اِس تعداد میں یوروپین۔ یوریشین اور سیرین اقوام بھی شامل ہیں۔ اگر انکو خارج کیا جائے تو ترقی کا تناسب اَور بھی اعلیٰ ہوگا۔ ایک اَور بات قابلِ لحاظ ہے کہ گذشتہ تیس سال میں رومن کیتھولکوں کی نسبت پروٹسٹنٹ کلیسیائیں بہت زیادہ ترقی کر گئی ہیں۔ غرض مردم شماری کے نقشوں سے ثابت ہے کہ مسیحیوں کی ترقی زیادہ تر ہندو و مسلمانوں کے مشرف بمسیحیت ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے۔

اب اگرچہ یہ ترقی عارضی یا اتفاقی نہیں ہے تو بھی ہم اس پر چنداں زور دینا نہیں چاہتے۔ اور نہ ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ اَور لوگ اِن اعداد پر ہمارا کچھ دار و مدار سمجھیں۔ ہم دُنیا بھر میں مسیحی مذہب کی مجموعی حالت اور تواریخ پر زور دینگے۔ موجودہ ترقی کے اعداد ہماری نظر میں اِس لئے وقعت رکھتے ہیں کہ جہاں تک مسیحی مذہب کی زندگی اپنی صحیح حالت میں پائی جاتی ہے اُس کے ہر کاب اسی قسم کی ترقی کی صورتیں بھی پائی جاتی ہیں۔

ہم اس مضمون میں مسیحی مذہب کے تواریخی خواص ہندوؤں کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ کیونکر ایک حملہ کرکے بڑھنے والا مذہب ہے۔

اوّل۔ دُنیا میں مسیحی مذہب کی موجودہ حالت

مسیحی مذہب اِس وقت رُوئے زمین کی آبادی کی ایک تہائی کا مذہب ہے۔ کبھی کسی مذہب کے اِس قدر پیرو نہیں ہُوئے۔ اُنیسویں صدی میں اِس نے حیرت افزا سُرعت کے ساتھ ترقی کی ہے مندرجہ ذیل نقشہ سے اِس دعویٰ کا ثبوت ملتا ہے

۱۸۰۰ء میں دُنیا کی آبادی تخمیناً ایک ارب تھی۔ اور مسیحیوں کی تعداد بیس کروڑ تھی یعنی بیس فیصدی
۱۹۰۰ء 〃 〃 ایک ارب چھپّن کروڑ اور چالیس لاکھ تھی جس میں سے مسیحی ترپن کروڑ اور پچاس لاکھ تھے۔ یعنی چونتیس فیصدی۔

اب اِسی حساب سے ۲۰۰۰ء میں ترقی کے فیصدی ہوگی؟

اس حساب کے متعلق ایک اَور عجیب بات یہ بھی ہے۔ کہ ترقی دُنیا کے ہر حصّہ اور کم و بیش ہر قوم میں ہُوئی ہے۔ جس سے مسیحی مذہب کا ہر مُلک اور ہر قوم کے مناسب حال ہونا عیاں ہے۔ کبھی کسی دوسرے مذہب میں یہ صفت پائی نہیں گئی۔ بودھ مذہب اور اسلام نے پھیلاؤ کی عجیب

طاقت دکھائی۔ مگر وہ مسیحی مذہب کی عالمگیر وسعت کے مقابلہ میں کیا ہیں۔ اب اس سے بڑھکر مسیحی مذہب کے عالمگیر ہونے کا ثبوت اور کیا درکار ہے۔ اور یہ ترقی جو ہندوستان میں گذرے دس سال کے عرصہ میں ہوئی ہے کوئی اکیلا واقعہ نہیں بلکہ عالمگیر ترقی کا ایک حصّہ ہے۔ فقط ہندوستان کی نسبت بحث کرنا فضول ہے۔ توضیح طلب یہ امر ہے کہ ہر ایک ملک میں یہ مذہب کیونکر پھیل گیا؟

دوم۔ مسیحی مذہب کی ابتدائی تواریخ۔

مسیحی مذہب ایک مردِ مصلوب کی کھُلی قبر میں سے پھُوٹ نکلا۔ مسیح ایک یہودی بڑھئی تھا۔ تین سال کی خدمت کے بعد اُسکے ہموطنوں نے اسکو پکڑکر رومیوں کے حوالے کیا اور وہ نہایت حقارت اور شرم کی موت مرا۔ کیا کسی اور مذہب کا اِس قسم کا مایوسی بخش آغاز کبھی ہُوا۔ باوجود اس کے اس پر ایمان لانے والوں کی تعداد اُس کی موت کے بعد اپنے وطن میں بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کرگئی۔ اور نہ فقط اُسی مُلک میں بلکہ دیگر ممالک میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوتی گئی اور رومی سلطنت میں اس مصلوب کے نام کا چرچا گھر گھر ہونے لگا۔ اس کی موت کے پینتیس سال کے بعد رومی مؤرّخ ٹےسی ٹس رقمطراز ہے کہ "خاص شہر روما میں مسیحیوں کی ایک بڑی بھاری جماعت نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کی گئی"۔ باوجود ایسے مایوسی بخش آغاز کے۔ باوجود ایک قدیم قوم اور یوروپ اور ایشیا کوچک اور افریقہ کے مذاہب کی مخالفت کے اور باوجود رومی سلطنت کی شاہی طاقت کے مسیحی مذہب غالب آیا اور ممالکِ مغرب کا مذہب بن گیا۔ ہندو لوگ یونان کے فلسفہ اور مذہب کو مقابلتہً کیسا ہی حقیر کیوں نہ سمجھیں مگر وہ مغربی تعلیم جسکے وہ شیدا ہو رہے ہیں اپنے طور وطریق اور علمی تحقیقات کے لحاظ سے سراسر یونانی ہے۔ اور ہندوؤں کی طرح سے یونانی لوگ بھی کہا کرتے تھے کہ ہم بُت پرست نہیں بلکہ بُتوں کی آڑ میں ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ مصری۔ بابلی۔ یونانی اور رومی لوگ اپنے دیوتاؤں کو بُتوں سے علیحدہ سمجھتے تھے۔ اِن میں سے ہر ایک قوم خدا کی وحدانیّت کی قایل تھی اور اِسی اعتقاد کو بُت پرستی کے الزام کے جواب میں پیش کیا کرتی تھی۔ اور انہی اقوام کو عہدِ عتیق مُشرک اور بُت پرست قرار دیتا ہے۔ غرض اِن قدیم اقوام کا مذہب موجودہ ہندو مذہب کے عین مطابق تھا۔ اِس لئے یہ کہنا کہ یونانی لوگ انسانی روح کی اعلیٰ صفات میں ہندوؤں کے برابر تھے کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ اِدھر رومی لوگ جو عملی حکمت میں یکتا۔ اعلیٰ درجہ کے قانون دان اور امورِ سلطنت میں تجربہ کار تھے یونانی مذہب اور حکمت اور شایستگی کے اختیار کرنے سے ملکی نظم ونسق میں نہایت قوی اور انسانی دماغ کی بلند پروازی میں اپنے پورے معراج تک پہنچ گئے۔ ایسی سلطنت نے مسیحی مذہب کے خلاف اپنی ساری طاقت خرچ کردی۔ جب یہودی واعظ یونانیوں اور رومیوں کے سامنے مسیح مصلوب کی منادی کرتے

تھے تو اُن لوگوں کے دلوں میں وہی خیالات جوش زن ہوتے تھے جو ایک فاتح اور ماہر حکمت قوم کے دل میں کسی مفتوح اور جاہل قوم کے مقابل اُٹھا کرتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں ایک انگریزی حاکم کے غرور اور خودپسندی کو برہمنوں کے فلسفہ دانی کی نخوت کے ساتھ ملا دو تو تم کچھ نہ کچھ اُس تعلیم یافتہ رومی شخص کا تصور دل میں لا سکتے ہو۔ جسکے آگے پولس نے مسیح مصلوب کا قصہ بیان کیا۔ اُدھر مصری قوم کی تواریخ کی قدامت اس درجہ کی تھی کہ یونان اور روما کی تواریخ اس کے مقابلہ میں کل کی کہانیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اس قوم کے مذہب میں بھی ایسی اعلیٰ خوبیاں موجود تھیں کہ اُسکے پیرو غیر مذاہب کے مقابلہ میں جان توڑ کر لڑنے کو تیار تھے۔

قابل لحاظ ہے کہ ہندو مذہب اپنی صورت اور خصلت میں یونان اور روما اور مصر کے قدیم مذاہب کا ہمسر ہے۔ اپنی قومی تواریخ دیوتاؤں کے سلسلوں اور مذہبی معاملات کے ایک خاص فرقہ کے سپرد کرنے میں یہ سب قومیں آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ غرض جس مخالف کا سامنا آج مسیحی مذہب کو ہندوستان میں درپیش ہے وہ اسی قسم کے دشمنوں میں سے ہے جنکو اُس نے مدت ہوئی کہ مغلوب کر لیا۔ ہندوؤں کو اچھی طرح سے دل میں سمجھ لینا چاہئے کہ مسیحی مذہب نے اپنی ابتدائی صدیوں میں ہندو دھرم کے برابر ایک مخالف کو پچھاڑ دی۔ اگر اپنی کمزوری کی حالت میں اُس نے سب سے بڑے مغربی قومی مذاہب کو لتاڑا تو قرین قیاس ہے کہ وہ اپنی موجودہ طاقت میں ہندوستان کے قومی مذہب پر بھی فتح حاصل کرے گا۔

سوم۔ مجادلہ کا طریق۔

یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہندو دھرم اپنے اصلی خواص میں اُن مغربی مذاہب سے متشابہ ہے جنکو مسیحی مذہب نے اپنے ابتدائی ایام میں مغلوب کیا۔ اب اگر مقابلہ کرکے یہ دکھایا جائے کہ جس قسم کی مخالفت کا سامنا اور مقابلہ اوّل چار صدیوں میں روما کے ساتھ مسیحی مذہب کو کرنا پڑا بعینہٖ اس قسم کا مقابلہ اب بھی ہندوستان میں جاری ہے تو یہ مطابقت اور بھی عجیب معلوم ہوگی۔ ہم شروع سے شروع کرینگے کہ مسیح نے اناجیل میں کیا پیشگوئی کی کہ میری تعلیم دنیا میں کیونکر قبول کی جائیگی۔ اور بعد ازاں درجہ بدرجہ اس مجادلہ کے مختلف خواص پر غور کرینگے۔

(۱) قدیم مذاہب سخت مخالفت کریں گے۔ جو مخالفت یہودیوں نے مسیح کے ساتھ دکھائی وہ بیان کی محتاج نہیں۔ اُس نے اپنے شاگردوں کو بھی آگاہ کیا کہ لوگ تم سے نفرت کریں گے۔ ستائیں گے۔ اور تمکو قتل کر ڈالیں گے۔ اس مخالفت کی تواریخ عہد جدید کے پڑھنے والوں پر روشن ہے۔ یہودیوں نے شروع سے مسیحیوں کو ستانا شروع کیا۔ بعد ازاں ٦٤ء میں رومی شہنشاہ نیرو نے ہر قسم کی سخت اذیت سے مسیحیوں کو قتل کیا۔ پھر اڑھائی سو سال تک رومی شہنشاہوں

نے بار بار مسیحی مذہب کو ہزیمت دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ایذا رسانیوں کی آگ تو کبھی کبھی مشتعل ہوتی تھی۔ مگر دربردہ مخالفت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ جو مسیحیت کے شاہی مذہب ہو جانے پر بھی منقطع نہ ہوا۔ عوام تحریر و تقریر کے ذریعے مسیحی مذہب کا مقابلہ کرتے تھے۔ اُس زمانہ کے مصنفوں نے بہت سا زہر مسیحی مذہب کے خلاف اُگلا ہے۔ مگر اس قسم کی مخالفت نے اُسکا کچھ نہ بگاڑا۔ اور آج اس مُلک میں ہندو مذہب کی مخالفت مسیحیوں کا حوصلہ بڑھا رہی ہے کہ اس طرح ہوتا آیا ہے اور آخر فتح ہماری ہے۔ اس مخالفت ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم راہ راست پر مسیح اور اسکے رسولوں اور شہیدوں کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں

(۲) مسیحی کلیسیا کی حد درجہ کی حقارت۔ قدیم زمانہ میں مسیحی مذہب کی مخالفت میں حقارت کا جزو بھی شامل تھا۔ مسیح خود آدمیوں میں بے نہایت ذلیل اور حقیر تھا۔ یہودی لوگ اُس پر ہمیشہ طعنہ زنی کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے پیرووں کو بھی اس سے آگاہ کرتا ہے (دیکھو متی ۱۰: ۲۸) اور پولس بھی اپنا رسولی تجربہ ان الفاظ میں ادا کرتا ہے "میری دانست میں خداوند نے ہم رسولوں کو سب سے ادنیٰ بنا کر قتل ہونیوالوں کی طرح پیش کیا ہے۔ کیونکہ ہم دنیا اور فرشتوں اور آدمیوں کیلئے ایک تماشہ ٹھہرے .... ہم آجتک دُنیا کے کوڑے اور ساری چیزوں کی کُھرچن کی مانند ہے۔ (اکرنتھیوں ۴: ۹ و ۱۳) اس زمانہ کے بعد تواریخ میں اس حقارت کی نظایر کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ آج ہندوستان میں بھی مسیحی مذہب کے خلاف دلی حقارت کی ایک گہری تار ہندوؤں کی ہر ایک تحریر و تقریر میں پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے کہ یونانیوں اور رومیوں نے بھی اس مذہب کو ایسا ہی حقیر سمجھا۔ مگر تواریخ شاہد ہے کہ اُن کی حقارت جہالت اور نادانی کا نتیجہ تھی۔

(۳) کلیسیا کی لگاتار ترقی۔ جس وقت مسیح نہایت صفائی کے ساتھ اپنے پیرووں کی اذیت اور حقارت کی نسبت پیشین گوئی کرتا تھا اُس نے ہمیشہ یہ بھی فرمایا کہ میری بادشاہت برابر ترقی کرتی جائیگی۔ میری تعلیم ایک ایسا درخت ہے جو بڑھے اور پھیلے گا۔ اور رُوئے زمین پر سایہ کریگا۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب میں ہر ایک بڑے ضمن کے آخر میں بار بار یہ مندرج ہے کہ کلیسیا بڑھتی اور ترقی کرتی گئی۔ باوجود غایت درجہ کی مسلسل مخالفت کے اور باوجود سلطنت کی طرف سے وقتاً فوقتاً سخت ایذا رسانی کے یوروپ میں مسیحی مذہب کی لگاتار ترقی تواریخ میں ایک نہایت عجیب واقعہ ہے۔ اُن ایام کے مسیحی لوگ بار بار اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ترتلیان کا قول ہے کہ "مسیحیوں کا خون کلیسیا کا بیج ہے"۔ موجودہ زمانہ میں اس کی ایک نظیر جزیرہ میڈیگاسکر میں پائی جاتی ہے۔ جہاں باوجود سخت مخالفت کے مسیحی لوگ چھتیس سال کے عرصہ میں ۲۰ گُنا سے زیادہ بڑھ گئے۔ ہندوستان میں اُس قسم کی ایذا دہی تو نہیں مگر مخالفت ہر جگہ کثرت سے پائی جاتی ہے۔ اور باوجود اس کے کلیسیا بڑھ رہی ہے

(۴) ادنیٰ اقوام میں سے کثیر التعداد لوگوں کا مسیحی ہونا۔ مسٹر بنرجی نے اس واقعہ کو لے کر ہندوستان میں مسیحی مذہب کی ترقی پر طنز کی ہے۔ مگر یہ ہمارے مذہب کا ہمیشہ سے خاصہ رہا ہے اور ہمارا فخر ہے کہ وہ پست حالوں کو اُٹھا کر کھڑا کرتا ہے۔ اِس مذہب کے پھیلنے سے پیشتر

برطانیہ کلاں کا کیا حال تھا۔ گزشتہ صدی میں اس مذہب نے وحشی اور آدم خوروں کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ کسی اور مذہب میں یہ طاقت موجود نہیں ہے۔ مسیح نے بڑی ضیافت کی تمثیل میں دُنیا کے رانده اور حقیر لوگوں کو بُلانے کی طرف اشارہ کیا (لوقا ۱۴: ۲۱-۲۳) پولُس بھی کرنتھیوں کو فرماتا ہے کہ " اے بھائیو! اپنے بُلائے جانے پر تو نگاہ کرو۔ کہ تم میں دُنیا کے بہت سے حکیم۔ بہت سے اختیار والے۔ بہت سے اشراف نہیں ہیں" بعد ازاں رومی سلطنت میں کلیسیا کا یہی حال تھا۔ اب ہندوستان میں بھی تواریخ اپنے آپکو دُہرا رہی ہے۔

(۵) مسیحی خیالات بتدریج پھیل رہے ہیں۔ باوجود مخالفت کے عوام میں مسیحی خیالات رفتہ رفتہ پھیلتے جارہے ہیں۔ چنانچہ

(ا) مسیحی خیالات خفیہ طور پر مسیحی منادی علم ادب اور شخصی تاثیر کے ذریعے پھیل رہے ہیں۔ رومی سلطنت میں بھی پہلے پہل یہی حال ہُوا تھا۔ ہندوستان میں ہر مذہب کے لوگ اپنی تحریر و تقریر میں اس خفیہ تاثیر کا ثبوت دیتے ہیں۔ مسیح کے الفاظ ہمیشہ استعمال کئے جاتے اور اُسکی تعلیم کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ خیرات کے کاموں کا چرچا۔ مستورات کے پایہ کو بلند کرنے اور تعلیم کو عوام میں پھیلانے کا ذکر ہر ایک اہل الرّائے کی زبان پر ہے۔ ذات پات کی بیخ کنی ہو رہی ہے۔ بائبل پڑھنے کا شوق ہندوؤں کے دلوں میں پیدا ہو رہا ہے۔

(ب) قدیم زمانہ میں مسیحی خیالات کے پھیلنے سے بے شمار فرقے پیدا ہوگئے۔ اور یہ قدیم مذاہب کے مسیحی مذہب کے ساتھ ٹکرانے کا نتیجہ تھا۔ آج ہندوستان میں بھی برہمو سماج اور آریہ سماج اور مرزائی وغیرہ فرقے پیدا ہو رہے ہیں۔ جو فی الحقیقت کسی نہ کسی صورت سے مسیحی خیالات کو پھیلا رہے ہیں۔

(ج) اُس زمانہ میں نہ فقط خیالات بلکہ مسیحی طریقے بھی اختیار کئے گئے تھے۔ چنانچہ دوسری صدی میں غیر مسیحی لوگ مسیحیوں کے طرز پر وعظ۔ منادی کیا کرتے تھے۔ اور بعض رومی شہنشاہوں نے تو بُت پرستی کو فروغ دینے کی خاطر مسیحی کلیسیا کے انتظام کی نقل کرنے کی تجویز سوچی۔ ہندو لوگ بھی اپنے کام کے طریقوں میں مشنریوں کی نقل کر رہے ہیں۔ بنارس کا سنٹرل ہندو کالج ایک مشن کالج کا نمونہ ہے۔ اب ہندوؤں میں مشنری اور مشن اور پریئر میٹنگ (دعا کی مجلس) اور ینگ منس ہندو ایسوسی ایشن اور متلاشی اور رسالے اور دیگر الفاظ جو مسیحی خدمت کے مختلف طریقوں کے نام ہیں عام مستعمل ہیں۔ برہمو لوگوں کی عبادت تو عین مسیحی عبادت کی نقل ہے۔

(د) آخر الامر مخالف مذاہب مسیحی مذہب کی اچھی باتوں کو ہضم کر کے اُسکے مدعا کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسیح نے صاف صاف پیشتر سے جتلا دیا کہ اس قسم کی حرکت کیسی لاحاصل ہے

جب کوئی مذہب مسیحی دین کی تعلیم کو اپنے اندر لے لیتا ہے تو وہ گویا ایک ایسی طاقت کو اپنے میں کھینچ لیتا ہے جو بعد ایک زمانہ کے اُس مذہب کو منہدم کردے گی۔ مگر قطع نظر اسکے یہ ایک بدیہی امر ہے کہ نئے مذہب کی ترقی کو روکنے کی کوشش اُس کی تعلیم کو دُنیا میں پھیلانیکا ایک وسیلہ ثابت ہوتی ہے۔ مسیح نے فرمایا کہ "کورے کپڑے کا پیوند پُرانی پوشاک میں کوئی نہیں لگاتا کیونکہ وہ پیوند پوشاک میں سے کچھ کھینچ لیتا ہے اور وہ زیادہ پھٹ جاتی ہے اور نئی مے پُرانی مشکوں میں نہیں بھرتے ورنہ مشکیں پھٹ جاتی ہیں اور مے بہ جاتی ہے اور مشکیں برباد ہو جاتی ہیں۔ بلکہ نئی مے نئی مشکوں میں بھرتے ہیں اور وہ دونوں بچی رہتی ہیں" (متی ۹: ۱۶و۱۷)۔ رومی سلطنت نے اسکی صداقت کو آزما کر دیکھا۔ چنانچہ فرقہ نیوپلے ٹونزم سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ اِسی فرقہ نے بہت سی مسیحی تعلیم کو اپنا بنالیا۔ اِسکا بانی مسٹر بیسنٹ کی طرح اول مسیحی مذہب کا پیرو تھا۔ مسٹر بنرجی خود اِس تجویز کو ہندو دھرم کے لئے پسند کرتے ہیں۔ اِس وقت ہندوستان میں مسیحی دین کے خیالات اس دھرم کے ذریعے پھیل رہے ہیں۔

(۶) مسیح کی تعریف و توصیف کی طرف بڑا بھاری میلان۔ مسٹر بنرجی گو مسیحی مذہب کے خلاف ہے مگر مسیح کے حق میں نہایت توصیفی الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اور اس طور پر مسیحی مذہب کے اُن دشمنوں کے اقوال کو دُہرا رہا ہے جو یوروپ میں بُت پرستی کے انہدام سے پیشتر مسیح کی نسبت مروّج تھے۔ موجودہ زمانہ کے ہندو اور برہمو اپنے عقاید میں الگزنڈر سیورس شہنشاہ روما سے مشابہ ہیں جو ۲۲۲ء سے ۲۳۵ء تک حکمران تھا اور جس نے اپنے بُتخانہ میں اپنے قومی بُتوں کے ساتھ مسیح اور ابرہام کی مورتوں کو بھی رکھ لیا۔

(۷) قدیم مذہب کی از سرِ نو بحالی۔ جہاں کہیں مسیحی دین کسی قدیم مذہب پر حملہ کرتا ہے اُس مذہب میں ایک نئی رُوح پیدا ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی جڑ بالکل بوسیدہ نہ ہو گئی ہو۔ ابتدائی مسیحی صدیوں میں رومی سلطنت کا یہی حال ہُوا۔ اور آج ہندوستان میں بعینہٖ وہی حالت گذر رہی ہے۔ ہندو دھرم میں ایک نئی رُوح از سرِ نو جوش مار رہی ہے چنانچہ مسٹر بنرجی خود اِس کے قایل ہیں۔ اور یہ مطابقت نہ فقط عام طور پر ہے بلکہ تفصیل وار بیان کی جا سکتی ہے۔ مثلاً رومی سلطنت کی طرح آج ہندوستان میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ

(ا) ہندو دھرم ایک خدا کو ماننے والا ہے۔ اور بُت پرستی کے تمام معبود اُسی ایک برہم کا ظہور ہیں جو کل مخلوقات میں رم رہا ہے۔ پھر ایک اَور بات قابلِ لحاظ ہے۔ کہ

(ب) اخلاق اور مذہب کے باہمی تعلق پر بہت زور دیا جا رہا ہے۔ اور ہندو لوگ اپنے دھرم کی رسمی۔ قانونی اور عبادتی تعلیم کو نظرانداز کر کے اُس کی اخلاقی تعلیم پر زور دے رہے ہیں۔

(ج) پھر قدیم زمانہ میں لوگ کسی اوتار کی جستجو میں تھے جو خدا کا ظہور ہو کر زندگی کے لئے نمونہ اور مذہبی اُمیدوں کا یقین دلانے والا بنے۔ چنانچہ گذرے بیس سال سے کرشن کو مسیح کی جگہ کھڑا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور گیتا کو انجیل کی بجائے پیش کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے فلسفہ دان بھی ہوئے ہیں جو

(د) ایسے لوگوں کا ذکر کرتے تھے کہ جن میں خدا کی روح بود و باش کرتی تھی اور وہ دُنیا میں گویا دیوتا تھے۔ چنانچہ آج برہم سماج کا اسی قسم کا عقیدہ ہے۔

(ہ) آخرالامر رومی زمانہ میں سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ایسا فرقہ برپا ہُوا جسکو نیو پلیٹو نزم کہتے تھے جس نے اس امر کی کوشش کی کہ جو کچھ دیگر مذاہب میں قابل تعریف ہے اسکو جمع کرکے ایک نیا دین قایم کیا جائے۔ اس فرقہ کی تطبیق موجودہ ہندو دھرم کے ساتھ مفصّل بیان کی محتاج ہے۔

(۸) قدیم مذہب کو فلسفہ کے نئے سانچے میں ڈھالنا۔ نیو پلیٹو نزم فرقہ تیسری مسیحی صدی کے آغاز میں سکندریہ میں نمودار ہُوا۔ چند صدیوں میں بڑے بڑے عالم اور فاضل لوگوں کی ایک بھاری جماعت اس کے پیروؤں میں شامل ہو گئی ہے۔ اور یہی فرقہ مسیحی مذہب کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہُوا۔

(ا) اِس فرقہ کا یہ دعویٰ تھا کہ نہ فقط یہی سب سے اعلیٰ فلسفہ ہے جس میں ہر قسم کے فلسفہ کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ یہی ایک مذہب ہے جسکے ذریعے تمام دیگر مذاہب کی سمجھ آسکتی ہے۔ اِسکا مدّعا تمام قدیم مذاہب کی بحالی تھا۔ اگر مسیحی مذہب اپنی صداقت اور عالمگیر ہونے کے دعووں پر جما نہ رہتا تو اَوروں کی طرح یہ بھی اُسی فرقہ کا حصّہ بن جاتا۔

(ب) یہ فرقہ مذہب کو فلسفہ پر فوق دیتا تھا اور اسکا دعویٰ تھا کہ خدا کا صحیح علم دلایل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہے کہ خدا اپنے تئیں بذریعہ الہام دُنیا پر ظاہر کرے۔ غرض اِس فرقہ کی بُنیاد قدیم کہانیوں اور روایات پر رکھی گئی۔

(ج) یہ فرقہ ایک قسم کے ہمہ اوست کا قایل تھا۔ چنانچہ اسکا اصول یہ تھا کہ ایک برہم ہے۔ اور سب کچھ اُسی کا ظہور ہے

(د) انسان کی رُوح مادّی عالم میں جسمانی لذّات کی پابند اور ہَوا وہوس سے مغلوب ہے۔ اسکو اپنے اصلی چشمہ کی طرف رجوع کرنے کی خاطر ریاضت درکار ہے۔ وہ بذریعہ دھیان کے محویّت کی حالت میں پہنچ جاتی ہے جہاں سِوائے خدا کے اَور کچھ نہیں دیکھتی۔

(ہ) اپنی آخری صورت میں اس فرقہ نے قدیم یونانی اور مشرقی مذاہب کو مسیحی مذہب کی یورش سے بچانے والا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ قدیم تعصّبات اور رسوم کو راست ثابت

کرنے کی غرض سے اس فلسفہ نے ایک نئی روش اختیار کی۔ یعنی اُن کے گرد علمِ غیب کا ایک پردہ قایم کر دیا جس سے ناممکنات عجیب اسرار رنگ میں نظر آنے لگے۔ اور روایات اور مجہول معجزات بھی روحانی لباس میں دکھائی دینے لگے۔

کیا اس قدیم فرقہ میں موجودہ ہندو دھرم کے ساتھ ایک نہایت عجیب مطابقت پائی نہیں جاتی۔ اس تمام مقابلہ کا خلاصہ نہایت صاف طور پر یہی ہے کہ مسیحی مذہب آج ہندوستان پر اسی طرح اپنا اثر ڈال رہا ہے جیسا کہ رومی سلطنت پر ڈالا تھا۔

اب ان تمام امور پر بخوبی غور کر کے ایک بے تعصب آدمی مسیحی مذہب کی آیندہ حالت کی نسبت کیا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس جنگ کے نتیجہ کی نسبت فی الحال پختہ طور پر کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ یہ دونوں عظیم الشان دشمن یعنی ہندو دھرم اور مسیحی مذہب کبھی میدان میں برابر مقابلہ پر نہیں اُترے۔ مگر مسیحی مذہب بیایک بے نظیر طاقت اور حملہ آوری کا بار ا زمانہ ماضی میں نظر آیا ہے۔ جب ملکی حالات عین ہندوستان کے موجودہ حالات کے مطابق تھے۔ جس سے یہ اغلب ہے کہ یہ نو وارد مذہب ہندو دھرم کو کمزور کر کے آخر اُس پر غالب آئیگا۔ سوائے اس کے دوسرا نتیجہ نکل نہیں سکتا کہ جس طرح رومی سلطنت کی کایا پلٹ گئی ہندو مذہب بھی آخر مغلوب ہوگا۔

ھوا جدھر چاہتی ہے چلتی ہے اور تو اُسکی آواز سُنتا ہے مگر نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آتی ہے۔ اور کہاں کو جاتی ہے۔ جو کوئی رُوح سے پیدا ہُوا ایسا ہی ہے۔ (یوحنّا ۳:۸)
یہ ایک عام مشاہدہ کی بات ہے کہ ہَوا اُس رُخ کو چلتی ہے جدھر خلو ہوتا ہے۔ جب آندھی چلتی ہے تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ جدھر کو ہَوا جا رہی ہے اُس طرف کہیں ہَوا پتلی ہو کر منتشر ہو گئی اور اپنی جگہ خالی کر گئی ہے۔ رُوحانی عالم میں بھی بعینہ یہی حال ہے۔ اگر ہم اپنے تئیں غرور اور تکبّر اپنی راستبازی اور خود غرضی اور تعریف اور عزّت اور ترقی کی خواہش کو اپنے دل سے خارج کر دیں تو خدا کی رُوح بڑے مذور کے ساتھ ہمارے دل کو معمور کرنے کے لئے آئیگی۔

ھمارے لئے لومڑیوں کو جا پکڑو۔ اُن لومڑی بچّوں کو جو تاکستان کو خراب کرتے ہیں۔ (غزل الغزلات ۲:۵)۔
یہ لومڑی بچّے کیسی کثرت سے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں دُنیا کے ساتھ ہمرنگ ہو جانا خفیف معاملات میں اپنی اندرونی آواز کا نشنوا نہ ہونا۔ اپنے فرایض میں غفلت کر کے جسمانی خواہشوں کو کسی قدر پُورا کرنا۔ ہلکی باتوں میں چال کھیل جانا۔ ادنیٰ امور میں بُرائی کرنا تاکہ نیکی نکلے۔ یہ لومڑی بچّے ہیں جو انگور کی خوبصورتی اور پھل کو خراب کر دیتے ہیں۔

مُبارک زندگی کی موجُودہ صورتیں

دوسرا باب

اپنا اطمینان مَیں تمھیں دیتا ھُوں

یوحنّا ۱۴: ۲۷

ایسے وقت میں اور ایسے مُبارک لبوں سے اِن الفاظ کا نکلنا ایک معمولی سلام سے بڑھ کر تھا۔ یہ اُن لوگوں کو مسیح کا الوداعی برکت دینا ہے جنکو وہ اپنی جان سے عزیز رکھتا تھا۔ اور یہ الفاظ کہتے وقت اُس نے اپنے پیارے شاگردوں اور تمام زمانہ کے ایمانداروں کو ایسی سلامتی کا ورثہ دیا جو خود اُسکے دل میں حاصل تھی۔ اس لفظ کا مفہوم شاید اُنکی سمجھ میں نہ آیا ہو لیکن اس سے ورثہ کی درنُت یا جلال میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔

اور امتدادِ وقت کے ساتھ معانی کی وہ گہرائی جو اِن اتھاہ الفاظ میں نہاں تھی آشکار ہوتی گئی۔ لفظ "اپنا" پر بخوبی غور کرنا چاہئے۔ یاں ہمارا نجات دہندہ اس اطمینان کا ذکر نہیں کرتا جو اُس نے اپنے خون سے خریدا ہے۔ نہ اس اطمینان کا جو اُس نے پیدا کیا اور نہ ہی آسمانی اطمینان کا۔ بلکہ وہ اُس اطمینان کا ذکر کرتا ہے جس سے اس کی اپنی شاندار ذات (نیچر) شرابور تھی اور جس نے اُسکو اُس طوفان اور شورش کے درمیان بھی چین اور سلامتی سے رکھا جو دُنیا میں قدم قدم پر اسکا سامنا کرتے تھے۔ یہ اطمینان وہ ہمیں دینا چاہتا ہے۔ ناظرین میں سے کسی ایسے کے سرھانے کھڑے ہوکر جو پریشان خاطر اور غمگین ہے۔ فکروں سے جسکا سر درد کر رہا ہے۔ دل بے چین ہے۔ پیشانی پر فکروں کے چین پڑے ہیں۔ اور جی نڈھال ہے۔ وہ یُوں فرماتا ہے "اپنا اطمینان مَیں تمہیں دیتا ہُوں" چاہئے کہ ہم اسکی بات پر اعتبار کریں اور شادمان ایمان سے اس عطیہ کو لیں۔

اب اگر ہم یوحنّا ۲۰: ۱۹ و ۲۱ و ۲۶۔ آیات پر غور کریں تو اس اطمینان میں جو مسیح ہمیں دیتا ہے تین معانی پائینگے۔

اوّل۔ معافی کا اطمینان (آیت ۱۹)۔ یہ شام کی سلامتی ہے۔ دن کے خاتمہ پر جب کام اور فکر۔ دل۔ دماغ اور ہاتھ کے کام سے فراغت ہو تو دروازہ بند کرکے اپنے عزیزوں اور دوستوں کی مصاحبت میں کیسا آرام ملتا ہے۔ تاہم ایسے وقت میں بعض ایسے خیالات ہوتے ہیں جن کو ہم دُور نہیں کرسکتے۔ یہودیوں کے ڈر سے شاگردوں نے بالاخانہ کا دروازہ بند کرلیا تو کیا ہُوا۔ لیکن اِن

بند دروازوں سے اُن کی بے وفائی اور بزدلی اُن کے فکر اور خداوند کو چھوڑ جانے کی یاد باہر رہ نہ سکی اور حملہ آوروں کے ڈر کی نسبت ان تلخ خیالات کی برداشت زیادہ مشکل تھی۔ اکثر ہمارا تجربہ بھی یہی ہوتا ہے۔ جو دن کہ ہمارے لئے ایسا صاف اور روشن چڑھا تھا وہ کئی دردناک اور قابل افسوس واقعات سے تاریک ہو گیا ہے۔ اِن واقعات کا زندگی کی دوڑ دھوپ میں ہم نے بہت خیال نہیں کیا۔ لیکن اب کہ رات کی آمد پر اپنے کمروں کی خاموشی میں ہم آرام کو بیٹھے ہیں ان کی یاد بار بار ہمارے دل میں آتی اور ہمیں بے چین کئے دیتی ہے۔

تلخ مزاجی یا بے صبری کا اظہار۔ کوئی سخت لفظ۔ نگاہ خشمگیں۔ اپنے عزیزوں پر خود غرضانہ ترجیح۔ بُرے خیال یا ناپاک خواہش کو دل میں شاید دم بھر کے لئے ہی جگہ دینا۔ اپنے کام میں کینہ بینی یا فریب دہی۔ آہ! یہ واقعات تازہ ہو کر ہماری یاد میں آتے ہیں۔ اور ہماری تسلی صرف اُس تسلی بخش کی حضوری میں ہے جو ہمارے پاس کھڑے ہو کر بڑی نرمی سے کہتا ہے "اپنا اطمینان میں تمہیں دیتا ہوں"۔ اور اپنے ہاتھ اور پہلو جن پر کلوری کے زخموں کے نشان ابھی تک ہیں اور جو اُس کے خون کے وسیلے معافی کا پکا ثبوت ہے ہمیں دکھاتا ہے۔ ایسے وقتوں میں وہ جو کچھ لائے ہمیں شکر گذاری کے ساتھ قبول کر لینا چاہئے اور اُس کی پُر محبت معافی بخش فضل کی اوڑھنی سے اپنے آپکو ملبس کر لینا۔

گناہ کی پہچان اطمینان کی بڑی بھاری دشمن ہے۔ جو ہمیں اطمینان دینا چاہے اُسے چاہئے کہ پہلے اِسکا معالجہ کرے۔ اور ہمارا نجات دہندہ اِس کام کے قابل ہے کیونکہ وہ ابھی کلوری سے آرہا ہے۔ "برہ جو ذبح کیا گیا"۔ ہمارے راست باز ٹھہرنے کی بنیاد ظاہر کرتا ہے تاکہ ہم رسُول کے ہمزبان ہو کر یہ کہنے کے قابل ہوں کہ "جب ہم ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرے تو خدا کے ساتھ میل رکھیں۔ اور سلامتی سے سو جائیں اور ہماری بے خبری کی ساعتوں میں اطمینان اور معافی کے فرشتے ہمارے نگہبان رہیں۔

دوم۔ خدمت میں اطمینان (آیت ۲۱) یہ صُبح کی سلامتی ہے۔ تاوقتیکہ ہم اپنے عزیز خداوند یسوع کا چہرہ نہ دیکھ لیں اور یہ پہچان پا نہ لیں کہ وہ ہمیں بھیجتا ہے کہ اسکی مرضی پُوری کریں اور جو کام اس نے ہمیں کرنے کو دیا ہے اسکو سرانجام دیں ہمیں اپنے کمرے سے باہر نکلنا نہیں چاہئے اور جس نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ "جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے اُسی طرح میں بھی تمہیں بھیجتا ہوں"۔ اب بھی ہم میں سے ہر ایک کو یُونہی فرماتا ہے۔ ہمیں یہ احساس پانا چاہئے کہ اُس نے ہمیں ایسے ہی بھیجا ہے جیسے فرشتوں کو جو اسکا حکم مانتے اور اسکی آواز کے شنوا ہوتے ہیں۔ ہر ایک دن کے کام کیلئے اسکا کچھ نہ کچھ ارادہ ہے جو وہ ہم پر ظاہر کرے گا صرف اگر ہم اسکی طرف

تکتے رہیں۔ کوئی رسالت (مشن) ہم نے پوری کرنی ہے۔ کسی خدمت کو سرانجام دینا۔ کسی تکلیف دہ کام کو اس کی خاطر بہتر طور پر کرنا اور کوئی سبق صبر سے سیکھنا تاکہ ہم اوروں کو بھی سکھا سکیں۔

کیا ہر صبح۔ جب وہ اپنا ارادہ ہم پر ظاہر کرتا۔ اپنی قوت ہمیں دیتا اور ہمیں بھیجتا ہے۔ اسے یہ کہتے ہوئے سُننا موجبِ راحت نہیں کہ "اپنا اطمینان میں تمہیں دیتا ہوں"؟ اور وہ اطمینان دُنیا ہم سے لے نہیں سکتی۔ خطروں اور شورش کے درمیان "خدا کا اطمینان جو تمام فہم سے باہر ہے" دل اور دماغ کی نگہبانی کرتا ہے "دُنیا میں تم مصیبت اُٹھاؤ گے۔ میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ"

خدمت کے تقاضا سے۔ دو طرح۔ ہمارے اطمینان میں خلل آتا ہے۔ اوّل تو ہم ٹھیک ٹھیک نہیں جانتے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ دوسرے ہم شک میں رہتے ہیں کہ آیا اس کام کو سرانجام دینے کے لئے ہم میں کافی طاقت ہے۔ لیکن ان الفاظ سے یہ سلامتی کے ہر دو مخل اور رخنہ انداز چپ کرائے جا سکتے ہیں۔ اپنے ارادوں کی نسبت ہمیں فکرمند ہونا نہیں چاہئے۔ کیونکہ جو ہمیں بھیجتا ہے وُہی اپنی لامحدود دانش سے تدبیر کرے گا۔ اور ہمارے قوائے ذہنی کیسے ہی کمزور اور کند کیوں نہ ہوں وہ اپنی تدبیر ہم پر ظاہر بھی کرے گا۔ اور لیاقت کی پوچھو تو ہمیں ضروری فضل ضرور ملے گا کیونکہ جب تک وہ ہم پر یہ پھونک نہ لے کہ "تم روح القدس پاؤ" وہ ہمیں کہیں بھیجتا نہیں۔ خاص طاقت کے لئے خاص عطیہ بھی ملتا ہے۔ مسیح کی یہ پھونک ایسی ہلکی اور لطیف ہوتی ہے کہ بسا اوقات ہم اس سے بے بہرہ رہتے ہیں وہ نسیم کی طرح پھولوں پر سے گذر جاتی ہے۔ لیکن کوئی صادق دل جو مسیح کا کام مسیح کے ارادے پر اور اس کی قوت میں کرنے کا آرزومند ہے وہ اس عطیہ سے محروم رکھا نہیں جاتا۔

سوم۔ غم میں اطمینان۔ (آیت ۲۶)۔ یہ تاریک وقتوں کی سلامتی ہے۔ جس غم کی گھٹا ان مردوں اور خصوصاً توما کے دل پر چھائی وہ اور لوگوں پر شاذونادر ہی واقع ہوتی۔ اسکے شک کا غم اتنا ہی زیادہ تھا جیسی مضبوط اسکی محبت تھی (یوحنا ۱۱: ۱۶) وہ یہ بات مان نہ سکا۔ کبھی کبھی ہمیں بھی ایسے تجربے حاصل ہوتے ہیں جن سے ہم اسکی جان کی تلخی کچھ کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ جس حال کہ برکتوں کا ایک ذخیرہ کا ذخیرہ صرف اس بات پر منحصر تھا کہ سنہلی تالے میں ہم ایمان کی چابی لگائیں وہ چابی ہم سے جاتی رہی اور ہم لاچار ہو کر مسیح کے قدموں پر آگرے اور رو رو کر کہا کہ میں یہ بات مان نہیں سکتا تو ایسے وقت میں مسیح ہمارے پاس آتا اور ہمارے پاس کھڑا ہوتا ہے۔ ہماری پہنچ کے اندر (پاس لا کر یوحنا ۲۰: ۲۷) گو ہم اسے دیکھ نہیں سکتے (بغیر دیکھے ۲۰: ۲۹) وہ ہماری ضرورت کے مطابق برتاؤ کرتا اور ہر حالت میں ہماری احتیاج کو پورا کرتا

ہے۔ اور شکستہ جان کو اُٹھا کر اپنی گود میں لیتا اور اس کے کانوں میں چپکے چپکے سُناتا ہے کہ "اپنا اطمینان میں تمہیں دیتا ہوں"۔

یہ تاریک ساعتیں ہم سب پر آتی ہیں اور اگر ہمیں ایسی سلامتی کا علم نہ ہو جو ایسے وقت میں بھی قایم رہے تو ہم ہمیشہ خطرہ کی حالت میں رہیں۔ کسی رہگذر کے ہاتھ سے پتھر کے اتفاقیہ گرنے سے جھیلِ سلامتی کی شفاف برف سی صفائی میں خلل آجاتا اور حلقہ در حلقہ پیدا ہوتا جاتا ہے۔ الّا ہم نے اس خداوند کی ہر دم حضوری میں تکیہ کرنا سیکھا ہو جو رُوح کے اندر اطمینان قایم رکھ سکتا ہے۔

ایسی کوئی بات آپ پاس نہ آنے دو جو تم فوراً اسکے سپرد کر نہیں سکتے۔ تمام چھوٹے چھوٹے فکر۔ تمام دلشکن مشکلات۔ تمام ایمان لانے کی ناقابلیت۔ یہ سب باتیں اسے بتا دو جو سب کچھ جانتا اور جاننے سے بڑھکر ہم سے محبّت رکھتا ہے۔ اور جواب میں وہ ہمارے متفکر دل کو چین دیگا۔ ہمارے خوف کو دُور کرے گا اور ہمیں ایسے تسلّی اور دلاسا دیگا جیسے ماں اپنے بچّے کو۔ تمہارا دل نہ گھبرائے نہ خوف کھائے۔ اطمینان تمہیں دیئے جاتا ہوں۔ اپنا اطمینان میں تمہیں دیتا ہوں

انجیل کی منادی

انجیل یعنی خوشخبری کی بنا خُدا کی محبّت ہے۔ یوحنا ۳ : ۱۶۔

اس خوشخبری سے مُراد ہے مسیح کی اُلوہیّت اور انسانیّت۔ اس کلمہ کی عجیب پیدائش۔ معجزے اور تعلیم۔ اُس کے دُکھ۔ موت۔ قربانی و کفّارہ۔ جی اُٹھنا اور صعود اسکا پھر آنا اور برگزیدوں کو اپنے ساتھ لے جانا۔ رُوح القدس کی بخشش اور ہادی و حامی ہونا۔ اور خدا باپ بیٹے اور روح القدس کی حضوری میں تمام مقدّسوں کے ساتھ تا ابدالآباد زندہ رہنا اور حمد و تعریف کرنا۔

یہ وہ خوشخبری ہے جسکو سُننے اور ایمان لانے سے گنہگار انسان کی نجات ہوتی۔ اور وہ خدا کا فرزند اور مسیح کا عضو ہوکر اور رُوح القدس کی قدرت سے ایک نیا انسان ہوکر دُنیا اور جسم اور شیطان اور ہر طرح کی بدی اور گناہ پر غالب آتا ہُوا اور شب و روز رُوحانی ترقی کرتا ہُوا اور اپنے آسمانی باپ کی مرضی بجالاتا ہُوا اپنے آسمانی وطن اور گھر میں بہ سلامت داخل ہوتا اور ابدی اور کامل نجات حاصل کرتا ہے۔

یہ انجیل یا خوشخبری ایک بھید ہے اور مسیح کی بے قیاس دولت۔ ا قرنت ۲:۱ + ا طم ۳:۱۶ + افسی ۳:۴ و ۸ + ۶:۱۹۔ پس یہ بچوں کا کوئی کھیل یا آسان کام نہیں۔

خدا کے بھید اور بے قیاس برکتیں وہی سمجھ سکتا اور دوسروں کو سمجھا سکتا ہے۔ جو رسول پولس کی مانند مخصوص کیا گیا ہو۔ جس کو خدا نے اپنے فضل سے بلایا ہو۔ جسکے دل میں مسیح کو ظاہر اور روشن کیا ہو۔ اور جسکو یہ مبارک کام سپرد کیا ہو۔ اور جس پر روح القدس نے خوشخبری کا بھید ظاہر کر دیا ہو۔ ورنہ اندھا اندھے کو راہ دکھا نہیں سکتا۔ گلاتی ۱:۱۲ + افسی ۳:۵۔ اور اس واسطے خادمان دین بھیدوں کے مختار کہلاتے ہیں۔ ا قرنت ۴:۱۔

پس چونکہ یہ خوشخبری ایک بھید ہے اسکو نہ تو بہت لوگ اپنی عقل سے سمجھ سکتے ہیں اور نہ وہ جو نالایق مبشر ہیں ان بھیدوں کی لایق طور سے خوشخبری دے سکتے ہیں۔

اب منادی کرنے کے چند طریقوں کا ذکر کرتا ہوں۔

(۱) خداوند مسیح کی پیدائش۔ مقدس ثالوث اور مسیح کو بار بار "خداوند مسیح خداوند مسیح" اور خدا کا بیٹا کہنا۔ اپنی منادی میں انکا بہت کم ذکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ لوگ شروع میں ان باتوں کو سنتے ہی بحث کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ پہلے اخلاقی تعلیم و منادی کے ہل سے لوگوں کے دلوں میں جگہ تیار کرنا تب ان بڑے بھیدوں کے بیج ان کے دلوں کی زمین میں ڈالنا مناسب ہے۔ نیز کوئی معلم کسی طالب علم کو شروع میں کتاب گلستاں پڑھنے کو نہیں دیتا بلکہ قاعدہ۔ رسول پولس نے بڑی دانائی سے رفتہ رفتہ مسیح کو پیش کیا اعم ۱۷:۱۶ تا ۳۱۔

(۲) کوئی مناد اکیلا ہو کر اور اپنی طاقت اور علم سے یہ کام کر سکتا ہی نہیں۔ اور ایسے بیجا فخر سے دوسروں کو قایل کر کے خداوند کے پاس لانا ناممکن ہے۔

یوحنا ۱۵:۵ مجھ سے جدا ہو کر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ اور دیکھو اعم ۱۴:۳ + اور مرقس ۱۶:۲۰ کہ رسولوں کے کام پر اس لئے برکت تھی کیونکہ خداوند مسیح خود گواہی دیتا اور ان کے ساتھ کام کرتا تھا۔ اور یوحنا ۱۵:۲۶۔ کہ روح القدس میری گواہی دیگی اور تم بھی گواہ ہو۔ اور ا تسل ۱:۴ و ۵ رسول نہ اپنی علمی لیاقت سے بلکہ قدرت اور روح القدس اور پورے اعتقاد کے ساتھ خوشخبری دیتا تھا۔ یعنی مسیح اور روح القدس اُسکے ہم گواہ اور ہم خدمت تھے۔

پس ہمکو اپنی منادی اور وعظ کے وقت دیکھنا چاہیے کہ خداوند مسیح اور خداوند روح القدس ہمارے ساتھ ہیں یا نہیں۔ ہم انکی حضوری کو محسوس کر کے فروتنی اور قدرت اور ایمان کے ساتھ کلام کرتے ہیں یا نہیں۔ ورنہ کوئی شخص اکیلے کی گواہی اور باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ اور یہی سبب ہے کہ سننے والوں پر چنداں تاثیر نہیں ہوتی۔

(۳) جایز اور مناسب وسایل کو کام میں لانا۔ اگر کوئی جوتی بنانا چاہے تو وہ جُلاہے کے اَوزار کام میں نہ لائے گا بلکہ موچی کے۔ لہٰذا مقدّس کلام کی تلاوت۔ نِت دُعا مانگنا۔ اور ایمان اُمّید اور محبّت اور فروتنی کو کام میں لانا نہایت ضروری امر ہے۔ تب رُوح القدس کی قدرت سے الیشع جیسے زمیندار ہل اور بیل وغیرہ چھوڑ کر ایلیاہ کے پیچھے چل سکتے ہیں اور خداوند کی آواز سے غریب لوگ اس کی پیروی کر سکتے ہیں۔ اور سولوس جیسے مولوی اور پنڈت اُسکے پاؤں پر گر سکتے ہیں۔ دیکھو متی ۲۱:۲۱-۲۲۔

(۴) افسی ۶: ۱۹۔ رسُول فرماتا ہے کہ میرے لئے بھی دعا مانگو تاکہ بولنے کے وقت مجھے کلام کرنے کی ہدایت ہو۔ اگر کلیسیائیں دل وجان سے اپنی دُعاؤں سے اپنے پاسٹروں اور خادمانِ دین اور منّادوں کی مدد کریں تو خدا کی بادشاہت بہت جلد پھیل سکتی ہے۔ اور نہ ایک دوسرے کے سبب سے آپس میں حسد اور کینہ اور بدگمانی ہوگی۔ جو خود میدان جنگ میں بندوق اور تلوار نہیں چلاتے وہ پیچھے سے سامان پہنچا سکتے ہیں۔ اور ہارون اور حور کی مانند موسیٰ کے ہاتھوں کو سہارا دے سکتے ہیں اور نتیجہ ضرور یہ ہوگا کہ عمالیق پر فتح ہوگی۔

(۵) گناہ کی مُہلک بیماری اور اس سے قایل کرنا اور اسکے نتایج دُکھ۔ بیماری اور موت وغیرہ کا ذکر کرنا ہماری منادی کا پہلا قدم اور بُنیاد ہونا چاہئے۔ اور اسی بُنیاد پر اَور بہت باتوں کا ذکر ہو سکتا ہے۔

(۶) وہ سب باتیں جو دوسروں کے مذہب میں مسیحی دین کے مطابق ہیں اُنکو خوشی سے مان لینا چاہیئے۔ اور تعصّب کو دُور کر کے ملاپ اور دوستی سے پیش آنا ہمارا عین فرض ہے۔ ہم یاد رکھیں کہ دُنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں کہ جس میں کم وبیش اخلاقی تعلیم نہیں۔ اور جب ہم کئی باتوں میں ان کے ساتھ متفق ہونا ظاہر کرتے ہیں تب وہ حیران ہو کر مُقدّس انجیل کے دیکھنے کا شوق ظاہر کرتے ہیں۔ اور بتدریج اس کی راستی اور حقیقت کو معلوم کرتے ہیں۔

(۷) کسی شخص کو کبھی کوئی لالچ ہرگز نہ دینا چاہیئے۔ مسیح کی پیروی کرنے میں ہر روز کسی نہ کسی قسم کی صلیب اُٹھانا لازمی اور ضروری امر ہے۔
ہم کبھی حکومت نہ جتلائیں۔ افسوس ہے کہ بعض منّاد انگریز پادری صاحبان کی حمایت کے سبب سے بیجا حکومت کو کام میں لاتے ہیں۔ مسیحی دین محبّت اور فروتنی اور برداشت کرنے سے زیادہ موثّر ہوتا ہے۔
غیر مذاہب کے بانیوں اور دیگر اشخاص پر خواہ مخواہ حملے کرنا یہ بہت نامناسب ہے۔
(۸) مسیحی ہمدردی سے بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ پنجاب میں یہ بہت کم نظر آتی ہے۔

نہ صرف اکثر پاسٹروں میں یہ ایک بڑا نقص ہے اور نہ فقط بیچارے اکثر پردیسی مشنری صاحبان اِس سے الگ اور دُور رہتے ہیں بلکہ دیسی صاحبان بھی اپنے تئیں ایسا بنلاتے ہیں کہ وہ گویا اِس مُلک کے باشندے ہی نہیں۔ ہمدردی سے میرا مطلب ہے کلیسیا اور خصوصاً غیر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ ان کے پاس جاکر اُن کے دُکھ۔ تکلیفوں اور موت اور جایز خوشی کے وقت انہیں شریک ہوکر غم افسوس کرنا اور خوش ہونا۔ تب وہ ہمکو بھائی سمجھیں گے اور مذہبی تعصب اور نفرت اور حقارت کو دُور کرکے خود ہمارے نزدیک زیادہ تر آئیں گے۔ اور بذریعہ گفتگو کے مقدس انجیل جو خدا کی قدرت اور روشنی اور زندگی ہے بہت مؤثر ہوگی۔ راقم ودعا واہل

اے میری جان خُداوند کو مُبارک کہہ (زبور ۱۰۳: ۱) ایک مرتبہ کا ذکر

ہے کہ سر مائیکل کوسٹا گانے بجانے والوں کی ایک بڑی جماعت کو مشق کرا رہا تھا۔ ارگن باجے کی گرج اور ڈھول کی گونج اور طبلیوں کی ہم آہنگی اور جھانجھ کے شور کے درمیان ایک شخص جو دُور کونے میں بانسلی بجا رہا تھا اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اگر ایسے غل غپاڑے میں میں بانسلی نہ بجاؤں تو کیا مضایقہ ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنا ساز بجانا بند کر دیا۔ بجانے والوں کے پیشوا نے فوراً اپنے ہاتھ کھڑے کر دیئے اور سب بجانے والے خاموش ہو گئے۔ بعد ازاں اُس نے بلند آواز سے کہا کہ بانسلی کہاں گئی۔ اُسکے کان میں اُس ساز کی آواز آنی بند ہو گئی اور تمام سُروں کا لُطف جاتا رہا۔ اے میری جان تُو اپنا کام اپنی ساری طاقت سے کر۔ اگرچہ تُو نہایت حقیر اور بے حقیقت اور کسی خُفیہ کونے میں پڑی ہے مگر خُدا تیری آواز سُننے کا مشتاق ہے۔ وہ کان لگاکر سُنتا ہے اور جب تُو اسکا شکر ادا کرتی ہے تو تیری آواز تمام عالم کی سُروں کے ساتھ ملکر نہایت شیریں ترانہ پیدا کرتی ہے۔ اے میری جان خُداوند کو مُبارک کہہ۔

جب وہ مجھکو تاؤ چکیگا میں سونے کی مانند نکل آؤنگا۔ (ایوب ۲۳: ۱۰)

پانی کو ذرا تاؤ لگنے دو وہ بھاپ بنکر اُڑ جائیگا۔ لکڑی دھوئیں اور شعلہ کی صورت میں جاتی ہے۔ اور جب جل چکتی ہے تو راکھ کا ڈھیر باقی رہ جاتا ہے۔ لوہا زنگ کھا جاتا اور ناقص ہو جاتا ہے۔ مگر سونا ہزار سال تک آگ میں پڑا رہنے دو اُس کی چمک اور وزن میں سر مُو فرق نہیں پڑے گا۔ خدا کے مقدسوں کے لئے یہ کیسا عمدہ نمونہ ہے۔ اُن کی مصیبتیں اُن پر وُہی اثر رکھتی ہیں جو آگ سونے پر رکھتی ہے۔ یعنی بجائے زایل کرنے کے اُس کو صاف کر دیتی ہے۔

حیاتِ داؤد

(ابواب کی سرخیاں نظم میں)

باب (۱) جنوری ۱۹۰۲ء

منبعِ دریا سے ہم ہر روز کرتے ہیں عبور۔ پر رہے طفلانہ بے فکری سے اپنی بے شعور
یہ نہ سوچیں ایک دن کتنا بڑا ہو جائیگا۔ جب ہزاروں نالوں کے پانی سے وہ لہرائیگا
ہمسریٔ بحرِ بے پایاں کا دم بھرتا ہُوا جا ملے گا اُس سے ازبس شور و شر کرتا ہُوا
دل میں رکھو یاد چھوٹے چھوٹے آغازو! مدام خلق میں ذیجاہ اور مضبوط ہو تم لا کلام۔
باوفا دل اور دماغِ پُرزِ استحکام پر منحصر بنیاد فی الواقع تمہاری ہو اگر
تم بناتے خوبصورت اپنے آیندہ کو۔ ہاں! فوجِ عصیاں پر نمایاں فتح پاتے بیگماں۔
تاج لیتے اس شہنشاہِ حقیقی سے ضرور اور عبث سر پر نہ رکھنا چاہتے اُسکے حضور

باب (۲) فروری ۱۹۰۲ء

منسّی کا بیٹا جو تھا سب سے چھوٹا تھا پیغام اُس کے لئے اِک خُدا کا
خدا نے کیا خاص کام ایک مقدّر کہ انجام پائے اُسی سے سراسر
جبھی ایک ویلکم سے اُس کو بُلایا کہ پایہ تھا تقریر سے بڑھ کے جسکا
جو تھا منصبِ عالی اُس نیک خُو کا اُسے اپنے لُطف و عنایت سے بخشا

باب (۳) فروری ۱۹۰۲ء

کیا اُس نے سچے اظہارِ طاعت سرِ تسلیم آگے شاہ کے خم
بڑھی ناچیز کاموں کی بھی وقعت شرافت سے رہا مصروف ہر دم

باب (۴) مارچ ۱۹۰۲ء

میں نے اُن چابیوں کو پھینک دیا جن سے دن کا سُنہلا در کھُلتا

پر ابھی تک ہیں ہاتھ میں باقی۔ وائے حسرت! کلیدِ تاریکی۔
آہ! اُن وِرد کرنے والوں کی۔ ہے میرے کان میں صدا آتی۔
کھیت میں جو خدا کے گاتے ہیں سُننے والوں کا دل لبھاتے ہیں۔
میں بھی ہمراہ اُن کے ہو سکتا لیک تاریکی میں بھٹکتا پھرا

باب (۵) ۱۹۰۲ء

حد بتا سکتا ہے اُس قدرت کی کون اور کس سے اس کی ممکن ہے ثنا۔
نامکمل ہی اگرچہ کیوں نہ ہو گے کرتی ہے انسان کو ایماں عطا

باب (۶) ۱۹۰۲ء

اوہ! میں نے ہے وہ روز دیکھا ہُوا۔ کہ جب ایک ہی لفظ سے بے خطر
(خدا نے یہ کہنے کا یارا دیا "توکّل ہے میرا خداوند پر")
میری جاں نے اعدا کو پسپا کیا رہی اُن کے حملوں سے بالکل نڈر

باب (۷) ۱۹۰۲ء

جو جانیں کہ اُن اپنی خوشیوں کو ہردم جنہیں آسمانی علاقوں میں پائیں۔
محبت سے لطف و عنایت سے باہم بلا منّتِ غیر۔ تقسیم کر لیں۔
اور اُن رنج و انکار کو دوسرے پر بھروسے سے کر دیں بلاخوف ظاہر
جنہیں گویا ہمدردی اپنا ہی دلبر بنا لیتی ہے۔ ہو کے تو جاں سے ماہر
خوشی ہو اُنہیں اس رفاقت سے حاصل زیادہ بڑھے اس شراکت سے طاقت
سفر کی تکالیف۔ دُوریٔ منزل بہت کم ہوں محسوس۔ ہاریں نہ ہمت
کریں جنگ اعدا سے مِل جُل کے باہم اور آپس میں یک جان و دل ہو کے ساری
پہنچنے کو منزل پہ ہمت سے باہم کمر باندھتی ہیں وہ اِک دوسرے کی۔

باب (۸) ۱۹۰۲ء

خیالات ناپاک ظلمات میں سے ہوں آ آ کے آنکھوں کے آگے اکٹھے
پہ کا نور ہوں۔ صبح کی روشنی میں اُڑے سایہ دن کی ضیا افگنی میں

خُدا اپنے بندوں کی خاطر ہمیشہ سب اشیا کو ہے نیک انجام دیتا
اور اُن کے لئے جلو افروز رکھتا وہ ہر ایک تاریکی میں نورِ اپنا۔
ہے امیدِ کامل کہ وہ نورِ رحمت اُڑا دے گا میرے گناہوں کی ظُلمت۔
کہ جب تک ضیا روزِ آخر دکھائے اور آنکھوں سے ہو جائیں سب دُور سائے

باب (۹) ۱۹۰۲ء

ستائیں حسرت و غم اور دُشمن حملہ آور ہوں کریں ہمدم کنارا۔ جان و دل بھی تن میں مضطر ہوں
مگر کھٹکا ہے کیا۔ جب ہمکو خالق کی حمایت ہو ممد و مہرباں اپنی طرف کرتا ہدایت ہو

باب (۱۰) ۱۹۰۲ء

تم پر کیسی ہی مصیبت کیوں نہ آئے باعثِ ایذا ہو غم۔ حسرت ستائے
لیک تکلیفوں سے پانے کو قرار یہ طریقہ کرنہ لینا اختیار۔
سچے اور صادق رہو حق کے حضور قایم ایماں سے رہو اُسکے حضور
گمرہی سے مخلصی تم پاؤ گے۔ بے شبہ اس راستہ پر جاؤ گے
جو تمہارے گھر کو سیدھا جائیگا۔ جس جگہ آرام تمکو آئے گا
یا کوئی صُورت نکالے گا وہ اَور آشکارا جس سے ہوں بچنے کے طور

باب (۱۱) ۱۹۰۲ء

کیونکہ گو تُم اچھے ہو۔ یا ہو بُرے اور سنگ کی طرح سے بعض کے
وزن پورے بعض ہلکے ہوں۔ مگر صُورتِ سِکّہ نقش ہو ہر ایک پر

باب (۱۲) ۱۹۰۲ء

کیا خود اُن لوگوں کو بخشے گا نہ اپنی روشنی جان و دل سے جو سدا اسکے لئے ہیں ملتجی۔
ہاں۔ بڑی کثرت سے۔ یہ تو عین اُسکی ہے خوشی نُور دے بندوں کو اپنے۔ اُسکی نیچر ہے یہی
ہاں۔ مگر مغرور۔ کاذب۔ اور پُرتذویر۔ یا سُست متلاشی کو ایک لمعہ نہیں دیگا خُدا

باب (۱۳) ۱۹۰۳ء

دل شکستہ کا۔ اشکوں کا اور آہوں کا گیت مسافرت کی غمی۔ احتیاج و بیماری

سبھی سرود سرایان غم دکھاتے ہیں کمال شیریں بیانی وشوخ گفتار
خوشی کے گیت وہ گاتے ہیں شان میں اُسکی کہ جسکا تخت جلالت پہ فیض سے جار
جسے ہُوا تھا ہمارا غم والم محسوس ہمارے واسطے کی جس نے گریہ وزا

باب (۱۵) ۱۹۰۲ء

جو چاہے کہ خالق کی برکت کو پالے خوں اور آگ میں سے وہ رستہ نکا
دل زخم خوردہ کی آہیں۔ ستمگر۔ ہوں تیر عداوت سے بھی تیز بڑھ
وُہی درحقیقت مُبارک ہیں رُوحیں۔ جو دُنیا میں آفت پہ آفت اُٹھا
بظاہر نہ ہو اُن کو اُمید کوئی۔ پہ ہیں صبر سے پھر بھی برداشت کر
بس ایسوں ہی کی روز کی کشمکش کا۔ رہے آسماں پر فرشتوں میں چرچ

باب (۱۶) ۱۹۰۲ء

خُدایا دے تُو اطمینان دایم اور اس میں رکھ ہمیشہ مجھکو قایم
میری خاطر لب جُو۔ ہو تُو ایسا۔ کہ جیسے سایہ برگِ ایلیم کا۔
خُداوند کی طرح سے۔ جس نے میری اُٹھائی شرم اے دُنیا کے والی
کہ جب سر پر گرانبارِ بدی ہو عطا کر خوب اطمینان مجھکو۔
عتاب وقہر سے دے انکے راحت جو تیرے نام سے کرتے ہیں نفرت

باب (۱۷) ۱۹۰۲ء

وہ رُوح جو کہ زور پہ انسانی خاک کے کمزوری وگُناہ کے سبب مطمئن ر
نظروں میں آسماں کی رہے گی قصوُروار اور ہوگی تیغ یاس سے گھایل خطا شعا
رکھنے سے تکیہ ناتواں اِنسانی بازُو پر بیشک فروغ پائے گا اسکا غم ج

باب (۱۸) ۱۹۰۲ء

کرو سبھی خاکسار و عاجز دُعائے توبہ میں اپنی جاں کو خدا کے مضبوط ہاتھ نیچے فروتن اپنے یہ دل بن
مُبدّل اور غم سے پگھلے دل کو خدا کی شفقت سے پُرہدایت نکالکر رہی سے توبہ میں لائے۔ دکھلائے اپنی شف

(ایڈیٹر نامہ نگار کی رائے کا ذمہ وار نہیں)

رُوحانی زندگی میں ترقی نہ کرنیکے اسباب

وہ حالت خطرناک ہوتی ہے۔ جبکہ انسان اپنی اندرونی بیماری سے بے فکر ہوکر زندگی بسر کر
ہے۔ جسکا نتیجہ اچانک موت ہوتی ہے۔ شکر کی بات ہے کہ ہمکو اپنی بیمار حالت صاف معلوم ہ
رہی ہے۔ کیونکہ باوجود ریوایول میٹنگز اور کنونشنوں کے ہمارا قدم پیچھے ہی ہٹا جاتا ہے۔ آئے سال
ایسوسی ایشن کے جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ مگر نتیجہ معکوس ہی نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ بیماری کی تشخیص ٹھیک نہیں ہوتی۔ اس لئے علاج لاحاصل ٹھہرتے ہیں۔ بلکہ اُلٹا اثر کرتے ہیں میر
خیال میں رُوحانی زندگی میں ترقی نہ کرنے کے اسباب بہت سے ہیں۔ اُن سب کا ذکر کرنا یہاں بہت
مشکل ہے۔ اور وقت بھی تنگ ہے۔ اس لئے مختصر طور پر میں چند ایک کا بیان کرتا ہوں۔ آپ
ذرا صبر اور توجہ سے سُنیں۔

اوّل۔ مغربی مسیحیت مشرقی طبایع کے حسب حال نہیں ہے۔ انجیل ایک مشرقی کتاب ہے
جو مشرقی لوگوں کی طبیعت کے عین موافق ہے۔ مشرقیوں کی سادگی سادہ عبادت۔ ریاضت
نفس کشی ایک مشہور بات ہے۔ اور یہی طریق ہم انجیل میں دیکھتے ہیں۔ مگر مغربی مسیحیت میر
یہ باتیں کم دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ایک بیماری ہے جس کے سبب ہم آگے نہیں بڑھتے۔ مغرب
کے لوگوں کی طبیعت کے موافق تو یہ ضرور ہے کیونکہ اُن میں عابد۔ زاہد اور اعلیٰ درجہ کے دیندار
جاتے ہیں۔ جسکا عشر عشیر بھی ہمارے درمیان نہیں ہے۔ لہذا اسکا درست علاج کرنا بہت
ضروری ہے۔

دوم۔ کلیسیاؤں کے ڈسپلین (تعزیرات) کی بُنیاد انجیل پر نہیں بلکہ رومن لاء پر ہے۔ یعنی
انگریزی مُلکی قانون پر۔ اس لئے ہماری دُعائیں اور دینداری مؤثر نہیں ہوتی۔ مثلاً انجیل کا قانو
یہ ہے کہ اگر تیرا بھائی تیرا گناہ کرے تو اُسے سمجھا۔ توبہ کرے تو اُسے معاف کر۔ نہیں تو دو تین آدمیو
سے کہدے۔ یا کلیسیا سے کہہ۔ یُوں اپنے جھگڑے فیصلہ کرو۔ . . . .

سوّم۔ دستور پرست لوگ رومن کیتھلکوں کی طرح اپنی روایات اور دستوروں پر مرے جا
ہیں۔ جو بقول مسٹر مایر بجائے گودے کے ہڈیاں چباتے ہیں۔ دستوروں کا ماننا بُرا نہیں۔ مگر اُنہیں ک
مسیحیت خیال کرلینا سخت بیماری ہے۔ جو ہمکو حقیقی مسیحیت میں ترقی کرنے سے روکتی ہے۔

چہارم۔ ہمارے وعظ اور عبادتیں صرف فیشن اور دکھاوے کی ہیں۔ کلیسیا کی ضرورت او

حالت کے مطابق نہ وعظ ہوتے ہیں۔ نہ عبادت۔ واعظ جب گرجا میں جاتا ہے تو سمجھتا ہے کہ مجھے وعظ کرنا ہے۔ ایسی حالت میں اسکا وعظ اس مثل کے مطابق ہوتا ہے۔

نہ ہیں کلام کے معنی نہ تجربہ کا بیاں — یہ یاوہ گوئی ہے جسکی ہے تجھکو خو واعظ

عبادت بھی عموماً خشک اور وقت کو پورا کرنیکے واسطے ہوتی ہے۔ ورنہ کیا معنی کہ خدا کے حضور جائیں۔ اور وہاں سے خالی ہاتھ آئیں۔

ز زُہدِ خشک ملولم بیار بادۂ ناب — کہ بوئے بادہ دماغم مدام تر دارد۔

پنجم۔ مسیحیوں ہاں ہمارے دیسی بھائیوں نے مسیح کو چھوڑ کر دین کو پکڑ لیا ہے۔ اور جس دین میں مسیح نہیں اُس میں زندگی نہیں ہو سکتی۔ وہ صرف ایک گری ہوئی حالت یہودیت کی ہے۔ میرے خیال میں ابھی تک میرے بھائیوں نے اِس بات کو نہیں سمجھا کہ مسیحیت کوئی دین نہیں۔ کیونکہ دین نام ہے ریت و رسم اور آداب دانی کا۔ جیسا کہ موسوی شریعت۔ مگر اُنکو یہ معلوم نہیں۔ کہ سہ

مرسیا آداب داناں دیگرند — سوختہ جاناں سواناں دیگرند

یہاں سوختہ جانی سے۔ یعنی عشق ہے۔ مسیحیت صرف عشق ہے۔ خدا محبت ہے یعنی عشق ہے۔ پس محبت میں داخل ہونے کے واسطے صرف محبت ہی ہو سکتی ہے اور کوئی راہ نہیں۔ اور یہ راہ بڑا کٹھن ہے۔ میرے بھائیوں نے آسان طریقہ دین کا اختیار کر لیا ہے۔ کہ چند رسومات دین کی ادا کرکے حقیقی عاشق بننا چاہتے ہیں۔ مگر حقیقی عاشق یا حقیقی مسیحی ہونے کے واسطے عاشقانہ زندگی بسر کرنی ہے۔ اور وہ زندگی یہ ہے کہ دُنیا سے دُشمنی۔ جان سے دُشمنی۔ ہر طرح کی صلیب اُٹھانی۔ تب تو محبوب المسیح کے لائق مسیحی ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہ راہ پُرخار ہے۔ اِس لئے آسان طریق پکڑ رکھا ہے۔ سچ بھی ہے کہ بُلائے ہوئے بہت اور برگزیدے تھوڑے۔

تو از کجا و اُمیدِ وصالِ او ز کجا — بدامنش نہ رسد دست ہر گدا حافظ

مسیحیت میں کوئی ریت و رسم نہیں۔ بپتسمہ اور عشائے ربانی رسم نہیں۔ بپتسمہ آگ ہے یا فراق۔ عشائے ربانی وصل ہے۔

ما در پیالہ عکسِ رُخِ یار دیدہ ایم — اے بے خبر ز لذتِ شُربِ مدامِ ما

ششم۔ ایک اور سخت بیماری آجکل ہمارے نوجوانوں کو لگ گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک ہم دُنیا کو حاصل نہ کرینگے۔ نہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونگے نہ مضبوط مسیحی بنیں گے۔ یہ ایک جھوٹا خیال ہے۔ کیونکہ جس قدر جوان مشن سے الگ ہو کر دنیوی کاروبار میں لگ گئے ہیں۔ دین میں کہاں تک سرگرم ہیں۔ بعض تو دین والوں کو ٹھٹھوں میں اُڑاتے ہیں۔ اور دین کی باتوں

کو تمسخر میں اُڑاتے ہیں۔ دُعا سے اُن کو نفرت۔ کلام سے اُنکو پرہیز۔ عبادت سے وہ ترساں۔ ریاضت سے وہ لرزاں۔

دین اور دُنیا دو متضاد باتیں ہیں۔ دُنیا حاصل کرکے دین قایم نہیں ہوتا۔ بلکہ دین اوّل ہے پھر دُنیا۔ ابرہام سے خُدا نے وعدہ کیا۔ کہ تو میرے حضور چل۔ اور کامل ہو۔ دین دُنیا کی برکتیں تم کو دُونگا۔ بلکہ تیرے سبب ساری دُنیا برکت پائیگی۔ آج اِسکے خلاف ہو رہا ہے۔ اس لئے رُوحانی زندگی میں ترقی نہیں۔ ہمارے جوان مشنریاں سے آزاد ہو کر رُوحانیت میں بڑھنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ خام خیال ہے۔ مسیح کا عاشق غنی ہے۔ مسیح کا عاشق آزاد ہے۔

گدائے کوئے تو از ہشت خُلد مستغنی ست اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد ست

میرے سامعین کے کانوں میں غالباً میری باتیں انوکھی ہیں۔ یہ باتیں آئینِ مذہب کے خلاف ہیں۔ لاریب ہیں۔ یہ حقیقی عشق کی باتیں۔ یہ عاشقانِ الٰہی کا طریق ہے۔ جو حقیقی محبوبُ المسیح کا وصل چاہتا ہے۔ وُہی اس راہ میں قدم ماریگا اور رُوحانی زندگی میں بڑھیگا۔ ؎

گفتم شراب و خرقہ نہ آئین مذہب است گفت ایں عمل بمذہب پیرمغاں کنند۔

میرے مہربان عزیزو! یہودیت کو چھوڑو۔ دین کو ترک کرو۔ مسیح کو پکڑلو۔ دین کا نقشہ رسُول مقبول نے فلپیوں کے خط کے دوسرے باب میں بخوبی کھینچا ہے۔ مہربانی سے اُسے بار بار مطالعہ کریں۔ اور اس پر غور کریں۔

یہ مضمون ایک بڑا اعلیٰ اور وسیع ہے۔ یہاں اُسکے بیان کی گنجائش نہیں۔ اِس لئے آپ اتنے ہی پر غور کریں۔ کہ مسیحی زندگی کے معنی ہیں مسیح کے عشق میں غرق ہونا۔

"میں تم میں اور تم مجھ میں۔ کیونکہ تم میرے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔" (واعظ)

اُن کو بڑا چین ہے جو تیری شریعت کو دوست رکھتے ہیں۔ (زبور ۱۱۹: ۱۶۵)۔ خدا کے کلام کا مطالعہ چین بخشتا ہے۔ جن مسیحیوں کی جڑ کلام اللہ میں قایم ہے وہ ہمیشہ دِلی چین سے رہتے ہیں۔ جو لوگ بائبل کو مطالعہ نہیں کرتے وہ تھوڑی سی تکلیف سے پریشان خاطر ہو جاتے ہیں۔ ذراسی مخالفت اُنکو گھبرا دیتی ہے۔

یسوُع مسیح کا قیدی۔ (فلیمون۔ پہلی آیت)۔ پولُس اپنے آپکو کبھی روما کا قیدی نہیں بلکہ یسوُع مسیح کا قیدی کہتا ہے۔ اِس سے زندگی کیسی پُرجلال ہو جاتی ہے۔ جو زنجیر بیرمِا پہناتا ہے وہ اپنے محبوب کی یادگار میں سُنہلے کنگن بن جاتی ہے۔

چند آیات پر چیدہ خیالات اور اشارات

جو چیزیں پیچھے رہ گئیں اُنکو بھول کر آگے کی چیزوں کی طرف بڑھا ہُوا نشان کی طرف زور سے دَوڑا ہُوا جاتا ہُوں۔ تاکہ اُس انعام کو حاصل کروں جس کے لئے خُدا نے مجھے یسُوع مسیح کی معرفت اُوپر بُلایا ہے۔ (فلپیوں ۳:۱۳و۱۴)۔ حقیقی خدمت کرنیکا یہ طریق نہیں کہ ہم اسکے لئے جو ہاتھ سے جاتا رہا ہے بیٹھے بیٹھے افسوس کیا کریں۔ بلکہ جو کچھ موجود ہے اُسکو اچھے طریق پر استعمال کرنا چاہیئے۔ یہ شکایت کرتے رہنا کہ ہمارے ہتھیار خراب ہیں بالکل لاحاصل ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ جو ہتھیار ہمارے پاس ہیں اُنکو اچھی طرح سے کام میں لائیں۔ ہم کہاں ہیں۔ یا کیا ہیں یہ خدا کی پروردگاری کے اختیار میں ہے (گو یہ ہمارے اپنے افعال کا نتیجہ ہی ہو) زندگی ایک سلسلۂ اغلاط ہے۔ اور سب سے اچھا مسیحی وہ نہیں جو سب سے تھوڑی غلطیاں کرتا ہے۔ بلکہ وُہی جو اپنی پُرانی غلطیوں سے مُنہ موڑکر نئی نئی فتوحات حاصل کرتا ہے۔

یسُوع نے کہا کہ کیا دسوں پاک صاف نہ ہُوئے؟ پھر وہ نو کہاں ہیں؟ کیا سوا اِسی پردیسی کے اَور کوئی نہ نکلا جو لوٹ کر خُدا کی تمجید کرے۔ (لوقا ۱۷:۱۷و۱۸) ہم میں سب سے اچھے لوگ بہت کچھ اُن نو کوڑھیوں سے مشابہ ہیں۔ ہم تمجید کی نسبت دُعا پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ہم خدا کی بخششوں کے لئے شکرگذاری کرنے کی نسبت اپنی ضروریات پیش کرنا زیادہ مقدم سمجھتے ہیں۔ جدھر دیکھو کڑکڑاہٹ۔ شکوے شکایت اور بے صبری نظر آتی ہے۔ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہوں گے جو خدا کی مہربانیوں کو پیمانہ کے نیچے نہیں چھپاتے اور اپنی حاجتوں اور مصیبتوں کو پہاڑ کے اوپر کھڑا نہیں کرتے۔ چاہیئے کہ ہم ہر روز شکرگذار دل کے لئے دُعا کریں۔ خدا ایسی رُوح کو پیار کرتا اور عزت بخشتا ہے۔

وقت کو غنیمت جانو (افسیوں ۵:۱۶) سُنار اپنی دوکان کی گرد نہایت خبرداری کے ساتھ جمع کرتا ہے۔ مبادا قیمتی معدنیات کے ذرّے بھی کوڑے میں پھینکے جائیں۔ اِسی طرح رُوح سے معمُور مسیحی اپنی فُرصت کے اَوقات کو ضایع ہونے نہیں دیتا۔ ایسے فالتو لمحات میں بڑے بڑے کام انجام پا سکتے ہیں۔ وقت کے چھوٹے چھوٹے ریزے خدا کے جلال کیلئے نہایت مُفید ثابت ہوتے ہیں۔

ہمارے ایمان کو ترقی دے۔ (لوقا ۱۷:۵) لوگ ایمان کے لئے دُعا مانگتے ہیں اور جب مصیبت آتی ہے (جس سے خدا ایمان کا سبق سکھاتا ہے) تو حیران ہوکر بگڑ بیٹھتے ہیں۔ آزمائش کے بغیر ایمان کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر لوگ دانا ہوں تو اپنے ایمان کے اظہار کے ہر موقعہ کیلئے خدا کا شکر کیا کریں۔ مگر عمُوماً ہم ایمان کیلئے نہیں بلکہ نظر اور آرام کیلئے دُعا مانگتے ہیں۔

یہ جو واقعات ایسے ہیں کہ اب اور دیر تک مشنری سوسائیٹی کو اس معاملہ کی طرف سے بے پرواہی دکھانا دانش اور مصلحت سے بعید اور دیسی کلیسیا کی بہبودی کے حق میں زہر قاتل ہے۔ میں آخری شخص ہوں جو یہ کہیگا کہ فقط منتظمان سکول ہی قصوروار ہیں۔ پچھلے سال ایک معاملہ کے متعلق جسکی رپورٹ سکرٹری سی ایم ایس تک پہنچی۔ مجھے مس ایجلی اور فریق ثانی دونوں کا ایکسپلانیشن سننے کا موقعہ ملا۔ اور میری دانست میں ½ قصور مس ایجلی اور ½ فریق ثانی کا تھا۔ لیکن عام مسیحی ان باتوں کو نہیں سمجھتے۔ نہ تو مس ایجلی ان کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہیں نہ دیگر مشنری والدین یا لڑکیوں کے حال میں دلچسپی کا ظاہرا اظہار کرتے ہیں۔ اور شاید کسی کو جرأت بھی نہیں پڑتی اور کلیسیا میں مشنریوں کی طرف سے بدگمانی اور بے اعتباری پیدا ہو رہی ہے۔ سکول اُجڑ رہا ہے۔ اور نقصان خود لوگوں کا اپنا ہو رہا ہے میں بڑے زور اور بڑے ادب سے صلاح دیتا ہوں کہ سکول کی حالت پر رپورٹ کرنے۔ دونوں فریق کی بات سُننے اور ضروری اصلاحیں تجویز کرنیکے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔ اور اسکے ممبران مفصلہ ذیل ہوں۔ پادری ڈی جے میکنزی صاحب۔ پادری ای ایف ای وگرم لاہور (یا کوئی اور دو انگریز جنکو کانفرنس نامزد کرے) ایک دیسی صاحب جنکو اُن لڑکیوں کے والدین نامزد کریں جو اس وقت سکول میں تعلیم پاتی ہیں۔ ایک دیسی مسیحی کو اُن لڑکیوں کے والدین منتخب کریں جنہوں نے گذشتہ ۱۲ ماہ کے اندر سکول چھوڑ دیا ہے۔ اور پرانی لڑکیوں میں سے یا یوں کہو کہ ایڈیشنل ممبر مس موناتوس لاہور یا مسز ایم ایل رلیا رام امرتسر یا دونوں ہوں۔ کمیشن کی رپورٹ ناطق ہو۔ اسکی مجوزہ اصلاحیں عمل میں لائی جائیں اور منتظمان سکول اسکے پابند رہیں۔ سکرٹری سی ایم ایس سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ کارسپانڈنگ کمیٹی میں یہ تجویز پیش کرینگے۔ مجھے یہ سُنکر نہایت رنج اور حیرانی بھی ہوئی کہ مسٹر شمس الدین صادق نے کاشمیر ہسپتال میں صرف دس روز کام کرکے استعفا دیدیا۔ اور کہ مشن میں کام کرنے کا ارادہ بالکل بدل لیا۔ مسٹر صادق شروع ہی سے مسیحی خدمت اختیار کرنے کی خواہش ظاہر کرتے رہے ہیں۔ اور ہیں بھی وہ بڑے بے ریا مسیحی۔ اُدھر ڈاکٹر نیو ایک بڑے کامیاب مشنری ڈاکٹر اور بھلے آدمی ہیں۔ ماہ جولائی گذشتہ میں مجھے سری نگر جانیکا اتفاق ہوا تو میں نے خود دیکھا کہ اِن کے ہسپتال میں کیسا بڑا کام ہو رہا ہے اور ایک خدا پرست دیسی مسیحی ڈاکٹر کے لئے واں خدمت کرنے کا کیسا اچھا موقعہ ہے۔ تو پھر ایسی کونسی بات ہو سکتی ہے کہ جس کے باعث ان خدا کے بندوں کی ۱۵ روز بھی آپس میں نہ بنی۔ میں نے دانستہ اس معاملہ میں تحقیقات نہیں کی کیونکہ میں ایک طرف کی بات سُنکر اپنی رائے قائم کرنا نہیں چاہتا لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس معاملہ کی نسبت کئی قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اور عام مسیحی جوان مسیحی خدمت اختیار کرنے سے بدظن ہو رہے

ہیں۔ اِسکے ساتھ ہی ایک اَور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ جو طالبعلم مشن کا وظیفہ اِسی شرط پر لیتے رہے ہیں کہ وہ تعلیم ختم کر کے مسیحی خدمت اختیار کرینگے وہ بھی سرکاری نوکری کی تلاش میں رہتے اور مسیحی خدمت اختیار نہیں کرتے۔ کیا اسکا باعث اُنکا دُنیاوی مزاج ہے یا مشن کی ملازمت کا بے یقین۔ اور ان کی ترقی وغیرہ کا ایک واحد شخص کی خوشنودی یا غیر خوشنودی پر منحصر ہونا۔ اور کیا وجہ ہے کہ اتنے دراز عرصہ میں پنجاب میڈیکل مشن کے متعلق ایک بھی لائق اور پورا تعلیم یافتہ مسیحی ڈاکٹر مہیّا نہیں ہُوا۔ میں پھر ادب سے صلاح دیتا ہوں کہ اِس امر پر رپورٹ کرنے کے لئے بھی ایک کمیشن مقرر کیا جائے جسکے ممبران صاحبان مفصلۂ ذیل ہوں۔ ڈاکٹر آرتھر لنکسٹر پشاور۔ ڈاکٹر ٹی ایل پنیل بنوں۔ ڈاکٹر ایم بی عطارد اسسٹنٹ سرجن سینیر گریڈ راولپنڈی اور ڈاکٹر آئی یو ناصر اسسٹنٹ سرجن درجہ اوّل۔ بٹالہ۔ مجھے سُنکر رنج ہُوا کہ پنجاب انڈین کرسچن ایسوسی ایشن کی حالت خاطر خواہ نہیں۔ کنور سر ہرنام سنگھ صاحب بالقابہٗ کے پچاس ہزار روپیہ عطیہ دینے کے باعث لوگوں کی توجہ اِس طرف کم ہو گئی ہے۔ لیکن زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ جن طالبعلموں نے اس ایسوسی ایشن کی مدد سے اپنی تعلیم پُوری کی اور اب معقول تنخواہیں پا رہے ہیں وہ بھی اب اسکی مدد نہیں کرتے۔ کچھ عرصہ ہُوا اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی کہ پروفیسر مکرجی نے یہ تجویز پیش کی تھی۔ کہ طالب علموں سے اقرارنامے لکھوا لئے جائیں اور اُنکو یہ روپیہ قرض پر دیا جائے۔ اُس وقت مَیں نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی تھی۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ یہ ایک ایسی مارل آبلی گیشن ہے کہ جس کو ہمارے نوجوان خود بخود محسوس کرینگے۔ اور یہ تجویز نامنظور ہُوئی تھی۔ اب مَیں اپنی غلطی کو مانتا ہُوں اور مجھے اُمید ہے کہ آئندہ جنرل اجلاس میں (اگر کوئی منعقد ہُوا) یہ تجویز پھر پیش ہو کر منظور ہوگی۔ مَیں سُنکر خوش ہُوا۔ کہ مِس اے ڈنور صاحبہ جنکے لکھے ہُوئے مضامین گاہے بگاہے مسیحی میں چھپتے رہتے ہیں فی الحال ناروواں نہ جائینگی۔ اور امرتسر ہی میں مقیم رہینگی۔ آنریبل مِس میگناٹن ۲۹ اکتوبر کو کلکتہ پہنچیں اور راجپور ہوتی ہُوئی ہفتہ عشرہ تک امرتسر پہنچ جائینگی۔ آپ مِس ہیولٹ صاحبہ کے کام میں بڑی مددگار اور باوجود اپنے اعلیٰ رُتبہ کے دیسی مسیحیوں کی سچّی دوست ہیں۔ پنجاب نیٹو چرچ کونسل اور سی ایم ایس کانفرنس کا مجوّزہ الحاق پیرنٹ کمیٹی نے منظور کیا۔ اس تجویز پر عنقریب عملدرآمد ہونیوالا ہے۔ سالگذشتہ میں مسیحی کے کالم میں اِس تجویز کے حُسن و قبح پر بہت کچھ لکھا گیا۔ اگلے نمبر میں میں اسکی نسبت کچھ اَور لکھونگا۔ منشی نظام الدین ساکن امرواڑا ممالک متوسط نے مبلغ چار روپیہ شہیدانِ چین کی یادگار کے لئے چندہ بھیجا ہے۔ یہ پہلا عطیہ ہے جو اِس فنڈ کے متعلق مجھے موصول ہُوا ہے۔ یہ رقم مَیں سکرٹریان فنڈ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۷ ٭ جملہ خط و کتابت و ترسیل بنام مسٹر ایم آر ایلیا رام وکیل امرتسر ٭ L72

مسیحی امرتسر

THE MASIHI

AMRITSAR.

جلد ۔ نمبر (۱۱)

اشاعت ماہ نومبر ۱۹۰۹ء

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک دو روپے پیشگی۔

فہرست مضامین

مطبوعہ دیبر ہند پریس امرتسر

نوٹ بُک

مشنری صاحبان بالخصوص دیسی مسیحیوں کی خاص توجہ میں ایک ضروری گذارش کی طرف دلاتا ہوں۔ ۹ سال کے عرصہ میں جو خدمت مسیحی نے کی ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری ناظرین سے پوشیدہ نہیں۔ شاید بعض اوقات ایسی باتیں بھی اِس میں درج ہُوئیں جنکا درج نہ ہونا بہتر تھا۔ لیکن اگر اعمال کا فیصلہ انسان کی نیت پر ہوگا تو مسیحی کے کارپرداز قابلِ الزام نہ ٹھہرینگے۔ اب ہم ایک نئے سال کے آستانہ کے متصل آ پہنچے ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے گذشتہ تجربہ سے چند مفید نتائج حاصل کروں۔ سال بسال مجھے اپنے ناظرین سے یہ شکایت رہی ہے کہ وہ اِس رسالہ کے قایم رکھنے میں مینیجر اور ایڈیٹر کا ہاتھ نہیں بٹاتے جنکو خدا نے لیاقت اور تحریر کی طاقت دی ہے۔ وہ تو بالکل خاموش ہو بیٹھے ؎ کاغذ بدیدند و قلم بشکستند۔ اُن کو مکرر سہ کرر بلکہ بار بار اُن کے اپنے فرائض اور وعدے یاد دلائے گئے ؎ گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو۔ مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ اُدھر مینیجر کا آئے دن یہی رونا کہ خریدار قیمت اخبار ادا نہیں کرتے۔ بعض دو دو تین تین سال سے خاموش ہیں۔ اگر رسالہ بند کرنے کا نوٹس دیا جائے تو چونک اُٹھتے ہیں مگر پھر وُہی سکوت کا عالم۔ بلوں پر بل۔ یاددہانیوں پر یاددہانیاں اُنکی خدمت میں بھیجی جا رہی ہیں۔ اور اُدھر سے جواب ندارد۔ اِس قسم کے حالات کے مقابل مدت تک کھڑے رہنا محال ہے۔ یُوں تو جملہ مذہبی اخبارات اور رسالوں کا یہ حال ہے کہ اُن کے خریداروں کی تعداد کبھی زیادہ نہیں ہُوئی۔ مگر جب مسیحی نے اپنی اشاعت صرف مسیحیوں تک محدود رکھی تو گویا اپنا حیطۂ اشاعت اَور بھی تنگ کر لیا۔ بعض اَور امور بھی اس کی ترقی اشاعت کے مانع رہے ہیں۔ اِن میں سے فقط ایک کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔ ہمارے مُلک میں مسیحیوں کی پرورش اور ہستی کا دارومدار بہت کچھ مشنری صاحبوں کی نگاہِ تلطف پر ہے۔ جب کبھی مسیحی نے کسی مشنری اصول یا پالیسی یا کارروائی پر آزادانہ رائے دی تو مشنری صاحبان کے تیور بدل گئے۔ اور ساتھ ہی اُن کے متعلقین بھی مسیحی کے ساتھ بگڑ بیٹھے۔ اس کمبخت راست روی نے اِس رسالہ کو کیسی کیسی خندقوں میں نہیں گرایا۔ مگر فضلِ ایزدی نے اسکو ابھی تک بچائے رکھا۔ ان حالات پر غور کرنے سے ہر ایک صاحبِ فراست استفسار کریگا کہ باوجود اِس قسم کی مُشکلات کے اسکو قایم رکھنے سے کیا غرض تھی۔ کیا وجہ ہے کہ اسکے کارپرداز چوٹوں پر چوٹیں کھا رہے ہیں اور اسکا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اِس سوال کا جواب وُہی شخص سمجھ سکتا ہے جو محبت کی خدمت اختیار کرتا ہے۔ اِس قسم کی خدمت ایک خوشی کو لئے ہُوئے ہے۔ جو خدمت کرنے

ایک ضروری گذارش

مسیحی کی نویں جلد قریب الاختتام ہے۔ دسویں سال میں قدم رکھنے سے پیشتر ہم اپنے معزّز ناظرین سے دو ایک ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ تو اس رسالہ کی اشاعت کو فقط مسیحیوں تک محدود رکھنے کی وجہ سے اور کچھ آزادانہ رائے زنی کے باعث اس کے خریداروں کی تعداد کبھی زیادہ نہیں ہوئی۔ اس پر اور کئی قسم کی مشکلات رُونما ہو گئی ہیں۔ اوّل اوّل تو ہمارے اہل قلم معاونین مسیحی کو اپنے قیمتی مضامین سے بہرہ ور فرماتے رہے۔ کچھ عرصہ سے وہ بھی قلم ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور یہ تو ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ اکیلا ایڈیٹر کبھی کسی اخبار یا رسالہ کو نہیں چلا سکتا۔ اُدھر مینیجر کی آئے دن یہی شکایت رہتی ہے۔ کہ خریدار اپنا چندہ ادا نہیں کرتے۔ بار بار تقاضا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اصحاب دو دو تین تین سال تک بلا ادائے قیمت رسالہ کو لے رہے ہیں۔ اور بل یا یاددہانی کے خطوط کا جواب تک نہیں دیتے۔ اس پر طُرّہ یہ کہ رسالہ بند کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ غرض کچھ اسی قسم کے اسباب جمع ہو گئے ہیں کہ اب مسیحی کا اپنی موجودہ صُورت میں قائم رہنا ناممکن ہے۔ اس لئے ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں گذارش کیا چاہتے ہیں کہ اگر آپ اس رسالہ کی ضرورت نہیں سمجھتے تو ایک ماہ کے اندر اپنی قیمتی رائے سے ایڈیٹر کو ممنون فرمائیں۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ خالی خولی رائے کا کچھ فائدہ نہیں۔ اوّل تو خریداروں کی تعداد بڑھانے میں کوشش ضرور ہے۔ اور پھر ہر ایک خریدار کو زرِ چندہ پیشگی ادا کرنا چاہیئے۔ بغیر ان ہر دو صورتوں کے یہ سمجھا جائیگا کہ ناظرین مسیحی کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ اس استفسار کا نتیجہ ماہِ دسمبر کے رسالہ میں مُشتہر کیا جائیگا۔ جس طرح خدا ہماری ہدایت کرے گا ہم عمل کرنے کو تیار ہیں۔

نوٹ اور رائیں

ہندوستانی مسیحیوں کی فوج گورنمنٹ ہند نے جو احکام علاقہ مدراس کے ہندوستانی مسیحیوں کو فوج میں بھرتی کرنے کی نسبت نافذ فرمائے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس علاقہ کی بارہ ہندوستانی رجمنٹوں میں ایک ایک کمپنی (ایکسو بیس آدمی) ہندوستانی مسیحیوں کی ہوگی۔ جنکے افسر بھی مسیحیوں میں سے ہوں گے۔ کوارٹر اِن کے اَوروں سے علیحدہ ہوں گے۔ اور مذہبی تعلیم کا انتظام بھی خاطر خواہ ہوگا۔ فوجی نوکری نہ فقط گذارہ کی ایک نئی صورت نکل آئی ہے بلکہ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکار دولتمدار اپنی ہندوستانی مسیحی رعایا کی نمک حلالی پر بھروسہ رکھتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ کیا غدر کے ایام کبھی انگریزی قوم کے صفحۂ دل سے مفقود ہو سکتے ہیں۔ کیا ہندوستانی مسیحیوں کی جان بھی سلطنت انگلشیہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ غدر ہُوا انگریزوں کے خلاف اور مارے گئے بیچارے مسیحی۔ باغیوں کا وحشیانہ سلوک تواریخ ہند میں ایک نہایت دردناک قصہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ مسیحی سلطنت اِس مُلک میں نہ رہے تو ہندوستانی مسیحیوں کی جان پر کیا کیا آفت نازل نہ ہوگی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری سرکار اس بات کو بخوبی سمجھتی ہے مگر مذہبی مساوات کی وجہ سے اِسکا اظہار نہیں کر سکتی۔ کچھ عرصہ ہُوا کہ پنجابی مسیحیوں کو فوج میں بھرتی کرانے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر کسی نہ کسی باعث سے کامیابی نہ ہُوئی۔ اب مدراس کے مسیحیوں میں نیا انتظام شروع ہونے سے اُمید کی جاتی ہے کہ جب ہمارے علاقہ میں بھی کافی تعداد مسیحی رنگروٹوں کی مہیا ہو سکے گی۔ تو یہاں بھی مسیحی کمپنیاں بن جائینگی۔

جان مرڈک صاحب مرحوم کا یادگار چند اصحاب کی درخواست پر مدراس کی مشنری کانفرنس میں یہ تجویز قرار پائی ہے کہ ڈاکٹر مرڈک صاحب کا یادگار

دو صورتوں میں قایم کیا جائے۔ اوّل تو اُن کی قبر پر ایک عمدہ پتھر لگایا جائے۔ اِس پر تخمیناً پانسو روپے خرچ ہوں گے۔ دوسری تجویز جسکو خود ڈاکٹر صاحب موصوف بدل و جان پسند کرتے یہ ہے کہ جن سوسائیٹیوں کے متعلق مرڈک صاحب خدمت کرتے رہے اُن کے لئے ایک عمارت تعمیر کی جائے۔ اس کے لئے دس ہزار روپے کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ قبر کے لئے زیادہ سے زیادہ پانچ روپے چندہ رکھا گیا ہے تاکہ بہت سے لوگوں کو اس میں دینے کا موقعہ دیا جائے۔ اگر کچھ روپیہ ضرورت سے زیادہ جمع ہو گیا تو وہ عمارت پر خرچ کیا جائیگا۔ منتظم کمیٹی کی طرف سے ڈاکٹر مرڈک صاحب کے جانشین پادری ایچ گلیفورڈ صاحب چندہ وصول کرینگے۔

انجیل مقدس کا نیا ترجمہ اِس ترجمہ کی کمیٹی نے ۱۲ ستمبر کے روز نظر ثانی کا کام ختم کیا۔ جو عارضی نسخہ شایع ہو چکا ہے۔ اسکی نظر ثانی از سرِ نو کی گئی اور بہت تھوڑی تبدیلیاں اُس میں کی گئی ہیں۔ مگر چونکہ یہ نیا مستند ترجمہ سال آیندہ کے اخیر تک شایع نہیں ہوگا اِس لئے فی الحال وُہی عارضی نسخہ کار آمد ہوگا۔ ڈاکٹر وایٹ برکیٹ صاحب جو اگلے سال رخصت پر تشریف لے جانے والے ہیں غالباً رومن اُردو کا نیا ترجمہ انگلستان میں چھپوائینگے۔

بشپ ولڈن صاحب کی رائے وعظوں کی نسبت انگلستان کے ایک مشہور ماہواری رسالہ میں بشپ ولڈن صاحب نے "وعظ کرنے کی مشکلات" پر ایک نہایت برجستہ مضمون شایع کیا ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں کہ گرجا کی عبادت میں وعظ پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئے۔ بلکہ گیان دھیان پر۔ اور چونکہ بہت سی ہلکے درجہ کی وعظوں کے باعث اچھی وعظوں کا فائدہ بھی زایل ہو جاتا ہے۔ اس لئے وعظوں کی تعداد بہت نہیں ہونی چاہئے۔ بشپ صاحب موصوف زبانی تقریر کی نسبت تحریر کردہ وعظوں کو گرجا میں پڑھنا انسب سمجھتے ہیں۔ اِس سے کم از کم ایک فائدہ تو مقصود ہے یعنی وعظ کرنے والوں کو کچھ نہ کچھ تیاری کرنی پڑیگی۔ ہم نے اپنے بعض پادری صاحبان کو دیکھا ہے کہ اُدھر گرجا کا گھنٹہ بجا اور اُنہوں نے آیت تلاش کرنی شروع کی۔ اور پھر جو کچھ دل

میں آیا اُلّم غلّم جماعت کو سُنا دیا۔ یقیناً ہماری بعض جماعتوں کا صبر قابلِ تعریف ہے کہ وہ کیسے حوصلہ سے سال بھر ایسی وعظوں کو سُنا کرتے ہیں۔ بشپ وَلڈن صاحب کے خیال میں کسی وعظ کی تیاری میں کم از کم چھ یا آٹھ گھنٹوں سے کم خرچ نہیں ہونا چاہئیے۔ بعض کی تیاری میں اِس سے بھی زیادہ وقت درکار ہے۔ جہاں تک ممکن ہو وعظ میں متنازعہ مسایل کا ذکر نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ایسی باتیں جو رُوحوں کی نجات اور ترقّی کیلئے ضروری ہیں۔ ہمارے یہاں کے واعظوں میں ایک اَور بڑا بھاری نقص ہے یعنی اُنکی وعظوں کا مضمون قریب بکساں ہوتا ہے۔ جب جماعتوں میں تعلیم یافتہ اور اعلیٰ خیالات کے ممبر بھی شامل ہیں تو ضرور ہے کہ واعظ اپنی وعظوں میں ان کی ضروریات کی رعایت بھی مدِنظر رکھے۔ اِس مدّعا کو پُورا کرنے کے لئے ہمارے پادری صاحبان لایق اور عالم اشخاص ہونے چاہئیں۔

ناگہانی موت بارہا ہم ایسے مسیحی بزرگوں کا حال سُنتے ہیں جنکو موت نے آناً فاناً آ گھیرا۔ اُن کو خُدا نے موت کی اُس دلی تکلیف سے بچا لیا جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ ایسوں کی ناگہانی موت سے کیا یہ خیال ہر ایک کے دل میں زور سے پیدا نہیں ہوتا کہ خدا ایسی موت سب کو عنایت کرے۔ جب آخر مرنا ہی ہے تو مدّتوں بستر مرگ پر پڑے رہنے یا رہ رہ کر جان دینے میں کیا خوبی ہے کہ انسان ناگہانی موت سے بچنے کے لئے "ہر اتوار۔ بُدھ اور جمعہ کی نماز کے بعد" یا دیگر مواقع پر خدا سے یہ درخواست کیا کرے کہ" اے کریم خداوند ناگہانی موت سے ہمیں بچا۔" اگر غور کیا جائے تو عاشق اپنے محبوب کے وصال کے لئے نزدیک ترین راستہ تلاش کرتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ خدا اپنے تلاش کرنے والوں کو اُن کے بستر مرگ پر بھی اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ مگر موت سے پیشتر اس کثیف جسم کے اندر سے وہ دُھندلا سا دکھائی دیتا ہے۔ جب جسمانی احساس کے دروازے بند ہو جائینگے تو ہم اسکو زیادہ صفائی کے ساتھ دیکھ سکیں گے۔ پس ایسی صورت میں ہمارا ناگہانی موت سے بچنے کی آرزو رکھنا کیا معنی رکھتا ہے کیا اس میں ہمارے لئے کوئی بہتری ہے۔ جب ہمارے جسم

سے آزاد ہونے کا وقت خدا کے ہاتھوں میں ہے تو کیا ہمکو یہ دُعا مانگنا نہیں چاہئے
کہ اے خدا ہماری زندگی کے ایّام تیرے اختیار میں ہیں تو جس صورت سے ہمیں اس
دُنیا سے لے جانا چاہتا ہے اپنی مرضی کو پُورا کر اور ہمیں پُوری تیّاری بخش دے کہ جس
وقت تو بلائے ہم کمربستہ اور تیّار پائے جائیں۔ تعجب نہیں کہ ناگہانی موت سے بچنے
کی دُعا میں یہ خیال مُضمر ہے کہ جو شخص ایسی موت سے بچنا چاہتا ہے وہ اُسکے لئے
تیّار بھی رہے گا۔ مگر اوّل تو دُعا مانگنے والوں میں اکثر اِس خیال تک نہیں پہنچتے۔ اور پھر کیا
ہر قسم کی موت کے لئے تیّار رہنے کی درخواست کے بجائے ایک خاص قسم کی موت
سے خائف رہنا اور اُس سے بچنے کی دُعا ہمیشہ کرتے رہنا درست اور جائز ہے۔

کیا خرگوش جُگالی احبار کی کتاب کے گیارھویں باب میں آیا ہے کہ "تم خرگوش
کرنیوالا حیوان ہے؟ کو نہ کھاؤ کیونکہ وہ تو جُگالی کرتا ہے۔ پر اُسکا کھُر چِرا ہُوا نہیں
ہے وہ تمہارے لئے ناپاک ہے"۔ سائنس والے اسپر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ
خرگوش جُگالی کرنے والا حیوان نہیں اسلئے بائبل کا بیان غلط ہے۔ مگر کیا یہ واقعی اُن
قدیم بزرگوں کا محض ایک وہم تھا جو اُن کی ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ تو سچ
ہے کہ بائبل کوئی علمی رسالہ نہیں بلکہ راہِ نجات کا ہدایت نامہ ہے۔ باوجود اس کے
اسکے اندر ایسی باتیں ہیں جو اب تک سائنس والوں کے خیال میں بھی نہیں آئیں خرگوش
کے جُگالی کرنے کی نسبت ملک ہالینڈ کے مشہور طبیب ڈاکٹر وِل صاحب نے قُدما
کی تمام تصانیف میں ارسطاطالیس سے شروع کر کے زمانۂ حال تک خوب چھان بین کی
ہے۔ پندرہ مشہور مصنّفین میں سے آٹھ کی یہ رائے ہے کہ خرگوش جُگالی کرنے والا
جانور ہے گو وہ اُسکو ثابت نہ کر سکے۔ چار نے صاف کہہ دیا کہ یہ جانور جُگالی نہیں کرتا۔
باقی تین نے اسکی نسبت شُبہ ظاہر کیا۔ پھر اُسی محقق نے زمانۂ حال کے دو ایسے مشہور
فرانسیسی عالموں کی رائے قلمبند کی ہے جو علمِ حیوانات میں ماہر ہیں۔ اُن دونوں نے
خرگوش کو جُگالی کرنے والا حیوان قرار دیا ہے۔ اس سے یہ مُراد نہیں کہ گائے بیل۔ یا
بھیڑ بکری کی طرح اُس کے معدے کے چار حصّے ہیں۔ مگر تو بھی یہ لفظی طور پر صحیح ہے۔

کہ وہ جگالی کرتا ہے۔ اِن عالموں میں سے ایک نے چند خرگوش لے کر ان کو زیرِ ملاحظہ رکھا مگر یہ جانور ایسے ڈرپوک ہیں کہ جب کوئی شخص ان کی طرف دیکھتا ہو تو جگالی نہیں کرتے۔ آخر اُس عالم نے اُن کی آنکھیں نکال ڈالیں تو کیا دیکھتا ہے کہ مقعد میں سے کچّی خوراک نکال نکال کر پھر چبا رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کتابِ مقدّس کے مصنّفوں کو وہ بات معلوم تھی جس کو دریافت کرنے میں سائنس نے ہزاروں سال خرچ کر دیئے۔

انسانی جسم ایک بیج ہے

مقدّس رسول پولُس کرنتھیوں کے نام کے پہلے خط میں انسان کے جسم کو ایک بیج سے مشابہ کرتا ہے۔ اسکے خیال میں انسان کا بویا جانا موت اور جی اُٹھنا بیج کے بوئے جانے مرنے اور اُگنے سے مطابقت رکھتا ہے۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب انسان مر جاتا اور اسکا جسم زیرِ زمین دفن کیا جاتا ہے تو وہ گویا بیج کی طرح مٹی میں بویا جاتا ہے۔ ہم نے اس اعتقاد کی وجہ سے ایک مشہور مسیحی عالم کو یہ وصیّت کرتے سُنا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری لاش کو صندوق میں بند کر کے مت گاڑنا۔ کیا بیج کو کسی ڈبیا میں بند کر کے بویا کرتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر ممیری صاحب نے نہایت مدلّل طور پر ثابت کر دکھایا ہے کہ انسان اپنی پیدائش کے وقت دُنیا میں بویا جاتا ہے۔ اسکا مر کر دفن کیا جانا بیج کے سڑ جانے سے مطابقت رکھتا ہے۔ چنانچہ صاحب موصوف رسول پولُس کی تشبیہ پر غور کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ "اِس تشبیہ میں اوّل بونے کا ذکر ہے۔ جس طرح گیہوں کا بیج زمین میں بویا جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح انسان دُنیا میں اپنی پیدائش کے وقت بویا جاتا ہے۔ جو جسم اُگنے والا ہے وُہی بویا نہیں جاتا۔ جو جسم بویا جاتا ہے وہ کبھی نہیں اُگتا۔ بیج کا جسم زمین کے مناسبِ حال ہے۔ اور اس کی انگوری کا جسم ہوا اور روشنی کے عالم کے ساتھ تعلّق رکھتا ہے۔ ویسے ہی انسان کا مادّی جسم زمین پر زندگی بسر کرنے کے لئے مناسبِ حال ہے اور اسکا رُوحانی جسم روحانی زندگی کے مناسبِ حال ہے۔ جو جسم بویا جاتا ہے وہ ایک قسم کے حالات کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ اور جو جسم اُٹھتا ہے وہ دوسری قسم کے حالات کے لئے مناسب ہے۔ غرض دونوں جسم اپنی ہستی کے مختلف حالات

کے مطابق ہوتے ہیں - دوم بیج کی موت - بیج زمین میں سڑ جاتا ہے - ویسے ہی انسانی جسم کا حال بھی ہوتا ہے - مگر دونوں صورتوں میں فقط پوست ہی سڑتا ہے۔ بیج کے اندر اندر زندگی کا مادّہ موجود ہے اور انسان کے جسم کے اندر بھی ایک زندہ روح ہے - جب بیج سڑ جاتا ہے توانگوری پھوٹ نکلتی ہے - اور انسان کی موت پر اُس کی روح ایک اعلیٰ زندگی اختیار کر لیتی ہے - بیج سڑنے کے لئے بویا جاتا ہے اُسی طرح انسان کا حال بھی ہے ...... انسانی روح کے نشوونما کے لئے موت ضرور ہے - موت ہی کے ذریعے سے بہتر زندگی میں دخل حاصل ہو سکتا ہے - سوم - بیج کا اُگنا - مادّی عالم میں سے انسان کا جی اُٹھنا بھی بعینہٖ بیج کے اُگنے سے مشابہت رکھتا ہے - اصلی بیج زمین میں پڑا رہ جاتا ہے - اور اُگتا اُسکا وہ مادّہ ہے جو زندگی کو لئے ہوتے ہے - بیج کا اُگنا اسکا زمین میں سے زندہ ہو کر نکلنا نہیں ہے - ویسے ہی انسان کا حال ہے - ضرور ہے کہ وہ اپنی لاش میں سے نہ کہ لاش کے ساتھ اُٹھے۔

سب باتوں میں اُسکا اوّل درجہ ہو مسیحی کارندوں کی نورتھ انڈیا کونفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس حسبِ معمولِ سابق بمقام مسوری منعقد ہوا جس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ مشنری اور دیگر مسیحی کارندے شامل ہوئے - اِس موقعہ پر علاوہ کلام کی تلاوت اور دعا کی مجالس کے مسیحی خدمت کے متعلق اعلیٰ درجہ کے علمی مضامین پڑھے گئے - اور اُن پر بحث کی گئی - یقیناً یہ کانفرنس جو ہفتہ بھر تک قایم رہی ایک نہایت تازگی کارزمانہ تھا - جو مختصر تقریروں کے خلاصے شایع ہو چکے ہیں اُن کو قطع نظر کر کے اسوقت ہم اپنے مکرّم و معظّم دوست ڈاکٹر پنیل صاحب کی ایک تقریر میں سے چند فقرات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں - صاحب موصوف نے جو کچھ کہا اپنے ذاتی تجربہ سے کہا - اور چونکہ آپ کو مشنری صاحبان کے درمیان خود نثاری کا ایک اعلیٰ نمونہ تصوّر کرتے ہیں آپ کے الفاظ ہمارے لئے نہایت وزندار اور قیمتی ہیں - آپ فرماتے ہیں کہ جب میں اوّل اوّل اس مُلک میں وارد ہوا تو مجھے خیال تھا کہ مشنری صاحبان گھاس پھوس کی جھونپڑیوں میں بود و باش کرتے اور دن بھر کھجور کے درختوں کے نیچے یا بازار

میں منادی کیا کرتے ہوں گے۔ جب مَیں نے اصل حال دیکھا تو میں حیران رہ گیا جب مَیں اپنے کام میں مشغول ہُوا تو اِس حیرت کا خیال آہستہ آہستہ جاتا رہا۔ مگر چند سال کے بعد مجھے معلوم ہُوا کہ مَیں بے دیدہ و دانستہ اپنے پُرانے خیالات کو ہاتھ سے دے بیٹھا ہُوں۔ اور میری رُوحانی طاقت کسی قدر مجھ سے جاتی رہی ہے۔ یہ تو مَیں جانتا تھا کہ مَیں نے مشنری ہوکر ہندوستان میں آنے سے کیا کچھ ترک کیا ہے مگر اب میری آنکھیں کھلیں کہ دُنیاداری کی جس بات کو مَیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر آیا تھا مَیں نے پھر اُسی کو اختیار کر لیا ہے۔ مجھے پتہ لگا کہ مشنری خدمت کے روزانہ کام میں مجھے بہت سی طاقت اور وقت کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس سے فائدہ تو ضرور تھا مگر اعلیٰ قسم کے فایدہ کا دروازہ بند ہو رہا تھا۔ بعد ازاں مَیں نے فقیرانہ طرز اختیار کیا۔ مگر مجھے معلوم ہوگیا کہ ظاہری طریقوں کے زیرِ پردہ ویسے ہی امتحان چھپے تھے جیسے کہ انگریزانہ زندگی کے دھندے ہُوا کرتے تھے۔ جس سے مَیں نے یہ سبق حاصل کیا کہ ظاہر پر کچھ موقوف نہیں ہے۔ اصلی فرق اندرونی زندگی پر منحصر ہے۔ ہمارا زندگی کا اصُول یہ ہونا چاہیئے کہ سب باتوں میں اُسکا اوّل درجہ ہو"۔۔۔۔ سلامتی بعض اس قسم کے قواعد میں نہیں ہے کہ میں آج سکوٹ کو یا ٹینس کھیلنے نہ جاؤنگا۔ بلکہ اس پر کہ ہم ہر ایک بات میں یہ سُوال کیا کریں کہ "کیا اس میں مسیح کا اوّل درجہ ہے"؟

مِس کے سی رائٹ مرحوم مِس کیتھرائین کرسچینا رائٹ۔ پادری ہنری رائٹ سابق آنریری سکرٹری سی ایم ایس کی پانچویں دُختر تھیں۔ اُن کے بھائی پادری ایچ رائٹ۔ اور بہن مِس اے ایف رائٹ ۱۸۹۰ء میں ہندوستان آئے۔ اور آپ ۱۸۹۳ء تینوں اوّل اوّل بمقام امرتسر مقیم ہُوئے۔ جولائی ۱۸۹۴ء میں پادری ایچ رائٹ انتقال کر گئے۔ ۱۹۰۰ء تک آپ الگزنڈرا اسکول امرتسر میں کام کرتی رہیں۔ اس سال بمقام آگرہ مسیحی لڑکیوں کے بورڈنگ سکول کے کام میں اپنی بہن کی مدد کرنے کو بھیجی گئیں۔ وہاں بڑی مشکلات کا سامنا کرکے اِن دونوں بہنوں نے ایک عالیشان عمارت سکول کیلئے صرف کثیر سے تعمیر کروائی۔ آپکو ہندوستانی مسیحی لڑکیوں کی تربیت و تلقین میں خاص دلچسپی تھی اور اِس کام کو آپنے خوب انجام دیا۔ ایسی قابلِ نمونہ زندگی اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔

مُبارک زندگی کی موجودہ صورتیں

باب (۳)

"پاک کرتا ہے"

(تصنیف پادری ایف۔ بی مایر)

نئے عہدنامہ کے ایک نہایت بیش قیمت باب میں ہم پڑھتے ہیں کہ ہمارے خُداوند نے اپنے باپ کے حضور صعود کر جانے کے تھوڑا عرصہ پیشتر جب اسکے دل میں ایسے اعلیٰ خیالات موجزن تھے کہ میری ماہیت کیا ہے اور اب مجھ پر کیا واقع ہونے کو ہے۔ دسترخوان سے اُٹھ کر رومال سے کر اپنی کمر میں باندھا اور اپنے شاگردوں کے پاؤں دھونے لگا (یوحنا ۱۳ باب) پطرس کی درخواست پر بھی اُس نے پاؤں دھونے ہی پر اکتفا کیا۔ اور ان کے ہاتھ اور سر کے دھونے سے انکار کیا۔ کیونکہ وہ جو نہلایا گیا سوا پاؤں دھونے کے محتاج نہیں بلکہ سراسر پاک ہے۔ اس لئے اس نے صرف ان کے پاؤں ہی دھوئے اور وہ سراسر پاک ہوئے۔

یہ واقعہ کہ جس میں الٰہی شوکت الٰہی فروتنی میں ظاہر ہوئی محض انجیل کا ایک حصّہ اور اٹھارہ سو برس کی مُدت کا وقوعہ ہی نہیں بلکہ یہ زمانۂ حال کا ایک واقعہ ہے۔ الٰہی علم ریاضی کے مطابق کہ جس کے رُو سے ایک ہزار برس ایک دن کے برابر ہے یہ پرسوں شام کو واقع ہوا۔ ایمان کے حساب کے مطابق یہ آج بھی واقع ہو رہا ہے۔

انجیلی داستانیں پڑھنے کے دو طریق ہیں۔ ایک تو ہم اُن کو حیرت کی نگاہوں سے پڑھیں اور تعجب اور مرحبا کا اظہار کریں جیسے مسیح کی داستان۔ یا ہم ہر ایک آیت پڑھ کر اس کی طرف نگاہ اُٹھائیں۔ اور یہ محسوس کریں کہ یہ اس امر کا بیان ہے کہ وہ کیا ہے۔ یہ دونوں پہلو درست ہیں۔ ہمیں صرف یہی درکار ہے کہ اِن دونوں کو باہم ملا دیں۔ لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ ہم حواریان کو اکثر زمانۂ ماضی کے مؤرخ قرار دیتے ہیں اور نہ زمانۂ حال کے وقایع نگار۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ یسوع مسیح جو آج تخت پر جلوس فرما ہے وُہی ہے جو کل ہماری دُنیا کی راہوں میں چلتا پھرتا تھا۔ اور اس بھلاوے میں ہم کتنا گھاٹا اُٹھاتے ہیں! جو کچھ وہ تھا وُہی وہ ہے۔ جو کچھ اُسنے کہا وُہی وہ کہتا ہے جو کچھ اُس نے کیا وُہی وہ کرتا ہے۔ انجیلیں صرف اس زندگی کا نمونہ ہیں جو وہ ہمیشہ جیتا ہے۔ وہ اُسکی ناتبدیل ذات کی ڈائری روز

نامچہ) میں سے چند ورق ہیں۔

آج وہ برکتوں کے پہاڑ پر تعلیم دینے کو بیٹھا ہے اور ساری کائنات ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح اسکی آنکھوں کے آگے پڑی ہے کہ اُس سے وہ ایسی تمثیلیں پیش کرے کہ جن سے بچوں کی آنکھیں خوشی سے روشن ہوجائیں اور جن سے سوچ والے تعلیم پائیں۔ آج کے دن بھی وہ بیماروں اور مصیبت زدوں پر اپنے شفابخش معجزے ظاہر کر رہا ہے۔ بیماروں کے درمیان سے گذر رہا۔ بیماران تپ کے مکانوں میں جاتا۔ بیمار خانوں میں کھڑا ہوتا ہے اُسکی زبان پر تالیتاقومی ہے اور اسکے ہاتھوں میں شفا ہے۔ آج وہ بڑی فروتن فتحمندی میں بچوں اور وفادار دوستوں کی محبت کے درمیان سوار ہو کر جارہا ہے جس حال کہ فریسی اور صدوقی اسکو ٹھٹھوں میں اُڑاتے ہیں۔ آج بھی وہ اپنے شاگردوں کے پاؤں جو سفر بیابان سے گردآلودہ ہیں دھو رہا ہے۔ ہاں میرے دوست یہ خوشگوار واقعہ تجھ میں بھی وقوع میں آرہا ہے اگر تو اُس کی پُرمحبت خدمت سے انکار نہ کرے جسکو ہم اپنا آقا اور مالک کہتے ہیں لیکن جو اب بھی اپنی کمر باندھ کر ہماری خدمت کو آتا ہے۔

اگر ہم راست رہنا چاہیں تو ہمیں اِس ہمیشہ پاک کئے جانے کی احتیاج ہے۔ ایک خاص وقت کی طرف پیچھے مڑکر دیکھنا ہی کافی نہیں کہ جب ہم ابنِ خدا کے پاؤں میں معافی کے خواستگار ہو کر گر پڑے اور اُسے یہ کہتے سُنا کہ تیرے گناہ جو بہت ہیں معاف ہوئے۔ ہر روز اور ہر ساعت کے گناہ سے ہمیں ہر روز اور ہر ساعت پاک صاف ہونے کی ضرورت ہے۔

کان کُن کی آنکھ سے جو دن بھر کوئلوں کی گرد کے درمیان کام کرتا ہے سبق سیکھو۔ جب وہ روشنی میں باہر آتا تو اسکا چہرہ سیاہ نظر آتا ہے لیکن اسکی آنکھیں صاف اور شفاف ہیں کیونکہ آنسوؤں کے چشمہ سے نہریں نکل کر آنکھوں پر سے بہتی رہتی ہیں اور گرد کے ذرہ کے پڑتے ہی اُسکو بہالے جاتی ہیں۔ کیا یہ صاف کرنے کا معجزہ نہیں جس کی اِس دُنیا میں ہماری رُوحوں کو احتیاج ہے؟ اگر ہم خداوند پر بھروسہ رکھیں تو وہ ہمارے لئے یہی کرنے کو تیار ہے۔

خدا کے تخت کے حضور یسوع کا خون ہمیشہ ہماری شفاعت کرتا رہتا ہے جب ہمارا سردار کاہن ہمارا پیش رو ہو کر واں داخل ہُوا تو اُس نے ہمارے لئے واں چھڑکا اور اسکا واں ہونا رحمت کیلئے ہمارا عذر ہے۔ لیکن باطنی پاکیزگی کے لئے اس خون کی ہمیں ہمیشہ احتیاج ہے صیغہِ ماضی میں اس کا یُوں ذکر کرنا کہ اُس نے ہمیں پاک کیا ہے کافی نہیں۔ ہمیں یہ درکار ہے کہ زمانۂ حال میں اسکا برابر ذکر کرتے رہیں کہ یہ پاک کرتا ہے۔

جب کبھی تمہاری پُرانی سرشت کسی خیال یا خواہش کی صورت میں ظاہر ہو تو اوپر کو نگاہ کرو اور

قیمتی خون سے پاکیزگی پانے کے دعویٰ دار ہو۔

جب کبھی آزمانے والا تم پر حملہ آور ہو تمہاری روح کے دروازہ کو کھٹکھٹائے اور تمہاری دہلیز کو اپنے نقش پا سے آلودہ کر جائے تو پھر اوپر کو نگاہ کرو۔ اور اپنے نجات دہندہ کے منصب کے دعویٰ دار ہو کہ وہ ہر ایک نقش پا کو مٹا دے اور ہر ایک دھبہ کو دور کرے۔

جب کبھی یہ خیال تم کو ستائے کہ مجھ میں اور یسوع کی انسانیت کے نمونہ میں کتنا بھاری فرق ہے اور اس کوتاہی کا احساس تمہاری روح کو پریشان کرے تو ایک ہی علاج سے تمہیں فائدہ مل سکتا ہے۔ اور وہ مذبح نہیں جہاں قربانی چڑھائی جاتی ہے بلکہ وہ حوض جہاں کاہن جتنی بار چاہے اپنے آپکو دھو سکتا ہے۔

جب کبھی تم اچانک کسی گناہ میں مبتلا ہو جاؤ تو شام تک انتظار نہ کرو نہ کسی زیادہ بہتر موقعہ اور وقت کے چشم براہ رہو لیکن وہیں جیسی حالت میں تم ہو اپنا دل اپنے مہربان منجی کی طرف اٹھاؤ اور اس سے التجا کرو کہ وہ تمہیں دھوئے اور برف سے بھی زیادہ سفید بنائے۔

خدا کے گھر میں داخل ہونے سے پیشتر۔ عبادت میں حصہ لینے سے پیشتر۔ خدمت کا کام اختیار کرنے سے پیشتر یہ ہمارا فرض ہے کہ جس کسی چیز سے ہماری پوشاک دھبہ دار اور ہمارے دل ناپاک ہو گئے ہوں اس سے آپکو پاک وصاف کریں۔ ایسے وقتوں میں جب کسی قسم کا شور و گھبراہٹ خلل انداز نہ ہو ہمیں اپنے پاؤں دھونے کی احتیاج پر فکر کرنا چاہئے۔

اگر ہم ایسے زندگی بسر کریں تو ہم پائیں گے کہ خدا سے ہماری شراکت مسلسل اور پائدار ہے۔ اور کہ استاد ہمیں ہمیشہ اپنے کام میں لگائے رکھے گا۔ یسوع کو سونا یا چاندی کے ظروف کی ضرورت نہیں بلکہ صاف برتنوں کی۔ کوئی برتن مٹی کا کیوں نہ ہو اگر وہ صاف ہو تو وہ اسکا استعمال کرے گا۔ لیکن اگر کوئی برتن کیسے ہی عمدہ نمونہ کا کیوں نہ ہو لیکن وہ صاف نہ ہو یا بآسانی ہاتھ میں نہ آتا ہو تو وہ اسکو ضرور نظر انداز کر دے گا۔

ان الفاظ کی ضرورت پر ہم کافی زور نہیں دے سکتے۔ مسیح کے صفائی بخش فضل کے نالہ کی تہ میں پتھر کی طرح بیٹھ جاؤ۔ وہاں کوئی ناپاک چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ چاہئے کہ یہ صیغۂ حال ایک مبارک زندگی کا مقولہ اور دستور العمل ٹھہرے کہ "اس کے بیٹے یسوع مسیح کا خون ہمکو تمام گناہوں سے پاک صاف کرتا ہے"۔

مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا۔ زمیں الٹ گئی۔ کیا منقلب زمانہ ہوا۔
کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر جہاں جہاں میری قسمت کا آب و دانہ ہوا۔ (انیس)

روحانی چٹان

از پادری ایف ایس ویبسٹر ایم اے

وہ اُس روحانی چٹان میں سے پانی پیتے تھے جو اُن کے ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ اور وہ چٹان مسیح تھا۔ (۱ کرنتھیوں ۱۰: ۴)

یہ مقام اُن مقامات میں سے ایک ہے جن سے ہر زمانہ میں مسیح کی کلیسیا کی یگانگت ثابت ہوتی ہے۔ اس میں بنی اسرائیل کے اس واقعہ کا ذکر ہے جو مصر سے کنعان کو جاتے ہوئے گذرا تھا۔ ستفنس اُن کو "بیابان کی کلیسیا" کے نام سے نامزد کرتا ہے۔ اور عنوان کی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اُن اسرائیلیوں کو مسیح کی حضوری بخشی گئی تھی۔ اور یہی زندہ خدا کی اصلی کلیسیا کا حقیقی نشان ہے۔ ....

یہ تو سراسر ناممکن ہے کہ وہ عجیب مسافرت معمولی ضروریات کو انسانی طور پر مہیا کر کے طے ہوگئی ہوگی۔ ہم اس زمانہ کے فہم و فراست سے کم و بیش واقف ہیں۔ ہم میں سے بعض نے قاہرہ میں اہرام مصر پر نظر ڈال کر اُس قوم کی صناعی پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ موسیٰ میں عجیب نظم و نسق کا مادّہ اور قابلیت موجود تھی۔ مگر یہ انسانی قیاس سے باہر ہے کہ اتنی بڑی قوم فقط انسانی وسایل سے بیابان میں کھاتی پیتی رہی۔ آج کے دن روس اپنی فوجوں کو سنیچوریہ میں جمع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایک ہی ریلوے لین کے ذریعے اُنکی خوراک وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہو سکتا۔ اور موسیٰ کے پاس تو ایک بھی ریلوے لین نہ تھی۔ جو کچھ کلام میں لکھا ہے کہ اُس نے اُن کو آسمانی روٹی سے سیر کیا۔ اُس نے چٹان کو چیرا اور پانی اُچھلے۔ پانی نہر کی مانند خشکی پر بہے" اگر یہ لفظی طور پر راست نہ ہو تو یہ باور کرنا محال ہے کہ اُس بیابان میں ان لاکھوں اسرائیلیوں کی پرورش کیونکر ہوتی ہوگی۔

اِس سے ایک یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہم خدا کے بغیر گذارہ نہیں کر سکتے۔ انسانی رُوح کی اندرونی ضروریات زمینی سامان سے پُوری نہیں ہو سکتیں۔ خدا ہی ہے جو تمہیں روٹی اور پانی دے سکتا ہے ورنہ تمہاری رُوح برباد ہو جائیگی ...... ذرا غور کرو کہ اس روحانی چٹان کی طفیل جو اُن کے ساتھ ساتھ چلتی تھی بنی اسرائیل کیسی سخت مصیبت سے بچ گئے۔ پیاس کی شدّت سے جو موت واقع ہوتی ہے۔ اُس سے بڑھ کر سخت موت کوئی ہو نہیں سکتی۔ اور اب تم جو خدا کے

فرزند ہو اسی زندگی میں ہفتہ بھر اُس چٹان کے پانی کے بغیر گذارہ کرکے تو دیکھو۔ اگر تم صبح کے وقت اپنے کاروبار کے شروع میں بغیر اس پانی کے رہو تو تمہارا کیسا بُرا حال ہوتا ہے۔ اوّل تو دُنیا کی ناپاکی ہے جو گویا تمہاری طاقت کو زایل کرنے والی ہے۔ اگر اس بیابان میں راستہ کی ریت اور گرد اور سورج کی تیز دھوپ میں بنی اسرائیل کو پانی نصیب نہ ہوتا تو اُن کا کیا حال ہوتا۔ تم فقط آدھ گھنٹہ کے لئے مسیح سے جُدا ہوکر دیکھ لو۔ دُنیا کی ناپاکی کا اثر تم پر ہو جائیگا۔ تمہاری طاقت جاتی رہیگی تمہاری خوشی رُک جائیگی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی رُوحانی مرض لاحق ہو جائیگی۔

اِس میں یہ بھی غور کے لایق ہے کہ جو نجات ہمکو یسوع مسیح میں حاصل ہوتی ہے اس سے کیسی کیسی برکتیں ہم کو ملتی ہیں۔ وُہی چٹان کا پانی اسرائیلیوں کی تمام ضروریات کیلئے مکتفی تھا۔ اُسی سے اُنکو زندگی۔ صفائی۔ صحت۔ طاقت اور خوشی حاصل ہوتی تھی۔ بعینہٖ یہی حال خدا کی نجات کا بھی ہے۔ ایک ہی چشمہ گناہ اور ناپاکی کے دھونے کو جاری ہے۔ خواہ تمہیں اپنی پیاس کو بجھانا ہو۔ خواہ اپنی ناپاکی کو دھونا ہو۔ خواہ اپنے زخموں کو اچھا کرنا ہو یا خواہ تمکو آسمانی طاقت درکار ہو وُہی ایک چشمہ جاری ہے۔ اُسی صلیب سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے ....

یہ کیسی خلافِ قیاس بات تھی کہ چٹان میں سے پانی پھُوٹ نکلے۔ جب موسیٰ اسرائیلی بزرگوں کو اپنے ہمراہ چٹان کی طرف لایا تو اُنہوں نے خیال کیا ہوگا کہ یہ شخص ہمارے ساتھ دل لگی کر رہا ہے۔ وہ اپنے دل میں ضرور کہتے ہوں گے کہ کیا موسیٰ کو معلوم نہیں کہ ہمیں پانی درکار ہے۔ اُس سخت چٹان کے پاس جانے کا کیا فایدہ؟ اگر وہ ہمیں کسی سبزوادی یا کسی گیاہ بستہ چشمہ کے پاس لے جاتا تو بھی کوئی بات ہوتی۔ اُس خشک چٹان کی طرف جانا بالکل بے سود ہے۔ اب خُدا نے ایسی خلافِ قیاس جگہ کو کیوں چُن لیا۔ اِس لئے کہ اُسی کا جلال ہو۔ ورنہ اسرائیلی ضرور کہتے کہ یہ موسیٰ بڑا چالاک آدمی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ فُلاں جگہ میں پانی ہوگا۔ اِسی طرح ہم مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں اور دُنیا اسکو دیکھکر کہتی ہے کہ یہ خلافِ قیاس ہے۔ صلیب کی منادی اب تک بہتوں کے نزدیک بے وقوفی ہے اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ چٹان پر مارنے سے پانی کیونکر نکل سکتا ہے۔ مگر یہ ایمان سے ہو سکتا ہے اور یہ خدا کا فضل ہے تاکہ تمام و کمال جلال اُسی کا ہو جس نے اپنے مصلوب بیٹے کے وسیلے سے گنہگار دُنیا کو بچانا پسند کیا۔

پھر اس چٹان میں قیام کا خیال موجود ہے۔ سیّاح بیان کرتے ہیں کہ رفیدیم میں آج تک ایک چٹان کا ٹکڑا ریت کے اوپر کھڑا ہے جو غالباً اسی چٹان کا حصہ ہے جس میں سے پانی نکلا تھا۔ اس چٹان کے ایک گوشہ پر ایک نالی قریب میں انچ چوڑی اور دو انچ گہری

موجود ہے۔ جو پانی کی دھارا کے زور سے بن گئی تھی۔ یہ چٹان اب تک حوریب میں قایم ہے۔ بادو باراں کے طوفان نے میدان کی سطح کو خواہ کیسا ہی بدل ڈالا ہو مگر وہ چٹان جوں کی توں ثابت اور استوار کھڑی ہے۔ خدا کا شکر ہو کہ مسیح کل اور آج اور ابد تک یکساں ہے۔ کلیسیائیں گرجائیں۔ ہمارے پیشوا گمراہ ہو جائیں۔ مگر یسوع مسیح قایم رہتا ہے۔ جس فتحمندی کے ساتھ وہ تیسرے دن جی اُٹھا جو غلبہ اس نے قبر پر حاصل کیا وہ کبھی جاتا نہیں رہیگا۔ یہ چٹان محکم ہے۔ اے تھرتھراتی ہوئی رُوح! تیرے لئے اِس میں تسلّی ہے۔ کیا تمہیں سب باتیں اپنے خلاف معلوم ہوتی ہیں؟ کیا تمہارے حالات ابتر ہو رہے ہیں؟ کیا تمہارے ایمان پر ابر چھایا ہُوا ہے؟ کیا تمہیں سارا زمانہ اُلٹا پلٹا نظر آتا ہے؟ یاد رکھو مسیح قایم ہے ممکن ہے کہ تم اِس چٹان پر کھڑے ہو کر کانپنے لگو۔ مگر وہ تمہارے پاؤں کے نیچے کبھی جنبش نہ کریگا۔

پھر وہ چٹان سطح ریگ سے اوپر کو اُٹھی ہوئی یسوع مسیح کی طرف اشارہ کرتی ہے جو الٰہی ذات کا کمال رکھتے ہوئے انسانی جامہ میں ظاہر ہُوا۔ اور انسانوں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ وہ سراسر بے گناہ ہے۔ اب اگر اس چٹان کو مارا نہ جاتا تو بنی اسرائیل کو اس سے کیا فایدہ حاصل ہوتا۔ موسیٰ کو اس کی نسبت نہایت صریح ہدایات دی گئی تھیں۔ موسیٰ کو حکم تھا کہ اپنا عصا ہاتھ میں لے کر اسرائیلی بزرگوں کے ساتھ کھڑا ہو۔ اور خدا نے فرمایا کہ "میں وہاں حوریب کی چٹان پر تیرے آگے کھڑا ہونگا۔" وہ بزرگ حیران کھڑے دیکھ رہے تھے۔ کہ موسیٰ کیا کر رہا ہے۔ چٹان پر عصا کو مارنے سے عصا ہی ٹوٹے گا۔ اسکا اثر سنگِ خارا پر اَور کیا ہو سکتا ہے۔ مگر وہ سخت غلطی پر تھے۔ عصا کی ایک ہی چوٹ سے پانی کا دریا بہ نکلا۔ وہ کیسی خوشی کا دن تھا! ہر طرف خوشی اور شادمانی کے نعرے بلند ہو رہے ہونگے جنکی صدا حوریب کے ٹیلوں سے ٹکر کھا کر گونج اُٹھتی ہوگی۔ یہودی لڑکیاں اپنی اپنی ٹھلیا اُٹھائے ہوئے بڑی تیز قدمی کے ساتھ جا رہی ہیں۔ وہ خود پانی سے سیر ہو کر اپنے عزیزوں اور بیمار یا کمزور رشتہ داروں کے لئے ٹھلیا بھر کر لے جاتی ہیں۔ یہ عجیب جشن کا روز ہے۔ پیاسے آسودہ ہو رہے ہیں۔ زخمی اچھے ہو رہے ہیں۔ غلاظت دھوئی جا رہی ہے۔ کمزوروں کو آسمانی طاقت نصیب ہو رہی ہے۔ سارا لشکر زندگی اور طاقت سے لبریز ہو رہا ہے۔ اور اسکا سبب یہی تھا کہ وہ اس چٹان میں سے پیتے تھے جو اُن کے ساتھ ساتھ چلتی تھی۔

اب ایک اَور بات بھی قابل لحاظ ہے کہ خدا کا مطلب یہ تھا کہ اس چٹان کو صرف ایک ہی دفعہ مارا جائے۔ موسیٰ نے اسکو دو دفعہ مارا اور اسکا یہ فعل سخت نافرمانی گِنا گیا جسکا خمیازہ اسکو بھگتنا پڑا۔ خدا کے ارادے میں وہ چٹان ایک ہی مرتبہ کوٹی گئی۔ اب جو لوگ سمجھتے

[redacted]

ہیں کہ اس چٹان پر دوسری مرتبہ بھی چوٹ پڑسکتی ہے۔ مثلاً وہ لوگ جو عشائے ربانی کو قربانی چڑھانا مانتے ہیں وہ کلام مقدس کی تعلیم کے خلاف کرتے ہیں۔

اب یہ سوال ہوسکتا ہے کہ وہ چٹان کیونکر ان کے ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ چنانچہ سند کی آیت میں کہا گیا ہے کہ "وہ اُس روحانی چٹان میں سے پانی پیتے تھے جو اُن کے ساتھ ساتھ چلتی تھی"۔ یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ وہ پتھر کی چٹان ان کے ساتھ ساتھ گئی۔ اور یہ قرین قیاس بھی نہیں۔ نہیں بات یہ تھی کہ مسیح وہ روحانی چٹان تھی اور مسیح کی حضوری کے باعث چٹان کو مارنے سے پانی پھوٹ نکلا۔ اور اسی حضوری نے جہاں کہیں وہ گئے انکو پانی پینے کے لئے دیا۔ جہاں وہ ستون اور بادل ٹھہر جاتے تھے وہیں بنی اسرائیل خیمے کھڑے کرتے تھے اور اس روحانی چٹان کی وجہ سے اُن کو وہیں پانی میسّر ہو جاتا تھا۔ میرے خیال میں کوئی ندیا ان کے ساتھ ساتھ نہیں بہتا تھا جو دشت وجبل پر موجزن رہتا تھا۔ شاید یہ ایک ایسا چشمہ تھا جو سطح زمین سے نیچے ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا مگر اُن کی نظروں سے غائب تھا۔ خواہ وہ بیابان کیسا ہی خشک اور بنجر کیوں نہ ہو اس روحانی چٹان کی موجودگی سے پانی نکل آتا تھا۔ سیاح بیان کرتے ہیں کہ بیابان میں پانی سخت تلاش کے بعد ملتا ہے۔ اُونٹ بڑے فاصلے سے پانی کی موجودگی کو جان لیتے ہیں۔ بعض اَوقات ایسے پوشیدہ چشمے ہوتے ہیں جو ریت کے نقاب میں منہ کو چھپائے رہتے ہیں۔ جب داؤد تیئیسویں مزمور میں "راحت کے چشموں" کا ذکر کرتا ہے تو اُسکا یہی مطلب ہے کہ ایسے پوشیدہ چشمے جنکو جاننا چوپان کا فرض ہے اور چوپان ہی بھیڑوں کو ایسے چشموں کی طرف لے جاتا ہے۔ بعض مقام ایسے ہیں کہ کھودنے سے فوراً پانی نکل آتا ہے۔ بعض اَوقات تو پانی کا دریا اُچھل پڑتا ہے۔ ہمارے کنونشن اور کیمپ ایسی جگہیں ہیں۔ اور جب تم اِدھر اُدھر اپنے اپنے کام کے حلقہ میں جاتے ہو تو ممکن ہے کہ تم بیابان سی خشک اور بنجر زمین میں چلے جاؤ۔ اس وقت اس آیت کو یاد کرو کہ "روحانی چٹان ان کے ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ اور وہ چٹان مسیح تھا"۔ ذرا زمین کو کھودو جیسا کہ اسرائیلی کیا کرتے ہوں گے۔ میرے خیال میں جب اسرائیلی رات کے وقت خیمہ زن ہوتے ہونگے تو ضرور جانتے ہونگے کہ پانی کہیں نہ کہیں ہے۔ اور موسیٰ اُنکو کہتا ہوگا کہ آؤ آج کی رات بڑا سا چشمہ کھودیں۔ اور وہ ملکر ایک بڑا حوض تیار کرتے ہوں گے۔ جس میں سے پانی پھوٹ نکلتا ہوگا۔ کیا تم نے آج صبح اس آبِ حیات کو کھود کر نکالا ہے۔ کیا تم کو تازگی حاصل ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ پانی نظروں سے غائب ہو۔ مگر اس کی موجودگی کی نسبت شبہ ہو نہیں سکتا۔ ....

"وہ اس روحانی چٹان میں سے پانی پیتے تھے جو اُن کے ساتھ ساتھ چلتی تھی"۔ جب تم نے

آسمانی خوشی کے دریا کا صاف پانی چکھ لیا ہے تو تمہیں دنیا کی مکروہ خوشیوں کی غلیظ ندیوں کے پانی کی کبھی ضرورت نہ پڑے گی تم یسوع مسیح سے سیر رہو گے۔

"فرضی تکلیفیں"

(ممنوعات از انگریزی۔ مترجمہ مس الیس دتہ)

ایک چھوٹے سے پرانے گھر میں ایک عورت نینی نامی رہتی تھی۔ اس کا گھر اوروں سے بالکل علیحدہ تھا۔ اور وہ موزے وغیرہ بُننے اور باغبانی کرنے سے اپنی روزی کماتی تھی۔ تمام گردونواح میں وہ خوش طبع نینی کے نام سے مشہور تھی۔ اس کا کوئی خاندان۔ رشتہ دار۔ یا دولت وغیرہ نہ تھی۔ وہ ایک آنکھ سے اندھی۔ بالکل لنگڑی اور بہت کبڑی تھی۔ اُس میں کوئی بھی خوبصورتی نہ تھی۔ پھر بھی اس قادرِ مطلق خدا نے جو کمزوری میں سے زور کو پیدا کرتا ہے اُس سادی اور بےصورت جان پر بھی اپنی شاہی مُہر لگی ہوئی تھی۔ جو کوئی شخص گذرتے ہوئے اس کے دروازہ پر ٹھہرتا۔ حیران ہو کر کہتا "لو نینی! پھر وہی بات تم ہر وقت گاتی ہی رہتی ہو" جس کے جواب میں وہ بڑی خوشی سے کہتی "ہاں! میں ہمیشہ گاتی رہتی ہوں"

ایک دن ایک شخص نے کہا "نینی! مجھے ذرا اپنا بھید تو بتاؤ۔ جہانتک مجھے معلوم ہے میں جانتا ہوں کہ تم بالکل اکیلی ہو۔ اور بہت محنت مشقت کرتی ہو۔ اور تمہارے گھر میں یا اردگرد کوئی ایسی دل لبھانے والی چیز نہیں۔ تو کیا سبب ہے کہ تم ہمیشہ ایسی خوش رہتی ہو۔ نینی نے اوپر نظر کر کے کہا۔ کہ صاحب شاید میں صرف اسی واسطے اتنی خوش ہوں کہ سوائے خدا کے میرے پاس اور کوئی نہیں۔ دیکھئے جو لوگ آپ کی طرح امیر ہیں۔ وہ اپنے خاندانوں پر اور اپنے مکانوں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ان کو اپنے شوہروں۔ اپنی بیبیوں اور اپنے بچوں کی فکر رکھنی پڑتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ آیندہ تکلیفوں سے بےحد ڈرتے رہتے ہیں۔ مجھے کوئی ایسی فکر نہیں ہے۔ اور جو کوئی ہو بھی تو اسکو خداوند پر ڈال دیتی ہوں۔ میں اپنے دل میں خیال کرتی ہوں کہ جب خدا ایک اتنے بڑے عالم کو ایسے طریقے اور ترتیب کے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ جیسے سورج جو روز بروز اپنے وقت پر نکلتا اور ڈوبتا ہے۔ ستارے جو ہر رات اپنے مقررہ وقت پر چمکنے لگ جاتے ہیں۔ اور میرے باغیچہ میں سبزی وغیرہ جو ہمیشہ اپنے موسم میں خود بخود اُگ آتی ہے۔ جب خدا یہ سب کچھ کرتا ہے تو ضرور وہ ایک غریب اور بیکس عورت کو سنبھالے گا۔ سو دیکھو اسی طرح میں اپنے آپ کو بالکل خداوند پر چھوڑ دیتی ہوں۔ اور وہ میری خبر لیتا ہے۔

"خیر - پر فرض کیا - کہ جاڑا اور کہر پڑے - اور تمہارے تمام پھلدار درختوں کی کلیوں، درختے پودوں کو جلا دے اور فرض کیا"...........

"پر میں ایسی باتیں فرض نہیں کرتی - میں کبھی فرض کر ہی نہیں سکتی - میں فرض کرنا ہی نہیں چاہتی - سوائے اسکے کہ خدا سب کچھ ٹھیک اور اچھا کرے گا - یہی تو بات ہے کہ آپ لوگ خوش نہیں نظر آتے - آپ ہر وقت فرض کرتے - ہنستے ہیں - کیوں نہیں صبر کے ساتھ اُس وقت کا انتظار کرتے اور جب موقع آئے تو جیسا کم یا زیادہ فائدہ اس سے نکل سکے نکالتے -

اہا - نینی یہ تو شرطی بات ہے کہ تم بہشت میں ضرور پہنچ جاؤگی - جبکہ ہم دُنیاوی داناؤں میں سے کسی ایک کو باہر رہنا پڑیگا -

نینی نے سر ہلا کر جلدی سے کہا" لو پھر وُہی بات - آپ لوگ ہر وقت کسی نہ کسی کالے بادل کی تلاش میں رہتے ہیں - اگر میں آپ کی جگہ ہوں تو شیطان کو فاصلہ پر رکھوں اور کبھی اپنے دل میں جگہ نہ دوں - وہ تو اتنا نقصان کرتا ہے کہ اسکی کوئی حد نہیں -

اگر ہم بھی نینی کا قانون اختیار کریں اور شیطان کو یعنی فرضی تکلیفوں کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں تو یقین جانو کہ ہم بھی بہت خوش رہیں گے - الیف - آر - الیس -

---

مزدوری؟ یا - انعام؟

گناہ کی مزدوری موت ہے - پر خدا کی بخشش ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے ہمیشہ کی زندگی ہے - رومیوں ۶ : ۲۳

اوّل - مزدوری کا طریق - تمام ملکوں میں کام ایک ایسی شئے فروختنی ہے - جس کی قیمت مزدوری ہے - نوکر کو اپنے آقا کا ایک قرض ادا کرنا ہے اور وہ کام ہے اور آقا کو اپنے نوکر کا قرض ادا کرنا ہے یعنی مزدوری - مزدوری دیگر ذرائع آمدنی سے اس امر میں اختلاف رکھتی ہے کہ گو اسکا کوئی مفصّل حساب داخل کیا نہیں جاتا یہ واجب ٹھہرتی ہے اور کام کی ہر ایک ساعت کے بعد اسکی قیمت ادا نہیں کی جاتی بلکہ ایک مقرری امتداد وقت کے بعد اور یہ کام کی تناسبت میں ادا کی جاتی ہے - مزدور کا یہ حق اسکو براہ راست و بلا واسطہ ادا ہوتا ہے - اور یہ نوکر اور مالک کے مابین ذاتی اقرار نامہ کا اظہار ہے تاوقتیکہ قرض ادا نہ ہو لے -

سند کی آیت کے الفاظ میں گناہ کام کا کرانے والا ہے اور ایسا بڑا کام کرانے والا زمانہ میں کوئی اور نہیں۔ وہ ہر ایک کاریگر کو جو اس کا کام کرے مزدوری دیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ کام کے انجام پانے کے ساتھ ساتھ ہی پوری مزدوری ادا نہیں کرتا۔ ہفتہ یا مہینے یا سال کے اختتام پر وہ سارا حساب بیباق کر نہیں دیتا تاہم وہ اپنا سب کام کاریگروں سے مزدوری پر کراتا ہے۔ اور زرِ مزدوری بیعانہ دیکر اور پھر چھوٹی چھوٹی قسطوں میں ادا کرتا رہتا ہے جب تک کہ کل کام اس دنیا میں ختم نہ ہولے۔

یہ ایک طریق ہے جس کے مطابق انسان اس دنیا میں اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے اور اکثر لوگ اسی طریق کو پسند کرتے ہیں۔ انکو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم مزدوری کماتے ہیں۔ اور کسی کے محتاج نہ ہوں گے۔ اگر کوئی آپ اپنی روزی کما سکے اور کسی کا محتاج نہ ہو تو یہ غنیمت ہے۔

مزدوری کیا ہے؟ کام شروع کرنے سے پیشتر ہم ہمیشہ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ہمیں کیا ملے گا گناہ کی مزدوری موت ہے۔ یہ کوئی راز سربستہ نہیں کیونکہ گناہ جو قسطیں ادا کرتا ہے اس سے ہمیں معلوم ہو جانا چاہیئے کہ وہ آخر میں مزدوری کیا دیگا۔ بے امنی نقصان۔ مصیبت۔ بیماری۔ غم۔ خوف۔ بے قناعتی۔ نفرت۔ دھوکا بازی۔ پچھتاوا۔

گناہ اپنی مزدوری نقدی میں نہیں بلکہ جنس میں دیتا ہے۔ یوں تھکے ماندے مزدور کو جس چیز کی ضرورت ہو وہ اسکو خرید نہیں سکتا۔ بلکہ اس بیچارے کو جو چیز مزدوری میں ملے وہ اسکو چاہے یا نہ چاہے اُسے رکھنی ہی پڑتی ہے۔ کیونکہ کون ہے جو موت کو تبادلہ میں لے۔

اس موت کو جو گناہ کی مزدوری میں ہمیں ملتی ہے ہم بالکل سمجھ نہیں سکتے۔ ہم صرف جسمانی موت سے آگاہی رکھتے ہیں اور یہ جسمانی موت اس گناہ کی مزدوری کی موت کا ایک ہلکا سا نشان ہے اور ہماری کم فہمی کے لحاظ سے ہمیں یہی چھوٹا سا نشان دیا گیا ہے لیکن اتنا تو ہم جانتے ہیں کہ یہ موت خدا سے جو ہماری زندگی ہے تمام رشتہ اور تعلق کا قطع ہو جانا ہے۔ کیا ہم تیار ہیں کہ خدا سے بالکل جدا ہو جائیں۔

دوم بخشش۔ یسوع مسیح دنیا میں آیا تاکہ ہمکو ہمیشہ کی زندگی مفت دے۔ اُس نے مزدوری یعنی موت لے لی اور ہمارے لئے ہمیشہ کی زندگی حاصل کر دی۔ ہر ایک خدا کی کوئی نہ کوئی برکت پاتا ہے۔ اور یہ ایسی برکتیں ہیں جو ہم خرید نہیں سکتے۔ ہوا۔ روشنی پانی۔ محبت۔ ہم ان چند روزہ برکتوں کو لیکر اسکی ہمیشہ کی زندگی لینے سے کیوں انکار کریں۔ یسوع برکت کے ہمراہ اپنے آپ کو دے دیتا ہے۔ اگر ہم اسکے فضل کو پہچان نہ سکیں اور اسکی مرضی کی فرماں برداری نہ کر سکیں تو ہم پر افسوس۔ ہماری گذرتی ہوئی زندگی کی جبکہ آزمائشیں اور تکلیفیں ہر دم آتی ہیں کیا حالت ہوگی؟ اے۔ ڈی

آثارِ قدیمہ متعلقۂ بائبل

از پادری جیکب ٹامسن ایم اے۔

گذشتہ پچاس سال کے عرصہ سے لوگ اُن واقعات کی ٹوہ میں لگے ہُوئے ہیں جن سے قدیم اشخاص کا حال معلوم ہو سکے۔ چنانچہ جا بجا قدیم عمارات اور کتبات اور سکّوں کو کھود کر نکالا جاتا ہے۔ مثلاً رُوما۔ کنعان اور مصر میں اور دجلہ اور فرات کے کناروں پر بڑے بڑے ٹیلے کھود کر دو دو تین تین ہزار سال کے حالات معلوم کئے گئے ہیں۔ اوّل اوّل تو گلی تختیوں پر کے نشانات اور پتھروں کے کتبات کو کوئی آدمی پڑھ نہ سکتا تھا۔ مگر بعد ازاں بعض ایسے کتبات بھی دریافت ہُوئے جو دو یا تین مختلف زبانوں میں لکھے ہُوئے تھے۔ اور ان ترجموں کے ذریعے سے نہایت قدیم نوشتے پڑھے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کتبات خصوصاً بائبل پڑھنے والوں کے لئے دلچسپ ہیں۔

بائبل میں ابتدائی زمانہ سے لے کر یسُوع مسیح کے وقت تک کے قصّے مندرج ہیں۔ قدیم زمانہ کے لوگ زیادہ تر اس علاقہ میں آباد تھے جو دریائے دجلہ اور دریائے نیل کے مابین ہے۔ اور اسی علاقہ میں قدیم کتبات کے محقق زیادہ تر جستجو کر رہے ہیں۔ بہت سے کتبات اُسی زمانہ کے واقعات ہیں جس میں وہ قلمبند کئے گئے۔ بعض میں وہ اعتقادات پائے جاتے ہیں جو عوام اپنے بزرگوں کی نسبت رکھتے تھے۔ اِن قدیم پتھروں کے کتبات دریافت ہونے سے ہم کو نہایت خوشی حاصل ہوتی ہے کیونکہ اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ جو تعلیم بائبل میں مندرج ہے وُہی قدیم زمانوں میں بھی مانی جاتی تھی۔ اُن میں سے ایسے واقعات کا بیان پایا جاتا ہے جو بائبل میں مذکور ہیں اور جن کو غیر قوموں نے اپنے طرز پر قلمبند کیا۔ مثلاً بعض اوقات جہاں بائبل میں یہودیوں کی شکست کا حال لکھا ہے تو اِن کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتح اقوام نے ایسی فتوحات کے لئے اپنے معبودوں کی شکر گذاری کیونکر ادا کی۔ پھر بائبل میں بعض سلاطین کی فوج کشی اور خُدا کی مدد سے اُن کے مغلوب ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اِن کتبات میں اُن سلاطین کے جاہ و جلال اور اُن کی عظیم فوج کی چڑھائی کا حال تو پایا جاتا ہے مگر کنعان سے اُن کی ہزیمت اور مراجعت کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ یہ قدیم کاتب اپنے سلاطین کی شکست کا حال کبھی قلمبند نہیں کرتے۔

جو قصّے بائبل میں مندرج ہیں اگر فرضاً وہ سب بنین صاحب کی کتاب مسیحی کے سفر کی

مانند بعض مصنوعی کہانیاں ہی ہوں تو بھی اسکی روحانی اور اخلاقی تعلیم کو مطلق زوال نہ پہنچے گا۔ لیکن اگر بائبل سے علاوہ دیگر مقامات سے ان بیانوں کی صداقت کا ثبوت دستیاب ہو جائے تو یہ بہت عمدہ بات ہے۔ اب ان قدیم کتبات کا اسی زمانہ میں تحریر کیا جانا جس میں وہ حالات واقع ہوئے اور ایسے لوگوں کے ہاتھ سے جو بائبل سے بے خبر اور یہودی قوم کے دشمن تھے۔ قطعی طور پر ثابت کرتا ہے کہ عہد عتیق کے قصے بالکل سچے ہیں۔ جوں جوں زمین کو کھودا جاتا ہے اس قسم کے ثبوت بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہر سال بائبل کی کسی نہ کسی قوم یا شخص کی نسبت شہادت ان قدیم شہروں کے کھنڈرات میں سے نکل آتی ہے۔ حتیٰ کہ بائبل میں بمشکل کوئی ایسا مقام ہوگا جس کی صداقت ان قدیم کتبات نے نہ کر دی ہو۔

قدیم بابل سے متصل ایک کتب خانہ کھود کر نکالا گیا ہے جس میں گلی تختیوں کے اوراق پر کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں سے سات ایسی تختیاں نکلی ہیں جن پر دنیا کی پیدائش کا حال بہت کچھ انہیں الفاظ میں مندرج ہے جو بائبل میں پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا یہ قصہ ان ایام میں عام طور پر مشہور تھا۔ یہ سچ ہے کہ بابلی بیان میں بت پرستی کا جزو موجود ہے مگر اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اسکا اور پیدائش کی کتاب کے بیان کا مخرج ایک ہی ہے۔ ان تختیوں سے ظاہر ہے کہ پیدائش کا قصہ ابراہام کے زمانہ سے پیشتر مانا جاتا تھا۔

کچھ عرصہ ہوا کہ حتی قوم کا ذکر سوائے عہد عتیق کے اور کہیں پایا نہ جاتا تھا۔ جو اشارات اس قوم کی نسبت موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ بڑی زبردست قوم تھی۔ ابھی پچاس سال کا عرصہ گذرا کہ ان بیانات کی صداقت کی نسبت اعتراض کیا جاتا تھا۔ اور واقعی یہ عجیب بات تھی کہ ایسی بڑی قوم کا نام و نشان صفحۂ تواریخ پر کہیں مندرج نہ ہو۔ باوجود اسکے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ حتی قوم ایک زمانہ میں بڑی طاقت رکھتی تھی۔ چنانچہ قدیم بڑے بڑے شہروں کے کھنڈرات میں سے ایسے کتبات نکلے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حتی قوم کا بہت سا تعلق مصر اور نینوہ کی سلطنتوں کے ساتھ رہا۔ ان کتبات ہی سے اس قوم کی مکمل تواریخ تیار کی گئی ہے۔ حالانکہ تیس سال گذرے کہ سوائے بائبل کے بیانات کے اور کوئی ذریعہ اس قوم کی ہستی کے علم کا موجود نہ تھا۔

مصر کی خشک ریت کی تہ کے نیچے کتبات اور قدیم عمارات کے کھنڈرات صدیوں تک محفوظ رہے جو اب کھود کر نکالے جا رہے ہیں۔ فرعون نے جو دو خزانے کے شہر پتوم اور رعمسیس بنی اسرائیل سے تعمیر کروائے تھے (دیکھو خروج ۱: ۱۱) وہ آج دکھائی دے رہے

ہیں۔ اور سیاح ان خزانوں کا ملاحظہ کر سکتے ہیں جن کی دیواریں اینٹوں سے بنی ہوئی دس فیٹ موٹی ہیں۔ بعض اینٹیں بھوسے سے بنی ہوئی ہیں اور بعض بغیر بھوسہ کے۔ جیسا کہ خروج کی کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ جزیرہ نمائے سینا کی جس میں اسرائیلی چالیس برس تک صحرا نوردی کرتے رہے پیمائش کی گئی اور مختلف مقامات کا پتہ لگایا گیا ہے۔

ملک کنعان میں بہت سی جگہیں دریافت کی گئی ہیں۔ انگلستان اور امریکہ اور جرمنی کے لوگ خاص شہر یروشلم اور ملک کے دیگر مختلف مقاموں کو کھدوانے میں زر کثیر خرچ کر رہے ہیں۔ اس سے ان کا یہ مدعا نہیں کہ بائبل کی تصدیق کی ضرورت ہے بلکہ وہ قدیم زمانوں کے علم حاصل کرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ اس سے بائبل کے طالبوں کو بھی حد درجہ کی خوشی نصیب ہو جاتی ہے کیونکہ سال بسال بائبل کے حالات کی صداقت کے ثبوت نکلتے آتے ہیں۔ شاہ اخی آب کے رزم ناموں کا بیان پتھر پر ایسے حروف میں کندہ دریافت کیا گیا ہے جو اب مستعمل نہیں ہیں۔ یہ عبارت دو ہزار سال گذرے لکھی گئی ہوگی مگر اس کے حروف نہایت صاف برآمد ہوئے ہیں۔

اسوری تختیوں پر سنحیرب کے حملہ اور دس فرقوں کی اسیری کا مفصل حال مندرج ہے۔ برٹش میوزیم میں وہ ٹکیاں موجود ہیں جن پر شاہ نبوکدنضر کے جاہ و جلال کا حال کندہ ہے۔ بعض دیگر تختیوں پر خورس شاہ فارس کے بابل کو مسخر کرنے کا بیان پایا جاتا ہے۔

اگر عہد عتیق کو چھوڑ کر عہد جدید کی طرف توجہ کی جائے تو قدیم کھنڈرات اور کتبات کی نئی معلومات ایک اور ہی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ چنانچہ پرانے عہدنامہ کے بیانات تو تصدیق کرتی ہیں۔ مگر ان سے نئے عہدنامہ کی توضیح ہوتی ہے۔ ان معلومات سے ملک کنعان اور اسکے قرب و جوار کے ممالک کی قدیم تواریخ کا علم فقط عہد عتیق ہی سے حاصل ہو سکتا تھا مگر ہمارے خداوند کے زمانہ کی تواریخ دیگر مورخوں کی تصانیف سے بھی مل سکتی ہے۔

عہد جدید میں یہودی قوم کی تواریخ مندرج نہیں ہے۔ اس میں تو کلیسیا کی ابتدائی تواریخ کا بیان ہے اور گو قدیم کھنڈرات سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہو سکتی تو بھی اسکی توضیح ہو سکتی ہے جس سے انجیل کے مندرجہ حالات زیادہ دلچسپ ہو جاتے ہیں۔ آج کے دن سیاح اسی سڑک پر چل پھر سکتا ہے جو یردن سے بیت عنیا کو جاتی ہے جہاں مسیح آرام کی خاطر جایا کرتا تھا۔ پھر کوہ زیتون پر سے گذر کر اور کدرون کے نالہ کو عبور کر کے یروشلم کو جا سکتا ہے۔ جہاں محقق ماسبق کی تلاش میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ کئی کئی گز زمین کھود کر ان جگہوں کو نکال رہے ہیں جنکو زمانہ نے انسانی نظروں سے غائب کر دیا۔ خاک کی بالائی تہ کو

اُکھاڑ کر گویا وُہی زمین برآمد ہوئی ہے جس پر مسیح چلتا پھرتا تھا۔ اِس قسم کی معلومات سے کئی طور پر انجیلی بیانات کی تصدیق ہو جاتی ہے

اِسی قسم کا کام اُن مقامات میں بھی جا۔ری ہے جہاں مقدس پولس پھرا کرتا تھا۔ چنانچہ شہر افسس سے ارتمیس دیوی کے مندر کے صدیوں کے بعد تودۂ خاک کے نیچے سے کھود کر نکالا گیا ہے۔ اِن معلومات میں سے فقط دو کا ذکر کرونگا۔ جن سے لوقا کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور جن سے ثابت ہوگا کہ تواریخ نویسی کے فن میں وہ قابل اعتبار ہے۔ رومی تواریخ کے بہت بڑے حصہ میں کُپرس کے حاکم کو پریٹر کہا گیا ہے اب اعمال ۱۳ باب کی ساتویں آیت میں وہ پروکونسل کہلاتا ہے۔ بہت عرصہ تک لوگ خیال کرتے رہے کہ یہ لوقا کی غلطی ہے۔ حال ہی میں جزیرہ کُپرس میں ایک سکہ اُس زمانہ کا برآمد ہُوا ہے جب پولس وہاں گیا تھا اور اِس قدیم سکہ پر حاکم کو پروکونسل کہا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوقا نے جو کچھ لکھا درست لکھا ہے اور نہ فقط یہی بلکہ یہ بھی کہ اُس نے رسُولوں کے اعمال کی کتاب اُسی زمانہ میں لکھی ہوگی۔ ورنہ اس سے پیشتر یا مابعد کا مورخ ضرور لفظ پریٹر ہی استعمال کرتا۔ ایک دوسری مثال شہر تھسلنیکے سے متعلق ہے جہاں فسادی لوگ پولس کو پکڑ کر حاکم کے سامنے لے گئے (اعمال ۱۷: ۶) مقدس لوقا اصلی زبان میں شہر کے حاکموں کو پولی ٹارک کے نام سے پکارتا ہے۔ لوگوں نے تواریخوں میں ہر چند چھان بین کی مگر کہیں حاکموں کے لئے یہ لفظ مستعمل نہ دیکھا۔ اِس سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ مقدس لوقا نے ضرور غلطی کی ہے۔ مگر چند سال کا عرصہ گذرا کہ اِسی شہر تھسلنیکے میں ایک قدیم محراب دریافت ہوا ہے جس پر اُن حاکموں کے نام مندرج ہیں جنکو پولی ٹارک کہا گیا ہے۔ اس سے بھی لوقا کی راست بیانی ثابت ہو گئی۔ اِس محراب کے ٹکڑے اِنگلستان میں پہنچائے گئے ہیں۔

اگر بالفرض حاکموں کو غلط خطاب بھی دیا جاتا تو بھی جو رُوحانی سبق رسُولوں کے اعمال سے حاصل ہوتے ہیں اُن میں ہرگز فرق نہ آتا۔ مگر تو بھی جب ایک خاص خطاب کا ذکر کیا گیا ہے جو تھوڑے عرصہ کے لئے استعمال ہُوا تھا اِس چھوٹے سے معاملہ سے ہمارے دل میں مورخ کا اعتبار قایم ہو جاتا ہے۔ اور اگر آیندہ کوئی اور غلطی اِسی قسم کی نکالی جائے تو ہم بغیر پورے طور پر دریافت کرنے کے لوقا کے بیان کو غلط نہ ٹھہرایئں گے۔

اِن قدیم کتبات کے دریافت کرنے اور پڑھنے میں بڑی بھاری محنت اور خرچ ہوتا ہے۔ ابتدائی مدارج میں تو نتایج تسلّی بخش نہ تھے مگر رفتہ رفتہ یہ کام زیادہ دلچسپ ہوتا گیا اور معلومات سے بائبل کے بیانات کی زیادہ زیادہ تصدیق ہوتی چلی گئی۔

دیسی مسیحی نو مریدوں کا قانونِ نکاح

بمبئی اور مدراس کی مشنری کانفرنسیں کچھ عرصہ سے دیسی مسیحیوں کے متعلق قانونِ نکاح اور طلاق پر غور کر رہی ہیں۔ اور انکا ارادہ ہے کہ کونسل واضع آئین و قوانین کو تحریک کریں کہ قوانین میں چند ضروری اصلاحیں اور ترمیم کی جائے۔ اس کے متعلق ایک صاحب نے اخبار بمبئی گارڈین مورخہ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۰۸ء میں ایک قابلِ قدر تحریر شایع کی ہے جسکو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

اِس وقت بعض مشنری اس سوال پر غور اور بحث کر رہے ہیں کہ آیا مسیحی کلیسا میں وہ اُن مردوں کو بپتسمہ دیکر شامل کر سکتے ہیں جن کی دو یا تین بیویاں ہوں۔ اور وہ اپنے خاوند کے ہمراہ بپتسمہ پاکر آنا چاہیں۔

اوّل ایک ہندو نو مرید کے حال پر غور کریں۔ ہندوؤں میں شادی ایک سکرامنٹ ہے۔ حالانکہ مسیحی نکاح یعنی وہ نکاح جو مسیحی قوموں میں مسلم ہے ایک معاہدہ ہے۔ اِس کا خاص مدعا اولادِ نرینہ (دوزخ سے بچانے والا) کا پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ ہندو مقننین کی رائے میں دوزخ سے نجات پانے اور اس قرض کو ادا کرنے کے لئے جو بزرگوں کا ہمارے ذمہ ہے بیٹے کا ہونا لازمی ہے۔ اپنی رُوح کے آرام کے لئے اور اپنے بزرگوں کی رُوحوں کی شانتی کے لئے وقتاً فوقتاً چڑھاوے چڑھانے کی مذہبی ضرورت ایسی اشد ہے کہ اگر کسی ہندو کے ہاں بیٹا نہ ہو تو وہ کسی لڑکے کو متبنّیٰ بنا لیتا ہے۔ جسکو وہ بیٹے کی شبیہ قرار دیتا ہے۔ اور اگر اسکی پہلی بیوی سے بیٹا پیدا نہ ہو۔ تو اُسکو اختیار ہے کہ بطور تجربہ کے دو یا تین یا چار بیویاں کر لے۔ جبتک کہ اس کے ہاں اولادِ نرینہ نہ ہو۔ اس عورت کے ساتھ اسکا نکاح کرنا جس سے بیٹا پیدا ہو نہ صرف مذہبی پہلو سے جایز اور پاک ہے بلکہ اس کی نظروں میں وہ ایک خاص وقعت رکھتا ہے۔

اگر کوئی ایسا مرد ایک سے زیادہ بیویوں کے ہمراہ بپتسمہ کا خواہاں ہو۔ تو یہ بالکل بجا ہے کہ مسیحی کلیسیا پولی گامی (کثیر الازدواجی) کو اس حد تک تسلیم کرے۔ اور بڑے ڈر ڈر کر میں یہ رائے پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ کلیسیا کو ایسی عورت کو بپتسمہ دینے سے انکار کرنا نہیں چاہئے۔ جو اپنے دو یا زیادہ خاوندوں کے ہمراہ بپتسمہ پانے کی خواہاں ہو۔ ایسی عورتوں

سے بپتسمہ کی درخواست پنجاب کے بعض حصّوں مثلاً سیور آج۔ لاہول اور سپیٹی میں ممکن ہے۔ جہاں ایک عورت، دو یا زیادہ بھائیوں کی مشترک بیوی ہوتی ہے احاطہ مدراس کی بعض جگہوں میں قانون رواج کے مطابق ایک سے زیادہ خاوند رکھنا بالکل جائز ہے۔ لیکن مسیحی تعلیم کے اثر سے وہ سوائے ایک کے باقی خاوندوں کو چھوڑ سکتی ہے۔

دوئم۔ مسلمان نومرید۔ مسلمان یکے بعد دیگرے چار شادیاں جائز طور پر کر سکتا ہے۔ جب کبھی اس کی مرضی ہو۔ وہ اپنی ایک یا زیادہ بیویوں کو طلاق بھی دے سکتا ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اپنی طلاق شدہ عورت کو مہر المعجل ادا کرے۔ میں اِس امر کے خلاف ہوں کہ کلیسیا مسلمان سے کہے کہ بپتسمہ لینے سے پیشتر تم ایک کے سوائے باقی سب بیویاں چھوڑ دو۔ مسیحی کلیسیا کو ایسی پالیسی اختیار نہیں کرنی چاہئے۔ کہ جس سے خاوندوں کو اپنی بے اولاد بیویوں سے چھٹکارہ پانے کا موقعہ ملے۔

سوئم۔ اب یہ سوال قابلِ غور ہے کہ کسی شخص کے مسیحی ہو جانے سے ہندوؤں کی نہ ٹوٹنے والی اور مسلمانوں کی جلدی سے ٹوٹ جانے والی شادی پر کس قسم کا اثر پڑ سکتا ہے۔ بائبلی پہلو کو نظر انداز کر کے یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کسی مرد یا عورت کو مجبور نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ایسی بیوی یا خاوند کے ساتھ رہے جس نے اپنے عقد ازدواج کی خلاف ورزی کی ہو۔ دھرم شاستر کے رُو سے پنچ ذاتوں کے سوا طلاق تسلیم نہیں کیا گیا۔ صرف اتنی اجازت دی گئی ہے کہ خاوند اپنی بدچلن عورت کو چھوڑ دے۔ تاہم وہ اِس کی بیوی رہتی ہے۔ جب تک کہ موت اُن کو جُدا نہ کر دے۔ وہ گھر سے نکالی نہیں جا سکتی۔ اور اسکی پرورش کرنا لازم ہے۔ لیکن وہ بے عزّتی کی حالت میں رہتی اور زمین پر سوتی ہے۔ (دھرم شاستر کا یہ سخت قانون ضابطہ فوجداری دفعہ ۴۸۸ کے رُو سے ترمیم ہو گیا ہے) ہندو عورت بوجہ اپنے خاوند کی بدچلنی و بدسلوکی کے اس سے علیحدہ رہنے کی دعویدار ہو سکتی ہے اور اس سے اخراجات لے سکتی ہے (دیکھو مقدمہ گنتاپلی۔ بنام گنتاپلی انڈین لا رپورٹ مدراس جلد ۲۰ صفحہ ۴۷۰) لیکن اس کا نکاح ٹوٹ نہیں سکتا۔

اگر ایسے طریق مذہب کے شخص مسیحی ہو جائیں تو کیا مناسب ہے کہ سٹیٹیوٹیری قانون طلاق جو اُن شادیوں پر حاوی ہے کہ جن میں ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اُن شادیوں پر حاوی ہو۔ جو بذاتہ ٹوٹ نہیں سکتیں۔ اور جن میں ایک سے زیادہ خاوند یا عورت کرنا روا ہے۔

یہ سوال بڑا ضروری اور قابلِ غور ہے۔ مدراس ہائی کورٹ کے ایک فل بنچ نے جس

میں سر آرتھر کالنز چیف جج و میتھو سامی اور شیپھرڈ ججان شامل تھے۔ یہ قرار دیا کہ ایکٹ طلاق ۴ ؁ ۱۸۶۹ء ان مسیحی نومریدوں پر حاوی نہیں ہوتا جن کی شادی مسیحی ہونے سے پیشتر ہوئی ہو۔ (دیکھو مقدمہ پیتیا پیٹر بنام پیتیا لکشمی انڈین لارپورٹ ۱۷۔ مدراس صفحہ ۲۳۵) اس مقدمہ میں سایل پیتیا پیٹر نے رسپانڈنٹ پیتیا لکشمی سے ہندو رسومات کے مطابق شادی کی تھی۔ بیوی نے بعد میں خاوند کو چھوڑ دیا۔ اور ایک دوسرے شخص کے ساتھ حالت زنا میں رہنے لگی۔ دونوں خاوند اور بیوی یکے بعد دیگرے مسیحی ہو گئے۔ لیکن عورت حالت زنا میں ہی رہی۔ خاوند نے ایکٹ ۴ ؁ ۱۸۶۹ء کے رُو سے اس کے مسیحی ہونے سے پیشتر اور بعد میں زنا کے باعث طلاق چاہا۔

بدقسمتی سے اس امر پر بالکل بحث نہ ہوئی۔ کیونکہ فریقین کے وکلا نہ تھے۔ لایق ججان نے کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک ڈویژن بنچ گوردھن داس بنام جسودھا مونی انڈین لارپورٹ ۱۸۔ کلکتہ صفحہ ۲۵۲ سے اختلاف کر کے قرار دیا کہ ایکٹ طلاق ہندو شادیوں پر حاوی نہیں ہوتا۔ لایق ججان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے۔

(الف) ایکٹ طلاق ۴ ؁ ۱۸۶۹ء کے تمہیدی جملوں اور دفعات ۲ و ۱۰ و ۱۹ سے یہ منشا پایا جاتا ہے کہ اس ایکٹ کا طلاق انہیں شادیوں سے مراد ہے۔ جن میں ایک سے زیادہ بیوی نہیں ہو سکتی۔ دفعہ ۷ ایکٹ مذکور کے رُو سے انہیں اصولوں اور قواعد کے مطابق دادرسی عطا ہو گی۔ کہ جن کی پابند انگلستان کی عدالت ہائے طلاق و شادی ہیں۔ اور چونکہ عدالتہائے انگلستان سوائے مونوگومس (وہ شادیاں جن کے رُو سے ایک سے زیادہ بیوی یا خاوند کا کرنا جائز نہیں) شادیوں کے کسی اور شادی کو تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ ایکٹ ہندو شادیوں پر جو بلحاظ پولوگومس (جن میں ایک سے زیادہ بیویاں ہو سکتی ہیں) ہیں حاوی نہیں ہو سکتا۔

جج میتھو سامی کے فیصلہ سے فقرۂ ذیل قابل اقتباس ہے۔ "ایکٹ کے دیباچہ سے ظاہر ہے کہ چونکہ ان لوگوں کے قانون طلاق کا اصلاح اور ترمیم کرنا مناسب ہے۔ جو مسیحی مذہب رکھتے ہیں۔ اور دفعہ ۲ ضمن ۲ کے رُو سے کسی عدالت کو اختیار نہیں کہ سوائے ان حالتوں کے کہ جن میں سایل مسیحی مذہب رکھتا ہو۔ کسی قسم کی دادرسی عطا کرے۔ ان شرائط سے یہ اغلب معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس شادی کا ایکٹ میں ذکر ہے وہ شادی مسیحی اصولوں پر مبنی ہے۔ پھر دفعہ ۲ فقرہ ۵ کے رُو سے کسی دوسری عورت سے شادی سے مراد کسی شخص کا اپنی پہلی بیوی کی حیات میں شادی کرنا ہے۔ اور دفعہ ۱۸ کے رُو سے شادی اس بنا پر فسخ ہو سکتی ہے کہ شادی کے وقت پہلی بیوی حیات تھی۔ اور پہلی بیوی کے ساتھ شادی اس وقت عمل میں تھی۔ مثلاً اگر کوئی ہندو جس کی دو یا زیادہ

بیویاں ہوں۔ اور وہ اس ایکٹ کے رُو سے استدعا کرے کہ سوائے ایک شادی کے اُسکی باقی سب شادیاں فسخ قرار دی جائیں تو کیا ہم اس کے حق میں فیصلہ کرینگے۔ اور اگر ایسا کریں تو کونسی شادی فسخ قرار دی جائے۔ اور اگر پہلی شادی کے سوائے باقی سب شادیاں فسخ قرار دیں تو کیا ہم اس اصول کی خلاف ورزی نہیں کرتے کہ کسی شخص کے مسیحی ہونے سے اِسکی پہلی شادی جو قانون مُلک کے مطابق ہو ٹوٹ نہیں جاتی "

مدراس ہائیکورٹ کے فُل بنچ کا فیصلہ قانونی طور پر تو صحیح ہے۔ لیکن اِس مقدمہ کے حالات کے مطابق وہ انصاف۔ عدل اور ضمیر صالح کے مطابق نہیں۔

مدراس ہائیکورٹ کا فیصلہ اُن نومُریدوں پر بھی حاوی ہو گا جن کی شادی محمدی قانون کے مطابق ہوئی ہو۔

اگر مدراس ہائیکورٹ کا فیصلہ صحیح ہو تو اس شخص کے لئے کوئی دادرسی نہیں ہوسکتی جس کی شادی پولی گامس طریق (کثیر الازواجی) کے مطابق ہوئی ہو۔ اور وہ مسیحی ہو جائے اور مسیحی ہونیکے بعد اسکی عورت بدچلنی کی مرتکب ٹھہرے۔ ہندوؤں کی شادی سوائے چند پنچ ذاتوں کے کبھی ٹوٹ نہیں سکتی۔ لیکن واضعان قوانین نے بعض حالات میں ہندو نکاح کو توڑ دینا مناسب سمجھا ہے۔ ایکٹ ۲۱ ۱۸۶۶ء کے رُو سے ایسے شخص کا نکاح جو محمدی یا یہودی نہ ہو۔ اور جو مسیحی ہو گیا ہو۔ اور اسکے مسیحی ہونے کے باعث اسکا خاوند یا بیوی اسکے ساتھ رہنے سے اِنکار کرے تو بعض حالتوں میں نکاح ٹوٹ سکتا ہے۔ اور نومرید کو کم از کم ۱۸ ماہ انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پیشتر اِس کے کہ وہ پھر شادی کر سکے۔ اگر دُوسرا فریق نومرید کے ہمراہ رہنے کو راضی ہو تو شادی ٹوٹ نہیں سکتی۔ اور دوسرا فریق غیر مسیحی رہ سکتا ہے۔ ایسے ہی کسی ہندو کی بہت سی شادیاں ایکٹ کے رُو سے ٹوٹ نہیں سکتیں۔ اگر اس کی متعدد بیویوں میں سے ایک اس کے ساتھ رہنے کو راضی ہو تو اُس ایکٹ کا یہ اصُول ہے کہ ہندو شادی جو بذاتہٖ نہ ٹوٹنے والی ہے وہ ٹوٹ سکتی ہے پس اگر مدراس ہائی کورٹ کی رائے ایکٹ طلاق کی نسبت صحیح ہو۔ تو ایک ہندو جس نے مسیحی مذہب اختیار کر لیا ہو اِس وجہ سے تو اپنی شادی تڑوا سکتا ہے۔ کہ اسکی بیوی اسکے ساتھ رہنے کو راضی نہیں۔ لیکن اپنی بیوی کی بدچلنی کے باعث اس کی شادی ٹوٹ نہیں سکتی۔ پھر مدراس ہائی کورٹ کے فُل بنچ نے یہ طُرفہ حالت قایم کر دی ہے کہ جس حال میں کہ ایکٹ ۱۵ ۱۸۷۲ء یعنی خاص ایکٹ نکاح جو اِن لوگوں کے نکاح پر حاوی ہے جو مسیحی۔ یہودی۔ ہندو۔ محمدی۔ پارسی۔ بدھ۔ سکھ۔ یا جین مذہب نہ رکھتے ہوں۔ دفعہ ۱۷ اکے رُو سے ایکٹ طلاق ۴ ۱۸۶۹ء ان شادیوں پر حاوی ہوتا ہے۔ مسیحی ایکٹ نکاح ۱۵ ۱۸۷۲ء میں ایسی کوئی شرط نہیں۔ اس لئے اگر کوئی غیر

مسیحی کسی مسیحی سے اس ایکٹ کی دفعہ ۴ کے رُو سے شادی کرے تو اُسکے پاس کوئی علاج نہیں۔ اگر مسیحی فریق شادی عقد نکاح کی خلاف ورزی کرے۔ کیونکہ ایکٹ طلاق کی دفعہ ۲ ضمن ۲ کے مطابق دادرسی عطا نہیں ہوسکتی اگر سایل مسیحی مذہب نہ رکھتا ہو۔

حاصل کلام۔ موجودہ قوانین اور فیصلجات عدالت ہائے سے مفصلہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) ایکٹ طلاق نمبر ۴ ۱۸۶۹ء کی ترمیم بدیں غرض مطلوب ہے کہ ان نومریدوں کو مدد دے کہ جنکی شادی پولی گامس (کثیر الازواجی) کے طریق مذہب کے مطابق ہُوئی ہو اور ایک فریق شادی عقد نکاح کی خلاف ورزی کرے۔

(۲) ہندوستانی مسیحیوں کی شادی کا ایکٹ اِس طور پر ترمیم ہونا چاہیئے کہ کسی ایسی شادی کی صُورت میں جو ایکٹ ہذا کے تحت عمل میں آئی ہو تو مسیحی فریق کی بدچلنی کی صُورت میں غیر مسیحی کو مدد ملے۔

ویراں مکاں

(منقول از مخزن۔ طبعزاد احسن لکھنوی)

خراب موت سے ہستی کا کارخانہ ہُوا۔ مکان رہ گیا خالی۔ مکیں روانہ ہُوا۔
کرایہ دار تھے اِس گھر کے زندگی و خیال اِسی مکاں میں گذاری تھی عمر سالہا سال
نہ اپنے جانے پہ کوئی نشان چھوڑ گئے شکستہ حال سا۔ خالی مکان چھوڑ گئے۔
کچھ ایسے مضطرب الحال دل ملُول گئے کہ گھر کی کھڑکیاں بھی بند کرنا بھُول گئے۔
ہے اُن دریچوں میں بے رونقی کی بہانی جہاں تھی نُور کی دو پُتلیوں کی دربانی
ہر ایک حصہ میں اِس گھر کے کیا اندھیرا ہے چہار سمت سے وحشت نے آ کے گھیرا ہے
کھُلے پڑے ہیں بھیانک وہ آج دروازے ہزار بار جو کھُلتے تھے۔ بند ہوتے تھے۔
چہل پہل ہے نہ ہنگامہ گفتگو کا ہے مکان عیش جو تھا۔ وہ مقام ہُو کا ہے۔
ہوس تھی جس میں بسی وہ ہوا نہیں آتی خموشیاں ہیں کہ کچھ بھی صدا نہیں آتی
خدا کسی کو دکھائے نہ ایسا سناٹا ہر اک طرف نظر آتا ہے کیسا سناٹا
نہ انجمن ہی رہی اور نہ انجمن آرا مکان کیسا یہ دھنڈھار ہوگیا سارا
کھلے ہوئے ہیں جو دراُن پہ ہُوا ل دو پردے کہ میرے دل کو نہ وحشت یہ مضطرب کردے۔
یہ بے نشاں سا رہے گا نشان مٹی گا ملا دو مٹی میں۔ اب یہ مکان مٹی کا

"روما کے تماشے"

جوں جوں اہل روما مغرور اور عیش پسند ہوئے۔ اُن کی یہ کیفیت ہوتی گئی کہ جب تک کوئی اُنہیں تفریح طبع کے لئے تماشے نہ دکھلاتا۔ وہ اس سے کبھی راضی نہ ہوتے۔ کسی شخص کو سرکاری عہدے کی تمنا ہوتی تو یہ معمولی بات تھی کہ وہ اہل شہر کو دل پسند تماشے دکھا کر خوش کیا کرتا۔ اب بھی وہاں جہاں پہلے زمانہ میں اہل روما کی بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ ایسے تماشہ گاہوں کے کھنڈر ملتے ہیں جن میں اہل شہر سیر دیکھنے اور لطف اُڑانے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ یہ تماشہ گاہیں کہیں تو پہاڑ کے بیچ میں تراشی گئی ہیں اور کہیں میدان میں زمین کھود کر بنائی گئی ہیں۔

اِس قسم کی سب سے زیادہ مشہور اور شاندار عمارت روما کی تماشہ گاہ ہے۔ شہنشاہ ویسپیسین اور اسکے بیٹے ٹائیٹس نے اِسے روما کی سات پہاڑیوں کے بیچ میں ایک وادی کے اندر بنوایا تھا۔ یہودیوں نے جنہیں یہ باپ بیٹا یروشلم سے قید کر لائے تھے۔ اِس کے بنانے میں محنت کی تھی۔ اِس عمارت کا مصالحہ جو باہر سنگ سُرخ ہے اور اندر سنگ سفید۔ ایسا پختہ ہے کہ حالانکہ اس پر اتنی صدیاں گذریں اس کی صورت میں فرق نہیں آیا۔ اسکا بیضوی شکل کا احاطہ پانچ ایکڑ زمین گھیرے ہوئے تھا۔ اس پر محرابوں کی قطاریں کی قطاریں اوپر نیچے بنی ہوئی تھیں۔ اور اندر نشستگاہیں۔ اور نیچے عین وسط میں ایک وسیع دنگل تھا۔ جب روما کے شہنشاہ نمائش پسند ہو گئے تو انہوں نے دنگل کو طرح طرح کی دھاتوں کے برادے سے قرمز سے اور بیش بہا پتھروں کے چورے سے سجانا شروع کیا۔ تاہم بہتر یہی سمجھا جاتا تھا کہ بجائے اِن تکلفات کے ایک قسم کے ملایم سفید پتھر کے باریک باریک ریزے دنگل میں بکھیرے جائیں۔ اِن سے دنگل بالکل ایسا نظر آتا تھا گویا صاف شفاف اچھوتی برف پڑی ہوئی ہے۔ اِس احاطہ کے گرد تازہ ستھرے پانی کی ایک نہر بہتی تھی۔

تماشہ گاہ کے نیچے کے درجہ میں کسی قدر اونچائی پر شہنشاہ کے لئے تخت مجسٹریٹوں اور منشیروں کے لئے سونے چاندی اور ہاتھی دانت کی کرسیاں اور راہب عورتوں کیلئے نشستگاہیں تھیں۔ اِس سے اوپر اہل شہر کی نشستگاہیں اور سب سے اوپر خواتین کے بیٹھنے کی جگہیں تھیں۔ اس عالیشان عمارت میں کوئی ۸۷۰۰۰ آدمی سما سکتے تھے۔ چھت اس

پر کوئی نہ تھی۔لیکن جب کبھی بارش ہوتی یا دُھوپ تیز ہو جاتی تو زربفت اور ریشم کے سائبان تان دیئے جاتے تھے۔رنگ اِن سائبانوں کا عموماً ارغوانی ہوتا تھا۔جس وقت دُھوپ پڑتی تھی تو سفید دنگل اور سفید پوشاکوں پر عجب دلفریب گلابی رنگ کا عکس پڑتا تھا۔

تماشہ پسند لوگ دن بھر بیٹھے رہتے تھے۔عوام سب سے پہلے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اسکے بعد بڑے بڑے اہلکار آتے تھے۔اور بیٹھتے جاتے تھے۔اِن کے آنے پر آفریں یا نفرین کا نعرہ بلند ہوتا تھا۔آفریں اہلکارِ معلوم کی ہر دلعزیزی اور نفرین اس کی نسبت ناراضی کا نشان ہوتا تھا۔جب شہنشاہ شامیانے کے نیچے مسند پر متمکن ہوتا تھا تو زور سے نعرے بلند ہوتے تھے۔"مرحبا خداوند مرحبا! تیرا اقبال بلند ہو" شہنشاہ کے بیٹھ جانے کے بعد تماشا شروع ہوتا تھا۔بعض دفعہ سب سے پہلے ایک بازیگر ہاتھی آتا تھا اور ایک رسّی پر چڑھتا اور اُترتا تھا۔پھر ایک ریچھ آتا تھا۔معزز خاتونوں کا لباس پہنے ہوئے۔ایک ڈولی میں بیٹھا ہُوا جسے دو کہار اُٹھائے ہوتے تھے۔یہ خواتین کی سواری کی نقل ہُوا کرتی تھی۔پھر ایک اَور ریچھ آتا تھا وکیلوں کا لباس پہنے ہوئے جو پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر ایسے اشارات کیا کرتا تھا گویا مقدمے کی وکالت کر رہا ہے۔پھر ایک شیر نکلتا تھا۔سر پر مرصّع تاج۔گلے میں الماس کا کنٹھا۔ ایال اور پنجوں پر سُنہری کام۔جو ایک چھوٹے سے خرگوش کے ساتھ طرح طرح کی بیشمار دلپسند حرکات کیا کرتا تھا۔اور خرگوش اسکے آگے مزے لے لے کر ناچا کرتا تھا۔پھر بارہ ہاتھی آتے تھے۔ چھ مردوں کے لباس میں چھ عورتوں کے بھیس میں مُنہ پر نقاب پڑی ہوتی تھی۔آکر کوچوں پر ایک ہاتھی دانت کی میز کے گرد بیٹھ جاتے تھے۔اور بیٹھ کر نہایت سلیقہ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ساتھ ہی ہنسی ہنسی میں قریب کے لوگوں پر گلاب چھڑکتے جاتے تھے۔پھر اپنی ہی جنس کے مہمانوں کا اُٹھکر استقبال کرتے تھے۔اور اُن پر پھُول نثار کرتے تھے۔اسکے بعد سب مِل کر ناچتے تھے۔یہ ناچ ہمیشہ ناچ کے مقررہ لباس میں ہُوا کرتا تھا۔

بعض اوقات دنگل میں پانی چھوڑ دیا جاتا تھا۔ایک جہاز تیرتا ہُوا آتا تھا اور بیچ میں آکر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا تھا۔اس میں سے عجیب و غریب جانور نکلتے تھے۔بعض دفعہ زمین پھٹتی تھی۔اور بلند بالا درخت نمودار ہوتے تھے۔اِن پر سونے کے میوے لگے ہوتے تھے۔

اِس کے بعد جنگلی درندے چھوڑے جاتے تھے۔گینڈے اور چیتے۔سانڈ اور شیر۔تیندوئے اور جنگلی سؤر۔اور لوگ بڑے مزے سے بیٹھے ہُوئے لڑائی کا تماشا دیکھا کرتے تھے اور جوش میں آتے تھے۔یہ جانور لڑتے لڑتے تھک جاتے تھے تو انہیں طرح طرح سے اُبھارتے تھے۔ سانڈوں کو سُرخ رنگ دکھایا جاتا تھا۔سؤروں کو سفید رنگ۔بعض کے جسم میں سُرخ کئے ہُوئے

آنکس گھونپ دیئے جاتے تھے۔ بعض چابکوں سے پیٹتے تھے۔ یہ تمام کھیل لوگ بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے تھے اور بجائے مرعوب ہونے کے خوش ہوتے تھے۔

اِن وحشیانہ تماشوں کے لئے بیشمار جانور باہر سے منگائے جاتے تھے۔ دُور دُور کے عمّال فرض سمجھ کر شیروں۔ ہاتھیوں۔ شتر مرغوں۔ تیندوؤں کے غول کے غول تحفتہً بھیجا کرتے تھے جتنا زیادہ جانور تند خو ہوتا تھا اتنا ہی اچھا خیال کیا جاتا تھا۔

اِس وحشیانہ پن میں ایک عجیب نزاکت تھی۔ وہ یہ کہ خون کی بُو ناپسند خیال کی جاتی تھی۔ اِس لئے سارے پتھر کے فرش کے نیچے نلیاں لگی ہُوئی تھیں۔ اُن میں سے طرح طرح کی خوشبوؤں کے انجرات سارے دنگل میں پہنچائے جاتے تھے۔

پھر صرف یہی مہیب کھیل کافی نہ سمجھے جاتے تھے۔ آدمیوں اور درندوں کی کشتیاں بھی ہوتی تھیں۔ بعض اُن آدمیوں میں سے مسلح ہوتے تھے۔ اور عموماً جانوروں پر غالب آجاتے تھے۔ بعض دفعہ نہتے شکاری آتے تھے۔ اور اپنی چالاکی اور پھرتی سے شیر کے سر پر کپڑا ڈال کر یا اُسکے مُنہ میں پہونچا ٹھونس کر شیر کو مغلوب کر لیتے تھے۔ پھر بڑے بڑے مجرم شیر کی ضیافت کے لئے چھوڑے جاتے تھے۔ ایسے مجرموں میں بعض دفعہ کوئی غریب عیسائی بھی ہوتا تھا۔ اِس کا قتل لوگ بڑے شوق سے دیکھا کرتے تھے۔ اور یہ کھیل عموماً سب کے بعد دکھایا جاتا تھا اور سب کھیلوں سے عمدہ سمجھا جاتا تھا۔

اِن جانوروں کی لاشیں خادم لوگ لوہے کے کانٹوں میں پھنسا پھنسا کر دُور کھینچ لے جاتے تھے۔ دنگل پر تازہ۔ صاف۔ ستھری۔ ریت بچھائی جاتی تھی۔ خوشبوؤں کے بُقّے کے بُقّے چھوڑے جاتے تھے۔ اور اسکے بعد قد آور قوی ہیکل نوجوانوں کا ایک گروہ نکلتا تھا۔ جن میں سے بعض کے پاس تلوار اور برچھی ہوتی تھی۔ بعض کے پاس ترسول اور جال۔ کوئی ہلکی سی زرہ پہنے ہوتا تھا۔ کوئی پُورے سپاہیانہ ساز و سامان سے آراستہ ہوتا تھا۔ کوئی گھوڑے پر سوار کوئی رتھ میں اور کوئی پیدل۔ یہ سب لوگ مِل کر شہنشاہ کے آگے آتے تھے۔ اور تسلیم بجا لا کر ہم آہنگ ہو کر پکارتے تھے "بادشاہ سلامت مرنے والے تجھے سلام کرتے ہیں"۔ یہ لوگ شمشیر زن ہوتے تھے۔ انہیں ایسے ہی تماشوں کے لئے تربیت کرتے تھے۔ یہ غریب عموماً غلام ہوتے تھے۔ جنہیں فوجی مدرسوں میں تعلیم دی جاتی تھی۔ مگر بعض اوقات اِن میں ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو اپنی خوشی سے دنگل کی لڑائی اپنا پیشہ قرار دے لیتے تھے۔ جو شمشیر زن موت سے بچ جاتے تھے۔ خدمت سے معذور سمجھے جاتے تھے اور بڑھاپا آرام سے بسر کرتے تھے۔

اِن لوگوں کی لڑائیاں طرح طرح سے ہوتی تھیں۔ کبھی ہلکی زرہ والے سپاہی اور جال

بردار کا جوڑ لڑتا تھا۔ کبھی بھالا بردار اور برچھی بردار کا اور کبھی دو ویُد سے مسلح جنگجوؤں کا۔ بعض دفعہ دست بدست لڑائی نہ ہوتی تھی بلا بول دیا جاتا تھا۔ جب کوئی شمشیرزن مدمقابل کو زخمی کر دیتا تھا تو حاضرین کی طرف خطاب کر کے پکارتا تھا "وہ مارا!" اور اسکا منتظر رہتا تھا کہ حاضرین اُسکا مارا جانا پسند کرتے ہیں یا چھوڑا جانا۔ اگر لوگ انگوٹھے بلند کر دیتے تھے تو مغلوب کو موقعہ دیا جاتا تھا کہ پھر اُٹھ کر وار کرے۔ اگر وہ انگوٹھے نیچے کر لیتے تھے تو یہ مغلوب کے قتل کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ غریب مغلوب آخری وار لینے سے اگر کچھ کراہت ظاہر کرتا تھا تو ہر طرف سے تحقیر کے طعنے بلند ہوتے تھے۔

مقدس راہب عورتیں۔ نرم دل مائیں۔ نیک دل حاکم اور مشیر سب اس بیرحمی کو معصومانہ کھیل سمجھتے تھے۔ خاص لوگ دنگل میں جا کر جانکنی کا تماشا دیکھتے تھے۔ اور لاش کے گھسیٹے جانے سے پیشتر خاص خاص بہادروں کے خون کو چکھا کرتے تھے۔

شمشیرزنوں کا کھیل اہلِ روما کے لئے بڑا دلچسپ کھیل تھا۔ یہ کھیل اس وقت تک بھی برابر رائج رہا۔ جس وقت غیر ملک کے حملہ آوروں نے روما پر حملے کرنے شروع کئے۔ آہ!

"ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری" (مخزن)

متفرّق اقوال

——— دُعا کیا ہے؟ اپنی ضرورت کو محسوس کرنا۔ مدد کی آرزو رکھنا اور اُسکو حاصل کرنے کا ایمان رکھنا۔

——— جب تک مسیح کی شفاعت شامل حال نہ ہو ہماری تمام دعائیں صفروں کی مانند ہیں۔

——— دُعا رُوح کی ڈھال اور خدا کے آگے قربانی اور شیطان کے لئے تازیانہ ہے

——— جب ہم بائبل پڑھتے ہیں تو خدا ہمارے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اور دُعا میں ہم خُدا کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔

——— سرد دُعائیں تیر ہیں بے سر۔ خنجر بغیر دھار کے۔ پرند بے پر۔ نہ وہ آسمان کی طرف اُڑتی۔ نہ کاٹتی۔ اور نہ چھیدتی ہیں۔ سرد دُعائیں آسمان میں پہنچنے سے پیشتر ہی یخ بستہ ہو جاتی ہیں۔

——— سب سے قوی واعظ فصیح و بلیغ شخص وُہی ہے جو اپنا مطلب بخوبی ادا کر سکتا ہے۔

——— ایک لیڈی نے کسی خادم الدین سے دریافت کیا کہ کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص لباس اور زیور کا شایق ہو اور اس کے دل میں غرور پیدا نہ ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ جس بل میں لومڑی کی دُم نظر آئے جان لو کہ اس میں لومڑی بھی ضرور ہوگی۔

——— ایک شخص نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ اگر میں اسی طرح دولت جمع کرتا چلا جاؤں تو آخر کہاں تک پہنچ جاؤنگا۔ اُس نے جواب دیا کہ بیٹا! قبر تک۔

——— مذہب علم کا نام نہیں بلکہ مقدس زندگی کو کہتے ہیں۔

——— مرتے وقت ایک ہی شخص کی توبہ کا ذکر ہے۔ یعنی مصلوب چور کی۔ تاکہ کوئی نااُمید نہ ہو جائے۔ مگر فقط ایک ہی کا ذکر ہے۔ تاکہ کوئی شخص باطل اُمید نہ رکھے۔

——— مسیح خدا کے لئے گنہگاروں کی اور گنہگاروں کے لئے خدا کی راستبازی ہے۔

——— کوئی شخص یہ سوچکر پیچھے ہٹانہ رہے کہ میرے گناہ ایسی کثرت سے ہیں۔ کہ وہ معاف نہیں ہو سکتے۔ یا میرا مرض سخت لاعلاج ہے۔ مسیح ایسا وکیل ہے جس نے کبھی کوئی مقدمہ نہیں ہارا۔ اور ایسا حاذق طبیب ہے کہ کبھی کوئی اسکے علاج سے نہیں مرا۔

——— شیطان کو اپنا آقا بنانا بُرا ہے۔ اُس کی خدمت بدتر۔ اور اُس کی مزدوری بدترین ہے۔

——— ہمارے آنسو دُوربین کی مانند ہیں جن میں سے آسمان کے اندر دور تک دکھائی دیتا ہے۔

——— جس طرح برف خود تو سرد ہے۔ مگر جس زمین پر پڑتی ہے اسکو گرم اور سرسبز کر دیتی ہے۔ ویسے ہی رنج و غم جو بذاتِ خود تکلیف کا باعث ہیں مسیحیوں کی زندگی کو گرم اور زرخیز بنا دیتے ہیں۔

——— اگر کوئی شخص تیری نسبت بُرا کہے تو دل میں سوچ کہ وہ کہاں تک راستی پر ہے۔ اور اگر وہ فی الحقیقت سچ کہتا ہو تو اپنی اصلاح کر تاکہ اسکی ملامت کا اثر تجھ پر نہ ہو۔

——— جب کوئی شخص جوش میں ہو تو اسکے ساتھ کچھ تعلق نہ رکھو۔ کیونکہ انسان لوہے کی مانند نہیں کہ جسکو گرم گرم کوٹ سکتے ہیں۔

——— ہمارے خیالات سمندر کے پانی کی طرح ہیں۔ جب وہ بخار بنکر آسمان کی طرف اُڑتے ہیں تو اُن میں سے تمام کڑواہٹ اور بدمزگی جاتی رہتی ہے اور اُن میں ایک قسم کی شیرینی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور آخر کار وہ محبت اور تلطف کی بارش ہو کر بنی آدم پر نازل ہوتے ہیں۔

والے کے دل میں موجزن رہتی ہے۔ اور پھر اگر کسی نے اس کی حوصلہ افزائی کر دی تو اس کی خوشی دوبالا ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر قسم کی مشکلات کے مقابل سینہ سپر ہو کر ڈٹا رہتا ہے۔ یہی راز ہے مسیحی کے اب تک قایم رہنے کا۔ وقتاً فوقتاً بعض اصحاب نے بذریعہ تحریر یا اثنائے گفتگو میں مسیحی سے فیضیاب ہونے کا ذکر کیا۔ جس سے کارپردازوں کا دل بڑھا اور خدا کا شکر کر کے انہوں نے اپنی خدمت کو از سر نو شروع کیا۔ اسی طور پر ۹ سال بسر ہو گئے۔ اب جو حالات بہ نسبت سابق زیادہ ابتر دکھائی دیئے تو ناظرین کی توجہ کو اسطرف منعطف کرنا ہی پڑا۔ مندرجہ بالا چند سطور سے مسیحی کی موجودہ مشکلات کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اب ایسی صورت میں کیا کیا جائے۔ معزز ناظرین اسکا جواب آپکی ہمت اور کوشش پر موقوف ہے۔ آپ اس رسالہ کو قایم رکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ تو کیوں اسکے چلانے کی بیفایدہ کوشش کی جائے۔ اور اگر آپ کے خیال مبارک میں اس کی ہستی سے کچھ فایدہ ہے تو اپنی قیمتی رائے سے ایڈیٹر کو ممنون فرمائیں۔ شاید یہ یاد دلانا ضروری نہیں کہ خالی خولی رائے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اول تو خریداروں کی تعداد بڑھانے میں کوشش ضروری ہے اور پھر اپنا حساب بیباق رکھنا ہر ایک خریدار کا فرض ہے۔ ناظرین! میں آپ کی سمع خراشی کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ ایک ماہ کے اندر آپ مطلع فرمائینگے کہ آیندہ سال سے مسیحی جاری رکھا جائے یا ماہ دسمبر کا رسالہ اس کی زندگی کا آخری پرچہ ہو۔ اس استفسار کے نتائج کا اعلان اگلے نمبر میں کیا جائے گا۔

پنجاب یونیورسٹی کے پرانے سینٹ میں ۱۲۴ ممبر تھے۔ جن میں سے ۲۸ بہ حیثیت عہدہ کے ممبر تھے۔ جدید سینٹ کے ۷۵ ممبر ہیں۔ جن میں سے صرف ۵ یا ۶ بہ حیثیت عہدہ کے ممبر ہیں۔ پھر ان ۱۲۴ میں سے ۴۷ یوروپین۔ ۵ دیسی مسیحی۔ ۲۶ محمدی۔ ۶ سکھ اور ۲۳ ہندو تھے۔ سینٹ جدید میں ۷۵ میں سے ۳۶ یوروپین۔ ۱۴ محمدی۔ ۴ دیسی مسیحی۔ ۴ سکھ اور ۱۶ ہندو ہیں۔ دیسی مسیحی صاحبان مفصلہ ذیل ہیں:۔ مسٹر رودھرا ایم اے وایس پرنسپل دہلی کرسچین کالج۔ مسٹر گولک ناتھ چیٹرجی بی اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور۔ مسٹر چارلس گولک ناتھ بی اے ایل ایل بی بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور۔ مسٹر دت بی اے اسسٹنٹ رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ مفصلہ ذیل مشنری صاحبان فیلو نامزد یا منتخب ہوئے۔ لاہور مشن کالج میں سے پادری جے سی آر ایونگ ایم اے ڈی ڈی پرنسپل۔ پادری جے ایچ آر ببن ایم اے وایس پرنسپل۔ پادری ایچ ڈی گرسولڈ پی ایچ ڈی۔ پادری ڈی جے فلیمنگ ایم اے او پرنسپل دہلی کالج۔ پادری ای ایف ای وگرم ایم اے پرنسپل سنٹ جانس ٹرونٹی کالج۔ پادری ایچ یو وائیٹ برجیٹ پی ایچ ڈی۔ پادری ہیور پرنسپل مشن کالج پشاور۔ پادری اے ایچ ہلڈسلی پرنسپل لارنس ملٹری اسائیلم سناور۔ بشپ صاحب لاہور ممبر بہ حیثیت عہدہ ہوں گے۔

مسٹر مکانکی نے اپنے ہندوستانی سیر و سفر میں ساڑھے پانچ ماہ کے عرصہ میں گیارہ ہزار میل بذریعہ ریل اور ایک ہزار میل براہ سڑک طے کیئے۔ آپ نے سوائے تین مقامات کے کسی جگہ تین دن سے زیادہ بسر نہیں کئے۔ اگر کوئی مخالف مشن اسی عرصہ میں ہندوستان کا دورہ کرکے اپنے مشاہدات کے نتایج شایع کرتا تو مشنری صاحبان اُسپر ضرور ہنستے۔

دو ہندوستانی بسال حال کے امتحان انڈین سول سروس میں کامیاب ہوئے۔ جن میں سے ایک کلکتہ کا مسیحی ہے۔ بقول ہمعصر کرسچن پیٹریٹ اس وقت پانچ ہندوستانی مسیحی انڈین سول سروس میں ملازم ہیں۔ امریکن میتھوڈسٹ مشن کے متعلق ایک یوریشین پادری صاحب بنام ولیم اولڈہم بمبئی میں بشپ کے عہدہ پر ممتاز ہوکر آسام میں بھیجے گئے ہیں۔ ان کو ایک لحاظ سے ہندوستانی کہہ سکتے ہیں اور ایک امریکن چرچ کو اوّل ہندوستانی بشپ مقرر کرنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ باقی چرچ کب اُن کی تقلید کرینگے۔ برٹش اور فورن بائبل سوسائٹی کی صدسالہ سالگرہ کا چندہ ایک لاکھ اکانوے ہزار پونڈ جمع ہوگیا ہے۔ کل اڑھائی لاکھ گنی جمع کرنا ہے۔ پنجاب میں ساڑھے ستاون ہزار روپے اکٹھے کرنے گئے ہیں۔

نئے انتظام کے مطابق پنجاب سی ایم ایس کے متعلق مشنری کانفرنس اور نیٹو چرچ کونسل کی بجائے ایک سنٹرل کونسل اور ادنٰے ڈسٹرکٹ کونسلیں قایم کی گئی ہیں۔ متقدم الذکر موجودہ کارسپانڈنگ کمیٹی کی جگہ لیگی۔ یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جو ہندوستانی کلیسیا کو عطا ہوئی ہے اور اسکے لیئے پیر ترتیب سوسائٹی بالخصوص پنجاب کے چند برگزیدہ اور وسیع خیال مشنری صاحبان کا مشکور ہونا چاہیئے۔ بلحاظ اصول کے یہ نیا انتظام نہایت مفید ہے اور کسی وقت کلیسیا اس بڑے استحقاق کی قدر کریگی۔ اور آپکو اسکے قابل بنائیگی۔ فی الحال مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے درمیان ایسے اشخاص خال خال ہیں جو آزادی کے ساتھ انگریزوں کے مقابلہ میں اپنی رائے دے سکیں یا رائے دینے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ گذشتہ اجلاس ڈسٹرکٹ کونسلان میں جو بمقام لاہور ۲۰-۲۵ نومبر فراہم ہوئیں چند ایسی باتیں واقع ہوئیں جنکو میں نظیر اگر کسی اور موقعہ پر پیش کرونگا۔ فی الحال صرف اتنا ہی بتانے کی فرصت ہے کہ سال اوّل کی کونسلوں میں انگریز اور دیسی کس تناسبت میں ہیں۔ اور دیسیوں میں سے مشن کے ملازم اور آزاد ممبر کتنے ہیں۔ اوّل لاہور ڈسٹرکٹ کونسل جس میں شامل ہیں۔ لاہور کلارک آباد۔ ملتان۔ منٹگمری والہ۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ گوجرہ۔ بیٹمین آباد۔ سکندر آباد کل تعداد ممبران ۲۸ تھی جنمیں سے یوروپین مشنری ۸۔ دیسی پادری ۵۔ مناد وغیرہ ۵۔ دیگر لے مین مشن کے ملازم ۸۔ اور آزاد ممبر یعنی سرکاری ملازم ۲۔ میزان ۲۸۔ یاد رہے کہ ۲ میں سے ایک سرکاری ملازم ہوشیارپور میں جہاں سی ایم ایس کا مطلق کام نہیں مستقل سکونت رکھتے ہیں۔ لیکن ٹوبہ ٹیک سنگھ کی طرف سے ڈیلیگیٹ منتخب ہوئے ہیں! (۲) امرتسر ڈسٹرکٹ کونسل اسمیں شامل ہیں۔ امرتسر۔ مجیٹھہ۔ جنڈیالہ۔ اجنالہ۔ بٹالہ۔ ترنتارن۔ بٹالہ۔ نارووال۔ کانگڑہ۔ دھرمسالہ ضلع کانگڑہ۔ کل تعداد ممبران ۳۱ بہ تفصیل ذیل۔ یوروپین ۱۵ اور دیسی پادری ۷۔ مناد وغیرہ ۲۔ مشن کے ملازم لے مین ۷۔ آزاد ندارد۔ (۳) سرحدی ڈسٹرکٹ کونسل مشتمل بر پشاور۔ بنوں۔ ڈیرہ اسمٰعیلخان۔ ڈیرہ غازیخان۔ تعداد ممبران ۲۸ بہ تفصیل

رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۲ + جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام ایم ایل رلیا رام وکیل امرتسر + L 72

مسیحی

امرتسر

THE MASIHI

جلد (۹) نمبر (۱۲)

بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۴ء

قیمت پیشگی دو روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک

فہرست مضامین

اطلاع

جنوری ۱۹۰۵ء سے "مسیحی" مسٹر فضل اسسٹنٹ سکرٹری رلیجس بک سوسائٹی لاہور کے زیر اہتمام شایع ہوگا۔ آیندہ کو جملہ خط و کتابت و ترسیل زر صاحب موصوف کے نام ہونی چاہیئے۔

مطبوعہ سفیر ہند پریس امرتسر

نوٹ بُک

بہت غور و فکر کے بعد میں نے رسالہ "مسیحی" مسٹر فضل (لاہور) کے سپرد کر دیا ہے۔ اور اُمید رکھتا ہوں کہ آپکے زیر اہتمام "مسیحی" ترقی کریگا۔ میرا اب مسیحی سے کچھ تعلق نہیں رہا۔ والسلام۔ ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ء

شکوہ عبث ہے اُن کی توجّہ اِدھر نہیں۔

ماہِ نومبر کی اپیل کے جواب میں مجھے صرف مندرجہ ذیل صاحبان سے خطوط ملے ہیں جنکا خلاصہ درج کرتا ہوں۔ مسٹر ایڈورڈ محمد شاہ سیالکوٹ۔ ایک ضروری گذارش دیکھکر نہایت افسوس ہوا . . . ایسے عجیب رسالہ کا بند ہونا قوم کے لئے سخت نقصان ہے۔ خدا کرے ہمارے بھائی اِسکی ضرورت کو پہچانیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں مجھے دو رسالے بھیجیں۔ ڈاکٹر ٹی ایل پنیل بنّوں۔ مجھے "مسیحی" کو مشن میں دیکھکر رنج ہوا میں اس رسالہ کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اور میری رائے میں اِسکا بند ہونا پنجاب کی کلیسیا کے لئے سخت نقصان کا باعث ہوگا۔ افسوس! آپنے اسکی اشاعت فقط مسیحوں تک محدود رکھی۔ بہتر ہو کہ غیر مسیحوں تک بھی اسکی اشاعت توسیع کی جائے۔ مسٹر کے دینا ناتھ ترن تارن نوٹ بک و ضروری گذارش پڑھکر دل میں نہایت ہی افسوس و رنج ہوا۔ ایک عمر رسیدہ پُرانے معزز دیسی مسیحی بیٹھے ہوئے تھے اُنہوں نے بھی سُنکر بہت ہی رنج کا اظہار کیا۔ کچھ شک نہیں آپنے بہت ہی جانفشانی و عرقریزی سے دیسی مسیحیوں کی خدمت کی۔ میری عرض ہے اور اُمید قوی رکھتا ہوں کہ باقی دیسی مسیحی صاحبان کی بھی یہی عرض ہوگی کہ جس طرح آپ مستقل مزاجی سے اِس کام میں مصروف رہے ہیں اِسی طرح آیندہ بھی قایم رکھیں گے۔ اِسمیں کلام نہیں کہ آپکو اسکے جاری رکھنے میں کوئی ذاتی فائدہ نہیں غالباً نقصان ہی ہوگا لیکن یہ پرچہ دیسی مسیحیوں کیلئے ہر پہلو سے نہایت ہی مفید ہے۔ اُمید ہے کہ مسیحی صاحبان قلم و زر دونوں سے آپکی مدد کرینگے۔ مسٹر فضل لاہور۔ جس طرح سے ہو سکے ہمیں مسیحی کو قایم رکھنا چاہئے۔ مسٹر ہنری براؤن ہوشیار پور۔ ایسے آزاد پرچہ کا بند ہونا کلیسیا کے لئے سخت نقصان کا باعث ہے۔ مسٹر واعظ نور افشاں ۶ جنوری میں لکھتے ہیں۔ "مسیحی" نے کمال خوبی کے ساتھ اپنی مسیحی خدمت کو پُورا کیا . . . . اگر یہ پرچہ بند ہوگیا تو ہم کس طرح مشنریوں کو مُنہ دکھائینگے اور کیونکر اُن کو بتا سکیں گے کہ یوں کام کرنا چاہئے۔ ایسا لایق مسیحی واعظ ہمکو کہاں سے ملے گا . . . . . نہ صرف اِسکا خون ہوگا بلکہ بہتوں کو رُوحانی فیض سے ہم محرُوم رکھیں گے۔ ڈاکٹر وایٹ بریخٹ اطلاع دیتے ہیں کہ مس کے سی رابیٹ مرحوم کے متعدد احباب نے آرزو ظاہر کی ہے کہ اُن کی زندگی اور کام کا یادگار قایم کیا جائے۔ اور یہ تجویز پیش کی ہے کہ "کھترائین رائیٹ نارمل سکالرشپ فنڈ" جاری کیا جائے۔ اِس روپیہ کے سُود سے ایک ہندوستانی مسیحی لڑکی کو کوین وکٹوریہ ہائی سکول آگرہ میں ٹیچر بننے کیلئے تعلیم دی جائیگی۔ زرِ چندہ صاحب موصوف بمقام لاہور یا مسز میکلین بمقام

چند الوداعی باتیں

۱۸۹۵ء کی آخری سہ ماہی میں ایک روز کا ذکر ہے کہ چند احباب ایک بالاخانہ میں بیٹھے اس امر پر غور کر رہے تھے کہ ہندوستانی کلیسیا کو اپنے قلم کے ذریعے کیونکر فائدہ پہنچایا جائے۔ اس چھوٹی سی کمیٹی کی تجاویز کا عملی نتیجہ رسالہ "مسیحی" ہے۔ جو ۱۸۹۶ء کے ماہ جنوری میں خدا کی مدد سے جاری کیا گیا۔ اس کے ابتدائی مقاصد کی فہرست پر سرسری نظر دوڑانے سے ظاہر ہے کہ اس کو شروع کرنیوالوں کے دلوں میں کیا کیا ارادے اور اُمنگیں جوش مار رہی تھیں۔ اِن ارادوں میں کہاں تک کامیابی ہوئی ہے ہمیں اِس وقت بتانا منظور نہیں۔ مسیحی کے ناظرین پر بے کم وکاست سب کچھ روشن ہے۔ ہم نے اپنے رنج وراحت کی کوئی بات اپنے مسیحی احباب سے چھپا نہیں رکھی۔ اِس کی جو بھلی یا بُری تاثیر تھی وہ اب زمانۂ ماضی کا حصہ ہو چکی ہے۔ اور اسکو کوئی مِٹا نہیں سکتا۔

مسیحی کی زندگی نو سال تک قایم رہی ہے اور جیسا ہم بار بار اقرار کر چکے ہیں یہ خدا ہی کے فضل وکرم سے تھا کہ باوجود سخت مشکلات کے یہ اس قدر عرصہ تک قایم رہ سکا۔ اگر ہم اس موقعہ پر اُن بعض وقتی بیانوں کا مختصر بیان کریں جنہیں سے اِسکی مسافت طے ہوئی تو شاید بے محل نہ ہوگا اوّل قابل لحاظ ہے کہ یہ رسالہ کسی مشن یا سوسائیٹی سے متعلق نہ تھا۔ اور نہ اسکو کسی قسم کی مالی امداد کی توقع تھی۔ ہمارے مُلک کے لئے یہ ایک بالکل نرالی قسم کا تجربہ تھا کہ کوئی اخبار سر اسر مشن کے زد سے آزاد اور محض پرائیویٹ اشخاص کی کوششوں کا نتیجہ ہو۔ پھر مشنوں کی کارسوائیوں اور انتظام پر آزادانہ رائے کے اظہار کی جرأت کرنا بھی ایک نہایت غیر معمولی بات تھی۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے۔ کہ ہماری نکتہ چینی نے کبھی جایز حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ مگر ہاں یہ ہم سینہ صافی سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے محض دل آزاری یا چھیڑ خانی کرنے کی غرض سے کبھی کچھ شایع نہ کیا۔ شاید ہم کو پھر اسکی نسبت

آزادانہ لکھنے کا موقعہ نہ ملے۔ اِس لئے ہم اِس وقت افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہماری جایز نکتہ چینی کا جواب کبھی کسی نے بادلیل یا کشادہ دلی سے نہ دیا۔ عموماً ہماری تحریرات کو مشنری صاحبان اور اُن کے مشیر ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ اور بجائے منصفانہ جواب دینے کے ہمکو باغی اور عیب جُو اور دیگر ایسے ایسے الفاظ سے یاد کیا۔ اور ایسے اشارات سے ظاہر کیا کہ وہ ہندوستانیوں کی طرف سے کسی قسم کی نکتہ چینی پسند نہیں کرتے۔ مسیحی کے کارپردازوں کی آنکھیں بھی بتدریج کھُل گئیں کہ مشنری صاحبان کا فرقہ بحیثیت مجموعی اصلاح پذیر نہیں ہے اور نہ موجودہ انتظام میں کسی ضروری اصلاح کی گنجایش ہے۔ ہم اِس وقت اُن معزز مستثنیات کا ذکر کرنا باعثِ طوالت سمجھتے ہیں جو ہماری ناچیز راؤں کو قدر و عزّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور خواہ اُن پر فوراً عملدرآمد نہ کیا گیا ہو تو بھی ایسے اصحاب ہمیشہ معلوم کرنا پسند کرتے تھے۔ کہ ہمارے اور ہمارے انتظام کی نسبت ہندوستانی کلیسیا غائبانہ کیا کہتی ہے۔ اگر کسی کے دل میں اِن سطور کے پڑھنے سے یہ خیال پیدا ہو کہ جب تمہاری رائے کی کوئی شخص پرواہ نہیں کرتا تو تمہارا گلا پھاڑنا عبث اور فضول ہے۔ اِس اعتراض میں بہت کچھ راستی ہے مگر اسکا دوسرا پہلو بھی ہے کہ اوّل تو جو باتیں گھروں میں بیٹھ بیٹھ کر مسیحی لوگ مشنریوں کے خلاف کیا کرتے تھے وہ اب صاف صاف اور برملا ہونے لگیں جس سے مشنری صاحبان کو بھی موقع مل گیا کہ اپنے انتظام کے حسن و قبح سے واقفیت حاصل کریں۔ اور پھر نکتہ چینی کرنیوالوں کو کبھی یہ توقّع نہیں ہوتی۔ کہ ہماری رائے پر فوراً عمل کیا جائیگا۔ اگر انہوں نے ہندوستانی کلیسیا کو مناسب الفاظ میں رائے زنی کرنے یا مشن کے انتظام کے خلاف نکتہ چینی کو جایز حدود میں قابو رکھنے اور مشنری پالیسی پر آزادانہ خیالات پیدا اور قایم کرنے کا ابتدائی سبق سکھایا ہو تو اُن کی کوششیں بے سُود نہیں ہو سکتیں۔ مگر جس اخبار یا رسالہ نے مشن کی دھارا کے مقابل کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی ہو وہ اپنے گرنے کا سامان اپنی پیدایش کے وقت سے اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دُنیا میں سوائے ذاتِ باری کے ہر ایک ہستی اپنی موت کا سامان اپنے میں موجود رکھتی ہے۔ غرض اسمیں کچھ شک نہیں

ہو سکتا کہ مسیحی کا نو سال تک ایسی دھارا کے مقابل قایم رہنا ایک نہایت تعجب خیز تجربہ ہے۔

مسیحی کی دیگر مشکلات کا ذکر ہم بار بار کر چکے ہیں۔ چنانچہ ماہِ نومبر کے رسالہ میں خصوصاً اُن کو مختصراً پیش کیا گیا ہے۔ اب پھر اُن باتوں کو دُہرانا اپنے ناظرین کے قیمتی وقت کو ضایع کرنا ہے۔ خریداروں کی تعداد میں کچھ تو اس رسالہ کو مسیحیوں تک محدود رکھنے اور کچھ نادہندوں کے نام رجسٹر سے خارج کرنے کی وجہ سے دن بدن کمی ہوتی گئی۔ ہمارے ایک معزّز اور مہربان مشنری صاحب افسوس سے ظاہر فرماتے ہیں کہ مسیحی کیئوں غیر مسیحیوں کو دیا نہیں جاتا۔ اوّل تو ہمیں کبھی یقین دلایا نہیں گیا کہ غیر مسیحی کبھی اس قسم کے رسالہ سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اور پھر اگر وہ اِس میں دلچسپی رکھتے بھی ہوں تو کتنے ایسے رسالہ کو خریدنا پسند کرینگے۔ مزید برآں ہمارے اہلِ قلم مسیحیوں کا گویا ایکا کر کے یک قلم اپنی قلمی امداد سے دست بردار ہو بیٹھنا ایک ایسا امر ہے جو اکیلا ہی اس رسالہ کی کمرِ ہمت توڑنے کے لئے کافی ہے۔ ہمارے تعلیم یافتہ مسیحی نوجوانوں کی اس عدم توجہی پر ہر طرف سے فریاد ہو رہی ہے۔ مسیحی اخبارات اپنے اِن لایق نامہ نگاروں کی طرف سے مایوس ہو کر جو رُوکھا سوکھا اُن کو نصیب ہوتا ہے اُسی پر گذران کر رہے ہیں۔ اگر وہ بھی مسیحی کی طرح غلطی سے اپنے وعدہ کرنے والے مضمون نویسوں پر بھروسہ کر بیٹھتے تو جلد اُنکا بھی خاتمہ ہو چکتا۔ اِن مشکلات کے مقابل مسیحی کی مالی مشکلات ذکر کرنے کے قابل بھی نہیں۔ اس رسالہ نے کسی سے ایسی امداد کی توقع تو کبھی کی نہیں۔ ہاں مسیحی خریداروں سے قدرتی طور پر یہ اُمید تو ضرور رہی ہے کہ وہ اپنا زرِ چندہ وقت پر ادا کر دیا کرینگے۔ مگر وہ اُمید بھی بر نہ آئی۔ زرِ چندہ کے علاوہ دیگر رسالجات کا مالی دار و مدار بہت کچھ اشتہارات کی آمدنی پر ہوتا ہے۔ مگر مسیحی حتی المقدور اشتہارات سے بھی گریز کرتا رہا۔

ہمارے لئے اِن پُرانے قصّوں کو از سرِ نو چھیڑنا خوشی کا باعث نہیں۔ مسیحی ہندوستانی کلیسیا کے اسٹیج پر اپنا پارٹ ختم کر کے رُخصت ہوتے ہوئے کہتے اور ہم چاہتے ہیں۔ کہ جو غلطیاں اس کی ترقی کے سدِّ راہ ہُوئی ہیں اُن سے آیندہ جاری ہونے والے رسالوں کو آگاہ کیا جائے۔ اوّل سبق جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ سو یہ ہے۔ کہ جب تک

مشن کا موجودہ انتظام قایم ہے کوئی شخص آزادانہ رائے دینے کی جرأت نہ کرے۔ ہم نبی نہیں ہیں۔ مگر یہ پیشگوئی کرنا کچھ مشکل نہیں کہ مشن کا موجودہ مائی باپ والا انتظام قایم نہ رہیگا۔ کہتے ہیں کہ ملک کوریا کی کلیسا میں شروع ہی سے یہ مشن کی تنخواہوں اور مالی امداد کا سلسلہ قایم نہیں ہُوا۔ مُبارک ہو گا وہ وقت جب ہمارے ملک میں بھی یہ طریق مروّج ہو جائے گا پُرانے سلسلہ کو منقطع کر کے نیا انتظام قایم کرنے کیلئے بہت عرصہ درکار ہے۔ مگر آخر یہ زمانہ آئیگا ضرور۔ موجودہ انتظام کبھی مستقل نہیں ہو سکتا۔ رسالہ مسیحی کی چند سالہ زندگی بڑے زور سے پکار کر گواہی دے رہی ہے کہ مشنوں کا کھیل کسی روز تمام ہو کر ایک "ڈراپ سین" گریگا۔ اور بعد ازاں ایک نیا کھیل شروع ہو گا۔ ایک اور بات مسیحی کی زندگی نے ثابت کر دکھائی ہے کہ لین دین کے معاملہ میں مسیحی لوگ غیر مسیحیوں سے بہتر نہیں ہیں۔ غیر مسیحی اخبارات نادہندہ خریداروں کا شکوہ ہمیشہ کیا کرتے ہیں۔ ہمارے مسیحی بھائی بھی عموماً اخبار کی قیمت ادا کرنے کا نام نہیں لیتے۔ بڑی مشکل سے زرِ چندہ ان سے وصول کیا جاتا ہے۔ کیسی شرم کی بات ہے؛ شاید کوئی کہیگا کہ ابھی ایسے آزاد رسالہ کی ضرورت ملک کو نہ تھی۔ اور مسیحی پیش از وقت معرضِ ہستی میں آیا۔ اسمیں کچھ نہ کچھ تو راستی ضرور ہے۔ مگر جب ہم اسکی دوسری جانب دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری مسیحی جماعت دن بدن دینیات اور اردو علم ادب میں ترقی کرنیکے بجائے پیچھے ہٹ رہی ہے۔ اس انگریزیت کی گرویدگی نے ہمارا ایسا ستیاناس کر دیا ہے۔ اور ہم دُنیا کی روٹیوں اور مچھلیوں کے پیچھے ایسے اندھا دُھند دوڑ رہے ہیں کہ ہمکو اپنی اصلی فائدہ کی باتیں سوجھتی نہیں۔ کہاں ہیں وہ مسیحی جو دینی مجالس اور دعا کی محفلوں کا شوق رکھتے ہیں۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو اپنے آرام کے بجائے تکلیف اُٹھا کر مسیح کی خدمت کرنا گوارا کرتے ہیں۔ اگر کلیسیا ترقی معکوس کر رہی ہے تو کیا مسیحی کو سنبھالنے سے پہلوتہی کرنا کوئی تعجب کی بات ہے؛ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس مسیحی کا خاتمہ ہو چکا ہرگز نہیں۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ اس رسالہ کی قیامت بھی ضرور ہوگی۔ اگر آج اسکو ہماری نالایقی کی وجہ سے رُوپوش ہونا پڑا تو اسکو معدوم سمجھ بیٹھنا نہیں چاہئے۔ کیا ہمارے دوست جو ہم سے جُدا ہو کر قبر میں سوتے ہیں پھر ہمکو نہ ملیں گے۔ یقیناً۔ مسیحی کی قبر پر بھی یہ کتبہ لکھا جائیگا کہ "یہ مرا نہیں بلکہ سوتا ہے۔" ہمیں اُمید ہے کہ خدا مسیحی کی خاک میں سے ایک بہتر رسالہ اس مُلک کیلئے پیدا کریگا۔ فقط۔ والسلام!

نوٹ اور رائیں

غلطیاں اور غلط فہمیاں

اخبار انڈین وٹنس کا ایک معزز اور تجربہ کار مشنری نامہ نگار اس عنوان کو لے کر مشنریوں اور ہندوستانی مسیحیوں کے درمیان باہمی تعلق کے نازک مضمون کے متعلق چند خیالات ظاہر کرتا ہے۔ تمہیدی چند سطور میں راقم یہ عذر پیش کرتا ہے۔ کہ چونکہ میں مشنری ہوں اس لئے مشنریوں کی شکایات سے زیادہ واقفیت رکھتا ہوں۔ اگر کوئی نو وارد مشنری یہ الفاظ استعمال کرتا تو ہمیں تعجب نہ ہوتا۔ مگر راقم ہندوستان کے پرانے مشنریوں میں سے ایک ہے جس نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ اِس ملک میں بسر کیا ہے۔ اگر اسکو ہندوستانی کلیسیا کی شکایات کی نسبت جو وہ غیر ممالک کے مشنریوں کے خلاف رکھتی ہے اب تک پورا علم حاصل نہیں ہوا تو اِس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس نے ہندوستانی کلیسیا کے ساتھ ابتک دلی میل ملاپ پیدا ہی نہیں کیا۔ اور اس سے آپ نے کلیسیا کی اُس شکایت کی راستی ثابت کر دکھائی ہے کہ مشنری صاحبان ہمارے ساتھ اچھی طرح نہیں ملتے۔ خیر یہ مضمون ہمارے اس مختصر نوٹ کی حدود میں پوری توجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ راقم اوّل مشنریوں کی اس غلطی کو تسلیم کرتا ہے کہ اُنہوں نے بجائے انجیل کی خدمت کو اپنا اصلی فرض سمجھنے کے اپنے کو مریدوں کی پرورش شروع کر دی۔ کسی غیر مہذب یا جنگلی علاقہ میں اِس قسم کی کارروائی چنداں قابلِ اعتراض نہ ہوتی۔ مگر ہندوستان جیسے مُلک میں اپنی قایم کردہ کلیسیا کا "ماں باپ" بن بیٹھنا سراسر نامُناسب ہے۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسیحی اپنے ہر معاملہ میں مشنریوں سے امداد کی توقع رکھنے۔ بلکہ اپنی خانگی مشکلات اور بچوں کی بیاہ شادی میں اُن کے دست نگر رہنے کے ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ جہاں مشنری صاحب نے ذرا ہاتھ ڈھیلا کیا۔ اور پوری توجہ نہ کی کہ وہ بگڑ بیٹھے اور مشنریوں کو کوسنا شروع کر دیا۔ پھر ایک اور شکایت ہے۔ جو مشنری صاحبان ہندوستانی مسیحیوں کے خلاف رکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ مشن کے

خرچ سے تعلیم حاصل کر کے مشن کی خدمت کرنا اپنا فرض نہیں سمجھتے۔ یہ شکایت بھی ایک غلطی پر مبنی ہے۔ جب مشنری کسی ہندوستانی کو بطور بچوں کے لکھاتے پڑھاتے ہیں تو کیا یہ معقول بات ہے کہ اس خرچ کے عوض جو اُن کی تعلیم و تلقین پر صرف کیا گیا اُن سے کسی قسم کا معاوضہ طلب کیا جائے۔ کیا والدین اس زر نقد کا حساب اپنے بچوں سے لیا کرتے ہیں جو اُنہوں نے اپنی اولاد پر صرف کیا ہے۔ اس لئے مشنریوں کی یہ شکایت بھی بیجا ہے۔ اُدھر ہندوستانی مسیحی شاکی ہیں کہ مشن کے روپیہ میں سے ہم کو کافی حصہ نہیں ملتا۔ مگر یہ حصہ کیوں دیا جائے۔ یوروپ اور امریکہ کے لوگ اپنا زر اِس لئے نہیں دیتے کہ اِس مُلک کے مسیحیوں کی پرورش پر خرچ کیا جائے۔ بلکہ انکا مدعا فقط یہ ہوتا ہے کہ اُنکا پیسہ انجیل کی اشاعت پر صرف کیا جائے۔ اگر اس بات کو ذہن نشین کیا جائے تو بہت سی غلط فہمیاں جاتی رہینگی۔ مشنری صاحبان کی غلط فہمیوں کی نظایر میں سے خصوصاً یہ بات پیش گئی ہے۔ کہ اُنکا راستگوئی کا معیار ہندوستانی مسیحیوں سے قطعاً جُدا ہے۔ اور کہ اس مُلک میں پُورا پُورا سچ بولنا لوگوں کی طبیعت کے خلاف ہے۔ اسی وجہ سے مشنری صاحبان ہماری باتوں سے دھوکا کھا جاتے اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس الزام کی نسبت ہم یہی کہہ سکتے ہیں۔ کہ بغیر خدا کے فضل کے یوروپ میں بھی ویسی ہی ناراستی پائی جاتی ہے۔ جس قدر ہندوستان میں ہے۔ کیا ہماری قومی دروغگوئی پر الزام دھرنے والوں کے خیال میں کبھی یہ بات بھی آئی کہ کیا وجہ ہے کہ باوجود یوروپ اور امریکہ کے صدیوں سے مسیحی تعلیم کے زیر سایہ رہنے کے اب تک اُن میں ایسی بدکاری اور اخلاقی ناپاکی ہے جو ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی۔ کیا اُنکا قومی گناہ ہندوستانیوں کے قومی گناہ سے بہتر ہے۔

حقیر چیزوں کی قدر

خدا کی خلقت میں یہ ایک عجیب قاعدہ ہے کہ جو چیزیں زیادہ نازک یا حقیر معلوم ہوتی ہیں۔ وہ فی الحقیقت مفید اور اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ جب ایک بارہ سنگے نے اپنا عکس پانی میں دیکھا تو اپنے شاندار سینگوں پر نہایت نازاں ہوا مگر اپنی دُبلی پتلی ٹانگوں کو دیکھکر غمزدہ اور خجل ہو گیا۔ آخر جب کسی درندہ کے

سامنے سے اسکو بھاگنا پڑا اور اسکے سینگ جھاڑیوں میں پھنس گئے تو اسکو ہوش آیا کہ واقعی وُہی پُھرتیلی حقیر ٹانگیں میری سلامتی کا باعث تھیں۔ یہی حال ہمارے روزمرّہ کی گفتار اور خدمات کا ہے۔ جس کام کو ہم بڑا اور قابلِ قدر سمجھتے ہیں آخر وہ حقیر ثابت ہوتا ہے اور ایک ہلکے درجہ کا فعل مثلاً باموقعہ تبسّم یا ایک لفظ یا کوئی ہمدردانہ حرکت جس کو کوئی خیال میں نہیں لاتا نہایت مُؤثّر ثابت ہوتی ہے۔ رسالہ مسیحی کی ناچیز خدمات جو اُسنے اپنی چند روزہ زندگی میں کر دکھائیں اسی قاعدہ کی پابند ہیں۔ جن بعض خیالات یا مضامین کو ناظرین نے وزندار سمجھا وہ کچھ عرصہ تک پڑھنے والوں کے حافظہ سے مفقود ہو جائیں گے مگر جن مضامین کو ہمارے نکتہ چین" ترجمے" یا "وُہی پُرانی وعظیں" کہا کرتے تھے اب مُستقل صُورت اختیار کر رہی ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ آیندہ پُشت کے کتنے لوگ ان رسالوں سے جو مسیحی میں سے اخذ کرکے ہماری ریلیجس بُک سوسائٹی نے شایع کروائے ہیں مستفید ہوں گے۔ علاوہ ان سوانح عمریوں کے حیاتِ داؤد اور چوپانی زبور۔ اور بزرگانِ بائبل کے حالات اور یسوع کے شخصی دوست اور رُوحانی زندگی کے اسرار۔ اور وعظوں کی کم ازکم تین جلدیں مسیحی کے صفحات میں سے لیکر چھاپی گئی ہیں۔ اگر ہمکو ہمارے مسیحی بھائیوں کی عدم توجہی اس رسالہ کے بند کرنے پر مجبور نہ کرتی تو بفضلِ خدا ہم اپنی کلیسیا کے لئے رُوحانی کتب کا ایک عمدہ ذخیرہ پیدا کرکے دکھاتے اور اب بھی جب تک ہمارا دم میں دم ہے ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ہم اُسی کی مدد سے اپنی کلیسیا کی خدمت کرنے سے باز نہ رہیں گے۔ مسیحی کی عدم موجودگی ہم کو مفید بننے سے روک نہیں سکتی۔

ہندوستان میں مشنریوں کا اصلی فرض

مشنری صاحبان ہندوستان میں انجیل کے خادم ہوکر آئے ہیں۔ اُنکا اوّل فرض یہ ہے کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان انجیل کی خدمت کریں۔ اوّل اوّل تو یہ مدّعا پُورا ہُوا۔ مگر جب ہندوستانی مسیحیوں کی جماعت بن گئی۔ تو مشنری صاحبان اِس کلیسیا کے پاسٹر بن گئے۔ رفتہ رفتہ بہت سی کمیٹیاں بنائی گئیں جن کے منتظم اور روحِ رواں مشنریوں

کو بننا پڑا۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایک بیچارے مشنری کے اکیلے سر پر ہر قسم کا بوجھ لاد دیا گیا ہے اور اس کی ہستی کا اصلی مدعا پورا ہونے نہیں پاتا۔ جابجا مشنری مجالس میں اسکا چرچا کیا جارہا ہے۔ مگر حقیقی مشکل وہ ہے جو پادری و آر صاحب نے گذشتہ نارتھ انڈیا کانفرنس میں بمقام مسوری اپنی ایک برجستہ تقریر میں پیش کی کہ "ہم لوگ (یعنی مشنری) نہایت خواہشمند ہیں کہ ہر ایک کام ہماری رائے کے مطابق بہترین طریق پر کیا جائے۔ اور اسی خیال سے ہم اپنے ہندوستانی بھائی کو ایک طرف دھکیل دیتے ہیں۔ فقط اسی وجہ سے کہ جس طریق سے وہ کام کر رہا ہے وہ بہت کچھ ہماری مرضی کے خلاف ہے اور ہم اُسی کام کو خود کرنے لگتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس وقت اُس کام کو اجنبی لوگ بہتر طریق پر کر سکیں۔ مگر جو دلشکنی اور نقصان اس سے ہندوستانیوں کو پہنچتا ہے اُسکا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں سب سے زیادہ یہی ایک باعث ہے جو ہندوستانی کلیسیا کو خدا کی خدمت شوق سے اختیار کرنے سے روکتا ہے"۔ اسی مضمون کے آخر میں آپ بطور خلاصہ یُوں فرماتے ہیں۔ کہ "ہندوستان میں مشنری کا کام اُن لوگوں کو انجیل کا پیغام دینا ہے جنہوں نے نجات نہیں پائی۔ یہ کام نہ فقط دفتر یا کمیٹیوں کے اجلاس میں یا اپنے مکان میں بلکہ اُن لوگوں کے درمیان ہونا چاہیئے جو خدا کو نہیں جانتے اور یسوع مسیح کی انجیل کو نہیں مانتے۔ کلیسیا کے درمیان ہمارا یہ کام ہونا چاہیئے کہ ہم صلاح مشورہ اور دُعا کے لئے تیار رہیں۔ مگر اختیار اور حکومت کے لحاظ سے پیچھے ہٹے رہیں۔ مشنری کا موٹو ہے "ہم تیسرے درجہ پر" یعنی اوّل خدا پھر ہندوستانی کلیسیا اور ہم سب سے آخر۔ اُس کی زندگی ایک خدمت ہے۔ اُس کی جگہ سب سے نیچے۔ خادم کی جگہ ہے۔ وہ ہندو محمدیوں کا قرضدار ہے۔ اس کو خدا کی میراث پر حکومت کرنا نہیں چاہیئے اور نہ دوسرے آدمی کی رکھی ہوئی بنیاد پر عمارت بنانا چاہیئے۔ اس کا فرض انجیل کی منادی کرنا ہے"۔

عشائے ربانی کی وائن

کرسچن سپرٹ کا ایک نامہ نگار جو اپنا نام سادگی پسند رکھتا ہے رقمطراز ہے کہ اگر غیر ممالک کے مشنریوں نے اوّل اوّل اپنے طور طریقے اور رسوم جاری کر دیں تو کیا یہ ضرور ہے کہ اس سلسلہ کو قائم رکھا جائے۔ سردست بعض طریقوں کو بدلنا محال ہوگا۔ مگر رفتہ رفتہ بعض غیر ضروری رسوم ترک ہوتی جائینگی۔ مثال کے طور پر راقم عشائے ربانی کی روٹی اور وائن کا ذکر کرتا ہے۔ یقیناً ہمارے خداوند اور اُسکے شاگردوں نے انگریزی قسم کی ڈبل روٹی یا قیمتی خمیر شدہ شراب کا استعمال نہ کیا تھا جیسی کہ آجکل گرجوں میں مستعمل ہے۔ فسح کی عید پر کسی قسم کا خمیر استعمال کرنا جائز نہ تھا۔ اس لئے جو وائن اس موقعہ پر مہیا کی گئی تھی مخمر نہیں ہو سکتی۔ اور فی الحقیقت انجیل میں اس رسم کے متعلق کہیں وائن کا نام تک نہیں ہے۔ فقط یہ کہا گیا ہے کہ اس پیالہ میں سے پیو" یا "انگور کا رس" مندرج ہے۔ اس لئے اگر کشمش کے رس کو عرق لیموں کی چاشنی دی جائے تو نہایت مزیدار پینے کی چیز بن سکتی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس انگریزی قسم کی روٹی کے بجائے سادہ روٹی کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ پھر راقم نے عشائے ربانی کے نقرئی ظروف پر بھی اسی قسم کا اعتراض کیا ہے۔ کہ کیا ضرور ہے کہ انگریزی نمونہ کے نقرئی یا گلٹ شدہ برتنوں ہی کو استعمال کیا جائے۔ اور کیوں اس ملک کی ساخت پیتل کے برتن کام نہیں آسکتے۔ وائن کے متعلق بعض دیگر نامہ نگاروں نے بھی اپنی رائے پیش کی ہے جو غور طلب ہے۔ ایک نے پیدائش کی کتاب میں سے فرعون کے ساقی کے خواب میں انگور کے نچوڑے ہوئے رس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس قسم کا رس عام مستعمل ہوتا تھا۔ راقم کے خیال میں یہودی علماء لفظ خمیر میں وائن کو بھی داخل سمجھتے تھے۔ اس لئے فسح کے موقعہ پر معمولی مے یا شراب استعمال نہ کی گئی ہوگی۔ ایک اور دلیل اس قسم کی وائن کے خلاف یہ پیش کی گئی ہے کہ اس سے اندیشہ ہے کہ کسی کو شرابنوشی کا چسکا پڑ جائے۔ یا کسی عادی شخص کو توبہ شکنی کا موقعہ اور بہانہ مل جائے۔ غرض ایسی شئے کو منہ نہیں لگانا چاہئے۔ جس سے کسی کو ٹھوکر لگے۔ یہ ایک غور طلب معاملہ ہے۔ خوش قسمتی سے یہ سوال ایک پیالہ یا جُداگانہ پیالوں کے سوال کی صورت نہیں رکھتا۔ ادھر ہمیں یقین ہے کہ اگر رفتہ رفتہ ہم اپنی ملکی ساخت سادہ چیزوں کو استعمال کرنے لگ جائیں تو کچھ ہرج نہ ہوگا۔ آخر عشائے ربانی کی رسم کوئی پیسہ کا کھیل نہیں ہے۔

بورڈنگ سکولوں کے خطرے

عموماً بورڈنگ سکولوں کے فواید پر زور دیا جاتا ہے۔ اور واقعی ایسے سکولوں کے مفید ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مگر ہر قسم کے طلبا کو ایک جگہ جمع رکھنے میں ایسے خطرے بھی ہیں جن کی نسبت بورڈنگ سکولوں کے مہتمموں کو غافل نہیں ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر ایک لڑکا مرض سل والا کسی بورڈنگ

میں داخل کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ اور لڑکوں کی صحت میں خرق آجائیگا۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے۔ اول تو ضرور ہے کہ جب کوئی لڑکا سکول میں داخل ہونے کے لئے لایا جائے تو ایک ایسی کمیٹی کے پیش کیا جائے جو اُسکی صحت بدنی کی نسبت فیصلہ کرے کہ یہ لڑکا داخل کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر یہ عوام کے لئے تکلیف کا باعث ہو تو کم ازکم ایک سرٹیفکٹ صحت بدنی کا والدین کو اپنی درخواست کے ہمراہ بھیجنا ضرور چاہئے تاکہ سکول میں آکر فیصلہ کرنے سے پیشتر ہی لڑکے کے جسمانی حالات معلوم ہو جائیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ والدین اپنے دایم المرض بچوں کو بورڈنگ سکولوں میں داخل کرکے اپنی ذمہ واری سے سبکدوش ہو بیٹھتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو ہمارے بورڈنگ تبدیل آب وہوا کے مقامات بن جاتے ہیں۔ ان جسمانی امراض سے زیادہ خطرناک وہ اخلاقی بیماریاں ہیں جو بچے اپنے گھروں سے لے آتے ہیں اور اپنے رفیقوں اور دوستوں کو بھی بگاڑ دیتے ہیں اسکا تدارک خود والدین کے ہاتھ میں ہے افسوس کہ ہمارے مسیحی اس امر کی نسبت اپنے فرایض کو نہیں سمجھتے ان کے خیال میں بورڈنگ سکول کوئی عالم بالا کے طبق ہیں جن میں ملایک بودوباش کرتے اور جہاں بگڑے ہوئے بچے خود بخود سُدھر جاتے ہیں۔ اخلاقی اور روحانی تعلیم گھر میں شروع ہونی چاہئے۔ اور بگڑے ہوئے لڑکے ایسے سکول میں بھیجنا جہاں اس کی تاثیر مہلک ہوگی قابل مواخذہ جرم ہونا چاہئے۔

درختوں کی عمر

ایک امریکہ کا اخبار اس امر کا بیان کرتے ہوئے کہ روئے زمین پر سب سے قدیم شے کونسی ہے۔ رقمطراز ہے کہ درختوں کو ضعیف العمری کی وجہ سے موت نہیں ہوتی جس سے ظاہر ہے کہ درخت کی عمر ابدی ہے اس سوال کے جواب میں کہ سب سے پرانی چیز کونسی ہے ایک درخت پیش کیا جاتا تھا جسکا محیط ۸۲ فیٹ ہے۔ اس درخت کے ایک حلقہ کی موٹائی ½ انچ ہے اور چونکہ ایک حلقہ لکڑی کا ایک سال میں پیدا ہوتا ہے اس حساب سے یہ درخت ۲۲۰۰ سال کی عمر کا ہوگا۔ مگر اب اس سے بھی ایک قدیم درخت دریافت ہوا ہے۔ ملک مکسیکو کے کسی باغ میں ایک بید مجنوں کا درخت ایک سو بیس ۱۲۰ فیٹ محیط کا موجود ہے۔ اگر اُسی قاعدے سے اس کے حلقوں کا حساب کیا جائے تو اس کی عمر ۶ ہزار سال سے زیادہ ہوگی۔ درختوں کو آندھی اُڑا لے جائے یا کیڑے کھا جائیں یا اور درخت اُس کی رطوبت اور طاقت کو جذب کر جائیں تو اور بات ہے۔ لیکن اگر درخت کو کافی سامان ملتا جائے تو اُس کی عمر کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اسکے مقابلہ میں انسان کی عمر کیسی کوتاہ ہے۔ باوجود اسکے ان لوگوں کی عمر جو مسیح کی شاخ بنگئے ہیں درختوں سے بھی کہیں بڑھکر ہے۔ چنانچہ یوحنا ۶: ۵۱ میں مسطور ہے "میں وہ زندگی کی روٹی ہوں جو آسمان سے اُتری۔ اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو ابد تک زندہ رہیگا۔"

صلیب کی مایوسی

از تصنیف پادری ڈاکٹر پی ٹی فورسیتھ صاحب

"پھر وہ اُنہیں تعلیم دینے لگا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم بہت سے دُکھ پائے اور بزرگ اور سردار کاہن اُسے رد کریں..... پطرس اسے الگ لے جا کر ملامت کرنے لگا..... مگر اُس نے پطرس کو ملامت کیا اور کہا اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو" مرقس ۸: ۳۱ و ۳۳

اب وہ وقت ہو لیا تھا کہ یسوع اور اس کے شاگردوں کے مابین ایک نیا تعلق اور ایک نیا طریق پیدا ہو۔ ضرور تھا کہ وہ ان کو صلیب کی خبر دے۔ اُنہوں نے اسمیں مسیحائے موعود کو تو پالیا تھا۔ لیکن اگر انکا اس مصلوب سے اعتراف نہ ہوتا تو وہ مسیحا کو دیر تک مقبول نہ رکھتے۔ ہاں اگر ان کو اس کے شفیع ہونے کی پہچان نہ ملتی تو وہ باعتبار مسیحا کے اُس کی عزت و تکریم کرنا چھوڑ دیتے۔ لازم ہے کہ رُوح (دل) کا بادشاہ اسکا کاہن بھی ہو۔ اگر مسیح کی زندگی ہم کو مسیح کی صلیب تک نہ پہنچائے تو باعتبار زندگی کے جو جگہ اسکو حاصل تھی وہ حاصل نہ رہیگی۔ اگر مسیح ہمارا نمونہ۔ مسیح ہمارا نجات دینے والا نہ بن جائے تو وہ ہمارا نمونہ نہ رہیگا۔ ہم اس کی نسبت بیشک اکثر غلط فہمی کرتے ہیں لیکن اتنا تو یقینی ہے کہ ہم اسکو اپنے تجربہ سے بھی اپنا نمونہ ٹھہرا کر اس کی عزت و تکریم جاری نہ رکھ سکیں گے۔ کسی چیز کو اگر ہم پسند اور اس کی واجب تعریف کریں تو رفتہ رفتہ اس کی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں۔ جب تک مسیح بادشاہ نہ ہو لے وہ ہیرو نہیں رہے گا۔

یسوع نے اوّل ہی اوّل اپنے شاگردوں کو صلیب کی تعلیم نہ دی۔ اوّل تو یہ اسکے خیال میں بھی نہ تھی۔ لیکن جب اسے خیال آیا تو اس نے ان کو بتدریج تعلیم دی۔ اُس نے اپنے مسیحا ہونے کا بھی ذکر نہ کیا۔ اُس نے اپنی تعلیم بادشاہت سے شروع کی اور اپنے آپکو بادشاہت میں ایسے داخل کیا کہ اسکے شاگرد بادشاہت کا کبھی خیال تک نہ کر سکتے تھے جب تک کہ اپنے آپکو مسیح کے گرد فراہم تصور نہ کرلیں۔ کیا یہ اسکو بادشاہ سمجھنے کے برابر نہ تھا؟ پطرس کے اقرار کا بھی مفہوم تھا۔ یہ اس یقین کا جو اسکے اور دوسرے شاگردوں کے دلوں میں دیر سے پیدا ہو رہا اور نشو پا رہا تھا ایک مضبوط اور پختہ ہو جانا تھا کہ انکا اُستاد مسیح تھا۔ اسی اعتراف اور پہچان کے بلئے یسوع مختلف اور انتظار کر رہا تھا۔ یہ ایک نئی دریافت تھی۔ اور بڑی دریافت

کی طرح یہ گویا ایک الہام تھا - یہ بارود کا جو دیر سے رکھا تھا یکایک شعلہ زن ہو جانا تھا۔
لیکن اب وہ وقت ہو لیا کہ ان کو اس سے بھی آگے بڑھایا جائے تاکہ وہ پیچھے کو مڑ نہ جائیں۔ اور مسیح نے یہ دوسرا قدم کیسے اُٹھایا؟ اس نے ان کی بادشاہت کے خیال کو بالکل توڑ دیا۔ اس نے ظاہرا ہر ایک چیز کو توڑ کر یہ نیا کام اپنے ذمّے لیا۔ اس نے دُنیا کے نُور کو ظاہر کرنے کے لئے پُرانے گھڑے کو توڑ ڈالا۔ اُس نے اُن کے ترقی کے خیالات اور اقبال کی امیدوں پر ایسا شعلہ ڈالا کہ وہ مُرجھا گئے۔ اس نے اپنے شاگردوں کو ایسی پریشانی اور دہشت میں ڈال دیا کہ اسکی عجیب راہوں سے وہ کبھی پیشتر ایسے ششدر نہ ہُوئے تھے۔ پطرس کے اقرار کے روز سے عزیزِ عام اور آرام کی زندگی کے سوا اِن کے دماغ میں کوئی اَور بات سماتی نہ تھی۔ اب ناممکن تھا کہ مسیحا اپنے آپ کو اَور چھپائے رکھے اور اسرائیل کے نزدیک ہر دلعزیز ہونے کے سوا اَور کیا ہو سکتا تھا؟ اِسی بات کے لئے تو ساری قوم اسرائیل مُنتظر تھی؟ کونے کونے پر عوام اُسکو خوش آمدید اور مرحبا کہیں گے اور حکّام اسکو مردِ زماں اور مردِ خدا قرار دیں گے۔ وہ اپنی خدمات۔ اپنا منصب۔ اپنی وفاداری اور اپنی مذہبی تاثیر اُسی کے لئے کام میں لائینگے۔ یروشلیم میں ایسا عزیزِ عام ہیرو پہلے کبھی ظاہر نہ ہُوا تھا۔ شاگرد بڑے شادمان تھے۔ ایسے خوش کہ وہ اِس سے چمٹے رہتے تھے۔ ہاں ایسے خوش و خرّم کہ اُسکی فروتنی کی حالت میں ہی انہوں نے اسکی عظمت و شان دیکھ لی تھی۔ پطرس کے دلیرانہ اقرار سے وہ جانتے تھے کہ خداوند خوش ہُوا ہے اور وہ اس کی خوشی سے خوش تھے۔ کیا مسیحا خود بھی ایسا دلیر نہ ہوگا؟ ابھی سے اُنہوں نے دیکھ لیا کہ یروشلیم۔ اسرائیل۔ رہا ہاں ساری دُنیا اسکے قدموں میں پڑی ہے اور جب خداوند نے فرمایا کہ ضرور ہے کہ مُلک اور اُسکے اُمراء مجھے ردّ کریں بلکہ ستائیں اور قتل کریں تو اس سے شاگردوں کو جو حیرانی اور صدمہ گُذرا اسکا اظہار الفاظ میں ہو نہیں سکتا۔ اُمراء و عمایدِ سلطنت اُسکے مارنے والے ہاں بادشاہ کُش ٹھہریں! ہاں اگر وہ فرماتا کہ میرے اپنے شاگرد مجھے ردّ کرینگے تو اُن کے نزدیک ایک ہی بات ہوتی۔ ان کے اَوسان خطا۔ حواس باختہ۔ قوائے ذہنی بیکار ہو گئے تھے۔ اور وہ ایسی بات سمجھ نہ سکتے تھے۔

تُم نے صلیب کا نتیجہ دیکھا اور ان کی سادہ لوحی پر حیران ہو۔ اپنے آپکو اُن کی جگہ میں رکھو۔ فرض کرو کہ آپ بڑے اقبال مند اور ترقی کر رہے ہیں یہ سب آپ کی محنت۔ کاروبار کی سمجھ۔ آپ کی دانشمندی اور نیک سیرت کا نتیجہ ہے۔ اور آپ کے مذہب سے گویا اسکی تقدیس اور پُشت پناہی ہو چکی ہے۔ آپ کلیسیا کے ایک بڑے معزز اور مفید ممبر ہیں۔ اور کلیسیائی اصُولوں کو مانتے ہیں۔ آپکا خاندان بڑھ رہا ہے۔ اور آپ کے نیک نام پر کسی

قسم کا دھبّہ نہیں لگایا۔ آپ اُمّید رکھتے ہیں کہ اپنی عمر اچھی طرح کاٹ کر دیانتدار اور معزّز لوگوں کی طرح اُس ایمان میں مرینگے جس سے آپ کے بزرگوں کی تسلّی ہوئی۔ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دیانتداری اور مسیحی اصولوں پر عمل کرے تو وہ لوگوں کے ہاتھوں عزت اور اپنے کاروبار میں کامیابی پاتا ہے۔ لیکن اب ذرا فرض کیجئے کہ آپکا کاروبار ایسی مشکل میں آپڑا ہے کہ سوائے ایسے فعل کے وہ تباہی سے بچ نہیں سکتا کہ جو زمانہ کی روشنی کی تاب لا نہیں سکتا۔ خیال کیجئے کہ آپ ایسی حالت میں آ پھنسے ہیں کہ متعدد بےقصور لوگوں کو بالکل تباہ کئے بغیر اپنی دولت اور اپنے کاروبار کو بچا نہیں سکتے۔ یا فرض کیجئے کہ ایک الٰہی آواز تمہارے کانوں میں آئی ہے۔ جو پہلے کبھی نہ آئی تھی اور اُس نے تمہیں قایل کردیا (راست یا غلط طور سے) کہ جو کچھ آپنے کاروبار میں کمایا ہے اسکو غریبوں کے لئے وقف نہ کردیں تو خُدا کو خوش نہیں کرسکتے۔ فرض کرو کہ تمکو یہ الٰہی آواز آئے جو بعض کو آئی ہے کہ سوائے اسکے کہ تم ایک ایسا قدم اُٹھاؤ جس سے تمہارا نام نکو جاتا رہے یا مسیح کی خاطر تم چُپ رہو گو تمہارے چُپ رہنے سے تمہاری نیک نامی میں فرق آتا ہے تم مسیح کے نزدیک صادق ٹھہر نہیں سکتے۔ فرض کیجئے کہ یہ مطالبے اور دعوے تم پر مسیح کے نام سے کئے جائیں۔ ایک اَور مثال لو۔ فرض کیجئے کہ ایک واعظ کو جو اپنی شہرت کے معراج پر پہنچ چکا ہے ایک پیغام ملا ہے اور اُس کی تمیز مجبور کرتی ہے کہ وہ پیغام لوگوں کو دے گو یہ بات اغلب معلوم ہوتی ہے کہ ایسا کرنے سے وہ اپنی آدھی بادشاہت کھو بیٹھے گا۔ لوگوں میں اس کا اثر کم ہو جائیگا اور اُس کے احباب اُس کی طرف سے سرد مہر اور بدظن ہو کر آگے کو اس پر اعتبار نہ کریں گے۔ ایسا کوئی واقعہ فرض کرو کہ جب خُدا کی مرضی اِن باتوں کے بالکل متضاد اور مخالف ظاہر ہوئی کہ جنکا تم وعدہ کرچکے ہو اور جن کی ہر ایک تم سے اُمّید رکھتا ہے۔ شاگردوں کی یہی حالت تھی۔

واعظ کی مثال کو ہم ذرا اَور توسیع دیں۔ اور اسکو شاگردوں کی حالت کے اَور مطابق کریں۔ مسیح ایک واعظ اور اوّل اوّل عزیزِ عام تھا۔ اور واعظ بھی فصیح وبلیغ اور قابل اور جوان۔ اور وہ ایک قصبے اور کلیسیا میں پہلی دفعہ آتا ہے۔ کلیسیا اور اس کے منتظم خوش ہوتے ہیں۔ وہ لاثانی ترقی اور رونق کی اُمّید رکھتے ہیں نئے نئے لوگوں سے جگہ بھرپور ہو جاتی ہے۔ ایسی شیریں۔ لطیف۔ مدلّل اور دلکش باتیں پہلے کبھی سُننے میں نہ آئی تھیں۔ اُن میں جادو سا اثر معلوم ہوتا اور کوئی بات دل گزند نہیں۔ معمولی سمجھ سے وہ باتیں کچھ باہر تو ہیں۔ تاہم عوام کو وہ بھلی معلوم ہوتی اور وہ اس سے اپنے لئے تعلیم حاصل کرتے اور ششدر

نہ ہوتے ہیں۔ تو تجہ پر بہت زور پڑے بغیر ان سے نہایت خوشی حاصل ہوتی ہے ۔ واعظ بڑا صاحب ہمت اور اس کے اطوار بڑے دل پسند تھے۔ بچے اسکو پیار کرتے۔ پریس اس کے پیچھے پیچھے لگی رہتی۔ کوئی جلسہ اسکے بغیر مکمل نہ ہوتا تھا۔ مسیحی کام کی اُس نے کئی صورتیں جاری کیں۔ خدا کی محبت کبھی ایسے دلکش پیرایہ میں ظاہر نہ کی گئی تھی۔ گھر اور شاعری اور ہمسایہ کی محبت کبھی ایسے واضح نہ ہوئی تھی۔

لیکن اُس واعظ پر (فی الحال کچھ مضائقہ نہیں کہ کس طرح) خدا کی محبت کا مسیح کی صلیب میں ایک نیا مکاشفہ اُترتا ہے۔ یہ خیال ایک بالکل نئے پیرایہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اوّل وہ رحمت کے گیت گاتا تھا اب رحمت اور عدالت دونوں کے۔ مسیح کی صلیب میں اُس نے خدا کی عدالت کو دیکھا۔ اسکے دل کی بدی اور گناہ کی کراہت اس کے دل پر ظاہر ہوتی ہے مسیح کے کلام میں اس نے عدالت کا اتنا ہی ذکر پایا جتنا رحمت کا۔ وہ انجیلوں میں ایسی آیت کی تلاش کرتا تھا کہ جس سے محبت آمیز شفقت اور رحمت اور فروتنی اور بچوں کے سے مزاج کی منادی کرے۔ اسکے بعد دیگرے خداوند کے سنجیدہ فرمان اس کی آنکھوں کے آگے آتے اور شفقت آمیز الفاظ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔ وہ اپنے لوگوں کو ہری چراگاہوں میں لایا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا خدا کا غضب کوئی چیز ہی نہیں اور رُوح کی کشمکش۔ شکوک۔ توبہ۔ ہراس اور وحشت سوائے سٹیج اور ناولوں کے اور کہیں ہستی نہیں رکھتے۔ اور اُس کی جماعت دُنیا کا ایک عمدہ نمونہ تھی ——— نے اِس سے کبھی خُون نکالا نہ تھا۔ قربانی۔ اذیت۔ گناہ اور خون کی خبر نہ اُس نے کبھی خود سُنی تھی نہ کسی کو سُنائی تھی۔ اُسکی تمام زندگی اور تجربہ دوسروں کی خاطر جینا تھا کوئی آفت نہ تھی۔ ہاں قربانی تھی پر لعنت نہ تھی۔ خود نثاری تھی مصیبت نہ تھی۔ الٰہی قدسیت کی سختی کبھی اس پر ظاہر نہ ہوئی تھی اور نہ اُس نے کبھی کسی پر ظاہر کی ہی تھی۔ اُس نے کبھی اِس امر کا احساس نہ پایا تھا۔ جیسا اب پایا کہ اگرچہ مسیح محبت کے باعث آیا وہ قدسیت کے لئے مُوا۔ یہ اس کی محبت کا باعث نہ تھا بلکہ اُس کی قدسیت کا کہ لوگوں نے اُس سے نفرت کی اور اسکو قتل کیا۔ اگر نجات اور دیگر برکتیں ہمیں اس کی موت سے ملیں تو اس کی محبت کی نسبت اُس کی قدسیت کے طفیل یہ سب کچھ ہُوا۔ (اگر محبت قدسیت سے علیحدہ ہو سکتی ہے)۔ لیکن اب یہ بات اِس پر آشکارا ہو گئی تھی۔ اور یہ نئی طرز اس سے ظاہر ہو رہی تھی۔ لوگ تسلی پانے کی بجائے حیران سرگردان ہو رہے تھے۔ وہ اس بے کلی سے کچھ آزردہ خاطر سے ہوئے جاتے تھے۔ اور شیریں اقتباس کی جگہ احکام و فرامین سُننے سے کچھ مایوس بھی ہو گئے تھے اور آرام و سلامتی

میں خلل آنے سے غصّہ بھی تھے۔ اُس نے اپنے اپنے دل کی جانچ پڑتال۔ گُناہ کی قدُوسیت کے ساتھ خطرناک آمیزش بخون تک مقابلہ کرنے۔ راستبازکے بمشکل نجات پانے۔ محنتی سے محنتی کے نالایق خادم ٹھہرنے۔ انجیلی پھٹکار اکے انجیلی تقاضا کے برابر ہونے۔ آرام کے رُوحانی نشہ اور زہر ہونے۔ اور دینداری کا بعض صُورتوں میں تمیز کی دھار کو کُند کرنے اور انصاف کی آواز کو دبانے۔ ہاں گُناہ۔ راستبازی اور عدالت اور ایسی الزام دہی پر جو رُوح کا کام ہے بحث کی۔ وہ اپنے آپ اور دوسروں سے یہ سُوال کرتا تھا کہ صلیب کیسے فی الواقعی مقبولِ عام ہو سکتی ہے۔ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک اقبال مند۔ شائستہ اور خدا ترس زمانہ میں لوگ خدا کی عدالت میں خوشی پا سکیں اور اسکو صلیب کا ایک جزو جان کر تسلی پائیں۔ کیونکر صلیب کا شکستہ اور ذلیل کن پیغام جو انسانی نیچر (فطرت) اور انسانی غرور کے لئے ہے سوائے چند کے اوروں کو مقبول ہو سکتا ہے۔ اور خاطر جمعی کو اس سے جو صدمہ پہنچتا ہے وہ اکثروں کو ناگوار گذرتا ہے۔ اور اسکی اس تمیز کی خلش کو کون برداشت کر سکتا ہے جو اُن کو بتاتی تھی کہ وہ دیانتدار۔ لایق۔ معزز۔ بھلے اور مہربان شخص تھے۔

خدا کی محبت اس کے نفصل کے آخر میں ایک نئے اور گہرے مکاشفہ میں اُس پر ظاہر ہُوئی۔ جن لوگوں نے اس کی مُنادی سُنی وہ حیرت زدہ سے ہو گئے۔ وہ حیران تھے کہ کیا اس نے پوشیدگی میں کوئی گُناہ کیا ہے جو اُس کی تمیز کو ستاتا اور اُس سے مکّاری کراتا ہے۔ اس بے چین کرنے والی تقریر سے وہ خوش نہ ہُوئے۔ اس سے اُن کی زندگی کی خوشی و خرمی جاتی رہی۔ وہ شاکی تھے کہ سبت اب پہلے سا سبت نہ رہا۔ کہ آرام کے بجائے فکر پیدا ہوتا ہے۔ وہ اپنے کام کو شگفتہ خاطر نہیں بلکہ فکروں سے دبے ہُوئے جاتے تھے۔ گرجا میں اب نشست گاہیں خالی نظر آنے لگیں (گو گیلری میں بہت فرق نمودار نہ تھا) چندہ میں بہت کمی واقع ہُوئی۔ لہو ولعب کے دلدادہ چند خاندان مستعفی ہو گئے اور کچھ شہر کے دُوسری طرف چلے گئے۔ کیونکہ اُن کے نوجوان ممبروں کو اب دلچسپی نہ رہی تھی۔ انسانی دل کے قایم اور مضبوط رہنے پر بھی اسکا ایمان پہلے سا مضبوط نہ رہا۔ تب منادوں کو وہ کہا کرتا تھا کہ "دل سے اپیل کرو" انسانی محبت اور دلچسپیوں کو ترک نہ کرو۔ جن باتوں میں عوام کے دل نرم ہیں اُن سے اُن پر قبضہ کرو اور خدا کی محبت کو ظاہر کرنے کے لئے انسانی محبت سے کام لو۔ طریق ناکام رہتے ہیں اور الہیات سے انسان پر اثر نہیں ہوتا لیکن انسانی دل پر تم ہمیشہ تکیہ کر سکتے ہو"۔ افسوس اِس پر بھی اُسے شک پیدا ہونے لگا۔ اسکو اپنے ہی دل کی دید مل گئی۔ جس سے اُس کی وہ مضبوطی جاتی رہی اور اس کا خود استقلال نہ رہا۔ اُس نے یہ محسوس کیا کہ مسیح انسان کے

لئے جو کرتا ہے وہ بنی ہوئی بات کو بنانے کی نسبت اسکو شکست دینے سے بہتر انجام دیتا ہے۔ متلاشی حق کے لئے اوّل ہی اوّل یہ سوال پوچھنا کہ "میں کیا کروں کہ نجات پاؤں" زیادہ اُمید افزا تھا۔ بہ نسبت اس سوال کے کہ "میں اپنی سیرت کو کیسے ترقی دوں" یا "میں مسیح کے لئے کیا کر سکتا ہوں"۔ ایک دن وہ ایک مقدس کی حیات کا جو پچھلے دنوں فوت ہوا مطالعہ کر رہا تھا اور ایک چٹھی اس کی آنکھوں سے گذری جس میں ایک ہر دلعزیز مشہور واعظ کی طرف اشارہ تھا کہ اگر محبت کے خدا کا پورا پورا احساس اسکو پیدا ہو تو غالباً اس کی ہر دلعزیزی جاتی رہے گی اور اسکو اپنے آپ سے سخت جنگ کرنا پڑیگا۔ اور شاید تاریکی اور کم اعتقادی کچھ دیر کے لئے اس پر غالب آئیں"۔ ان الفاظ نے اسکے دل پر بڑا اثر کیا نہ اس لئے کہ وہ خود تاریکی اور کم اعتقادی کی حالت میں تھا کیونکہ ایسا نہ تھا بلکہ اس لئے کہ اس نے صلیب میں ایسی محبت کی دید پائی تھی جو بھسم اور تباہ کرنے والی آگ تھی۔ محبت نے ایسے مقدس الفاظ زبان زد کئے تھے۔ جن کو معمولی دل سُن نہیں سکتا تھا اور جو صلیب میں ہو کر کانشنس پر ظاہر ہوئے تھے۔ اُس نے لوگوں کو کھاتے پیتے۔ بیاہ شادی اور عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے دیکھا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ کیونکر طوفان ان سب کو تباہ کرنے کو بہا آتا ہے اور کہ کیونکر صرف مسیح کی صلیب نے اس طوفان کو روک دیا۔ حالانکہ خوش باش اور بے پرواہ لوگوں ہاں کلیسیا کے ممبروں کے بھی خواب و خیال میں نہ آیا کہ وہ کس آفت سے بچے رہے اور اپنی پیاری جانوں اور اپنے چہیتوں کی سلامتی کے لئے وہ کس کے احسانمند تھے۔

لیکن اسکے ڈیکن اور اس کے خاص شاگرد حیرت زدہ پریشان خاطر تھے۔ وہ بڑے دیندار بھلے آدمی تھے اور کلیسیا کی اقبال مندی اور ترقی کی اُمیدوں سے نہایت خوش تھے۔ مذہبی اخبارات میں اُن کے متعلق جو خبریں چھپتی تھیں وہ اُن کو پڑھکر نہایت خوش ہوتے تھے اور بعضوں کو تو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو اسرائیل کو بچائیگا۔ اور اُن کی قوم کو نئی زندگی دیگا۔ کلیسیا کے تمام اخراجات اور اُن نئے اخراجات کے بھی جو برداشت کئے گئے تھے وہ ذمہ وار تھے۔ اُن میں سے بعض کی زندگی ہی ایسے گذرے تھی کہ آٹھویں روز منقّح رنگین عبارت میں دل پسند وعظیں سُن چھوڑیں اور بس! گھر میں دینداری کا دعویٰ اور اظہار کرتے تھے۔ پر انسانی تکالیف اور دُنیا کی مصیبتوں اور رُوح کی جانکنی سے اُنکو سروکار نہ تھا۔ نئے خادم الدین نے اس تعلیم کو سوشیل طریق پر تکمیل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اس سے رُوحانی احساس اور بھی مُردہ اور آنکھیں دل پر کھنے والی صداقت کے دیکھنے سے اَور بھی دُھندلی ہو گئی تھیں۔ وہ جانتے نہ تھے کہ کیا کریں۔ ان کو خیال ہُوا کہ بہت علم الہیات کے پڑھنے سے ہمارے خادم الدین

پر یہ تبدیلی واقع ہوئی ہے اُنہوں نے ایک دو دفعہ اشارتاً کہا بھی کہ ایک کامیاب خادم الدین کے لئے علم الہیّات کی نسبت زندگی سے واقفیت رکھنا زیادہ ضروری ہے اور لوگوں کے درمیان کام کرنے سے سارا دن گھر میں بیٹھے پڑھتے رہنے کی نسبت زیادہ فائدہ ہوتا ہے جس شخص نے مندرجہ بالا خیال کا اظہار کیا اس کا بیٹا لنڈن میں ایک سربرآوردہ اخبار کا ایڈیٹر تھا اور اس نے ایک مضمون میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اگر خادمان دین اپنی کُتب شرع بیچ کر اچھی ناولیں خرید لیں تو ان کی وعظیں زیادہ عملی اور مفید ثابت ہوں گی اور وہ انسانی دل کو ایسے طور پر سمجھیں گے جو پہلی صدی کے مصنّفین یا واعظین کے لئے ممکن نہ تھا اور ان میں سے ایک شخص نے اپنی گھبراہٹ اور مایوسی میں خادم الدین کو الگ لے جا کر ازراہِ شفقت سمجھایا کہ وہ غلطی پر تھا۔ اُس نے بتایا کہ اس قسم کا پُرانا۔ تکلیف دِہ اور مدقوق مذہب ایسے لوگوں کے حسب حال تھا جو تارکُ الدنیا ہوں اور جنکا کاروبار و تعلقاتِ دُنیا سے کوئی تعلق واسطہ نہ ہو۔ لیکن اِس نئی دنیا میں یہ طریق مذہب اُن کے کاروبار کے بالکل نامناسب تھا۔ کلیسیا کی بہبودی کے حق میں یہ نیا طریق زہر قاتل کا حکم رکھتا تھا۔ اور اُن کی مختلف انجمنُ مجالس بغیر روپیہ کے جو دن بہ دن کم ہو رہا تھا چل نہ سکتی تھیں۔ اُس نے سمجھایا کہ مسیح کے کام کی اُمید صرف کلیسیاؤں میں تھی اور اگر کلیسیائیں کمزور ہو گئیں اور لوگ پیچھے ہٹ گئے تو خدا کی بادشاہت بہت کچھ رُک جائیگی۔ وہ اپنے خادم الدین سے بہت محبّت رکھتا تھا اور اس کے اِس طریق پر سخت متاسّف تھا۔ اور اگر اس کی اِس پبلک طریق زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور وہ کسی چھوٹی سی کلیسیا کا خادمُ الدین مقرّر ہُوا تو کلیسیا کا گیسا درخشان ستارہ غروب ہو جائیگا! اُس نے اسے خوب سمجھایا کہ گو زمانہ کی چال کے بالکل مطابق چلنا ضرور نہیں۔ اس کا استعمال کرنا اور اسکی بولی بولنا واجب ہے اور اسکی سراسر مخالفت کرنا دانشمندی نہیں۔ پطرس اسکو الگ لے گیا۔ مہربان۔ دلدادہ۔ کم ظرف پطرس۔ اور اسے ملامت کرنے لگا۔

اِس مثال کو مَیں آگے دُور تک نہ لے جاؤنگا۔ یہ کہنا سراسر بے وقوفی ہوگی کہ کلیسیا کی شادابی اور کثرت ممبران کے باعث انجیل کی سادگی قایم نہیں رہ سکتی۔ اس کے متضاد کئی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن یہ امر قابل قیاس ہے کہ جس وقت یسوعؔ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ مسیح کو اپنی صلیب کیسے اُٹھانی چاہیئے تو اُسکے شاگردوں نے کیا سمجھا اور اُنکا رویہ اسکی طرف کیسا تھا؟

مَیں چاہتا ہُوں کہ اس مثال سے مسیح کا مزاج آپ کے دل پر روشن ہو۔ اِس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر مسیح کو صلیب اُٹھانی نہ پڑتی تو اسرائیل کے درمیان وہ بڑا عزیزِ عام اور

مؤثر بنی ہوتا۔ اگر صلیب نہ ہوتی تو اسرائیل مسیح کے باعث موجودہ تواریخ میں ایک بڑی بھاری طاقت ہوتی۔ ہاں اسلام سے بھی بڑھکر جو ایک سامی تہذیب نفی مسیح ہے۔ محمدؐ کی پھر بالکل ضرورت نہ رہتی اور مسیح دُنیا میں محمدؐ کی سلطنت سے بڑھکر مستحکم اور پُرحکمت اور انسانی مزاج کے مطابق (کم از کم مشرق میں) سلطنت قایم کرتا۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ اُسکو اِس امر کا علم نہ تھا؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ نہ جانتا تھا کہ جو سلطنت وہ صلیب کے بغیر قایم کرسکتا تھا وہ دُنیا میں خدا کی بادشاہت کے حق میں کیسی ٹھہرتی؟ اور اسکو کبھی خیال نہ آیا کہ صلیب اِس بادشاہت کی سدِّراہ ٹھہریگی یا آغاز میں ہی اسکو روک دے گی؟ کیا اُسکے کبھی یہ بات پیش نہ کی گئی کہ اِس کی صلیب خدا کے تخت کو جو کہ آگے بڑھنے والی پالیسی سے دُنیا میں قایم ہوگا روک دے گی۔ کیا اسکو اپنی اندرونی پالیسی کی نسبت کسی قسم کی بدگمانی یا شک نہ تھا؟ اِس کی آزمایش اَور کیا تھی؟

کیا تمہارا خیال ہے کہ اُس نے کبھی محسوس نہ کیا کہ وہ اِس طریق پر کیا کچھ کرسکتا تھا اور ان سب باتوں میں صلیب اس کی کیسی سدِّراہ ٹھہرے گی؟ اِس خیال کے سوا اسکی اَور کیا آزمایش ہوسکتی تھی؟ صلیب اور سلطنت کے مابین اس کی حیرانی و پریشانی تھی۔ سلطنت وسیلۂ برکت تھی نہ ذریعۂ بلند نظری۔ اسکو آزمایش بھی آتی تھی تو نیکی کرنے کی۔ اِن دونوں کے مابین اُس نے اپنی پسند کرنی تھی اور یہ کشمکش ایسی سخت تھی کہ جب پطرس جس نے بڑے اقرار سے آپ کو عزیز بنالیا تھا پھر سلطنت کا ذکر کرنے لگا تو یہ گویا دوبارہ اس جنگ کا تازہ کرنا تھا کہ جس سے شیطان تھوڑی دیر کے لئے اُس سے علیحدہ ہوگیا تھا۔ کیا تم حیران ہو کہ خداوند گھبرا کر پطرس کی طرف پھرا اور اُس وقت اس میں اس شیطان کی آواز سُنی جس کو اُسنے شکست دی لیکن بالکل نابود نہ کیا تھا؟ اس نے بیشک پطرس کی سیرت کی طرف اشارہ نہ کیا بلکہ اُس کے اس رویّہ کی طرف جو اس نے مسیح کے کام اور جنگ کی نسبت اختیار کیا تھا۔ اُس نے یہ نہیں کہا کہ پطرس ضرررساں ہے بلکہ یہ کہ وہ اس کی راہ میں رُکاوٹ۔ خطرہ اور سدِّراہ ہے۔ اِسکو جو محبت پطرس سے تھی اسی سے پطرس شیطان اور آزمانے والا ظاہر ہُوا۔ جیسے تمہارا عزیز سے عزیز دوست یا تمہارا نمونہ یا تمہاری کامیابی تمہارے حق میں ہوسکتی ہے۔

پطرس کی ملامت میں یسوع کے لئے ایک ایسا خطرہ تھا جو بیابان کی آزمایش میں نہ تھا سکو یہ آزمایش ایک ایسے شخص کی طرف سے آئی جسکو وہ محبت کرتا تھا اور جو اسکا اپنا یگانہ تھا س سے یہ خیال بڑے زور سے پیدا ہُوا کہ وہ اپنے شاگردوں کو کیسی تکلیف میں ڈال رہا تھا۔ پنی تکلیف کے خیال سے وہ ذرا بھی متاثر نہ ہُوا جتنا اِس مصیبت کے خیال سے کہ جو وہ اپنے

ایمانداروں اور محبت کرنے والوں پر لازمی تھا۔ جو مصیبت وہ اُٹھانے کو تھا وہ بے وجہ تھی۔ لہذا جو مصیبت وہ شاگردوں کو پہنچانا تھا اسکے بھی وہ سزاوار نہ تھے۔ مسیح کی بہت کچھ صلیب اسکی اپنوں سے ہمدردی تھی کہ جن کو وہ اس تکلیف سے چھڑا نہیں سکتا تھا۔ جیسے مصیبت اُٹھانے والے باپ نے اپنے آپ کو اس تکلیف سے نہ بچایا۔ آزمائش کے کارندے ہمارے عزیزوں سے بڑھکر زبردست اور کارگر نہیں ہو سکتے۔ کتنے اشخاص نے اپنے خاندان کی خاطر اپنی کانشنس کو نہیں بیچ ڈالا۔ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے اپنی کلیسیا بدل نہیں لی اور اپنے خاندان کے آرام اور محبت میں اپنی روحانی سرگرمی کھو نہیں بیٹھے۔ اور کیا اس سے بڑھکر کوئی بات مشکل اور ناپسند ہو سکتی ہے کہ اُن اشخاص کی تنبیہ و سرزنش کے مقابل میں جنکو صدقدل سے ہماری بہتری۔ آرام اور نیکنامی کا خیال ہے۔ جن پر ہماری روشس سے نئے نئے بوجھ پڑیں گے۔ جو ہماری خاطر ثابت قدم اور بلند نظر ہیں۔ جن کو اپنی بالکل فکر نہیں۔ بلکہ ہردم ہماری اور ہمارے کام کی فکر ہے ہم اپنی بات پر اڑے رہیں۔ اور راہ راست کو ہاتھ سے نہ دیں۔

خاندان کی خوشی۔ کاروبار میں کامیابی۔ مُلک اور کلیسیا کی ترقّی ہماری روحوں کی ٹھیک خدمت نہیں کرتی۔ اگر ان سے مَردِ غم اور اسکی گناہ کی بنائی ہوئی صلیب پر ہمارا ایمان کمزور ہو جائے۔ تم مسیح کو ایک حلیم۔ شریف۔ منصف و عادل۔ مخیر خلایق۔ رحمت و انسباط کا مجموعہ اور شاہانہ طلسم اور محبت آمیز نیکی کا اوتار سمجھتے ہو۔ تاہم تم نے قدس الاقداس میں داخل ہونا ہے۔ تم ابھی تک اس میں داخل نہیں ہوئے۔ بغیر اس کی صلیب کے تم اسے قبول نہیں کر سکتے اور بغیر اس کی صلیب کے تم اسے ہر بات کا تاج اور کلید بھی ٹھہرا نہیں سکتے۔ ضرور ہے کہ تمہاری روح کا بادشاہ اس کا کاہن بھی ہو۔ جو کچھ وہ ہے تم اس کو سمجھ نہیں سکتے جب تک کہ اپنی مایوسی میں تم اس کو اپنی بے انتہا اُمّید نہ ٹھہراؤ۔ تمکو خیال تک نہیں کہ اس میں کیا کچھ ہے جب تک کہ تم ہر ایک چیز اور ہر ایک شخص سے نااُمّید نہ ہو بیٹھو اور بالخصوص اپنے آپ سے اور اسکو اپنے میں آتے دیکھو جس وقت تم میں سے بہت کچھ نکل جائے اور آتے بھی وہاں جہاں کوئی اور آ نہیں سکتا۔ اور وہ بوجھ جو کوئی اور تم پر سے اُٹھا نہیں سکتا وہ اُٹھائے اور تم کو وہ زندگی دے۔ جو ساری دُنیا تم سے چھینتی معلوم ہوتی تھی۔ تم مسیح کا اندازہ بخوبی کر نہیں سکتے تاوقتیکہ تمکو معلوم نہ ہو جائے کہ تم نے اخلاقی خودکشی کری ہے کہ جس سے تم صرف اس کی کفارہ بخش قربانی کی طفیل بچتے ہو۔ نقصان اور تکلیف کے بغیر صلیب کا احساس پیدا نہیں ہوتا۔ گم گشتہ انسان ہی سچے مسیح کو پاتا

رہتے ۔ صلیب کی قدرت اور طاقت ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ ساری دنیا اُسکے خلاف نہ ہو ۔ پیشتر ازیں کہ یہ ستارہ درخشاں ہو رات سخت تاریک ہوگی یہ اپنا جوہر نہیں دکھاتی جب تک کہ ایک دنیا کے خلاف اسلحہ نہ اُٹھائے ۔ جب تک کہ یہ تمکو ساری دنیا کے حملوں سے جو تمہاری روح میں اور تمہاری لذّت پر ہوں چھڑا نہ لے یہ فی الواقعی تمہاری نجات ٹھہر نہیں سکتی ۔ صلیب کی قدر وہی جانتے ہیں جو اس کی طفیل ایسی دنیا کے حملوں سے محفوظ رہے ہیں جو شیاطین سے بھری ہے اور اس کی طفیل نچلے دوزخ سے باہر نکالے گئے ہیں ۔ بڑے بڑے گنہگاروں سے خدا اپنے مقدس بناتا ہے ۔ صلیب کی ٹھوکر ابھی تک جاتی نہیں رہی ۔ انسانی فطرت سے بڑھ کر کوئی اور صلیب سے دلی نفرت اور دشمنی نہیں کرتا ۔ طبعی خوش باش شخص کے لئے یہ ابھی تک ٹھوکر کا باعث ہے اور ہمیشہ رہی ہے ۔ ہاں اس شخص کے لئے جو محض اس لئے نیک ہے کہ وہ نیک پیدا ہوا اور نیک رہنا پسند کرتا ہے ۔ عزت اور دولت ۔ شایستگی اور معمولی بھلمنسائی کے عام خیالات اور اُمیدوں کو صلیب ابھی تک صدمہ پہنچاتی ہے ۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ صلیب کی خاطر تمکو یہ سب باتیں چھوڑ دینی چاہئیں ۔ لیکن صلیب کی ایک اعلیٰ شرع اور دوسرا اعلیٰ معیار ہے ۔ اور جب بُلاہٹ آئے تو اس سے شرع کی نہیں فرماں برداری کرنی چاہئے اور یہی آخری اور حقیقی معیار ہے کہ جس سے تمکو اپنی زندگی کا اندازہ کرنا لازم ہے ۔ صلیب زندگی کا حقیقی معیار ہے ۔ یا تو تم اس سے ٹھوکر کھا کر روحانی موت کی خندق میں جا گرتے ہو یا اس سے نئی زندگی میں اُٹھتے ہو ۔ اور اگر تم خود اسکو اپنی اصلی صورت میں اُٹھانے کے لئے بُلائے نہیں جاتے تو تمہیں ان کے ساتھ پوری ہمدردی کرنی چاہئے ۔ جو اسکو اُٹھاتے ہیں ۔ اور خدا اور ندیر پورا ایمان رکھو کہ جس نے ایسا کیا ۔ صلیب کی ٹھوکر کا اُٹھانے والا جب کوئی نہ ہوگا تو دنیا کی ظاہری دینداری سے چھڑانے والا بھی کوئی نہ ہوگا اور ہمارے بادشاہ کے نمونہ کو متبرک اور بلند کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا ۔ جب تم صلیب کی شرم سے محبت رکھنا اور زندگی کے آرام اور راحت سے ڈرنا سیکھ چکو تو تم میں اخلاقی انقلاب پیدا ہوگا ۔

اب زندگی کے آرام ۔ دلچسپی ۔ اسکی محبت اور خوشی سے بیشک حظ اُٹھاؤ لیکن ان شرائط کے نئے احساس کے ساتھ کہ جن پر یہ تمکو ملی ہیں اور کہ باپ ۔ بیٹا اور روح القدس کو اُنکے لئے کیا قیمت دینی پڑی ۔ ہماری سادہ سے سادہ خوشیوں کیلئے خود ابدیت تحریک میں آتی اور مسیح کی صلیب کی سخت اور شکست کرنے والی رحمت سے زندگی کی سب شفقتیں اپنی جگہ پر قایم رہتی ہیں ۔

سفرنامہ ابن السبیل کا دیباچہ

مرقومہ ڈاکٹر ٹی ایل پینل صاحب بنوں

عرصہ دراز منقضی ہوتا ہے کہ ایک فارغ البال صاحب ایک نہایت ہی آباد شہر میں بود و باش رکھتے تھے۔ ایک دن جبکہ وہ فارغ تھے انہوں نے ایک کتاب کو اپنا دل بہلانے کی غرض سے پڑھنا شروع کیا۔ اس کتاب میں چند ایک غریب لوگوں کی نہایت ہی دلچسپ داستان درج تھی۔ جب صاحب موصوف نے اس کتاب کو پڑھا۔ تو اُن کے دل پر اسکا بہت ہی اثر ہُوا۔ اور وہ اس بات پر آمادہ پائے گئے۔ کہ میں بذاتِ خود اِن لوگوں سے واقفیت پیدا کروں۔ اُنکا یہ شوق حد سے بڑھ گیا۔ اور وہ اس کتاب کے مصنف کے پاس جو کہ ایک دور دراز شہر میں سکونت پذیر تھا پہنچے۔ اور دریافت کیا کہ آپکی فلاں کتاب میں جن غریب لوگوں کا بیان ہے وہ کہاں کے باشندے ہیں۔ مصنف نے جواب دیا کہ یہ اُس قوم کا ذکر ہے کہ جو نہ صرف آپکے شہر میں بلکہ آپکے مکان کے نزدیک ہی سکونت رکھتی ہے۔ اُس وقت صاحب موصوف کی حیرانی کی کوئی حد نہ تھی کہ میں اتنی مدت سے وہاں ہوں اور ابتک مجھے انکا مطلق علم نہ ہُوا۔ اُسی وقت اپنے گھر واپس آنکر وہ اُن غریب لوگوں سے ملاقی ہُوئے اور اپنی زندگی کے ایک بڑے حصہ کو اُن کی بہتری۔ اور بہبودی میں خرچ کیا۔ اور اِسی سلسلہ میں خود بھی بہت سا فائدہ اُٹھایا۔

فی زمانہ ہندوستان میں دیکھا جاتا ہے کہ یورپین اصحاب باوجودیکہ وہ یہاں رہتے ہیں مگر اسکے حقیقی حالات سے بالکل ناواقف ہیں اور جب کسی کتاب میں یہاں کا ذکر پڑھتے ہیں۔ تو اُسی صاحب کی طرح متعجب ہو کر کہا کرتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہ تھا کہ ایسے واقعات ہندوستان کے اندر ہی وقوع میں آتے ہیں اور کہ ... ہندوستان ہی میں ایسے لوگ بھی سکونت رکھتے ہیں۔

الہ آباد میں وہ ایک عجیب نظارہ ہے کہ جہاں گنگا اور جمنا ملتے ہیں۔ ان ہر دو دریاؤں کے پانی کا رنگ مختلف ہے۔ اور اگرچہ وہ ایک فاصلہ تک ایک ساتھ بہتے ہیں مگر کیسی تعجب کی بات ہے کہ پھر بھی پانی کی رنگت میں اختلاف رہتا ہے۔ یعنی ان دونوں دریاؤں کا پانی باوجودیکہ ایک دریا بن جاتا ہے۔ مگر زبانِ حال سے بتا دیتا ہے کہ میں گنگا کا ہوں اور میں جمنا کا۔

کیا یہی مثال صادق نہیں آتی جبکہ یورپین اصحاب اور اُن کے دیسی بھائی باوجودیکہ ایک ساتھ رہتے اور ایک ہی احاطہ میں بود و باش رکھتے ہیں۔ مگر ایک دوسرے کے حالات سے بالکل

بے خبر رہ کر اپنا اختلاف ظاہر کرتے ہیں۔ انگریز صاحبان اپنے بنگلوں میں ہی گھسے رہ کر بالکل ناواقف رہتے ہیں کہ کہاں تک دیسی ہماری مدد کے محتاج ہیں۔ اور کہ اُن میں کس قدر بزرگ۔ بہادر اور غریب الطبع لوگ موجود ہیں۔ دیسی بھی اس الزام سے بری نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ بھی اکثر غلط فہمی کے خیالات دَوڑا کر اُن کے کاموں پر نہ صرف تعجب کی نظریں ڈالتے بلکہ بعض اوقات مخالفت پر بھی تل جاتے ہیں۔ اور یوں اصل مدعا سے بہت دُور جا پڑتے ہیں۔

اگر کوئی مشنری یا کوئی اَور یورپین ہندوستان میں اس غرض سے وارد ہو کہ اُسکے ذریعے غیر اقوام تک مسیح کی خوشخبری پہنچے اور اہل ہند سے میل موافقت پیدا نہ کرے تو ہمارے خیال میں اُس کے مفید ثابت ہونے کا دائرہ نہایت ہی محدود رہیگا۔

. . . .

میرے دل میں کیونکر اس قسم کے خیالات پیدا ہوئے؟ اُس کی خاص دو وجہیں ہیں :۔

اوّل تو یہ کہ جب ہم موجودہ مشنوں کے طریق کو رسُولی زمانہ کے طریقوں سے مقابلہ کرتے اور خصوصاً اُس تعلق پر جو مسیح اور اُسکے شاگردوں کے درمیان تھا نظر ڈالتے ہیں تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آجکل کے رواج اُن رسُولی زمانہ کے طریقوں سے بہت ہی متفرق ہیں۔

دوئم۔ جب ہم اپنی محنت کے پھل کو دیکھتے ہیں تو مشن کے سو برس کے کام کا نتیجہ خاطرخواہ نظر نہیں آتا۔ اور مَیں نہایت حیران ہوتا ہوں کہ جس قدر ہم نے مغربی دستوروں اور رواجوں کی اشاعت ہندوستان میں کی۔ کیوں اُس قدر مسیحی محبت اور خصلت کو نہ پھیلایا؟ اور جس قدر ہمنے اپنے خیالات کو یہاں ترقی دی۔ کیوں اُسی قدر مسیح کی تعلیم کو لوگوں تک نہ پہنچایا؟

اور اِن وجوہات کے باعث دل میں خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہی ہماری محنتوں کا ثمرہ ہے؟

مسیح کی تعلیم کا یہ ایک بڑا خاصہ ہے کہ اُس میں کسی نئے دستور کا ذکر واذکار نہیں۔ اگر ہمیں کسی دستور کی نسبت شک ہو اور ہم چاہیں کہ اسکے متعلق مسیح کا حکم انجیل میں دریافت کریں تو ہماری یہ مُراد ہرگز برنہ آئیگی۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ وہ "اعمال کے اصُول" پر اتفاق رکھتا ہے۔ اور ہمیں بتاتا ہے کہ کن کن اصولوں پر ہمیں قائم رہنا واجب ہے۔ یعنی جس طرح توریت میں عبادت و طریق زندگی کے لئے مفصل ہدایت درج ہے اُس طرح پر مسیح ایک لفظ بھی حکم کے طور پر ہمیں نہیں دیتا۔ اگرچہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ جبکہ مسیحی زمانہ میں مسیحی لوگ شریعت کے پابند نہیں تھے۔ تو مناسب تھا کہ مسیح علی زندگی کیلئے ہدایات پیش کرے۔ لیکن نہیں وہ ہمیں صرف یہ بتاتا ہے کہ تم اپنے دلوں کو پاک رکھو۔ اور پھر تمہارے اعمال خود بخود درست ہو جائیں گے۔

دیہی سب سے ضروری تعلیم ہے۔

البتہ ایک جگہ ذکر ہے کہ مسیح اپنے شاگردوں کو ایک نیا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ یوحنا ۱۳: ۳۴ ں لکھا ہے کہ "میں تمہیں ایک نیا حکم دیتا ہوں۔ کہ ایک دوسرے سے محبت رکھو"۔ اسی ایک حکم توراۃ اور صحف الانبیاء کی ساری تعلیم کا انحصار ہے۔ اگر ہم اسی حکم کو اپنی زندگی کا اصول قرار یں تو ہم ہرگز خطا نہ کھائینگے۔

علیٰ ہذا القیاس نماز۔ روزہ و دیگر اصول دینی کے بارے میں بھی وہ کوئی خاص ہدایت پیش ہیں کرتا ہے تاہم وہ ہمارے لئے ایک مابہ الامتیاز ٹھہراتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ اگر ہم دل سے سے قبول [illegible] تو باقی سارے کام خداوند کی مرضی کے مطابق صحت اور درستی کے ساتھ ہو رہینگے۔

مشنری صاحبان کے ہندوستان میں آنے کا مطلب ہے کہ غیر اقوام تک مسیح کی خوشخبری پہنچائی جائے۔ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ وہ تن دہی کے ساتھ یہ تعلیم دے دیتے ہیں کہ اس ترتیب سے نماز ادا کرو۔ اسی نمونہ پر گرجا بناؤ۔ اور اس قسم کا لباس زیب تن رکھو۔ فلاں فلاں بوں کو مانو وغیرہ۔ بیچارے نو مرید ان مختلف تعلیموں کے تلاطم میں آن کر بالکل بھول جاتے ہیں۔ کہ مسیح کا خاص حکم کیا ہے۔

اب سوال عاید ہوتا ہے کہ کیا اس کی کوئی خاص ضرورت تھی۔ کہ لوگوں کے رواجوں ور اُن کے خانگی انتظامات میں تبدیلی واقع کی جائے؟ اور یا کسی دیسی کو اُس وقت تک بیٹا نہیں کہا جاسکتا تھا کہ جب تک وہ "مغربی تہذیب" کا دلدادہ نہ ہو؟ بہتر تھا کہ پادری صاحبان حتی الوسع اُن کے آبائی طریقوں اور طرزِ زندگی میں جہاں تک کہ وہ مسیحی تعلیم کے خلاف نہیں تھے مخل نہ ہوتے۔

آجکل کے موجودہ حالات تو یہی ہیں۔ کہ ہر ایک فرقے نے اپنی اپنی عبادت کے طریق جُداگانہ قایم کئے ہیں اور بجائے اس کے کہ ہندوستان میں ایک "مسیحی کلیسیا" قایم ہوتی مغربی فرقوں کی صدہا نقلیں یہاں بھی قایم کر دکھائی ہیں۔ اور ساتھ ہی مغربی لباس۔ مغربی بنگلے۔ مغربی خوراک۔ مغربی طرزِ زندگی وغیرہ بھی نشوونما پاتے جاتے ہیں۔ پر اگر مسیحی محبت۔ بُردباری اور صبر وغیرہ صفات کو ڈھونڈیں تو انکا درجہ کمتر پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ غیر اقوام مسیحیوں پر تہمت لگاتے ہیں کہ وہ حُب الوطنی کی صفت سے محروم ہیں۔ ہندوستان کے باشندے یہاں کی پُرانی تہذیب اور علوم وفنون پر فخر کرتے ہیں اور اپنے دیسی لباس اور سادہ زندگی بسر کرنے کو دیگر آرایشوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ برخلاف اس کے مسیحی نہ صرف مغربی اشیاء کے دلدادہ ہی ہیں۔ بلکہ دیسی اشیاء کی تحقیر بھی کرتے

ہیں۔ اِس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ وہ آدمی جو اہلِ ہنود یا اہل اسلام میں سے نکلکر دینِ مسیحی میں شریک ہوتا ہے۔ وہ اپنے وطن سے بے وفائی کرتا ہے۔ لیکن مسیح کی تعلیم میں اسکے متعلق کوئی حکم نہیں۔ تعجب ہے کہ ایسے طریق مسیحی کلیسیا میں کیونکر شامل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اِن طریقوں نے خرابی مچا رکھی ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔

پھر ہندوستانیوں کی ایک خاص خاصیّت یہ ہے کہ وہ اپنے وقت کو زیادہ تر "یادِ الٰہی" میں صرف کرتے ہیں۔ اور بہت جلد تارک الدّنیا ہونے کو مستعد ہوتے ہیں برخلاف اسکے مغربی لوگ عملی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہندوستان کے بزرگ گوشہ نشینی اختیار کرکے یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ مگر آجکل کے ہادیانِ دین مشن سکول۔ شفاخانے۔ ودیگر کارخانجات پھیلائے جاتے ہیں کہ جس کے باعث سر کھجانے تک کی بھی فرصت نصیب نہیں ہوتی۔ اگرچہ موجودہ وسایل مفید ثابت ہوتے ہیں۔ مگر ضرور ہے کہ اِن کی حد مقرر ہو۔ تاکہ یادِ الٰہی کے لئے کافی وقت میسّر آسکے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ آجکل مشنوں میں دُنیوی کاموں کا اِس قدر زور ہے کہ مشنری صاحب دینی گفتگو اور متلاشیوں کے ساتھ میل جول پیدا کرنے کے لئے کبھی بھی فارغ نہیں ہوتے۔ وہی سکول کا ٹایم ٹیبل بیماروں کی خدمات کا تقاضا اور کارخانے کے ضروری اشغال سر پر بلائے مبرم کی طرح سوار رہتے ہیں۔ کہ نہ آج ٹالے ٹلتے ہیں اور نہ کل۔

اِسی قسم کے اَور بھی خیالات میرے دل میں اُٹھتے رہے ہیں کہ جنکے باعث میں متذبذب رہتا تھا اور یُوں میرے دل میں نہ صرف خیال پیدا ہُوا بلکہ میں نے پختہ ارادہ کیا۔ کہ ہندوستان کے صدہا بزرگوں سے ملکر اور مختلف مشنوں کے کاموں کو دیکھکر اپنے دل کو ڈھارس بندھاؤں۔ چونکہ میری دلی آرزو یہ تھی۔ کہ میں زیادہ تر اُن لوگوں سے ملوں۔ کہ جنہوں نے اپنی زندگی کا مقصدِ اصلی یہ ٹھہرایا ہے کہ یادِ الٰہی میں مشغول رہیں۔ اور اُسی کے لئے اپنی زندگی کو صرف کریں۔ اِس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ "سادھوؤں" کے لباس میں اِس سفر کو اختیار کروں۔ اور دیکھوں کہ باشندگانِ ہند اُن کو (سادھوؤں) کس نظر سے دیکھتے اور اُن کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ میں نے نقدی وغیرہ بھی اپنے ساتھ نہیں لی۔

اگر لوگوں کے کان کھُلے نہ ہوں تو مُنہ بھی نہ کھُلیں گے۔

دُعا کے خلاف اعتراضات

ڈاکٹر وایٹ صاحب دُعا کی نسبت ایک مضمون میں یُوں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے دُعا کے خلاف چار اعتراض ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ میں نے دُعا مانگی لیکن مجھے کچھ فائدہ نظر نہیں آیا۔ اِس لئے دُعا مانگنا بے فائدہ ہے۔ یہ نہایت نامعقول دلیل ہے۔ اگر تم نے تار برقی کے بٹن کو دبایا اور اسکا کچھ اثر تار برقی کے دوسرے سرے پر پیدا نہیں ہُوا تو اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ بجلی ایک بے تاثیر شئے ہے۔ اگر تمہیں کامیابی نہیں ہُوئی تو اسکے یہ معنی ہیں کہ تم نے مقررہ شرایط کو پُورا نہیں کیا۔ پھر غور کرو کہ تمہارے کتنے بہت سے دوست اپنے تجربہ سے یقین رکھتے ہیں کہ خُدا دُعا کا جواب دیتا ہے۔

دُوسرا اعتراض دُعا کے خلاف یہ ہے۔ کہ اگر خدا مہربان ہے اور ہمکو اپنی عنایات سے مستفیض کرنا چاہتا ہے تو وہ ہم سے دُعا کیوں طلب کرتا ہے۔ اسکا مختصر جواب یہ ہے۔ کہ چونکہ خدا مہربان ہے اور اپنی برکتوں سے معمور کرنا چاہتا ہے۔ اِسی وجہ سے وہ ہم سے دُعا طلب کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے خداوند کو بھی اس اعتراض کا خیال تک نہ آیا۔ کیونکہ جب اُسنے اپنے شاگردوں کو دُعا مانگنے کی تعلیم دی تو اُسنے خدا کے علم کو دُعا کا محرک قرار دیا۔ چنانچہ متی کی انجیل کے چھٹے باب کی ۷ و ۸ آیات میں مندرج ہے کہ "تمہارا باپ تمہارے مانگنے کے پہلے جانتا ہے کہ تمہیں کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔" ذرا اس پر بھی غور کرو کہ بنی آدم کے درمیان کسی چیز کے حاصل کرنے اور محبّت کے اظہار کے درمیان کیا تعلق ہے۔ کسی شئے کو مانگنا نہ فقط قدرتی اور فائدہ مند بلکہ از بس ضروری ہے۔ ایک معنی میں دُعا اپنے دل کے دروازے کھول دینے کا نام ہے۔ جس سے ہم کچھ حاصل کرنے کے لئے تیّار ہو جاتے ہیں۔ اگر خدا ہم سے دُعا طلب نہ کرے تو ہم اُس کو کبھی کریم نہ سمجھیں گے۔ ہم اسکے ساتھ کچھ واسطہ نہ رکھیں گے اور نہ اسکو اپنی زندگی میں قبول کر سکیں گے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ دُعا کا یہ مدّعا نہیں کہ ہم خُدا کو کوئی نئی بات بتاتے ہیں بلکہ غرض یہ کہ انسان اپنی خستہ حالی پر غور کرے اور پستی اختیار کرے تاکہ اس کی اندرونی خواہشوں کی آگ مشتعل ہو جاتی ہے۔ اسکے ایمان کو تقویت ہو اُسکی اُمید زندہ ہو جائے اُسکی سطح زمین پر سے آسمان کی طرف پرواز کرنے لگے۔ اور انسان یاد رکھے کہ میرا باپ زندہ ہے اور میرا مُلک اور میری میراث ثابت ہے۔"

ایک تیسرا اعتراض جو دُعا پر کیا جاتا ہے سو یہ ہے کہ خُدا ایسا عظیم الشان ہے کہ وہ چھوٹی

چھوٹی باتوں کی پروا نہیں کرتا۔ اسلئے یہ کہنا نامعقول ہے کہ وہ ناچیز انسان کی آواز پر توجہ کرتا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ خدا ایسا عظیم الشان ہے کہ وہ چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کی پروا بھی کرتا ہے۔ باہوش انسان وہ ہے جو ادنیٰ امور کا خیال رکھتا ہے۔ خدا میں یہ صفت موجود ہے۔ جس خدا کا ذکر بائبل میں ہے اُسمیں اور خدا میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ گو ہم اُسی سے جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں اور وہ ہم میں کسی سے دُور نہیں ہے۔ تو بھی وہ کوئی محض غیر مشخص طاقت نہیں ہے بلکہ اسکی حکمت لامحدود ہے۔ اور ہم اُسی کی صُورت پر خلق ہُوئے ہیں۔ اِس موقعہ پر خداوند کے وہ الفاظ یاد آتے ہیں کہ کیا ایک پیسے کو دو چڑیا نہیں بکتیں اور اُن میں سے ایک بھی تمہارے باپ کی مرضی بغیر زمین پر نہیں گر سکتی۔ یعنی جب ایک پیسہ پر دو دو چڑیاں ملتی ہیں اور دو پیسے پر ایک پانچویں بھی مِل سکتی ہے تو اس حقیر پانچویں چڑیا کی خبر بھی خدا رکھتا ہے۔ جُوں جُوں انسان کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اُس پر بے حقیقت چیزوں کی حقیقت کھُلتی جاتی ہے کیا خدا ایسا عظیم ہے کہ وہ ادنیٰ چیزوں کا خیال نہیں رکھ سکتا! آخر کوئی تو ہے۔ جو اِن باریکیوں کا خیال رکھ رہا ہے۔ وہ خدا ہے۔ یہ اُسی نے مقرر کیا ہے کہ انسان وسایل کو استعمال کر کے بڑی بڑی باتیں انجام دے سکتا ہے۔ مثلاً دعا کے ذریعہ سے انسان خدا کی قربت میں ترقی کرتا ہے اور اِس طور پر اسکی مرضی سے آگاہ ہو کر اسکی شفقت اور عظمت کی پہچان میں ترقی کر سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض دُعا کے خلاف یہ ہے کہ خلقت مقررّہ قوانین کے تابع ہے۔ اِس لئے دُعا کا مسئلہ خلافِ قیاس ہے۔ بعض لوگوں کے قریب یہ ایک نہایت سخت اعتراض ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک غلطی پر مبنی ہے۔ کتاب مقدّس میں اِن قوانین کی استقامت کے خلاف کچھ نہیں کہا گیا۔ بلکہ یہ ثابت ہے کہ منجملہ دیگر قوانین کے دُعا بھی ایک مقررّہ قانون ہے۔ دُنیا میں یہ ایک عام مشاہدہ کی بات ہے کہ اعلیٰ قانون ادنیٰ قانون پر فوقیّت رکھتا ہے جس سے یہ مُراد نہیں کہ اعلیٰ قانون ادنیٰ کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ کہ وہ اس پر حاوی اور غالب ہے۔ بعینہٖ اِسی طرح دُعا مانگنا کسی قانون کو توڑنا نہیں بلکہ اسکو پُورا کرنا ہے۔

واعظ کو چاہیئے کہ اپنی وعظ کے ہر حصّہ کی نسبت اپنے دل میں یہ سُوال کیا کرے کہ کیا وہ مالی وہ مزدور وہ نوکر اُس سے فائدہ اُٹھا سکے گا یا نہیں۔ ہمیشہ اَورطبقے کی ترقی مدِّنظر رکھو اور یاد رکھو کہ تم خدا کی جگہ اُسکے بندوں سے کلام کر رہے ہو۔

ہندوستانی مسیحیوں کی فوج

مرقومہ جناب ڈاکٹر برخوردار خان صاحب اسول سرجن جہلم

ہمارا وہ دشمن شیطان جس نے آدم و حوا سے خدا کی بے فرمانی کرائی اور قائن کے ہاتھ سے اُس کے بھائی ہابل کا خون کرایا زندہ ہے۔ اور ہمکو خدا سے جدا کرنے اور حیات ابدی کی خوشیوں سے محروم رکھنے میں اب بھی وہ ویسا ہی سرگرم ہے جیساکہ آغاز میں تھا۔ چنانچہ اُسنے آجکل بعض ہندوستانی مسیحیوں کے دل میں ڈالا ہے کہ گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ دیسی مسیحیوں کی پلٹنیں بنائی جائیں۔ اور گورنمنٹ نے ان کی عرض کو منظور بھی فرمالیا ہے۔

مَیں نہیں جانتا کہ اس بیجا کام کو جایز ٹھہرانے کے واسطے منظوری حاصل کرتے وقت گورنمنٹ کے آگے۔ اور سفارش کرانے کے وقت یوروپین پادریوں اور ولایت میں رہنے والے مشنوں کے دوست نیک نہاد مسیحیوں کے آگے اِن مسیحیوں نے کون کون سی دلیلیں گھڑ کر پیش کی تھیں۔ مگر گمان گذرتا ہے کہ (۱) یا تو اُنھوں نے کہ دیا ہوگا کہ انصاف چاہتا ہے کہ آبادی کے لحاظ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرح مسیحیوں کو بھی فوجی نوکری ملے۔ (۲) یا غیر قوموں کی طرف سے سرکار کو بدظن کر کے کہا ہوگا کہ ہم ہی سرکار کی وفادار رعیت ہیں۔ ہماری ہی مدد سے انگریزوں کا راج ہندوستان میں قایم رہ سکیگا۔ (۳) یا یوروپین پادری صاحبان اور مشنوں کے دوستوں کو کہا ہوگا کہ دیسی غریب مسیحیوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ غریب پروری کر کے ان کو فوج میں نوکر کرا دیں تاکہ مشنوں پر سے اُن کی پرورش کا بوجھ ہٹ جائے۔ (۴) یا یہ کہ دیا ہوگا کہ ہمارے فوج میں بھرتی ہونے سے مسیحی دین غیر قوموں کی نظر میں حقیر نہیں رہیگا۔ بلکہ غیر قومیں مسیحی بننے میں اپنی عزت سمجھیں گی۔ (۵) یا یوروپین مشنری لیڈیوں کی منت کی ہوگی کہ مہربانی سے ہندوستانی مسیحیوں کی پلٹنیں بنوا دیں ایسا نہ ہو کہ غدر کے وقت غیر قوموں کے ہاتھ سے ہماری عورتوں کی بے عزتی ہو۔

غرض خواہ یہ دلیلیں پیش کیں خواہ کوئی اور مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ جو کچھ اُنھوں نے کیا ہے مسیح کے فرمان اور خدا باپ کی مرضی کے برخلاف کیا ہے۔

عیسائیوں کے ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک تو دینی عداوت پہلے سے موجود ہے۔ اب اگر ہم تلوار ہاتھ میں پکڑیں تو کیا وہ ہمارے دین کو حقیر نہ جانیں گے۔ اور ہمکو دُنیاوی بادشاہت کا

لالچی اور سانپ اور شیر کی طرح اپنی جانوں کا دشمن نہ خیال کرینگے۔ اور کیا بعوض روکنے کے ہم آپ ہی غدر کے پیدا ہونے کا باعث نہ بنینگے؟ ؎

ترا با عافیت گر نیست جنگے   چہ لازم شیشہ بر وں پیش سنگے

جبکہ یونیورسٹی کا امتحان پاس کر کے سول سروس میں بڑی بڑی تنخواہ اور عزت والے عہدے حاصل کرنا ہندوستانی مسیحیوں کے واسطے ممکن ہے اور کاشتکار بنکے گاؤں آباد کرنا اور تجارت اور ہنر اور دستکاری سے اپنا رزق پیدا کرنا اور مشنری بن کے محبت سے مسیح کی بادشاہت کو پھیلانا اور یوں ملک میں امن کو قایم رکھنا اُن کے واسطے ممکن ہے۔ مگر وہ اس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ توپ اور تلوار اُن کے ہاتھ میں آجائے حالانکہ گورنمنٹ نے اُن سے مدد کی درخواست نہیں کی۔ تو اسکا مطلب سوائے اسکے اور کیا سمجھا جائے کہ شیطان اُن کے دل میں ڈال رہا ہے کہ تم ابھی سے وہ چال چلو جس سے کہ آخر کو موقعہ پاکر تم ہی اس ہندوستان کے بادشاہ بن جاؤ

ملک طینتی ود چرا میشوی۔   تواں نیک شو بد چرا میشوی۔

مَیں پولیٹیکل آدمی نہیں ہوں اور گورنمنٹ کے کام میری سمجھ سے اعلیٰ ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ گورنمنٹ نے کیونکر یقین کر لیا کہ جو ہندوستانی مسیحی آج امن کے وقت میں اپنے منجی کے ساتھ وفادار بن کے اور اپنی خودی اور دُنیاوی محبت کو نیست کر کے اپنے عزیز رشتہ داروں اور ہم وطنوں میں مسیح کی بادشاہت کو محبت کے ساتھ قایم نہیں کر سکتے۔ وہ کل غدر کے وقت ضرور انگریزوں کے ساتھ وفادار بنیں گے۔ اور اپنے ماں باپ ساس سُسر کے ہندو مسلمان رشتہ داروں کی گردنیں تلوار کے ساتھ کاٹ کاٹ کر انگریزوں کے راج کو ہندوستان میں قایم کر دینگے۔ اور مَیں یہ بھی نہیں جانتا کہ کس نے ضامن ہو کر گورنمنٹ کو یقین دلا دیا کہ آج کے وفادار عیسائیوں کی اولاد تیسری چوتھی پُشت میں اس تلوار اور توپ کے زور کے ساتھ بو تر زبن کے انگریزوں سے ہندوستان کا راج نہ چھیننا چاہیں گے۔ اور کہ جو مسیحی طاقتیں آج ہندوؤں اور مسلمانوں کی مدد نہیں کرنا چاہتیں وہ ہندوستانی مسیحیوں کی بھی اُس وقت نہ کریں گی۔ ؎

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش   رموز مملکت خویش خسرواں دانند۔

ہندوستان میں غدر ہوگا یا نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو کیونکر پیدا ہوگا۔ اور کہ اس کے روکنے اور فرو کرنے کا کیا کیا انتظام کرنا چاہیئے۔ یہ ایک دوسرا اور لنبا مضمون ہے۔ مگر ہمیں اس بات کا ضرور ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے کہ نہ ہندوستانی مسیحیوں کا لالچ اور غرور یا کسی قسم کی عداوت اور بدچلنی یا دینی جوش غدر کے پیدا ہونے کا باعث ہو اور نہ ہی اُنکی

تلوار غدر کو فرو کرے۔ غدر کو روکنا روح القدس کا کام ہے۔

ہمارے ہندوستان کے لوگ بہت ہی خوش اعتقاد ہیں۔ جس گورو نے محبت سے ان کو جس رستے چلایا چل پڑے۔ ایسے بھولے کہ پتھر کو بھی خدا ماننے لگ گئے اور برہمنوں کے کہنے کے موافق اپنے تئیں نیچ سمجھ کر پشت در پشت کے لئے ان کے خادم بن گئے۔ عیسیٰ کا دین بھی اُن میں عیسیٰ ہی کی حضوری اور روح القدس کی بھرپوری سے پھیلے گا۔ ہم مسیح کے ایلچی ہیں اور ہمارا کام ہے گنہگاروں کی منت کرنا کہ خدا سے میل کریں۔ (۲ کرنتھیوں ۵: ۲۰)۔ اس محبت کے پیغام کے پہنچانے میں اگر ہمکو صلیب پر بھی چڑھنا پڑے تو خوشی سے شہید ہو جائیں۔ اور مرتے مرتے بھی عیسیٰ کی طرح اپنے دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کریں۔ کہ اے باپ اُن کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں۔ (لوقا ۲۳: ۳۴)۔ عیسیٰ نے ہمکو کہیں حکم نہیں دیا کہ غازی بنکر خدا اور بادشاہ کے دشمنوں کی گردنیں کاٹو۔

بنی اسرائیل کو کنعان میں زمینی بادشاہت ملی تھی مگر خدا نے اب مسیحیوں کو آسمانی بادشاہت دی ہے۔ اِن کو دنیاوی بادشاہت کا لالچ کرنا جائز نہیں۔ "یسوع نے اپنے شاگردوں کو بُلا کے کہا کہ تم جانتے ہو کہ غیر قوموں کے حاکم اُن پر حکومت جتاتے اور اختیار والے اُن پر اختیار دکھاتے ہیں پر تم لوگوں میں ایسا نہ ہوگا بلکہ جو تم میں بڑا ہُوا چاہے تمہارا خادم ہو اور جو تم میں سردار بننا چاہے تمہارا بندہ ہو۔ چنانچہ ابنِ آدم بھی اِس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے۔ اور اپنی جان بہتیروں کے لئے فدیہ میں دے۔" (متی ۲۰: ۲۵ تا ۲۸)

اگر دُنیا کے بادشاہ فوج رکھتے ہیں اور اس فوج میں بعض فرشتہ خصال مسیحی بھی ملازم ہیں تو یہ ہمارے سپاہی بننے کو جائز نہیں ٹھہرا سکتا۔ ہماری ہدایت کا نُور خدا کا کلام اور مسیح کی زندگی ہے۔ انجیل فرماتی ہے اس جہان کے ہمشکل مت بنو (رومیوں ۱۲: ۲)

بنی اسرائیل نے سموئیل کو کہا تھا کہ تو ہم پر کسی کو بادشاہ مقرر کر جیسا کہ اور قوموں میں ہے اس پر سموئیل اور خدا دونوں ناراض ہو گئے تھے (۱ سموئیل ۸ باب)

داؤد خداوند کے لئے غیر تمند ہو کر فلسطیوں سے لڑائی کیا کرتا تھا۔ اور خدا کی برگزیدہ قوم بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے چھڑواتا تھا مگر آخر کو خدا نے اس کو کہا۔ تو جنگی مرد ہے۔ تو نے بہت سی خونریزی کی اور بڑی لڑائیاں لڑیں۔ تجھے میرے نام کے لئے گھر نہ بنانا ہوگا۔ کیونکہ تو نے زمین پر میرے آگے بہت لہو بہایا ہے۔ دیکھ تجھ سے ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ وہ صاحبِ صلح ہوگا۔ اور میں اُسے اُس کے چاروں طرف کے دشمنوں سے صلح دونگا۔

کہ سلیمان اُس کا نام ہوگا۔ اور امن و آرام مَیں اس کے دنوں میں اسرائیل کو بخشوں گا وُہی میرے نام کے لئے ایک گھر بنائیگا۔ وہ میرا بیٹا ہوگا۔ اور مَیں اس کا باپ ہونگا اور مَیں اسرائیل پر اُس کی سلطنت کا تخت ابد تک ثابت رکھونگا۔ (۱ تواریخ ۲۲: ۸ تا ۱۰)

مسیح نے فرمایا" میری بادشاہت اس جہان کی نہیں۔ اگر میری بادشاہت اس جہان کی ہوتی تو میرے شاگرد لڑائی کرتے۔" (یوحنا ۱۸: ۳۶) اور مسیح نے پطرس کو فرمایا" جو تلوار کھینچتے ہیں تلوار ہی سے مارے جائینگے"۔ (متی ۲۶: ۵۲) خدا نے اپنے بیٹے کو جہان میں اس لئے نہیں بھیجا کہ جہان پر سزا کا حکم کرے بلکہ اس لئے کہ جہان اس کے سبب نجات پائے (یوحنا ۳: ۱۷) خُدا کا حکم ہے تو خون نہ کرنا۔ (خروج ۲۰ باب) کوئی خونی حیاتِ ابدی نہیں رکھتا کہ اُس میں قایم رہے۔ (۱ یوحنا ۳ باب)

اپنے دشمنوں کو پیار کرو جو تم پر لعنت کریں اُن کے لئے برکت چاہو جو تم سے کینہ رکھیں انکا بھلا کرو۔ جو تمکو دُکھ دیں اور ستائیں اُن کے لئے دُعا مانگو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو (متی ۵: ۴۴) ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ (متی ۵: ۳۹) اے عزیزو! اپنا انتقام مت لو بلکہ غصہ کی راہ چھوڑ دو کیونکہ لکھا ہے کہ خداوند کہتا ہے انتقام لینا میرا کام ہے مَیں ہی بدلا لونگا۔ پس اگر تیرا دشمن بھوکا ہو اسکو کھلا اگر پیاسا ہو اُسے پانی دے کیونکہ یہ کرکے اسکے سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر لگائیگا۔ بدی کا مغلوب نہو بلکہ بدی پر نیکی سے غالب ہو (رومیوں ۱۲: ۱۹)

نیک نیّت رکھو تاکہ وہ جو تمہیں بدکار جان کے بُرا کہتے ہیں اور تمہارے مسیحی چال چلن پر لعن طعن کرتے ہیں شرمندہ ہوں۔ کیونکہ اگر خدا کی مرضی یُوں ہے کہ تم بھلا کرکے دُکھ پاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ بُرا کرکے دُکھ پاؤ (۱ پطرس ۳: ۱۶ و ۱۷) ظلم اُٹھانا کیوں نہیں بہتر جانتے اپنا نقصان کیوں نہیں قبول کرتے؟ (۱ کرنتھیوں ۶: ۷) مُبارک وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ (متی ۵: ۵) نہ کہ خونی (حزقیل ۲۲: ۲۵) مُبارک وہ جو صلح کرنے والے ہیں کیونکہ وہ خدا کے فرزند کہلائیں گے۔ (متی ۵: ۹)

مسیح کا سپاہی بننے کے لئے تو پولوس رسُول ہمیں یُوں حکم دیتا ہے"۔ اے میرے بھائیو خداوند اور اس کی قدرت کی قوت میں زور آور بنو۔ خدا کے سارے ہتھیار باندھو تاکہ تم شیطان کے منصوبوں کے مقابل قایم رہ سکو۔ کیونکہ ہمیں خون اور جسم سے کشتی کرنی نہیں بلکہ حکومتوں سے اور ریاستوں سے اور اس دُنیا کی تاریکی کے اقتدار والوں سے اور شرارت کی رُوحوں سے

افلاکی مکانوں میں ہیں۔ اسواسطے تم خدا کے سارے ہتھیار اُٹھالو تاکہ تم بُرے دن میں
مقابلہ کرسکو۔ اور سب کاموں کو انجام دے کے قایم رہ سکو۔ اس لئے تم اپنی کمر
سچائی سے کس کے اور راستبازی کا بکتر پہن کے۔ اور پاؤں میں صلح بخشنے والی انجیل
کی چالاکی کا جوتا باندھ کے اور ان سب کے اوپر ایمان کی سپر لگا کے جس سے تم اُس شریر
کے سارے جلتے تیروں کو بجھا سکو قایم رہو۔ اور نجات کا خود اور رُوح کی تلوار جو خدا کا
کلام ہے لے لو۔ اور کمال آرزو اور محبت کے ساتھ ہر وقت روح میں دُعا مانگو اور اس کے لئے
سب مقدّسوں کے واسطے نہایت مستعد ہو کے اور منّت کر کے جاگتے رہو" (افسیوں ۶ باب۔ ۱۸
آیت تک)

اور "دیکھو کیسی محبت باپ نے ہم سے کی۔ کہ ہم خدا کے فرزند کہلائیں" (۱ یوحنا ۳: ۱)۔ "اور
جب فرزند ہوئے تو وارث بھی۔ یعنی خدا کے وارث اور میراث میں مسیح کے شریک بشرطیکہ
ہم اس کے ساتھ دُکھ اُٹھائیں تاکہ اسکے ساتھ جلال بھی پائیں" (رومیوں ۸: ۱۷)

اب اے عزیز ہندوستانی مسیحیو! آپ نے مسیح میں کونسی برکت اور خوشی کی کمی پائی ہے جس کو
بزور شمشیر تم اس دُنیا میں حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ع

سرت از تاج کرمنا گرانی داشت اے غافل ۔ کہ فرش انتظار سایۂ بال ہما گشتی۔

اے نینوہ کے لوگوں پر رحم کرنے والے خدا! ہم پر بھی رحم فرما۔ اور یونہ نبی کے مزاج والے
مسیحیوں کی آنکھوں کے سامنے اس ہندوستان کو توبہ کی توفیق بخش۔ اور وہ مبارک دن جلد لاکہ
غیر قومیں مسیحیوں کا دامن پکڑ کر کہیں کہ ہم تمہارے ساتھ جائینگے۔ کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ خدا تمہارے
ساتھ ہے۔ آمین! (زکریاہ ۸: ۲۳)

خداوند مسیح سے دُعاء

ہے زمانہ بر سر شر و فساد۔ پھوٹ آپس میں ہے اور بغض وعناد۔
ہر جگہ خون اور خرابی کا ہے زور شور و غل ہے اور یا فریاد و داد
سب کو آپس کی محبت بخش دے اور مٹا بغض و عداوت جلد آ۔

قوم قوم اور مُلک مُلکوں میں ہے جنگ عرصۂ دُنیا کیا لوگوں پہ تنگ
تُفنگ برساتے ہیں لے توپ اور تفنگ خون کے دریا بہاتے بیدرنگ
خون شہیدا سے زمیں کی سُرخ رنگ اے شہ صلح و سلامت جلد آ

مقدر عاجز کی تجھ سے ہے دُعاء رات دن اس کی یہی ہے التجا۔
سب جہاں اور خاصکر اس ہند کو ہر بلا سے۔ ہر بُرائی سے بچا۔
نُورِ ایماں بخش سب کو اے کریم اور بڑھا اپنی جماعت جلد آ۔

متفرق اقوال

شکرگذاری کرنا اچھی بات ہے۔ شکرگذاری کی زندگی بہتر ہے۔

بڑی بڑی لیاقتیں راحل کی مانند خوبصورت ہیں۔ مگر غرور اُن کو راحل کی مانند بانجھ بنا دیتا ہے۔ یا تو ہمیں خودی کو دور پھینکنا پڑیگا ورنہ خدا ہمیں دور پھینک دیگا۔

غرور کی نسبت ایک بات بڑی عجیب ہے کہ وہ اپنا آپ ہی دشمن ہے۔ مغرور آدمی دوسرے شخص میں غرور کی برداشت نہیں کر سکتا۔

خدا کے وعدے مقوی غذا ہیں شیطان کے وعدے ایسے دانے ہیں جو چڑیمار پرندوں کو دام میں پھنسانے کے لئے ڈال دیتے ہیں۔ وہ پیٹ بھرنے کے لئے نہیں بلکہ پکڑوانے کا سامان ہیں۔

زبور ۱۲۷: ۲ میں جو لکھا ہے کہ "وہ اپنے پیارے کو نیند دیتا ہے"۔ اصل میں صحیح ترجمہ نہیں۔ لفظی ترجمہ ہے کہ "وہ اپنے پیاروں کو نیند میں دیتا ہے"۔ یعنی خدا اپنی عنایات اور برکتیں چپ چاپ اور انسان کی بے خبری کی حالت میں عطا کرتا ہے۔

شہنشاہ مارکس ولیریس نے اپنی رومانی فتوحات کی یادگار میں ایک عظیم الشان مکان ایک پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کروایا جسکے دروازے باہر کی طرف کھلتے تھے تاکہ ظاہر ہو کہ جو شخص اس میں بود و باش کرتا ہے وہ رفاہِ عام کی ہر قسم کی صلاح اور تجاویز سننے کیلئے تیار رہتا ہے۔ ویسے ہمارا خداوند مسیح فتحمند ہو کر خدا کے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور بجائے اپنے آپکو بند کرنے کے وہ اپنے لوگوں کے لئے اپنے آسمانی مکان کے دروازے کھلے رکھتا ہے۔ تاکہ سب اندر آسکیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اتوار بھیگے ہوئے سپنج کی مانند ہے جسکے ساتھ ہفتہ بھر کے گناہوں کو مٹا سکتے ہیں۔ اتوار آرام کے لئے ہے۔ ساتوں دن دینداری کے لئے ہیں اور اُن میں سے ایک آرام کا دن ہے۔

مسیحی کی زندگی خوبصورت مینار کی طرح ہے۔ جس کا سر ہمیشہ آسمان کی طرف رہتا ہے۔

شیطان کے سیب دیکھنے میں خوشنما ہیں مگر اندر سے سڑے ہوئے ہیں۔

اگرہ کو ارسال کرنا چاہئے۔ دس ڈسمبر ۱۹۱۳ء
کے روز بمقام لاہور ہندوستانی مسیحیوں کی طرف
سے کرنیل منٹگمری سی ایس آئی فنانشل کمشنر پنجاب
کو انکے ریٹایر ہونے کے موقعہ پر ایک پارٹی اور
ایڈریس دیا گیا۔ پادری تارا چند صاحب (اجمیر)
نے اپنا ایک تصنیف شدہ رسالہ "عید ولادت یعنی
بڑے دن کی نصیحت" ارسال فرمایا ہے۔ امید ہے
اکثر مسیحی اسے منگوا کر مستفید ہوں گے۔
بابو بیس بی اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر مشن ہائی سکول امرتسر قریباً
۲۵ سال کی خدمت اور جانفشانی کے بعد
محض پرنسپل کی رپورٹ پر بلا نوٹس و بلا سماعت
پنشن پر علیحدہ کئے گئے۔ ادھر کانفرنسوں میں مضمون
پڑھے جاتے ہیں کہ تعلیم یافتہ مسیحی مشن کی ملازمت
کیوں اختیار نہیں کرتے؟ مسٹر شمس الدین
صادق ایل ایم ایس کو سی ایم ایس پنجاب کی
میڈیکل کمیٹی نے ملازمت دینے سے انکار کیا
اور ان کو اجازت دی کہ جہاں چاہیں کام اختیار
کریں۔ اگر کوئی کمپانڈر بدنام ہو کر بھی کہیں سے
علیحدہ ہو کر آتا تو اسکو خوشی سے کہیں نہ کہیں
جگہ دی جاتی۔ اور "ڈاکٹر" بنا کر کہیں چھوٹی جگہ
میں انچارج کر دیا ہوتا۔ تعلیم یافتہ جوانوں میں
بڑی قباحت یہ ہے کہ حقوق طلب کرتے
اور کام میں خواہ مخواہ اپنی رائے دیتے ہیں۔
ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب پنجاب چرچ
مشن کے بانی بزرگ پادری رابرٹ کلارک صاحب
کی سوانح عمری تیار کر رہے ہیں۔ غالباً یہ کتاب
سال آیندہ کے آغاز میں چھپ کر شایع ہوگی۔
اگر کوئی صاحب ایسے خطوط یا دیگر کاغذات
عاریتاً دے سکیں جو اس تصنیف میں مددگار
ہو سکتے ہیں تو ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمت
میں معرفت پنجاب مشن نیوز لاہور ارسال کر سکتے ہیں۔
ڈاکٹر پیٹنل صاحب (بنوں) نے "سفرنامہ ابن السبیل"
شایع کیا ہے نہایت دلچسپ رسالہ ہے۔ اسکا
دیباچہ اس پرچہ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کے
پڑھنے سے کسی قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ ایسے سفر
کی مشکلات اور دلچسپیاں کیا کچھ ہوتی ہیں۔ اگر
کوئی اور صاحب اس قسم کی سیر و سیاحت کا قصد
کریں تو ان مقامات کا پتہ لگ سکتا ہے جہاں
آرام اور مہمان نوازی کی توقع ہو سکتی ہے۔ اس
رسالہ میں ایک ہی نقص ہے کہ یہ نہایت مختصر ہے
اگر ڈاکٹر صاحب موصوف کے انگریزی مضامین کا
ترجمہ بھی ہوتا تو زیادہ دلچسپ ہو جاتا۔ معہ دو اعلیٰ
ضمیمجات کے کل ۱۲۰ صفحہ کا رسالہ ہے قیمت
فقط ۴ر۔ دفتر تحفۂ سرحد بنوں سے دستیاب ہو سکتا ہے
افسوس ہے کہ پادری قاسم خان کھباہ صاحب
کرسمس کے روز دنیا سے کوچ کر گئے۔ ضعیف العمر
اور پرانے پادری صاحبان میں سے تھے۔
ڈاکٹر مرڈک صاحب کے یادگار کا چندہ
ایک ہزار روپیہ تک پہنچ گیا ہے۔
افسوس ہے کہ روپیہ کی کمی کی وجہ سے لیہ اور لداخ
کا موراوین مشن بند ہونے پر ہے۔ یہ مشن قریب
پچاس برس سے قایم ہے اور کئی ایک جانفشان بہادروں
کی قبریں اس پہاڑی علاقہ میں جو دنیا سے سب سے اونچا مشن کا
اسٹیشن ہے ان کی خودنثاری کا یادگار باقی ہیں۔

پنجاب سنڈے سکول اگزیلیری کا سالانہ کنونشن

انڈیا سنڈے سکول یونین کی پنجاب اگزیلیری کی سالانہ کانفرنس بمقام امرتسر بتاریخ ۲۱ و ۲۲ مارچ منعقد ہوگی۔ صبح کے اجلاس بزبان اردو اور شام کے انگریزی میں ہونگے۔ ڈاکٹر ویری۔ پادری طالب الدین۔ مس کینیر۔ پادری ٹی الیف کننگز اور مسٹر ایم ایل رلیارام وکیل اس میں حصہ لینگے۔ پروگرام میں ذیل کے مضامین شامل ہیں:۔

"استادوں کا کام نہایت ہی مفید ہونا۔ تعلیم بذریعہ سوالات۔ سنڈے سکول لٹریچر اور سنڈے سکول لائبریری۔ سبقوں کے ابتدائی کورس کی ضرورت۔ آبجکٹ لیسن اور تصویروں کی نسبت چند اشارے۔ غیر مسیحی لڑکیوں کے لئے سنڈے سکول۔ ماڈل سنڈے سکول کلاس۔"

سالانہ امتحان۔ انڈیا سکرپچر اگزامینیشن کی تاریخ ۹ جولائی ۱۹۴۸ء مقرر ہوئی ہے۔ نصف سال کے سبقوں او سنہلی آیتوں میں امتحان لیا جائیگا یہ سبق زیادہ تر یوحنا کی انجیل میں سے لئے گئے ہیں عمر اور تعلیم کے لحاظ سے طلبا کے الگ الگ درجے ہونگے۔ اور ہر ایک مدرسے کے طلبا خواہ مسیحی ہوں یا غیر مسیحی شامل ہو سکتے ہیں۔ ضرور ہے کہ جونیئر اور سینیئر ڈویژن کے طلبا اُن مقامات کے جغرافیہ سے واقف ہوں جنکا ذکر سبقوں میں آیا ہے۔

آخری گذارش

ماہِ گذشتہ میں ہم نے ناظرین کی خدمت میں التماس کی تھی کہ اگر آپ "مسیحی" کو قایم رکھنا چاہتے ہیں تو اپنی رائے مُبارک سے مطلع فرمایا جائے مگر افسوس ہے کہ ہماری درخواست کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا گیا۔ ہمیں تو کلیسیا کی خدمت مدِّنظر ہے۔ اگر آپ ہماری خدمت کو منظور نہیں فرماتے تو سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ہم فی الحال خاموشی اختیار کریں۔ اور آئیندہ آپ کی سمع خراشی سے باز آئیں۔ جن چند اصحاب نے ہماری قدر افزائی کی ہے اور بنظر تلطف امداد کا وعدہ کیا ہے ہم اُن کے ممنون و مشکور ہیں۔ مگر جب تک کم از کم ایک سو نئے خریدار پیدا نہ ہوں ہم "مسیحی" کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ اگر ناظرین اس کمترین رسالہ کو سنبھالنا اپنا فرض سمجھتے ہیں تو اب بھی ہمکو اطلاع دیں۔ ورنہ اسی پرچہ کو آخری پرچہ تصوّر فرمائیں۔ (مینجر)

انسان گناہ میں گر پڑتا ہے۔ مُقدّس آدمی گناہ میں غم کرتا ہے۔ مگر جو اپنے گناہ پر فخر کرتا ہے وہ شیطان ہے۔

نمونہ کا پرچہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے۔ مہربانی سے اطلاع دیں کہ آپ اسکو خرید نا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ ایک سے زیادہ کاپیاں لیں تو اپنی جماعت کے مسیحیوں میں تقسیم کر دیں +

مسیحی

حصّہ دوم

ایڈیٹر
مسٹر ایم ایل رلیارام بی اے ایل ایل بی۔ وکیل امرتسر۔
جائنٹ ایڈیٹر
پادری طالب الدین صاحب بی اے لاہور

سنڈے سکول میگزین

جلد ۱
نمبر ۱

جون ۱۹۰۵

اِس ماہواری رسالہ میں مضامین مفصلۂ ذیل شایع ہونگے:۔

۱۔ سنڈے سکول کام کے طریق۔ ۲۔ اُستادوں کے لئے ہدایات۔ ۳۔ سنڈے سکول کے متعلق خبریں اور نوٹ۔ ۴۔ سنڈے سکول کے سبقوں کی تشریح۔ ۵۔ بیبل کی نیچرل تواریخ ۶۔ بیبلی نظّاروں۔ جغرافیہ اور رسوم کا بیان۔ ۷۔ سنڈے سکولوں اور سنڈے سکول کام کے لئے شکر گذاری۔ اور دُعا۔

یہ رسالہ سنڈے سکول کی اعلیٰ جماعتوں اور اُستادوں کیلئے نہایت مفید ہوگا۔ اور اُمید کی جاتی ہے کہ وہ ایک بڑی ضرورت کو جو پنجاب میں عرصے سے محسوس ہو رہی ہے پُورا کرے گا۔

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک پیشگی یا بذریعہ قیمت طلب پارسل

(۱) ۱ کاپی بحساب ۱۲ ر فی کاپی۔ — ۱۲ — ۰
(۲) ۶ کاپیاں ایک پتہ پر بحساب ۱۱ ر فی کاپی۔ — ۲ — ۴
(۳) ۱۲ ” ” ” ۱۰ ر ” — ۸ — ۷
(۴) ۱۸ کاپیاں ایک پتہ پر بحساب ۹ ر فی کاپی۔ — ۲ — ۱۰
(۵) ۲۴ ” ” ” ۸ ر ” — ۰ — ۱۲
(۶) حصّہ اوّل کے خریداروں سے ۸ ر فی کاپی
(۷) حصّہ اوّل کے خریداروں سے ۶ کاپیاں ایک پتہ پر بحساب ۷ ر فی کاپی۔

مینیجر۔ مسٹر ایم۔ ایل۔ رلیارام۔ امرتسر

جملہ خطوکتابت و ترسیل زر بنام مینیجر ہونی چاہئے۔

وزیر ہند پریس امرتسر

پنجاب سنڈے سکول یونین

قواعد

دفعہ ۱۔ اسکا نام پنجاب سنڈے سکول یونین ہوگا۔ اور یہ انڈیا سنڈے سکول یونین کی ایگزلیری امدگار ہوگی دفعہ ۲ اسکا مقصد یہ ہوگا کہ پنجاب سنڈے سکولوں کے کام کو ترقی دی جائے۔ اور تمام سکولوں میں جو اسکے متعلق ہیں اتحاد و میل کرایا جائے۔ دفعہ ۳۔ ہر ایک پروٹسٹنٹ سنڈے سکول جو پنجاب میں ہے اس یونین کے ساتھ ملحق ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ یونین کو سکول کے طالبعلموں کی تعداد وغیرہ سے اطلاع دی جائے۔ دفعہ ۴۔ ملحق شدہ سنڈے سکولوں کے افسر اور اُستاد اور وہ جو بائبل کی تعلیم یا سنڈے سکول کے کام میں دلچسپی لیتے ہیں ہر سالانہ چندہ دیکر یونین کے ممبر ہو سکتے ہیں۔ ریکارڈنگ سکرٹری ممبروں کا رجسٹر رکھیگا۔ اور سالانہ چندہ وصول کریگا۔ دفعہ ۵۔ یونین کا کام ایک کمیٹی کے وسیلے کیا جائیگا جس میں ایک پریسیڈنٹ اور ایک یا دو وایس پریسیڈنٹ۔ خزانچی۔ اور خط و کتابت کرنیوالا سکرٹری۔ اور جلسہ کی کارروائی قلمبند کرنے والا سکرٹری اور امتحان کا سکرٹری اور کم از کم نو دیگر ممبر شامل ہونگے۔ اس کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ اگر کسی ممبر کی جگہ خالی ہو تو خود ہی اسکی جگہ دوسرا مقرر کرے۔ دفعہ ۶۔ کنونیشن میں یونین کے ممبر اور ملحق شدہ سنڈے سکولوں کے ڈیلیگیٹ شریک ہونگے۔ دفعہ ۷۔ کنونیشن سال میں ایک دفعہ منعقد ہوا کریگی۔ اور ڈیلیگیٹ اور اگر کنونیشن کو دعوت دی گئی ہو تو وہ جو تشریف لائینگے اپنا بندوبست آپ ہی کرینگے۔ دفعہ ۸۔ یونین کے اخراجات ملحق شدہ سنڈے سکولوں کے سالانہ چندہ۔ ممبروں کی فیس اور اور چندوں سے پورے کئے جاوینگے۔ دفعہ ۹۔ ان اصولوں میں تغیر و تبدل کنونیشن کے دو تہائی ممبروں کی رائے سے ہو سکتا ہے۔

عہدے دار۔ پریسیڈنٹ۔ پادری ای ایم ویری ڈی ڈی لودیانہ۔ وایس پریسیڈنٹ۔ پادری برکت مسیح گوجرانوالہ پادری ڈی آر گارڈن گورداسپور۔ پادری ای گلفرڈ ترنتارن۔ پادری ڈبلیو سکاٹ بی ڈی ڈسکہ۔ پروفیسر ڈبلیو ای نکل راولپنڈی خزانچی۔ مس تھولٹ سنٹ کھترابن ہسپتال امرتسر۔ خط و کتابت کرنیوالی سکرٹری مس گرین فیلڈ لودیانہ۔ سکولوں کی فہرست رکھنے والا سکرٹری۔ پادری جے ایچ آرنیس لاہور۔ امتحان کا سکرٹری پادری اے بی گولڈ قصور۔

کارکن کمیٹی۔ مس کیمپس امرتسر۔ مسز ایم ایل رلیارام امرتسر۔ پادری ڈی۔ آر گارڈن ایم اے گورداسپور مس ہیلی لاہور۔ پادری آر اے ایچ ہسلم امرتسر۔ پادری سی ایچ ولیس کالکا۔ پادری جے این ہائیڈ فیروزپور۔ پادری جوسیل واعظ لال ایم اے دہلی۔ ڈاکٹر ایچ مارٹن نیوٹن جالندھر۔ پادری طالب الدین بی اے لاہور۔ مسٹر ایم وائلی لودیانہ۔

کارسپانڈنٹ۔ سی ایم ایس۔ پادری ای گلفرڈ ترنتارن۔ سی۔ ای۔ زیڈ ایم مسز گلفرڈ ترنتارن۔ یو پی۔ ایم۔ پادری برکت مسیح گوجرانوالہ۔ اے پی ایم۔ پادری این پریم داس۔ لودیانہ۔ چرچ آف سکاٹلینڈ۔ پادری ڈبلیو ڈیلیگیٹی سیالکوٹ۔ بی ایم ایس پادری جے آئی ہیلر دہلی۔

دُعاء اور شکر گذاری

سنڈے سکول اُستادوں کیواسطے دُعاء کے بارہ میں خیالات

اس بات میں کچھ شک نہیں کہ تعلیم دینے کا کام ایک نہایت ہی ضروری کام ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ محنت بہت بڑی بھاری اور برکت سے معمور ہے۔ لیکن ایک اور کام ہے جو اس سے بھی اہم کار ہے۔ وہ یہ ہے "دُعاء کرنی"۔ یہ سب سے بڑا کام ہے جو ہم خدا کیواسطے یا انسان کیواسطے کر سکتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ناکامیابی صرف سنڈے سکول ہی کے کام میں نہیں بلکہ اور کاموں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ سچّی روحانی خالص دلی دعائیں بہت کم ہوتی ہیں۔ اگر تم نے اپنی محنت میں ناکامیابی کی شبیہ دیکھی ہے۔ تو یہ موقع اپنے دلوں کو جانچنے کا ہے۔ دریافت کرو کہ تم ان تین امور میں متفق الرائے الٰہی ہو یا نہیں۔ اوّلاً۔ تمہارے چال چلن کا ہر ایک طریق انتظام ایزدی کے مطابق ہے یا نہیں کیا خداوند یسوع مسیح نے نہیں فرمایا کہ "اگر کوئی چاہے میرے پیچھے آئے تو اپنا انکار کرے اور اپنی صلیب اُٹھا کے میری پیروی کرے" (متی ۱۶: ۲۴)۔ "بھلا جو کوئی اس پر چلتا ہے وہ جو کچھ چاہے مانگے اسکو ملیگا" مسیح کے پیچھے چلنے کے پورے معنی کیا ہیں؟ شاید تمہارے واسطے اسکا مطلب تنہائی ہوگا۔ غالباً جو کوئی مسیح کے زیادہ نزدیک ہو کے چلتا ہے۔ اکثر اسکے دوست اور جان پہچان اُس سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور شاید اس سے بڑھکر تجربہ کاری سے آثارِ دشمنی بیدار دکھائی دیتے ہیں" (گلتیوں ۶: ۱۴)۔ ..."ہرگز نہ ہووے کہ میں فخر کروں۔ مگر اپنے خداوند یسوع مسیح کی صلیب پر۔ جس سے دُنیا میرے آگے مصلوب ہوئی۔ اور میں دُنیا کے آگے"۔ اسی طرح تمہیں صلیبی موت منظور ہے؟ ہاں! تب بیشک تم دُعا کے تمام وعدوں پر دعویٰ کر سکتے ہو۔ ثانیاً۔ اپنی مرضی کی بابت دریافت کرو۔ خداوند یسوع نے کہا ہے "میں ہمیشہ وُہی کام کرتا ہوں۔ جو اُسے پسند آتے ہیں"۔ کیا تمہاری مرضی اسکی مرضی کے برابر ہے۔ خدا کی مرضی مبارک یہ ہے۔ اس مُلک کے سارے بچے اسکا کلام سُنیں اور سیکھیں اور بچ جائیں۔ کیا تم بھی چاہتے ہو؟ اسکی متبرک مرضی ہے کہ ہر ایک عیسائی پاکیزہ دل ہو۔ روح القدس پا کے مسیح کے نقش قدم پر چلے۔ اور فضل میں بڑھتا جائے۔ کیا یہ تمہاری مرضی ہے؟ خدا کی مرضی ہے کہ تمہاری زندگی بھر کی ہر ایک چیز جو اسکے کلام کے برخلاف ہو۔ یا ایسی جسکے سبب سے کوئی ٹھوکر کھائے۔ تم میں نکل جائے۔ گو کہ اسکے نکالنے سے تمکو رنج یا غم ہو۔ کیا یہ بھی تمہاری مرضی ہے؟ ہاں! پھر یقین کرو کہ جو کچھ تم چاہتے ہو مانگو اور تمکو ملے گا۔ ثالثاً۔ پھر اپنی خواہشوں کی بابت دریافت کرو۔ شاید کبھی شکایتاً تم کہہ سکتے ہو۔ میری دعا کا جواب نہیں ملتا۔ یا ہو سکتا ہے تم افسوس کرتے ہوئے اپنے دل میں یہ کہتے ہو۔ کیا سبب ہے؟ میں مسٹر ہڈسن ٹیلر صاحب۔ جارج ملر صاحب۔ اور ولیم قوارِیہ صاحب اور بہت سے اور ایماندار صاحبان کے بارہ میں پڑھتا ہوں کہ خدا اُن کی دُعاؤں کا شنوا ہوا اور بکثرت تمام برکات اُنکی خواہش کے برابر اُنکو دیتا رہا۔ پر میں بار بار دیکھتا ہوں میری دُعا ناکامیاب ہوتی ہے۔ عموماً بے دل ہو کے تم یہ کہتے ہوگے۔ کوشش کرنا لاحاصل ہے۔ وہ عجیب طرح سے

انسان تھے۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ ہر ایک عام عیسائی دُعا راور کام میں بہادر نکلے۔
لیکن اس میں تمہاری بڑی غلط فہمی ہے وہ لوگ ہماری طرح کمزور از خود نالائق تھے۔ اور جو جواب انکو ملتا تھا ہرگز اس سبب سے نہیں ملتا تھا کہ وہ عجیب طرح کے آدمی تھے۔ الاّصرف اس لئے کہ اُن کی دلی خواہش یہ تھی کہ خُدا کا جلال ظاہر ہو۔ ذرا غور کرو۔ کیا تمہاری آرزو ہے کہ میری جماعت کے لڑکے شمار میں یا تعلیم بائبل میں۔ یا امتحان کی خوبی حاصل کرنے میں سبقت لے جائیں۔ یا کیا برعکس اسکے کہتے ہو؛ خداوندا! چاہے میری جماعت ٹوٹ بھی جائے۔ یا اور لوگ مجھکو بیوقوف سمجھیں یا سبھوں کے سامنے میں شرمندہ ہو کر ناکامیاب نکلوں پر کسی طرح تیرا جلال ظاہر ہو۔ تب بیشک جو کچھ چاہو سو مانگو۔ تمکو ملیگا۔ شیطان سچے دُعا کرنیوالوں کا مخالف ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسکا آخری وقت ہے۔ مسیح نے اس پر فتح پائی۔ ضرور ہر ایک جو مسیح میں ہو کے دُعا کرتا ہے وہ اُس پر غالب آئیگا۔ پس شیطان کی سب سے بڑھکر تمنا یہ ہے۔ کہ تمہارا ایمان ضعیف البنیان ہو جائے۔ اور تمہاری مرضی خدا کی مرضی کے اُلٹ ہو۔ شیطان کتنی ہی عداوت کیوں نہ کرے تم اس بات میں تسلی پاؤگے۔ کہ جب تم شکستہ دلی اور نیک نیتی سے خداوند مسیح کے جلال کو ڈھونڈوگے۔ دُعا کرتے ہو جو مانگوگے تمکو ملے گا۔
یاد رکھو۔ کہ دُعا ایک ہتھیار نہیں ہے۔ جو خدا تمہارے ہاتھوں میں دیدے۔ تاکہ تم اُس کے زور سے اپنی خود غرضی پُوری کرو۔ لیکن خدا تم سے اور تمہارے کام سے اور تمہاری دُعا سے اپنا ارادہ پُورا کرنیکو اسکا استعمال کریگا۔
ذکر ہے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہُوا۔ ایک صاحب کسی جہاز پر سوار تھا۔ شدت کا طوفان آگیا۔ ناخدا نے ایک لڑکے کو جہاز کے بادبان کا کچھ کام کرنے کو اوپر بھیجا جان جوکھوں کی بات تھی۔ بادبان پر چڑھنے کے پیشتر وہ لڑکا کچھ عرصہ تک مُؤدّب کھڑا رہا۔ ساتھ والے صاحب نے اسکی یہ کیفیت دیکھی تھی جب لڑکا اپنا مفروضہ کام سرانجام دے کر صحیح وسلامت اوپر سے اُتر آیا۔ موقع پا کر فرصت کے وقت صاحب نے اُس سے پوچھا تمہارے باادب ننگے سر کھڑے ہونیکا کیا مطلب تھا۔ اور اس وقت تم چپکے چپکے مُنہ میں کیا کہ رہے تھے؟ لڑکے نے جواب دیا میں دُعا مانگ رہا تھا۔ صاحب نے پوچھا۔ اسکے کیا معنی؟ لڑکے نے کہا میں اپنی رُوح کو اپنے نجات بخشندہ کے سپُرد کر رہا تھا۔ صاحب نے کہا تمکو یہ ایسا کام کس نے سکھایا؟ لڑکے نے جواب دیا۔ سنڈے سکول ٹیچر نے!
ہم اِن باتوں کیلئے خدا کی حمد اور تعریف کریں:۔ (۱) ماہ مارچ میں سنڈے سکول کانفرنس اپنے مقاصد پر کامیاب ہُوئی۔ جماعت نے اسوقت کمال خوشی محبت اور ملنساری ظاہر کی۔ (۲) سنڈے سکول یُونین اس صوبہ میں روز بروز ترقی پذیر ہے۔ (۳) بہتوں کی جانیں زلزلہ کے صدمہ سے محفوظ رہی ہیں۔ (۴) زلزلہ کے سبب بیشمار لوگ تسلّا شیان خدا ہو کر مستعد ہو گئے ہیں۔
آؤ۔ ہم اَور دُعا کریں:۔ (۱) یہ سنڈے سکول یُونین بڑھتی جائے۔ اسکا کام روز بروز ترقی پر ہو۔ (۲) سنڈے سکول ٹیچر رُوح پاک کی قُوت سے اپنا کام کریں۔ (۳) بہت بچے کیا۔ بلکہ ہر ایک مسیح کو اپنا نجات دہندہ سمجھے۔ (۴) سنڈے سکول میگزین پر منجانب اللہ برکت کی فراوانی نازل ہو۔ (۵) اِس موقع پر جب اس مُلک کے باشندے گوناگوں مصائب میں پڑے نظر آرہے ہیں خدا کے حقیقی بندے کمال کوشش کریں اور محبت کے ساتھ انکو آسمانی نور دکھلائیں۔ (مس ایس ایس ہیولیٹ)

مسیح کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا

سنڈے سکول کا سبق ——— ۴ جون ۱۹۰۵ء

یوحنا ۲۰: ۱۱-۲۳

حفظ کرو ۱۹-۲۱ تک

روزانہ تلاوت

پیر۔ یوحنا ۲۰: ۱-۱۰	———	جمعرات لوقا ۲۴: ۱۲-۲۴
منگل۔ یوحنا ۲۰: ۱۱-۲۳	———	جمعہ۔ لوقا ۲۴: ۲۵-۳۵
بدھ۔ متی ۲۸: ۹-۲۰	———	سنیچر۔ لوقا ۲۴: ۳۶-۴۸

اتوار اکرنتی ۱۵: ۱-۱۱

سُنہلی آیت ۔ بیشک مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے اور جو سو گئے ہیں اُن میں پہلا پھل ہُوا۔ اکرنتی ۱۵: ۲۰

ہم نے پچھلے سبق میں اپنے خداوند کو صلیب پر دیکھا تھا۔ اِس سبق میں ہم اُسے زندہ دیکھتے ہیں۔ مسیح کو صلیب دینے میں یہودیوں کی بے ایمانی حدوجہ کو پہنچی۔ مسیح کے جی اُٹھنے میں اسکے شاگردوں کا ایمان اپنی اعلیٰ منزل تک پہنچا۔ اس باب میں اُن مختلف نظاروں کا تذکرہ قلمبند ہے جو خداوند کے جی اُٹھنے کے بعد اُسکے شاگردوں کو نصیب ہُوئے اُنکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُنہوں نے کس طرح اُسکے جی اُٹھنے کو ایک حقیقی واقعہ تسلیم کیا۔ کیونکر اُنکے ایمان کو تقویّت حاصل ہُوئی۔ اور کیونکر وہ مسیحی خدمت کے لئے تیّار کئے گئے۔ جس طرح ڈبیا میں مختلف رنگوں کے جواہر اپنے اپنے رنگ کی جھلک دکھاتے ہیں۔ اسی طرح یہ مختلف تذکرے مسیح کے جی اُٹھنے کے مختلف پہلو ہماری آنکھوں کے سامنے لاتے ہیں۔ ہمارے آج کے سبق میں دو نظّاروں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ (۱) مسیح کا مریم مگدلینی پر ظاہر ہونا۔ (۲) اور پھر دیگر شاگردوں کو دکھائی دینا۔

تشریح ۔ ۱۱-آیت۔ لیکن مریم باہر قبر کے پاس کھڑی روتی رہی۔ ابھی اندھیرا ہی تھا کہ مریم قبر پر آئی۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ قبر پر سے پتھر ہٹا ہُوا ہے تو شمعون۔ پطرس اور یوحنا کے پاس دوڑی گئی اور اُنکو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ وہ یہ سُنکر قبر پر آئے۔ قبر کو دیکھا اور واپس چلے گئے۔ (دیکھو یوحنا ۲۰: ۱-۱۰) مگر مریم وُہیں کھڑی روتی رہی۔ اُسکے آنسو اسکی محبّت پر دلالت کرتے ہیں۔

قبر کی طرف جھک کر اندر نظر کی۔ یوحنا نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ (دیکھو آیت ۵) لیکن مریم کا ایسا کرنا گویا

اسکی محبت بھری دلیری کا نشان تھا۔

۱۲۔آیت ۔ دو فرشتوں کو . . . . دیکھا ۔ یہی ایک جگہ ہے جہاں یوحنا اپنی انجیل میں فرشتوں کا ذکر کرتا ہے۔ مگر کلام کے بہت سے مقامات سے اُنکی ہستی ۔ اُنکی خصلت ۔ اُنکے کام پر گواہی ملتی ہے۔ فرشتوں ہی نے اسکے پیدا ہونے کی خبر دی تھی۔ وُہی اب اسکے جی اُٹھنے کی خبر دیتے ہیں ۔ جس طرح پاک ترین جگہ میں کفارہ گاہ پر دو کروبیم موجود تھے۔ ایک ایک طرف ۔ اور دوسرا دوسری طرف ۔ اُسی طرح خداوند کی قبر میں جس نے ہمارے گناہوں کا کفارہ دے کر رحمتِ الٰہی کا دروازہ کھولا یہ دو فرشتے موجود تھے ۔ ایک سرھانے کی طرف اور دوسرا پائنتی کی طرف۔

۱۳۔آیت ۔ تو کیوں روتی ہے ؟ اِس سوال سے تعجب اور ہمدردی دونوں ٹپکتے ہیں۔

اِس لئے کہ میرے خداوند کو لیگئے ۔ مریم کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی ایک خیال اس کے دل میں جاگیر تھا ۔ وہ اِسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی ۔ کہ میرے خداوند کی لاش کو کون لے گیا ہے اور کہاں رکھا ہے؟

۱۴۔آیت ۔ وہ پیچھے پھری وغیرہ ۔ یا تو اِس لئے کہ فرشتوں نے اُسے اشارہ کیا کہ پیچھے لوٹ کر دیکھ ۔ یا اس لئے کہ اُس نے خود کسی نہ کسی طرح محسوس کیا کہ کوئی پیچھے کھڑا ہے۔

نہ پہچانا کہ یہ یسوع ہے ۔ یہ الفاظ اِس بیان کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں ۔ جعلساز کبھی ایسا نہ لکھتا۔ یہ بات غور طلب ہے کہ ہمارا خداوند بسا اوقات ہمارے پاس موجود ہوتا ہے پر ہم اُسے نہیں دیکھتے اور نہیں پہچانتے۔

۱۵۔آیت ۔ اے عورت تو کیوں روتی ہے ؟ مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد یہ پہلا سوال تھا جو خداوند نے کیا ۔ اور نہایت زیبا سوال تھا ۔ وہ اِسی لئے جیتا ہے کہ اپنے بندوں کے آنسو پونچھے۔

اگر تُو نے اسکو اُٹھایا ہو تو مجھے کہدے کہ اُسے کہاں رکھا ہے؟ خداوند کا خیال ایسا اسکے دل میں جاگزین ہے ۔ ایسا اِس خیال نے اسکے دل اور دماغ کو بھرپور کر رکھا ہے ۔ کہ وہ اس اجنبی کو بھی نام بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتی ۔ بلکہ کہتی ہے ۔ اگر تُو نے اسکو اُٹھایا ہے ۔ اگر تُو نے اُسے کہیں رکھا ہے تو کہدے۔

میں اُسے لیجاؤں ۔ دیکھئے محبت کی فتحمندی ۔ مریم کی محبت کو اس کام میں کوئی مشکلات نظر نہیں آتیں۔

۱۶۔آیت ۔ مریم ۔ نام اور آواز اس بات کی یاد دہانی کیلئے کہ بولنے والا مسیح ہے کافی تھے ۔ خداوند اپنی بھیڑوں کو نام لے کر بلاتا ہے ۔ اور وہ اسکی آواز کو پہچانتی ہیں۔

ربونی ۔ یعنی اے اُستاد یا اے میرے اُستاد ۔ مریم اس ساری حقیقت کو جو اسکے مُردوں میں سے جی اُٹھنے میں نہاں تھی پورے پورے طور پر نہیں سمجھی تھی ۔ وہ ابھی پرانے رشتہ یعنی اُستاد و شاگرد کے رشتہ کا خیال کرتی ہے پر گو اُسنے شک لانیوالے توما کی طرح "اے میرے خداوند اے میرے خدا" نہ کہا ۔ تاہم جو کچھ اُسنے کہا ۔ وہ صدق دلی ۔ وفاداری اور محبت سے کہا۔

۱۷۔آیت ۔ یسوع نے اُسے کہا مجھے نہ چھو ۔ یونانی لفظ جسکا ترجمہ "چھو" کیا گیا ہے ۔ اصل میں پکڑنے یا

چمپٹ جانے پر دلالت کرتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کو پہچاننے کے بعد مریم اُس کے پاؤں پر گر پڑی اور اُنکو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا ۔ وہ چاہتی تھی کہ اب اسکا خداوند اس سے جُدا نہ ہو ۔ بلکہ اسکی جسمانی حضوری اسکو ہمیشہ حاصل رہے ۔ مگر خداوند یہ فرما کر کہ " میں ابتک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا " یہ سکھاتا ہے کہ میری جسمانی حضوری سے تمکو بہت فایدہ نہیں پہنچیگا ۔ کیونکہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا ۔ پر میری دائمی رفاقت سے تمکو اصل فائدہ حاصل ہوگا ۔ اور اسکی صورت یہ ہے کہ جب روح پاک آئیگی تو میں اسکے وسیلے تمہارے دلوں میں ہمیشہ سکونت کرونگا ۔ پر وہ رُوح اسوقت نازل ہوگی جب میں اپنے باپ کے پاس آسمان پر چڑھ جاؤنگا ۔ اسوقت روحانی طور پر تم لوگ جو میرے شاگرد ہو مجھکو ہمیشہ پکڑے رہوگے ۔

لیکن میرے بھائیوں کے پاس جاکر ۔ وہ اب اسکے بھائی ہیں ۔ کیونکہ اُس کا اور اُنکا باپ اور خدا ایک ہی ہے ۔ تاہم یاد رہے کہ ہمارا خداوند یہ نہیں کہتا ہے کہ میں اسکے پاس جو ہمارا باپ اور ہمارا خدا ہے جاتا ہوں ۔ بلکہ وہ ایک طرح کی تفریق کرتا ہے ۔ چنانچہ وہ کہتا ہے " اپنے باپ اور تمہارے باپ وغیرہ " ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس معنی میں وہ خدا کا بیٹا ہے اُس معنی میں اور لوگ نہیں ہیں ۔ وہ حقیقی اور دوسرے لیپالک ہیں ۔ اُسی نے اُنہیں فرزندیّت کا اقتدار بخشا ہے ۔

۱۹ ۔ آیت ۔ اُسی دن ۔ یعنی جب مسیح جی اُٹھا اور مریم کو نظر آیا اور اسکے ہاتھ اپنا پیغام اپنے بھائیوں کے پاس بھیجا دروازے بند تھے ۔ غالباً بالاخانہ میں یہودی اب تک اسکو ستاتے تھے ۔ شاید یہ شاگرد مسیح کی عجیب باتیں سنکر اس جگہ فراہم ہوگئے تھے ۔ غور کیجئے کہ مسیح اس بند مکان میں داخل ہو جاتا ہے ۔ اگرچہ اسکا بدن وُہی تھا جو مصلوب ہونے سے پیشتر تھا ۔ تاہم اسمیں ایسی روحانی خاصیتیں اور کیفیتیں پیدا ہوگئی تھیں کہ وہ عام بدنی قیود سے آزاد ہو گیا تھا ۔ اسکا جلالی بدن خبر دیتا ہے کہ ہمارے بدن بھی قیامت کے بعد ایسے ہی ہونگے ۔

تمہاری سلامتی ہے ۔ یہ وہ سلام کرنیکا معمولی طریقہ ہے جو اُن لوگوں کے درمیان مروّج تھا ۔ مگر اسوقت مسیح کا ان الفاظ کو استعمال کرنا اُنکے دلوں کے لئے خاص تسلّی کا باعث ہُوا " میں تمہیں اطمینان دیئے جاتا ہوں اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہوں ۔ . . . تمہارا دل نہ گھبرائے " یہ الفاظ مصلوب ہونے سے پہلے کہے تھے ۔ اور اب جی اُٹھنے کے بعد بھی یہی دُعا اُنکو دیتا ہے ۔ دیکھو نمبر ۲۱ ۔ آیت میں بھی اس دُعا کو دُہراتا ہے ۔

۲۰ ۔ آیت ۔ شاگرد خداوند کو دیکھکر خوش ہوئے ۔ جب اُس نے اپنے ہاتھ اور پسلی اُنکو دکھائی تو وہ اُسکے جی اُٹھنے کے قایل ہوگئے ۔ تمام شکوک کافور ہوگئے ۔

۲۱ ۔ جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے ۔ اُسی طرح میں بھی تمہیں بھیجتا ہوں ۔ جس کام کے لئے باپ نے بیٹے کو بھیجا ہے اسکو جاری رکھنا تمہارا کام ہے ۔ سو میں جو بیٹا ہوں اب تمکو بھیجتا ہوں ۔ کہ اس کام کو انجام دو ۔ جس طرح میں نے تمکو بتایا ۔ اُسی طرح اب تم اوروں کو بتاؤ ۔ کہ خدا نے جہان کو پیار کیا ہے ۔ اور گنہگار انسان بیٹے میں اس کی زندگی اور موت کے وسیلے خدا سے میل پاتا ہے ۔

۲۲۔ آیت۔ یہ کہکر اُنکی طرف سانس چھوڑا اور اُنسے کہا کہ رُوح القدس لو۔ روح اُس نئی زندگی کا دم ہے۔ جو خداوند مسیح میں اسکے بندوں کو ملتی ہے۔ لفظ رُوح کے معنی بھی یونانی میں سانس کے ہیں۔ کہا... لو۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اگر ہم چاہیں تو اس نعمت کو قبول کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں۔ تو اُسے رد کر سکتے ہیں۔

۲۳۔ آیت۔ جنکے گناہ تم بخشو وغیرہ۔ اس آیت کا مطلب یا تو یہ ہے کہ مسیح کے بندوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ دلیری سے منادی کریں۔ کہ جو توبہ کرتا اور مسیح پر ایمان لاتا ہے اُسکے گناہ بخشے جائیں گے۔ اور جو ایسا نہیں کرتا۔ اُسکے گناہ نہیں بخشے جائینگے۔ یا اس سے یہ مُراد ہے کہ کلیسیائی انتظام کے متعلق انکو یہ اختیار دیا گیا کہ کلیسیائی معاملات میں جیسا فیصلہ تم کروگے وہ درست مانا جائیگا بہرکیف یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ یہ اختیار فقط رسُولوں ہی کو نہیں دیا گیا تھا بلکہ تمام شاگردوں کو جو حاضر تھے۔

مفید اشارے۔ ۱۔ مسیح کا مردوں میں سے جی اُٹھنا ہمارے لئے بڑا مطلب رکھتا ہے۔ اگر وہ زندہ نہ ہوتا تو وہ خدا کا بیٹا۔ اور دُنیا کا نجات دہندہ ثابت نہ ہوتا۔ ہماری اُمیدیں اسکی قبر میں دفن ہو کر سڑ گل جاتیں۔ نہ کبھی بقائے دوام کا عقدہ حل ہوتا۔ نہ ہم پر کبھی نئی زندگی اور نئی قدرت کا بھید کھلتا۔ مگر آج کا سبق زندہ مسیح کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ جو لوگ گواہی کی دُرستی اور نادُرستی کو جانچنے کے فن میں مشتاق ہیں وہ ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ یہ ایسا واقعہ ہے کہ اسکی مانند اور کوئی تواریخی واقعہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے کہ جب ہم مسیح کے نظاروں کو پرکھتے ہیں تو ہم قایل ہو جاتے ہیں کہ شاگردوں نے دھوکا نہیں کھایا۔ اور جب ہم اِن گواہوں کی خصلت پر غور کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ دھوکا دینے والے نہ تھے۔ پس انکی گواہی قابل اعتماد ہے۔

۲۔ مریم ہمیں کیا سکھاتی ہے؟ (۱) کہ ہماری محبّت مسیح سے صادق۔ بے ریا اور پختہ ہونی چاہئے۔ اسکی محبّت ایسی ہی تھی۔ اسکا قبر پر سے نہ ہلنا۔ اُسکے آنسو۔ اُسکا قبر میں جھک کر نظر کرنا۔ اور اسکا اپنے خداوند کی لاش کی تلاش میں مضطربانہ مصروف ہونا اسکی محبّت کا شاہد ہے۔

خداوند کا شکر ہو کہ بہت سی عورتیں مریم اور دیگر نئے عہد نامہ کی مسیحی عورتوں کی طرح اب بھی اس پر سے اپنی جان اور اپنا مال نثار کرنے کو تیار ہیں۔ وہ اپنے بچوں کی تربیت کرتے وقت مسیح کی محبّت کا تخم اُنکے دلوں میں بوتی ہیں۔ سنڈے سکولوں میں لڑکے اور لڑکیوں کو اپنے نمونہ اور تعلیم سے مسیحی خصلت کے سانچے میں ڈھالتی ہیں۔ غیر قوم عورتوں کو اپنے خداوند کا نام سُناتی ہیں۔ عزیزوں کو تسلّی دینے۔ مجروح دلوں کی مرہم پٹی کرنے میں اسکا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اور مشنری کام میں دلچسپی لے کر مردوں کا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ پر ہم ہندوستانی مسیحیوں کیلئے زیادہ مفید سوال یہ ہے۔ کیا ہندوستانی مسیحی عورتیں اپنے خداوند کو ایسا ہی پیار کرتی ہیں۔ جیسا مریم مگدلینی کرتی تھی؟ کیا زیبا نہیں کہ ہر ایک مسیحی عورت اپنے تئیں یہ پوچھے کیا میں خداوند مسیح کو پیار کرتی ہُوں؟ کیا میں اُسکو اتنا پیار کرتی ہُوں جتنا مریم کیا کرتی تھی؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ جو خداوند کو مریم کی طرح پیار کرتے ہیں۔ اُنکو برکت ملتی ہے یا نقصان پہنچتا ہے؟ مریم اسکا جواب خود دیگی

(۲) اسکا جواب وہ دوسری بات ہے جو ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اگر کوئی اسکو پیار کرے تو خداوند اسکو بڑی برکتیں عطا فرمائیگا۔ خصوصاً عورتوں کو خوب متوجہ ہوکر سننا چاہیئے۔ کہ مریم کیا کہتی ہے۔ وہ کہتی ہے۔ کہ (الف) سب سے پہلے زندہ مسیح کو مَیں نے دیکھا۔ (ب) سب سے پہلے میرے آنسو پونچھے گئے۔ (ج) وہ بتاتی ہے کہ مسیح کے جی اُٹھنے کے بعد سب سے پہلا مشنری مَیں ہوں۔ مجھے زندہ مسیح نے اپنے پیغام کے ساتھ اپنے بھائیوں کی طرف بھیجا۔ مَیں ہی اُن کے پاس اُسکے جینے کا مژدۂ جانفزا لے کر گئی۔" کیا یہ برکتیں ناچیز ہیں۔ کیا مسیح کے نظارے۔ اُسکی تسلّی۔ اسکی خدمت کی سرفرازی ہلکی باتیں۔ پر یہ اعلیٰ برکتیں اُنہیں کو دستیاب ہوتی ہیں جو اُسے مریم کی طرح پیار کرتے ہیں۔ ہر ایک عورت ہر ایک مرد کیلئے یہ برکتیں ممکن ہیں۔

(۳) ایک مرتبہ پھر مریم ہمکو یہ سبق سکھاتی ہے۔ کہ مسیحی زندگی میں دُعا اور کام دونوں اپنی اپنی جگہ رکھتے ہیں اور دونوں ضروری ہیں۔ ہم ایک کو چھوڑ کر دوسرے پر اکتفا نہیں کر سکتے۔ دُعا میں خداوند کے پاس رہنا بڑی برکت کا باعث ہے۔ پر اگر وہ ہمیں تسلّی کے پیغام کے ساتھ دوسروں کے پاس بھیجنا چاہتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم جائیں اور یہ دوہری برکت کا باعث ہے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف ہمیں برکت ملتی ہے بلکہ اوروں کو بھی۔

۲۔ مسیح کا اپنے دوسرے شاگردوں کو نظر آنا کیا سکھاتا ہے ؟

(۱) کہ زندہ مسیح اپنے لوگوں کے پاس دو برکتیں لے کر آتا ہے۔ سلامتی اور خوشی۔ شاگرد اس وقت مغموم تھے۔ کچھ اپنے خداوند کی مفارقت کے سبب سے۔ کچھ شماتت اعدا کی وجہ سے۔ کچھ ظالموں کی ایذا رسانیوں کے باعث اُن کے دل چکنا چور ہو رہے تھے۔ مگر جب زندہ مسیح نے نمودار ہوکر کہا "تمہاری سلامتی ہو" تو تمام دُکھ درد کافور ہو گئے۔ اور وہ خوشی سے بھر گئے۔ زندہ مسیح ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے اور ایسے موقعوں کے لئے ہے۔ اگر ہم خستہ دل ہیں تو اِس سبق کے وسیلے زندہ مسیح کو جو ہر طرح کی محبّت آمیز قدرت سے معمور ہے دیکھیں۔ یا اگر ہمارے دوست رنج میں ہیں تو اُنہیں کہیں کہ اس سبق میں سے مسیح کو دیکھیں۔ سلامتی اور خوشی مسیحیوں کا حصّہ ہے۔

(۲) زندہ مسیح اپنے بندوں کو اپنی خدمت پر بھیجنے کے لئے آتا ہے۔ وہ اپنے لوگوں سے یہی کہتا ہے۔ کہ باپ نے مجھے بھیجا تھا مَیں تمکو بھیجتا ہوں۔ جاؤ اور جا کر میری موت اور زندگی کی خبر دنیا کو دو۔

(۳) زندہ مسیح اپنی روح پاک کی قدرت اپنے لوگوں کو دینے آتا ہے۔ وہ کہتا ہے تم روح القدس لو۔ یہ زندہ مسیح کی بخشش ہے۔ تاکہ ہم اُن خدمات کو جو وہ ہمارے سپرد کرتا ہے بہترین صورت میں ادا کریں۔

ہر شے کے دو رُخ ہُوا کرتے ہیں۔ مذکور ہے کہ ایک چھوٹی لڑکی نے ایک دفعہ ایک مخمل کا ٹکڑا اپنی ماں کے ہاتھ میں دیکھکر بڑے تعجب سے پوچھا امّاں جان! کیا سبب ہے کہ مخمل کی ایک جانب تو ایسی چکنی۔ ملایم اور چمکدار ہے۔ اور دوسری جانب بالکل کھُردری اور ناہموار۔ ماں نے جواب دیا کہ بیٹی ہر چیز کے دو رُخ ہُوا کرتے ہیں۔ ایک روشن دوسرا تاریک۔ اُسی رات کو لڑکی نے آسمان کی طرف نگاہ کی۔ اور دیکھا کہ آسمان تاروں سے بھرا نہایت خوبصورت نظر آرہا تھا۔ دوڑ کر اپنی ماں کے پاس جاکر کہا۔ کہ "امّاں جان! جب آسمان (مُراد بہشت) کی اُلٹی طرف ایسی خوبصورت ہے۔ تو سیدھی طرف بہت ہی خوبصورت ہوگی۔" (ڈاکٹر شائق)

تسلّی دینے والے کا وعدہ

سنڈے سکول کا سبق ۔۔۔۔۔ ۱۱ جون - ۱۹۰۵ء

یوحنّا ۱۶: ۵-۱۵

روزانہ تلاوت

پیر - ۵ جون - یوحنّا ۱۶: ۵-۱۵
منگل ۶ جون - یوحنّا ۱۴: ۱۵-۲۶
بدھ - ۷ جون - یوحنّا ۱۵: ۲۰-۲۷
جمعرات - ۸ جون - متی ۳: ۱-۱۲
جمعہ - ۹ جون - یوئیل ۲: ۲۱-۳۲
سینچر - ۱۰ جون - اعمال ۱: ۱-۹
اتوار - ۱۱ جون - اعمال ۲: ۱-۱۲

سنہلی آیت ۔ وُہی تمہیں سب باتیں سکھائیگا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائیگا۔ یوحنّا ۱۴: ۲۶-

اس سبق میں اور پچھلے سبق میں کیا ربط ہے۔

پچھلے سبق میں ہم نے دیکھا کہ زندہ مسیح نے اپنے شاگردوں کو فرمایا "جس طرح باپ نے مجھے بھیجا۔ اُسی طرح میں بھی تمہیں بھیجتا ہُوں"۔ لیکن اس عظیم کام کی انجام دہی کے لئے آلہی ہدایت۔ آلہی روشنی اور آلہی قدرت کی ضرورت تھی۔ آج کے سبق سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کون ہے جس کے وسیلے سے یہ ضروری روشنی اور قدرت اسکے بندوں کو ملتی ہے۔ یہ سبق ہمکو اس موقع کی طرف راجع کرتا ہے۔ جس پر ہمارے خداوند کی زبان سے وہ عجیب اور بیش قیمت باتیں نکلیں جو اُسکی آخری تقریریں کہلاتی ہیں۔ فسح کے دسترخوان پر مسیح اور اسکے شاگرد حاضر ہیں۔ مسیح اپنے شاگردوں کی غمگین صورتوں کو دیکھکر جان لیتا ہے کہ انہوں نے ابھی تک اس بات کو محسوس نہیں کیا کہ میرا جانا اُن کی بہتری کا باعث ہے۔ وہ غالباً یہ خیال کرتے تھے کہ شاید مسیح کیلئے اس دُنیا سے اُٹھ جانا مفید ہے۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کے پاس جاتا ہے۔ لیکن ہمارے لئے اِسمیں کسی طرح کی خوشی نہیں ہے خداوند اُن پر ظاہر فرماتا ہے کہ میرا جانا تمہارے لئے بہت مفید ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جب تک میں نہ جاؤں تب تک تسلّی دینے والا نہ آئیگا۔ اب میں تمہارے ساتھ تو ہُوں۔ مگر میری حضوری محدود ہے۔ مگر جب تسلّی دینے والا (یعنی رُوح حق) آئیگا تو میں اسکے وسیلے ہر جگہ اور ہر وقت تمہارے ساتھ موجود رہونگا۔ اس طرح تمام حدود اور قیود ٹُوٹ جائینگی۔ اور میری رُوحانی حضوری اور اختیار فضل کی برکتیں تمام بنی آدم کو ہر جا میسّر آئینگی۔

تشریح

۵۔ آیت۔ میں اپنے بھیجنے والے کے پاس جاتا ہوں اور تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا کہ تو کہاں جاتا ہے؛ جو کام میرے باپ نے مجھے کرنے کو دیا تھا۔ وہ میں اب کر چکا ہوں۔ سو اب اپنے بھیجنے والے کے پاس واپس جاتا ہوں۔ مسیح کا مرنا گویا واپس جانا تھا۔

تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا کہ تو کہاں جاتا ہے؟ اس جملہ میں ایک قسم کی ملامت نہاں ہے۔ گویا خداوند یہ کہتا ہے کہ تم صرف اس بات پر غور کرتے ہو کہ جب میں چلا جاؤنگا تو تم پر بہت دکھ اور تکلیف آئے گی۔ اور اس بات پر نہیں سوچتے کہ میرے جانے سے تمکو کتنا بڑا فائدہ پہنچیگا۔ اور اسکا سبب یہ ہے کہ تم اس دنیا کی فکر میں مستغرق ہو۔ آسمان کی نسبت جہاں میں جارہا ہوں کچھ دریافت نہیں کرتے۔

پطرس نے البتہ ایک مرتبہ یہ سوال کیا تھا (یوحنا ۱۳: ۳۶) مگر اس معنی میں نہیں۔

۶۔ آیت۔ بلکہ اس لئے کہ میں نے یہ باتیں تم سے کہیں تمہارا دل غم سے بھر گیا۔ بجائے اس کے کہ میری باتوں سے تمکو خوشی حاصل ہوتی تمہارا دل غم سے ایسا بھر گیا ہے۔ کہ اب اس میں نہ میرے جلال کے خیال کے لئے جگہ باقی رہی ہے اور نہ اس تسلی کے لئے جو تمہارے دلوں کو مضبوط کرسکتی ہے۔

۷۔ آیت۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے وغیرہ۔ زور "میں" پر ہے میں جو سب باتوں کا علم رکھتا ہوں اور جسے تمنے کسی بات میں قاصر نہیں پایا۔ اور جس نے تمکو کبھی گمراہ نہیں کیا۔ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ مقابلہ کرو کائفا کے کلام کے ساتھ (یوحنا ۱۱: ۵۰) کسی نے کیا ہی درست کہا ہے کہ اس امر میں انسان اور خدا متفق الرائے ہیں۔

اگر میں نہ جاؤں تو وہ وکیل تمہارے پاس نہ آئیگا۔ وکیل سے مراد روح حق ہے۔ اس جگہ فارقلیط کا ترجمہ "وکیل" بمقابلہ "تسلی دینے والا" کے زیادہ موزون ہے۔ کیونکہ جو کام (یعنی قصوروار ٹھہرانے کا کام) آیات مابعد میں اسکی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ وکیل کے کام سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ اگرچہ مسیح کی صحبت اور حضوری انکے لئے بڑی خوشی کا باعث تھی۔ مگر وہ روحانی صحبت جو روح کے وسیلے حاصل ہونے والی تھی وہ اور بھی زیادہ بہتر تھی۔ مگر روح کے نزول کے لئے مسیح کا صعود ضروری شرط تھا۔ خدا کی روح نازل ہونے سے پہلے یہ لازمی امر تھا کہ مسیح کی انسانیت آسمان پر جلال کو پہنچے۔

۸۔ آیت۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائیگا۔ یعنی وہ (روح پاک) دنیا کو قصوروار ٹھہرانے میں ایسا لاجواب ثبوت بہم پہنچائیگا۔ کہ جو شخص اسکے مکاشفہ کو رد کریگا۔ اور مطیع نہ ہوگا وہ آپ اپنے اوپر فتوی لائیگا۔

۹۔ آیت۔ گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ بے ایمانی یعنی مسیح کو رد کرنے کا گناہ مراد ہے۔

۱۰۔ آیت۔ راستبازی کے بارہ میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھوگے۔

میں نے کامل اور بے نقص راستبازی کا نمونہ دیدیا ہے۔ روح پاک اس کامل نمونے کے وسیلے لوگوں کو یہ دکھا کر اُن کی راستبازی کیسے الٰہی انداز سے کم اور قاصر ہے انکو قصوروار ٹھہرائیگی۔ یا شاید یہ مطلب ہو کہ میں تو اب باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ مگر حق کی روح آکر لوگوں کو دکھائیگی کہ میں کیسا کامل راستبازی رکھنے والا شخص ہوں اور جنہوں نے مجھے قتل کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے وہ راستی پر نہیں۔

۱۱۔ آیت۔ عدالت کے بارہ میں اس لئے کہ اس دُنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ دُنیا جس طرح گناہ اور راستبازی کی نسبت غلط خیال رکھتی ہے اُسی طرح عدالت کی نسبت بھی غلط خیال رکھتی ہے۔ مگر رُوح پاک نازل ہونیکے بعد دکھائیگی کہ دُنیا اس معاملہ میں بھی غلطی پر ہے۔ دُنیا شاید یہ فیصلہ کرتی تھی۔ کہ دُنیا کے سردار نے (مُراد شیطان سے یوحنا ۱۲: ۳۱ و ۱۴: ۳۰) گنتسنی اور صلیب پر خدا کے بیٹے پر فتح پائی۔ لیکن مسیح کی قیامت اور صعود نے ظاہر کر دیا کہ جو مسیح کی شکست تھی۔ وُہی اسکی فتح تھی۔ رُوح پاک نے اپنی قدرت سے مسیح کی بادشاہت کو قایم کرکے ثابت کر دیا کہ شیطان جو آگے جابجا راج کر رہا تھا مجرم ٹھہرایا گیا۔ غور کیجئے۔ کہ مسیح یہاں ایک آنیوالے واقعہ کا ذکر کرتا ہے جسے روح القدس انجام دینے کو تھا۔ مگر وہ ایسا یقینی واقعہ تھا کہ خداوند اسکا ذکر کرتے وقت یہ نہیں کہتا کہ رُوح القدس اُسے مجرم ٹھہرائیگا۔ بلکہ کہتا ہے کہ مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔

۱۲۔ مجھے تم سے اور بھی باتیں کہنی ہیں۔ مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے۔ تم میرے دوست ہو سو میں تم سے کوئی بات چھپانی نہیں چاہتا۔ مگر چونکہ تم اُن کو ابھی سمجھ نہیں سکتے۔ لہذا وہ باتیں اسوقت بتائی جائینگی جب تم میں سمجھنے کی لیاقت پیدا ہو جائیگی۔ اور وہ لیاقت پینتیکوست تمکو بخشیگا۔ وہ باتیں پولوس اور پطرس اور یوحنا نے رُوح کے نزول کے بعد بتائیں۔ اِن الفاظ کے وسیلے خداوند رُوح پاک کے دوسرے کام کی طرف اپنے شاگردوں کو متوجہ کرتا ہے۔

۱۳۔ آیت۔ لیکن جب وہ یعنی حق کی رُوح آئیگی تو تمکو تمام حق کی راہ دکھائیگی۔ یہ رُوح حق کی رُوح ہے۔ اور مسیح راہ اور حق ہے۔ پس یہ حق کی رُوح اُس راہ کی طرف رہنمائی کریگی۔ شاید اس سے وہ الہام مُراد نہیں جو رسولوں کے ساتھ خاص تھا۔ بلکہ وہ باطنی روشنی جو ہر مسیحی کو نصیب ہوتی ہے جس سے وہ کلام اور مسیحی تعلیمات اور دیگر معاملات کی صداقت کو پہچانتا ہے۔

اپنی طرف سے نہ کہیگی لیکن جو کچھ سُنیگی وہی کہیگی۔ "کہیگی" اور "سُنیگی" وغیرہ الفاظ محض انسانی محاورے کے مطابق استعمال کئے گئے ہیں۔ ورنہ مطلب اصلی یہ ہے کہ رُوح پاک کی ہدایت اور تعلیم ایسی ہوگی جیسی اس شخص کی جو باپ اور بیٹے کے ساتھ کمال درجہ کی یگانگت رکھتا ہے

تمہیں آیندہ کی خبر دیگی۔ غالباً مُراد اس سے وہ نبوی مکاشفے ہیں جو کلیسیا کی آیندہ حالت کے متعلق رُوح پاک کے وسیلے عطا ہوئے۔ اور جنکو پولوس۔ پطرس اور یوحنا وغیرہ رسولوں نے قلمبند کیا مثلاً یروشلم کا برباد ہونا موسوی طریق کا اُٹھ جانا۔ غیر قوموں کی بُلاہٹ وغیرہ۔

۱۴-آیت- وہ میرا جلال ظاہر کریگی وغیرہ- لفظ "میرا" پر زور ہے- رُوح کا کام فقط یہی ہے کہ بیٹے کا جلال ظاہر کرے- جس طرح بیٹے نے باپ کو ظاہر کر کے اُسے جلال بخشا- اُسی طرح رُوح پاک بیٹے کو ظاہر کر کے اُسے جلال بخشتی ہے-

مفید اشارے

رُوح القدس کی نسبت ہم کیا سیکھتے ہیں؟

۱- جو کچھ رُوح پاک کی نسبت کہا گیا ہے (اس باب میں اور ۱۴ باب میں) اُس سے صاف ظاہر ہے کہ رُوح القدس کسی طاقت یا اثر کا نام نہیں ہے- بلکہ ایک شخص کا نام ہے- جس طرح باپ اور بیٹا شخص ہیں اُسی طرح رُوح القدس بھی ایک شخص ہے-

۲- رُوح کے کام یہ ہیں:- (۱) تسلّی دینا- اِن لوگوں کو تسلّی کی بڑی ضرورت تھی- کیونکہ اُنکا دوست اُن سے اِس وقت جُدا ہونے والا تھا جب تک وہ اُن کے ساتھ تھا وہ اُنکی مدد کیا کرتا تھا- اب اپنی جگہ ایک اَور تسلّی دینے والے کا وعدہ کرتا ہے- (یوحنا ۱۴: ۱۶)- (۲) قوّت دینا- باپ کا وعدہ اسی "عالمِ بالا کی قوّت" کا تھا- اور خداوند نے اپنے شاگردوں کے لئے اُنکے کام کے متعلق اسکی ایسی ضرورت محسوس کی کہ اُسنے اُنکو کہا کہ جب تک یہ وعدہ تمہارے حق میں پُورا نہ ہو تب تک یروشلم کو نہ چھوڑو- کیونکہ میرے گواہ بننے کیلئے اِس قوّت کی اشد ضرورت ہے- خداوند کا شکر ہو کہ خداوند کی کلیسیا آجکل اِس ضرورت کو خوب محسوس کر رہی ہے- ہم جس قدر اِس قدرت- اِس قوّت سے ملبّس ہوں اُسی قدر ہم مسیح کی خدمت بجا لائینگے- (۳) قصوروار ٹھہرانا- اسکا نام وکیل بھی ہے- جیسا کہ آج کے سبق سے ظاہر ہوتا ہے- پس وہ دُنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گی- اعمال کی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے- کہ اس وعدہ کا کیا مطلب ہے- جب شاگردوں نے اپنی منادی کے وسیلے یہ دکھانا شروع کیا کہ یسوع کو رد کرنا کیسا گناہ ہے اور کہ اسمیں راستباز ٹھہرانے اور پاک کرنے کی کیسی قدرت پائی جاتی ہے- اور کہ آخرکار وُہی لوگوں کا انصاف کرے گا- اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں انہیں اس دن بچائیگا تو لوگوں کے دل چھِد گئے- اور یُوں رُوح پاک نے گنہگاروں کو اُنکا گناہ اور راستبازی کی ضرورت دکھائی- اور خدائی عدالت کا خوف اُنکے دل میں پیدا ہُوا- (۴) حق کی راہ میں لے چلنا- یہ وعدہ مسیح کے شاگردوں کے لئے ہے- رُوح پاک صداقت کی راہ میں رہنمائی کریگی خصوصاً اُس سچائی میں جو مسیح نے ظاہر کی- اور جسکا سرچشمہ وُہی ہے- دوسرے لفظوں میں یُوں کہیں کہ جو صداقتیں مسیح نے اپنی ذات اور کام اور تعلیم کے وسیلے ظاہر فرمائیں رُوح پاک اُنہیں صداقتوں کے قبول کرنے کی توفیق شاگردوں کو عطا فرمائیگی- اور یُوں (۵) مسیح کا جلال ظاہر کرے گی-

۳- آخر میں ہم یاد رکھیں کہ سب باتیں یا برکتیں ہمارے لئے ہیں- جس طرح سترھویں باب کی دُعا کلیسیا کی ہر حالت اور ہر زمانے کے لئے ہے- اُسی طرح یہ وعدہ ہم سب کے لئے ہے- (۱) ہم کو اپنی تکلیفوں اور مفارقتوں اور رنجوں میں تسلّی کی ضرورت ہوتی ہے- (۲) اسی طرح ہمکو آسمانی قوّت کی ضرورت ہے- تاکہ ہم پاک زندگیاں بسر کریں اور اپنے تئیں مسیح کی خدمت کیلئے دقف کر سکیں- یاد رہے کہ یہ کام ہم اپنی طاقت سے نہیں کر سکتے- رُوح پاک کی طاقت سے کر

سکتے ہیں۔ (۳) اِنکی طرح ہمکو اس بات کی بھی ضرورت ہے۔ کہ ہم گناہ سے قایل کئے جائیں۔ اعلیٰ راستبازی کی پہچان ہمکو نصیب ہو۔ اور ہم عدالت کا نقشہ بھی بالکل بھول نہ جائیں۔ پر رُوح پاک ہی ہمکو یہ طاقت دے سکتی ہے۔ کہ ہم اپنے گناہوں کو محسوس کریں۔ مسیح کی راستبازی کے لباس سے ملبّس ہوں اور جب عدل الٰہی کی نسبت سوچیں تو ہمارے دل مسیح میں تسلی اور دلیری سے بھر جائیں۔ (۴) اسی طرح ہمیں اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہمیں تمام حق کی راہ دکھائی جائے۔ تاکہ ہماری زندگیوں سے مسیح کا جلال ظاہر ہو۔ یہ کام بھی رُوح پاک ہی کر سکتی ہے۔ اب ہم کیا کریں؟ ہم کلام کو قبول کریں (اعمال ۲: ۴۱) ہم مسیح کو قبول کریں۔ (یوحنا ۱: ۱۲) ہم رُوح پاک لیں (یوحنا ۲۰: ۲۲)

آسمانی گھر

سنڈے سکول کا سبق ــــــ ۱۸ جون ۱۹۰۵ء

مکاشفات ۲۲: ۱-۱۱

روزانہ تلاوت

پیر۔ ۱۲ جون۔ مکاشفات ۲۲: ۱-۱۱ ــــــ جمعرات۔ ۱۵ جون۔ مکاشفات ۲۱: ۱۹-۲۸

منگل۔ ۱۳ جون " ۲۱: ۱-۱۱ ــــــ جمعہ۔ ۱۶ جون " ۷: ۹-۱۷

بُدھ۔ ۱۴ جون " ۲۱: ۱۲-۱۸ ــــــ سینچر۔ ۱۷ جون یوحنا ۱۴: ۱-۱۱

اتوار۔ ۱۸ جون ۲ پطرس ۳: ۸-۱۸

سنہلی آیت۔ جو غالب آئے میں اُسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھاؤنگا جس طرح میں غالب آکر اپنے باپ کے ساتھ اُسکے تخت پر بیٹھ گیا۔ مکاشفات ۳: ۲۱۔

رابطہ اِس سبق میں اور پچھلے سبق میں۔

ہمارے خداوند نے مصلوب ہونے سے پہلے اپنے مغموم شاگردوں کو فرمایا تھا۔ کہ مَیں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں۔ جب وہ مُردوں میں سے زندہ ہُوا تو وہ آسمان پر اپنے باپ کے پاس گیا۔ آج کا سبق پردہ اُٹھا کر ہمیں دکھاتا ہے کہ جو خداوند مسیح پر ایمان لاتے اور اُسکی رُوح کی ہدایت سے چلتے ہیں اُنکے لئے کیسا آسمانی گھر تیار کیا گیا ہے۔ اور وہ کیسے جلال میں انجام کار پہنچیں گے۔ یہ سبق مکاشفات کی کتاب میں پایا جاتا ہے۔ جو یوحنا رسول کی سب کتابوں سے پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اغلب ہے کہ وہ سن ۹۸ یا ۹۶ عیسوی میں لکھی گئی۔ اس کتاب کا سمجھنا یا اسکی شرح کرنا ایک پیچیدہ کام ہے۔ تاہم آج کا سبق بہت آسان ہے۔ اسمیں مقدس یوحنا آسمانی یروشلم کی علامتی تصویر ہمارے

سامنے لاتا ہے۔ آؤ ہم اِس پر غور کریں۔

تشریح

۱۔آیت۔ پھر اُسنے مجھے بلور کی طرح چمکتا ہوا آبِ حیات کا ایک دریا دکھایا۔ وغیرہ۔ جو کچھ مجھے نئی یروشلم کی بابت پہلے دکھا چکا تھا۔ (جسکا ذکر ۲۱ باب میں ہے) اسکے علاوہ یہ چیزیں دکھائیں۔ (جسکا ذکر اِس سبق میں آتا ہے)۔
"آبحیات کا دریا" اور "زندگی کا پانی" اور "زندہ پانی" وغیرہ الفاظ یوحنا کے ساتھ خاص ہیں۔ اِس وقت غالباً مقدس یوحنا کے دل میں حزقیئیل کی وہ رؤیا پھر رہی تھی جو اسکی نبوت کے ۴۷ باب میں قلمبند ہے۔ میں نے وہ دریا دیکھا جو ہیکل میں سے نکل رہا تھا۔ "دریا" سلامتی اور خوشی اور کثرت کی علامت ہے پس یہ دریا جو خدا کے تخت سے نکلا آسمانی یروشلم کی سڑک کے بیچ میں بہتا ہے اُس آسمانی سلامتی اور خوشی اور برکتوں کی کثرت پر دلالت کرتا ہے جسکا چشمہ خدا ہے۔

۲۔آیت۔ اور دریا کے وار پار زندگی کے درخت تھے۔ اُنمیں بارہ قسم کے پھل آتے تھے اور اُن درختوں کے پتوں سے قوموں کو شفا ہوتی تھی۔ یہ درخت جو بکثرت ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور جنکے پھل کی بہتات اندازہ و وہم سے باہر ہے اس فضل کی کثرت پر اشارہ کرتے ہیں جو نجات یافتہ لوگوں کے حصہ میں آئیگا جسکی انتہا کبھی نہ ہوگی۔ ہاں! خداوند کے برگزیدہ لوگوں کی زندگی اور خوشی اور سلامتی کا کبھی خاتمہ نہ ہوگا۔

۳۔آیت۔ اور پھر لعنت نہ ہوگی وغیرہ۔ کیونکہ وہاں گناہ نہ ہوگا۔ اِسی واسطے خدا اسکے بیچ رہیگا۔ راج کریگا۔ اور اسکے بندے اسکی تعریف اور ثنا میں لگے رہیں گے۔

۴۔آیت۔ اور وہ اُسکا منہ دیکھیں گے اور اُسکا نام اُن کے ماتھوں پر لکھا ہوگا۔ یہ دوسرا نتیجہ گناہ کی غیر حاضری کا ہے۔

۵۔آیت۔ اور پھر رات نہ ہوگی۔ اور وہ چراغ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہ ہونگے۔ کیونکہ خدا اُنکو روشن کریگا۔ اور وہ ابد الآباد بادشاہی کرینگے۔ مقابلہ کرو مکاشفات ۲۱: ۲۳ کے ساتھ جہاں رسول بتاتا ہے کہ اُس شہر میں سورج یا چاند کی روشنی کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ خدا کے جلال نے اُسے روشن کر رکھا ہے۔ ابد الآباد بادشاہی کرینگے۔ یعنی خداوند کے برگزیدے اسکی بادشاہی میں شریک ہیں

۶۔آیت۔ پھر اُس نے مجھ سے کہا۔ کس نے؟ شاید اُسی فرشتے نے جس کا ذکر ۲۱: ۹ میں آتا ہے۔
یہ باتیں سچ اور برحق ہیں۔ یہ باتیں جو اس رویا میں درج ہیں۔

۷۔آیت۔ دیکھ میں جلد آنیوالا ہوں۔ فرشتہ نجات دینے والے کی جگہ بولتا ہے۔ اور چونکہ یوحنا اُسے خدا سمجھتا ہے اس لئے اُس غلطی میں پڑ جاتا ہے جسکا ذکر آیت مابعد میں ہے۔ یہ جملہ مسیح کی دوسری آمد کی خبر دیتا ہے۔ اسکے نزدیک جو ابدیت کا باپ ہے۔ وقت کی لنبائی کچھ چیز نہیں۔ ہمارے ہزار سال اُسکے نزدیک ایک دن کے برابر ہیں جو اِس کتاب کی نبوت کی باتوں پر عمل کرتا ہے مبارک ہے۔ اس فقرے سے ایک طرف کتاب کا الہامی ہونا ظاہر ہوتا ہے اور دوسری جانب اُن لوگوں کی مبارک حالی عیاں ہوتی ہے جو اسکی صداقتوں کو قبول کرتے اور عمل میں لاتے ہیں۔

٨۔ آیت میں اُسکے پاؤں پر سجدہ کرنیکو گر گیا۔ جیسا کہ اُن سے ایک مرتبہ آگے کیا تھا۔ دیکھو ۱۹ : ۱۰) یوحنا اُن مکاشفات کے سبب جو اُس پر ظاہر کئے گئے ایسا خوف اور دہشت سے بھر گیا۔ کہ اِس فرشتے کو خداوند سمجھا اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ مگر اسکی غلطی کی اصلاح کی گئی۔ ایسے ایسے مقامات ہمارے خداوند کی اُلوہیت کے ثبوت میں فیصلہ کُن ہیں جس اظہارِ عبودیت کے قبول کرنے میں فرشتے کانپ اُٹھتے ہیں مسیح انہیں بے ہچکچائے قبول کرتا ہے۔

٩۔ آیت۔ میں بھی تیرا اور تیرے بھائی نبیوں وغیرہ۔ وہ سب جو مسیح پر گواہی دیتے ہیں ہم خدمت ہیں۔ فرشتہ ان باتوں کے اظہار میں۔ اور مقدس یوحنا اِن کے قبول کرنے اور دوسروں تک پہنچانے میں ایک ہی مالک کی خدمت کرتے ہیں۔ ایک ہی سچائی کو ظاہر کرتے ہیں۔

١٠۔ آیت۔ اس کتاب کی نبوت کی باتوں کو پوشیدہ نہ رکھ وغیرہ۔ یہ باتیں جنکا کشف مجھکو نصیب ہُوا اِس طرح چھپائی نہ جائیں جس طرح وہ چیز چھپی رہتی ہے جس پر مُہر لگی ہُوئی ہوتی ہے۔ یونانی میں ہے "اِن باتوں پر مُہر نہ کر" کیونکہ وقت نزدیک ہے"۔ یہ مکاشفے جو مجھ پر ظاہر کئے گئے ہیں اِنکا تعلق دور دراز وقتوں کے ساتھ نہیں ہے۔

١١۔ آیت۔ جو بُرائی کرتا ہے بُرائی ہی کرتا جائے وغیرہ۔ خدا بے دینوں پر اس سے بڑھکر اور کوئی سزا نازل نہیں کرتا کہ اُنکو اُنکی حالت میں چھوڑ دے تاکہ وہ اس میں پھنسے رہیں۔ اور اُسی میں ترقی کرتے جائیں۔

مفید اشارے

١۔ اس سبق کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس فردوس کو ہم کھو بیٹھے ہیں اسکا دروازہ خداوند مسیح نے ہمارے لئے پھر کھول دیا ہے۔ آدم کے گرنے سے پہلے باغِ عدن کی بھی کچھ کچھ ایسی ہی حالت تھی جیسی نئے یروشلم کی۔ زندگی کا درخت اسکے بیچ موجود تھا۔ چار دریا اس میں بہتے اور اُسے سیراب کرتے تھے۔ اور ہر قسم کے درختوں کو پھلوں سے مالا مال رکھتے تھے۔ خدا کی حضوری اُسے اپنے جلال سے روشن کرتی تھی۔ اور آدم خدا کے چہرے کی روشنی میں چلتا تھا۔ لیکن گناہ کے سبب سے یہ دلکش حالت جاتی رہی۔ مگر اب مسیح میں وُہی حالت ہمکو پھر میسر ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑی برکتیں ملتی ہیں۔ نیا فردوس پُرانے فردوس سے بہتر ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کا درخت اس نئے فردوس میں کثرت سے پھیل رہا ہے۔ دریا کی دونوں جانب اسکی پھلدار ٹہنیاں اپنا سایہ ڈال رہی ہیں۔ اُسکا پھل ہر ماہ پیدا ہوتا ہے۔ اور تمام قومیں اسکا لطف اُٹھاتی اور اُس سے سیر و آسودہ ہوتی ہیں۔ غرضیکہ جو لعنت گناہ کے سبب سے بنی آدم پر حادث ہُوئی اور اس دُنیا میں اُنکے پیچھے لگی ہُوئی ہے اِس نئے فردوس میں ان پر بالکل اُٹھ جاتی ہے۔

٢۔ اِس نئے یروشلم میں ہم کس کو پائینگے؟ (١) ہم اسمیں خدا اور برّے کا تخت پائینگے۔ یسوع یہاں کا بادشاہ ہے۔ وہ تمام اشیاء اور واقعات پر حکومت کرتا ہے۔ وُہی تمام دلوں پر مسلّط ہے۔ اور ہماری سُنہلی آیت اپنے عجیب وعدے کے وسیلے ہم پر ظاہر کرتی ہے کہ ہم جو اسکے بندے ہیں اسکے تخت کے حصہ دار ہیں۔ (٢) وہ لوگ وہاں ہونگے جو اسکی خدمت کرینگے۔ یاد رہے کہ جو بات ہمکو آسمان یا نئے یروشلم میں مصروف رکھیگی وہ خدمت ہے۔ علاوہ بریں ہم اسکا جلالی چہرہ دیکھیں گے۔ اسکا مبارک نام ہمارے ماتھوں پر لکھا ہُوا ہوگا۔ مسیح کے بندے مسیح کی مانند ہونگے۔

(۲ کرنتھیوں ۳: ۷) جس طرح موسیٰ کا چہرہ کوہ سینا پر جبکہ خدا کے ساتھ اُس نے ملاقات کی چمک اُٹھا۔ اُسی طرح مسیح کے لوگوں کے چہرے مسیح کے جلال سے چمکیں گے۔ یہ جلال کبھی مدھم نہ ہوگا۔

۳۔ نئے یروسلم کی خصوصیتیں۔ (۱) وہاں رات نہ ہوگی۔ لہذا چراغوں کی یا چاند اور سورج کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ خدا کی ظاہری ظہوری کا ابدی جلال اس شہر کو منور کرتا ہے۔ اُسکے نور کے سامنے باقی تمام روشنیاں ماند ہیں۔ اُسکے نور کے سامنے تمام بھید کھل جائینگے۔ ہر طرح کی بے علمی دُور ہو جائیگی۔ "زندگی کا نور" ہمارا حصہ ہوگا۔ غم اور موت کی تاریکی بھی جاتی رہیگی۔ (۲) یہ زندگی اور مبارک حالی دایمی ہے۔ یہاں سب چیزیں بدلتی رہتی ہیں۔ زندگی پیدا ہوتی۔ بڑھتی اور کملا جاتی ہے۔ یہاں ہماری سیرت میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ پر اس جلالی مکان میں سیرت بھی ویسی ہی بے زوال اور بے تبدیل ہو جائیگی جس طرح یہ جلالی گھر بے زوال اور بے تبدیل ہے۔

۴۔ ہم اس جلالی گھر کے لئے کس طرح تیار ہوں۔ (۱) پہلی بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے سو یہ ہے کہ اس گھر کے جلال اور خوشی میں داخل ہونیکا موقع ابھی ہے۔ اسی باب کی ۱۴ آیت میں لکھا ہے "مبارک وہ ہیں جو اپنے جامہ اس لئے دھوتے ہیں کہ زندگی کے درخت کے پاس آنیکا اختیار پائیں"۔ اور مکاشفات ۷: ۱۴ میں لکھا ہے کہ نجات یافتہ لوگوں نے "اپنے جامے برّے کے خون سے دھوکر سفید کئے ہیں"۔ برّہ جو گناہ کا اُٹھانیوالا ہے آسمان کے جلال کا مرکز ہے۔ تخت اُسی کا ہے اور اسی کے خون کے وسیلے گنہگاروں کو اس جلالی شہر میں دخل ملتا ہے۔ دیکھو اسکا خون کیسا بیش قیمت ہے۔ (۱ پطرس ۱: ۱۹) جن پر یہ خون لگا ہوا ہے اُن کے لئے آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور کھلے رہیں گے۔ (۲) یہ ضروری امر ہے کہ ہم آب حیات جو اب ہمکو دیا جاتا ہے (دیکھو آیت ۱۷) پئیں۔ اگر ہم اب اس زندگی کے پانی سے پئیں اور جئیں تو ہم میں وہ زندگی اور وہ آسودگی شروع ہو جائیگی جو آسمانی خوشی کی جان ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ آسمان میں داخل ہونے سے پہلے لازم ہے کہ آسمان ہمارے دلوں میں پیدا ہو۔ (۳) ہمیں غالب آنا چاہئے۔ (دیکھو پہلی آیت) اس کتاب میں مسیحی زندگی غالب آنیوالی زندگی ظاہر کی گئی ہے۔ دیکھو دوسرا اور تیسرا باب اور پھر ۱۲: ۱۱ اور ۲۱: ۷۔ اس دُنیا میں ہمیں اپنی بُری طبیعت اور شیطان اور دُنیا سے لڑنا ہے۔ سو ہمیں "اچھی لڑائی" لڑنا چاہئے۔ پر ہم یاد رکھیں کہ مسیح ہی ہمکو اس لڑائی میں فتح پانے کی قدرت عطا کر سکتا ہے۔ وُہی ہمکو "فتح سے بھی بڑھکر غلبہ" بخشتا ہے۔ (رومی ۸: ۳۷) اسکی اپنی زندگی جنگ کی زندگی تھی۔ وہ غالب آیا۔ اور اسکا شکر ہو کہ اسکا یہ وعدہ ہمارے لئے باقی ہے کہ جس طرح وہ غالب آیا اور تخت پر بیٹھا۔ اُسی طرح وہ بھی جو اسکے ہیں غالب آئینگے اور اُسکے جلال میں شامل ہونگے۔

نظر ثانی

گذشتہ سہ ماہ کے سبقوں کی

سنڈے سکول کا سبق ——— ۲۵جون ۱۹۰۵ء

روزانہ تلاوت

پیر۔ ۱۹جون۔ یوحنا ۱۰: ۱-۱۸ ——— جمعرات ۲۲جون۔ یوحنا ۱۵: ۱-۱۲

منگل۔ ۲۰جون ،، ۱۱: ۳۲-۴۵ ——— جمعہ۔ ۲۳جون ،، ۱۷: ۱۵-۲۶

بدھ۔ ۲۱جون ،، ۱۲: ۱۲-۲۶ ——— سنیچر۔ ۲۴جون ،، ۱۹: ۱۷-۳۰

اتوار۔ ۲۵جون۔ یوحنا ۲۰: ۱۱-۲۳

سنہلی آیت۔ لیکن یہ اِس لئے لکھے گئے۔ کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے۔ اور ایمان لا کر اُسکے نام سے زندگی پاؤ۔ یوحنا ۲۰: ۳۱۔

نام ماہ	سبق کا مضمون	جگہ	سنہلی آیت	سبق کا خلاصہ مطلب
۲؍اپریل	یسوع اچھا گڈریا	یروشلم بموقعہ عید تجدید	یوحنا ۱۰: ۱۱	مسیح اچھا گڈریا ہے۔ وہ بھیڑوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ جو اُسکے پیچھے جاتی ہیں وہ سیر ہوتی اور محفوظ رہتی ہیں۔
۹؍اپریل	لعازر کو زندہ کرنا	بیت عنیا	یوحنا ۱۱: ۲۵	وہ جو مسیح پر ایمان لاتے ہیں کبھی نہ مرینگے۔
۱۶؍اپریل	بیت عنیا میں ضیافت	بیت عنیا۔ غالباً شمعون کوڑھی کا گھر	مرقس ۱۴: ۸	محبت سب سے اچھی چیز تصدق کرنیکو تیار ہوتی ہے۔ مریم نے جو کچھ وہ کر سکتی تھی کیا۔ کیا یہی بات ہمپر صادق آتی ہے؟
۲۳؍اپریل	یسوع کا شاہانہ طور پر یروشلم میں داخل ہونا	یروشلم	متی ۲۱: ۹	یسوع سلامتی کا شہزادہ ہے۔
۳۰؍اپریل	یسوع شاگردوں کے پاؤں دھوتا ہے۔	بالاخانہ	گلاتی ۵: ۱۳	نوکر اپنے آقا سے بڑا نہیں۔ ضرور ہے کہ ہم بڑی خاکساری اور فروتنی کے ساتھ اوروں کی خدمت کریں
۷؍مئی	انگور کا درخت اور اس کی ٹہنیاں	گتسمنی کو جاتے ہوئے	یوحنا ۱۵: ۸	خداوند مسیح باپ کے جلال کے لئے مجھ سے پھل۔ "بہت سا" پھل طلب کرتا ہے
۱۴؍مئی	شاگردوں کے لئے یسوع کی دُعا۔	ایضاً ایضاً	یوحنا ۱۷: ۹	مسیح میرے لئے دُعا کرتا ہے کہ میں بُرائی سے محفوظ رہوں اور محبت اور خوشی سے بھر جاؤں اور اسکے جلال میں شامل ہوؤں۔
۲۱مئی۔	یسوع پلاطوس کے آگے	یروشلم۔ رومی حاکم کا محل۔	یوحنا ۱۸: ۳۷	پلاطوس اپنی ضمیر کے برخلاف انصاف کا خون کرتا ہے اور بادشاہوں کے بادشاہ کو موت کے حوالے کرتا ہے۔ اور یہ اسلئے کہ خود لوگوں سے ڈرتا ہے۔
۲۸مئی	یسوع کا مصلوب ہونا	شہر یروشلم کے باہر	اقرنتی ۱۲: ۲	"پُورا ہُوا"

نام ماہ	سبق کا مضمون	جگہ	سنہلی آیت	سبق کا خلاصہ مطلب
۴ جون	مسیح کا جی اُٹھنا	پہلے مسیح کی قبر۔ پھر غالباً بالاخانہ	اقرنتی ۱۵ : ۲۰	مسیح جلال میں زندہ اور راج کرتا ہے اور اسکا وعدہ ہے چونکہ میں زندہ ہوں اس لئے تم بھی زندہ رہوگے
۱۱ جون	تسلی دینے والے کا وعدہ	گتسمنی کی راہ پر۔	یوحنا ۱۴ : ۲۶	رُوح القدس ہمارا دوست اور رہنما اور اُستاد ہے اور وہی مسیح کو دُنیا پر ظاہر کرنیوالا ہے۔
۱۸ جون	آسمانی گھر		مکاشفات ۲۱ : ۲	آسمان میں داخل ہونا گویا اپنے گھر میں داخل ہونا ہے آسمان کی سب خوشیوں سے بڑی خوشی مسیح کی حضوری ہے۔
۲۵ جون	نظر ثانی		یوحنا ۲۰ : ۲۱	

مفید اشارے ۔ ۱۔ اُستادوں کو چاہئے کہ اس جدول کو بلیک بورڈ پر طلبا کی مدد سے اور انکے سامنے تیار کریں۔ ہر سبق کا مضمون جگہ اور سنہلی آیت وغیرہ انہیں سے دریافت کریں۔ لیکن اس کام کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ اُستاد سکول میں جانے سے پیشتر اِن سبقوں کو پہلے خود اپنے گھر میں تیار کرے۔

۲۔ بعض بعض مضامین کے متعلق زیادہ لیاقت والے طلبا کو گہری صداقتوں کی طرف مایل کرنا چاہیے ۔ مثلاً پانچویں اور چھٹے اور ساتویں اور گیارھویں سبق کے متعلق یہ بات انکے دلوں پر نقش کرنی چاہیے کہ ان مقاموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند مسیح گویا محبت مجسم ہے ۔ اسی طرح تمام سبقوں کے گہرے معانی نقشوں یا چیزوں کے استعمال کے وسیلے سے ظاہر کرنے چاہئیں۔

۳۔ شرکائے سکول کو تکان سے بچانے کے لئے کوئی موزون زبور یا کوئی اور مقامات کلام کے پڑھنے چاہئیں۔ اور اسی طرح دو تین گیت بھی بیچ بیچ میں گانے چاہئیں۔ (پادری) طالب الدین (صاحب بی اے)

اخبار "نور افشاں" لودیانہ

یہ اخبار ہفتہ وار شایع ہوتا ہے ۔ اسکا حجم رایل کوارٹو ۲۰ صفحہ ہفتہ وار ہے ۔ اسمیں سے ۱۲ فارسی اُردو کے اور ۸ انگریزی کے ہوتے ہیں ۔ اس اخبار میں دینی اور دنیاوی خبریں شایع کی جاتی ہیں شروع ہی سے یعنی ۱۸۷۲ء سے آجتک یہ اخبار دین عیسوی کے سارے مخالفوں کے بہتان سے محافظ اور مسیحی سچائی کی بشارت دینے میں حامی رہا ہے ۔ اسوقت کا انتظام ایسا ہے کہ ہم کسی شخص کے دینی خیالات کی نسبت سخت کلامی نہ کرینگے ۔ لیکن نرمی سے اور محبت کی راہ سے سچائی کو پڑھنے والوں کے سامنے پیش کرینگے ۔

شرح قیمت سالانہ پیشگی معہ محصولڈاک حسب ذیل ہے ۔ اُردو کا حصہ ؏ ۔ انگریزی اگر الگ بھیجا جائے ؏ ۔ اردو اور انگریزی دونوں ؏ ۔ مسیحی حصہ اوّل و دوم کے خریداروں کو اُردو کا حصہ نور افشاں بجائے ؏ سالانہ صرف ؏ پر دیا جائیگا ۔ خط و کتابت بنام پادری ای ایم ویری صاحب ڈی ڈی ۔ بمقام لودیانہ ہونی چاہیئے ۔

ایڈیٹر مسٹر ایم ایل ریلیارام ایم اے ایل ایل بی وکیل

ماہواری **مسیحی** امرتسر

مسیحی

حصۂ اوّل ۔ سلسلۂ جدید

کا

پراسپکٹس

یہ رسالہ ۱۸۹۶ء سے جاری ہے ۔ اسکا سلسلۂ جدید جاری کرنے سے پیشتر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ اسکی آئندہ پالیسی میں سرِ مُو فرق نہیں آئیگا ۔ ہاں البتّہ جن امور کو ہمارے معزز ناظرین اور کلیسیا کے بزرگ قابل اعتراض قرار دیتے ہیں انکو آئندہ اِس رسالہ میں سے خارج کیا جائیگا ۔ اگر ہم گذشتہ ۹ سال کے تجربہ سے کوئی مفید سبق حاصل نہیں کر سکتے تو ہم ہرگز ترقّی نہیں کر سکیں گے ۔ اسلئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اسکو ہر طرح سے ہندوستانی مسیحی کلیسیا کی رائے اور خیالات کے اظہار کا آئینہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی علاوہ بریں اِس سلسلۂ جدید میں بعض نئے اور دلچسپ مضامین کو داخل کیا جائیگا ۔ مثلاً

ابتدائی کلیسیا کے بزرگوں کے حالات اور انکی تعلیم کا لب لُباب پیش کیا جائیگا ۔ زمانۂ حال کے مستند عالموں کے خیالات ہدیۂ ناظرین ہونگے ۔ روحانی زندگی اور تجربہ کے متعلّق تصانیف کے ترجمے شایع کئے جائینگے ۔ عام شائقین کے مذاق کی خاطر ایک دلچسپ مسیحی ناول سلسلہ وار درج کیا جائیگا ۔

غرض اِس نئے رسالہ کو ہر پہلو ایک معزز مسیحی رسالہ بنانیکی سعی کی جائیگی ۔ اور اسکو مفید اور دلچسپ بنانے میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائیگا ۔ اس رسالہ کا حجم رفتہ رفتہ کچھ بڑھا دیا جائیگا ۔ فی الحال اس کی ضخامت معہ سرورق ۳۲ صفحہ ہوگی جسب توفیق خریداران قیمت کے تین درجے قایم کئے گئے اور قیمت میں بہت تخفیف کیگئی ہے

قیمت سالانہ پیشگی مع محصولڈاک ۔ ۲۵ روپیہ ماہوار آمدنی والوں سے عہ ر ۔ ۵۰ روپیہ ماہوار آمدنی والوں سے عہ ۔ ۵۰ روپیہ ماہوار سے زیادہ آمدنی والوں سے عا ر ۔ حصّہ اوّل کے خریداروں کو حصّہ دوم بجائے ۱۲ ار کے ۸ ر میں دیا جائیگا اور حصہ اوّل و دوم کے خریداروں کو اخبار "نورافشاں" بجائے ۲ روپیہ ۸ ر سالانہ صرف ۲ روپے پر دیا جائیگا ۔ اوّل پرچہ بطور نمونہ مُفت ۔ دوسرا پرچہ بذریعہ وی پی یا نقد قیمت وصول ہونے پر ارسال ہوگا ۔ جو صاحب توفیق ایک روپیہ ماہوار یا ۱۰ روپیہ سالانہ دیں تاکہ ۲۵ روپیہ ماہوار آمدنی والوں کو ایک روپیہ سالانہ پر جو اصل خرچ سے بھی کم ہے رسالہ دیا جائے وہ رسالہ کے مربّی کہلائینگے اور ایک صلاح مشورہ دینے والی کمیٹی کے ممبر ہونگے ۔ جو غیر مسیحی اصحاب اسکے خریدار بننے کی خواہش ظاہر کریں ان کے نام رسالہ جاری کیا جائے گا ۔

ایم ایل ریلیارام امرتسر جنکے نام ...

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۷۴

جلد (۱) مسیحی جولائی

نمبر (۲) حصۂ دوم ۱۹۰۵ء

سنڈے سکول میگزین

جو ہر مہینے بسرپرستی پنجاب سنڈے سکول یونین امرتسر سے شایع ہوتا ہے۔

اس ماہوار رسالہ میں مفصلۂ ذیل مضامین شایع ہونگے۔

(۱) سنڈے سکول کام کے طریق (۲) اُستادوں کیلئے ہدایات (۳) سنڈے سکول کے متعلق خبریں اور نوٹ (۴) سنڈے سکول کے سبقوں کی تشریح (۵) بائبل کی نیچرل تواریخ (۶) بائبلی نظاروں۔ جغرافیہ اور رسوم کا بیان۔ (۷) سنڈے سکول۔ اور سنڈے سکول کام کیلئے شکرگذاری اور دُعا۔

فہرست مضامین

قیمت سالانہ مع محصولڈاک پیشگی یا بذریعہ قیمت طلب پارسل۔

(۱) ۱ کاپی بحساب ۱۲ رقی کاپی	۰-۱۲-۰	(۴) ۵۰ کاپیاں ایک پتہ پر بحساب ۹ رقی کاپی	۱۰-۲-۰
(۲) ۶ کاپیاں ایک پتہ پر بحساب ۱۱ ر	۴-۲-۰	(۵) ۱۰۰ " " " "	۱۲-۰-۰
(۳) ۱۲ " " بحساب ۱۰ ر	۷-۸-۰		

(۶) حصۂ اوّل کے خریداروں سے ۱۰ کاپیاں ایک پتہ پر بحساب ۸ رقی کاپی۔

جملہ خط و کتابت ذیل کے پتہ پر ہو۔ مسز ایم ایل ریبا امرتسر

یہ رسالہ سنڈے سکول کی اعلیٰ جماعتوں اور استادوں کے لئے نہایت مفید ہے [illegible]

پنجاب سنڈے سکولز کے متعلق خبریں

پنجاب سنڈے سکول یونین کی سالانہ رپورٹ بابت ۰۵-۱۹۰۴ء - پادری بجے ای ہیسلر سکرٹری نے بمقام امرتسر ۲۲ مارچ ۱۹۰۵ء کو پیش کی۔ سالِ گذشتہ کے واقعات پر نظرِ ثانی کرنے سے مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ گو ایگزیلیری نے اس نہایت درجہ کی فیض رسانی کو جسے یہ انجام تک پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے ابتک حاصل نہیں کیا ہے۔ تاہم بتدریج اس مطلب کے حصول میں ترقی کر رہی ہے۔ راولپنڈی کی کنونشن کی نسبت جو شہادتیں قدردانی کی اسکے منعقد ہونیکے بعد موصول ہوئیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنونشن اپنی قسم میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ سنڈے سکول کا سالانہ امتحان زیادہ ہر دلعزیز ہوتا جا رہا ہے۔ گذشتہ دو سالوں میں امیدوار طلباء کی تعداد ۸۳۰ سے ۱۵۲۴ ہو گئی۔ اور جہاں ۱۹۰۳ء میں ۵۳ فیصدی کامیاب ہوئے وہاں ۱۹۰۴ء میں ۱۱ فیصدی کامیاب ہوئے۔ سنڈے سکول کے متعلق ایک خاص اتوار کے ماننے کا بھی انتظام اس سال کیا گیا۔ اسکے لئے مسٹر واٹلی نے مہربانی سے ترتیب عبادت تیار کی جس میں طلباء کیلئے اس بات کی گنجائش چھوڑ دی گئی۔ کہ اگر سپرنٹنڈنٹ کی بھی مرضی ہو۔ تو طلباء علانیہ مسیح کو قبول کرنیکا اظہار کریں۔ مدارس متعلقہ کی تعداد کے بڑھانے اور سالانہ نتائج اور کارروائی کے مقابلہ کرنے میں۔ ڈاکٹر آرلسن اور مس کاربٹ صاحبہ نے بڑی مدد کی ہے۔ سالانہ امتحان کے متعلق دو نئے قانون ہیں جنہیں کمیٹی نے مقرر کرنا مناسب جانا اور جنکا ذکر اس موقعہ پر واجب ہے۔ یہ تصفیہ ہوا ہے کہ آیندہ (الف) چندہ نہ دینے والے اور غیر متعلقہ مدرسوں سے کم از کم ۸ آنہ سوالوں کے پرچوں کیلئے وصول کئے جائیں۔ (ب) اگر امتحان کے بعد ایک ہفتہ کے اندر جواب کے پرچے ممتحنوں کے پاس اور زبانی امتحانوں کے نتائج سکرٹری کے پاس نہ پہنچیں تو وہ منظور نہ کئے جائینگے۔ ان میں سے پہلے قانون کی ضرورت یوں پڑی۔ کہ امتحان کے اخراجات سال بسال بڑھتے جاتے ہیں۔ اور بہت سے مدرسے ایسے ہیں کہ ایگزیلیری سے مدد لے تو لیتے ہیں پر اسکی مدد کرتے نہیں۔ دوسرا قانون اسلئے بنانا پڑا۔ کہ ہر سال بعض مہتمموں کے اپنے اپنے طلباء کے پرچوں کے روانہ کرنے میں سستی کرنے کی وجہ سے کام بھی بڑھ گیا۔ اور دقت بھی پیش آئی۔ دو ایک امور میں ایگزیلیری کی تقریباً وہی حالت ہے۔ جو سال گذشتہ میں تھی یعنی بلحاظ پروونشل سنڈے سکول یونین اور یوروپین سنڈے سکول کے۔ اور گو ان دو امور میں سے کسی کی بھی ترقی کی رپورٹ نہیں دے سکتے تاہم انکی طرف سے ہم بالکل غافل نہیں ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ نہایت بڑے افسوس کے ساتھ ایگزیلیری سے اپنا رشتہ منقطع کرتا ہوں۔ میں پنجاب تو چھوڑتا ہوں لیکن اپنے ساتھ دوستوں کی محبت و رفاقت کی خوشبو لئے جاتا ہوں۔ جنکی یاد ہمیشہ میرے دل و دماغ کو معطر کرتی رہیگی۔ خصوصاً ان جاں نثار ہمخدمتوں کی یاد جو سدا گرمجوشی

دُعاء اور شکرگذاری

صبر، اُمید اور اطمینان کیلئے دُعا۔ نہایت مہربان باپ۔ صبر کے خدا۔ ہم اپنے فرزندوں کو جو باہم ملکر رہتے اور کام کرتے ہیں اپنے صبر کا انعام عنایت کر۔ تاکہ ہم ایکدوسرے پر مہربان ہو کر تیری جو ہمارے خداوند یسوع مسیح کا باپ ہے تمجید کریں۔ اسی کے نام سے ہم اس نعمت کیلئے درخواست کرتے ہیں۔ آمین! اے قادرِ مطلق منجی! اُمید کے خدا۔ اپنے پر ایمان رکھنے کی ایسی خوشی سے ہمیں معمور کر کہ ہم رُوح القدس کی قدرت سے زیادہ اُمید حاصل کر کے ہندوستان کے لوگوں کے آگے خدا کی انجیل ایسے پیش کریں کہ وہ تیری کامل اور ہمیشہ کام آنے والی قربانی کے طفیل تیرے حضور ایک پسندیدہ اور مقدس نذر ٹھہریں۔ آمین! اے رُوح القدس۔ اطمینان کے خدا۔ جو آہیں مار مار کر ہمارے اطمینان کیلئے شفاعت کرتا ہے۔ ہمیں توفیق دے کہ تمام مشنریوں کے لئے جی جان سے دُعا کریں۔ تاکہ ہم اِن سب باتوں سے رہا ہو کر جو تیری کلیسیا کے اطمینان اور یگانگت کو روکتی ہیں دلی اطمینان سے تیری خدمت کریں۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین!

بیزبان حیوانات کیلئے دُعا۔ اے نہایت کریم خدا۔ جسکے رحم کے بغیر ایک چڑیا بھی زمین پر نہیں گرتی ہم تیری منت کرتے ہیں کہ تمام بے زبان جانوروں کی جو انسان کی بے رحمی سے دُکھ میں ہیں مدد کر۔ اور کرم کر کے انکو اور زیادہ ظلم سے رہائی دینے کی غرض سے بنی آدم کے دل رحم سے بھر دے تاکہ وہ تیری تمام مخلوقات پر ترس کھایا کریں۔ یہ دُعا، ہم اپنے نہایت ہمدرد سردار کاہن اور منجی یسوع مسیح کی خاطر مانگتے ہیں۔ آمین!

دُعا اور اسکا جواب۔ کسی ڈاکٹر وایٹ صاحب سے سوال کیا کہ "ایمان کے ساتھ دُعا کسکو کہتے ہیں۔ کیا اس سے یہ مُراد ہے کہ ہم جو کچھ مانگتے ہیں اعتقاد رکھیں کہ ہمیں ملے گا"؟ صاحب موصوف نے اُسکے جواب میں فرمایا کہ "ہاں اگر ہم جو کچھ مانگتے ہیں وہ خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔ مثلاً حکمت کو لیجئے۔ یعقوب کے خط کے پہلے باب میں حکمت کی نسبت خاص وعدہ ہے۔ اور ۳:۱۷ میں اس حکمت کی تعریف کی گئی ہے۔ اِس لئے میں اُس حکمت کیلئے دُعا مانگ سکتا ہوں۔ جسکا ذکر اس آیت میں ہے۔ کیونکہ مجھے خدا کے کلام سے یقین ہے۔ کہ اگر میں حکمت مانگوں۔ تو وہ مجھے دینے کو تیار ہے۔ جہاں خدا نے اپنی مرضی ظاہر نہیں کی ایمان کے ساتھ دُعا یہ ہے کہ مانگنے والا یقین کرے کہ خدا موجود ہے۔ اور اپنے طالبوں کو بدلا دیتا ہے کہ وہ اپنے وعدوں میں صادق القول ہے۔ اور فی الحقیقت اپنے فرزند کی آواز سُنتا ہے۔ کوئی شخص ایمان کے ساتھ خدا کے حضور حاضر ہو کر کسی امر کی نسبت مشورہ کر سکتا ہے۔ شاید مجھے یقین نہیں کہ جو بات میں مانگتا ہوں۔ وہ خدا کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں۔ اِس لئے میں اس بات کیلئے ایمان کے ساتھ دُعا نہیں مانگ سکتا۔ مگر اسکی بابت ایمان کے ساتھ دُعا مانگ سکتا ہوں۔ بچہ اپنے باپ کے پاس اکثر صلاح مشورہ کیلئے جاتا ہے۔ ویسے ہی ہم بھی اپنے باپ خدا کے پاس

جاسکتے ہیں۔ یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ جو کچھ ہم اس ایمان سے مانگتے ہیں سب ہمیں مل گیا ہے۔ وہ ہمیں ضرور مل جائیگا۔ فرق یہ ہے کہ ہمارے ایمان کی کچھ بنا ہو۔ مسیح کے ایمان کی بنا خدا کا کلام ہے"۔

کیا ہر ایک دُعا کا جواب ملتا ہے ۔ پادری کیمبل صاحب بعض ایسی دُعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے جنہیں دعا کا کافی جواب نہیں ملتا۔ یہ ہماری توقع سے دوسری صورت میں ملتا ہے یوں فرماتے ہیں۔ کہ "دوسروں کے لئے سفارشی دُعا کو لیجئے۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو اپنے لئے دُعا مانگنا بھُولیں تو بھولیں۔ مگر دوسروں کیلئے دُعا مانگنا کبھی نہیں بھُولتے۔ ایسی دُعاؤں کے جواب میں بھی مایوسی حاصل ہُوا کرتی ہے۔ گو لکھا ہے کہ جو مانگتا ہے سو پاتا ہے۔ کیا پاتا ہے؟ کیا جو کچھ مانگتا ہے وُہی پاتا ہے؟ مسیح نے ایسا کبھی نہیں فرمایا۔ کچھ نہ کچھ تو جواب میں ملتا ہے۔ خواہ وہ اصلی درخواست قبول نہ ہو۔ مگر اسکے برابر یا اُس سے بڑھکر کچھ ملتا ہے۔ جو شخص اپنے دشمنوں پر انتقام کیلئے دُعا مانگتا ہے وہ بھی جواب پاتا ہے۔ کیونکہ اسکی دُعا پلٹ کر اُسی کے سر پر آپڑتی ہے اور اُسی کا نقصان کرتی ہے۔ کسی درخواست کے جواب سے انکار نہیں ہوتا۔ وہ مڑکر آسکتی ہے مگر نا منظور ہرگز نہ ہوگی۔ دُنیا میں کسی نہ کسی پر اسکا اثر ضرور ہوگا۔ یہ کیسا عجیب اور مہیب خیال ہے۔ انسانی ارادہ کی ہر ایک حرکت کا کچھ نتیجہ ہوتا ہے۔ شاید حرکت دینے والے کی مرضی کے مطابق نہ ہو۔ مگر کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور ہے۔ اور ممکن ہے کہ ہم اسکا نتیجہ گرد کی اِس جانب نہ دیکھ سکیں۔ مثلاً کوئی لڑکا تالاب میں کسی پھُول کی طرف روڑا پھینکتا ہے۔ اسکا نشانہ خطا کرتا ہے۔ مگر جو حرکت پانی میں پیدا ہوگئی ہے اُس سے تمام اِردگرد کے پھُول سطح آب پر ہلنے لگتے ہیں"۔

یسوع نے کہا کہ کیا دسوں پاک صاف نہ ہُوئے؟ پھر وہ نو کہاں ہیں؟ کیا سوا اسی پردیسی کے اور کوئی نہ نکلا جو لوٹ کر خدا کی تمجید کرے۔ (لوقا ۱۷: ۱۷ و ۱۸) ہم میں سے سب سے اچھے لوگ بہت کچھ اُن نو کوڑھیوں کے مشابہ ہیں۔ ہم تمجید کی نسبت دُعا پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ہم خدا کی بخششوں کیلئے شکر گذاری کرنے کی نسبت اپنی ضروریات پیش کرنا زیادہ مقدم سمجھتے ہیں۔ جدھر دیکھو کڑکڑاہٹ۔ شکوے شکایت اور بے صبری نظر آتی ہے۔ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہونگے جو خدا کی مہربانیوں کو پیمانہ کے نیچے نہیں چھپاتے اور اپنی حاجتوں اور مصیبتوں کو پہاڑ کے اوپر کھڑا نہیں کرتے۔ چاہئے کہ ہم ہر روز شکر گذار دل کے لئے دُعا کریں۔ خدا ایسی رُوح کو پیار کرتا اور عزت بخشتا ہے۔

ہمارے ایمان کو ترقی دے۔ (لوقا ۱۷: ۵) لوگ ایمان کے لئے دُعا مانگتے ہیں۔ اور جب مصیبت آتی ہے۔ (جس سے خدا ایمان کا سبق سکھاتا ہے) تو حیران ہو کر بگڑ بیٹھتے ہیں۔ آزمایش کے بغیر ایمان کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر لوگ دانا ہوں تو اپنے ایمان کے اظہار کے ہر موقعہ کے لئے خدا کا شکر کیا کریں۔ مگر عموماً ہم ایمان کیلئے نہیں بلکہ نظر اور آرام کے لئے دُعا مانگتے ہیں۔

اُستاد کی تعلیم و تربیّت

سبق کے بیان میں

مرقومہ
ڈبلیو۔ای۔نکل
پروفیسر گارڈن کالج
راولپنڈی

مطالعہ کی شئے ایک سبق ہے جو اِس لئے مقرر ہُوا۔ کہ طالب علم سے سُنا جائے۔ مطالعہ کا مضمون اُن اشیاء مطالعہ کا مجموعہ ہے۔ جو ایک دوسری کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور جب یہ اشیاء اکٹھی مرتّب کی جائیں تو مضامین تواریخ۔ حساب۔ اور جغرافیہ کی طرح غور و تامّل کا ایک خاص سلسلہ قایم کرتی ہیں۔

مطالعہ کا کورس مطالعہ کے مضامین کا وہ مجموعہ ہے جو اس طرح پر ترتیب دیا گیا۔ کہ اس علم کا وہ تمام سلسلہ بخوبی سمجھا جائے۔ جو مدرسہ میں مبتدی کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ اس صورت سے مطالعہ کا کورس مضامین مطالعہ سے تیار کیا گیا ہے۔ اور مطالعہ کا ہر ایک مضمون اشیائے مطالعہ سے تیار کیا گیا ہے اور یہ اشیائے مطالعہ وہ سبق ہیں جو مبتدیوں کو وقت بوقت تیار کرنے چاہئیں۔ انسان اس سے سیکھ جاتا ہے کہ تعلیم کے اسباب کی ترکیب کیا ہے۔

مقرّر شدہ سبق اُس گفتگو کی بنیاد بن جاتا ہے۔ جو آیندہ تقرّر یافتہ وقت پر درمیان میں آئے گی۔ جبکہ جماعت ایک جگہ جمع ہوگی۔ اس میں سبت سکول کے اُستادوں کے واسطے ایک خاص اور ضروری بات یہ ہے کہ "آپ بغیر کسی خاص مناسب تیاری کے سبق کو اچھّی طرح چلا نہیں سکتے" سبق سیکھنے کو جمع ہونے سے پہلے ہی کام مقرّر ہو جانا چاہئیے۔ جماعت کو لازم ہے کہ سبق سُنانے سے پیشتر ہی سبق کا کچھ مطالعہ کرلے۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم کے لئے یہ ایک بُنیادی بات ہے۔ کوئی دانا شخص جماعت سے سبق نہیں سُنتا جب تک کہ وہ جماعت کے مطالعہ کے واسطے پیشتر کچھ کام مقرّر نہ کرے۔ مگر صرف اس حالت میں کہ طلباء کم عمر کے ہوں۔ اور خود بخود بیرونی مطالعہ نہ کر سکیں۔ پر جبکہ طلباء پڑھ سکتے ہیں۔ تو وہ سبق سُنانے سے پیشتر مطالعہ کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ طلباء سبق کا مطالعہ کئے بغیر جماعت میں آجاتے ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ سبق کمزور رہتا۔ وقت کا ہرج ہوتا۔ خیالات غیر مفید ہوتے۔ محنت درست طور پر نہیں ہوتی۔ اور مشق بالکل ناکامیاب رہتی ہے۔ کیوں نہ سبت سکول کا اُستاد ایک ہفتہ پیشتر ہی طلباء کے واسطے سبق مقرّر کرے۔ صرف یہی کہہ دینا کافی نہیں۔ کہ آئندہ ہفتہ کا سبق بائبل میں فلاں فلاں جگہ پایا جاتا ہے اس طرح سے سبق کی تیاری نہیں ہو سکتی۔ اگر اُستاد اپنی جماعت کو سبق پڑھاتے ہُوئے اپنے وقت کا تھوڑا حصّہ آیندہ سبت کے سبق مقرّر کرنے میں صرف کرے تو کامل یقین ہے کہ اِس ایک بات کی نسبت ہماری سبت سکول کی تعلیمات میں بہت کچھ اصلاح واقع ہوگی۔ ہمارا حق ہے کہ ہم اُمید رکھیں کہ طلباء اپنا سبق تیار کرینگے اور

بحیثیت اُستاد ہمارا فرض ہے کہ اس کام کو خاص طور سے تیار کریں۔

کام کی اِس تقریری کا معمول کیا ہونا چاہئے؟ اُستاد کو چاہیئے کہ عموماً وہ بڑی بڑی باتیں جن پر آیندہ سبق میں غور کی جائیگی طلبا کو بتادے۔ اور اگر طلبا اِن باتوں کو کسی کاغذ پر یادداشت کے طور پر لکھ لیں تو بہتر ہوگا۔ سبق کی ہر ایک بات یکساں ضروری اور مفید نہیں ہے۔ اور چونکہ شاگرد جانتا نہیں کہ کونسی بات پر زیادہ غور کرنی چاہئے۔ یا کونسی بات زیادہ مفید اور ضروری ہے۔ اسواسطے ضرور ہے کہ اُستاد ایسی باتوں کی طرف اُنکی رہنمائی کرے۔ تقریری سبق کا مقصد یہ ہے کہ بتایا جائے۔ کہ زور کن کن الفاظ اور فقرات اور مقامات پر دیا جائیگا۔ اور کونسی باتیں بڑی خبرداری کے ساتھ چھوڑی جائینگی۔

لیکن اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اُستاد سمجھتے ہیں کہ آیندہ کو صرف سبق ہی سکھانا چاہئے اور یہی کافی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اُستاد لوگ خود دوسرے سبق سے ناواقف ہوتے ہیں۔ جبتک پہلا سبق سکھایا نہ جائے۔ اور اس بات سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُستادوں کی جماعت کو سکھانے کا ہمارا موجودہ طریق بالکل نکما اور غیر مفید ہے۔ اس قسم کی تنگ تیاری کی نسبت اُستادانہ فیصلہ ضرور نہیں۔ بلکہ یہ اُن ناتسلی بخش اور نالایق حالتوں کے نتائج پر منحصر ہے جو حال میں پائے جاتے ہیں۔ چاہیئے کہ اُستادوں کی ٹریننگ کلاس کا لیڈر اپنی جماعت کے اُستادوں کو ساری سہ ماہی کے سبقوں کی نسبت یہ بتادے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ "سچائی کا کوئی قانون تعمیر کرنا سوائے اس بات کے کہ ہر ایک سبق کو تمام سبقوں کا ایک خاص حصہ سمجھ کر سکھایا جائے ناممکن ہے۔" ہم لوگ مان نہیں سکتے اور نہ ہی ہم اجازت دینگے۔ کہ کوئی اُستاد حساب کا کوئی حصہ جماعت کے سامنے پیش کرے۔ جبکہ وہ دوسرے حصہ سے بالکل ناواقف ہو۔ تو پھر ہم کیوں سنڈے سکول ٹیچر کو اجازت دیں کہ کوئی سبق سکھائے۔ جبکہ وہ اُسی وقت دوسرے سبق سے ناواقف اور بےعلم ہو۔ کیا ہم لوگ بجائے اسکے کہ طلبا کو تعلیم کی مرکب اور خاص طور سے ملائی ہوئی غذا کھلائیں اُنکو پسائی ہوئی اور ہلکی پھلکی بے الاقت غذا نہیں کھلاتے ہیں؟

سبق سُننا اُستاد کا ایک اعلیٰ موقع ہے۔ جس میں وہ خود طلبا کے درمیان بیٹھکر اُنکے ہمراہ غور کرے۔ اُنکے چہروں پر نظر کرے۔ اُن پر سوال کرے اُنکے خیالات کی رہنمائی کرے اور اُنکو شک و شبہات کے اندھیرے سے نکالکر سچائی کے ایک وسیع اور ہموار میدان اور روشنی میں کھڑا کرے۔ اوہ! یہ کیسا ہی جلالی اور پاک موقع ہیں۔ اوہ! اے صاحبان سبق کے گھنٹہ کی ایسی ہی قدر کرو۔ جیسے کہ آپ خود اپنی زندگی کے موقع کی قدر کرتے ہیں۔ یہ جانکر کہ یہ ایک ایسا موقع ہے۔ کہ جسکے واسطے مجھکو ضرور ہے کہ دعا مانگ مانگ کر آرزومندی کے ساتھ تیاری کرونگا۔

سبق کی خدمت اور معمول یہ ہے کہ اُس سے طلباء کا علم جانچا جاتا ہے۔ اور ضرور ہے کہ علم جانچا جائے۔ علم کو جانچنے سے میرا مطلب اسکو ثابت کرنے۔ اور اُسکے پرکھنے۔ اور اسکی نسبت مشکل سوالات کرنے سے یہ ہے کہ معلوم کیا جائے کہ در حقیقت علم درست ہے؟۔ یا نادرست۔ صاف اور سیدھا ہے۔ کہ درہم برہم۔

اسواسطے یہ آزمائش بڑے غور و تامل کے وسیلے ہونی ضرور ہے۔ ظاہری پرہیزگاری اور اتفاقیہ سبق بڑے ہی اختلاف اور ظاہرداری کا باعث ہیں۔ کسی طالب علم کو پرکھنے کے لئے سبق کا پورا اور صحیح بیان درکار ہے۔ نہ تو اُستاد اِس طریق کے بغیر مبتدی کے علم سے واقف ہو سکتا اور نہ ہی اسکے سوا کسی اور طریق کے ذریعے اُسکو جانچنے کی کوشش ہی کر سکتا ہے۔ سبق آزادی سے سُنایا جائے۔ اجازت دی جائے کہ شاگرد اپنے طریق پر بولے۔ تاکہ معلوم ہو کہ اُس نے سچائی کو کہاں تک سمجھ لیا ہے۔ دانشمند اُستاد سارا وقت ایک ہی لڑکے سے سُننے پر صرف نہ کریگا۔ اور نہ ہی جماعت کے کسی لڑکے کو سبق سُنتے ہوئے سارا وقت خاموش بیٹھنے دیگا۔ جبتک کہ شاگرد اپنے ارادے کو ٹھہراتا۔ اپنے خیالات کی صورت بناتا اور اپنی رائے ظاہر کرتا ہے اتنے وقت "اُستاد کو مناسب ہے کہ اسکی رُوح کی نسبت غور کرے۔" کیونکہ اس طرح کرنے سے اُستاد پر اسکی ذمہ واری بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے۔

سبق کا دوسرا مقصد طالب علم کی عقلی قوت کی شناخت سے ہے۔ جس وقت مبتدی کتابی علم سے ہٹ کر رفتہ رفتہ اپنی ہی رُوح کے علم کی طرف حرکت کرتا اور نیز ترقی کرتا ہوا اپنی راؤں کو بیان کرنیکے لئے اپنے ہی تجربہ اور غور و پرداخت کی طرف رجوع ہو۔ اُسوقت دانا اُستاد اُسکی عقلی قوت کو خود بخود پرکھ لیتا ہے۔ اس سے ساری غرض یہ ہے کہ معلوم کریں کہ آیا طالب علم اندرونی ترقی کی حالت میں آرہا ہے کہ نہیں۔ جب وہ اِس ترقی پذیر حالت کو پہنچ جائے تو در حقیقت وہ اعلیٰ درجہ کے مطالعہ اور روشنی میں رہنمائی حاصل کرنے کے لئے خوب ہی آراستگی حاصل کرتا جاتا ہے۔

اِسکا تیسرا انجام طالب علم کی لیاقت کو جانچنا ہے۔ کسی شخص کی لیاقت کا اندازہ لگانا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ اگرچہ یہ مختلف طلباء میں مختلف ناہموار ہوتی ہے۔ توبھی اس پر غور کرنی ضروری ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ آیا طلباء اپنے ذہنوں میں بتدریج ایسی علمیت حاصل کرتے ہیں کہ نہیں۔ کہ جس سے وہ اپنے خیالات کو ظاہر کر سکیں۔ اپنے بیان کو بامحاورہ سُنا سکیں۔ اپنے طبعی رشتوں کو اپنے خیالات کے ساتھ درستی سے مرتب کر سکیں اور بتدریج بڑی گہرائی اور تیزی کے ساتھ خیال دوڑا سکیں۔

سبق کی رہنمائی کے دو طریق ہیں جن پر ہمکو غور کرنی چاہئیے۔ (ا) سوالیہ طریق (ب) مضمونی طریق۔

(ا) سوال کرنے کا طریق سب سے افضل طریق ہے۔ اسکے ذریعہ سے اُستاد اچھی طرح سے معلوم کر سکتا ہے کہ کس موقع پر خیالات کی گہرائی ہے اور کس جگہ پر کمزوری اور ہلکائی۔ سوالات کرنے کی خوبی ایک ایسی قوت ہے جو شاگرد پر اسکی کمی اور کمزوری کو بخوبی ظاہر اور روشن کر دیتی ہے۔ ایک چرب زبان طالب علم نہایت ہی ظاہری واقفیت کے ساتھ مضمون کو بڑی تیزی اور طراری سے بول سکتا ہے۔ پر تجربہ کار و دانا اُستاد کے سرگرم و مستعد سوالات طالب علم کی کمزوری و کمی کو ظاہر کرکے اسکو محنت و اصلاح کی طرف رہنمائی کرینگے۔

اُستاد سوالات کے دانشمندانہ استعمال کے ذریعہ سے زیر تحقیقات سبق کو باقاعدہ کھول سکتا ہے۔ وہ اس طرح سے خاص اور ضروری باتوں پر زور دے سکتا اور غیر مفید باتوں کو چھوڑ سکتا ہے۔ اس طریق کے ذریعہ

سے اُستاد اتفاقیہ تعلیمات کو بھی بڑے مفید طور پر سکھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ سوال کے ذریعہ سے ایسی ایسی حقیقتیں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جو اب تک طلباء کے سامنے بالکل پوشیدہ و پنہاں تھیں۔ اور بعض اوقات سوال کے ذریعے سے طلباء کو بھولی ہوئی حقیقتیں بھی یاد آجاتی ہیں۔

اِس طریقۂ تعلیم میں اَور طریقوں کی نسبت کم محنت کرنی پڑتی ہے۔ پر یہ بات اِس بات پر منحصر ہے۔ کہ سوال بالکل صاف۔ مجمل۔ خاص و صحیح ہو۔ کیونکہ جو سوال صاف نہ ہو وہ مُعمّہ سوال ہے۔ جو خاص و صحیح نہ ہو وہ غیر مفید اور جو مجمل نہ ہو وہ اُلجھانے والا سوال ہے۔ عموماً اُستاد کو مناسب ہے کہ سوالات اِس طریق سے مرتّب کرے کہ سبق کو صفائی کے ساتھ ظاہر کردیں۔ سوالات کسی خاص ابتدا سے سلسلہ وار پیش کیے جائیں۔ تاکہ رفتہ رفتہ کسی خاص اور ضروری انجام تک رہنمائی کریں۔ جس سوال کا جواب صرف "ہاں" یا "نہ" ہی ہو۔ وہ کمزور اور ردّی سوال ہے۔ اُستاد کے سوالیہ طریق کے ذریعہ سے طلباء اس بات پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہ اپنی رائے اور تجربہ کو عمدہ طور پر ظاہر کریں۔ لیکن تو بھی سوالات کا طریقہ بھی نقص سے خالی نہیں نقص یہ ہے کہ مبادا طلباء بجائے مسلسل و باترتیب جملوں میں جواب دینے کے بے ترتیب اور ٹوٹے پھوٹے جملوں میں جواب دینے کے عادی ہو جائیں۔ لیکن اگر اُستاد طالبعلم کے بیان کو صحیح کرانیکی کوشش مستقل طور پر کرتا رہے تو یہ عادت مٹائی جا سکتی ہے۔

(ب) سبق پڑھانے کا دوسرا طریق مضمونی ہے۔ اس طریق کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ یہ طریق طالبعلم کو مجبور کرتا ہے کہ عُمدہ اور سلسلہ وار خیالات تجویز کرے اور نیز طالبعلم پر یہ ذمہ داری ڈال دیتا ہے۔ کہ وہ اپنے خیالات کو باقاعدہ مرتّب کرے۔ اور اسی خیال سے یہ طریق سیانوں کے لئے نہایت ہی مناسب ہے۔ اُستاد کو چاہیئے کہ اس طریقۂ تعلیم کی رہنمائی کرے اور بیان کی ایسی طوالت کو کہ جس میں ضروری باتوں پر کم غور کی جائے۔ اور زندہ خیالات پر تاکید نہ کی جائے روک دے۔ یہ بات بہتر ہوگی کہ سوالیہ اور مضمونیہ دونوں طریقوں کو آپس میں ملا دیا جائے۔ کبھی ایک کو استعمال کرے اور کبھی دوسرے کو۔ لیکن خواہ کوئی سا طریق کیوں نہ ہو مقصد یہ رہے کہ کامل طور پر معلوم ہو جائے کہ طالب علم جانتا کیا ہے؟ اور نیز جو کچھ جانتا ہے اسکی نسبت کیا رائے قایم کر سکتا ہے۔

سبق میں طلباء کو ملاحظہ کرنیکے تین طریق ہیں۔ اُن میں سے پہلے طریق کو مسلسل کہنا درست ہوگا۔ اسکے ذریعے سے اُستاد کسی ایک شاگرد سے شروع کرکے آخری طالب علم تک سلسلہ وار جماعت کے ہر ایک طالبعلم کا باقاعدہ ملاحظہ کر سکتا ہے۔ اِسکے ذریعہ سے اُستاد تھوڑے وقت میں بہت کچھ انجام دے سکتا ہے لیکن یہ طریق شخصی تربیت کی نسبت کچھ ترقی بخش نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح صرف وہ طالب علم جو سبق سنا رہا ہے اور نیز وہ جو اسکے بعد سُنائے گا بغور متوجہ ہونگے۔ جس طریق سے اُستاد آپکا سبق سُنیگا طلباء کو پہلے سے اس طریق کی واقفیت نہ ہونی چاہیئے۔ دوسرا طریق اس کمی کو دُور کرتا ہے۔ اور اسکو غیر مشخص طریق کہنا درست ہوگا۔ یہ وہ طریق ہے جسکے ذریعہ سے اُستاد طلباء کا ملاحظہ بغیر کسی مقررشدہ طریق کے کرتا ہے۔ اس طریق کے ذریعے

ہر ایک طالب علم سبق کی طرف بڑی نزدیکی توجّہ دینے کو مجبور کیا جاتا ہے۔ اسمیں خبردار رہنا چاہئیے کہ جو سوال طلباء پر ہونیوالے ہیں۔ یا جو مضمون انکے سامنے پیش ہونے کو ہے طلباء اسکو پیشتر سے نہ جانیں۔ تیسرا طریق سب طلباء سے ایک ساتھ سبق سُننے کا ہے۔ اِس طریق کو ہم آواز طریق کہنا بہتر ہوگا۔ اور یہ طریق عموماً بڑا ہی کمزور طریق ہے۔ اسمیں چند ہی طلبا جنہوں نے اچھی تیاری کی ہوئی ہے جواب دیتے ہیں اور باقی کے یوں ہی اُن کے ساتھ آواز میں آواز ملا دیتے ہیں۔ اور بیچارے اُستاد کو بالکل پتہ نہیں ہوتا کہ کون کون سبق کو تیار کر کے آیا ہے۔ اور نیز اس طریق سے کمزور طلباء اپنی نالائق تیاری کو اوروں کے پیچھے چھپاتے ہیں۔ اس طریق کی نسبت صرف اس قدر صلاح دیتا ہوں کہ اُسکے وسیلہ سے اُن طلباء کا سبق سُن لیا جائے۔ جو ڈرپوک ہیں۔ اور اکیلے بولنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ کیونکہ بعض طلباء اپنی ہی آواز سے شرماتے اور ڈر جاتے ہیں۔ اور اگر اُن کو معلوم ہو جائے کہ اَور لوگ انکی سُنیں گے تو وہ بالکل بولیں گے نہیں۔ اُنکے جُرأت دلانے کے واسطے ہم آواز طریق سے سبق سُننا کچھ مفید ہوگا۔ دانا اُستاد جلد جان لیگا کہ کس وقت اس طریق کو چھوڑ کر ڈرپوک شاگرد کو یہ سکھانا چاہئیے کہ اکیلا بولنے کی جُرأت حاصل کرے۔ ابتک ہم لوگ اپنے سبت سکول کے کام کے ظاہر کرنے میں اس موقع پر نہیں پہنچے جبکہ برس یا ششماہی کے بعد طلباء کو لکھا ہُوا یا زبانی امتحان دینے کو مجبور کیا جائے۔ تو بھی یہ امتحان کامل تعلیمی تربیّت کا ایک خاص حصّہ ہے۔ اور چاہئیے کہ سبت سکول ٹیچر اس طرف اپنی خاص توجّہ مبذول فرمائیں آؤ ہم .... بہ حیثیت سبت سکول ٹیچر اپنے آپ سے سوال کریں۔ کہ آیا ہم اپنے کام کو ثابت کرنے کے خاص وسائل ہتیار رکھتے ہیں کہ نہیں۔ اور اگر نہیں تو آؤ ہم سوچیں کہ اس انجام کے حاصل کرنے کے واسطے ہم کیا کریں؟ اس بات پر میں صرف یہ کہنا چاہتا ہُوں۔ کہ امتحان کی ضرورت اُستاد کی نامکمّل تعلیم کے سبب سے ہے۔ جس قدر اُستاد تعلیم کے لحاظ سے آراستہ ہوتا جائیگا۔ اُسی قدر امتحان کی ضرورت کم ہو جائیگی۔ اگر ہم صاف دلی سے غور کریں کہ ہماری تعلیمی ترکیبیں ایسی نہیں ہیں۔ جیسی ہونی چاہئیں۔ تو اُستادی ضرورت کے مطابق یہ نتیجہ نکلیگا۔ کہ کسی نہ کسی صورت سے امتحان اس طریق پر ہونا چاہئیے۔ جو ہمارے اُستادوں کے کام کو مکمّل کرے۔ اور لاریب جُوں جُوں اُستادوں میں اس پیشہ کی روح ترقی کرتی جائیگی امتحان کی ضرورت بھی رفتہ رفتہ کم ہوتی جائیگی۔

کاشکہ وہ دن جلد آئے جبکہ ہم اس وقت کی نسبت زیادہ صفائی کے ساتھ مخصوص شدہ و تعلیم یافتہ اُستادوں کی کلیسیا کی قدر دیکھ سکیں گے۔ جس قدر ہمارا مضمون اختتام پر آتا جاتا ہے۔ اُسی قدر زیادہ اور مکمّل طور سے یقین ہوتا جاتا ہے کہ ہم فقط اُستادوں کی واجب ٹرینگ (تربیت) کے ذریعے سبت سکول میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔



اُن جانوروں کا بیان جنکا کتابِ مقدس میں ذکر ہے۔



جن جانوروں کا ذکر بائبل شریف میں پایا جاتا ہے اُن کے ذاتی احوال پر غوض وفکر کرنا اور اُنکی عادات سے واقف ہونا۔ اُن سے رُوحانی مقاصد کی تعلیم حاصل کرنا ہے۔ اور کبھی کبھی یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح کے پیش نشان تھے۔ یہ سب امُور ہمارے لئے بڑے ہی فایدہ بخش ہیں۔ مناسب ہے کہ پہلے ہم شیر کا بیان کریں۔ کیونکہ عموماً اسکا لقب شاہِ حیوانات ہے۔ اور بائبل میں منقریب ۱۳۰ بار اسکے نام کا تذکرہ ہُوا ہے۔ عبرانی میں اسکا نام چار الفاظ سے موسوم ہے۔ جنکے معنوں ہیں اوّل کے عموماً شیر ہے۔ اسکا احوال قاضیوں کے ۱۴ باب ۸ آیت میں تذکرہ ہُوا ہے "تاکہ اُس شیر کی لاش کو دیکھے اور دیکھو کہ وہاں اس شیر کی لاش میں شہد کی مکھیوں کا ہجوم اور شہد بھی تھا۔" دویم۔ جوان شیر یا شیر کا بچہ۔ اسکا بیان قاضیوں ۱۴ باب ۵ آیت میں مذکور ہے "دیکھو ایک جوان شیر اسکے سامنے گرجا۔" سوم۔ بڑا شیر۔ اسکی کیفیت پیدائش ۴۹ باب ۹ آیت میں مندرج ہے "یہوداہ شیر ببر کا بچہ ہے۔ اے میرے بیٹے! تو شکار پر سے اُٹھ چلا ہے۔ وہ شیر ببر بلکہ پُرانے شیر کی مانند جھکتا اور بیٹھتا ہے کون اُسکو چھیڑیگا۔" چہارم۔ جسیم کہن سالہ شیر۔ اسکے بارے میں امثال ۳۰ باب ۳۰ آیت میں لکھا ہے "ایک تو شیر ببر جو سارے حیوانات میں بہادر ہے۔ اور کسی کے سامنے سے پھرتا نہیں۔"

شیر کس ملک کا باشندہ ہے؟ قدیم زمانہ میں شیر دُنیا کے بہت ملکوں میں پائے جاتے تھے۔ پر اب صرف چند ہی ممالک میں اسکی سکونت ہے۔ افریقہ میں اُنکی تعداد کا اندازہ نہیں۔ لوگوں کا مقولہ ہے کہ شیر عرب میں بھی دیکھے جاتے ہیں۔ کسی زمانہ میں شیروں کا ایک بڑا غول کنعان میں بھی موجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسکا نامی تذکرہ بائبل میں جابجا بیان ہُوا ہے۔ دریائے یردن کے ساحلوں میں انکی بہت ماندیں ہیں۔ اسکی طغیانی کے وقت جب پانی اسکے ہر طرف کے کناروں کو چھپا لیتا ہے ایسے نازک وقت میں اسکے ساحلی باشندے شیر اپنی ماندیں چھوڑکر نکل جاتے ہیں اور دہاڑیں اوپر تک پہنچ کے اُنہیں مونہا مُنہ کر دیتی ہیں۔ دیکھو یرمیاہ ۴۹ باب ۱۹ آیت اور ۵۰ باب ۴۴ آیت۔ یہ بات اشارتاً ذکریاہ ۱۱ باب ۳ آیت سے بھی ثابت ہے۔ شیر اکثر آپ کو جنگلوں میں چھپائے ہوئے گھات میں لگے رہنا بہت پسند کرتا ہے۔ دیکھو یرمیاہ ۴ : ۷ آیت اور ۵ : ۶ آیت اور ۲۵ : ۳۸ آیت۔ وہ کوہستان کے شگافوں اور کھوہوں میں رہتا ہے۔ اور وہیں اپنا شکار بھی رکھتا ہے دیکھو نحوم ۲ : ۱۲ + اور ۱۰ زبور ۹ آیت۔ بائبل کے اکثر مقامات میں ہم پڑھتے ہیں کہ شیر بھیڑوں کے گلوں اور جانوروں کے گلوں میں آ کے انکا بہت نقصان کرتا ہے۔ اس سے بڑھکر وہ جرات پاکے آدمی کا شکار کرنے کو اُس پر حملہ کرتا ہے۔ یہ امر ۱ سلاطین ۱۳ : ۲۴ آیت اور ۲۰ : ۳۶ آیت۔ اور ۲ سلاطین

(در فورمس۔ ایس۔ ایس ہیولیٹ)

۱۷: ۲۵ و ۲۶۔ آیات سے بخوبی عیاں ہوتا ہے۔
کنعان میں شیر پکڑنے کو یہ ترکیب استعمال میں لاتے تھے۔ پہلے ایک گہرا گڑھا کھود کے اُسے کمزور درختوں کی ڈالیوں۔ لکڑیوں اور پتّوں سے ڈھانپ کر مٹی سے اسکی سطح ہموار کر کے اُسے چھپا دیتے۔ پھر لوگ بڑے زور و شور سے چلاتے ہوئے شیر کو ہنکا کر اس طرف کو لاتے۔ جب شیر اسمیں گر جاتا ایک تخت وہیں اُسے جلدی سے مار ڈالتے۔ اس مضمون کی اصل حقیقت حزقیؔل نبی کے ۱۹ باب ۴ و ۸ آیت میں مرقوم ہے۔ اور داؤد بادشاہ کے بہادروں میں بنایاہ بن یہویدع ایک بڑا بہادر شخص ہُوا ہے۔ اسکے بارہ میں ۲ سموئیل ۲۳ : ۲۰۔ آیت میں لکھا ہے۔ مشرقی سلطانوں کا دستور تھا۔ وہ شیروں کو پنجروں میں ڈالکر رکھا کرتے تھے۔ نہ اُن میں ایسا دستور تھا جیسے مصری شکار کے واسطے کیا کرتے۔ اور نہ رومی طریقوں کے مطابق کہ وہ انکو تماشاؤں میں لیجایا کرتے تھے۔ اس کام سے وہ صرف اپنی شاہانہ شان و شوکت کی ترقی متصوّر کیا کرتے تھے۔ ظالم بادشاہ شیروں کو ماندوں میں پالتے اور انکو اپنے قبضہ میں رکھتے تھے۔ دشمنوں اور مجرموں کو پکڑ کر اُن کے آگے ماندوں میں ڈال دیتے کہ وہ اُنکا لقمہ ہو جائیں۔ یہ کیفیت دانیؔل نبی کی کتاب میں دیکھو۔ سارا ماجرا۔ دانیل ۶ باب سے کھُل جائے گا۔

شیر کی آواز کنعان کے کوہستان اور وادیوں میں گونجتی ہوئی۔ اکثر سننے میں آتی ہے۔ اسکی آواز کیلئے عبرانی میں چار جُداگانہ لفظ ہیں۔ شیر بچوں کی آواز کیلئے یرمیاہ نبی کے ۵۱ : ۳۸۔ آیت میں دیکھو "جوان شیر ببروں کی طرح ۔۔ غرائینگے"۔ دوسرا لفظ عوس نبی کی کتاب ۳ : ۸ آیت میں پایا جاتا ہے "شیر ببر گرجا ہے"۔ یہ خاص لفظ اُسوقت استعمال کیا جاتا ہے۔ جب شیر بھوکا ہو بولے یا کچھ کھانا چاہتا ہے۔ ۱۰۴ زبور ۲۱ آیت میں دیکھو۔ یہ تیسرا لفظ اسوقت برتا جاتا ہے۔ جب شیر شکار کرنے کو ہو۔ یسعیاہ ۵ : ۲۹ آیت کو پڑھو "وہ غراتے اور شکار پکڑتے ہیں"۔ چوتھے لفظ سے یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ یہ آواز شیر کے غضبناک ہونے کے وقت کی ہے جب وہ شکار کھاتا ہو اور کوئی اُسے روکے۔ تب غصّہ میں آ کے جیسے یسعیاہ ۳۱ : ۴ آیت میں لکھا ہے۔ کہ "جس طرح سنگھ اور سنگھی کا بچّہ اپنے شکار کو دبوچے ہوئے گڈریوں کے غول کے مقابل جو بُلائے جاکے اُس پر چڑھنے کو آتے ہیں۔ غراتا ہے۔ الخ"

اب ہمیں پوچھنا چاہئے کہ شیر کیوں خداوند یسوع مسیح کا پیش نشان ہے؟ جیسا پیدائش کے ۴۹ : ۹۔ آیت میں لکھا ہے۔ مکاشفات ۵ : ۵ آیت سے اسکا مقابلہ کرو۔ بیشک اسکے یہ معنی ہیں کہ مسیح شاہانہ طاقت اور قدرت رکھتا ہے۔ اور موت پر غالب آگیا ہے۔ ہم یہ بھی یاد رکھیں کہ پطرس رسول فرماتا ہے۔ غصّہ وری اور بے رحمی اس بات سے ایک مشابہت رکھتی ہے۔ کہ ہمارا مخالف شیطان گرجنے والے شیر کی مانند ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ کہ کسی کو پھاڑ کھائے۔ شکر ہے وہ ببر جو فرقۂ یہوداہ سے ہے ہر ایک مومن معتقد کو اس شیر کے پنجہ سے رہائی دیگا۔

سنخرب کا حملہ

سنڈے سکول سبق
۲ جولائی ۱۹۰۵ء
مرتبہ پادری
طالب الدین صاحب بی اے

۲ تواریخ ۳۲: ۹ - ۲۳

سنہلی آیت - لیکن ہماری ساتھ خداوند خدا ہے کہ ہماری مدد کرے اور ہماری طرف سے لڑے۔

روزانہ تلاوت

پیر ۲۶ جون ۲ تواریخ ۳۲: ۱ - ۸	جمعرات ۲۹ جون یسعیاہ ۳۷: ۱ - ۱۳
منگل ۲۷ جون ۲ تواریخ ۳۲: ۹ - ۱۵	جمعہ ۳۰ جون یسعیاہ ۳۷: ۱۴ - ۲۶
بدھ ۲۸ جون ۲ تواریخ ۳۲: ۱۶ - ۲۳	سنیچر ۱ جولائی یسعیاہ ۳۷: ۲۷ - ۳۸

اتوار ۲ جولائی - زبور ۲۷

سنخرب کے حملے اور حزقیاہ کی محافظت وغیرہ کا مکمل حال جاننے کیلئے مفصلہ ذیل مقامات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ دیکھو ۲ سلاطین ۱۸: ۱۳ آیت سے لیکر ۲ سلاطین ۱۹: ۳۷ تک۔ اور یسعیاہ ۳۶ سے ۳۷ویں باب تک۔ سنخرب سارگان شاہِ اسور کا بیٹا تھا۔ حزقیاہ کے باپ آخز نے شاہِ اسور کو خراج دینا قبول کر لیا تھا مگر جب سنخرب تخت نشین ہوا تو حزقیاہ نے خراج دینے سے پہلوتہی کی۔ یہ غالباً شاہِ مصر کی ترغیب سے ہوا۔ جو اپنی حکمتِ عملی سے اسور کی باجگذار ریاستوں کو بغاوت پر آمادہ کرا دیا کرتا تھا۔ تاکہ شاہِ اسور کی توجہ اُنکی طرف لگی رہے۔ اور مصر پر حملہ کرنے نہ پائے۔ جب سنخرب چڑھ آیا تو حزقیاہ نے اطاعت قبول کی۔ مگر اس سے کچھ کام نہ نکلا۔ چنانچہ وہ حصین شہروں کو فتح کرتا ہوا آیا اور یروشلم کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسی اثنا میں وہ مصر کو چلا گیا۔ وہاں سے واپس آکر اُس نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا۔ اور پھر مضبوط شہروں کو اپنے قبضہ میں لانا شروع کیا۔ اور لکیس سے وہ سفیر جنکا ذکر آج کے سفر میں پایا جاتا ہے شاہِ یہوداہ حزقیاہ اور اسکی رعایا کی طرف روانہ کئے۔ ۹ آیت - لکیس - نام شہر کا۔ اپنے نوکروں کو - اُنکے نام ۲ سلاطین ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ تارتان - رب سارس - ربشاقی تھے۔ ۱۱-۱۲ آیات وغیرہ - اِن آیات سے سنخرب کی حکمتِ عملی ظاہر ہوتی ہے۔ بجائے اسکے کہ وہ حزقیاہ بادشاہ سے مخاطب ہو وہ لوگوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ تاکہ اُنکے دل اُنکے بادشاہ سے منحرف ہو جائیں۔ (مقابلہ کرو ۲ سلاطین ۱۸: ۲۶ و ۲۷) ۱۳ آیت - ملکوں کے لوگوں سے - حمات - ارفاد اور سفروائم وغیرہ - ۲ سلاطین ۱۸: ۳۴-۱۵ آیت - پھر کیا امکان ہے کہ تمہارا معبود تمہیں میرے ہاتھ سے چھڑائے - سنخرب اسرائیل کے خدا کو حقیر جانتا تھا (۱) اسلئے کہ وہ ملک جسمیں اسکے بندے رہتے تھے ایک چھوٹا سا ملک تھا (۲) وہ جنگجو لوگ نہ تھے (۳) وہ خدا کی روحانی عظمت اور نادیدنی قدرت کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ ۱۷ آیت - اور اُس نے خطوں میں بھی خداوند اسرائیل کے خدا کی اہانت لکھی۔ یہ خطوط غالباً اُس وقت لکھے گئے جب سفیروں کی سفارت سے کام نہ نکلا - ۱۸ آیت - یہودیوں

کی زبان میں۔ شاید اس غرض سے کہ شہر باغی ہو جائے یا اس نیت سے کہ لوگ ڈر جائیں اور شہر کو سنحرب کے سپرد کر دیں۔ ۱۹۔ آیت۔ انسان کی دستکاری سے بنے تھے۔ مورخ اس خصوصیت کے وسیلے غیر قوموں کے معبودوں اور یہوواہ کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔ ۲۰۔ آیت۔ اِس سبب سے یعنی سنحرب کے سفیروں کی کفر گوئی کے سبب سے۔ آیات ۲۰-۲۲ کو ۲ سلاطین ۱۹ کا خلاصہ سمجھنا چاہئے۔ ۲۱۔ آیت۔ فنا کیا۔ جو فنا ہوئے انکا شمار ۱۸۵۰۰۰ تھا۔ پشیمان ہو کے۔ یہ اُنکا انجام ہے جو خدا کے حق میں کفر بکتے ہیں۔ ۲۲۔ آیت۔ اُن کے گرد و پیش ہو کر اُن کی ھدایت کی۔ سپیچوا ایجنٹ بیں ہے "اُنکو ہر طرف امن بخشا"

مفید اشارے۔ (۱) پرانے عہدنامہ کے واقعات سے خدا کی پروردگاری کے عجیب کام ظاہر ہوتے ہیں۔ ہم اُن سے یہ سیکھتے ہیں کہ خدا نے پرانے زمانہ میں اپنے لوگوں کیلئے کیا کیا کیا۔ کس طرح اُن کی مدد کی کیونکر اُنکی مشکلات میں اُنکو نجات بخشی۔ وُہی قادر اور پُر محبت خدا اب موجود ہے۔ اور ہماری حاجات کو رفع کرنے کو تیار ہے۔ (۲) یہ عجیب معجزانہ مدد جسکا تذکرہ آج کے سبق میں پایا جاتا ہے ایسے شخص کو دی گئی۔ جو پہلے خدا کی مدد کی نسبت انسان کی مدد پر تکیہ کرتا تھا (دیکھو ۲ سلاطین ۱۷: ۱۳-۱۶) وہ پہلے مصر کے بادشاہ پر تکیہ کرتا تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اُسے شرمندگی اُٹھانی پڑی۔ اگر وہ شروع ہی سے خدا پر بھروسہ رکھتا تو وہ کبھی شرمندہ نہ ہوتا۔ ہمیں نہ کسی بشر پر اور نہ اپنی لیاقت اور طاقت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ بلکہ خدا پر تکیہ کرنا چاہئے۔ (۳) یاد رکھو کہ حزقیاہ کو خدا کی مدد ایمان اور دُعا کے وسیلے نصیب ہوئی۔ لیکن اِسکے ساتھ ہم یہ بھی نہ بھولیں۔ کہ جو کچھ وہ کر سکتا تھا اُسنے وہ سب کچھ پہلے کیا چنانچہ اُس نے محاصرہ کرنے والوں کو پانی سے محروم رکھنے کی تجویز کی۔ دیواروں کو مضبوط کیا۔ ڈھالیں اور ہتھیار بنوائے۔ بعد اِسکے اُس نے ان لفظوں سے اپنے لوگوں کو حوصلہ دلایا "ہمارے ساتھ خداوند خدا ہے"۔ (آیت ۸) وہ سنحرب کی چٹھی ہیکل میں لے گیا (دیکھو ۲ سلاطین ۱۹) اور اُسے خدا کے حضور رکھ دیا۔ اور دُعا کی اور یسعیاہ سے بھی دُعا کروائی۔ اس دُعا کے سبب سے جو ایمان اور بھروسے سے بھری ہوئی تھی خدا کا فرشتہ نمودار ہوا جس نے مخالف کی فوجوں کو فنا کر دیا۔ (۴) ہم اس سارے بیان میں ذیل کی باتیں سیکھ سکتے ہیں (الف) ہماری آزمائشیں اور مشکلات ہمارے بھروسے کو مکمل کرتی ہیں اور ہماری دُعاؤں کو سرگرمی سے بھر دیتی ہیں۔ (ب) ہم سب کو چاہئے۔ کہ ہم خدا پر بھروسہ کریں۔ جو کچھ اُسنے حزقیاہ کیلئے کیا وہ ہمارے لئے کرنے کو تیار ہے (ج) پر جو وسایل ہم استعمال میں لا سکتے ہیں ہم اُنہیں نظر انداز نہ کریں۔ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں کریں۔ اور ساتھ ہی ساتھ خداوند پر پورا پورا بھروسہ رکھیں (د) ہمارا بھروسہ دعا کی زبان میں ظاہر ہو۔

حزقیاہ کی دُعاء

سنڈے سکول سبق
۹ جولائی ۱۹۰۵ء

یسعیاہ ۲۸: ۱-۸۔ سُنہلی آیت۔ خدا ہماری پناہ اور ہمارا زور ہے۔ وہ سختیوں میں مدد کے

لئے نہایت مستعد رہے - زبور ۴۶ : ۱

روزانہ تلاوت

پیر ۳ جولائی یسعیا ۳۸ : ۱ - ۸
منگل ۴ جولائی یسعیا ۳۸ : ۹ - ۲۰
بدھ ۵ جولائی ۲ سلاطین ۲۰ : ۱ - ۱۱
جمعرات ۶ جولائی متی ۷ : ۷ - ۱۲
جمعہ ۷ جولائی زبور ۳۴ : ۱۱ - ۲۲
سنیچر ۸ جولائی زبور ۱۰۲
اتوار ۹ جولائی زبور ۴۶

حزقیا نے ۲۹ سال تک سلطنت کی۔ کہتے ہیں کہ وہ سنحرب کے حملہ سے قریباً ۱۲ سال پہلے بیمار ہُوا۔ اور سنحرب کی شکست کے ۲ سال بعد راہیِ مُلکِ بقا ہُوا۔ جس وقت حزقیا بیمار پڑا تھا۔ اسوقت شاہ اسور سارگان یروشلم کے پاس آپہنچا تھا۔ اور شہر اُس وقت سخت خطرے میں مبتلا تھا۔ ہمارے سبق کی چھٹی آیت جس میں رہائی کا وعدہ قلمبند ہے ظاہر کرتی ہے کہ ملک اس وقت سخت مشکل میں گرفتار تھا۔ بادشاہ کا دل اپنی قوم کی نازک حالت کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ اِس رنج اور گھبراہٹ کے عالم میں اُسنے بڑی سرگرمی کے ساتھ خدا سے دُعا مانگی۔ دُعا سُنی گئی اور پندرہ برس اسکی عمر میں بڑھائے گئے۔

شرح - ۱ - آیت - تُو اپنے گھرانے کو وصیّت کر۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس وقت حزقیا کے کوئی فرزند نہ تھا۔ مُنسّی جب تخت پر بیٹھا قریباً ۱۲ سال کا تھا۔ تُو مر جائیگا اور نہ جئیگا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پندرہ برس اور جیا۔ کیا اس اعلان اور حقیقی واقعہ میں اختلاف ہے؟ نہیں۔ خدا کے اس قسم کے اعلان شرطیہ ہوتے ہیں۔ اگر انسان شرطِ مطلوبہ کو پُورا کرے تو وہ واقعہ جسکی خبر دی جاتی ہے وقوع میں نہیں آتا۔ نینوہ کی توبہ اس بات کی ایک نظیر ہے۔ حزقیا کی سرگرم دُعا اور بھروسہ سے موت ٹل گئی اور عمر بڑھ گئی۔ ۳ آیت۔ یاد فرما۔ حزقیا کی دُعا اِس خواہش پر مبنی تھی کہ وہ عمر کی درازی پاکر خدا کی ستائش کرے۔ (دیکھو آیات ۱۸ و ۱۹) کامل شوق۔ سچّا بے ریا شوق۔ زار زار رویا۔ اُسکے آنسوؤں سے اسکی دُعا کی سرگرمی ظاہر ہوتی ہے اور اسکی یہ دُعا سُنی گئی۔ (دیکھو آیت ۵) ۴ آیت تب خداوند کا یہ کلام یسعیاہ پر نازل ہُوا۔ "پیشتر اسکے کہ یسعیاہ گھر کے درمیانی صحن میں نکلے" ۲ سلاطین ۲۰ : ۴ ان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکی دُعا کیسی جلدی سُنی گئی۔ ۷ آیت۔ خداوند سے تیرے لئے یہ نشان ہوگا۔ ۲ سلاطین ۲۰ : ۸ - ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ نشان حزقیا نے طلب کیا۔ دو باتیں اسکے سامنے رکھی گئیں۔ اور وہ یہ تھیں کہ یا تو سایہ دس درجہ آگے یا پیچھے ہٹ جائیگا۔ حزقیا نے دوسری بات بطور نشان قبول کی۔ ۸ - آیت دیکھ میں آفتاب کے ڈھلے ہُوئے سایہ کے درجوں میں سے جو آخز کی دھوپ گھڑی میں اندازہ ہوتے ہیں دس درجہ پیچھا کے چڑھاؤنگا۔ جس لفظ کا ترجمہ آخز کی دھوپ گھڑی " کیا گیا ہے۔ عبرانی میں اسکے معنے " آخز کی سیڑھیاں " ہیں۔ (دیکھو انگریزی نئے ترجمہ کا حاشیہ) معلوم ہوتا ہے کہ کئی سیڑھیاں نیچے اوپر بنی ہُوئی تھیں۔ اور جو سب سے اوپر تھی اس پر ایک بلّی عمُود وار گاڑی ہُوئی تھی جسکا سایہ ان سیڑھیوں پر اِس طرح گرتا تھا۔ کہ جُوں جُوں آفتاب سمت الرّاس ہوتا جاتا تھا سایہ سیڑھیوں کے اوپر چڑھتا جاتا تھا۔ اور جب سورج ڈھلنے پر

کے بعد غروب ہونے لگتا تھا تو بانس کا سایہ سیڑھیوں سے نیچے اُترنے لگ جاتا تھا۔ اِس سے وقت کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ ورجوں میں بھی یہی سیڑھیاں مُراد ہیں۔ اِس مقام اور ۲ سلاطین ۲۰ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ نشان دوپہر سے پہلے وقوع میں آیا۔ جبکہ سایہ اوپر کو جا رہا تھا۔ حزقیاہ نے خیال کیا کہ جس طرف کو سایہ جا رہا ہے۔ اگر اُسی طرف دس سیڑھیاں آگے جا نکلا تو اس میں اتنا لطف نہ ہوگا جتنا معکوس نواح میں جانے سے پیدا ہوگا۔ اِسی واسطے اُسنے کہا کہ دس درجہ پیچھے ہٹ جائے۔ اب اس بات کی خبر ہمکو نہیں دی گئی کہ یہ تبدیلی کس طرح وقوع میں آئی۔ آیا سورج گہن سے یا زمین کی حرکت کے بدلنے سے۔ پر تاہم جانتے ہیں کہ جس سبب سے اس عجیب نتیجہ کو پیدا کیا۔ وہ عالمگیر نہ تھا۔ کیونکہ کچھ عرصہ کے بعد شاہِ بابل نے اپنے ایلچیوں کو بھیجا تاکہ جو معجزہ اس ملک میں ہُوا تھا۔ اسکا حال دریافت کریں۔ (۲ تواریخ ۳۲: ۳۱) آفتاب دس درجے پھر چڑھ گیا۔ اِن لفظوں پر زور دیکر یہ مطلب نکالیں کہ سورج آسمان پر اپنی جگہ سے ہل گیا مطلب صرف یہ ہے کہ جو سایہ اسکا سیڑھیوں پر گرتا تھا وہ پھر گیا۔

مفید اشارے۔ (۱) یہ سبق ہمکو سکھاتا ہے کہ جو باتیں انسان کے لئے ناممکن ہیں وہ خدا کیلئے ممکن ہیں۔ اور اِسی طرح اُس شخص کیلئے جو خدا کی قدرت پر بھروسہ کرتا ہے ہر بات ممکن ہے۔ پس ہم کسی بات کو ایسا مشکل نہ سمجھیں کہ ہم اُسے دُعا میں خدا کے حضور لے جانا چھوڑ دیں۔ فقط ایک قید کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہماری درخواست خدا کی مرضی کے مطابق ہو (۲) خدا نے حزقیاہ کو ایک نشان عطا فرمایا جس سے اُسکے دل کی تسلّی ہوئی۔ کیا ہم بھی ایسے نشان ڈھونڈیں؟ نہیں ہمارا فرض یہ ہے کہ ہمیں نشان ملے یا نہ ملے ہم ہمیشہ اُسکے وعدوں پر تکیہ کریں۔ (۳) حقیقی دُعا وُہی ہے جو شیخی آمیز الفاظ میں ادا نہیں کی جاتی بلکہ کمال خاکساری اور فروتنی کی رُوح سے مانگی جاتی ہے۔ گو حزقیاہ نے اپنے چال وچلن کی خوبی کا ذکر خدا کے سامنے کیا مگر تاہم وہ فریسی نہ تھا۔ بلکہ وہ جانتا کہ مَیں گنہگار ہُوں۔ اور جو برکتیں مجھے ملی ہیں وہ فقط خدا کی محبّت اور فضل سے عطا ہُوئی ہیں۔ (۴) اِسکی دُعا کا جواب غور طلب ہے (الف) بہت جلد دیا گیا۔ یسعیاہ ابھی محل سے نکلنے نہیں پایا تھا۔ کہ حزقیاہ کی دُعا کے جواب میں خدا کا کلام اس پر نازل ہُوا۔ (ب) اُسکی دُعا کا جواب اُسکی صحت میں نظر آیا۔ تیسرے دن وہ خدا کے گھر کو گیا۔ (۵) ہمارا علم حزقیاہ سے زیادہ ہے۔ ہمنے مسیح کو مُردوں میں سے زندہ ہوتے دیکھا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ موت ہمکو اُسکی محبت سے جُدا نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ ہمارے لئے نفع ہے۔ کیا ہم حزقیاہ سے کم خدا کی محبت اور قدرت پر تکیہ کریں!

دُکھ اُٹھانے والا نجات دہندہ

سنڈے سکول سبق
۱۶ جولائی ۱۹۰۵ء

یسعیاہ ۵۲: ۱۳ و ۵۳: ۱-۱۲۔ سُنہلی آیت۔ پر خداوند نے ہم سبھوں کی بدکاری اُس پر لادی۔

روزانہ تلاوت

پیر ۱۰ جولائی یسعیاہ ۵۲: ۱۳ تا ۵۳: ۱۲
منگل ۱۱ جولائی عبرانی ۴: ۱۵ تا ۵: ۹
بدھ ۱۲ جولائی ۱ پطرس ۲: ۱۲-۱۸
جمعرات ۱۳ جولائی اعمال ۸: ۲۶-۳۵
جمعہ ۱۴ جولائی مرقس ۱۴: ۵۵-۶۵
سنیچر ۱۵ جولائی متی ۲۷: ۵۴-۶۰
اتوار ۱۶ جولائی عبرانی ۱۰: ۱-۱۳

یسعیاہ کی کتاب کے مفصلہ ذیل چار مقامات میں یہوواہ کے خادم کی عجیب تصویر نظر آتی ہے (۱) ۴۲: ۱-۴ (۲) ۴۹: ۱-۶ (۳) ۵۰: ۴-۹ - اور (۴) یہ مقام جو آج زیر مطالعہ ہے۔ پہلے تین مقاموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہوواہ کے خادم کا کام جسکے لئے وہ چُنا گیا ہے تمام دُنیا سے علاقہ رکھتا ہے۔ اور کہ وہ فضل سے ملبّس ہوکر اور کامیابی کا یقین دل میں رکھکر اپنے کام کو انجام دیتا ہے۔ مگر آج کے سبق میں ہم دیکھتے ہیں کہ وُہی خادم بے بیان تکلیفوں میں مبتلا ہے۔ کمال خاموشی اور بُردباری کے ساتھ اُن تکلیفوں کو سہتا ہے۔ پر اسکے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آخر کار اُن تکلیفوں اور دُکھوں پر جنہوں نے اُسے آگھیرا ہے فتح پائیگا۔ ممکن ہے کہ نبی کے زمانہ میں اس بیان کا اشارہ کسی معاصر واقعہ یا شخص یا جماعت کی طرف بھی ہو تاہم یہ نبوّت پُورے پُورے طور پر خداوند مسیح میں پُوری ہُوئی۔

شرح۔ ۵۲ باب۔ آیات ۱۳-۱۵۔ دیکھو میرا بندہ اقبالمند ہوگا وغیرہ۔ مطلب یہ ہے۔ کہ خدا کا بندہ (مسیح) ایسے طور پر اپنا کام کریگا کہ انجام کار کامیابی اُسے حاصل ہوگی۔ وہ بالا اور ستودہ ہوگا۔ یہ وہی تعریف کے کلمات ہیں جو ۶: ۱- اور ۵۷: ۱۵ میں قادر مطلق کے متعلق استعمال کئے گئے ہیں۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ صفتی کلمات اسکی ستودگی اور اقبالمندی اور بزرگی کے درجہ کو پُورے پُورے طور پر ادا نہیں کرتے۔ لہذا ایک اور جملہ ایزاد کیا جاتا ہے۔ اور نہایت بلند ہوگا۔ آیات ۱۴ اور ۱۵ کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح بہت سے لوگ اسکی ظاہری صُورت اور طرز رہائش کو دیکھکر دنگ ہونگے۔ کیونکہ اسمیں کسی طرح کی دل کشی اور خوشنمائی نہیں پائی جاتی۔ اُسی طرح قومیں اور بادشاہ اُن باتوں کو دیکھکر جو آگے کبھی کسی نے نہیں دیکھی تھیں حیران ہونگے۔ یعنی اُسکی پستی۔ اسکی صلیب اسکے جی اُٹھنے اور آسمان پر چڑھنے کو دیکھکر۔ آیت ۱۵ میں "قوموں پر چھڑکیگا" آیا ہے۔ مگر ستر کے ترجمہ میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ "اِسی طرح بہت سی قومیں اُسے دیکھکر حیران ہونگی"۔ بہت مفسّر اِس ترجمہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک مفسّر کہتا ہے کہ آیت ۱۴ میں مسیح کی مبارک صُورت کی وہ تصویر پائی جاتی ہے جو صلیب پر ہمارے سامنے آتی ہے۔ گویا نبی صلیب کے پاس کھڑا ہوکر اُسے صلیب پر دیکھ رہا ہے۔ اُس پر وہ ٹھٹھوں میں اُڑائے جانے کے بعد اور کانٹوں کے تاج کے ساتھ ٹانگا گیا تھا۔ اُسوقت اسکا مُبارک چہرہ طمانچوں کی چوٹ اور کانٹوں کے زخموں اور جانکنی کے تشدد سے دگرگوں ہو رہا تھا۔ ۵۳: ۱۔ ہمارے پیغام پر کون اعتقاد لایا۔ نبی گویا بے اعتقاد اور بے ایمان لوگوں سے بول رہا ہے۔ خداوند کا ہاتھ۔ خدا کی لامحدود قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ خدا نے اپنی قدرت سے اپنے بندہ کے ذریعہ نجات کی تجویز کو پُورا کیا۔ ۲۔ آیت۔ پھوٹ نکلا

سے - غور کرو فعل ماضی تقریب استعمال کیا گیا ہے - جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی جو کچھ بیان کرتا ہے وہ ایسے واقعات ہیں جو گویا ہو چکے ہیں - اُسے ان واقعات میں کسی طرح کا شک نہیں ہے - آیت کا باقی ماندہ حصہ غالباً یہ مطلب رکھتا ہے کہ مسیح کے پاس ظاہری شان و شوکت یا حشم و خدم یا جاہ و جلال نہ تھے - ۳ - آیت - حقیر تھا - اصل میں "آدمیوں کا رد کیا ہوا" یا "چھوڑا ہوا" تھا - دیکھو شاگرد بھی اُسکو آخرکار چھوڑ کر چلے گئے تھے - ۵ - آیت ہماری ہی سلامتی کیلئے اس پر سیاست ہوئی - یعنی جو سیاست اس پر ہوئی - اسکے سبب سے ہمکو سلامتی نصیب ہوئی - ۸ - آیت - کون اسکے زمانہ کا بیان کریگا - غالباً مراد یہ ہے کہ اُسکے زمانہ کی شرارت کا کون بیان کر سکتا ہے - ۹ - آیت - کیونکہ اُسنے کسی طرح کا ظلم نہ کیا وغیرہ غور کیجئے کہ نبی مسیح کو بیگناہ سمجھتا ہے - ۱۰ - آیت پسند آیا - مرضی تھی - اپنی نسل کو دیکھیگا - مراد اسکے شاگردوں یا بندوں سے ہے -

مفید اشارے - (۱) مسیح کے دکھ کہاں سے پیدا ہوئے ؟ "خدا کو پسند آیا کہ اُسے کچلے" مسیح نے اپنے باپ کی مرضی کو پورا کرنیکے لئے دکھ اُٹھایا - یہ سچ ہے کہ اُسکے دشمنوں نے اُسے ستایا اور شیطان نے اُنہیں اُکسایا - تاہم اسکے تمام دکھوں میں باپ کی مرضی پنہاں تھی - ہماری نجات کیلئے یہ ضرور تھا کہ وہ مصلوب ہو - (دیکھو یوحنا ۳ : ۱۴) اُسکی صلیب باپ کی اور اسکی محبت کا ثبوت ہے - کیا ہم اُس محبت کو جو مسیح کے دکھوں سے مترشح ہے پہچانتے ہیں ؟ (۲) مسیح نے کیوں دکھ اٹھائے ؟ ہمارے گناہ کے لئے - بارہ دفعہ اس باب میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ خدا کا بندہ ہمارے گناہوں کے لئے مؤا - ہمارے لئے قربان ہوا - ہمارے گناہوں کے لئے کفارہ ہوا - تاکہ ہم موت سے چھوٹ کر ہمیشہ کی زندگی کے وارث ہوں - (۳) اُسکے دکھوں کے نتیجے (الف) وہ اپنی نسل کو دیکھیگا یعنی بے شمار لوگ اُسکے وسیلے نجات کے وارث ہونگے - دیکھو عبرانی ۲ - اور مکاشفات ۷ (ب) اسکی عمر دراز ہوگی - اُسکے مصلوب ہونیکے وقت معلوم ہوتا تھا کہ گویا موت نے اُس پر فتح پائی - لیکن وہ مردوں میں سے جی اُٹھا - اور ابد الآباد جیتا ہے - (ج) "خدا کی مرضی اُسکے ہاتھ کے وسیلے برآئیگی" خدا کی مرضی ہے کہ لوگ اُسے اپنا نجات دہندہ سمجھکر قبول کریں - کہ وہ ہلاک نہ ہوں - بلکہ اسکے وسیلے ہمیشہ کی زندگی کے وارث ہوں - یوحنا ۳ : ۱۶ - کہ وہ اُنہیں سرفراز ہو کر اپنی روح پاک عطا فرمائے - اعمال ۲ : ۳۳ - اور خطاکاروں کی سفارش کرے - عبرانی ۷ : ۲۵ - (۴) ہمارا فرض ہے کہ ہم اُس نجات دہندہ کو رد نہ کریں - بلکہ اُسے دل سے قبول کریں اور ہمیشہ کی زندگی کے وارث ہوں -

ایک پُر فضل دعوت

سنڈے سکول کا سبق
۲۳ جولائی ۱۹۰۵ء

یسعیاہ ۵۵ : ۱ - ۱۳ - سُنہلی آیت - جب تک کہ خداوند مل سکتا ہے تم اُسے ڈھونڈو - جب تک کہ نزدیک ہے تم اُسے پکارو -

روزانہ تلاوت

پیر ۱۷ جولائی یسعیا ۵۵: ۱-۱۳
منگل ۱۸ جولائی یسعیا ۴۵: ۱۸-۲۵
بدھ ۱۹ جولائی یرمیا ۳۲: ۳۶-۴۴
جمعرات ۲۰ جولائی عبرانی ۳: ۷-۱۹
جمعہ ۲۱ جولائی یسعیا ۱: ۱۰-۲۰
سنیچر ۲۲ جولائی زبور ۱۳۰
اتوار ۲۳ جولائی متی ۱۱: ۲۵-۳۰

چوتھویں باب میں بنی اسیری سے واپس آنے کی نبوت کرتا ہے۔ لیکن اسیروں کا واپس آنا اُن کیلئے فائدہ مند نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک کہ وہ خداوند کی طرف بھی رجوع نہ کرتے۔ اس باب میں وہ دعوت قلمبند ہے۔ جس کے وسیلے خداوند اپنے لوگوں کو اپنی طرف بُلاتا ہے۔

شرح۔ ۱۔ آیت ۔ ارے اے پیاسو! مُراد اُن سے جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ (دیکھو متی ۵: ۶) پانی پاس آؤ۔ پانی اور مے اور دُودھ سے مُراد تازگی اور نئی زندگی اور رُوحانی غذا ہے۔ بے روپیا اور بے قیمت خرید و۔ خدا کی نعمتیں سونے اور چاندی سے نہیں خریدی جاتی ہیں۔ کیونکہ اُنکی قیمت لعلوں سے بھی بڑھکر ہے۔ اُنکی برکتیں اُسکے فضل سے ملتی ہیں۔ ۲۔ آیت جو روٹی نہیں وغیرہ۔ مُراد دُنیاوی اشیاء سے جو آسودہ نہیں کرتی ہیں۔ چربی سے لذت لیگا یعنی مسیح کی بادشاہت کی نعمتوں سے جو دنیاوی چیزوں سے کہیں مزیدار اور بیش قیمت ہیں حظ اُٹھائیگا۔ (دیکھو یہوداہ ۱: ۱۵) ۳۔ آیت داؤد کی سچی نعمتیں۔ لفظ سچی سے مُراد یقینی ہے یعنی وہ نعمتیں جنکے دستیاب ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیونکہ وہ جس نے وعدہ کیا ہے۔ وہ صادق اور ابدالآباد تک قایم رہنے والا خدا ہے۔ اس عہد میں تمام مسیحی نعمتیں شامل ہیں۔ ۴۔ آیت ۔ دیکھو میں نے اُسے قوموں کیلئے گواہ مقرر کیا۔ بلکہ لوگوں کا ایک پیشوا اور فرمانروا۔ "اُسے" قواعد کی رُو سے تو اِس ضمیر کا مرجع بعضوں کو داؤد معلوم ہوتا ہے۔ مگر جو کچھ کہا گیا ہے وہ داؤد پر عاید نہیں ہوتا۔ گواہ۔ پیشوا۔ اور فرمانروا۔ مسیح میں یہ سب صفتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ گواہ ہے۔ دیکھو یوحنا ۱۸: ۳۷۔ اتھاؤس ۶: ۱۳۔ وہ اپنے لوگوں کو کھلاتا اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ مکاشفات ۷: ۱۷۔ اور وُہی فرمانروا ہے۔ ۲ تھاؤس ۲: ۳ و ۴۔ ۵۔ آیت ۔ دیکھ تو۔ اِس آیت میں خدا مسیح سے مخاطب ہے۔ دَوڑتی آئینگی۔ اس سے وہ تیزی مُراد ہے جس سے غیر قومیں مسیح کی برکتوں میں شامل ہونے کے لئے آئینگی۔ ۶۔ آیت ۔ اس آیت میں پھر اسرائیل کو خداوند کے ڈھونڈنے کا اشتعال دلایا جاتا ہے اور اس ڈراوے کے ساتھ کہ اگر وہ اس جستجو میں نہیں لگیں گے تو موقعہ ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ ۷۔ آیت ۔ شریر اپنی راہ کو ترک کرے ۔ یعنی شرارت کی راہ کو۔ اور بدکردار اپنے خیالوں کو۔ نہ صرف بیرونی طرزِ رہایش کو چھوڑے بلکہ باطنی خیالات کو بھی جو بدی کی طرف مایل ہیں ترک کرے ۔ ۸ اور ۹ آیات ۔ اگرچہ انسان خدا کی شکل میں بنا ہے۔ تاہم خدا کو جو لامحدود ہے کماحقہٗ طور پر سمجھنا اُسکی طاقت سے بعید ہے۔ یہاں خدا کے خیالات کی وسعت اور عظمت مُراد ہے۔ ۱۰ اور ۱۱ آیات ۔ کیونکہ جس طرح آسمان سے بارش ہوتی اور برف پڑتی ہے وغیرہ جس طرح خدا کی یہ دونوں چیزیں اپنا کام کئے بغیر واپس نہیں جاتیں اسی طرح خدا کا کلام بھی خدا کے مقصد کو پورا

کئے بغیر واپس نہیں جائیگا۔ بارش اور برف کا خدا کی طرف واپس جانا ظاہر کرتا ہے کہ نبی اس بات سے واقف تھا کہ پانی بخارات بنکر اوپر چڑھ جاتا ہے۔ ۱۲ اور ۱۳ آیات ۔ (۱) ان آیتوں میں بھی ایک خروج کا ذکر ہے۔ اسکا مقابلہ مصر کے خروج سے کیا گیا ہے۔ بابل سے جو خروج ہوگا وہ خوشی اور سلامتی سے ہوگا۔ (۲) تمام نیچر خوشی کرے گی۔ (۳) اور یہ خداوند کیلئے ایک ابدی نشان ہوگا جو کبھی کاٹا نہیں جائیگا۔

مفید اشارے ۔ (۱) خوشی اور سیری کا اصل سرچشمہ کون ہے؟ (الف) اکثر اوقات لوگ خوشی اور سلامتی کو دولت یا عیش و عشرت میں تلاش کرتے ہیں۔ لیکن حقیقی خوشی یا سیری ان چیزوں میں نہیں ملتی۔ (ب) حقیقی خوشی کا سرچشمہ خدا ہے جو ہمیں اپنے پاس بلاتا ہے۔ مسیح جو خدا ہے ہمیں بلاتا ہے۔ یوحنا ۷: ۳۷۔ ہم آئیں اور اس سے سیر ہوں۔ (۲) ہماری پیاس کس طرح بجھائی جاتی ہے؟ (الف) ہمکو اُسکے پاس جو پیاس بجھانیوالا ہے۔ آکر اُس سے شخصی رشتہ پیدا کرنا چاہیئے (ب) اسکے عہد کی نعمتوں میں شریک ہوں۔ (ج) وہ گناہوں کی معافی جسکی بابت پچھلے سبق میں پڑھا حاصل کریں۔ (د) اس معافی کی شناخت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہمکو خوشی اور سلامتی میسر ہوتی ہے۔ (ر) نئی زندگی ہم میں نظر آتی ہے۔ کانٹوں کے عوض سرو اور صنوبر اور سدا گلاب کی جگہ آس پیدا ہوتے ہیں۔ (س) اور یہ عہد کی برکتیں ابدی ہوتی ہیں۔ اُنکو کوئی چیز کاٹ نہیں سکتی۔ کوئی شے ہمکو خدا کی محبت سے جُدا نہیں کر سکتی

ہم یاد رکھیں کہ اگر ہم مسیح کے پاس ایسے طور پر آئیں جیسا کہ ہم اس سبق میں پڑھ چکے ہیں تو یہ باتیں ہماری خوشی اور تسلی کا باعث ہونگی۔ (۱) گذشتہ گناہوں کی معافی سے ہمارے دلوں میں تسلی پیدا ہوگی۔ (۲) موجودہ زندگی میں خوشی اور سلامتی اور مسیحی خوبیاں ہمیں آراستہ کرینگی۔ (۳) اور ہمارا آیندہ بھی عہد کی ابدی نعمتوں سے مالا مال ہوگا۔

منسّی کا گناہ اور توبہ

سنڈے سکول کا سبق
۳۰ جولائی ۱۹۰۵ء

۲ تواریخ ۳۳: ۱-۱۳ - سُنہلی آیت ۔ صداقت گروہ کو سرفرازی بخشتی ہے۔ پر گناہ قوموں کیلئے رسوائی ہے۔

روزانہ تلاوت

پیر ۲۴ جولائی ۲ تواریخ ۳۳: ۱-۱۳
منگل ۲۵ جولائی ۲ تواریخ ۳۳: ۱۴-۲۰
بدھ ۲۶ جولائی ۲ سلاطین ۲۱: ۹-۱۶
جمعرات ۲۷ جولائی استثنا ۲۹: ۲۱-۲۹
جمعہ ۲۸ جولائی استثنا ۳۰: ۱-۱۰
سنیچر ۲۹ جولائی زبور ۵۱
اتوار ۳۰ جولائی لوقا ۱۵: ۱۱-۲۴

منسّی جب تخت پر بیٹھا اُسوقت اسکی عمر ۱۲ برس کی تھی۔ وہ حزقیاہ کا بیٹا تھا۔ اور اسکی شفا سے کوئی تین برس بعد پیدا ہوا تھا۔ اسکی حکمرانی کا زمانہ اسکے باپ کی عمر سے بھی زیادہ تھا۔ اور جتنی دیر تک اُسنے فرمانروائی کی اُتنی دیر تک یہوداہ یا اسرائیل کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے حکمرانی نہیں کی۔ مگر تخت نشین ہوتے ہی وہ ایسے

لوگوں کے ہاتھ میں پڑ گیا جو خدائے واحد کا خوف دل میں نہیں رکھتے۔ بلکہ بت پرستی کو پسند کرتے تھے۔ یہی وہ ساعتوں کو ماننے اور جادو اور ٹونا کرنے کی خرابیوں میں مبتلا۔ اور بہت سی خونریزی کا موجب ہُوا۔ روایت ہے کہ یسعیاہ نبی جو اسکے باپ کا دوست اور مشیر تھا۔ اسکے عہد میں آرے سے چروایا گیا۔ ممکن ہے کہ عبرانی ۱۱: ۳۷ کا اشارہ اسی جانگداز واقعہ کی طرف ہو۔

شرح ۔۳ آیت ۔بعلیم کے لئے۔ مُراد بعل کی بے شمار مورتوں سے ہے ۔ ۶۔آیت ۔ اپنے فرزندوں کو آگ میں گذارا۔ (۲ سلاطین میں ہے۔ "اپنے بیٹے کو آگ میں گذارا") اس سے مُراد مولک کی پوجا سے ہے جس میں بچے ظالمانہ صورت میں قربان کئے جاتے تھے۔ بنی ہنوم کی وادی ۔ یہ وادی یروشلم کے جنوب اور مغرب میں واقع ہے۔ ساعتوں کو ماننا۔ جیسا کہ بُت پرست لوگ ہندوستان میں اب بھی اچھے اور بُرے دنوں کو مانتے ہیں۔ ۷۔ آیت ۔ایک کھودا ہُوا بُت۔ تراشا ہُوا بت۔ اغلب ہے کہ یہ بُت بڑا خوبصورت اور قدآور ہوگا۔ ۱۰ آیت ۔خداوند نے منسّی ... سے باتیں کیں ۔ اپنے خادموں یعنی نبیوں کے وسیلے (۲ سلاطین ۲۱: ۱۰) ۱۱ آیت ۔شاہ اسور کے سرداروں ۔ کانٹوں سے پکڑ کے ۔غالباً اُن کانٹوں سے مُراد ہے ۔ جنکے وسیلے شاہانِ اسور عموماً اپنے اسیروں کی ناک اور کان چھید ڈالا کرتے تھے ۔ ۱۳ آیت ۔ وہ اُسے یروشلم میں پھیر لایا ۔معلوم ہوتا ہے کہ چند عرصہ کے بعد شاہِ اسور نے مناسب سمجھا کہ اُسے پھر بطور خراجگذار بادشاہ کے اسکے وطن کو واپس کردے۔ اسکی تکلیف اُسکے لئے مفید واقع ہوئی۔ اور اس وقت کے بعد اسکی مذہبی حکمت عملی بالکل تبدیل ہوگئی۔

مفید اشارے ۔ہم نے پچھلے دو سبقوں میں دیکھا کہ خدا کس طرح اپنی راستبازی اور عدل کو قایم رکھکر گنہگاروں کو مسیح میں معاف کرسکتا اور اپنی روح کی نعمتیں اُن کو عنایت فرماسکتا ہے۔ اس سبق میں ہم دیکھتے ہیں کہ اُسنے کس طرح ایک شخص کو جسنے ہر طرح کا گناہ کیا تھا معاف فرمایا۔ (۱) منسّی کا گناہ ۔ دیکھئے وہ ایک نیک باپ کا بیٹا تھا۔ مگر تاہم بگڑ گیا ۔یاد رہے کہ فضل کی نعمتیں موروثی نہیں ہوتی ہیں۔ اب ہم دیکھیں کہ منسّی کا گناہ کہاں کہاں ظاہر ہوتا ہے۔ (الف) اُس نے یہوواہ کے برخلاف گناہ کیا جس نے ایسی ایسی عجیب باتیں اسرائیل کیلئے کی تھیں۔ (ب) اُس نے اپنے باپ کے خلاف گناہ کیا ۔جبکہ اُسکے نام کو بدنام اور اسکے نیک کام کو چکنا چور کیا۔ (ج) اُسنے خدا کے گھر کو اپنی بُت پرستی اور بدکاری سے ناپاک کیا۔ (د) اُس نے اپنے بچوں کا گناہ کیا۔ (دیکھو آیات ۶ و ۲۰) مناسب تھا کہ وہ انہیں خدا کو پیار کرنا سکھاتا۔ (ر) اُس نے لوگوں کا گناہ کیا۔ جبکہ تمام مُلک کو خون سے بھر دیا۔ (س) وہ آگاہ کیا گیا تاہم اُس نے گناہ کیا۔ (دیکھو آیت ۱۰) یسعیاہ اور دیگر نبی اُسکے پاس ضرور آئے ہونگے۔ اور اُنہوں نے ضرور اُسے متنبہ کیا ہوگا۔ مگر وہ شنوا نہ ہُوا۔ (۲) منسّی کی سزا ۔جب آگاہی اور ملایم تنبیہ سے منسّی سیدھا نہ ہُوا تو خدا نے اس گنہگار بادشاہ پر مصیبت بھیجی۔ "کانٹے" اور "زنجیریں" اُسکو دیں مگر یہ بھی محبت اور رحمت کی راہ سے۔ تاکہ اُسے بابل کی طرف بھیجکر اپنی طرف واپس لائے۔ بابل کا قیدخانہ یروشلم کے محل سے اسکی نسبت زیادہ برکت کا باعث ہُوا۔ کانٹوں کی راہ سیدھی راہ تھی" زبور ۱۰۷: ۷۔ کیا ہم اپنی تکلیفوں سے وُہی سبق سیکھتے ہیں جو منسّی نے سیکھا۔

یاد رہیں اور بھی سخت دل بنا رہی ہیں۔ (۳) منسّی کی توبہ اور معافی۔ منسّی نے بابل میں جا کر اپنے گناہ کو پہچانا۔ اور اپنے خدا کو یاد کر کے اپنے خون آلود ہاتھ کو بلند کیا۔ اور سچّی گریہ وزاری اور توبہ کی روح کے ساتھ دعا کی۔ خدا اسی وقت کا منتظر تھا۔ آہ! وہ کیسا صابر خدا ہے۔ اب جب کوئی روک بیچ میں نہ رہی تو (الف) خدا نے اُسکی دُعا سُنی۔ (ب) اس کے گھنونے گناہوں کو معاف کیا۔ (ج) اُسے اُس کے مُلک میں واپس لایا۔

بلیک بورڈ کے ذریعے تعلیم دینے کی ہدایات

مرقومہ پادری جے آئی ہسکر دینا پور + مُترجمہ مسز ایم ایل رلیا رامر۔

سنڈے سکول سبق جولائی ۱۹۰۵ء

جولائی ۲۔ دوسری تواریخ ۳۲ : ۹۔۲۳۔ کہتے ہیں کہ ٹاور آف لنڈن میں شاہی جواہر ظاہرا بلا محافظت رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن دراصل قوت برقی کی رو سے جو اُن کے چوگرد ہے وہ بڑے محفوظ ہیں۔ دل کا نقشہ کھینچ کر اُس سے ایماندار شخص مُراد لو۔ اور اُسکے چوگرد ایک مدھم سا دائرہ کھینچو۔ اور اسکو خدا کی نادیدنی طاقت کا نشان ٹھہراؤ۔ دایرہ کے باہر ایک ہاتھ کھینچو جو دشمن کا ہاتھ ہے۔

جولائی ۹۔ یسعیاہ۔ ۳۸ : ۱۔۸۔ حزقیاہ کی زندگی کی گھڑی پر تمام نیکی کے خدا کی رحمت سے سایہ کا پیچھے کو ہٹ جانا۔ حزقیاہ کی زندگی کی مثال دینے کے واسطے ایک دھوپ گھڑی کا نقشہ بناؤ۔ جس دھوپ گھڑی کا ذکر اسی باب میں ہے۔ وہ ایک ستون کی شکل ہے جس پر سیڑھیاں بنی ہیں۔ اور جس طرح دھوپ کا سایہ اِن سیڑھیوں پر پڑتا تھا۔ اُس سے گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ کا وقت معلوم ہوتا تھا۔ دھوپ گھڑی کے اوپر سیاہ بادل بناؤ۔ جو سورج کو چھپائے ہوئے ہیں۔ لیکن کرنیں بادل کو چیر کر نکل رہی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادل کے پیچھے سورج روشن ہے۔ بادل کو دُکھ اور مصیبت قرار دو۔ اس کے ساتھ ایک اور گھڑی کی تصویر بناؤ۔ اور ایک دُعا، کا تیر بناؤ جو بادل کو چیر دیتا ہے۔ اور اسی شگاف میں سے روشنی آکر گھڑی پر پڑتی ہے۔

جولائی ۱۶۔ یشعیاہ۔ ۵۲ : ۱۳ + ۵۳ : ۱۲۔ بورڈ کے ایک نچلے کونہ میں ایک آنکھ بناؤ۔ جو دُوربین سے اُوپر کے کونہ کو دیکھ رہی ہے۔ اور اِس دُوربین کا نام مکاشفہ رکھو۔ اُوپر کے کونہ میں صلیب۔ کوڑا۔ اور قبر کی تصویر کھینچو۔ اور ان کے نیچے یہ کتبہ لکھو "خدا کے بندہ اور گنہگاروں کے نجات دینے والے کے یہ نشان ہیں جو نبی نے دیکھے"

جولائی ۲۳- یسعیاہ ۵۵: ۱-۱۳ - بورڈ کے اوپر لکھو- یہ وہ چیزیں ہیں- جو نقدی سے خریدی جا نہیں سکتیں- اور اسکے نیچے یہ تصویریں بناؤ- ایک صاف دل- ایک روٹی اور پانی کا چشمہ- صاف دل سے مراد گناہوں کی معافی ہے آیت ۷- روٹی سے مراد زندگی کی روٹی ہے- یوحنا ۶: ۳۲-۳۳- جو روح کی غذا ہے آیت ۲- چشمہ سے مراد زندگی کا پانی ہے- یوحنا ۴: ۱۴ اور ۷: ۳۷ و ۳۸- جس سے روح کو سیری ہوتی ہے- آیت ۱ و ۱۲-

جولائی ۳۰- ۲ تواریخ ۳۳: ۱-۱۳- ایک تختی کی شکل بناؤ- اور اوپر لکھو "منسّی کی زندگی کی تختی"- اس تختی کی دو تہائی کو غلطیوں- داغ- اور خراب لکھائی سے بھر دو- اور باقی حصہ صاف اور خوشخط حروف سے بھرو- اسکے نیچے عصا کی شکل بناؤ- جس سے مراد سزا ہے- اور یہ وہ ذریعہ ہے جس سے منسّی نے اپنی زندگی کے اطوار بدلے-

---

خدا کی جناب میں دل کی درخواست

از پادری اے- ایس- شائق

جو ہو تیری نظر میں نفرت انگیز — کریں اُس سے مری آنکھیں بھی پرہیز
کروں خواہش جو اُس کے دیکھنے کی- — تو بہتر ہے- کہ ہو کور آنکھ میری-
نہیں ہے بات جو تجھکو گوارا- — مجھے بھی اس سے لازم ہے کنارا
خلاف اِس کے اگر کچھ آرزو ہو- — تو اِس لغزش سے کرنا پاک مجھکو
مزیّن کر زبان کو راستی سے- — نہ کچھ بولے سوا تیری ثنا کے
کوئی فاسد خیال آنے نہ پائے — تیرا سودا میرے سر میں سمائے
میرے اقوال اور افعال یارب — مطابق ہوں تیرے فرمان کے سب
مگر یہ خواہشیں میری- بھلا کیا! — نہ جب تک فضل ہو تیرا- خدایا!
کرے گر تو مدد- سب کچھ ہے آساں — وگرنہ ہیچ ہے- تدبیر انساں-
مجھے دھو- اور کر باطن میرا پاک — گناہوں سے بھرا ہوں زیر افلاک
سیہ سینہ میرا پرنور کر دے- — مقدّس روح سے معمور کر دے
عطا کر وصفِ اعلیٰ یہ مجھے تو- — کہ بد سے نیک ہو جائے میری خو

نہیں اِس سے زیادہ التجا اب
میری حالت ہے ظاہر تجھپہ یارب

اُن سارے کاموں میں مدد دینے کو تیار ہیں جن سے اس منجی کی بادشاہی نوجوانوں میں پھیلے۔ خاصکر میں ڈاکٹر وبری اور مس ہیکلیٹ کا شکرگذار ہوں جو نہایت ہی ہمدردی کے ساتھ برابر مجھے مدد اور صلاح دیتے رہے ہیں۔ انگریزی اس بات کیلئے دل وجان سے شکرگذار ہے کہ گو سکرٹری بدلتے رہتے ہیں۔ تاہم یہ دو دوست سال بسال ہر طرح کی کارروائی اور عملدرآمد میں بڑی تندلی کے ساتھ اسکو سنبھالتے چلے جا رہے ہیں۔

سنڈے سکولوں کی رپورٹیں جو سالانہ جلسہ پر پڑھی گئیں۔ **دہلی**۔ سنڈے سکول کا کام جسقدر مفید ہے اُسی قدر مشکل بھی ہے اور اسکو لائق طور پر انجام دینے کیلئے علم کی اتنی ضرورت نہیں ہے۔ جتنی روح کی طاقت اور مدد کی ہے۔ مقصد اسکا کلام کی واقفیت نہیں بلکہ دل اور رُوح کی بہتری اور بہبودی ہے۔ کلام کی تعلیم اس مقصد کو حاصل کرنیکا فقط ایک وسیلہ ہے۔ اور اس سے بڑھکر کوئی اور وسیلہ نہیں۔ لہٰذا اِس کے سبب سے سنڈے سکول کے کام پر زور دیا جاتا ہے۔ رپورٹ میں صرف اتنی ہی بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ کہانتک اِسوقت تک ایسے کام پر ہمنے اپنی کوشش مبذول کی ہے۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے بورڈنگ سکول میں یہ کام بڑی ترقی پر ہے پر ان کے علاوہ غیر مسیحی مردوں اور عورتوں اور بچوں کیلئے جماعتیں ہیں شہر کے مختلف مقاموں میں اور دیہات میں سنڈے سکول ہیں۔ اور برابر یہی کوشش رہتی ہے کہ سنڈے سکول میں آنیوالوں کی تعداد اور بڑھے۔ سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ غریب لوگوں کے بچے اکثر محنت مزدوری کیلئے چلے جاتے ہیں۔ اور مردوں اور عورتوں کو اچھی مذہبی تعلیم کی کم پرواہ ہے تاہم جو کچھ ہو رہا ہے اُسمیں ہم الٰہی روح کی برکت اور فضل دیکھتے ہیں اور دُعا یہی ہے کہ اور زیادہ باپ اور بیٹے اور روح کا جلال ہو۔ (جوئیل والنطالال سپرنٹنڈنٹ)

گوجرخاں۔ ہمارے سبت سکول میں کُل طلباء ۲۷ حاضر ہوتے ہیں۔ دو اُستاد ہیں اور دو جماعتیں۔ تمام لڑکے بڑی خوشی اور شوق سے حاضر ہوتے۔ اور سبق کو دل دیکے سیکھتے ہیں۔ پہلے مضمون سُنایا جاتا ہے۔ اور پھر آیات۔ اور ان لڑکوں میں سے بہت سے بورڈ سکول کے طالبعلم ہیں۔ اور اِن طلباء کی حاضری کے واسطے یہ تجویز کی ہے۔ کہ جب کسی طالبعلم کی چار حاضریاں ہوجاتی ہیں۔ ایک تصویر دار کارڈ دیا جاتا ہے۔ اور جبکہ کسی طالبعلم کے پاس ایسے بارہ کارڈ ہونگے۔ اُنکو کوئی دلچسپ اور مفید کتاب دی جائیگی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ ڈھنگ خدا کا کلام بچوں کے سکھلانے کے واسطے بہت ہی عمدہ ہے۔ ہمارا تجربہ ہے۔ کہ اگر چھوٹے لڑکوں کو تصویر کے ذریعے سکھایا جائے۔ تو بہت ہی عمدہ ہے۔ اور پھر سبق کو یاد کر سکتے ہیں۔

لودھیانہ۔ جماعتیں ۱۵۔ شاگرد ۲۵۸۔ اوسط حاضری قریباً ۲۰۰۔ غریب لڑکوں کی جماعت ۸۰۔ اُستادوں کی جماعت بُدھ کے روز ہوتی ہے۔ **پٹھانکوٹ**۔ سنڈے سکول کے طالبعلموں نے باہم چندہ فراہم کرکے تصویریں منگوائی ہیں۔ اِس سکول میں چار جماعتیں ہیں جنکے واسطے چار ہی اُستاد ہیں۔

اوسط حاضری ۴۵ ہے۔ یہاں کے سنڈے سکول کی تعلیم کا یہ طریقہ ہے کہ ہر ایک اُستاد علیحدہ علیحدہ جماعتوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ اور سبق ختم ہونے کے بعد اُستاد اور طلباء ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں پادری صاحب اِسی آموختہ سبق کو با مطلب و باتشریح طالب علموں سے سُنتے ہیں۔ پھر سب اُستاد اور طلباء سُنہلی آیت کو حفظ سُناتے ہیں۔ گذشتہ سال کے سنڈے سکول کا چندہ مبلغ ۱۷ روپے ۱۲ آنے ۹ پائی جمع ہوا تھا۔ اور اِس سال ۳۴ روپے ۵ آنے ۱ پائی۔ جمع ہوا ہے جس میں کہ غیر مسیحی بھی شامل ہیں۔ اِس سال سنڈے سکول گذشتہ سال کی نسبت ہر ایک بات میں ترقی پذیر رہا ہے۔ **گورداسپور** ۔ یہ سبت سکول ۶ جماعتوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ یعنی اوّل جماعت تعلیم یافتہ مسیحیوں کی ہوتی ہے۔ دوئم۔ تعلیم یافتہ مسیحی مستورات کی۔ سیوم مسیحی بچوں کی۔ چہارم ناخواندہ مسیحی بیبیوں کی۔ پنجم۔ ناخواندہ مسیحی مردوں کی۔ ششم۔ غیر مسیحی لوگوں کی۔ (۱) پہلی جماعت کو ایک سرکاری عہدیدار جو کئی سالوں سے سبت سکول سے تعلق رکھتے ہیں تعلیم دیتے ہیں اور بڑی دلچسپی ظاہر کرتے اور اس کام میں کوشش بھی کرتے ہیں۔ (۲) ہمارے پاسٹر صاحب کی بیوی تعلیم دیتی (۳) ایک بزرگ عمر رسیدہ بائبل وومین سکھلاتی ہے۔ (۴) ناخواندہ مسیحی مستورات کو مشنری لیڈی تعلیم دیتی ہیں۔ (۵) پاسٹر صاحب تعلیم دیتے (۶) غیر مسیحی لوگوں کو مشنری سپرنٹنڈنٹ تعلیم دیتے۔ اس سبت سکول سے ہر سال طالب علم سنڈے سکولز یونین کے امتحان میں شامل ہوتے اور کامیاب ہو کر سند حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے سال ہی ۹ طالب علم کامیاب ہوئے۔ پچھلے سال کا چندہ قریباً ۲۲ روپیہ ہوا۔ اوسط حاضری تقریباً ۵۰ کے ہو جاتی ہے۔ سبت سکول میں سرکاری ملازم برابر آ کر حصّہ لیتے۔ اور سرگرمی سے خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ایک اور سبت سکول غریب لوگوں میں پچھلے سال سے کھلا ہوا ہے جسمیں دو اُستاد کام کرتے۔ پاسٹر صاحب اور ایک اور مسیحی ممبر اس سبت سکول کی حاضری قریباً ۴۴ ہو جاتی ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں ملکر تعلیم پاتے ہیں۔ سُنہلی آیت اور سبق کا سرنامہ سکھلایا جاتا ہے۔ پچھلے سال اُنہوں نے سیکھنے میں بہت ترقی کی ہے۔ پہلے اُن کے والدین سُننے کو نہ آتے تھے۔ پر اب وہ بھی اپنے بچوں کے ہمراہ برابر سنتے رہتے اور سیکھنے میں ترقی کرتے ہیں۔ ہمارے پاسٹر صاحب انکو تصویروں کے ذریعے سبق یاد کراتے اور بعد میں ہر ایک کو ایک تصویر دار پرچہ دے دیتے ہیں۔ جو لدھیانہ سے شائع ہوتا ہے۔ سبت سکول میں اُردو پرچے لدھیانہ کے استعمال کئے جاتے ہیں۔ **دھاریوال**۔ یہاں ایک اینگلو ورنیکولر مڈل مشن سکول ہے سنڈے سکول کے لئے ہم سارے سکول کو تین جماعتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی مڈل۔ اپر پرائمری اور لوئر پرائمری۔ چندہ برابر نہیں ہوتا بلکہ حسب ضرورت لیا جاتا ہے۔ اوسط حاضری ۵۰ ہے۔ بھاپنور ۲ عیسائی ۱۷ مسلمان۔ ایک دیگر قوم اور ایک اُستاد ہے۔ **مادھوپور**۔ ہر سبت کی حاضری ۴۰ ہے جن میں ۱۸ ہندو۔ ۱۲ مسلمان۔ ۸ عیسائی ۲ دیگر قوم اور ۲ اُستاد ہیں۔